اردو کلاسیک

سیریز ایڈیٹر: شمس الرحمٰن فاروقی

داستانِ امیر حمزہ



تالیف

نواب مرزا امان علی خاں غالب لکھنوی

اوکسفرڈ

اردو کلاسیک

سیریز ایڈیٹر: شمس الرحمٰن فاروقی

داستانِ امیر حمزہ

تالیف

نواب مرزا امان علی خاں غالبؔ لکھنوی

تعارف

رفاقت علی شاہد

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

نمبر ۳۸، سیکٹر ۱۵، کورنگی انڈسٹریل ایریا، پی او بکس ۸۲۱۴،
کراچی۔۷۴۹۰۰، پاکستان

اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس یونیورسٹی آف اوکسفرڈ کا ایک شعبہ ہے۔ یہ دنیا بھر میں
درج ذیل مقامات سے بذریعہ اشاعت کتب تحقیق، علم وفضیلت اور تعلیم میں اعلیٰ معیار کے
مقاصد کے فروغ میں یونیورسٹی کی معاونت کرتا ہے:

اوکسفرڈ نیویارک

اوکلینڈ کیپ ٹاؤن دارالسلام ہونگ کونگ کراچی
کوالالمپور میڈرڈ میلبرن میکسیکو سٹی نیروبی
نیودہلی شنگھائی تیپی ٹورونٹو

درج ذیل ممالک میں اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کے دفاتر ہیں:
ارجنٹائن آسٹریا برازیل چلی چیک ریپبلک فرانس یونان
گوئٹے مالا ہنگری اٹلی جاپان جنوبی کوریا پولینڈ پرتگال
سنگاپور سوئٹزرلینڈ ترکی یوکرین ویتنام

Oxford برطانیہ اور چند دیگر ممالک میں اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کا رجسٹرڈ ٹریڈ مارک ہے۔

پاکستان میں اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، کراچی سے شائع ہوئی۔

پہلی اشاعت ۲۰۱۱ء

ISBN 978-0-19-906001-6

پاکستان میں کاغذی پرنٹرز، کراچی میں طبع ہوئی۔
امینہ سیّد نے اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس
نمبر ۳۸، سیکٹر ۱۵، کورنگی انڈسٹریل ایریا، پی او بکس نمبر ۸۲۱۴،
کراچی۔۷۴۹۰۰، پاکستان سے شائع کی۔

ترتیب

تعارف

داستانِ امیر حمزہ اپنے کمال اور خصوصیات کی بنا پر اردو زبان کے حوالے سے پہچانی جاتی ہے۔ اس عظیم اردو داستان کی اصل یقیناً فارسی ہے لیکن فارسی میں اسے وہ اہمیت اور قبولیت نہ مل سکی جو اردو داستان نگاروں اور داستان گویوں نے اسے بخشی۔ فارسی میں یہ داستان آج بھی مختصر اور محض چند سو صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے فارسی ''داستانِ امیر حمزہ'' کے آٹھ قلمی و مطبوعہ نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے مقابلے میں اردو داستان نگاروں نے آج سے ایک صدی قبل اسے دلچسپ بنا کر ہزاروں (تقریباً پچاس ہزار سے زائد) صفحات میں پھیلا دیا۔ اردو کے لیے یہ کارنامہ رام پور اور لکھنؤ میں علیحدہ علیحدہ انجام دیا گیا۔

اردو میں قصۂ امیر حمزہ کا قدیم ترین متن اس قلمی نسخے پر مبنی ہے جو انجمن ترقیِ اردو پاکستان، کراچی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ دکنی زبان میں ہے اور قیاساً گیارھویں صدی ہجری مطابق اٹھارویں صدی عیسوی کا مکتوبہ ہے۔ اسی صدی کے اواخر کا ایک اور مکتوبہ قلمی نسخہ پیرس کے قومی کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ کسی فرانسیسی اردو دان کا ترجمہ کیا ہوا ہے۔ یہ دونوں قلمی نسخے اور ان کے متون تاریخی اہمیت کے حامل تو ہیں لیکن ان کی ادبی اہمیت نہیں ہے۔

اردو میں داستانِ امیر حمزہ کا پہلا اہم شاہکار خلیل علی خاں اشک کا مولفہ نسخہ ہے جو ۱۲۱۶ھ/ ۱۸۰۱ء میں تیار اور ۱۲۱۸ھ/ ۱۸۰۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ اردو داں طبقے میں داستانِ امیر حمزہ کی مقبولیت اوّل اوّل اسی قصے سے ہوئی۔ اس قصے کی دوسری اہم کڑی مرزا امان علی خاں غالب لکھنوی کا قصہ ہے جو ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء میں تیار اور اگلے سال کلکتہ سے شائع ہوا۔ یوں اردو میں قصۂ امیر حمزہ کی پہلی دو اہم اور مطبوعہ روایتیں کلکتہ سے شائع ہوئیں لیکن تعجب خیز اور دلچسپ امر یہ ہے کہ اشک اور غالب لکھنوی کے قصے اپنی خوبیوں کے باوجود قبولیت حاصل نہ کر سکے۔ ایسا غالباً ان کی اشاعت بہت کم اور محدود ہونے کے

باعث ہوا ہوگا۔ اشک کا کارنامہ تو بعد میں بھی شائع ہوتا رہا لیکن غالب لکھنوی کا قصہ ایسے معدوم ہوا جیسے اس کا سرے سے وجود ہی نہ ہو، تا آنکہ ایک صدی سے زائد کا عرصہ گزر کے بعد ڈاکٹر سہیل بخاری کے توسط سے اس کی بازیافت ہوئی۔[1]

۱۸۷۰ء کے آس پاس منشی نول کشور نے قصۂ امیر حمزہ کی دل چسپی اور مقبولیت کی وجہ سے اس کی اشاعت کی جانب خصوصی توجہ کی، چنانچہ ۱۸۷۱ء میں انھوں نے اپنے مطبع اودھ اخبار سے داستانِ امیر حمزہ کا وہ نسخہ شائع کیا جس کا متن مولوی عبداللہ بلگرامی نے غالب لکھنوی کے نسخے پر نظرِ ثانی کر کے تیار کیا تھا۔ ۱۸۷۷ء سے قبل، یعنی تقریباً ۱۵ سال میں اس نسخے کی تین طباعتیں ہوئیں۔ اس سے قصۂ امیر حمزہ کی عوام میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے منشی نول کشور نے داستانِ امیر حمزہ (طویل) کی داغ بیل ۱۸۸۰ء کے اردگرد ڈالی۔ ۱۸۸۷ء میں مطبع منشی نول کشور سے یک جلدی داستانِ امیر حمزہ کی چوتھی طباعت منظرِ عام پر آئی تو اس پر مصحح کے طور پر سیّد تصدق حسین رضوی کا نام درج تھا۔ اس نسخے کی خاص بات یہ تھی کہ تصدق حسین رضوی نے یہ نسخہ عبداللہ بلگرامی کے ترجمے میں ترمیم و اصلاح کر کے تیار کیا تھا۔ بعد میں مولوی عبدالباری آسی نے تصدق رضوی کے نسخے پر نظرِ ثانی کی۔ یہ نسخہ بیسویں صدی کے نصف اوّل میں مطبع نول کشور سے ہی شائع ہوا۔ یک جلدی داستانِ امیر حمزہ کی دسویں طباعت اسی ادارے (اب تیج کمار پریس) سے ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔ یہ نسخہ آسی کی اشاعت تھی۔

یک جلدی قصۂ امیر حمزہ کی اشاعتی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مختصر روایت کے اہم نسخے اشک اور غالب لکھنوی کے قصے ہیں اور ان میں بھی غالب لکھنوی کا نسخہ زیادہ مقبول رہا کہ تین افراد نے اس کے چراغ سے اپنا چراغ جلایا۔

پیشِ نظر کے مولف نے کتاب کے دیباچے میں اپنا نام ''امان علی خاں'' لکھا ہے۔ کتاب کے سرورق پر مولف کا پورا نام مع تخلص ''نواب مرزا امان علی خاں بہادر غالب لکھنوی'' تحریر ہے۔ ''نواب'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب لکھنوی خاصے آسودہ حال شخص ہوں گے۔ دیباچے ہی میں مولف نے خود کو شہزادہ فتح حیدر خلف اکبر ٹیپو سلطان کا داماد تحریر کیا ہے۔ عبدالغفور خاں نساخ نے اپنے تذکرے سخنِ شعرا میں غالب لکھنوی کو ''عظیم آبادی'' لکھا ہے [ص ۳۴۹]۔ ممکن ہے غالب لکھنوی کا وطنِ اصلی عظیم آباد (پٹنہ) ہی ہو، بعد میں وہ لکھنؤ آ کر بس گئے ہوں اور اسی لیے ''لکھنوی'' کہلائے۔ نساخ کے مطابق غالب لکھنوی کافی عرصہ ''ڈپوٹی کلکٹر'' رہے اور وہ پہلے ہندو تھے، بعد میں مسلمان ہو گئے۔ نساخ نے ان سے چندرنگر عرف فرانسڈانگا میں ملاقات،

ان کے فارسی شاعر ہونے، ان کا قصۂ امیر حمزہ دیکھنے اور کلکتہ میں رہائش اختیار کرنے کا بھی لکھا ہے [ایضاً]۔ نساخ نے غالب لکھنوی کا ذکر زندہ شخص کے طور پر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سخنِ شعرا کی تکمیل ۱۲۸۱ھ (۶۵ - ۱۸۶۴ء) تک غالب لکھنوی زندہ تھے اور کلکتہ میں مقیم ہو چکے تھے۔ حکیم سید احمد اللہ ندوی نے تذکرۂ مسلم شعرائے بہار میں غالب لکھنوی کو مرزا محمد حسن قتیل کا شاگرد لکھا ہے لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا۔

غالب لکھنوی نے اپنے دیباچے میں واضح کیا ہے کہ انھوں نے فارسی داستانِ امیر حمزہ سے یہ ترجمہ حکیم شیخ امداد علی خلف الرشید حکیم شیخ دلاور علی، شاگردِ حکیم میرزا حیدر کی فرمائش پر کیا ہے اور حکیم امداد علی کو اس ''ترجمے'' کی تحریک میر عزت علی نے دی۔ حکیم صاحب نے عدیم الفرصتی اور قدیم تعلق خاطر کی وجہ سے یہ ذمے داری غالب لکھنوی کو سونپ دی۔

مولف نے اپنے دیباچے میں یہ بھی لکھا ہے کہ میر عزت علی اس داستان کا زبانِ اردوے معلیٰ میں ''ترجمہ'' کر کے چھپوانے کے خواہش مند تھے اور شیخ امداد علی نے انھیں ہدایت کی کہ ''ترجمے'' میں صاف صاف روزمرہ اردو کا لکھا جائے کہ خاص و عوام کو پسند آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غالب لکھنوی نے از خود قصے کی زبان کو صاف، سادہ اور روزمرے کے مطابق لکھا ہے۔

قصۂ امیر حمزہ کا یہ نسخہ ۱۹ جمادی الاوّل ۱۲۷۱ ہجری مطابق ۷ فروری ۱۸۵۵ء کو دارالامارہ کلکتہ، محلہ مرزا پور، متصل تھانہ قدیم، مکان نمبر ۱۰، مطبع امدادیہ میں حکیم شیخ امداد علی صاحب کے اہتمام سے منشی سید حیدر علی کے حلیۂ طبع سے آراستہ ہوا۔ ۱۹/ جمادی الاوّل ۱۲۷۱ھ/ ۷/ فروری ۱۸۵۵ء تک اگرچہ قصۂ امیر حمزہ کی طباعت مکمل ہو چکی تھی لیکن سرورق کا صفحہ ۵ جمادی الثانی ۱۲۷۱ ہجری موافق ۲۳ فروری ۱۸۵۵ عیسوی مطابق ۱۲ پھاگن ۱۲۶۱ بنگلہ'' کو طبع ہوا اور غالباً اس روز یا اس کے کچھ دن بعد کتاب شائع ہوئی۔

غالب لکھنوی نے اپنا قصۂ امیر حمزہ ۱۸۵۴ء میں تالیف کیا۔ اس سے کم و بیش ۵۱ سال قبل اشک کا مولفہ قصہ قصۂ امیر حمزہ کے نام سے شائع ہو چکا تھا۔[۲] ایک عرصے تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ عبداللہ بلگرامی نے اشک کے قصے میں ترمیم کر کے اپنا نسخہ تیار کیا اور سید تصدق حسین رضوی نے یہ عمل نسخۂ بلگرامی کے ساتھ کر کے اپنا نسخہ بنایا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے غالب لکھنوی اور تصدق رضوی کے قصوں کا تجزیہ کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ مطبع نول کشور کے اعلان کے برعکس تصدق رضوی نے غالب لکھنوی کے نسخے میں ترمیم کر کے اپنا نسخہ تشکیل دیا، نہ کہ نسخۂ بلگرامی میں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے دونوں نسخوں کی بعض عبارات کا تقابلی مطالعہ کر کے اپنے دعوے

کے حق میں متعدد ثبوت پیش کیے ہیں۔

ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی نے غالب لکھنوی کے قصۂ امیر حمزہ کی ۱۸۶۸ء میں دہلی سے اشاعت کا ذکر کیا ہے۔ انھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ غالب لکھنوی کا ترجمہ صرف ایک ہی بار ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء میں شائع ہوا۔ اس کی کسی اور اشاعت کی کوئی مصدقہ اطلاع موجود نہیں۔ ڈاکٹر فریدی نے نائب حسین نقوی کے حوالے سے داستانِ امیر حمزہ کی دہلی سے ۱۸۶۸ء کی جس اشاعت کا ذکر کیا ہے، وہ اشک کا قصہ ہے، غالب لکھنوی کا نہیں۔

بحیثیت مجموعی اردو میں قصۂ امیر حمزہ کا بہترین نسخہ غالب لکھنوی کا ہے۔ اس کی بڑی وجہ اس قصے کی زبان و بیان اور اس میں دل چسپی کا عنصر ہے۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے واضح کیا ہے کہ غالب لکھنوی کے بیان میں دل چسپی اور فطری پن اشک کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اشک کچھ حدود و قیود کے پابند تھے۔ ان کے پیشِ نظر نو وارد انگریزوں کے لیے آسان اور سادہ اردو زبان لکھنا مجبوری تھی، پھر تہذیبی و معاشرتی مرقعوں کا بیان بھی ترجیح میں شامل تھا، تاکہ نو وارد انگریز افسران زبان کے ساتھ ساتھ مقامی لوگوں کے رسم و رواج اور عادات و مزاج سے بھی واقف ہو سکیں، جبکہ یہ پابندیاں غالب لکھنوی کے پاؤں کی زنجیریں نہ بن سکیں اور وہ اپنے اسپ تخیل کو سرپٹ دوڑانے کے لیے آزاد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اشک کے قصے میں زبان و بیان کی وہ دل کشی اور رنگا رنگی دیکھنے میں نہیں آتی جو غالب لکھنوی کے قصے کا خاصہ ہے۔ اپنی خوبیوں کے باوصف ایک صدی سے زائد عرصے تک پردۂ گم نامی میں رہنے اور ڈیڑھ صدی سے زائد عرصے تک اشاعتِ ثانی کا منہ نہ دیکھنے والے اس اہم تر قصے کی اشاعتِ مکرر نہایت خوش آئند قدم ہے۔

رفاقت علی شاہد

حواشی

۱۔ ڈاکٹر سہیل بخاری (سید محمود نقوی) کی یہ بازیافت ان کے سندی مقالے بہ عنوان: اردو کی نثری داستانوں کا تنقیدی مطالعہ کے ذریعے منظر عام پر آئی۔ اس مقالے پر انھیں ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹریٹ کی سند ملی۔ [جامعات میں اردو تحقیق، ص ۹۸]۔ ان کا یہ مقالہ مارچ ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔

۲۔ میرے پیش نظر اس قصے کا مطبع مفیدِ عام، لاہور سے ۱۳۲۱ھ میں طبع شدہ نسخہ ہے۔ اس کے سرورق پر کتاب کا نام داستانِ امیر حمزہ درج ہے۔ اس قصے کی دیگر اشاعتیں بھی اسی نام سے ہوئیں۔ اس کی پہلی اشاعت ۱۸۰۵ء میں کلکتہ سے ہوئی جو از حد کم یاب ہے۔ معلوم نہیں اس میں کتاب کا نام قصۂ امیر حمزہ ہے یا داستانِ امیر حمزہ۔ اشک نے اپنے دیباچے میں اسے قصہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ برٹش میوزیم (حال برٹش لائبریری)، لندن میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو بظاہر اشک کا خود نوشتہ ہے۔ اس میں کتاب کا عنوان قصۂ امیر حمزہ ہی ہے اور امکان ہے کہ اس کی اشاعتِ اوّل بھی اسی نام سے ہوئی ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے داستانِ امیر حمزہ کا عنوان بعد کی اختراع ہے اور اس کا سبب ممکن طور پر اس عنوان کی عوام میں مقبولیت ہے۔

کتابیات

۱۔ حکیم سید احمد اللہ ندوی: تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ سوم (کراچی، س ن [۱۹۶۸ء])۔

۲۔ خلیل علی خاں اشک دہلوی: داستانِ امیر حمزہ (لاہور، مطبع مفیدِ عام، ۱۳۲۱ھ)۔

۳۔ افسر صدیقی امروہوی: مخطوطاتِ انجمن، جلد چہارم (کراچی، انجمنِ ترقیِ اردو پاکستان، اشاعتِ اوّل، ۱۹۷۶ء)۔

۴۔ رفاقت علی شاہد: جاہ کے طلسمِ ہوش ربا کا نادر نسخہ (مضمون): سہ ماہی خدا بخش لائبریری جرنل (پٹنہ، شمارہ ۱۱۶: جون ۱۹۹۹ء، ص ۶۹ تا ۹۴)۔

۵۔ سہیل بخاری: اردو داستان (تحقیقی و تنقیدی مطالعہ) (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، طبع اوّل، مارچ ۱۹۸۷ء)۔

۶۔ مرزا امان علی خاں غالب لکھنوی: قصۂ امیر حمزہ (کلکتہ، مطبع امدادیہ حکیم محتشم الیہ، فروری ۱۸۵۵ء/ جمادی الثانی ۱۲۷۱ھ)۔

۷۔ قمر الہدیٰ فریدی: طلسمِ ہوش ربا، تنقید و تلخیص (علی گڑھ، ناشر مصنف، ۱۹۹۹ء)۔

۸۔ گیان چند جین: اردو کی نثری داستانیں (لکھنؤ، اتر پردیش اردو اکادمی، پہلا اکادمی ایڈیشن، ۱۹۸۷ء)۔

۹۔ عبدالغفور خاں نساخ کلکتوی: سخن شعرا، (لکھنؤ، اتر پردیش اردو اکادمی، پہلا فوٹو آفسیٹ ایڈیشن، ۱۹۸۲ء)۔

۱۰۔ جے ایف بلوم ہارٹ (J F Blumhardt) (*Catelogue of the Hindi, Panjabi and Hindustani Manuscripts in the Library of the British Museum*, London, 1899-)

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سبحان اللہ، کیا صناعی ہے صانعِ بے چون و چرا کی کہ دنیا سا طلسم بنایا اور اٹھارہ ہزار عالم پیدا کر کے اس طلسم میں بسایا۔ لوح اس طلسم کی اس کے قبضۂ قدرت میں محفوظ ہے اور ہر اسیرِ طلسم باوجودِ پابندی محفوظ ہے۔ عجب قدرت و توانائی ہے کہ خاک کو آب پر قائم کیا اور خیمۂ دوازدہ بُرجیِ فلک کو بے اعانتِ ستون معلّق نصب کر کے کواکبِ سیارہ و ثوابت سے کیا کیا نہ زینت و حسن دیا۔ الحق، فلکِ دوار جو دن رات چرخے کی طرح چرخ کھاتا ہے، عالمِ خوشی میں مخلوقات کو اپنا رقص دکھاتا ہے۔ اللہ اللہ ری حکومت کہ آب و آتش و خاک و باد، باوجود بہ تضاد، ایسے بایکدیگر شیر و شکر ہیں کہ عالمِ اتحاد میں فی المثل مشہور تر ہیں۔
المترجمہ نظم:

صانع و قادر و توانا ہے
کبریائی اسی کو زیبا ہے
ہے وہ ایسا حکیم اور دانا
کن سے کی کائنات ہے پیدا
گِل سے کیا کیا بنائے رنگیں گُل
اس کی صناعی پر ہیں شاہد کُل
شب کو انجم سے اس نے زینت دی
دن کو خورشید سے ضیا بخشی

منھ میں جب تک مرے زباں تر ہے
لب پہ شکرِ خدائے اکبر ہے

نعت: واہ کیا خوش طالعی ہے ہم لوگوں کی کہ ہمارے نبی نے ختم الانبیا خطاب پایا اور واجب الوجود نے اس کے جوازِ باجود کو باعثِ بنائے طلسم دنیا فرمایا۔ زہے ہادیِ برحق اس طلسم کے ساکنوں کو کیا کیا ... تعلیم کیے اور کس کس طرح اسرارِ خفی وجلی تفہیم کیے۔ المترجمہ، نظم:

ہے وہ ختم النبی ہمارا نبی
جس کو کہتے ہیں احمدِ عربی
کیوں نہ ہووے وہ مالک دو سرا
جس کو اپنا کہے حبیب خدا
نورِ خالق سے اس کی خلقت ہے
فرض ہر اک پر اس کی طاعت ہے
ایک ادنیٰ سی اس کی ہے یہ سخا
نورِ ایماں ہی کفر کو بخشا
ہے تمنا کہ حشر ہو جس دم
سر میرا ہووے اس کے زیرِ قدم

صلی اللہ علی محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اس داستانِ دلچسپ کے سیر کرنے والوں اور سننے والوں پر واضح ہو کہ حکیم شیخ امداد علی صاحب، خلف الرشید حکیم شیخ دلاور علی صاحب مغفور لکھنوی، نے کہ شاگردِ نامی حکیم میرزا حیدر مبرور کے ہیں اور نفس الامر میں فنِ طبابت میں یدِ بیضا رکھتے ہیں، اس اضعف العباد، ہیچ مداں، کج مج زباں، امان علی خاں، دامادِ شاہزادہ فتح حیدر، خلفِ اکبرِ جنت نشان ٹیپو سلطان، سے فرمایا کہ شفیقِ معظم میر عزت علی صاحب مصر ہیں کہ داستانِ سلطانِ غفراں نشان، حلقہ فگن گوشِ گردن کشاں، صاحبقرانِ گیتی ستان، عمِ کبارِ پیغمبر آخرالزماں، گیرندۂ گرزِ سام و نریماں، شکنندۂ کمانِ رستم دستاں، زلازلِ قاف، کوچک سلیماں، یعنی حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف زبانِ فارسی سے زبانِ اردوے معلیٰ میں ترجمہ کر کے چھپوائی جائے؛ چونکہ مجھ کو مطب سے فرصت نہیں ہے، اس سبب

سے انجام اس کا دشوار ہے، اور مطب سے ہاتھ ہٹاتا ہوں تو بندگانِ حکیم علی الاطلاق کے علاج و درماں سے معذور رہتا ہوں، لہٰذا بلحاظِ محبتِ قدیم تجھ کو تکلیف دیتا ہوں۔ لیکن صاف صاف روزمرہ اردو کا لکھا جائے کہ خاص و عام کو پسند آئے۔ احقر العباد کج مج زباں نے بہ لحاظ ان کی شفقت و مہربانی کے، کہ قدیم سے مترجم کے حال پر مبذول و مرعی ہے، عذر کرنا مناسب نہ جانا، دل و جاں سے قبول کیا اور خامۂ احمر نگار کو ہاتھ میں لیا، اور بہ سبب اس کے کہ اس داستان میں چار چیزیں ہیں: رزم، بزم، طلسم، عیاری، اس واسطے مترجم نے فارسی کی چودہ جلدوں کا ترجمہ کر کے چار جلدیں کیں۔ اور شایقانِ انصاف دوست کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ اس نامربوط کو مربوط تصور کر کے ہنگامِ مطالعہ مترجم کو دعاے خیر سے یاد فرماویں۔ اور واضح ہو کہ بنیاد اس قصۂ دلچسپ کی سلطان محمود کے وقت سے ہے، اور داستان میر مقال نے وجہِ تصنیف اس قصے کی یہ تحریر کی ہے کہ اس کے سننے سے ہر طرح کی خلقت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور منصوبہ لڑائی اور قلعہ ستانی و ملک گیری کا خیال میں آتا ہے، اس لیے ہمیشہ بادشاہ کو سناتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

داستانِ امیر حمزہ

دفترِ اوّل

آغازِ داستان

راویانِ روایاتِ شیریں اور حاکیانِ حکایاتِ دل نشین، اس افسانے کو یوں حکایت کرتے ہیں کہ سرزمینِ ایران کے شہر مدائن میں ایک بادشاہ تھا، قباد کامران نام، کام دہِ مستمندانِ ناکام رعیت پروری میں اپنا نظیر اور عدالت گستری میں عدیل نہ رکھتا تھا۔ ملک میں اس کے محتاج و فقیر مثلِ عنقا بے نشاں اور زبردست اور زیردست یکساں تھے۔ چھوٹا بڑا با یکدیگر دل جوئی کرتا اور ایک دوسرے پر احسان دھرتا تھا۔ دن رات دروازے گھروں کے مثلِ چشمِ پاسبان کھلے رہتے تھے، کہ چور حنا تک کا آسیاے عدالت میں پیسا جاتا تھا۔ چور چوری سے بھی نام چوری کا زبان پر نہ لاتا تھا۔ اگر راہی راہ میں کچھ پڑا پاتا تو ڈھونڈ کر مالک کو دے جاتا۔ شجاع اور زور آور ایسا تھا کہ رستم بہ ایں شجاعت و توانائی کہ مشہور ہے، اس کے مقابلے میں مثلِ پیرزال ناتوان و بزدل گنا جاتا تھا۔ اور اس بادشاہ کے چالیس وزرا تھے، ہر وزیر لقمان و افلاطون کی دانائی پر خطِ نسخ کھینچتا تھا؛ اور سات سو حکیم کہ ہر ایک علومِ حکمت و ہندسہ و رمل و جعفر و نجوم میں جالینوس و ارسطو و اقلیدس و فیثاغورث کو خطاب کے لائق نہ گنتا تھا؛ اور سات سو ندیم کہ علمِ ادب و علمِ مجلس میں ہر متنفس استادِ استادانِ قدیم تھا؛ اور چار ہزار پہلوان کہ اگر سام و نریمان و رستم و زال ان کے روبرو آتے تو سپر عجز کی میدانِ پہلوانی میں پھینک کر حلقۂ شاگردی گوش میں ڈالتے؛ اور تین سو تاجدار کہ ہر ایک بجاے خود کوسِ لمن الملک بجاتا تھا؛ اور دس لاکھ سوارِ جرار کینہ خواہ اور چالیس دستے زریں کمر مرصع کلاہ کے، مغرق بہ جواہر، اس بادشاہ کی مجلسِ رشکِ ارمِ فردوس تزئیں میں حاضر رہتے تھے۔

اور اسی شہر میں ایک حکیم، خواجہ بخت جمال نامی، کہ اولاد میں حضرت دانیال پیغمبر کی تھا، رہتا تھا۔ علم حکمت، رمل و نجوم و جفر میں یادگارِ حکماے سلف تھا۔ ملک القش نامی وزیرِ شاہ نے، کہ اکثر اس حکیم کے احکام کو آزمایا تھا، بہ تمناے تمام زانوے شاگردی اس کے روبرو تہہ کیا اور ایسا اس کا معتقد و گرویدہ ہوا کہ ایک دم جدائی اس کی گوارا نہ کرتا تھا۔ چند روز کے عرصے میں القش نے علمِ رمل میں ایسی مہارت پیدا کی کہ خواجہ کا

شاگردِ رشید مشہور ہوا۔ ایک دن اس نے خواجہ سے کہا کہ شب کو بے شغلی سے دل جو گھبرایا، میں نے تمھارے واسطے قرعہ پھینکا۔ شکلوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ اختر تمھارا خانۂ نحوست میں ہے اور چالیس روز تک رہے گا، پس اتنے دن گھر سے باہر قدم نہ رکھیے گا اور کسی کا اعتبار نہ کیجیے گا۔ حتیٰ کہ میں بھی اتنے دنوں تک سنگِ صبر اپنی چھاتی پر دھروں گا، ملاقات آپ سے نہ کروں گا۔ خواجہ اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے عزلت نشیں ہوا۔ ہرگاہ انتالیس دن بخیر و خوبی گذر گئے۔ چالیسویں دن خواجہ سے رہا نہ گیا، عصا ہاتھ میں لے کر گھر سے باہر نکلا کہ القش وزیر سے چل کر ملاقات کیجیے، کہ سوائے اس کے اس شہر میں کوئی اپنا یارِ وفادار نہیں ہے۔ اتفاقاً شاہراہ کو چھوڑ کر ویرانے کی طرف دریا پر جا نکلا۔ چونکہ موسم گرمی کا تھا، تمازتِ آفتاب سے بیتاب ہو کر ایک درختِ سایہ دار کے نیچے بیٹھ گیا۔ ناگاہ ایک عمارت سامنے سے نظر آئی، مگر چار دیواری اس کی گر گئی تھی۔ کچھ جی میں جو آیا تو ٹہلتے ٹہلتے اس طرف کو گیا۔ دیکھا کہ اکثر مکانات مسمار ہو گئے ہیں لیکن ایک دالان قائم ہے، اور اس دالان میں ایک کوٹھڑی کا دروازہ اینٹوں سے تیغا کیا ہوا ہے۔ خواجہ نے اینٹوں کو جو ہٹایا، دستِ راست کی طرف ایک کھڑکی نمودار ہوئی، مگر مقفل۔ قفل ہاتھ لگاتے ہی الگ ہو گیا۔ خواجہ نے اس کے اندر جا کر ایک تہہ خانہ دیکھا۔ اس میں سات گنج مال کے شدّاد کے دفن کیے ہوئے تھے۔ خواجہ الٹے پاؤں وہاں سے پھر کر القش وزیر کے پاس گیا۔ القش خواجہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور مسند پر بٹھلا کے بعد از اظہارِ اشتیاق بولا کہ آج چالیسواں دن تھا، آپ نے کیوں تکلیف کی؟ کل میں خود حاضر ہوتا۔ خواجہ نے دو چار باتیں کر کے ہفت گنج کی حقیقت بیان کی اور کہا کہ ہر چند میرے طالع نے یاوری کی ہے کہ ایسا مال بے قیاس میں نے پایا، لیکن چونکہ یہ خزانے بادشاہی ہیں، مجھ سے غریب کو کب پچ سکتے ہیں، لہٰذا میں نے اپنے دل میں تجویز کیا کہ آپ وزیر ہیں اور اس خاکسار کے دوست بھی فی الشل ہیں، اس خزانے بے قیاس کا آپ کو نشان دوں، آپ جو کچھ ہاتھ اٹھا کر مجھ کو عنایت کریں، اس کو شیرِ مادر سمجھوں۔

القش نے جو ہفت گنج کا نام سنا، منھ میں پانی بھر آیا۔ فی الفور دو گھوڑے تیار کروا کے ایک پر خواجہ کو سوار اور دوسرے پر آپ سوار ہو کر تنہا خواجہ کے ہمراہ اس ویرانے میں گیا۔ ہفت گنج دیکھ کر قریب تھا کہ القش شادی مرگ ہو جائے، دل میں سوچا کہ لات و منات نے یہ دولتِ غیر مترقبہ مجھ کو دی ہے، مگر یہ حکیم یعنی خواجہ بخت جمال اس راز سے ماہر ہے، ایسا نہ ہو کہ اپنے رسوخ کے واسطے بادشاہ کو مطلع کرے تو اس وقت اور لینے کے دینے پڑیں، یہ دولت خداداد بھی ہاتھ سے جائے اور بادشاہ خائن سمجھ کر منصب و وزارت سے ہی عزل کرے، بلکہ عجب نہیں ہے کہ گھر کو میرے ضبط کرا کے مجھ کو زندان میں بھیجے، تو وہی مثل ہو کہ چوبے جی گئے تھے چھبّے ہونے، وہاں سے دونے ہو آئے۔ اس سے یہی بہتر ہے کہ خواجہ کو مار کر اسی مکان میں ڈال دیجیے

تا کہ راز افشانہ ہو۔ فی الفور اس کو پچھاڑ کے چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور خنجر اس کی گردن پر رکھ دیا۔ خواجہ اس حرکت سے اس کی ششدر ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے القش، کیا نیکی کا ثمرہ بدی ہوتا ہے؟ میں نے کون سی تیرے ساتھ بدی کی ہے کہ جس کے عوض میں یہ نیکی تو مجھ سے کرتا ہے؟ ہر چند اس مظلوم مردِ پیر نے زارنالی کی لیکن اس سنگدل کا دل نہ پسیجا اور مطلق ظالم کو اس مظلوم پر رحم نہ آیا۔ جب اس مردِ ضعیف نے القش جوانا مرگ کے ہاتھ سے اپنے بچنے کی صورت نہ دیکھی تب تو ناچار ہو کر کہنے لگا کہ اے القش، آخر تو تو مجھے ذبح کرتا ہے، مگر میری دو وصیتیں ہیں، اگر تو عمل کرے۔ وہ احسان فراموش بولا کہ جلد کہہ ڈال۔ اس بیچارے نے کہا کہ میرے گھر میں سوائے آج کے کل کے کھانے کو نہیں ہے، للہ کچھ خرچ بھیج دینا۔ اور دوسری وصیت یہ ہے کہ میری منکوحہ کو امیدِ فرزند ہے۔ اتنا کہہ دینا کہ اگر بیٹا پیدا ہو تو اس کا نام بزرجمہر رکھنا اور بیٹی تولد ہو تو تجھ کو اختیار ہے جو جی چاہے سو نام مقرر کرنا۔ یہ کہہ کر نگاہیں بند کیں اور کلمہ پڑھنے لگا۔ اس قاتلِ بے درد نے خنجرِ بے دریغ سے خواجۂ مظلوم کا سر کاٹ کر اس کے گھوڑے کو بھی ذبح کیا اور اسی تہہ خانے میں کہ جو خزانوں سے معمور تھا، لاشوں کو سونپا اور دروازوں کو بدستور بند کر کے دریا پر گیا۔ خنجر اور ہاتھ کا لہو دھویا اور سوار ہو کر اپنے گھر کو گیا۔

دوسرے دن مع تزک سوار ہو کر پھر اس مکان میں آیا۔ داروغہ کو حکم دیا کہ یہاں ہمارے واسطے ایک باغ تیار ہووے اور باغ کے گرداگرد چاردیواری سنگ مرمر کی بنے اور اس دالان کو پاٹ کر ایک بنگلہ فیروزی کا ہماری نشست کے واسطے بنایا جائے۔ حکم کی دیر تھی، فی الفور داروغہ نے معمار و مزدور و سنگ تراش شہر سے بلا کر مدد لگا دی۔ چند روز کے عرصے میں باغ و بنگلہ مع چاردیواری تیار ہوا۔ القش نے نام اس کا باغِ بیداد رکھا، اور خواجہ بخت جمال کے گھر میں جا کر وصیت خواجہ کی بیان کی، اور دو سو روپے دے کر کہا کہ تم اس کو اپنے خرچ میں لاؤ، جو ضرورت ہوگی رفع کی جائے گی۔ خواجہ کو میں نے تجارت کے واسطے چین کی طرف بھیجا ہے۔ یہ کہہ کر اپنے گھر کی راہ لی۔

داستان بزرجمہر کے تولد ہونے کی

سخن آفرینانِ شیریں زباں اس داستان کو یوں بیان کرتے ہیں کہ بعد نو مہینے کے، جمعے کے دن، ساعتِ سعید میں خواجہ بخت جمال کی حرم کے شکم سے ایک فرزندِ ارجمند، جس طرح سے خورشید برج حمل سے برآمد ہو، پیدا ہوا۔ اوّل تو ماں اس کی خواجہ کو یاد کر کے اپنی تنہائی پر خوب روئی، بعد اس کے لڑکے کا جمالِ منور دیکھ کر مالا مال خوش ہوئی اور آفریدگار کا شکرانہ ادا کر کے بزرجمہر اس کا نام رکھا۔ جب بزرجمہر پانچ برس کا ہوا، ایک ملّا کے پاس، کہ وہ محلے کے لڑکوں کو پڑھایا کرتا تھا اور خواجہ بخت جمال کے شاگردوں میں مشہور تھ، لے گئی اور کہا کہ خواجہ کا حق تم پر بہت سا ہے، اور یہ اس کا لڑکا ہے، اس کو تعلیم کرو گے تو تمھارا نام ہوگا۔ اس نے بسر و چشم قبول کیا اور پڑھانے لگا۔ مثل مشہور ہے، ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات ہوتے ہیں۔ بزرجمہر نے، کہ ازبس ذہن رسا رکھتا تھا، چند سال کے عرصے میں جمیع علوم سے فراغت حاصل کی۔ معمول تھا کہ تمام دن ملّا کے پاس نوشت و خواند میں مشغول رہتا اور چار گھڑی دن باقی رہے اپنے گھر کو جاتا، اس کی ماں جو کچھ محنت مزدوری کر کے پکا رکھتی، اسے کھاتا۔ اتفاقاً ایک دن کچھ کھانے کو میسّر نہ آیا۔ بزرجمہر اپنی ماں سے کہنے لگا کہ اب تو مارے بھوک کے انتڑیاں قل ہو اللہ پڑھتی ہیں۔ اگر کوئی چیز ہو تو دیجیے، اس کو بیچ کر کچھ کھانے کی فکر کروں۔ اس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ کچھ چھوڑ نہیں گیا کہ تجھے بیچنے کو دوں، مگر ایک کتاب تیرے نانا کی طاق پر دھری ہے۔ بارہا تیرے باپ نے چاہا کہ اسے بیچ کر اپنے مصرف میں لائے، مگر جب وہ کتاب کے لینے کو طاق کے پاس جاتا تھا، طاق میں سے ایک مارِ سیاہ پھنکاریاں مارتا ہوا نکلتا تھا، وہ خوف سے ہٹ آتا تھا۔ دیکھ اگر وہ کتاب تجھ سے لی جائے تو اس کو لے کر بیچ کھا۔ سوائے اس کے تو اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ تجھ کو دوں۔

بزرجمہر اس کتاب کو طاق پر سے اتار لایا اور دو چار صفحے اس کے مطالعہ کر کے پہلے تو زار زار مانندِ ابرِ نو بہار دہاڑیں مار کر خوب رویا، بعد اس کے ایک مقام دیکھ کر بے اختیار قہقہہ مار کر ہنسا اور چہرۂ زرد پر مارے خوشی کے

سرخی دوڑ گئی۔ حاضرین اس حرکت سے متعجب و متحیر ہوئے کہ یہ رونا اور ہنسا کیسا ہے۔ ماں کو اس کی گمان جنون کا ہوا۔ ہر ایک سے کہنے لگی کہ لوگو، کوئی خدا کے واسطے پر فصاد کو بلا لا دو تو اس کی فصد کھلوا دوں، کہ مجھ دکھیا کا یہی ایک وارث ہے۔ اگر اس کو جنون ہوا تو کہیں مجھ مصیبت زدہ کا ٹھکانا نہیں ہے۔ بزرجمہر نے اپنی ماں سے کہا کہ خدا نہ کرے مجھ کو سودا ہو۔ رونے اور ہنسنے کا سبب یہ ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے تمام احوالِ گذشتہ و آئندہ مجھ کو معلوم ہوگیا۔ رویا تو اس واسطے کہ میرے باپ کو ملک النقش وزیر نے بے گناہ مار ڈالا ہے، چنانچہ اب تک اس کی لاش بے گور و کفن پڑی ہوئی ہے؛ اور ہنسا اس بات پر کہ میں اس سے اپنے باپ کا خون لوں گا اور یہاں کا بادشاہ مجھے اپنا وزیر کرے گا۔ اب کھانے پینے کا غم نہ کھاؤ، کھانا بہت، اور دس کو دے کر کھاؤ گی۔ یہ کہہ کر لونڈی کو اپنے ساتھ ایک بنیے کی دکان پر لے گیا اور بنیے سے کہا کہ اس عورت کو اتنا میدہ قند اور گھی ہر روز دیا کر۔ اس نے کہا کہ قیمت کب ملے گی؟ بزرجمہر بولا کہ قیمت مجھ سے مانگتا ہے؟ تو نے جو حامد دہقان سے کئی ہزار من گیہوں لے کر اس کو چار فرزند سمیت غلّہ پہنچانے کے واسطے زہر دے کر بے قصور مار ڈالا ہے، یہ راز اگر عدالت شاہی میں جا کر افشا کروں تو کیسی بنے؟ بنیا اس بات کو سن کر سن ہوگیا۔ لگا گھبرا کر کہنے کہ میاں جی ماکھا رام جانے، یہ دکان آپ ہی کی ہے، جس وقت جو درکار ہوا کرے منگوالیا کرو، پر یہ بات جو اَن کہتی آپ نے کہی ہے، اس کو اپنے جی ہی میں رکھیے گا۔ بزرجمہر وہاں سے لونڈی کو لے کر بکر قصاب کی دکان پر گیا۔ اس سے کہا کہ ایک من تبریزی گوشت ہر روز اس لونڈی کو دے دیا کر۔ اس نے کہا کہ دام کب پاؤں گا؟ بزرجمہر نے کہا کہ وہ جو تو نے قوس گلہ بان سے کئی ہزار دنبے لے کر قیمت مانگنے کے وقت اس کو مار کے اپنی دکان کی کوٹھری میں گاڑ دیا ہے، بہ شرط کہ عدالتِ شاہی میں اس کے وارثوں کو بھیج دوں؟ گوشت کی قیمت مجھ سے مانگتا ہے! قصائی یہ جملہ سن کر گائے کی طرح سے کانپنے لگا اور بے تحاشا بزرجمہر کے پاؤں پر گر کر کہنے لگا کہ گوشت تو کیا، میری جان بھی آپ ہی کی ہے۔ جس قدر سرکار کی لونڈی حکم کرے گی اتنا گوشت مجرّب کر لیا کا ہر روز تول دوں گا، مگر میری جان و حرمت آپ کے ہاتھ ہے۔ اسی صورت سے کچھ پتے صراف کو بھی دے کر پانچ دینار کا یومیہ مقرر کیا، اور خوشی خوشی اپنے گھر میں بیٹھ کر وقت کا انتظار کرنے لگا۔

داستان مدعو ہونا بادشاہ کا القش کے باغِ بیداد میں

دو کلمے داستانِ ملک القش وزیر کے سنیے، کہ جب باغِ بیداد تیار ہوا، بادشاہ کی خدمت میں عرض کی، غلام نے حضور کی بدولت ایک باغ بنایا ہے۔ امیدوار ہوں کہ ظلِ سبحانی اس باغ میں گلگشت کر کے دو چار پھل میوے کے تناول فرماویں، کہ اس خانہ زادِ موروثی کو سرسبزی حاصل ہو جائے۔ بادشاہ نے قبول کیا۔ القش تسلیم بجالا کر ضیافت کی تیاری کے واسطے باغِ بیداد میں گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ دادگر بھی مع ارکانِ دولت بہار افزائے باغِ بیداد ہوا۔ القش نے ایک تخت ہوادار اس تکلف کا بادشاہ کے واسطے تیار کیا تھا کہ اس پر گل اور بوٹے الماس اور یاقوت کے تھے، اور چاروں کونوں پر طاؤس زمرد کے قائم کیے تھے، اور ان طاؤسوں کے پیٹ میں بخوردان جڑاؤ رکھے تھے، اور ہر طاؤس کے پہلو میں دو نرگس دان تعبیہ کیے تھے کہ کوزے جن کے مرصع، زمرد کے پتے، الماس کے پھول بنائے تھے، زیرہ اس میں پکھراج کی کنیوں کا دیا تھا۔

جب بادشاہ کی سواری باغ کے قریب پہنچی، وہ تخت اور چالیس ہاتھی جن پر زربفت کی جھولیں پڑی ہوئیں، عمارے اور حوضے طلائی جواہر نگار پیٹوں پر کسے، زیور مرصع گردن مستک پر، مستکیں زربفت کی مرصع، سونڈوں پر تمامی کی سنڈو پٹیاں چڑھی ہوئیں، آنکس الماس کی ڈنڈیوں کے فیل بانوں کے ہاتھ میں، بنارسی پگڑیاں جوڑی دار مہاوتوں کے سر پر، قبائیں زربفت کی گلے میں، زری کے کمر بند کمر میں، چر کٹے مشجر کی جانگیہ کمخواب کی مرزائیاں پہنے، اس پر بنارسی کے پٹے کمر میں، زری کے پھینٹے سر پر لپیٹے، برچھے اور ڈنڈے مرصع ہاتھوں میں لیے، ان کے ہمراہ اور دو سو گھوڑے تازی، عراقی، عربی، ولایتی، کاٹھیاواڑ، کچھی، بھمرا، ترکی، تاتاری، نجدی اور سوا سو ٹانگن، کوہی، ٹہری، رنگ پور، پیکو، آشامی، رنگون، جاوی کا زین زرین سے مزین، زردوزی غاشیے ان پر پڑے ہوئے، کلغی، پوزی، پٹا، دمچی، پیش بند، مرصع گجگا میں سڑکیں چنور لگے ہوئے جال ابریشمی پٹھوں پر، اس پر پاکھریں جواہر نگار پینجن طلائی ہاتھوں میں زیر بند پشمینے کے بندھے ہوئے، بالا تنگ زیر تنگ

سے آراستہ کلابتونی باگ ڈوریں سائیسوں کے ہاتھ میں، طلائی کڑے ہاتھوں میں ڈالے، سرخ پٹیاں سر پر باندھے، گجراتی مشروع کے گھٹنے پاؤں میں، گلے میں مرزائیاں، سقرلاتی چوڑیاں گنگا جمنی ڈنڈیوں کی کہ جن کے بال بال میں موتی پروئے تھے لیے ہوئے، مگس رانی کرتے ہوئے، اور ستر شتر بغدادی دوکوہانی، کہ جن کے اوپر جڑاؤ کجاوے کارچوبی سقرلات کی چادروں سے ڈھکے ہوئے تھے، اور کئی ہزار کشتی اقسام جواہر وسلاح وپارچہ ہائے سوتی، ریشمی پشمینے کی ساتھ لے کے، باہر کے جلوخانہ میں نذر گذران کر، تخت کا پایہ پکڑ کے ہمراہ ہوا۔

جب بادشاہ باغ میں داخل ہوئے، دیکھا تو واقعی باغ فرحت افزا قابلِ گلگشت ہے۔ سنگ مرمر کی جو چاردیواری بنائی تھی اس کی درزوں میں جواہر کی تحریر دی تھی اور جابجا دیوار میں جواہر کے درخت جو تعبیہ کیے تھے، شاخیں اور پتّے تو زمرد کے اور غنچہ وگل یاقوت ولعل کے بنائے تھے۔ ان کی شاخوں پر طوطی، بلبل، پھد کی، لعل ومینا، سینہ باز، فیروزے، زمرد، نیلم لعل کے بنا کر بٹھلائے تھے، اور نیچے اس دیوار کے ٹٹیاں مینا کار، ان پر تاک کی بیل زمرد کی بنی ہوئی تھی اور خوشے موتیوں کے بجائے خوشہ ہائے انگور آویزاں تھے، اور اصلی خوشے جو درختوں میں لگے ہوئے تھے ان پر تھیلیاں تاش اور بادلے کی چڑھی ہوئی تھیں۔ بادہ خوار ان کو جن نگاہوں سے تاکتے تھے، دیکھنے سے علاقہ رکھتا تھا۔ اور چمن بندی جو کی تھی، ان کی روشوں پر بلور کی پٹریوں کا صاف گمان ہوتا تھا۔ کیاریوں میں ہر قسم کے پھولوں کے درخت، مثلِ گلِ لالہ، نافرمان، جعفری، داؤدی، بابونہ، گیندا، ہزارا، پھرکی، بیلا، موگرا، موتیا، چنبیلی، جوہی، سوسن، رائے بیل، سیوتی، کیتکی، کیوڑا، مہندی، کلغا، فرنگ، دوپہریہ، اورنگ، شبو، سورج مکھی، نرگس، نازبو، مدن بان، عباسی، زعفران کے لگے تھے، اور کسی چمن کے گرد توتی مہندی کی مقرض تھی اور کسی کے گرد چمپے کی باڑھ تھی اور کسی کے چار کونوں پر مولسری کے درخت قدِ آدم مقرض چتر دار لگے ہوئے تھے، اور کسی چمن کے گوشوں پر سرو، صنوبر، شمشاد، ہارسنگار کے درخت تھے اور صبا ان کی خوشبو سے اپنے جیب ودامن کو بھرے ہوئے روشوں پر گبھلی گبھلی پھرتی تھی اور بلبل وفاختہ وقمری کے دماغ کو معطر کرتی تھی۔ اور ہر چمن میں چار چار دروازے، چاندی کی تیلیوں پر سبز مینا کیا ہوا، بنائے تھے۔ اس پر سرخ وسفید پھول کے عشق پیچے کی بیل پیچاں تھی اور درختانِ میوہ دار کی شاخیں پھلوں سے لدی ہوئی جھوم رہی تھیں، اور کبک وتدرو روشوں پر خوش خرامی کرتے پھرتے تھے، اور شاخ ہائے گلبن پر ہزاروں بلبل وہزار داستان چہچہے اور زمزمے کرتے تھے۔ سرو وشمشاد وصنوبر پر فاختہ وقمریاں لباس خاکستری پہنے کوکو زن تھیں۔ جابجا فصیلوں پر طاؤس رقص کر رہے تھے اور چودہ چودہ پندرہ پندرہ برس کی مالنیں، زربفت کے لہنگے پہنے، اس پر سالو کی چنزی، گرد لچکا لٹکا ہوا، اوڑھے، مانگ، ٹیکا، بندی ماتھے میں لگائے، پہنچی کنگن طلائی کلائیوں میں، بانک مرصع بازو پر، چھاپ حنائی انگلیوں میں، بچھوے پنجن پاؤں میں، کنٹھیاں سونے کے دانوں کی گلے میں

ڈالے، طلائی اور نقرئی دستوں کے بیلچے کہ جن میں گھنگرو لگے ہوئے تھے، ہاتھوں میں لیے، گھاس سڑی سوکھی شاخ ٹوٹی گلی چمنوں سے دور کرتی تھیں۔ ان کے سینے کا ابھار سیب و ترنج و انار کو شرماتا تھا، اور جہاں تہاں غول کے غول چمنوں میں پانی پٹاتی تھیں اور چرخہ کھینچنے کے وقت اس خوش الحانی سے کیلی والے لال گاتی تھیں کہ سننے والوں کا دل پستا تھا۔ اور آبجوئیں جو چمنوں کے گرد جاری تھیں، دورویہ اس کے کناروں پر بگلے، قرقرے، سرخاب، مرغابی، چپے کی قطار بیٹھی ہوئی تھی۔ اور بڑے بڑے جو درخت تھے ان کے تنوں اور شاخوں پر سفید و سبز طلائی ریشم کی تمامی کے غرارے چڑھے ہوئے تھے اور جابجا چبوترے سنگ مرمر و رخام و سنگ موسیٰ افشانی کے ہشت پہلو بنائے تھے، اور ہر ایک چبوترے کے آگے حوض گلاب و عرق بیدمشک و بہار و کیوڑے سے لبریز تھا۔ اور اس میں ہزارے فوارے، بہ شکل بلبل و فاختہ و قمری جواہر کے، بنا کر لگائے تھے۔ جب ہزارہ ان کے پر و بال سے چھوٹتا تھا تو ہزار ہزار طرح کا لطف دکھاتا تھا۔ اور نافِ باغ میں ایک بنگلہ فیروزی کا بنا ہوا تھا، اور گرد اس کے سائبان گنگا جمنی تمامی کے سنہری روپہلی ایستادوں پر کھنچے ہوئے تھے۔ دروں میں چلونیں سونے روپے کی تیلیوں کی کلابتوں سے گندھی ہوئی پڑی تھیں، اور زربفت کے پردے یاقوت کی پھرکیوں میں زری کی ڈوریوں سے کھنچے ہوئے تھے۔ اور اندر اس بنگلے کے ایک تخت، جواہر سے مغرق، بچھا ہوا تھا۔ بادشاہ اس تخت پر جا کے بیٹھا اور اس باغ بیداد کی فضا دیکھ کر اپنے باغِ داد کی بہار کو خزانی سمجھا۔ بے اختیار فرمایا کہ فی الحقیقت یہ باغ کیفیت میں شداد کے باغ سے کچھ کم نہیں ہے۔ اس کی بہار و تیاری کی صفت کانوں سے سنی تھی، اس کو آنکھوں سے دیکھا۔ مثنوی لمترجمہ:

عجب باغ ہے رشکِ مینوسواد
اگر دیکھے رضواں تو ہو شاد شاد
کرے یاد جنت کی گم ایک بار
کہ دیکھی نہیں خلد میں یہ بہار
روش در روش اور چمن در چمن
کھلے ہیں گل و لالہ و نسترن
کھلی ہے کہیں جوہی اور سیوتی
کسی سمت ہے تختۂ کیتکی
لڑاتی ہے نرگس کسی گل سے آنکھ
ملاتا کوئی گل ہے بلبل سے آنکھ

کسی سمت بلبل کے ہیں چہچہے
تدرو اک طرف کرتے ہیں قہقہے
مودب ہیں استادہ سروِ چمن
صنوبر ہیں گردِ چمن حلقہ زن
ہر اک سرو کی شاخ پر قمریاں
بہ الحانِ داؤدی کوکو زناں
لگے نخل ہیں ہر طرف میوہ دار
بہی ناشپاتی و سیب و انار
جو ہیں تاک میں خوشۂ زر لگے
تو کیا کیا ہیں میخوار انھیں تاکتے
روش پر کہیں ناچتے مور ہیں
منڈیروں پر کرتے کہیں شور ہیں

القش گردن زدنی بادشاہ کے تعریف کرنے سے باغ باغ شگفتہ ہوکر پھولوں نہ سمایا۔ ہرگاہ بادشاہ نے خاصہ نوش فرمایا، القش نے صحبتِ عیش ونشاط کو گرمایا۔ رقاصانِ پری پیکر ومعشوقانِ قمرچہرہ مجرا کرنے لگے۔ ساقیانِ گلفام جام بلوریں کو مئے ارغوانی سے بھر کر گردش میں لائے۔ صدائے ہوش بادونوش بادنے حاضرین کو بدمست کیا۔ المختصر، اکیس شبانہ روز تک بادشاہ نے اس باغ میں دادعیش کی دی۔ بائیسویں دن القش کو خلعتِ جمشیدی عطا کر کے ایوانِ خسرو میں داخل ہوئے۔

گرفتار کرنا ملک القش وزیر کا بزرجمہر کو اور رہا ہونا اس کا پنجۂ القش سے اور تعبیر پوچھنا بادشاہ کا وزرا سے

اب دو کلمے داستانِ بزرجمہر کے سنیے کہ شب و روز گھر سے باہر نہ نکلتا تھا، اپنے معبود کی عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ ایک دن اس کی ماں نے کہا کہ بے اختیار میتھی کا ساگ کھانے کو جی چاہتا ہے۔ خواجہ باغ بیداد کی طرف گیا۔ باغ کا دروازہ بند پایا، باغبان کو آواز دی۔ باغبان نے جو قفل کھولنے کا ارادہ کیا، خواجہ نے کہا کہ قفل کو ہاتھ نہ لگانا۔ تو نے جو کل سانپ مارا تھا، اس کی ناگن قفل کی جڑ میں تیرے ڈسنے کے لیے بیٹھی ہے۔ باغبان نے جو غور کیا تو واقعی ایک ناگن قفل کے روزن سے منھ نکالے بیٹھی ہے۔ باغبان نے اس کو مار کر دروازہ کھولا اور قدموں پر گر کے کہنے لگا کہ آپ نے میری جان بچائی، ورنہ اس دم میرے مرنے میں باقی کیا تھا۔ یہ کہہ کر بولا کہ کیا حکم ہوتا ہے؟ بزرجمہر نے کہا کہ مجھ کو تھوڑا سا ساگ میتھی کا چاہیے۔ جو قیمت ہو میں دینے کو موجود ہوں۔ باغبان بولا کہ ساگ حاضر ہے۔ قیمت اس کی میں آپ سے محسن سے کیا لوں گا؟ باغبان جو ساگ لانے کو گیا، دیکھا کہ بکری زعفران زار میں گھسی ہوئی چر رہی ہے۔ باغبان نے جھنجھلا کر ایک بیلچہ اس کو مارا۔ وہ تڑپ کر مر گئی۔ بزرجمہر نے کہا کہ اے ظالم، یہ بے واسطے تین خون تو نے کیوں کیے؟ اس نے مسکرا کر کہا کہ اے صاحبزادے، تجھ کو خیر ہے؟ ایک بکری مری، تین خون بتلاتا ہے! بزرجمہر نے کہا کہ اے بیوقوف، اس بکری کے پیٹ میں فلانے فلانے رنگ کے دو بچے بھی ہیں۔ ناگہاں جس وقت ان دونوں سے یہ باتیں ہوتی تھیں، القش بھی شہ نشیں پر بیٹھا دیکھتا سنتا تھا۔ باغبان کو بلا کر مکرر دریافت کیا کہ یہ کیا گفتگو تھی؟ اس نے پوست کندہ بیان کیا۔ القش نے بکری کا پیٹ جو پھڑوا کے دیکھا تو اسی رنگ کے دو بچے، جیسے بزرجمہر نے بتائے تھے، بکری کے پیٹ سے نکلے۔ القش نے بزرجمہر کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور پوچھا کہ تو کون ہے اور تیرے باپ کا کیا نام

ہے؟ بزرجمہر نے کہا کہ خواجہ بخت جمال کا بیٹا اور حکیم جاماس کا نواسا ہوں۔ میرے باپ کو کسی ظالم نے مار ڈالا ہے، اس سے انتقام لینے کی فکر میں پھرتا ہوں۔ القش نے کہا کہ پھر تو نے اپنے باپ کے خونی کو پایا؟ بزرجمہر نے کہا کہ خدا منتقم حقیقی ہے، اس کے نزدیک سب آسان ہے۔

القش نے کہا کہ بھلا بتلا تو، شب کو میرا مافی الضمیر کیا تھا؟ بولا کہ تو نے جو دفینہ پایا ہے، چاہتا تھ کہ اپنی جورو سے کہے، لیکن نہیں کہا۔ یہ بات سنتے ہی القش کے حواس منتشر ہو گئے اور مثلِ بید کانپنے لگا، دل میں سوچا کہ یہ لڑکا بڑا روشن ضمیر ہے۔ ہمیشہ سے میں سنا کرتا ہوں کہ روشن ضمیر کا دل وجگر کھانے سے انسان کا دل روشن ہوتا ہے۔ فی الفور بختیار حبشی کو، کہ اس کا غلام تھا، بلا کر چپکے سے کہا کہ اگر تو اس لڑکے کو ذبح کر کے اس کے دل وجگر کے کباب لگا کر مجھ کو کھلا دے تو اس کے صلے میں تیری مراد بر آئے۔ اس غلام نے بزرجمہر کو ایک اندھیری کوٹھڑی میں لے جا کر پچھاڑا۔ چاہتا تھا کہ چھری گلے پر پھیرے، بزرجمہر بے اختیار کھلکھلا کر ہنسا اور کہا کہ جس توقع پر تو یہ عذاب مول لیتا ہے، وہ امید تیری اس وعدہ خلاف سے بر نہ آئے گی، بلکہ مجھ سے تو کامیاب ہوگا۔ اس نے کہا کہ بھلا میرا مطلب کیا ہے؟ بزرجمہر نے کہا کہ تو القش کی بیٹی پر عاشق ہے اور وہ کبھی تجھ کو نہ دے گا، مگر میں البتہ تیرا نکاح اس کے ساتھ کروا دوں گا۔ اس وقت مجھ کو تو چھوڑ دے، آج کے دسویں دن بادشاہ ایک خواب دیکھ کر بھول جائے گا اور اپنے وزرا سے اس خواب کو پوچھے گا۔ جب کوئی بتا نہ سکے گا، بادشاہ غضب ہوگا۔ اس وقت یہ تیرا خاوند مجھ کو تجھ سے طلب کرے گا۔ مگر خبردار! جب تک تین طمانچے تجھ کو مار نہ دے، تو مجھ کو نہ بتانا۔ حبشی نے کہا کہ اس نے تیرے دل وجگر کے کباب مانگے ہیں۔ اگر میں کسی جانور کے دل وجگر کے کباب بنا کر لے جاؤں تو وہ حکیم ہے، تشخیص کرے گا اور مجھ کو سزا دے گا۔ بزرجمہر نے کہا کہ شہر کے دروازے پر ایک بڑھیا بکری کا بچہ، کہ اس کو آدمی کا دودھ پلا کر پالا ہے، بیچتی ہے۔ مجھ سے قیمت لے کر اس کو لا کر ذبح کر، کباب اس کے دل وجگر کے بھون کر اس کو کھلا، باقی گوشت اس کا اپنا تصرف میں لا۔ بارے اس نے ایسا ہی کیا۔ القش کباب کھا کر سمجھا کہ اب میں بھی روشن ضمیر اور صاحب کمال ہوا۔ بزرجمہر جب جیتا جاگتا اپنے گھر آیا، سمجھا کہ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

اس کے دسویں دن بادشاہ ایک خواب دیکھ کر بھول گیا۔ صبح کو حکیموں اور وزیروں سے کہا کہ میں نے شب کو ایک خواب دیکھا تھا، وہ بھول گیا ہوں۔ تم کو لازم ہے کہ اس خواب کو بیان کر کے تعبیر اس کی کہو۔ سب ہی نے عرض کی کہ اگر خواب معلوم ہوتا تو البتہ اس کی تعبیر اپنی عقل کے موافق بیان کرتے۔ بادشاہ نے کہا کہ سکندر کے وقت میں جو حکیم تھے، اکثر اس کے خواب کو، کہ وہ دیکھ کر بھول جاتا تھا، بتا کر تعبیر دیتے تھے۔ پس تم کو بھی میں نے آج ہی کے دن کے واسطے نوکر رکھا ہے، اگر خواب میرا بتا کر تعبیر نہ کہو گے تو ایک ایک کو قتل کروں گا۔ از روئے رحم کے چالیس دن کی مہلت دیتا ہوں۔ اور القش پر سب سے زیادہ تاکید کی کہ وہ سب

سے زیادہ ممتاز تھا۔ جتنے حکیم اور وزیر و ندیم تھے، سب حیران و پریشان تھے کہ بے دیکھا سنا خواب کیونکر بتلاویں؟ جب چالیس دن گذر گئے، بادشاہ نے سب کو بلا کر فرمایا کہ خواب کو دریافت کیا؟ اور تو کوئی نہ بولا، مگر القش نے عرض کی کہ غلام کو بموجب حکم رمل معلوم ہوا کہ حضور نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان پر سے ایک مرغ نے آ کر حضور کو دریائے آتش میں ڈال دیا ہے۔ یہ دیکھ کر حضور خوف سے چونک پڑے اور خواب بھول گئے۔ بادشاہ نے برہم ہو کر فرمایا کہ اے مردک، دروغ گویم برروے تو! اسی عقل پر دعویٰ حکیمی اور رمالی کا کرتا ہے؟ یہ خواب بھلا میں نے کب دیکھا تھا کہ تو نے بیان کیا؟ دو دن کی فرصت اور دیتا ہوں، اگر تیسرے دن تو نے خواب کو نہ بتایا تو قسم ہے مجھ کو آتش کدۂ نمرود کی، تجھ کو سب سے پہلے جیتا گاڑ کر ایک ایک پر سیاست کروں گا۔ القش جو پریشان حواس اپنے گھر کو گیا، فی الفور بختیار حبشی سے پوچھا، سچ بتا وہ لڑکا کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ اس کو میں نے تبھی بموجب حکم جنابِ عالی گردن مارا اور اس کے دل وجگر کے کباب بھون کر حضور کو کھلائے۔ آج مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ لڑکا کہاں ہے! القش نے کہا کہ وہ ازبسکہ دانا و روشن ضمیر تھا، یقین ہے کہ وہ تیرے ہاتھ سے بچ رہا ہوگا۔ تو خوف سے حکم عدولی کے نہیں بتاتا ہے۔ مجھ کو قسم ہے لات ومنات کی کہ میں تجھ سے کچھ مواخذہ نہ کروں گا۔ تو اس کو بتلا دے کہ میری جان بچے، اور میرے ساتھ کتنے بندۂ خدا جانبر ہوں۔ اس نے جو پہلے کہا تھا پھر اسی سخن کا اعادہ کیا۔ تب تو اس گردن زدنی نے تین طمانچے اس زور سے مارے کہ کان کے پردے پھٹ کر لہو نکل آیا۔ بختیار بیتاب ہو کر لگا کہنے کہ غلام کو مت مارو، میں اس کو لیے آتا ہوں۔ القش نے کہا کہ اے نادان، پہلے میں نے کس کس طرح تجھ سے پوچھا، تو نے سوائے انکار کے اقبال نہ کیا، اب جب مار کھائی تو بتایا۔ بختیار نے کہا کہ اس نے تاکید کی تھی کہ جب تک تجھ کو تین طمانچے نہ لگ لیں، مجھ کو نہ بتانا۔ القش نے اس کو چھاتی سے لگایا اور کہا کہ جلد اس کو بلا لا۔ بختیار نے بزرجمہر کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ بزرجمہر جلد تر گھر سے باہر نکل آئے اور کیفیت دریافت کر کے اس کے ساتھ القش کے پاس گئے۔ القش بزرجمہر سے بہ تعظیم وتواضع پیش آیا اور اگلی باتوں کا عذر کر کے بولا کہ بادشاہ ایک خواب دیکھ کر بھول گیا ہے اور ہم کو مفت پریشان کر رکھا ہے۔ کہتا ہے کہ اگر میرا خواب نہ بتاؤ گے تو ایک ایک کو قتل کروں گا۔ پس سوائے آپ کے یہ کس میں طاقت ہے کہ غیب کی بات بتائے۔ اگر اس وقت آپ مہربانی کر کے اس خواب کو بتا دیں تو گویا جاں بخشی کریں۔ بزرجمہر نے کہا کہ میں یہاں تو نہ بتاؤں گا، مگر کہ تم صبح کو بادشاہ سے جا کر عرض کرو کہ میں حضور کے حکما و ندما و وزرا کا امتحان کرتا تھا کہ یہ بھی غیب دانی کا علم رکھتے ہیں یا نہیں، سو جیسا کچھ یہ لوگ جانتے ہیں مجھ پر کیا، حضور پر بھی روشن ہو گیا۔ خانہ زاد کا ایک شاگرد ہے۔ اگر اس کو حضور بلا کر پوچھیں تو ابھی حضور کا خواب بتلا دیتا ہے۔ پس بادشاہ مجھے بلائے گا، میں خواب کو بیان کر کے تعبیر کہہ دوں گا۔

بیان کرنا بزرجمہر کا خواب بادشاہ کا اور خون کروانا القش وزیر کا اپنے پدر کے قصاص میں

واقفکارانِ داستانِ کہن اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ دوسرے دن جو القش بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آموختۂ بزرجمہر نوکِ زبان پر لایا۔ حکم ہوا کہ اس کو حاضر کریں۔ ایک مردھے نے بزرجمہر سے جا کر کہا کہ چلیے، بادشاہ نے یاد کیا ہے۔ بزرجمہر نے کہا کہ سواری لے آؤ، البتہ میں چلوں گا۔ مردھے نے بادشاہ سے جا کر عرض کی کہ بے سواری وہ نہیں حاضر ہو سکتا ہے۔ حکم ہوا کہ گھوڑا لے جاؤ۔ جب گھوڑا لے کر مردھا آیا تو بزرجمہر نے کہا کہ گھوڑے کی پیدائش باد سے ہے اور میں خاکی ہوں۔ ظاہر ہے کہ خاک و باد سے بایکدیگر ضد ہے۔ میں گھوڑے پر تو نہیں سوار ہوں گا، میرے لائق سواری لاؤ تو میں اس پر سوار ہو کر چلوں۔ مردھے نے یوں ہی جا کر پھر بادشاہ سے عرض کی۔ فرمایا کہ سب سواریاں لے جاؤ، جس پر اس کا جی چاہے سوار ہو کر آئے۔ بزرجمہر نے سواریوں کو دیکھ کر کہا کہ سنو بھائی، ہاتھی پر میں چڑھنے کا نہیں کہ یہ خاص سواری بادشاہ کی ہے، اس پر سوار ہونا کام بے ادبوں کا ہے؛ میانے پر بیمار چڑھتے ہیں، میں بیمار نہیں ہوں؛ اور نہ مردہ ہوں کہ چار کے کاندھے پر جاؤں، شکر ہے آفریدگار کا کہ تندرست و زندہ ہوں؛ اونٹ فرشتہ خصلت ہے، اس پر کیونکر چڑھوں؛ خچر حرام زادہ ہے اور میں حلال زادہ، یہ میری سواری کے قابل نہیں ہے؛ بیل پر بنیے اور دھوبی چڑھتے ہیں، میں نہ دھوبی ہوں اور نہ بنیا؛ گدھے پر وہ سوار ہووے جو گناہ گار ہو، میں محض بے گناہ ہوں۔ ان سواریوں کو پھیر لے جاؤ اور جس طرح میں نے کہا ہے، شاہِ دادگر سے عرض کرو۔ ناچار وہ سواریاں جو لوگ کہ لائے تھے پھیر لے گئے اور بے کم و زیاد تقریر بزرجمہر بادشاہ کی خدمت میں بیان کی۔ بادشاہ نے کہا کہ اس سے پوچھو، کون سی سواری مانگتا ہے؟ جو کہے سو بھیجی جائے۔ لوگوں نے جا کر حکم بادشاہ بزرجمہر کو سنایا۔ اس نے کہا کہ اگر بادشاہ کو

خواب سننا منظور ہو تو القش کی پیٹھ پر زین کسوا کر بھیج دیں کہ میں بہ لحاظِ الجنس مع الجنس اس پر سوار ہو کر حضور میں حاضر ہوؤں، اور دوسرے یہ کہ وہ خرِ حکما ہے اور میں حکیم ہوں، اس پر چڑھنا عیب نہیں ہے۔ بادشاہ یہ سن کر بے اختیار کھلکھلا کر ہنسا اور کہا کہ القش کی پشت پر زین کس کر لے جاؤ۔ حکم کی دیر تھی، فی الفور القش کی پیٹھ پر زین باندھا گیا، اور منھ میں دہانا دے کر بزرجمہر کی خدمت میں لے گئے۔ بزرجمہر ملک القش کے اوپر سوار ہو کر ایڑیں مار مار کے ہر قدم پر کہتا چلا، شکر ہے کہ آج میں نے اپنے باپ کے قاتل کو پایا۔ اثنائے راہ میں جس نے دیکھا، ایک نئی بات سمجھ کر، کیا لڑکا کیا جوان کیا بوڑھا، ہر ایک اس کے ساتھ ہوا۔ ہرگاہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، بادشاہ نے بہت عزت و حرمت اس کی کی اور فرمایا کہ پہلے تو یہ بتلا کہ القش نے تیرا کیا قصور کیا ہے کہ اس بے ادائی سے تو اس سے پیش آیا؟ بزرجمہر نے عرض کی، اوّل تو یہ خائن ہے کہ حضور سا جواد خاوند پا کر اس نے خیانت کی۔ پھر چوری بھی کیسی، سرزوری۔ اس کو خوف نہ آیا کہ اگر میری چوری ظاہر ہو جاوے گی تو میرا بُرا بدا ہوگا، غضبِ سلطانی میں پڑوں گا، زندہ گور میں گڑوں گا۔ کون سی آفت ہے کہ سر پر نہ آئے گی، یہ چوری کیا کیا خرابی نہ دکھائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ باوجودیکہ یہ علم رَمل میں میرے باپ کا شاگرد تھا اور اس نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ اگر اس کا باپ بھی ہوتا تو اپنے جیتے جی ایسا سلوک کبھی اس کے ساتھ نہ کرتا، وہ تو اس بے پیر کا استاد تھا کہ سات گنج شدّاد کے دفن کیے ہوئے اس کو ملے تھے، آپ نہ لے کر دوستی کے لحاظ سے اس کو بتائے۔ اس نے اس دہشت سے کہ مبادا کسی کے کانوں تک یہ بھنک اس کی زبان سے پہنچے اور شدہ شدہ حضور کو معلوم ہووے تو یہ گنجِ مفت میرے ہاتھ سے جاتے رہیں، اس بے گناہ کو قتل کر کے اسی تہہ خانے میں جہاں وہ خزانے ہیں، سپرد کیا۔ چنانچہ ہنوز لاش اس کی اسی جگہ بے گور و کفن پڑی ہے۔ یہ نہ سمجھا کہ بے گناہ کا خون سر پر چڑھ کے پکارتا ہے، نئی نئی طرح کے رنگ دکھا کر جہاں پانی نہ ملے وہاں مارتا ہے۔ پس اب میں حضور سے کہ بادشاہِ عادل ہیں، دادخواہ ہوں۔ اگر حضور آج عدالت نہ کریں گے اور داد نہ دیں گے تو کل روزِ داد کو عادلِ حقیقی سے، کہ وہ داورِ داوار ہے، داد طلب کروں گا۔ اس وقت حضور بھی پوچھے جائیں گے کہ مظلوم کی داد کیوں نہ دی اور ظالم کی سزا کیوں نہ کی؟ جب بادشاہ نے القش کی طرف بہ چشمِ غضب دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیا کہتا ہے؟ اس کے باپ نے تیرا کیا قصور کیا تھا کہ تو نے اس مظلوم پر ایسا ظلم بے پایاں کیا، بے اجل اس کو مار کر اس کے فرزند کو یتیم اور زوجہ کو اس کی رنج رنڈاپے کا دیا؟ میرا خوف نہیں تو خدا کا بھی خوف تجھ کو نہ آیا؟ یہ نہ سوچا کہ میں جو اس دم خون ناحق کرتا ہوں، آخر ایک دن یہ خون رنگ لائے گا، روزِ سیاہ مجھ کو دکھائے گا؟ سچ ہے، اس نے تیرے ساتھ ایسی ہی بدی کی تھی کہ جس کے بدلے تو نے یہ اس کے ساتھ نیکی کی، اگر وہ علمِ رَمل تجھ کو تعلیم نہ کرتا تو تو، بقولِ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی:

کس نیاموخت علمِ تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

ہدفِ تیرِ قضا اس کو نہ بناتا، اور اگر وہ سات گنج شدّاد کے، کہ دولتِ خداداد اس کو ملی تھی، تجھ کو نہ دکھاتا تو اس کو بھوگ نہ چڑھاتا۔ الحق:

نکوئی با بداں کردن چناں ست
کہ بد کردن بجاے نیک مرداں

مگر دیکھ تو اے گردن زدنی و زندہ سوختنی، تو بھی اس کردارِ بد کی کیسی نیک سزا پاتا ہے۔ اگر تجھ کو تودۂ تیرِ عدالت نہ کیا تو کچھ نہ کیا۔ القش نے کہا کہ حضور، یہ مجھ پر تہمت لیتا ہے۔ بزرجمہر نے کہا کہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟ لوگ میرے ساتھ چلیں، میں اپنے دعوے کو ثابت کردوں گا۔ بادشاہ خود بذاتِ اقدس ارکانِ دولت کو ساتھ لے کر بزرجمہر کے ساتھ ہوا اور حکم دیا کہ القش کو بھی پابہ زنجیر کر کے لیتے آؤ۔ ہرگاہ باغِ بیداد میں داخل ہوئے۔ بزرجمہر بادشاہ کو اس تہہ خانے میں لے گیا۔ دیکھا تو فی الحقیقت سات گنج اس تہہ خانے میں محفوظ ہیں اور ایک طرف لاش خواجہ بخت جمال کی سوکھی ہوئی پڑی ہے، اور مرکب بھی اس راکبِ مردہ کا مرا ہوا پڑا ہے۔ بادشاہ نے وہ دولتِ لازوال تو اپنے خزانے میں بھیجی، اور خواجہ کی لاش گڑوا کر مقبرے کے تیار کرنے کا حکم دیا، اور بزرجمہر کو خواجہ بخت جمال کی عزاداری اور فاتحہ و درود کرنے کے واسطے چالیس دن کی رخصت دی اور اپنے خزانۂ عامرہ سے خرچ کے لیے کئی ہزار دینار عطا کیے۔

بعد چالیس دن کے ہرگاہ بزرجمہر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا، عرض کی کہ اگر حکم ہو تو اس خواب کو بھی التماس کروں۔ فرمایا کہ اس سے کیا بہتر ہے۔ خواب کو اگر بتاؤ گے تو پریشانی میری مبدّل بہ جمعیت ہوگی۔ بزرجمہر نے عرض کی کہ حضور نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک دسترخوان بچھا ہے اور اس پر اکتالیس قاب انواع و اقسام کھانے کی چنی ہوئی ہے۔ حضور نے ایک حلوے کی قاب میں سے نوالہ بنا کر چاہا کہ تناول فرمادیں، اس میں ایک سگِ سیاہ آیا اور وہ نوالہ حضور کے ہاتھ سے چھین کر کھا گیا۔ حضور نے خوف کھایا اور چونک پڑے اور اس خواب کو بھول گئے۔ فرمایا کہ قسم ہے مجھ کو آتش کدۂ نمرود کی، یہی خواب میں نے دیکھا تھا۔ ہاں، اب اس کی تعبیر بیان کر۔ بزرجمہر نے کہا کہ غلام کو اپنے محل میں لے چلیے اور جہاں تک کہ عورتیں محل میں ہوں، سب ایک جا جمع ہو دیں، اس وقت تعبیر اس خواب کی عرض کروں گا۔ بادشاہ بزرجمہر کو ساتھ لے کر محل میں گئے اور تمام حرم کو طلب کیا۔ ہرگاہ سب بموجب حکم کے حاضر ہوئیں۔ ان سب کے بعد ایک معشوقہ چند خواصوں کو ہمراہ لیے ہوئے آئی۔ اس کے ساتھ ایک حبشن بھی تھی۔ بزرجمہر نے اس کا ہاتھ پکڑ کے بادشاہ سے عرض کی یہ وہی

سگِ سیاہ ہے جس نے حضور کے ہاتھ سے لقمہ چھین لیا تھا، اور وہ لقمہ یہ شاہزادی ہے۔ بادشاہ نے مثلِ آئینہ متحیر ہوکر دریافت کیا تو ظاہر ہوا کہ وہ عورت نہیں ہے، مرد ہے۔ بادشاہ کے حکم سے وہ حبشی تو شکاری کتوں کا راتب ہوا، اور وہ شاہزادی بدبخت سرِراہ مینار میں چنوائی گئی، اور بزرجمہر کو خلعتِ فاخرہ سے سرفراز کرکے القش کو اس دن آدھا چنوا کر تیراندازانِ بے خطا کا نشانہ کیا اور مال مع زن وفرزندِ القش بزرجمہر کو عنایت فرمایا۔

بزرجمہر نذر گذران کے رخصت ہوا اور بختیار غلام کو ہمراہ لے کر القش کے محل میں گیا۔ اس کی جورو سے کہا کہ مجھ کو مال و دولت سے کچھ کام نہیں ہے، تیرا مال تجھ کو مبارک رہے، مگر میں نے بختیار سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے باپ کے خون لینے کے بعد القش کی بیٹی سے تیرا عقد کروادوں گا، سو اب تو اپنی بیٹی کا عقد اس کے ساتھ کردے۔ اور تجھ سے بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر تیری بیٹی کے بطن سے بختیار کا بیٹا پیدا ہوگا تو اس کو میں خود تعلیم کروں گا اور جب سنِ شعور کو پہنچے گا، اس کو بجائے القش بادشاہ سے وزارت کا خلعت دلوادوں گا۔ اسی دم القش کی زوجہ نے بموجبِ حکم بزرجمہر اپنی بیٹی کا عقد بختیار حبشی سے کردیا۔ ہرگاہ بادشاہ نے یہ حال سنا، بزرجمہر کی سیرچشمی پر عش عش کیا۔ اور اس کے کئی دن کے بعد جس وقت وزرا و ندما و حکما و پہلوان و سلاطین بارگاہ جمشیدی میں حاضر ہوئے، فرمایا کہ بزرجمہر اپنی قوم کا اشراف اور بزرگ و بزرگ زادہ ہے، خواجہ بخت جمال کا بیٹا حکیم جاماس کا نواسا ہے اور علم و فضل میں آج اپنا ثانی نہیں رکھتا ہے اور متدین و امانت دار و سیر چشم بھی ہے۔ دیکھو القش نمک بہ حرام کی دولت جو میں نے اس کو عطا کی تھی، اس نے مطلق اس کی جورو بیٹی کو معاف کی، ایک کوڑی آپ نہ لی۔ اور رمل و ہندسہ و حکمت میں مہارتِ کلّی رکھتا ہے، اور مستزاد اس پر یہ ہے کہ غیب دان بھی ہے۔ اور آگے اس سے جتنے وزیر تھے، سب بے خرد و جاہل تھے۔ اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ اس کو اپنا وزیر کروں۔ حاضرین ایک منہ ہوکر بولے کہ نفس الامر میں رائے ملوک الرائے ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت بزرجمہر کو خلعتِ وزارت مرحمت کیا اور داہنے تخت کے کرسی بیٹھنے کو دی۔ جب بادشاہ محل میں تشریف لے گئے، بزرجمہر بہ تزک و حشم اپنے گھر کو گیا۔ اس کی ماں نے دیکھ کر سجدۂ شکرِ شاہنشاہِ حقیقی ادا کیا۔

نکالنا بادشاہ کا دلآرام معشوقہ کو اور پھر منظورِ نظر ہونا اس کا

راوی لکھتا ہے کہ بادشاہ کو بہ سببِ حرکتِ شاہزادیِ فاجرہ مطلق عورت کا اعتبار جاتا رہا تھا۔ سوائے دلآرام کے، کہ قطع نظر حسن و جمال وعصمت وعفت کے، چنگ بجانے میں کمال رکھتی تھی، کوئی عورت سامنے آنے نہ پاتی تھی۔ اتفاقاً ایک روز شکار کھیلنے کے واسطے سوار ہوئے۔ پہاڑ کی ترائی میں ایک صیدگاہ تھی۔ اس میں چرندو پرند کثرت سے تھے اور کوسوں تک گیاہ سے مخملِ سبز کا فرش بچھا ہوا تھا، اور پانی کی چادروں کے گرنے سے ہر طرف آبجوئیں جاری تھیں۔ اور دامنِ کوہ میں ایک دریا موجزن تھا، کناروں پر اس کے ہرے ہرے دھانوں کے کھیت لہلہا رہے تھے اور نرگس شہلا و ہزارگلہ کوسوں تک کھلا ہوا تھا۔ بے تکلف الماس کے گرد تحریر زمرد و یاقوت کی معلوم ہوتی تھی۔ بادشاہ یہ کیفیت دیکھ کر لبِ دریا اتر پڑے۔

اتفاقاً ایک مردِ پیر لکڑیوں کا بوجھ سر پر رکھے ہوئے جنگل کی طرف سے چلا آتا تھا، اور ضعف جو اس پر قوی تھا، قدم قدم پر گرتا تھا۔ بادشاہ نے اس کے حال پر رحم وتاسف کر کے فرمایا کہ تحقیق تو کرو، اس خارکش کا نام کیا ہے؟ دریافت ہوا کہ نام اس آفت زدہ کا قباد ہے۔ بادشاہ اپنے ہم نام کو اس خواری میں دیکھ کر کمال متعجب ومتحیر ہوا۔ بزرجمہر سے فرمایا کہ دیکھوتو، ہمارے اور اس کے طالع میں کیا فرق واقع ہے! باوجود ایک راس ہونے کے ہم تو ہفت اقلیم کے بادشاہ ہیں اور یہ گدا ہے۔ بزرجمہر نے بچار کر کے عرض کی کہ حضور کا اور اس کا ایک ہی ستارہ ہے، مگر ہنگامِ تولدِ حضور ماہ وخورشید برجِ حمل میں تھے اور اس کے تولد کے وقت برجِ حوت میں تھے۔ دلآرام کے منہ سے بے تحاشا نکلا کہ میں اس بات کی قائل نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عورت بدسلیقہ ہے، نہیں تو یہ اس نوبت کو نہ پہنچتا۔ بادشاہ تو عورتوں کی طرف سے بے اعتقاد ومتنفر ہو ہی رہا تھا، دلآرام کا یہ سخنِ نیک بد معلوم ہوا، فرمایا کہ اس کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ ہماری دولتِ خداداد اس کے سیقے سے ہے۔ ہاں، لباس اس کا اتار کر اسے اس خارکش کو سونپ دو۔ حکم ہوتے ہی تعمیل حکم کی ہوئی۔ دلآرام نے

رضا بالقضا کہہ کر اس لکڑ ہارے سے کہا کہ مجھ کو اپنے گھر لے چل، اور اس کا غم نہ کھا کہ روٹی تجھ کو دینی پڑے گی۔ وہ پیر مرد اپنے گھر اس کو لے گیا۔ جورو نے اس کی دیکھا کہ بوڑھا ایک جوانِ رعنا، پری پیکر عورت کو لیے آتا ہے۔ چڑیل کی طرح چلچلاتی ہوئی دوڑی اور کہنے لگی کہ او بوڑھے، تجھ کو کیا بڑھ بھس لگا ہے کہ مجھ پر سوت لایا ہے؟ یہ کہہ کر اس زور سے ایک دوہتڑ مارا کہ بڈھا لوٹن کبوتر کی طرح لوٹنے لگا۔ دلآرام نے اس عورت سے یہ کہا، المترجمہ:

عبث کس لیے طیش کھاتی ہیں آپ
تمھارا ہے شوہر، مرا دینی باپ

اے مالک فرخندہ خصال، اس رشتے سے آپ میری مادرِ مہربان ہوئیں، اپنے فرزندوں میں مجھ کو بھی شمار کیجیے، اور میں کھانے پینے کی تکلیف آپ کو نہیں دوں گی۔ اس بڑھیا کو دلآرام کی تقریر پر رحم آیا اور اپنی حرکت پر نادم ہوئی۔ لگی دلآرام پر شفقت کرنے۔

معمول تھا کہ وہ بوڑھا ہر روز شام کو لکڑیاں بیچ کے بازار سے روٹی مول لے کر گھر میں آتا اور بارہ تیرہ لڑکے جو اس کے اندھے لولے لنگڑے اپاہج تھے، اس کو لپٹ جاتے اور روٹیاں لے کر بایکدیگر بانٹ کھاتے اور بہ سبب قلت کے بھوکے رہتے۔ ایک دن تو دلآرام یہ کیفیت دیکھ کر چپکی ہو رہی، مگر دوسرے دن اس خارکش سے کہا کہ بابا جان، آج تم لکڑیاں بیچ کر گیہوں مول لانا، روٹی نہ لانا۔ اس نے کہا، اچھا بیٹا۔ اس دن وہ لکڑیاں بیچ کر گیہوں خرید کر کے لایا۔ دلآرام ہمسائے میں جا کر ان گیہوں کو پیس لائی اور روٹی اس کی پکا کر تین دن تک سب کو بھر پیٹ کھلائی۔ وہ سب اس کو دعا دینے لگے۔ اور وہ جو دو روز کے پیسے بچے، اس کی پشم منگا کر ڈوریاں بٹ کے اسی بوڑھے کے ہاتھوں بکوا منگائیں۔ تھوڑے سے دنوں میں کچھ روپے جمع کر کے ایک خچر مول لے کر اس ضعیف کو دیا کہ اس پر لکڑیاں لادلایا کرو، لکڑیاں بھی زیادہ آویں گی اور تم بھی آرام پاؤ گے۔

القصہ، دو برس کے عرصے میں آہستہ آہستہ پانچ سات خچر اور کئی غلام دلآرام نے مول لے دیے اور اس کے کرائے سے کچھ اور جائیداد بھی خرید کی۔ حقیقت میں اس بوڑھے کے گھر کی صورت بدل گئی۔ ہرگاہ موسم گرمی کا آیا۔ دلآرام نے کہا کہ بالفعل گرمی کے موسم تک غلاموں کو مع خچر اپنے ساتھ لے جا کر لکڑیاں جنگل سے لادلایا کرو اور پہاڑ کی کھوہ میں رکھو۔ جاڑے اور برسات میں قیمت سے بکیں گی۔ اس پیر مرد نے ویسا ہی کیا جیسا دلآرام نے کہا۔ جب برسات آخر اور جاڑا شروع ہوا، بادشاہ اسی پہاڑ پر پھر شکار کھیلنے کو آیا۔ ناگہاں دوسرے دن شب کو ایسی برف پڑی کہ تمام لشکر بادشاہ کا سردی کے مارے ٹھٹھر کر قریب بہ مرگ ہو گیا۔ لوگوں نے لکڑیوں کا ڈھیر جو پہاڑ کی کھوہ میں دیکھا، آگ لگا کر تاپنے لگے۔ بادشاہ تو شکار کھیل کر اپنے دولت خانے کو

روانہ ہوا اور قباد خارکش لکڑیاں لانے کو گیا۔ لکڑیاں تو نہ پائیں، کوئلوں کا ڈھیر پایا۔ کمر پکڑ کے بیچارہ بیٹھ گیا اور داڑھیں مار مار کے رونے لگا۔

اب خدا کی قدرت کا تماشا دیکھیے کہ اس غار میں سونے کی کان تھی۔ تپشِ آتش سے پگھل کر سلیں سونے کی بن گئیں۔ ہرگاہ اس بوڑھے نے دلآرام کے دکھانے کے واسطے کئی خچر کوئلوں سے لادے، سل بھی ایک خچر پر لادلایا۔ جب گھر میں آیا، دلآرام کے روبرو کوئلے ڈال کر زار زار رویا اور کہا کہ سوائے کوئلوں کے سیکڑوں سلیں پتھر کی بن گئی ہیں، چنانچہ ایک سل بھی یہ سمجھ کر اٹھا لایا ہوں کہ شاید تمھیں یقین نہ آئے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو، اور مسالہ پیسنے کے کام بھی آئے گی۔ دلآرام نے اس سل کو چھری کی نوک سے جو کھرچا، دیکھا کہ سل کندن کی ہے۔ اسی دم سجدۂ شکر ادا کر کے بولی کہ سچ ہے:

وہ رائی کو چاہے تو پربت کرے

اور اپنے دینی باپ سے کہا کہ جلد جاؤ، جتنی سلیں ہیں خچروں پر لاد لاؤ۔ پیر مرد فی الفور جا کر جس قدر سلیں تھیں لدوا لایا۔ دلآرام نے ایک رقعہ فیصل زرگر کے نام لکھ کر قباد لکڑہارے کے ہاتھ میں دیا اور ایک خچر پر جس قدر سلیں لد سکیں لاد کر اس کے ہمراہ کیں اور کہا کہ بصرہ میں جا کر یہ رقعہ اور یہ سلیں جو خچر پر لاد دی ہیں، فیصل زرگر کو دینا۔ جس طرح سے تم میرے باپ ہو، اسی طرح سے وہ میرا بھائی ہے۔ اس سے کہنا کہ میں دلآرام کا وکیل ہوں۔ وہ ان سلوں کا سکہ کروا کے تمھارے حوالے کر دے گا، تم لے آنا۔ قباد تو رقعہ اور سلیں لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوا، اِدھر دلآرام نے باقی سلوں کو ایک گڑھا وسیع و عمیق صحن میں کھدوا کر گاڑ دیا اور ایک غلام کو سہیل صراف کے پاس، کہ مدائن میں رہتا تھا، بھیجا کہ کئی برس سے میں بادشاہ کے عتاب میں ہوں، مگر اگر خدا چاہتا ہے تو بہت قریب پھر سرفراز ہوتی ہوں۔ لازم ہے کہ فی الفور تم میرے پاس مع معمارانِ کاریگر پہنچو کہ ایک عمارت نمونۂ ایوانِ شاہی تمھاری معرفت مجھ کو بنوانی ہے، اور سرِدست جو کچھ تعمیر میں اس عمارتِ عالیہ کی خرچ ہوگا وہ تم کو دینا ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد تمھارا روپیہ تم کو دیا جائے گا۔ چونکہ سہیل کو دلآرام کا بڑا اعتبار تھا، اس پیغام کے سننے کے ساتھ ہی، مع معماران و سنگتراشان و مزدور، دلآرام کی خدمت میں حاضر ہوا اور بہ ساعتِ سعید عمارت کی بنا ڈالی۔

ہرگاہ وہ مکان تیار ہوا، دلآرام نے اپنی اور بادشاہ کی تصویر تمام مکان کے صفحاتِ دیوار و در پر کھنچوائی اور اسبابِ شاہانہ منگوا کر اس مکان کو خوب سا سجا، اور ہرکارے برق انداز و تلنگے، فراش خدمتگار، خاص بردار وغیرہ نوکر رکھے۔ اس عرصے میں قباد بصرہ سے اشرفیاں لے کر پہنچا۔ دلآرام نے قباد کو حمام میں بھجوایا۔ حمامی جو کپڑے اتارنے لگا، وہ پاؤں پر گر پڑا کہ مجھ سے اگر کچھ قصور ہوا ہو تو معاف کیجیے، مجھے برہنہ کر کے اس گرم

مکان میں آبِ آتش دیدہ سے نہ جلایئے۔ حمامی نے اس کا اطمینان کیا کہ جیسا سمجھے ہو ویسا نہیں ہوگا۔ لنگی جو باندھنے کو دی، سر سے باندھنے لگا۔ غرض کہ بہ ہزار خرابیِ بصرہ نہلایا گیا اور وہ پوشاک اس کو پہنائی گئی کہ سوائے بادشاہانِ ذی جبروت کے کاہے کو کسی کو میسر ہوتی ہے۔ اور حکم دیا کہ آج کے دن سے سوائے قباد سوداگر کے اگر کوئی لکڑ ہارا کہے گا تو اس کی زبان گدی سے نکالی جائے گی، اور چار پانچ روز کے بعد عمدہ عمدہ اشیا اور تحائفِ روزگار اس کے ساتھ کر کے بزرجمہر کی ملاقات کے واسطے بھیجا۔ بزرجمہر اس سے بغلگیر ہوا اور بہ کمال اعزاز پیش آیا۔ اس نے دلآرام کے سکھلانے سے بادشاہ کی ملازمت کی استدعا کی۔ خواجہ نے کہا کہ بہت خوب، کل روز بھی اچھا ہے، اوّل وقت تشریف لایئے، بادشاہ کی ملازمت کیجیے۔ قباد رخصت ہو کر اپنے گھر میں آیا اور جو کچھ خواجہ بزرجمہر نے کہا تھا اس کو بیان کیا۔ دلآرام نے دوسرے دن سہیل سے دریافت کیا کہ آج بادشاہ کیسی پوشاک پہنے ہوئے ہے؟ اس نے بیان کیا۔ دلآرام نے ویسا ہی لباس قباد سوداگر کو پہنا کر بادشاہ کی ملازمت کے واسطے بھیجا۔ قباد اوّل خواجہ کے پاس گیا۔ خواجہ نے اس کو لے جا کر جلوخانے میں ٹھہرایا اور آپ بادشاہ سے تقریب کرنے کو گیا۔ بادشاہ نے استدعائے خواجہ قبول کی۔ قباد سوداگر کی طلبی ہوئی۔ چونکہ یہ بیچارہ سوائے لکڑی کاٹنے اور بیچنے کے شاہ و وزیر کی صحبت کی قدر کیا جانے، دلآرام نے چلتے وقت سمجھا دیا تھا کہ جب ظلِ سبحانی کے حضور میں جانا، پہلے داہنا پاؤں بڑھانا۔ اس کو تو وہ بھول گیا، مگر بادشاہ کی صورت دیکھ کر دلآرام کی نصیحت یاد آئی۔ دونوں پاؤں ملا کے ایک جست کی۔ اس جگہ پر سنگ مرمر کا فرش تھ، پاؤں جو پھسلے، چوتڑوں کے بل گر پڑا۔ بادشاہ کے ہنسنے سے ارکانِ دولت بھی ہنس پڑے، لیکن بہ لحاظ اس کے کہ خواجہ کے ذریعے سے وہاں تک پہنچا تھا، کسی نے دم نہ مارا۔ بادشاہ نے اس کی نذر قبول کی اور اس قدر اس پر نوازش کی کہ ایک ڈلی مصری کی جو ہاتھ میں تھی، اس کو مرحمت کی۔ اس نے لے کر سلام کیا اور ساتھ ہی سلام کے اس ڈلی کو بھی منہ میں ڈال لیا۔ جتنے حاضرینِ دربار تھے، سب پر اس کی بے ادبی اور بدتمیزی ثابت ہوئی، اور بزرجمہر بھی اس کی ان دونوں حرکتوں سے اپنے جی میں بہت شرمندہ ہوئے۔

ہرگاہ دربار برخاست ہوا، قباد اپنے گھر میں آیا اور بادشاہ کی عنایت سے مصری کی ڈلی کا دینا اور اپنا سلام کر کے کھا جانا دلآرام سے دہرایا۔ دلآرام نے کہا کہ تم سے کمال بے ادبی ہوئی۔ بادشاہ کی چیز دی ہوئی روبرو بادشاہ کے نہیں کھاتے ہیں۔ پوچھا کہ پھر کیا کرتے ہیں؟ دلآرام نے کہا، اس کو سر پر رکھتے ہیں۔ اس نے اس بات کو یاد رکھا۔ دوسرے دن جو گیا، اس وقت بادشاہ خاصہ کھاتے تھے۔ قباد کو دیکھ کر مہربانی سے ایک پیالہ قورمے کا عنایت فرمایا۔ اس نے لے کر آداب کیا اور دلآرام کی نصیحت یاد کر کے اس پیالے کو اپنے سر پر الٹ دیا۔ اس کے شوربے سے سوائے کپڑوں کے ڈاڑھی اور مونچھیں بھی تھپ گئیں۔ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ

مطلق اس کو تمیز سے بہرہ نہیں ہے۔ جو حرکت ہے سو اعجوبہ ہے۔ اس دن دلآرام نے چلتے وقت کہہ دیا تھا کہ خواجہ بزرجمہر کو اپنا معین کر کے بادشاہ کو مدعو کرنا۔ ہرگاہ قباد نے دعوت کی استدعا کی، بادشاہ نے دعوت قبول کی۔ رخصت ہو کر دلآرام کے پاس آیا اور بادشاہ کی دعوت قبول کرنا بیان کیا۔ دلآرام نے تیاری دعوت کی کی۔

جانا بادشاہ کا خانۂ قباد خارکش میں اور سرفراز کرنا دلآرام کا

دوسرے دن بادشاہ مع بزرجمہر و ارکانِ دولت قباد سوداگر کے مکان میں ضیافت کھانے کو تشریف فرما ہوئے۔ قباد نے پیشوائی کر کے نذر گذرانی۔ جب مکان میں داخل ہوئے، ہر دالان و شہ نشین و حجرے کے صفحۂ دیوار پر اپنی اور دلآرام کی تصویر دیکھی۔ دلآرام کو یاد کر کے بہت تاسف کیا۔ اور جس مکان کو دیکھا بجنسہٖ ایوانِ شاہی کا نقشہ پایا۔ بزرجمہر سے فرمایا کہ یہ مکان ہو بہو میرا ہی مکان معلوم ہوتا ہے، کتنا مشابہ بنایا ہے! یہ کہہ کر بارہ دری میں مسندِ جواہر نگار پر جا کے بیٹھے۔ سفرچی نے نطع بچھا کر دسترخوان بچھایا اور بکاول نے انواع و اقسام کا طعام، نمکین و شیرین و حلوا و آش و نان و قلیہ و فالودہ و فواکہاتِ تر و خشک، ظروفِ چینی و غوری میں چنا۔ قباد نے بموجبِ اشارۂ دلآرام آفتابہ و چلمچی طلائی جواہر نگار منگا کر بادشاہ کے ہاتھ دھلائے۔

جس وقت کھانا تناول فرما چکے، دلآرام نے پوشاک معشوقانہ پہن کر چلون کی اوٹ سے جلوۂ شاہدانہ بادشاہ کو دکھلایا۔ بادشاہ نے جو اس کی جھپک دیکھی، قباد سے پوچھا کہ یہ عورت جو چلون کے اندر ہے، تیری کون ہے؟ ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ غلام کی بیٹی ہے، اور یہ جو کچھ ہے اسی کے سلیقے کے بدولت ہے۔ اور حضورِ پرنور سے کیا پردہ ہے، محل میں رونق افروز ہو جایئے۔ بادشاہ اس کی استدعا سے محل میں جو گئے تو پہلے تو دور سے دیکھ کر دلآرام کا شبہ دلآرام پر ہوا۔ جب قریب پہنچے اور اس نے مجرا کیا، فرمایا کہ کون ہے؟ دلآرام؟ دلآرام جی کہہ کر قدموں پر گر پڑی اور رونے لگی۔ بادشاہ نے اس کے سر کو اٹھا کر چھاتی سے لگایا۔ اس نے عرض کی کہ یہ وہی قباد لکڑہارا ہے کہ جس کے حوالے یہ لونڈی کی گئی تھی۔ حضور کے اقبال سے یہاں تک تو اس کی نوبت پہنچی۔ بادشاہ دلآرام کا ہاتھ پکڑے اس بارہ دری میں جہاں مسند بچھی ہوئی تھی، رونق بخش ہوئے، اور قباد کو خلعت عطا کر کے خطاب ملک التجاری کا دیا، اور بہ کمال نوازش دلآرام پر چنگ بجانے کی فرمائش کی۔ لمترجمہ:

دلآرام نے چنگ میں چنگ لی
خرد سننے والوں کی بس دنگ کی
نہ کیوں کرتے گم سامعین اپنا ہوش
کہ آتی صدا چنگ سے تھی بہ جوش

جب دلآرام چنگ بجا چکی، بھانڈ، بھگتیے، کتھک، کشمیری، قوال، ڈھاڑی، کلانوت، کنچنیوں نے مجرا کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد قباد کو دوبارہ مخلع کر کے مع دلآرام سوار ہو کر ایوانِ شاہی میں داخل ہوئے، اور وہ جو عورتوں سے نفرت ہو گئی تھی مبدل بہ رغبت ہوئی۔ چند روز کے بعد محترم بانو سے، کہ بادشاہ کے چچا کی بیٹی تھی، عقد کیا۔ ایک برس کے بعد شاہزادی کو امیدِ فرزند ہوئی۔ جب نو مہینے گذر گئے، شاہزادی کو دردِزہ ہوا۔ بادشاہ نے بزرجمہر کو طلب کیا اور فرمایا کہ شاہزادی کو دردِزہ ہے۔ جس وقت لڑکا پیدا ہووے، اس کے طالع کا حال لکھا چاہیے۔ خواجہ ساعتِ تولید دریافت کرنے کے واسطے ہندی، فرنگی، رومی، ولندیزی، فرانسیسی گھڑیاں اور ستاروں کی گردش معلوم کرنے کے لیے اسطرلاب وتختہ اپنے روبرو رکھ کے، قرعہ ہاتھ میں لے کر مستعد بیٹھے۔ لمترجمہ:

تولد جو شاہزادہ اس دم ہوا
زمانے سے یکبار گم غم ہوا
ہوئے ایسے چھوٹے بڑے شاد شاد
کہ روشن تھا گھر گھر چراغِ مراد

خواجہ نے اسی ساعت ساعت لکھ کر قرعہ تختے پر پھینکا اور زائچہ کھینچ کر جو شکلوں کو ملایا، خورشید و ماہ کو برجِ حمل میں پایا اور زہرہ ومشتری وعطارد وزحل ومریخ کو بھی بروجِ سعد میں مشرف بہ شرف دیکھا۔ خواجہ کی باچھیں خوشی کے مارے کھل گئیں۔ بادشاہ کو تہنیت دے کر عرض کی، لمترجمہ:

مبارک ہو فرزند اے نیک فال
رہیں دوست شاد اور عدو پائمال

یہ شاہزادہ ہفت اقلیم کا بادشاہ ہوگا اور ستّر برس سلطنت بڑے کروفر سے کرے گا۔ مگر اپنے ایک ندیم کی حماقت سے اکثر متردد رہے گا۔ یہ کہہ کر نام تجویز کرنے لگا کہ دو عیاروں نے حاضر ہو کر بادشاہ سے التماس کیا کہ چشمۂ نوش خاص جو کئی برس سے سوکھ گیا تھا، آج خود بخود پانی اس میں رواں ہوا۔ بزرجمہر نے فال نیک سمجھ کر شاہزادے کا نام نوشیرواں رکھا۔ اور بعض روایت کرتے ہیں کہ ہنگامِ تولید شاہزادہ بادشاہ کے ہاتھ میں جامِ مئے گل رنگ تھا۔ بزرجمہر نے زبانِ فارسی میں عرض کی کہ قبلۂ عالم جام رانوش و رواں بفرمائید۔ بادشاہ نے خوش

ہوکر خواجہ کو مخلع کیا اور شاہزادے کا نام نوشیرواں رکھا۔ نقارچیوں کو شادیانے بجانے اور توپ خانے میں سلامی دینے کا حکم ہوا۔ فوراً توپخانے میں مشلک مبارکباد کی ہونے اور نقار خانے میں نوبت شادیانہ جھڑ جھڑ بجنے لگی۔ صدائے مبارک وسلامت ساکنانِ فلک کے گوش تک پہنچی۔ زہرہ ومشتری نے سازِ طرب کو کوک دے کر آسمانوں کو محظوظ کیا۔ جہاں تک فقیر تھے بادشاہ کی زرریزی سے امیر ہوگئے، اور تمام رعایا کو یکسالہ خزانہ معاف ہوا۔

گیارھویں دن عین جشن میں بادشاہ کو خبرداروں نے خبر دی کہ القش کی بیٹی کے بیٹا پیدا ہوا۔ بادشاہ نے خواجہ سے مخاطب ہوکر فرمایا، القش کے نواسے کو ابھی سے مار ڈالنا انسب ہے، نہیں تو قابو پا کر تم سے عداوت کرے گا۔ اور قولِ عقلا ہے کہ افعی راکشتن و بچہ اش را نگاہداشتن کارِ خردمنداں نیست۔ خواجہ نے کہا کہ قبل از وقوعِ گناہ تعذیر کرنا کسی مذہب میں روا نہیں ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک، بمقتضائے قتل الموذی قبل الایذا، اس کے وجود کو معدوم کرنا عین مناسب ہے، آئندہ تم کو اختیار ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ اگر یہ زندہ رہا تو اس کے ہاتھ سے ایذا تم کو ضرور پہنچے گی۔ بزرجمہر نے اس کی شفاعت کی اور بادشاہ سے رخصت ہوکر القش کے گھر میں گیا اور بختیار کے لڑکے کا نام بختک رکھا۔

جب نوشیرواں چار برس چار مہینے کا ہوا، بادشاہ نے تعلیم کے واسطے بزرجمہر کو سونپا۔ بزرجمہر نے ایک ہفتے کے بعد بختک سے بادشاہ کو نذر دلوائی اور عرض کر کے جاگیر القش کی اس کے نام پر کھلوائی اور نوشیرواں کے ساتھ اس کو بھی تعلیم کرنے لگا۔ چونکہ نوشیرواں ازبس ذہین تھا، کئی سال کے عرصے میں علومِ مشہورہ یعنی صرف، نحو، معانی، منطق، حکمت، ادب وغیرہ سے فراغت حاصل کی اور فنونِ سپاہ گری میں بھی علم استادی کا بلند کیا۔ اتفاقاً ایک دن چین کے سوداگروں نے بادشاہ کی خدمت میں تحائف گذران کے شاہزادے کو بھی نذر دینے کی اجازت لی۔ ہرگاہ شاہزادے کی خدمت میں تحائفِ عجائب وغرائب گذرانے، نوشیرواں خاقانِ چین کے حال کا مستفسر ہوا۔ سوداگروں نے اس کا حال بیان کر کے عرض کی کہ خاقانِ چین کی ایک بیٹی، مہرانگیز نام، ایسا حسن دلآویز رکھتی ہے کہ حسنِ یوسفِ مصری کو بھی اس کے حسن کا غلام کہا چاہیے۔ یہ سننا تھا کہ تیرِ عشقِ مہرانگیزِ نادیدہ نوشیرواں کے جگر کے پار ہوگیا۔ ہرچند چھپایا مگر خشکیِ لب وزردیِ رو نے چھپنے نہ دیا۔ شدہ شدہ تاب و طاقت وصبر وشکیبائی نے جواب صاف دیا، خواب وخور حرام ہوگیا، ایک چپکی سی لگ گئی۔ ہنسنا کھیلنا، اختلاط کرنا یک قلم بھول گیا۔ دن رات اس کے تصور میں اپنے دل سے باتیں کیا کرتا تھا اور عالمِ تصور میں اس کو اپنے مقابل کر کے یہ شعر مرزا نوروز علی خاں یکتاؔ، خلفِ بزرگِ مترجم، کا پڑھا کرتا تھا:

ہم نے دل تم کو دیا، تم نے ہمیں رسوا کیا
ہم نے تم سے کیا کیا اور تم نے ہم سے کیا کیا

جب روز بروز شاہزادے کا حال ابتر ہونے لگا، خیرخواہوں نے بادشاہ کو خبر دی کہ معلوم نہیں کہ شاہزادے کو نصیبِ اعدا کیا مرض ہوا ہے کہ خواب وخور سے مطلق بیگانہ ہیں۔ نہ کسی کی سنتے ہیں نہ اپنی کہتے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی بادشاہ نے سیماب کے مانند بے قرار ہوکر خواجہ بزرجمہر کو بلوا کے یہ ماجرا بیان کیا۔ خواجہ بادشاہ کو تسکین دے کر نوشیرواں کے پاس آئے اور تخلیہ کر کے کہا کہ خیر تو ہے، آپ کا حال ایسا کیوں ابتر ہے؟ سچ سچ رازِ دل کا بیان کرنا بہتر ہے کہ میں اس کا علاج کروں۔ نوشیرواں نے کہا کہ خواجہ صاحب، اوّل تو آپ میرے باپ کے وزیر ہیں، دوسرے میرے استاد ہیں۔ میں آپ کو اپنا عمو جانتا ہوں اور اگرچہ مقامِ شرم وحجاب ہے، ادب رخصت نہیں دیتا ہے کہ اپنے حال سے آپ کو مطلع کروں، لیکن بہ لحاظِ الامر فوق الادب، کہتا ہوں کہ میں صفتِ حسنِ دلآویزِ ملکہ مہرانگیز دخترِ خاقانِ چین سن کر نادیدہ عاشق ہوا ہوں، اور خوب جانتا ہوں کہ اگر اس کے ساتھ میری شادی نہ ہوگی تو جیتا نہ بچوں گا۔ لمترجمہ:

یہ کہہ کر جو ضبط آہِ جاں سوز کی
تو آگ اس کے دامان و دل میں لگی
حرارت سے طاری ہوا غش پہ غش
ہوئی جان و دل کو عجب کشمکش

خواجہ نے کہا کہ شاہزادے، اس قدر مرہونِ بے خودی نہ ہونا چاہیے۔ یہ کون بڑی بات ہے جس کے واسطے یہ صورت اپنی آپ نے بنائی ہے۔ اٹھیے، کھائیے پیجیے، ہنسیے بولیے۔ اس مہم کو میں خود جا کر آپ کے واسطے سر کروں گا۔ نوشیرواں کو اس کے کلامِ مہرانگیز سے ملکہ مہرانگیز کے ملنے کی امید ہوئی۔ فی الفور چھپرکٹ سے اٹھ کر حمام کیا اور پوشاک تبدیل کر کے خاصہ نوش فرمایا۔ بزرجمہر وہاں سے بادشاہ کی خدمت میں آیا اور احوال شاہزادے کے عاشق ہونے کا مفصل بیان کیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ خواجہ، یہ امر بے تمھارے تردد کرنے کے انجام نہ پاوے گا۔ بزرجمہر پچاس ہزار سوار و پیادے اپنے ہمرکاب لے کر چین کی طرف روانہ ہوا۔

بختک کا حال سنیے کہ جب سے ہوش سنبھالا تھا، ہر روز اپنی ماں سے کہتا تھا کہ میں جب بزرجمہر کا منھ دیکھتا ہوں، میری آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ جب تک اپنے نانا کا بدلہ نہ لوں گا، تب تک میں بے چین رہوں گا، قابو پانا شرط ہے۔ اور ہمیشہ بزرجمہر کی بدی کر کے نوشیرواں کا دل اپنی دانست میں اس سے برا کرتا تھا، مگر نوشیرواں اس کو لعنت ملامت کر کے کہتا تھا کہ خواجہ کی نیکیوں کو اپنے ساتھ دیکھ اور اپنی بدی کو! اے کمبخت، وہ ہر طرح سے تیرا محسن ہے۔ توبہ کر، نہیں تو خسر الدنیا والآخرۃ ہوگا۔

جانا بزرجمہر کا چین کی طرف ملکہ مہرانگیز کے لانے کے واسطے

راویانِ خوشگواس داستان کو یوں بیان کرتے ہیں کہ جب خواجہ بزرجمہر شہرِ چین میں داخل ہوا، خبرداروں نے خاقانِ چین کو خبر دی کہ بادشاہِ ہفت اقلیم کا وزیر حضور کے پاس آتا ہے۔ خاقانِ چین نے ارکانِ دولت کو خواجہ کی پیشوائی کے واسطے بھیجا، اور جب قریب تر پہنچا، اپنے بیٹوں کو مع سلاطینِ خطا وختن استقبال کا حکم دیا۔ ہرگاہ بزرجمہر دیوانِ خاص میں داخل ہوا، بہ آدابِ تمام کورنش ادا کر کے تحائف وسوغات کو کہ اپنے ہمراہ لے گیا تھا، اپنے بادشاہ کی طرف سے خاقان کی خدمت میں پیشکش کیا۔ خاقانِ چین خواجہ کا ادب دیکھ کر بہت خوش اور سخنانِ شیریں سے نہایت محظوظ ہوا اور خواجہ کو خلعتِ فاخرہ سے سرفراز کیا۔ کہتے ہیں کہ پہلی ہی صحبت میں خواجہ کو گیارہ خلعت دیے، یعنی جو بات خاقان کرتا تھا اور اس کا جوابِ باصواب پاتا تھا، خلعت عطا کرتا تھا۔ ہرگاہ سبب آنے کا پوچھا، اس کو ایسا بہ آئینِ شائستہ خواجہ نے بیان کیا کہ خاقان نے دل وجان سے شادی مہرانگیز کی نوشیرواں کے ساتھ قبول کی اور فخریہ دربارِ عام میں یہ کلمہ فرمایا کہ زہے سعادت میری کہ نوشیرواں سا داماد مجھ کو ملا۔ اور اسی دم حکم دیا کہ جلدتر اسباب سفر کا مہیا ہو۔ کئی روز کے عرصے میں سامان سفر کا تیار ہوا۔ خاقانِ چین نے کبابہ چینی اور قلابہ چینی کو، کہ یہ دونوں خاقان کے خلف الرشید ہیں، ملکہ مہرانگیز کے ہمراہ چالیس ہزار ترک سے روانہ کیا اور کئی پشت کا اندوختہ زر و جواہر ولباس واشیاے عمدہ وتحفہ اور کئی سو کنیزک وغلام ترکی وحبشی، خطائی، ختنی، جہیز میں دیا۔ کئی مہینے کے عرصے میں خواجہ مع ملکہ مہرانگیز ایران میں پہنچا۔ بادشاہ نوشیرواں نے استقبال اور طبق طبق زر و جواہر مہرانگیز کے محافے پر سے نثار کر کے فقیروں کو دولت سے مالا مال کیا، اور خواجہ بزرجمہر کو بہ انواع شفقت ومہربانی گلے سے لگا کر مخلع فرمایا، اور شاہانہ سامان شادی کا کر کے ساعتِ سعید میں نوشیرواں کا عقد ملکہ مہرانگیز کے ساتھ کیا، اور بعد برات کے ایک سال تک جشن شادی کا رہا۔ لمترجمہ:

ہوئی بسکہ شادی میں یہ دھوم دھام
جسے دیکھ کر خوش ہوئے خاص و عام
چلا شب کو دلہا جو تاروں کی چھاؤں
زچا نے بھی باہر رکھا گھر سے پاؤں
ہوئی روشنی سے شبِ تار روز
کہ نوشہ تھا خورشیدِ عالم فروز
رواں پیشِ نوشہ تھے تختِ رواں
شہانہ تھے گاتے پری پیکراں
وہ تختوں پہ تھے تختہ تختہ چمن
شگفتہ گل و لالہ یاسمن
فضیلت نہ کیوں دن پہ رکھتی وہ رات
کہ وہ شب حقیقت میں تھی شب برات
مبارک سلامت کا تھا شور و غل
زبس شاد و خرم خدائی تھی کل
ہوا زر جو نوشاہ پر سے نثار
گدائے زمانہ ہوئے مالدار

اور بہ صلاحِ خواجہ نوشیرواں کو تخت پر بٹھلا کے آپ گوشہ نشیں ہوا اور مکرر سہ کرر نوشیرواں کو نصیحت کی کہ بغیر مشورۂ خواجہ بزرجمہر کوئی امر نہ کرنا، اور بختک کو اموراتِ شاہی میں دخل نہ دینا کہ سلطنت کو زوال نہ ہووے۔
کہتے ہیں کہ جب بادشاہ نے نوشیراں کو تخت پر بٹھلانے کے لیے بزرجمہر سے مشورہ چاہا تو خواجہ نے عرض کی کہ چالیس دن کے بعد شاہزادے کو شوق سے تخت پر بٹھلایئے گا۔ اور اتنے دنوں تک شاہزادے پر میرا اختیار ہے، جو میں مناسب جانوں گا سو کروں گا۔ بادشاہ نے بہ دل و جان قبول کیا۔ خواجہ نے اسی دم نوشیرواں کو پا بہ زنجیر کر کے زنداں میں بھیجا اور اکتالیسویں دن قید سے رہا کر کے پیدل اپنی سواری کے ساتھ دوڑاتا ہوا ایوانِ شاہی تک لے گیا اور تین تازیانے اس زور سے نوشیرواں کو مارے کہ نوشیرواں تلملا گیا۔ بعد ازاں تلوار کھینچ کر نوشیرواں کے ہاتھ میں دی اور اپنا سر جھکا کر عرض کی کہ اس بے ادبی کی سزا یہ ہے کہ مجھ کو قتل کیجیے۔ نوشیرواں خواجہ کے گلے سے لپٹ گیا اور کہا کہ خواجہ، اس میں بھی کچھ حکمت ہوگی، نہیں تو تم اور مجھ کو ایذا دو۔

ہر گاہ دو برس کے بعد بادشاہ نے انتقال کیا، بختک کی گرم بازاری ہوئی۔ اس مردک نے نوشیرواں سے کیا کیا ظلم و بدعت نہ کروائی، حتیٰ کہ زمانے میں نوشیروانِ ظالم مشہور ہوا۔ ناگہاں ایک قزاق بہ علتِ راہزنی پکڑا آیا۔ نوشیرواں نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس نے عرض کی کہ قتل تو میں کیا ہی جاؤں گا، لیکن اگر چالیس دن کی مہلت مجھ کو ملے اور بھی شراب و کباب و شاہدِ رعنا عنایت ہو تو میں ایک ایسا علم جانتا ہوں کہ دربارِ شاہی میں کوئی نہ جانتا ہوگا۔ بعد چالیس دن کے جس کو حکم ہوگا، تعلیم کر دوں گا۔ نوشیرواں نے پوچھا کہ وہ کیا علم ہے؟ اس نے کہا کہ میں جمیع جانوروں کی زبان کا عالم ہوں۔ نوشیرواں نے اس کی عرض کو قبول کر کے بزرجمہر کے سپرد کیا۔ بزرجمہر نے اس کو ایک مکان رہنے کو دیا اور خواستہ اس کا اس کو دلوا دیا۔ اس نے چالیس روز تک خاطر خواہ عیش کیا۔ اکتالیسویں دن بزرجمہر نے اس سے کہا کہ اب تو چالیس دن گذر گئے، علم زبان دانیِ حیوانات مجھ کو تعلیم کر، اس نے کہا کہ میں جمیع علوم سے جاہل ہوں۔ میری غرض عیش کرنے کی تھی، سو اس حیلے سے اپنے دل کی آرزو پوری کر لی۔ اب حاضر ہوں، گردن ماریے یا پھانسی دیجیے۔ خواجہ نے یہ تقریر سن کر ہنس دیا اور اس سے راہزنی اور چوری کی قسم لے کر چھوڑ دیا۔

اور ایک دن بادشاہ شکار کھیلتے تھے اور سوائے بزرجمہر و بختک کے تیسرا شخص ہمراہ نہ تھا۔ ناگہاں دو الّو ایک درخت پر بیٹھے ہوئے بول رہے تھے۔ نوشیرواں نے بزرجمہر سے پوچھا کہ یہ کیا کہتے ہیں؟ بزرجمہر نے کہا کہ آپس میں اپنے لڑکوں کی شادی کی گفتگو کرتے ہیں۔ بیٹے والا بیٹی والے سے کہتا ہے کہ تین ویرانے اگر تو اپنی بیٹی کے جہیز میں دینا قبول کر تو میں اپنے بیٹے سے تیری بیٹی کی شادی کرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ اگر نوشیرواں کی زندگی ہے اور ایسا ہی ظلم عباد اللہ پر کرتا رہا تو تین ویرانے کیا، جتنا ملک نوشیرواں کا ہے میں سب جہیز میں دوں گا۔ نوشیرواں بولا کہ اب ہمارے ظلم کا چرچا جانوروں میں بھی ہونے لگا۔ یہ کہہ کر بہت متنبہ ہوا اور آتے ہی زنجیرِ عدالت دیوانِ خاص میں بندھوادی کہ جو کوئی دادخواہ آئے، زنجیر کو ہلا دے۔ کسی کی معرفت خبر ہونے کی کچھ احتیاج نہیں ہے۔ پھر تو ایسی عدالت کی کہ آج تک نوشیروانِ عادل مشہور ہے۔

کئی برس کے بعد بادشاہ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ملکہ مہر انگیز کے بطن سے پیدا ہوئی۔ بیٹوں کا نام تو ہرمز و فرامرز اور بیٹی کا نام مہرنگار رکھا۔ اور خواجہ کو بھی آفریدگار نے دو بیٹے عطا کیے۔ خواجہ نے ایک کا نام سیاوش اور دوسرے کا نام دریا دل رکھا۔ بختک کے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا، اس نے بختیارک نام رکھا۔ راوی لکھتا ہے کہ ایک شب کو نوشیرواں نے خواب دیکھا کہ مشرق سے ایک زاغ آیا، میرے سر سے تاج اتار کر لے گیا۔ پھر مغرب کی طرف سے ایک باز آیا، اس نے اس زاغ کو مار کر تاج میرا میرے سر پر رکھ دیا۔ یہ خواب دیکھ کر بادشاہ جاگ اٹھا اور صبح کو بزرجمہر سے بیان کر کے تعبیر پوچھی۔ بزرجمہر نے عرض کی کہ مشرق کی طرف ایک شہر

خیبر ہے۔ اس شہر میں ایک بادشاہزادہ حشام بن علقمہ خیبری نام پیدا ہوگا۔ وہ آن کر حضور کا تاج وتخت چھین لے گا۔ اور مغرب کی طرف ایک شہر مکہ ہے۔ اُدھر سے ایک لڑکا حمزہ نامی آئے گا، وہ اس بے ادب کو مار کر پھر تاج وتخت حضور میں گذرانے گا۔ بادشاہ یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور خواجہ کو خلعت دے کر مکہ معظمہ کی طرف سے بھیجا کہ اگر وہ لڑکا پیدا ہوا ہو تو ہمارا فرزند مشہور کر کے بہ آئینِ شائستہ اس کو پرورش کرو۔ خواجہ بزرجمہر بہت سا اسباب از قسمِ تحائف اور زر و جواہر لے کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔

جانا خواجہ بزرجمہر کا مکہ کی طرف امیر حمزہ کے پیدا ہونے کی خبر کے واسطے

ہر گاہ خواجہ مکہ معظمہ کے قریب پہنچے، خواجہ نے ایک خط خواجہ عبدالمطلب کو، کہ قوم بنی ہاشم کے سردار تھے، اس مضمون کا لکھا کہ بندۂ خاکسار مکہ معظمہ کی زیارت کے واسطے آیا ہے اور آپ سے بھی ملازمت کی تمنا ہے۔ خواجہ عبدالمطلب خط کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور جمیع رؤسائے مکہ کو ساتھ لے کر بزرجمہر کے استقبال کو گئے اور بہ کمال عزت وتوقیر لے آئے۔ پہلے تو بزرجمہر نے خواجہ عبدالمطلب کے ساتھ کعبے کی زیارت کی، بعدازاں شہر کے رئیسوں سے ملاقات کی اور ہر ایک کو روپے اشرفی دے کر کہا کہ سلطانِ ایران نے فرمایا ہے کہ میں تم سے بہت راضی ہوں اور تم لوگوں کو اپنا دعا گو جانتا ہوں اور ہمیشہ دعائے خیر کا مستدعی ہوں۔ یہ کہہ کر ڈھنڈورے کو بلا کر منادی پھروادی کہ آج کے دن سے جس کے گھر میں بیٹا پیدا ہوگا، وہ نوکر سلطانِ ایران کا ہوگا۔ پس پیدا ہونے کے ساتھ ہی لڑکے کے وارث ہمارے پاس لے آئیں کہ ہم اس کی پرورش کے واسطے سلطان کی طرف سے اخراجات مقرر کردیں اور اس کا نام بھی ہم ہی رکھیں۔

مگر چونکہ خواجہ بزرجمہر کے ساتھ فوج کثیر تھی اس واسطے شہر کے باہر فرودکش ہوئے، لیکن ہمیشہ خواجہ عبدالمطلب کی ملاقات کے واسطے شہر میں آتے تھے اور کبھی کبھی خواجہ عبدالمطلب بھی خواجہ بزرجمہر کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دن پندرہ بیس روز کے بعد خواجہ بزرجمہر جو خواجہ عبدالمطلب کی ملاقات کے واسطے گئے، خواجہ عبدالمطلب نے بعد سلام علیک کے فرمایا کہ کل بندہ زادہ پیدا ہوا ہے۔ بزرجمہر نے اسی دم منگوا کر صورت دیکھی اور قرعہ پھینک کر زائچہ کھینچا۔ معلوم ہوا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو شاہانِ ہفت اقلیم سے خراج لے گا اور تمام جہاں میں اپنا عمل کرے گا، اور جتنے پردۂ دنیا اور قاف پر زبردست ہیں، وہ سب اس کے

زبردست ہوں گے، اور کفر کا تنزل اور اسلام کی ترقی اس کے ہاتھوں ہوگی۔ بزرجمہر نے پیشانی پر بوسہ دے کر حمزہ نام رکھا اور خوش ہو کر خواجہ عبدالمطلب کو مبارکباد دی۔ جتنے حاضرین تھے سبھوں نے مع خواجہ بزرجمہر کعبۂ معظمہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر فاتحۂ خیر پڑھا اور حمزہ کی سلامتی کے واسطے دعا مانگی، اور کئی صندوق اشرفیوں کے بزرجمہر نے امیر حمزہ کی پرورش کے واسطے خواجہ عبدالمطلب کو دیے۔ خواجہ عبدالمطلب نے شربت تیار کر کے چاہا کہ حاضرین کو پلاویں، بزرجمہر نے کہا کہ تھوڑا صبر کیجیے، اور دو شخصوں کو بھی آنے دیجیے کہ ان کے بھی لڑکے آپ کے صاحبزادے کے رفیق ہوں گے۔

بزرجمہر یہ کہتے ہی تھے کہ بشیر نامی غلام خواجہ عبدالمطلب کا اپنے لڑکے کو لایا اور کہا کہ غلام کے یہاں بھی خانہ زاد پیدا ہوا ہے۔ بزرجمہر نے نام اس لڑکے کا مقبل وفادار رکھا اور بشیر کو ایک توڑا اشرفی کا مقبل کی پرورش کے واسطے دیا اور کہا کہ یہ لڑکا فنِ تیراندازی میں شاطر ہوگا۔ ہرگاہ بشیر رخصت ہو کر اپنے گھر کی طرف چلا، اثنائے راہ میں امیہ ضمیری نامی ساربان سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بشیر سے پوچھا کہ کہاں سے آتا ہے؟ اس نے مفصل حال بیان کیا۔ امیہ ضمیری خوشی خوشی اپنے گھر میں جا کر اپنی جورو سے کہنے لگا کہ تو ہمیشہ کہا کرتی ہے کہ میں پیٹ سے ہوں۔ جلدی لڑکا جن کہ روپے اشرفیاں ہاتھ آئیں۔ اس سے کہا کہ تجھے خبر ہے، مجھے ابھی ساتواں مہینا شروع ہے۔ نوج میرے ابھی لڑکا ہووے۔ امیہ نے کہا کہ تو کونکھنا شروع کر، البتہ لڑکا پیدا ہوگا۔ اور اگر دو مہینے کے بعد پیدا ہوا تو مجھ کو کیا فائدہ ہوگا؟ وہ جھنجھلانے لگی کہ موئے کی عقل ماری گئی ہے، بے دردوں لڑکا جنواتا ہے۔ امیہ کو جو طیش آیا ایک لات اس کے پیٹ پر اس زور سے ماری کہ وہ بلبلا کر درد کے مارے لوٹنے لگی۔ بچہ تو اس کے پیٹ سے نکل پڑا اور اس کا دم نکل گیا۔ امیہ نے جھٹ پٹ لڑکے کو اپنے فرغل کی آستین میں لے لیا اور بزرجمہر کے سامنے جا کر کہنے لگا کہ حضرت، اس نمک خوار کے بھی لڑکا پیدا ہوا ہے، حضور کے دکھلانے کو لایا ہوں۔ خواجہ بزرجمہر نے اس کو دیکھ کر ہنس دیا اور خواجہ عبدالمطلب سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ لڑکا شاہِ عیارانِ روزگار ہوگا اور بڑے بڑے بادشاہِ ذی جبروت اور پہلوانِ قوی ہیکل و بازو اس کے نام سے لرزیں گے، اور سیکڑوں بلکہ ہزاروں قلعے تنہا فتح کرے گا۔ بڑا ہی طمّاع و مفتری و چالاک ہوگا، مگر امیر حمزہ کا رفیق و ہمدم ہوگا۔

بزرجمہر نے جو اس کو اپنی گودی میں لے لیا، چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ خواجہ بزرجمہر نے اپنی انگلی اس کے منہ میں دے دی۔ اس نے انگوٹھی خواجہ کی منہ سے اتار لی اور چپ ہو رہا۔ ہرگاہ خواجہ نے انگوٹھی اپنی انگلی میں نہ دیکھی، جیبوں میں ڈھونڈنے لگے۔ جب نہ ملی تو مصلحتاً خاموش ہو رہے۔ جس وقت سب نے شربت پیا، خواجہ نے ایک قطرہ شربت کا اس کے منہ میں بھی دیا۔ منہ جو اس کا کھلا، انگوٹھی منہ سے گر پڑی۔ بزرجمہر نے

ہنس کر خواجہ عبدالمطلب سے کہا کہ یہ پہلی اس کی چوری ہے۔ یہ کہہ کر فرمایا کہ میں نے اس کا نام عمرو رکھا، اور دو صندوق اشرفیوں کے امیہ کو دے کر کہا کہ احتیاط سے اس کی پرورش کرنا۔ اس نے صندوق اشرفیوں کے تو لے لیے مگر کہنے لگا کہ اس کی ماں جنتے ہی مرگئی ہے۔ میں اس کو کیونکر پرورش کروں گا؟ بزرجمہر نے خواجہ عبدالمطلب سے کہا کہ حمزہ کی ماں نے بھی انتقال کیا اور ان دونوں لڑکوں کی بھی ماں مرگئی ہے۔ پس مناسب ہے کہ آپ ان دونوں لڑکوں کو بھی اپنے ہی گھر میں رکھیے۔ اور عادیہ بانو، سعدی کرب کی ماں، کہ اس کو حضرت ابراہیمؑ نے عالم رویا میں مشرف بہ اسلام کر کے حمزہ کے دودھ پلانے کے واسطے ارشاد فرمایا ہے، سو وہ چلی آتی ہے۔ آپ استقبال کر کے اس کو لے آیئے اور داہنی چھاتی کا دودھ حمزہ کو اور بائیں چھاتی کا دودھ مقبل وفادار اور عمرو عیار کو پلوایئے۔ خواجہ عبدالمطلب بموجبِ حکم خواجہ بزرجمہر عادیہ بانو کو پیشوائی کر کے لے آئے اور تینوں لڑکوں کو اس کے حوالے کیا۔

جب چھ دن امیر کے تولد کو گذرے، بزرجمہر نے خواجہ عبدالمطلب سے کہا کہ صبح کو گہوارہ امیر کا بالاخانے پر رکھوا دیجیے گا، اور اگر وہ گہوارہ غائب ہو جائے تو کچھ تشویش نہ کیجیے گا کہ آفریدگار نے عجائبات بہت خلق کیے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے گرد احاطہ دریائے عظیم الشان کا ہے۔ اس کے پار ایک پہاڑ ہے جس کو کوہ قاف کہتے ہیں۔ اس کے گرد بہت بستیاں ہیں کہ ان میں جن، پری، دیو، غول، شتر پا، گاوسر، فیل گوش، نیم تن، تسمہ پیرے، گھڑ مونہے وغیرہ بستے ہیں، اور وہاں کا بادشاہ شہپال بن شاہ رخ ہے۔ اس کا وزیر، کہ عدل میں اپنا عدیل نہیں رکھتا ہے اور شبانہ روز عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے، وہ گہوارہ حمزہ کا اپنے بادشاہ کے پاس منگوائے گا اور سات دن کے بعد پھر پہنچا دے گا۔ یہ کہہ کر خواجہ عبدالمطلب سے رخصت ہو کر اپنے لشکر میں گئے۔

جانا گہوارۂ امیر حمزہ کا پردۂ قاف کی طرف

اب دو کلمے داستانِ پردۂ قاف کے سنیے کہ ایک دن شہپال بن شاہ رخ فرمانفرمائے کوہِ قاف تختِ سلیمان پر بیٹھا تھا اور پردۂ قاف کے اٹھارہ بادشاہ، کہ اس کے خراج گذار و زیرِ فرمان تھے، مجلس میں حاضر تھے کہ مخبر نے حاضر ہوکر دست بستہ مژدہ دیا کہ صاحبزادی پیدا ہوئی ہے۔ بادشاہ نے خواجہ عبدالرحمٰن سے، کہ اس کا وزیر، زیارت کردۂ حضرت سلیمانؑ اور جمیع علوم کا عالم تھا، فرمایا کہ اس لڑکی کا کچھ نام رکھو اور اس کے طالع کو دیکھو کہ کیسے ہیں۔ خواجہ عبدالرحمن نے حسب الحکم بادشاہ شاہزادی کا تو نام آسمان پری رکھا اور قرعہ پھینک، زائچہ کھینچ، شکلوں کو ملا، بہ بشاشتِ تمام بادشاہ سے عرض کی کہ حضور کو مبارک ہووے، یہ لڑکی قاف کے اٹھارہ پردے پر حکومت کرے گی۔ لیکن آج کے اٹھارھویں برس جو دیوانِ زبردست کہ اس وقت زیردست ہیں، یکسر سرتابی کریں گے اور سوائے شہر گلستانِ ارم زرین و سیمین و قاقم وغیرہ، جتنے شہر ہیں سب حضور کے قبضے سے نکل جائیں گے۔ مگر اس زمانے میں ایک آدم زاد پردۂ دنیا سے آکر ان متمرّدوں کو زیروزبر اور نئے سر سے سب ملک اپنے قوتِ بازو سے لے کر حضور کے زیرِ نگیں کرے گا۔

بادشاہ یہ بات سن کر نہایت خوش ہوا اور فرمایا کہ دیکھو تو، وہ لڑکا پیدا ہوا یا نہیں، اور کس ملک کا باشندہ ہے؟ خواجہ عبدالرحمٰن نے کہا کہ ملک عرب میں ایک شہر مکہ ہے۔ وہاں کے سردار کا وہ لڑکا ہے اور آج چھٹا روز ہے کہ وہ پیدا ہوا ہے اور اس کا نام حمزہ رکھا گیا ہے اور آج گہوارہ اس کا بالاخانے پر اس کے باپ نے رکھا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ چار پریزاد جا کر اس کا گہوارہ اٹھا لاویں، اور آپ جشن میں مصروف ہوا۔ ہنوز بادشاہ جشن میں تھا کہ پریزادوں نے حمزہ کا گہوارہ لا کر تخت کے آگے رکھ دیا۔ جتنے ناظرین تھے اس کا حسن و جمال دیکھ کر بصورتِ تصویر حیرت زدہ ہو گئے۔ بادشاہ نے امیر کو گہوارے سے اپنی گود میں لے کر پیشانی پر بوسہ اور سرمۂ سلیمانی منگوا کر آنکھوں میں دیا، اور دیو، پری، جن، غول، شیر، پلنگ کا دودھ سات روز تک پلوایا۔ خواجہ

عبدالرحمٰن نے کہا کہ از روے رمل معلوم ہوتا ہے کہ اسی لڑکے سے ملکہ آسمان پری کی شادی بھی ہووے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر ایک گہوارہ، کہ جس کے ڈنڈے اور پایے زمرد کے تھے اور پٹیاں کٹہرے یاقوت کے اور طرح بہ طرح کے جواہرات بیش قیمت اس میں تعبیہ کیے تھے، اپنی دولت سرا سے منگوا کر اس میں امیر کو لٹایا، اور کئی دانے لعلِ شب چراغ کے ریشم سرخ و سبز میں گندھوا کر اس گہوارے میں لٹکا دیے اور جو پری زاد کہ لائے تھے، ان سے فرمایا کہ جہاں سے لائے ہو وہیں اس کو بہ احتیاطِ تمام پہنچا آؤ۔ حکم ہوتے ہی پری زادوں نے گہوارہ امیر کا اسی بالاخانے پر، جہاں سے اٹھا لائے تھے، پہنچا دیا۔

روانہ ہونا بزرجمہر کا مدائن کی طرف مکہ سے

راوی روایت کرتا ہے کہ ایک ہفتے کے بعد خواجہ بزرجمہر نے خواجہ عبدالمطلب سے کہلا بھیجا کہ خبر تو لیجیے، گہوارہ امیر کا پردۂ قاف سے آیا کہ نہیں؟ لوگ جو دیکھنے کو گئے تو گہوارے کی جوت سے ہر ایک کو چکاچوندھی آ گئی۔ خواجہ کو خبر دی کہ امیر ایک اور گہوارہ کہ چشمِ فلک نے جس کا ثانی نہ دیکھا ہوگا، لے کر آئے ہیں کہ جس سے تمام مکان بالا خانے کا روشن ہو رہا ہے۔ خواجہ عبدالمطلب نے شاد شاد یہ خبر خواجہ بزرجمہر کو بھیجی۔ وہ سنتے ہی اپنے لشکر سے آئے اور امیر کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو منور کر کے خواجہ عبدالمطلب سے کہا کہ اب میں تو رخصت ہوتا ہوں، لیکن آپ امیر اور مقبل وعمرو کے پالنے اور نگہبانی میں غفلت نہ کیجیے گا، اور میرے خط کا جواب بھیجتے رہیے گا، اور امیر کو پسر خواندۂ بادشاہِ ہفت کشور مشہور کیجیے گا۔ خواجہ عبدالمطلب نے بسر و چشم قبول کر کے ایک عرضی شکریہ لکھ کر خواجہ بزرجمہر کو دی کہ اس کو بادشاہِ ہفت کشور کی خدمت میں گذران دیجیے گا۔ بزرجمہر اس عرضی کو لے کر مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ چند روز کے عرصے میں بادشاہ کی خدمت میں مشرف ہو کر وہ عرضی گذرانی۔ بادشاہ اس کو پڑھ کر بہت خوش ہوا اور بزرجمہر کو خلعتِ فاخرہ سے سرفراز کیا۔

اس کے کئی مہینے کے بعد ایک دن نوشیرواں تختِ کیکاؤس پر جلوہ افروز تھا اور تمام اراکینِ دولت اپنے اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے تھے کہ چین کے اخبار نویس کی عرضی گذری۔ لکھا تھا کہ بہرام گرد خاقانِ چین خلف خاقان الاعظم تخت نشیں ہوا۔ چونکہ قوت و زور میں اپنا عدیل و نظیر نہیں رکھتا ہے، صیدگاہ میں جس فیل مست جنگلی کی مستک پر گھونسا مارتا ہے وہ چنگھاڑ مار کر بیٹھ جاتا ہے، اور شیر ببر صحرائی کو کتے کے برابر بھی نہیں گنتا، سوائے چین وماچین کے کئی شہر اور بھی بزورِ شمشیر اپنے قبضے میں کیے ہیں، اور چار سال کا خراج، جو اس کے ذمے ہے، اس کے ادا کرنے کی نیت نہیں ہے۔ کہتا ہے کہ بادشاہِ ہفت کشور کی خیر اس میں ہے کہ مجھ کو نعل بندی دیوے، نہیں تو مدائن کو غارت و تاراج کروں گا۔ بادشاہ نے مشوش ہو کر بزرجمہر سے فرمایا کہ کیا صلاح ہے؟ خواجہ نے

عرض کی کہ صلاح تو یہی ہے کہ ایسے میں بہت زور اسے حاصل نہیں ہوا ہے، کسی کو حکم دیجیے کہ اس سرکش کو گرفتار کر کے حضور میں حاضر کرے، نہیں تو درصورت زور پکڑنے کے استیصال اس کا دشوار ہوگا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تم کو اختیار ہے، جس کو مناسب جانو اس کو بھیجو۔ بزرجمہر نے گستہم بن اشک زریں کفش ساسانی کو، کہ سپہ سالارِ نامی تھ، بادشاہ سے خلعت دلوا کر بارہ ہزار سوارِ جرار سے بہرام گرد خاقانِ چین کی تنبیہ و تادیب کے واسطے بھیجا، اور بہ تاکید تمام حکم دیا کہ سوائے خراجِ چار سالہ نذرانہ بھی اس سے بہ طریقِ جرمانہ لینا اور درصورت متمرّدی کے اس کو پا بہ زنجیر کر کے حضور میں حاضر لانا۔ گستہم چین کی طرف روانہ ہوا۔

اب دو کلمے داستانِ امیر اور عمرو کے سنیے کہ عادیہ بانو ایک چھاتی کا دودھ اکیلے امیر حمزہ کو اور دوسری چھاتی کا دودھ مقبل و عمرو کو پلاتی تھی، لیکن امیر روز بروز دبلے ہوتے جاتے تھے اور عمرو موٹا ہوتا جاتا تھ۔ سب حیران تھے کہ اس کا کیا سبب ہے۔ ایک دن عادیہ رات کو سوتے سوتے جو چونک پڑی، دیکھتی کیا ہے کہ عمرو نے امیر اور مقبول کو تو پلنگ سے نیچے دھکیل دیا ہے اور آپ دونوں چھاتیوں کا دودھ پی رہا ہے۔ صبح کو عادیہ نے یہ ماجرا سب سے کہہ کر کہا کہ یہ لڑکا جب بڑا ہوگا تو مقرر چور ہوگا، کہ ابھی سے ایسی حرکتیں کرتا ہے۔ اس کے چند روز کے بعد عمرو نے یہ اختیار کیا کہ جب سب سو جاتے تو آپ گھٹنوں چل کر لوگوں کا چھلا انگوٹھی اور جو کچھ زیور کی قسم سے پاتا، اٹھا لا کر عادیہ کے پاندان میں یا اس کے تکیے کے نیچے رکھ دیتا۔ صبح کو جب لوگ اپنا اپنا مال ڈھونڈتے تو عادیہ بانو کے تکیے کے نیچے یا اس کے پاندان میں پاتے۔ عادیہ سخت متحیر اور شرمندہ ہوتی۔ ایک دن امیر کے گہوارے کا لعل چرا کر اپنے منہ میں رکھ لیا اور یہ خبر خواجہ عبدالمطلب کو پہنچی کہ گہوارے کا ایک لعل گم ہے۔ خواجہ عبدالمطلب نے لونڈیوں پر تہدید اور عادیہ پر تاکید کی کہ لعل جلد پیدا کرو، نہیں تو ایک ایک کو سزا دوں گا۔ ناگہاں اس دم خواجہ کی نظر عمرو کے منہ پر گئی۔ دیکھا کہ ایک طرف کا گال کچھ سوجا ہوا ہے۔ خواجہ اور بھی عادیہ اور لونڈیوں پر، جو لڑکوں کی محافظ تھیں، دق ہوئے، اور عمرو کو پاس بلا کر دیکھنے لگے کہ ورم کیسا ہے۔ گال کو جو دبایا، اس کے منہ سے لعل نکل پڑا۔ خواجہ نے کہا کہ خدا خیر کرے، ہرگاہ اس خوردسالی میں اس کا یہ حال ہے تو جوانی میں دیکھیے یہ کیا کرے گا۔ غرض کہ عمرو کے ہاتھ سے سب نالاں تھے۔

جب امیر حمزہ اور مقبل و عمرو پنج سالہ ہوئے، خواجہ عبدالمطلب نے ایک ملّا کے پاس، کہ بنی امیہ کے لڑکوں کو پڑھاتا تھا، ان تینوں لڑکوں کو بھی پڑھنے کو بٹھلایا۔ پہلے دن تو بسم اللہ پڑھائی گئی۔ جب دوسرے دن ملّا ان کو سبق دینے لگا، امیر اور مقبل نے تو جو کچھ ملّا نے بتلایا اس کو پڑھا، لیکن عمرو بولا، راست و برحق ہے۔ ملّا نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ الف کہہ، تو کہتا ہے کہ راست و برحق ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ عمرو نے کہا کہ جو آپ کہتے ہیں، میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ یعنی آپ کہتے ہیں الف، میں کہتا ہوں راست و برحق۔ یعنی الف

سیدھا ہے اور الف واحد کو کہتے ہیں اور ذات وحدۂ لاشریک کی راست و برحق ہے۔ آپ اس میں کیا کہتے ہیں؟ کیا خدا واحد نہیں ہے؟ دوسرا بھی کوئی خدا ہے؟ غرض کہ بہ ہزار خرابی عمرو نے پہلی تختی پڑھی۔ جب نوبت الف خالی، بے کے نیچے ایک نقطہ، تے کے اوپر دو نقطے، ثے کے اوپر تین نقطے پڑھانے کی آئی تو عمرو حمزہ سے کہنے لگا کہ تم کو اختیار ہے، اس ملّا کے پاس پڑھو، میں تو نہیں پڑھنے کا، کیونکہ میں قاعدہ پڑھنے کو آیا ہوں یا حساب سمجھنے کو؟ اگر کوئی خالی ہے تو مجھ کو کیا، یا کسی کے پاس ایک دو تین نقطے ہیں تو مجھے کیا غرض ہے؟ ملّا نے ناچار ہو کر عمرو پر چشم نمائی کی، لیکن اس پر بھی بے تکرار کیے نہ پڑھتا تھا۔ ملّا شب کو خواجہ عبدالمطلب کے پاس گیا اور عمرو کا شکوہ حد سے زیادہ کیا، کہ نہ تو آپ پڑھتا ہے اور نہ حمزہ کو پڑھنے دیتا ہے۔ اگر حمزہ کو پڑھوانا منظور ہے تو اس کو اور کسی کو سونپیے۔ خواجہ نے چاہا کہ عمرو کو اور کہیں پڑھنے کو بٹھا دیں، امیر نے قبول نہ کیا۔ رو کر کہنے لگے کہ جہاں عمرو جائے گا، وہاں میں بھی جاؤں گا۔ خواجہ ناچار ہو کر چپ ہو رہے۔

معمول تھا کہ سب لڑکوں کے لیے ان کے ماں باپ کھانا مکتب میں بھیجتے تھے۔ ایک روز کا اتفاق سنیے کہ کھانا ہر ایک کے گھر سے مکتب میں آیا تھا اور دوپہر کو مع ملّا سب سو گئے تھے مگر عمرو جاگتا تھا۔ جو کچھ چاہا اس میں سے لے کر آپ کھایا اور باقی ملّا کے تکیے کے نیچے چھپا کر دھر دیا۔ جب سب جاگے، کھانا ڈھونڈا تو نہ پایا۔ ملّا نے کہا کہ یہ کسی کا کام نہیں ہے مگر عمرو کا۔ عمرو نے کہا کہ واہ واہ حضرت! یہ وہی مثل ہے کہ شہر میں اونٹ بدنام۔ حضرت ڈھونڈوائیے، تحقیق کیجیے۔ جس پر ثابت ہو وہ قابل تعزیر کے ہے۔ ملّا نے کہا، تو ہی ڈھونڈ۔ عمرو نے پہلے تو سب لڑکوں کا جھاڑا لیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بعد اس کے ملّا کے بچھونے تکیے جھاڑے۔ سبھوں نے دیکھا کہ ملّا کے تکیوں کے نیچے سے کھانا نکلا۔ لگا غل مچا مچا کر کہنے کہ دیکھو تو صاحبو، چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی! ہرگاہ ملّا صاحب کی یہ نیت ہے تو وائے برحال جاہلوں کے۔ حمزہ، چلو اٹھو! اپنے باپ سے کہو کہ چور ملّا کے پاس ہم تو نہیں پڑھیں گے۔ ہم کو کسی ساہوکار خوش نیت کے پاس پڑھانے کو بٹھلائیے۔ ملّا نے کھسیانا ہو کر دو تین کوڑے عمرو کو مارے۔ امیر نے عمرو کی تقصیر معاف کروائی۔

دوسرے دن دوپہر کے وقت، جب ملّا اور لڑکے سو گئے، عمرو نے ملّا کا شملہ کرمانی حلوائی کے پاس رکھ کر پانچ روپے کی مٹھائی لا کے مکتب خانے میں رکھ دی اور خود سو رہا۔ ملّا نے اٹھ کر بہت سی مٹھائی جو اپنے پاس رکھی دیکھی، ہر ایک لڑکے سے پوچھا کہ یہ مٹھائی کیسی اور کہاں سے آئی ہے؟ سبھوں نے ناواقفیت بیان کی۔ عمرو کو جگا کر پوچھا تو بولا کہ بابا جان نے نیاز مانی تھی، سو یہ شیرینی لے کر آئے تھے۔ آپ کو سوتے سے جگانا بے ادبی جانی۔ مجھ سے کہہ گئے ہیں کہ جب ملّا صاحب سو کر اٹھیں، اس پر فاتحہ دلوا کے تقسیم کروا دینا۔ ملّا نے پوچھا کہ فاتحہ کس کے نام پر دوں؟ بولا کہ بابا شملہ کے نام پر۔ ملّا نے کہا کہ یہ کیسا نام ہے؟ بولا کہ فقیروں کے

اکثر ایسے ہی نام ہوتے ہیں۔ ملّا نے فاتحہ دے کر اوپر سے بڑے بڑے پیڑے اٹھا کر پہلے آپ ہی نوش فرمائے، باقی عمرو نے سب لڑکوں کو بانٹ دی اور آپ بھی کھائی۔ ناگہاں ان پیڑوں میں جن کو ملّا صاحب نے تناول فرمایا تھا، عمرو نے کچا جمال گوٹا ملا دیا تھا، ملّا کو شدّت سے دست پر دست آنے لگے۔ ملّا نے عمرو سے پوچھا کہ ارے، اس مٹھائی میں کیا ملا ہوا تھا کہ جس کے کھانے سے میرا حال ایسا پتلا ہوا؟ عمرو بولا کہ حضرت کو تمام قاعدے میں سے 'رے' ایسی یاد ہے کہ سخن تکیہ ہو گیا ہے۔ میں بھی لام کاف منہ سے نکالوں گا کہ مجھ کو لام کاف خوب یاد ہے۔ اور مٹھائی تو ہم سب نے کھائی ہے۔ اگر مٹھائی کے کھانے سے حضرت کا حال پتلا ہوا ہے تو ہم لوگوں کا کیوں نہ ہوا؟ مگر ہاں، اگر یہ ہو تو ہو: مثل مشہور ہے کہ کسی کو بینگن بجیا لے اور کسی کو بیچ۔ آپ نے بے اعتقادی سے کھائی ہو گی۔ بابا شملہ ایسے نہ تھے کہ کوئی ان سے بے اعتقاد ہووے۔ اور سوائے اس کے، آپ کا ہے کو ہوکے کے مارے بہت سی کھا گئے کہ پچنے میں فتور ہوا؟ عمرو کی شرارت امیر نے دریافت کر کے مٹھا منگوا کر ملّا کو پلوایا کہ ملّا کی جان بچی۔ جب چار گھڑی دن باقی رہا، لڑکوں کو چھٹی ملی، لڑکے اپنے اپنے گھر گئے۔ ملّا نے بھی اپنا جبہ عمامہ سنبھالا، دیکھیں تو شملہ نہیں ہے۔ ناچار کمر بند کا عمامہ سر پر باندھ کے گھر کو چلے۔ جب حلوائی کی دکان کے قریب پہنچے تو حلوائی شملہ لے کر دوڑا اور کہنے لگا کہ حضرت، شملہ بھیج کر مٹھائی منگوانا کیا ضرور تھا؟ پانچ روپے بھی ایسے ہیں کہ مجھ کو آپ کا اعتبار نہ ہوتا؟ یہ دکان آپ ہی کی ہے، جب جس قسم کی مٹھائی کو جی چاہے، منگوا لیا کیجیے۔ ملّا نے شملہ تو لے لیا اور مجبور پانچ روپے جیب سے نکال کر اس کے ہاتھ دھرے اور جی میں سوچا کہ یہ وہی مٹھائی ہے کہ عمرو نے آج فاتحہ دلوائی تھی۔ خیر، شب بخیر، صبح کو عمرو ہے اور میں ہوں۔

اس دن کا حال سنیے کہ صبح ہوتے ہی سب سے پہلے عمرو مکتب خانے میں آیا اور بچھونے کو جھاڑ جھوڑ، ملّا کا مسند تکیہ لگا کر کتاب کھول کے پڑھنے لگا۔ ملّا نے جو آ کر اسی کو مکتب خانے میں دیکھا، دل میں کہا کہ اس پر میرا خوف غالب ہوا ہے کہ سب سے پہلے آیا ہے۔ آج اس کو کچھ نہ کہا جائے۔ ملّا نے سب کو سبق دے کر کہا کہ میں حمام میں جاتا ہوں، تم لوگ بیٹھے ہوئے پڑھو، اور خضاب تیار کر کے عمرو کے ہاتھ پہلے سے حمام میں بھجوایا۔ عمرو نے تولہ بھر ہرتال خوب باریک پیس کر خضاب میں ملا دی۔ ہرگاہ ملّا جی حمام میں گئے، وہ خضاب ڈاڑھی مونچھوں میں لگا کر ایک ساعت کے بعد گرم پانی سے جو دھویا تو مونچھ ڈاڑھی کا صفایا ہو گیا۔ ملّا شرمندگی سے پانی پانی ہو گیا۔ لگا ہر ایک سے منہ چھپانے۔ رات کو ایک برقع چہرے پر ڈال کے خواجہ عبدالمطلب کی خدمت میں گیا اور صورت اپنی دکھا کر خوب منہ کو پیٹا اور رو رو کر کہنے لگا کہ عمرو نے اس بڑھاپے میں میری یہ شکل بنائی! مارے شرم کے کسی کو منہ نہیں دکھا سکتا ہوں۔ اور تمام قصہ شملے اور مٹھائی اور اس میں جمال گوٹا

ڈالنے کا بیان کیا۔ خواجہ نے ان کو تو عذر کر کے رخصت کیا اور عمرو کو سزا دے کر گھر سے نکال دیا۔ امیر سے کہا کہ اگر کبھی تم نے عمرو کا نام لیا تو ہم تم سے بہت آزردہ ہوں گے۔ امیر کو عمرو کی جدائی کب گوارا تھی، دو شبانہ روز تک بھوکے پیاسے رویا کیے۔ یہ خبر خواجہ عبدالمطلب کو پہنچی۔ چار ناچار عمرو کو بلوا کر امیر کے حوالے کیا اور ایک رقعہ ملّا کو لکھ کر عمرو کی تقصیر معاف کروائی۔

ایک دن کسی شاگرد کے گھر سے ملّا کے واسطے کھانا آیا تھا۔ ملّا صاحب نے عمرو کو دے کر فرمایا کہ اس کو میرے گھر میں پہنچا آؤ، لیکن راہ میں نہ کھولنا۔ اگر کھولے گا تو اس میں مرغ ہے، اڑ جائے گا۔ عمرو بولا کہ مجھ کو کھولنے سے کیا کام ہے؟ استانی صاحب کو دے آتا ہوں۔ اس خوان کو لے کر وہاں سے روانہ ہوا۔ جب ملّا کے مکان کے نزدیک پہنچا تو ایک جگہ محفوظ دیکھ کر خوان کو سر سے اتار کر کھولا تو اس میں بھنے میٹھے چاول نظر آئے۔ منہ میں پانی بھر آیا۔ بھوکا تو تھا ہی، اسی جگہ بیٹھ کر چٹ کیے۔ جس قدر بچ رہے وہ کتوں کے آگے ڈال دیے اور خالی قاب خوان میں رکھ کر کنسے اور خوان پوش کو پھاڑ کے ملّا کی جورو کے حوالے کر کے کہا کہ ملّا صاحب نے اسے کھولنے کو منع کیا اور فرمایا ہے کہ کھانا کچھ نہ پکانا اور ہمسائے میں جو ایک دو دوست تمھارا ہے اس کو بھی کھانا پکانے کو منع کرنا۔ وہ بیچاری تو عمرو کے فریب سے ناواقف تھی، اس نے آپ بھی کچھ نہ پکایا اور ہمسائے میں بھی دو بیبیوں کو، کہ اس کی دوستِ جانی تھیں، کھانا پکانے کو منع کیا۔ اتفاقاً اس روز جو ملّا صاحب مکتب سے اٹھے تو ایک دوست کی ملاقات کو گئے کہ کھڑے کھڑے دید وادید کرتے چلیں۔ اس نے دوپہر رات گئے تک ملّا کو نہ چھوڑا۔ ہر چند کھانا کھانے کو کہا، ملّا نے، کہ میٹھے چاولوں کا مزہ منھ میں تھا، کچھ نہ کھایا۔ جب رخصت ہو کر گھر میں گیا اور بی بی سے پوچھا کہ آج کیا پکایا ہے؟ اس نے کہا کہ پکاتی کیا، تم نے کھانا پکانے کو منع کر بھیجا تھا، اور فلانی فلانی بیبیوں کو بھی میں نے تمھارے کہلا بھیجنے سے کھانا پکانے کو منع کیا۔ سو آج خلافِ معمول دو پہر رات تک باہر رہے۔ وہ بیچاریاں بھی اپنے خاوندوں اور لڑکوں سمیت بھوکی بیٹھی ہیں۔ بہر حال، کھانا جو تم نے بھیجا ہے وہ رکھا ہے۔ پہلے تو کچھ ان بیچاریوں کو کہ جن کو تمھارے کہنے سے میں نے مہمان کیا ہے بھیجو، پھر آپ نوش جان فرماؤ۔ ملّا نے یہ جملہ سن کر اپنے دل میں کہا کہ خدا خیر کرے، یہ حرکت عمرو کی خالی از علت نہیں ہے۔ خوان جو کھول کر دیکھا تو اس میں خالی قاب پائی۔ ملّا نے مع اہل و عیال اس شب کو فاقہ کیا اور ساتھ ان کے ہمسائے میں جو جو کہ مدعو تھے، فاقے سے رہے۔

صبح کو ملّا نے کچھ ناشتہ کر کے مکتب میں جا کر عمرو سے پوچھا کہ کل جو کھانا خوان میں بھیجا تھا، وہ کیا ہوا؟ عمرو نے کہا کہ کھانے سے تو میں واقف نہیں، وہ مرغ جو آپ نے بھیجا تھا اثنائے راہ میں خوان پوش اور کنسے کو پھاڑ کر اڑ گیا۔ ملّا نے کہا کہ تو نے کھانا پکانے کو میرے گھر میں کیوں منع کیا؟ اور میں نے کب کہا تھا کہ ہمسائے

کے لوگوں کو مدعو کرنا؟ عمرو بولا کہ یہ البتہ تقصیر ہوئی۔ ملّا نے عمرو کو باندھ کر قرار واقعی سزا دی۔ امیر نے اس کی تقصیر معاف کروائی اور کہا کہ اب اس سے ایسا قصور نہ ہوگا، لیکن عمرو دل میں ملّا کا دشمنِ جانی ہوا۔

چونکہ ابوجہل اور ابی سفیان بھی اسی مکتب خانے میں پڑھتے تھے، دوپہر کے وقت جب سب لڑکے سو گئے، عمرو نے انگوٹھی ابوجہل کی انگلی سے اتار کر ملّا کے گھر میں جا کے ملّا کی بیٹی کے پاندان میں رکھ دی، اور اس لڑکی کے کان کی بالی ملّا کے نام سے لا کر ابوجہل کے ہاتھ میں پہنا دی اور چپکا لیٹ رہا۔ جب سب لڑکے جاگے، منہ ہاتھ دھو کر پڑھنے لگے۔ ملّا نے ابوجہل کی انگلی میں اپنی بیٹی کے کان کی بالی جو دیکھی، ملّا کے کچھ کان سے کھڑے ہوئے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ ابوجہل سے پوچھا کہ یہ بالی تو نے کیونکر پائی؟ ابوجہل اپنے ہاتھ کو دیکھ کر سخت متحیر ہوا اور کہنے لگا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس نے یہ بالی میرے ہاتھ میں پہنا دی ہے۔ عمرو بولا کہ قبلہ، مجھ سے پوچھیے، میں اس بات سے خوب واقف ہوں۔ ملّا نے کہا کہ کہہ۔ عمرو بولا کہ دوپہر کو جب آپ اور سب لڑکے سو جاتے ہیں، یہ اٹھ کر آپ کے گھر میں جایا کرتا ہے۔ آج جو یہ اٹھ کر چلا، قضا کار میری بھی آنکھ اس وقت کھل گئی، میں بھی اس کے پیچھے پیچھے دبے پاؤں روانہ ہوا۔ جب یہ آپ کے دروازے پر گیا، اس نے دروازے کی زنجیر ہلائی۔ آپ کی صاحبزادی اندر سے دوڑی آئی۔ پہلے تو بایکدیگر بوس و کنار ہوا، بعد ازاں کچھ باتیں راز و نیاز کی ہوئیں۔ چلتے وقت ابوجہل نے اپنی انگوٹھی اس کو دی اور اس کے کان کی بالی آپ لی۔

یہ سن کر ملّا کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ابوجہل سے بالی لے کر اس قدر اس کو چومیخا کر کے مارا کہ اس نے چھٹی کا دودھ اگل دیا۔ اور اسی غیظ میں اپنے گھر جا کر بیٹی کا پاندان منگایا۔ دیکھا تو فی الحقیقت اس میں انگوٹھی ابوجہل کی رکھی ہے۔ سر کے بال پکڑ کر ایسے طمانچے اس کے گل سے رخساروں پر لگائے کہ وہ تلملا گئی اور منہ اس کا تانبا سا ہو گیا۔ ماں اس کی گالیاں دیتی ہوئی دوڑی کہ بھڑوے، کیا تجھ کو سودا ہوا ہے؟ اور ایک دوہتڑ جو پیٹھ پر مارا، ملّا اپنی بیٹی کو چھوڑ کر اس کو لپٹا۔ اِس کی ڈاڑھی اُس کے ہاتھ میں اور اُس کے جھونٹے اِس کے ہاتھ میں۔ لوگ محلّے کے شور و غل سن کر دوڑے اور ملّا سے کہنے لگے کہ تم کو عورت پر دست درازی کرنے کا سبق کس نے پڑھایا ہے؟ اور کس مسئلے میں ایسا ظلم جائز ہے جس کتاب میں یہ لکھا ہو کہ خصم جورو کو مارے؟ ہم کو تو دکھا دو۔ القصہ بیچ بچاؤ کر کے ہر ایک ملّا کو لعنت ملامت کرنے لگا۔

قضارا، اس کے دوسرے دن یومِ جمعہ تھا۔ لڑکوں کو چھٹی تھی۔ عمرو نے ایک بساطی سے جا کر کہا کہ تمھاری جورو کا برا حال ہے۔ مجھے منت کر کے لوگوں نے خبر کرنے کو بھیجا ہے۔ بساطی یہ بات سنتے ہی روتا پیٹتا، اپنی ڈاڑھی کو کھسوٹتا گھر کو چلا۔ عمرو تھوڑی دور اس کے ساتھ جا کر الگ ہوا اور الٹے پاؤں اس کی دکان پر آ کر اس کے شاگرد سے کہا کہ وہ بڑا پُڑا جو سوئیوں کا ہے، تمھارے استاد نے مانگا ہے کہ ایک شخص مول لے گا۔ اس نے

حوالے کیا۔ عمرو اس کو لے کر مکتب میں آیا اور میدان خالی پا کر ملا کے تمام بچھونے اور تکیے میں وہ سوئیاں رکھ دیں اور آپ اپنے گھر چلا آیا۔ چونکہ اس دن ملا اور اس کی جورو سے جوتی پیزار ہوئی تھی، ملا روٹھ کر مکتب میں آیا کہ آج یہیں سو رہوں گا۔ جونہی بچھونے پر پاؤں رکھے، وہ سوئیاں تلووں میں چبھ گئیں۔ ایک آہ کر کے بیٹھ گیا، چوتڑ چھد گئے۔ بیتاب ہوکر جو لیٹ گیا تو کمر اور پیٹ میں سوئیاں گڑ گئیں۔ بیقراری سے کروٹیں لینے لگا، تمام بدن میں سوئیاں پیوست ہوگئیں۔ دن جمعے کا، شاگرد بھی نہ تھے کہ سوئیوں کو اس کے بدن سے نکالتے۔ وہ سوئیاں جیسی بدن میں پیوست ہوئی تھیں، ویسی ہی پیوست رہیں۔ سراپا بدن سوج گیا اور ہر بنِ مو سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا۔

دوسرے دن ہفتے کو جو لڑکے آئے تو دیکھا کہ ملا صاحب مچھلی کی طرح سے تڑپ رہے ہیں۔ لڑکے سوئیاں نکالنے اور ملا درد سے چیخیں مارنے لگے۔ اس میں عمرو بھی، کہ اس دن سب کے پیچھے گیا تھا، پہنچا۔ ملا کو دیکھ کر رو رو کے کہنے لگا کہ جس نے یہ حرکت کی ہے، اگر مجھ کو معلوم ہووے تو ایسا حال اس کا بھی کروں۔ اور جھٹ پٹ ایک میانہ لاکر ملا کو سوار کیا اور جراح کے گھر لے چلا۔ جب اس بساطی کی دکان کے قریب میانہ پہنچا، وہ عمرو کو پہچان کر دوڑا اور کہنے لگا کہ او لڑکے فتنہ انگیز، تو بھی عجب چیز ہے! مجھ کو تو جھوٹ موٹ فقرہ دیا کہ تیری جورو جاں بلب ہے۔ میں گھر کو گیا اور میرے شاگرد سے میرا نام لے کر کئی ہزار سوئی کا پُڑا لے کے چلتا ہوا۔ اب تو کہاں جاتا ہے؟ میں سوئیاں اپنی تجھ سے لوں گا۔ ملا نے جو یہ تقریر سنی، اس بساطی سے مخاطب ہوکر پوچھنے لگا کہ یہ کب سوئیاں تیری دکان سے لے گیا تھا؟ عمرو نے دیکھا کہ راز افشا ہوا، جھٹ پٹ آنکھ بچا کر وہاں سے چلتا ہوا اور مکتب میں آ کر امیر اور مقبل سے کہا کہ لو، خدا حافظ ہے، اپنا تو اس شہر میں رہنا نہیں ہوسکتا۔ امیر کو بے عمرو کے کب چین آتا تھا۔ یہ کلام عمرو کا سن کے گھبرا کر پوچھنے لگے کہ سبب تو بتا، ہوا کیا؟ عمرو نے کہا کہ میرے تو حواس اس وقت جمع نہیں ہیں کہ ماجرا کہوں۔ تب تو امیر نے کہا کہ چل، کہاں چلتا ہے، میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔ امیر و مقبل اور جن جن لڑکوں کو امیر کے ساتھ محبت ہوگئی تھی، سب کے سب عمرو کے ساتھ ہوئے۔

عمرو سب کو ساتھ لے کر کوہِ ابوقبیس کے درّے میں جا کر چھپا۔ ایک شبانہ روز جب وہاں رہے تو دوسرے دن امیر نے عمرو سے کہا کہ اب تو بھوک کے مارے اپنا قافیہ تنگ ہے۔ عمرو نے کہا کہ آپ باہمدیگر اپنے ہمراہیوں سے اختلاط کیجیے، غلام کھانا لاتا ہے۔ یہ کہہ کر شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ایک قصائی سے دو ہاتھ رودہ آنت کا لے کر زبیدہ نامی بڑھیا کے گھر کے پچھواڑے جاکے اس کی مرغیاں جو گھورے پر چرتی تھیں پکڑنی شروع کیں۔ یعنی رودے کے ایک سرے پر گرہ دے کر گھورے پر پھینکا۔ جو مرغی اس کو نگل گئی۔

دوسرے سرے کی طرف سے پھونکنا شروع کیا۔ آنت کا پھولنا تھا اور مرغی کے گلے میں گرہ کا اٹکنا تھا۔ عمرو نے اس کو کھینچا اور ذبح کیا اور صاف کر کے ایک رومال میں باندھا۔ جب پندرہ سولہ مرغیاں رومال میں باندھ چکا، چار پانچ پتھر پچھواڑے سے اس بڑھیا کے چھپر پر پھینکے۔ وہ ضعیفہ غل مچاتی ہوئی گھر سے باہر نکلی۔ عمرو نے دوسری طرف سے اس کے گھر میں گھس کے ایک ہانڈی میں مرغیوں کے انڈے جو جمع تھے، لے کر اپنی راہ لی۔ اور ایک کبابی سے ان مرغیوں کے کباب بھنوائے اور انڈوں کا خاگینہ تلوایا اور پانچ روپے کی شیرمالیں اس سے مول لے کر خوان میں رکھیں اور اس پر کباب اور انڈے رکھ کے اپنی چادر میں کسا۔ اس کو تو اپنے سر پر رکھا اور کبابی سے کہا کہ اپنا آدمی ساتھ دے کے خواجہ عبدالمطلب سے، کہ ان کے یہاں آج احباب کی دعوت ہے، تیری روٹیوں کی قیمت دلوا دوں۔ اس نے جو خواجہ کا نام سنا، فی الفور اپنا آدمی عمرو کے ساتھ کیا اور ذرا بھی تکرار نہ کی۔ تھوڑی دور جا کر اس آدمی سے کہا کہ تم چل کے خواجہ کے دیوان خانے میں بیٹھو۔ مجھے پنیر وغیرہ لینا ہے، میں لے کر آتا ہوں۔ وہ تو اس طرف کو گیا اور آپ کوہِ ابوقیس کی طرف روانہ ہوا۔ جب امیر کے پاس پہنچے، امیر شیرمال و خاگینہ و کباب دیکھ کر محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ کھانا تو عمرو معقول لایا۔ امیر نے ہمراہیوں سمیت اس کو تناول فرمایا۔

اب اس آدمی کا حال سنیے جس کو کبابی نے روٹیوں کی قیمت کے واسطے عمرو کے ساتھ کیا تھا۔ خواجہ عبدالمطلب کے پاس گیا اور عرض کی کہ حضور نے جو عمرو کی معرفت پانچ روپے کی شیرمالیں منگوائی ہیں، استاد نے ان روپیوں کے واسطے غلام کو بھیجا ہے۔ ملا صاحب پہلے سے بیٹھے ہوئے عمرو کا دکھڑا رو رہے تھے۔ اس میں ایک بڑھیا روتی پیٹتی ہوئی فریادی آئی کہ عمرو مجھ دکھیا کی مرغیاں اور انڈے اس فریب و عیاری سے لے گیا ہے۔ خواجہ عبدالمطلب نے کبابی کے آدمی سے پوچھا کہ آخر عمرو کدھر گیا؟ اس نے کہا کہ کوہ ابوقبیس کی سمت جاتا تھا۔ خواجہ عبدالمطلب نے اس کو پانچ روپے اور بڑھیا کو بھی قیمت مرغیوں اور انڈوں کی دلوا دی اور ملا سے کہا کہ آپ ابوقبیس تک تکلیف کیجیے اپنے شاگردوں سے عمرو کو پکڑوا کر لے آیئے۔ ملا کی جو شامت آئی، شاگردوں کو ہمراہ لے کر کوہِ ابوقبیس کی طرف عمرو کے پکڑنے کو گیا۔ جب قریب پہنچا، عمرو نے دور سے دیکھ کر ایک قہقہہ مارا اور امیر سے کہا کہ ملا جی ہم کو پکڑنے آتے ہیں، دیکھیے تو میں کیسی ان کی گت بناتا ہوں۔ یہ کہہ رہا تھا کہ ملا صاحب تو ٹھٹکے مگر ابوجہل و ابوسفیان وغیرہ کو عمرو کے پکڑنے کا حکم دیا۔ جب ابوجہل وغیرہ قریب پہنچے تو عمرو نے پکار کر کہا کہ تم لوگوں کی کیوں شامت آئی ہے؟ ملا جی کو تو خبط ہے۔ جاؤ، بھلا چاہتے ہو تو پھر جاؤ۔ ابوجہل کب مانتا تھا، آگے بڑھا۔ عمرو نے سنگریزے اٹھا کر اس زور سے ابوجہل کے منہ پر مارے کہ تمام منہ اس کا زخمی ہو گیا۔ سنگریزے کیا تھے گویا چھرّے تھے، ابوجہل کی پیشانی اور رخساروں میں گھس گئے۔

تب تو ابوجہل روتا، آنکھیں ملتا پیچھے کو ہٹا۔ اور لڑکوں نے ابوجہل کا حال جو دیکھا، ایک نے قدم آگے کو نہ بڑھایا۔ ملّا یہ سمجھ کر کہ میرا خوف ہوگا، عمرو کے پکڑنے کو آپ چلا۔ جونہی نزدیک پہنچا، ایک پتھر اٹھا کر ایسا مارا کہ سر ملّا کا پھٹ گیا اور خون کا فوارہ سر سے چھوٹنے لگا۔ تب تو ملّا جی بھی بر سرِ حساب ہو کر پچھلے پاؤں ہٹے اور اپنا رستہ لیا، اور اپنا سر اور ابوجہل کا منھ خواجہ عبدالمطلب کو جا کے دکھلایا اور کہا کہ میں باز آیا عمرو کے پڑھانے سے۔ خواجہ آپ سوار ہو کر کوہِ ابوقبیس کی طرف گئے۔ عمرو نے دور سے دیکھ کر کہا کہ امیر، خواجہ آتے ہیں۔ ان سے کچھ میرا بس نہیں چلنے کا۔ مجھ کو پائیں گے تو معلوم نہیں کہ کیا کچھ سزا دیں گے۔ میں تو اپنی راہ لیتا ہوں، اب آپ جانیں اور آپ کا کام جانے۔ جب خواجہ درۂ کوہ تک پہنچے عمرو کو تو نہ پایا لیکن امیر کو دلاسا دے کر اونٹ پر اپنے ساتھ سوار کر لیا اور مقبل کو لڑکوں سمیت اپنے غلام کے ساتھ کیا۔ جب گھر میں آئے تو امیر سے فرمایا کہ خبردار! خبردار! اب عمرو کا نام تم زبان پر نہ لانا کہ وہ تمھیں بدراہ و مطعون کرتا ہے۔

امیر کو بے عمرو کے کہاں چین تھا۔ بے اختیار رونے لگے اور سات دن تک کھانا نہ کھایا۔ تب تو خواجہ عبدالمطلب گھبرائے کہ حمزہ کی جان مفت میں جائے گی۔ ناچار پھر عمرو کو ڈھنڈوا کر بلوایا لیکن امیر سے کہا کہ اب تم عمرو کے کہنے پر عمل نہ کرنا۔ جی گھبرائے تو اپنے باغ میں جا کر سیر کرنا، مگر پرائے باغ میں بھول کر بھی قدم نہ رکھنا۔

ایک روز عمرو نے امیر کو ترغیب دی کہ آج باغ کی سیر کو چلیے۔ امیر مقبل و عمرو کو اپنے ساتھ لے کر اپنے باغ میں تشریف لے گئے۔ عمرو اس باغ سے نکل کر ایک غیر شخص کے باغ میں گیا اور وہاں سے آ کر کہا کہ حمزہ، ایک ایسا باغ دیکھا ہے کہ تمھارے باغ کی بہار اس کے آگے دھواں ہے۔ امیر نے پوچھا کہ کہاں ہے؟ بولا کہ یہی آپ کے باغ کے قریب ہے۔ امیر مع مقبل عمرو کے ساتھ اس باغ میں گئے۔ دیکھا تو واقعی تختہ تختہ گل ہر قسم کے کھلے ہوئے ہیں، آبجوئیں روش روش جاری ہیں اور چند درختوں میں ایسے خوشے خرمے کے لگے ہوئے ہیں کہ دیکھنے والے کے منھ میں پانی بھر آئے، اور نافِ باغ میں ایک چبوترہ سنگ مرمر کا ایسا مصفّا بنا ہوا ہے کہ منھ دکھائی دیتا ہے۔ امیر اس چبوترے پر بیٹھ کے باغ کی سیر کرنے لگے اور عمرو اِدھر اُدھر سے پھر پھرا کر چند خوشے خرمے کے توڑ کر کھاتا ہوا امیر کے سامنے آیا۔ امیر نے فرمایا کہ ہم بھی ان خرموں کا ذائقہ چکھیں۔ بولا کہ بیٹھو صاحب! کس کس محنت سے درخت پر چڑھ کے یہ خرمے لایا ہوں، سو آپ نہ کھاؤں تمھیں کھلا دوں؟ اگر کھانے کا شوق ہے تو، بقول شخصے، دستِ خود دہانِ خود، تم بھی اپنے ہاتھ سے توڑ کر کھاؤ۔ امیر نے جو درخت کے پاس جا کر چڑھنے کا قصد کیا تو عمرو بولا کہ یا امیر، درخت پر چڑھنا ہم سے دبلے پتلوں کا کام ہے نہ کہ تم سے موٹے آدمیوں کا۔ میں اگر تمھارا سا بدن رکھتا ہوتا تو درخت کو جڑ سے اکھاڑ ڈالتا۔ امیر کو عمرو

کے کہنے پر کچھ غیرت سی معلوم دی۔ امیر نے درخت پر ایک دھکا جو مارا، درخت زمین پر گر پڑا۔ عمرو بولا کہ اس درخت کا گرانا تکلف نہیں رکھتا ہے، میں بھی چاہتا تو اس ضعیف جثے پر گرا دیتا۔ امیر نے ایک اور تناور درخت کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا۔ عمرو بولا کہ امیر، یہ درخت بھی کرم خوردہ تھا۔ مگر ہاں، وہ جو سامنے درخت ہے، اس کو اکھاڑو تو اکھیڑتے بھی معلوم ہو۔ امیر کو جو طیش آیا اس درخت کو بھی اکھاڑ ڈالا۔ تب تو کہنے لگا کہ او عرب، کیا کرتا ہے! کیا پرایا باغ اجاڑ ڈالے گا؟ یہ کہہ کر مالک باغ کو جا کر خبر دی کہ اس وقت ایسے زور سے آندھی آئی تھی کہ تیرے باغ کے تین درخت جڑ سے اکھڑ گئے۔ اس نے کہا کہ یہاں تو اتنی بھی ہوا نہیں چلی کہ پتا ٹسکتا۔ باغ میں ایسی ہوا کہاں سے آ گئی کہ درخت گر پڑے؟ عمرو بولا کہ باغ میں جا کر دیکھ، جھوٹ سچ آپ ہی معلوم ہو جائے گا۔ باغبان جو باغ میں گیا، دیکھے تو واقعی تین درخت جو تمام باغ کی جان تھے گرے پڑے ہیں۔ لگا زار زار رونے کہ اوقات اس بیچارے کی انھیں درختوں پر تھی۔ امیر کو اس کے حال پر رحم آیا۔ امیر نے تین شتر ان درختوں کے بدلے عنایت کیے۔ باغبان باغ باغ ہو گیا کہ گویا گرے ہوئے درختوں میں پھل لگے۔ عمرو نے اس باغبان سے کہا کہ تو لڑکوں کو پھسلا کر اونٹ لیتا ہے؟ بھلا جب تک مجھ کو تو شریک نہ کرے گا، میں سب یہ اونٹ تجھے پچنے دوں گا۔ اس نے ڈر کے مارے ایک اونٹ عمرو کو دیا اور دو اونٹ آپ لیے۔

داستان نظر پانا امیر و مقبل و عمرو کا

قضارا، ایک روز امیر مع مقبل و عمرو اپنے گھر کے بالا خانے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ کثرت سے لوگوں کو اس طرف سے جاتے ہوئے دیکھا۔ عمرو سے کہا، خبر تو لاؤ، یہ لوگ کہاں جاتے ہیں؟ عمرو نے آ کر خبر دی کہ کچھ سوداگر گھوڑے لائے ہیں۔ ان گھوڑوں کو دیکھنے کو خلقت چلی جاتی ہے۔ امیر نے گھوڑوں کا نام سن کر اپنا بھی قدم گھر سے نکالا۔ جا کر دیکھیں تو واقعی گھوڑے بہت عمدہ عمدہ بندھے ہوئے ہیں اور اس کمند میں ایک گھوڑا، زنجیروں سے جکڑا، منھ میں چھینکا دیا، آنکھوں پر اندھیریاں پڑی ہوئیں، ایک شامیانے کے نیچے بندھا ہوا ہے۔ عمرو نے اس کے مالک سے جا کر پوچھا کہ اس گھوڑے کو زنجیروں سے کیوں باندھا ہے؟ وہ بولا کہ یہ گھوڑا اکثر بڑا ہے، پیچ عیب شرعی رکھتا ہے۔ چڑھنا تو کیسا کوئی اس کی قریب نہیں جا سکتا۔ چھینکوں میں رکھ کر اس کو دانہ پانی دیا جاتا ہے۔ عمرو بولا کہ یہ تو کہنے ہی کی بات ہے کہ کوئی اس پر سوار نہیں ہو سکتا۔ بھلا اگر کوئی اس پر چڑھے تو کیا ہارو گے؟ اس نے کہا کہ یہی گھوڑا بے دام و درم نذر کروں گا۔ عمرو نے اور چند سوداگروں کو کہ وہاں اترے ہوئے تھے، اس شرط کا گواہ کیا اور امیر سے آ کر شرط کی نقل کی۔ امیر اس گھوڑے کے پاس گئے اور اس پر زین بندھوا، زنجیریں اور اندھیریاں اس کی کھلوادیں۔ جب قصد چڑھنے کا کیا، گھوڑا کھلتے ہی اپنے جوہر ذاتی دکھانے، چراغ پا ہو کر تالیاں بجانے لگا۔ امیر اس کے نزدیک جا کر ایک جست کر کے اس کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔ وہ لگا موزے پر منھ ڈالنے، ٹاپیں مارنے۔ امیر نے ایک گھونسا اس زور سے اس کے سر پر مارا کہ گھوڑا تھرتھرا کر عرق میں غرق ہو گیا اور بکری کی طرح کان ڈال دیے۔ پہلے تو امیر نے اسے قدم لگایا، پھر چار تنگ اس کو پھیرا۔ پٹی جو دی تو گھوڑے کو ہوا لگی۔ از بسکہ منھ زور تھا، ہر چند باگ کے جھٹکے دیے لیکن نہ تھما، پچاس ساٹھ کوس تک بگٹٹ چلا گیا۔ آخر امیر نے اپنا لنگر دے کر اس کی کمر توڑ ڈالی۔ گھوڑا تو گر گیا، امیر پیدل گھر کو پھرے۔ کبھی چلے تو تھے ہی نہیں، پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ قدم اٹھاتے ہیں تو اٹھ نہیں سکتا۔ تھک کر ایک

درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھتے کیا ہیں کہ ایک سوار نقاب پوش کے ساتھ ایک گھوڑا، ابلق رنگ، زینِ مرصع سے مزین کوتل چلا آتا ہے لمترجمہ:

کرے وصف اس اسپ کا گر رقم
صبا تنگ ہو نامِ کمیتِ قلم
کہاں پائی خنگِ فلک نے یہ چال
کرے بادِ صرصر کو وہ پائمال
جو لے راکبِ شیر دل اس کی باگ
اڑے بے پری پر وہ جس طرح ناگ

جب نقاب پوش امیر کے پاس آیا، سلام علیک کر کے کہا کہ یا حمزہ، یہ خنگ اسحٰق نبی علیہ السلام کی سواری کا ہے اور اس کا نام سیاہ قیطاس ہے، خدا کے حکم سے تیری سواری کے واسطے لایا ہوں۔ اور بموجبِ حکمِ خدا تجھ کو اپنا نظر کردہ کرتا ہوں۔ کوئی پہلوان تجھ پر زبردست نہ ہوگا، سب تیرے زیردست رہیں گے۔ یہ پتھر جو سامنے پڑا ہے، اس کو ہٹا کر زمین کو کھود۔ اس میں سے ایک صندوق نبیوں کے سلاح کا نکلے گا، اس کو اپنے بدن پر لگا۔ امیر نے فی الفور اس پتھر کو ہٹایا اور زور اپنے ہاتھ پاؤں میں اس قدر پایا کہ گمان بھی نہ تھا۔ زمین کو کھود کر صندوق نکالا۔ اس میں سے پیراہنِ حضرت اسمٰعیلؑ، خودِ حضرت ہودؑ، زرہِ حضرت داؤدؑ، دستانۂ حضرت یوسفؑ، موزۂ حضرت صالحؑ، کمربند و خنجرِ رستم، صمصام و قمقامِ برخیا، سپرِ گرشاسپ، گرزِ سام بن نریمان، تیمچۂ سہراب، نیزۂ حضرت نوح نبی علیہ السلام نکال کر اپنے زیبِ تن کیا اور بسم اللہ کر کے سیاہ قیطاس پر سوار ہوئے، اور وہ نقاب پوش نظر سے اوجھل ہو گیا۔ لکھتے ہیں کہ وہ نقاب پوش حضرت جبرئیلؑ تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امیر تو مکہ کی طرف روانہ ہوئے، اب عمرو کا حال سنیے کہ دس کوس تک تو امیر کے پیچھے پیچھے گرتا پڑتا چلا آیا۔ جب تلوے پاؤں کے خارِ مغیلاں سے خانۂ زنبور ہو گئے، چل نہ سکا، ایک درخت کے نیچے بیہوش ہو کر گر پڑا۔ خدا کی قدرت سے حضرت خضر علیہ السلام عمرو کے سر پر پہنچے اور اس کو اپنا نظر کردہ کر کے فرمایا کہ اے عمرو، اٹھ۔ ہم نے حکمِ خدا سے تجھ کو اپنا نظر کردہ کیا۔ تجھ سے آگے کوئی نہ جا سکے گا۔ یہ کہہ کر نظروں سے غائب ہو گئے۔ عمرو نے اٹھ کر امتحاناً ایک دوڑ ماری۔ دیکھا تو فی الحقیقت ہوا سے بھی آگے قدم پڑتا ہے۔ سجدۂ شکر کر کے امیر کی تلاش کو چلا۔

چند قدم نہ گیا تھا کہ سامنے سے امیر نمودار ہوئے۔ عمرو سلاح اور گھوڑے کو دیکھ کر امیر سے کہنے لگا کہ او عرب، وہ گھوڑا سوداگر کا کیا کیا؟ اور سچ بتا کہ کس کا خون کر کے یہ گھوڑا اور سلاح لایا ہے؟ امیر نے فرمایا کہ پرائی جان کا مارنا تیرا کام ہے۔ میں خدا کے حکم سے نظر کردۂ حضرت جبرئیلؑ ہوا ہوں اور یہ گھوڑا سیاہ قیطاس

نامی حضرت اسحٰقؑ کی سواری کا ہے اور سلاح نبیوں کا خداوند کریم نے مجھ کو عنایت کیا ہے۔ عمرو بولا کہ یہ تو میں تب جانوں کہ تیرا گھوڑا مجھ سے آگے نکل جائے۔ امیر نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بکتا کیا ہے! فرمایا کہ لے اچھا، دوڑ۔ تو عمرو نے کہا کہ پہلے کچھ شرط بدلو۔ امیر بولے کہ جو تیرا جی چاہے۔ عمرو نے کہا کہ اگر میں اس گھوڑے سے آگے نکل جاؤں تو دس شتر تجھ سے لوں اور اگر تیرا گھوڑا مجھ سے آگے نکل جائے تو میرا باپ ایک سال تک بے مزد و محنت تیرے باپ کے اونٹوں کا گلہ چراوے۔ امیر نے قبول کیا اور گھوڑے کی باگ لی۔ عمرو بھی ساتھ ہوا۔ دس کوس تک گئے، عمرو اور گھوڑے کا قدم برابر پڑتا تھا، دونوں گوش بہ گوش چلے جاتے تھے۔ امیر عمرو کی دوڑ دیکھ کر بہت متحیر ہوئے۔ عمرو نے عرض کی کہ یا امیر، میں بھی نظر کردۂ حضرت خضرؑ ہوا ہوں۔

اب ذرا احوال خواجہ عبدالمطلب کا سنیے کہ جب گھوڑا سوداگر کا امیر کو لے کر بھاگا اور عمرو امیر کے پیچھے سرگرداں روانہ ہوا، یہ خبر من و عن خواجہ عبدالمطلب کو پہنچی۔ خواجہ بدحواس ہو گئے اور مع رؤسائے مکہ شہر کے باہر نکلے۔ دیکھا کہ سامنے سے امیر، سلاح بدن پر لگائے، سیاہ قیطاس پر سوار، عمرو اس کا شکار بند پکڑے ہوئے ہے، چلے آتے ہیں۔ اسی دم سرخی چہرے پر دوڑ گئی۔ سجدۂ شکر ادا کیا۔ امیر خواجہ کو دیکھ کو گھوڑے سے اتر پڑے اور قدم بوس ہوئے اور کیفیت اسپ و سلاح کی بیان کی۔ خواجہ نے امیر کو چھاتی سے لگایا اور خوش خوش امیر کو لے کر گھر آئے اور بہت کچھ امیر پر سے تصدق کیا۔

مقبل وفادار کا حال سنیے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ امیر و عمرو نظر کردۂ جبرئیلؑ و خضرؑ ہوئے، دل میں سوچا کہ تو اِن دو نظر یافتوں میں کب رہ سکتا ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ نوشیرواں کی خدمت میں چل کر حاضر ہو، کہ وہاں سب کی عزت برابر ہے۔ یہ خیالی پلاؤ پکا کر شہر سے باہر نکلا اور مدائن کی طرف چلا۔ چار پانچ کوس تک گیا ہوگا کہ ماندہ ہوگیا۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر دل سے کہنے لگا کہ ایسی زندگی سے تو مرنا بہتر ہے۔ یہ سوچ کر درخت پر چڑھ کر ایک سرا اپنے کمر بند کا درخت میں باندھا اور دوسرے سرے کی پھانسی بنا کر اپنے گلے میں ڈالی اور لٹک کر ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ قریب تھا کہ مرغِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کرے کہ شہسوارِ مشرق و مغرب نے پہنچ کر آواز دی۔ مقبل زمین پر گر پڑا۔ حضرت نے اس کو اٹھا کر پانچ تیر، ایک کمان عنایت کر کے فرمایا کہ ہم نے تجھ کو علم تیراندازی کا عالم کیا۔ اس فن میں شاطرانِ روزگار تیرا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ مقبل نے عرض کی کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تو کس کا نظر کردہ ہے، تو کیا بتلاؤں؟ فرمایا کہ کہیو اسداللہ الغالب کا نظر کردہ ہوں۔ مقبل وہ پانچوں تیر اور کمان لے کر شاد شاد مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں امیر اور عمرو نے مقبل کو جو نہ دیکھا تو گھبرا گئے۔ عمرو مقبل کی تلاش کو نکلا۔ چند قدم اٹھائے تھے کہ سامنے سے مقبل نظر آیا۔ خوش خوش مقبل کو امیر کے پاس لایا۔ مقبل نے وہ تیر و کمان اور کیفیت اپنی نظر کردگی کی دکھائی سنائی۔ امیر بہت خوش ہوئے۔

داستان خراج لینا امیر کا اور مسلمان کرنا شاہ یمن کو

راوی لکھتا ہے کہ ساتواں برس امیر کو تھا کہ ایک دن بہ طریقِ سیر بازار کی طرف مع مقبل و عمرو تشریف لے گئے۔ قضا کار، کچھ لوگ سہیل یمنی سپہ سالارِ شاہِ یمن کے، کہ بموجب حکم شاہِ یمن خزانہ تحصیلنے کے واسطے آیا تھا، دکانداروں سے خزانہ تحصیل کرتے تھے۔ جس کے پاس کچھ دینے کو نہ تھا وہ ادا کا وعدہ کرتا تھا، لیکن وہ بے رحم نہ مانتے تھے، مار دھاڑ کرتے تھے۔ امیر نے عمرو سے فرمایا کہ دیکھو تو، یہ شور کیسا ہے؟ عمرو خبر لایا کہ سہیل یمنی کے آدمی خزانہ تحصیل کرتے ہیں۔ جو بازاری عذر کرتا ہے اس پر مار پیٹ کر کے بارِ پالہنگ دھرتے ہیں۔ امیر کو ان کے حال پر رحم آیا۔ فرمایا کہ جاؤ، ہماری طرف سے منع کرو۔ وہاں کون سنتا تھا۔ امیر خود متوجہ ہوئے اور عمرو کو حکم دیا کہ دکانداروں سے کہہ دو کہ کوئی کسی کو کچھ نہ دے اور جو کچھ محصّلوں نے تحصیل کیا ہو وہ بھی ان سے چھین لے۔ حکم ملتے ہی مقبل و عمرو محصّلوں سے مزاحم ہوئے۔ ان لوگوں نے لڑکا سمجھ کر ایستادگی کی۔ امیر نے دو چار آدمیوں پر تنبیہ کی۔ کسی کا ہاتھ توڑا کسی کا پاؤں، کسی کا سر پھوڑا کسی کی نکسیر۔ ان لوگوں نے بھاگ کر سہیل یمنی کے خیمے میں پناہ لی اور کہا کہ ایک لڑکا، شش سالہ، حمزہ نامی، پہلے تو خزانے کی تحصیل کا مانع ہوا، ہر گاہ ہم نے نہ مانا، دو لڑکوں سمیت، کہ اس کے ساتھ ہیں، ہماری طرف متوجہ ہوا اور یہ حال ہمارا کیا اور جو کچھ خزانہ ہم نے تحصیل کیا تھا وہ بھی ہم سے چھین لیا۔

یہ کہہ رہے تھے کہ امیر سیاہ قیطاس پر سوار سامنے سے نظر آئے اور مقبل و عمرو دستِ راست و دستِ چپ شکار بند پکڑے ہوئے ہمراہ تھے۔ سہیل یمنی خیمے کے باہر نکل آیا اور کہنے لگا کہ اے لڑکے، تیرا گھوڑا اور ہتھیار مجھ کو پسند آئے ہیں۔ لا، جلد پیشکش کر کہ میں تیرا قصور معاف کروں۔ نہیں تو اپنے کیے کی سزا پائے گا۔ امیر بہت کھلکھلا کر ہنسے۔ فرمایا کہ اگر تجھ کو اپنی جان پیاری ہے تو مشرف بہ اسلام ہو اور میری اطاعت قبول کر، نہیں تو پچھتائے گا۔ سہیل یمنی نے کہا کہ اس لڑکے کو ہوا کیا ہے کہ اپنی بساط سے باہر گفتگو کرتا ہے! ہاں، اس کو گھیر

کر پکڑ لو۔ ہمراہیوں نے اس کے چار طرف سے امیر کو گھیر لیا اور چاہا کہ امیر پر دست اندازی کریں، امیر نے بعضوں کو نیزے سے بعضوں کو گرز سے اور بعض کو شمشیر سے ہلاک کیا۔ اور مقبل نے تیر مارنے شروع کیے۔ جو دو تین آدمی آگے پیچھے ہوتے تھے، آہ کر کے گر پڑتے تھے۔ جب سہیل نے دیکھا کہ کئی ہزار آدمی کام آیا، تب تو طیش میں آ کر آپ امیر حمزہ کے مقابل ہوا۔ امیر نے اس کا کمر بند پکڑ کے سر سے بلند کیا۔ چاہتے تھے کہ زمین پر اس کو پٹکیں کہ اس نے امان مانگی۔ امیر نے بہ آہستگی تمام زمین پر چھوڑ دیا۔ سہیل یمنی ہزار پہلوان سے مسلمان ہوا۔ امیر نے اس کو چھاتی سے لگایا اور اپنے برابر اس کو بٹھلایا اور کمال شفقت و مہربانی اس کے حال پر فرمائی۔ سہیل یمنی اور مقبل وفادار و عمرو اور ان پہلوانوں نے، کہ سہیل یمنی کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے، امیر کی سرداری اپنے اوپر منظور کر کے امیر کو نذریں گذرانیں۔ امیر نے تبسم فرما کر ہر ایک کو اس کے لائق مخلع کیا اور شہر میں آ کر پہلے تو کعبے کی زیارت کر کے دو رکعت شکرانہ کی ادا کی، پھر خواجہ عبدالمطلب کے حضور میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے اور اپنے امیر ہونے اور سہیل یمنی کے مسلمان ہونے کا حال عرض کیا۔ خواجہ نے کہا، ہر چند میرے خوش ہونے کی جگہ ہے لیکن رؤساے شہر حسد لے جائیں گے اور بادشاہِ یمن، کہ اس وقت چالیس ہزار سوارِ جرار اس کے پاس ہے، مبادا اگر چڑھ دوڑے تو اہلِ مکہ گھبرائیں گے۔ امیر نے عرض کی کہ حضرت کی دعا اور حاکمِ حقیقی کا فضل چاہیے، وہ ادھر آنے نہ پائے گا، کہ فدوی خود جا کر در صورت اسلام قبول نہ کرنے کے روزِ بد اس کو دکھلائے گا۔

آخر دو چار روز کے بعد امیر خواجہ عبدالمطلب سے رخصت ہو کر یمن کی طرف، مع مقبل و عمرو و سہیل یمنی، بہ جمعیتِ ہزار سوار، روانہ ہوئے۔ دوسری منزل تھی کہ اثناے راہ میں امیر فوج سے الگ ہو کر عمرو سے باتیں کرتے چلے جاتے تھے کہ ایک جوان، صاحب جمال، دس گیارہ برس کا سن و سال، فقیرانہ لباس پہنے ہوئے ایک پتھر پر ملول بیٹھا دیکھا۔ امیر کو اس پر رحم آیا کہ ایسا جوان اور فقیر ہو جائے۔ امیر سلام علیک کر کے اس کے حال کے مستفسر ہوئے۔ اس نے آہ سرد بھر کے کہا:

نہ پوچھو حال مجھ آفت زدے گردوں کے مارے کا

اے عزیز، میں وہ درد رکھتا ہوں کہ جس کا علاج دنیا میں نہیں ہے۔ امیر بولے کہ سوائے مرض الموت کے کوئی درد ایسا نہیں حکیم مطلق نے جس کی دوا نہ پیدا کی ہو۔ اس نے شفقت امیر کی دیکھ کر بیان کیا کہ نام میرا سلطان بخت مغربی ہے۔ بادشاہِ مغرب کا بیٹا ہوں۔ شاہِ یمن کی بیٹی کے تیرِ عشق نے مجھ کو گھائل کیا ہے۔ چونکہ اس کے شرائط ادا کرنے کی اپنے میں طاقت نہ دیکھی، ناچار دنیا سے افسردہ خاطر ہو کر فقیری لی۔ امیر نے کہا، یہ امر ایسا دشوار نہیں ہے کہ آدمی سے اس کا انجام نہ ہو سکے۔ آپ یہاں سے اٹھیے، بندے پر کرم کیجیے، میں اس مہم کو آپ

کے واسطے سر کروں گا۔ امیر نے اس دن اسی جا پر مقام کیا اور سلطان بخت مغربی کو دائرۂ اسلام میں داخل کر کے پوشاک پہنوائی اور خیمہ وخرگاہ واصطبل، جو جو کہ چاہیے تھا، اس کے واسطے علیحدہ مقرر کیا۔

کئی منزل کے بعد اثنائے راہ میں ایک جوان کو دیکھا کہ شیر کی کھال کی ٹوپی اور قبا پہنے ہوئے بیٹھا ہے اور ایک شیر اس کے سامنے بندھا ہے۔ قریب جا کر اس سے پوچھا کہ اے جوان، تو کون ہے اور اس شیر کو کیوں باندھ رکھا ہے؟ وہ بولا کہ راہزن ہوں اور نام میرا طوق بن حیران حرامی ہے۔ جو کوئی ادھر سے نکلتا ہے، اس شیر کو اس پر یلہ کرتا ہوں۔ جب شیر اس کو مار ڈالتا ہے، اس کا اسباب میں لے لیتا ہوں اور گوشت اس کا شیر کو کھلاتا ہوں۔ امیر نے فرمایا، اے جوان، بے گناہوں کی خونریزی سے توبہ کر، نہیں تو خسر الدنیا والاخرۃ ہوگا۔ وہ بولا، اے شخص، مجھ کو تیرے حسن و جمال پر رحم آتا ہے۔ گھوڑا اور سلاح ولباس اپنا مجھ کو دے کہ تجھ کو امان دوں اور تیری جان تجھ کو بخشوں۔ امیر نے کہا کہ او زیادہ گو، یہ کیا بیہودہ گفتگو ہے؟ شیر کو اپنے یلہ کر، قدرتِ خدا کا تماشا دیکھ۔ اس نے شیر کے پٹے سے ڈوری کھینچ کر امیر کی طرف اشارہ کیا۔ شیر نے جو امیر پر جست کی، امیر نے نیزے سے شیر کو اٹھا کر اسی جوان پر پھینکا۔ وہ امیر کی قوت دیکھ کر متحیر ہوا اور تلوار کھینچ کر امیر پر دوڑا۔ امیر نے نیزے کی ڈانڈ سے اس کو گرا دیا اور گھوڑے سے اتر کر اس کی گردن پکڑ کے اٹھا لیا۔ چاہتے ہیں کہ اسے زمین پر دے ماریں کہ اس نے امان مانگی۔ امیر نے آہستہ اس کو چھوڑ دیا۔ اس نے راہزنی سے توبہ کی۔ امیر نے اس کو مسلمان کر کے اپنے لشکر کا علمدار کیا۔

جب قلعۂ یمن پانچ کوس رہا، امیر ایک سبزہ زار خوش فضا دیکھ کر خیمہ زن ہوئے۔ منظر شاہ یمنی کا حال سنیے۔ وہ لوگ جو سہیل یمنی کے لشکر سے بھاگ کر گئے تھے، انھوں نے ساری حقیقت امیر کی لڑائی اور سہیل یمنی کے مسلمان ہونے کی کہی۔ منظر شاہ نے نعمان نامی اپنے بیٹے کو دس ہزار سوار سے قلعے میں چھوڑا اور آپ تیس ہزار سوار لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مگر وہ اور راہ سے گیا اور امیر اور راہ سے آئے۔ امیر نے ایک نامہ لکھ کر نعمان کو بھیجا کہ میں ہمارے تاجدار کے واسطے آیا ہوں۔ اس کی شرطوں سے مجھ کو اطلاع کر۔ نعمان نے اپنی بہن سے کہا، اس نے میدان کے آراستہ کرنے کا حکم دے کر کہا کہ صبح کو اس کو چوگان بازی میں زیر کر کے سر اس کا قلعے کے کنگرے پر چڑھاؤں گی۔ نعمان نے جواب میں لکھا کہ بہت بہتر ہے، کل چوگان بازی ہوگی، اگر آپ گوے میدان سے لے جاویں گے تو ہمارے تاجدار کو پاویں گے، اور نہیں تو آپ کا سر قلعے کے کنگرے پر چڑھے گا۔ امیر چوگان بازی کا نام سن کر بہت خوش ہوئے اور طبل جنگ کے بجنے کا حکم دیا۔ تمام رات دونوں لشکروں میں طبل ونقارے بجا کیے امیر شب بھر بیدار رہے اور صبح تک دور ساغر کا رہا۔

جب شاہِ خاور تختِ فلک پر جلوہ افروز ہوا، نعمان اپنے لشکر کو لے کر میدان میں نکلا۔ سلطانِ ذی وقار،

صاحبقرانِ روزگار، یعنی حمزۂ نامدار بھی مسلح ہو کر سیاہ قیطاس پر سوار ہوئے۔ طوق بن حیران نے علم کا سایہ صاحبقراں پر کیا۔ دستِ راست سلطان بخت مغربی اور دستِ چپ کو سہیل یمنی، سلاحِ جواہر نگار بدن پر لگائے، اور عمرو عیار، پیکِ نامدار خنجر گذارِ جگرِ کفار، بہ کمال چستی و چالاکی گھوڑے کے آگے آگے پھلانگیں چھلانگیں مارتا خوش فعلیاں کرتا چلا، اور مقبل وفادار کو اس دن امیر نے ہراول کیا۔ وہی ہزار سوار جو سہیل یمنی کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے، مقبل کے ساتھ کیے۔ عمرو نے اس حکمت سے صفیں قائم کیں کہ غنیم کو پانچ چھ ہزار سپاہی کا امیر کے لشکر پر گمان ہوا۔ امیر ہمائے تاجدار کے اشتیاق میں نعمان بن منظر شاہ کے مقابل کھڑے تھے کہ ایک جوان، نقابِ زمردیں چہرے پر ڈالے، سر سے پاؤں تک مع مرکب دریائے جواہر میں غرق، سپر، تلوار، خنجر، کمان، ترکش لگائے، چوگان ہاتھ میں لیے، خراماں خراماں میدان میں آیا اور امیر کی طرف دیکھ کر آواز دی کہ خواہندۂ ہمائے تاجدار کون ہے؟ میرے سامنے آوے۔ یہی گوے ہے، یہی میدان۔ اپنا کسب و ہنر دکھلاوے۔ امیر نعرہ سنتے ہی خنگِ اسحٰق نبی علیہ السلام کو برق کے مانند چمکا کر میدان میں آئے۔ اس کے عیار نے گوے کو میدان میں ڈالا اور اس معشوقہ نے گھوڑے کو ران سے گدگدا کر گوے کو چوگان سے آشنا کیا۔ چاہتی تھی کہ گوے کو لے جاوے، کہ امیر نے عمرو کے ہاتھ سے چوگان لے کر گھوڑے کو آسن سے دبا کر گوے پر مارا۔ اس معشوقہ نے دیکھا کہ بازی ہاتھ سے جاتی ہے، جھٹ پٹ نقاب کو چہرے سے الٹ دیا۔ لمترجمہ:

الٹ جو دیا رخ سے اس نے نقاب
زمیں پر دکھائی دیا آفتاب
ہوئی اس سے جب چشم حمزہ دوچار
ہوئے غرقۂ حیرت آئینہ دار

امیر جو اس کو دیکھ کر ششدر ہو گئے، ہمائے تاجدار نے فرصت پا کر گھوڑے کو پچکارا اور چوگان کو گوے سے آشنا کیا۔ اس نے اپنی دانست میں گوے کے لے جانے میں کوتاہی نہ کی تھی، لیکن امیر نے اپنے کو سنبھال کر مرکب کو جولاں کر کے کہا کہ معلوم ہوا یونہی تو گوے کو میدان سے لے جایا کرتی ہے اور مردانِ عالم سے شرط جیت کر ان کے سروں کو قلعے کے کنگروں پر دھرتی ہے۔ لے دیکھ، خبردار، گوے کو میں لے چلا۔ ہرچند ہمائے تاجدار نے مکرر چوگان گوے تک پہنچائی لیکن امیر سے کب لے جا سکتی تھی۔ امیر ہی گوے کو لے گئے اور فرمایا کہ اے ہمائے تاجدار، کہہ، اب کیا کہتی ہے؟ اس نے کہا کہ ایک مرتبہ اور امتحان کیا چاہیے۔ امیر گوے کو میدان کی طرف پھینک کر مکرر لے گئے۔ ہمائے تاجدار نے دیکھا کہ بازی ہاتھ سے گئی، چاہا کہ گھوڑے کو ایڑ کر کے اپنے بھائی نعمان تک پہنچے، کہ امیر نے گھوڑے کو خیز کر کے ہمائے تاجدار کا کمر بند پکڑ کر مرکب سے جدا کیا اور

عمرو کی طرف گوے کے مانند پھینکا۔ عمرو نے لچھے کمند سے ہاتھ اس کے باندھ کر اپنے لشکر کی طرف رخ کیا۔

نعمان نے دیکھ کر فوج سے کہا کہ یارو، اس جوان نے تو غضب کیا۔ ہاں، کسی طرح یہ جانے نہ پائے کہ ہمارے تاجدار کو لیے جاتا ہے۔ دس ہزار سوار جو مسلح کھڑے تھے، سبھوں نے باگ لی اور امیر پر جا پڑے۔ امیر بھی تلوار کھینچ کر مانندِ شیرِ ببر اس کے لشکر میں گھسے اور کشتوں سے پشتے بنادیے۔ جس کے سر پر تلوار ماری، ریڑھ کی ہڈی تک کاٹی۔ جس کے حمائل کا ہاتھ مارا، ایک ہاتھ اور سر و گردن کو مع نصف سینہ تن سے جدا کیا۔ جس کی کمر پر ہاتھ پڑا، خیارِ تر کی طرح سے صاف دو ٹکڑے ہوا۔ اس دم نعمان بن منظر شاہِ یمنی نے آن کر ایک تلوار امیر کے سر پر لگائی۔ امیر نے اس کے وار کو سپر پر روکا اور اس کے کمر بند میں ہاتھ ڈال کے سبک اٹھا کر عمرو کے حوالے کیا۔ باقی لوگ جتنے تھے، سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ امیر فوج کو لوٹ معاف کر کے مظفر و منصور اپنے خیمے میں داخل ہوئے۔

جب شب کو بزم آراستہ ہوئی، امیر نے نعمان کو طلب فرما کے کہا کہ کہہ، اب کیا کہتا ہے؟ وہ بولا کہ کہوں گا کیا؟ مسلمان ہوتا ہوں۔ امیر نے تلقین کر کے اسے چھاتی سے لگایا اور برابر اس کے واسطے دنگل بچھوایا۔ دورِ ساغر چلنے اور عمرو شادیانے گانے لگا۔ جب مجلس برخاست ہوئی، امیر نے نعمان اور مکہ ہمارے تاجدار کو، کہ اس نے بھی اسلام قبول کیا تھا، خلعتِ لائق سے سرافراز کر کے رخصت کیا اور آپ خوابگاہ میں تشریف لے گئے۔ صبح کو نعمان نے اپنی فوج کو طلب کر کے دعوتِ اسلام کی کہ ایک سرے سے سب مسلمان ہوتے گئے۔ جتنے سردار فوج کے تھے ان کو لا کر امیر سے ملازمت کروائی۔ امیر نے ہر ایک کو خلعت عطا کیا۔

یہ خبر منظر شاہِ یمنی کو پہنچی کہ چوگان بازی میں حمزہ گوے سبقت ہمارے تاجدار سے لے گیا اور نعمان کو برسرِ صفِ جنگ گرفتار کر کے مع فوج مسلمان کیا۔ سنتے ہی آتشِ غضب شعلہ زن ہوئی۔ مکہ کا عزم فسخ کر کے الٹا پھرا اور قلعے میں پہنچتے ہی طبلِ جنگ بجوایا۔ امیر نے یہ خبر سن کر اپنی فوج میں بھی طبلِ جنگ بجنے کا حکم دیا۔ آفتاب کی کرن نکلتے ہی دونوں لشکر میدانِ رزم گاہ میں صف آرا ہوئے۔ منظر شاہ نے اپنا مرکب میدان میں نکال کر آواز دی کہ کہاں ہے حمزہ، اس کو چاشنی مرگ کی چکھاؤں۔ امیر نے سیاہ قیطاس کی باگ لی اور اس کے روبرو آ کر کہا کہ لا، کیا ضرب رکھتا ہے؟ اس نے نیزہ اٹھایا۔ امیر گھوڑا دبا کر اس کے متصل گئے اور ہتھ بلی کر کے نیزہ اس کا چھین لیا۔ اس نے تلوار کھینچی۔ امیر نے اس کی ضرب کو خالی دے کر، کمر بند اس کا پکڑ کے گھوڑے سے اٹھالیا۔ چاہتے تھے کہ زمین پر پٹکیں، کہ اس نے امان مانگی۔ امیر نے سبک اس کو زمین پر چھوڑ دیا۔ وہ قدم بوس ہوا اور کلمہ پڑھ کر صدقِ دل سے مسلمان ہوا۔ امیر اس کو اپنے خیمے میں لے آئے اور بہ کمال شفقت و مہربانی اس کو اور اس کے رفیقوں کو، جو فوج کے افسر تھے، خلعتِ فاخرہ پہنائے۔ منظر شاہ نے ایک مہینے تک امیر کی دعوت کی

اورحسب الحکم امیر کے سلطان بخت مغربی کے ساتھ ہمارے تاجدار کا عقد کرنے پر مستعد ہوا۔ سلطان بخت نے عرض کی کہ ہمارے تاجدار اب میری حرم ہو چکی، انشاء اللہ تعالیٰ عقد اس روز کروں گا جس دن حضور اپنی شادی کریں گے۔ جب تک ہمارے تاجدار اپنے گھر میں رہے۔ امیر نے رسم نشان ادا کر کے ایک جشنِ شاہانہ ترتیب دیا اور بعد جشن کے منظر شاہ سے کہا کہ اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ وطن کی طرف جاؤں گا، کہ والد سراسیمہ ہوں گے۔ منظر شاہ نے عرض کی کہ میں بھی ہمراہِ رکاب چلتا ہوں۔ یہ کہہ کر ملک کا انتظام اپنے نائب پر چھوڑا اور تیس ہزار پہلوان کو مع نعمان ساتھ لے کر امیر کی رکاب میں چلا۔

داستان حشام بن علقمہ خیبری کی

اب دو کلمے داستانِ حشام بن علقمہ خیبری کے سنیے کہ جب وہ دوازدہ سالہ ہوا، قدم گھر سے باہر نکالا۔ سرِ بازار شور وغل سن کر پوچھا کہ یہ شور غل کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ محصّلانِ نوشیرواں خراج تحصیل کرتے ہیں۔ جو شخص سرِ دست ادا کرنے میں عذر کرتا ہے اس کو سزا دیتے ہیں۔ حشام کو برا معلوم ہوا۔ چند آدمیوں کو پکڑوا کے، ناک کان کاٹ کر شہر بدر کیا، اور قدغن کیا کہ کوئی ایک کوڑی کسی کو نہ دے۔ جو خراج کہ معین ہے، ہماری سرکار میں داخل کرے، اور فوج کی نگاہداشت جاری کی۔ تھوڑے سے دنوں میں ایک لشکر جرار بہم پہنچا کر مدائن کی طرف کوچ کیا۔ یہ خبر بادشاہِ ہفت کشور کو پہنچی کہ حشام بن علقمہ خیبری نے خروج کیا ہے۔ بادشاہ نے بزرجمہر سے مشورہ چاہا۔ بزرجمہر نے صلاح دی کہ اگر حضور خود بذاتِ اقدس مقابلہ کریں گے تو میرے نزدیک یہی حرکتِ ناملائم ہے، کیونکہ اگر اس پر فتح ہوئی تو کچھ نام نہ ہوگا اور اگر مبادا وہ غالب آیا تو کمال سبکی ہوگی کہ بادشاہِ ہفت اقلیم کو ایک ادنیٰ شخص نے شکست دی۔ اس عالم میں ہر ایک کو مقابلہ کی جرأت ہوگی۔ اس سے میرے نزدیک یہی بہتر ہے کہ اس کے آنے سے پہلے حضور شکار کھیلنے کو تشریف لے جائیں اور مدائن میں کسی سپہ سالار کو مقرر فرمادیں کہ جس وقت وہ گردن زدنی آوے اس کو گوشمالی قرار واقعی دیوے کہ پھر کسی کو سرکشی کی جرأت نہ ہووے۔ بادشاہ کو یہ رائے بزرجمہر کی پسند آئی۔ آپ تو صید گاہ کی طرف تشریف فرما ہوئے اور عنتر فیل گوش کو، کہ پہلوانِ نامی تھا، پچاس ہزار سوار سے مدائن کی حفاظت اور حشام کی گوشمالی کے واسطے مامور کیا۔

ہفتہ عشرہ بادشاہ کو گئے ہوئے ہوا ہوگا کہ حشام بن علقمہ خیبری نے چالیس ہزار سوار خونخوار سے آ کر قلعے کو گھیر لیا۔ مگر عنتر فیل گوش نے بھی حق قلعداری کا ادا کیا کہ آتش کاری سے کسی کو خندق تک پھٹکنے نہ دیا۔ ایک دن عنتر فیل گوش کے دل پر یہ خیال گذرا کہ حشام چند روز سے شہر کو محاصرہ کیے ہوئے پڑا ہے اور میں قلعہ بند ہوں۔ حشام ایسا کہاں کا بہادر ہے کہ جس سے میں دبوں۔ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کروں اور ہاتھوں ہاتھ

مارلوں۔ دنیا میں نیک نام و بہادر کہلاؤں گا اور بادشاہ سے جاگیر و منصب پاؤں گا۔ پانچ ہزار سوار لے کر شہر سے باہر نکلا۔ حشام اس کو دیکھ کر قہقہہ مار کے ہنسا اور بولا کہ قضا اس کے سر پر کھیلتی ہے کہ یہ میرے سامنے آیا ہے۔ کرگدن کو اس کے برابر لا کر کہنے لگا کہ کیا ارادہ ہے؟ عنتر بولا کہ او کافر، نمک بہ حرام، پشتینی خانہ زاد ہو کر بے ادبی پر کمر باندھی ہے! تو نہیں جانتا کہ شہنشاہِ ہفت کشور کا ایک ادنیٰ غلام تجھ کو سزا دے سکتا ہے۔ حشام نے کہا کہ اے بے خبر، نہیں جانتا ہے کہ

ہر کہ شمشیر زند خطبہ بہ نامش خوانند

میں بزورِ شمشیر تیرے شہنشاہ سے نعل بندی لوں گا۔ حشام کا یہ کہنا تھا کہ عنتر نے تول کر ایک نیزہ حشام کے سینۂ پُرکینہ پر مارا اور نیزے نے صندوقِ سینۂ حشام سے سر باہر نکالا۔ لیکن حشام نے باوجود زخم کاری کھانے کے عنتر کو ضربِ تیغ سے دو ٹکڑے کیا اور فوج پر اس کی جا گرا۔ فوج بے سردار تھی، شہر کی طرف بھاگی۔ حشام مع لشکر ان کا تعاقب کرتا ہوا شہرِ مدائن میں داخل ہوا اور تمام شہر کو تاراج کر کے ستر ہزار آدمی اسیر کیے اور جلوسِ سلطنت مع تاج و تخت لے کر اپنی فرودگاہ پر آیا۔ شب کو باعیش و عشرت کاٹا، صبح کو مع اُساریٰ خیبر کی طرف روانہ ہوا۔

کئی منزل کے بعد ایک دوراہا ملا کہ ایک راہ کعبے کو جاتی تھی اور دوسری راہ خیبر جانے کی تھی۔ ہمراہیوں نے کہا کہ یہ لڑائی تو دنیا کے واسطے آپ لڑے، ایک مہم ثواباً سر کیجیے، یعنی چل کر خانۂ خدا کو ڈھائیے۔ حشام کی تقدیر نے جو شامت بلائی، یہ رائے کوتاہ اندیشوں کی پسند آئی۔ کعبۃ اللہ کی طرف راہی ہوا۔ یہ خبر مکہ میں منتشر ہوئی کہ حشام بن علقمہ خیبری مدائن کو تاراج کر کے کعبے کے خراب کرنے کے واسطے آتا ہے۔ جس نے سنا وہ بید کے مانند لرز گیا۔ اسی روز حمزۂ نامدار بھی مع لشکرِ جرار مظفر و منصور مکہ میں پہنچے۔ کعبے کی زیارت کر کے اپنے باپ کے قدم بوس ہوئے۔ خواجہ عبدالمطلب نے سجدۂ شکر ادا کر کے حمزہ کو چھاتی سے لگایا اور زار زار رونے لگے۔ امیر نے عرض کی کہ حضرت، آج روز خوشی کا ہے کہ رونے کا؟ ایسی فتح نمایاں کر کے میں حاضر ہوا ہوں کہ لوگوں کا گمان ہی نہ تھا، اور حضور بجائے شادی گریہ کرتے ہیں؟ خواجہ نے کہا کہ اے فرزندِ ارجمند، میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ حشام بن علقمہ خیبری مدائن کو تاراج کیے ہوئے، کعبے کے ڈھانے کو آتا ہے۔ تمام رؤسا اس شہر کے دست پاچہ ہیں کہ وہ گبر بڑا ہی زور آور و صاحبِ فوجِ خونخوار ہے، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم کو کسی بہانے سے حبشہ کی طرف بھیج دوں۔ امیر نے کہا، قبلۂ حاجات، قبل از مرگ واویلا کیا ضرور ہے؟ آفریدگار اس سے قوی و توانا تر ہے۔ اس کے فضل اور آپ کی دعا کی برکت سے میں اسے یہاں تک کب آنے دیتا ہوں؟ استقبال کر کے اس کی جان لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اسی دم باپ سے رخصت ہوئے اور کعبۃ اللہ میں گئے۔ بہ نیتِ فتح دو رکعت نماز ادا کر کے خدائے عزوجل سے اعانت چاہی اور حشام کی راہ روکنے کو راہی ہوئے۔

دو اسپہ منزل طے کیے جاتے تھے کہ ایک منزل پر خبر پائی کہ یہاں سے تیس کوس کے فاصلے پر حشام کا لشکر پڑا ہے۔ یہ سنتے ہی اسی مقام پر اتر پڑے۔ چار گھڑی رات گذری ہوگی کہ کئی ہزار سوار اپنے لشکر سے انتخاب کر کے چڑھ دوڑے اور حشام کے لشکر پر بلائے آسمانی کی طرح سے جا گرے، اور نعرۂ اللہ اکبر کر کے کہا کہ اے ناواقفو، خبر دار ہو جاؤ کہ عزرائیل تمھاری روح قبض کرنے کو آن پہنچا۔ صبح ہوتے ہوتے دس ہزار آدمی حشام کے لشکر کا قتل کیا۔ حشام اپنے خیمے میں پڑا سوتا تھا کہ آواز بزن بزن، بکُش بکُش کی اس کے کان میں گئی۔ فی الفور جاگ کر اپنے لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حمزہ نامی کوئی عرب ہے، اس نے شبخون مار کر فوج کی قلیا تمام کی۔ حشام جھٹ پٹ اپنے گینڈے پر سوار ہو کے لشکر میں آیا کہ اس عرصے میں شاہِ خاور تختِ فلک پر جلوہ افگن ہوا۔ اس وقت تیس ہزار سوار حشام کے ساتھ اور دس ہزار سوار امیر کی رکاب میں تھا۔ حشام گینڈے کو میدان میں نکال کے حمزہ کو دیکھ کر بولا، او عرب زادے، یہ گھوڑا اور سلاح کس سے تو مانگ کر لایا ہے؟ لا، یہ مجھ کو نذرانے میں دے، تیری خطا معاف کروں۔ تو نے جو میری فوج پر شبخون مارا، کمال بے ادبی کی، اور اگر حکم عدولی کرے گا تو تجھ کو بے تیغ اجل ماروں گا۔ امیر یاوہ گوئی اس کی سن کر غصہ ضبط نہ کر سکے۔ فرمایا کہ او گبر، گردن زدنی، تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں؟ ارے جہنمی، تیری اجل ہوں۔ حشام اس کلام کو سن کر طیش میں آیا اور نیزہ جو اس کے ہاتھ میں تھا، امیر کے سینۂ بے کینہ پر لگایا۔ امیر نے اس کا نیزہ اپنے نیزے کی سنان پر روکا۔ لگی نیزہ بازی ہونے۔ جب سو سو طعن نیزے کی چلی اور جانبین کو ضرر نہ پہنچا تو حشام نے کھسیانا ہو کر نیزے کو ہاتھ سے پھینک دیا اور تلوار میان سے لی۔ چاہتا تھا کہ امیر کے برابر آ کر تلوار مارے کہ امیر نے ہتھ بلی کر کے تلوار اس کے ہاتھ سے چھین لی اور فرمایا کہ تو اپنے حربے کر چکا، اب میری ضرب کو سنبھال۔ دیکھ، یہ نہ کہنا کہ خبردار کر کے نہ مارا۔ باوجودیکہ اس نے سپر کو سر پر رکھا تھا، لیکن امیر نے الا اللہ کہہ کر جو تلوار اس ناپاک خود سر کے سر پر ماری، سپر کو مثلِ پنیرِ تر دو پارہ کر کے، خودِ فولادی کے دو حصے کرتی، استخوانِ مغز کے پرخچے اڑاتی، گردن کی صراحی کو قلم کرتی، سینے میں محجوب نہ ہو کر، کمر سے نکل کے، نمدِ زین پر بھی نہ ٹھہری، گینڈے کی پیٹھ کاٹتی پیٹ سے نکل گئی۔ دوست و دشمن کے حواس اڑ گئے کہ نہ ایسی تلوار دیکھی نہ ایسا ہاتھ سنا۔ لمترجمہ:

تلوار اسے کہیے کہ یہ برقِ فنا ہے
انسان کا یہ ہاتھ ہے یا دستِ خدا ہے

امیر حشام کو جہنم کی سمت بھیج کر، جس طرح سے شیرِ درندہ بکریوں کے گلے میں گھستا ہے، اس کے لشکر میں در آئے، ایک دم میں کشتوں سے پشتے بنائے۔ بعض روسیاہ بھاگ کھڑے ہوئے اور اکثر مسلمان ہوئے۔ امیر

نے اپنے لشکر کو، سوائے تخت و تاجِ نوشیرواں، مطلق لوٹ معاف کی اور اُسارا کو قید سے رہائی بخش کر ہر ایک کے لائق خلعت و سواری و زادِ راہ عطا کیا اور اپنے اپنے گھر جانے کا حکم دیا۔

بعد ازاں ایک عریضہ نوشیرواں کو لکھا کہ میں نے بفضلہٖ تعالیٰ، آپ کے اقبال سے، اس گبر کو مارا اور ستر ہزار آدمی جو رعایا و ملازمین سے حضور کے اس کی قید میں تھے، ان کو آزاد کیا، اور سر اس خودسر کا مقبل وفادار کے ہمراہ حضورِ پرنور میں بھیجتا ہوں، اور تاج و تختِ کیخسر وی اگر حکم ہو تو آپ لے کر حاضر ہوں، یا جس کو ارشاد ہو اس کے سپرد کروں۔ مقبل وفادار کو سرِحشام بے سروپا اور عریضہ دے کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور آپ مظفر و منصور مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ امیر نے سوائے اس ایک مرتبہ کے کبھی شبخون نہیں مارا۔

دو اسپہ منزل طے کیے جاتے تھے کہ ایک منزل پر خبر پائی کہ یہاں سے تیس کوس کے فاصلے پر حشام کا لشکر پڑا ہے۔ یہ سنتے ہی اسی مقام پر اتر پڑے۔ چار گھڑی رات گذری ہوگی کہ کئی ہزار سوار اپنے لشکر سے انتخاب کر کے چڑھ دوڑے اور حشام کے لشکر پر بلائے آسمانی کی طرح سے جا گرے، اور نعرۂ اللہ اکبر کر کے کہا کہ اے ناواقفو، خبر دار ہو جاؤ کہ عزرائیل تمھاری روح قبض کرنے کو آن پہنچا۔ صبح ہوتے ہوتے دس ہزار آدمی حشام کے لشکر کا قتل کیا۔ حشام اپنے خیمے میں پڑا سوتا تھا کہ آواز بزن بزن، بگش بگش کی اس کے کان میں گئی۔ فی الفور جاگ کر اپنے لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حمزہ نامی کوئی عرب ہے، اس نے شبخون مار کر فوج کی قلیا تمام کی۔ حشام جھٹ پٹ اپنے گینڈے پر سوار ہو کے لشکر میں آیا کہ اس عرصے میں شاہِ خاور تختِ فلک پر جلوہ افگن ہوا۔ اس وقت تیس ہزار سوار حشام کے ساتھ اور دس ہزار سوار امیر کی رکاب میں تھا۔ حشام گینڈے کو میدان میں نکال کے حمزہ کو دیکھ کر بولا، او عرب زادے، یہ گھوڑا اور سلاح کس سے تو مانگ کر لایا ہے؟ لا، یہ مجھ کو نذرانے میں دے، تیری خطا معاف کروں۔ تو نے جو میری فوج پر شبخون مارا، کمال بے ادبی کی، اور اگر حکم عدولی کرے گا تو تجھ کو بے تیغ اجل ماروں گا۔ امیر یاوہ گوئی اس کی سن کر غصہ ضبط نہ کر سکے۔ فرمایا کہ او گبر، گردن زدنی، تو نہیں جانتا کہ میں کون ہوں؟ ارے جہنمی، تیری اجل ہوں۔ حشام اس کلام کو سن کر طیش میں آیا اور نیزہ جو اس کے ہاتھ میں تھا، امیر کے سینۂ بے کینہ پر لگایا۔ امیر نے اس کا نیزہ اپنے نیزے کی سنان پر روکا۔ لگی نیزہ بازی ہونے۔ جب سو سو طعن نیزے کی چلی اور جانبین کو ضرر نہ پہنچا تو حشام نے کھسیانا ہو کر نیزے کو ہاتھ سے پھینک دیا اور تلوار میان سے لی۔ چاہتا تھا کہ امیر کے برابر آ کر تلوار مارے کہ امیر نے ہتھ بلی کر کے تلوار اس کے ہاتھ سے چھین لی اور فرمایا کہ تو اپنے حربے کر چکا، اب میری ضرب کو سنبھال۔ دیکھ، یہ نہ کہنا کہ خبر دار کر کے نہ مارا۔ باوجودیکہ اس نے سپر کو سر پر رکھا تھا، لیکن امیر نے الا اللہ کہہ کر جو تلوار اس ناپاک خودسر کے سر پر ماری، سپر کو مثلِ پنیرِ تر دو پارہ کر کے، خودِ فولادی کے دو حصے کرتی، استخوانِ مغز کے پرخچے اڑاتی، گردن کی صراحی کو قلم کرتی، سینے میں محجوب نہ ہو کر، کمر سے نکل کے، نمدِ زین پر بھی نہ ٹھہری، گینڈے کی پیٹھ کاٹتی پیٹ سے نکل گئی۔ دوست و دشمن کے حواس اڑ گئے کہ نہ ایسی تلوار دیکھی نہ ایسا ہاتھ سنا۔ لمترجمہ:

تلوار اسے کہیے کہ یہ برقِ فنا ہے
انسان کا یہ ہاتھ ہے یا دستِ خدا ہے

امیر حشام کو جہنم کی سمت بھیج کر، جس طرح سے شیرِ درندہ بکریوں کے گلے میں گھستا ہے، اس کے لشکر میں در آئے، ایک دم میں کشتوں سے پشتے بنائے۔ بعض روسیاہ بھاگ کھڑے ہوئے اور اکثر مسلمان ہوئے۔ امیر

نے اپنے لشکر کو، سوائے تخت و تاجِ نوشیرواں، مطلق لوٹ معاف کی اور اُسارا کو قید سے رہائی بخش کر ہر ایک کے لائق خلعت و سواری و زادِ راہ عطا کیا اور اپنے اپنے گھر جانے کا حکم دیا۔

بعد ازاں ایک عریضہ نوشیرواں کو لکھا کہ میں نے بفضلہ تعالیٰ، آپ کے اقبال سے، اس گبر کو مارا اور ستر ہزار آدمی جو رعایا و ملازمین سے حضور کے اس کی قید میں تھے، ان کو آزاد کیا، اور سر اس خودسر کا مقبل وفادار کے ہمراہ حضورِ پرنور میں بھیجتا ہوں، اور تاج و تختِ کیخسروی اگر حکم ہو تو آپ لے کر حاضر ہوں، یا جس کو ارشاد ہو اس کے سپرد کروں۔ مقبل وفادار کو سرحشامِ بے سروپا اور عریضہ دے کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اور آپ مظفر و منصور مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ امیر نے سوائے اس ایک مرتبہ کے کبھی شبخون نہیں مارا۔

داستان نوشیرواں کی

اب دو کلمے داستانِ نوشیرواں کے سنیے کہ چالیس دن کے بعد صید گاہ سے مدائن میں آیا، شہر کو ویران اور تخت و تاج کو بے نشان پایا۔ بزرجمہر سے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ یہاں تک تو تعبیر خواب کی میں ظہور میں آئی مگر باقی دیکھیے کہ کب وقوع میں آتی ہے۔ بزرجمہر نے کہا، انشاء اللہ تعالیٰ آج سے کل تک وہ بھی ظاہر ہو گی۔ ساسانیوں نے، جو کہ قتل و اسیری سے بچے تھے، بختک سے کہا کہ یہ جو کچھ کیا بزرجمہر نے کیا۔ اگر بادشاہ کو مدائن سے صید گاہ کی طرف نہ لے جاتا تو حشام ایسا روزِ بد ہم کو نہ دکھاتا۔ مفت میں عزیز و اقربا ہمارے بے اجل مارے گئے اور پسماندہ دستگیر ہوئے۔ حقیقت میں بزرجمہر نے مذہب کے تعصب سے ہم کو برباد کیا۔ بادشاہ کی خدمت میں تم عرض کر کے ہماری داد دلوا دو۔

یہ شور و غوغا ہو رہا تھا کہ صابر نمد پوش عیار، گرد و غبار سے آلودہ، بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا اور مژدہ گذرانا کہ حشام بن علقمہ خیبری، جو مدائن کو خراب و برباد کر کے ستر ہزار زن و مرد کو دستگیر کیے خیبر کی طرف جاتا تھا، حمزہ نے حضور کے اقبال سے اس کو قتل کیا اور اُسارا کو خلعتِ آزادی بخشا اور سر اس بے مغز کا اپنے ایک رفیق کے ہاتھ، کہ نام اس کا مقبل وفادار ہے، حضور میں بھیجا ہے۔ یہ مژدہ سن کر بادشاہ اچھل پڑا اور دوڑ کر بزرجمہر کو چھاتی سے لگا لیا اور فرمایا کہ جلد سب سردار مقبل وفادار کے استقبال کو جاویں اور باتوقیرِ تمام اس کو لے آویں۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ جس وقت مقبل حاضر ہوا بادشاہ کے پایۂ تخت کو بوسہ دے کر عرضی امیر کی گذرانی۔ بادشاہ نے اس قدر امیر کی توقیر کی کہ عریضہ امیر کا مقبل سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پہلے تو آپ مطالعہ کیا، بعدازاں خواجہ بزرجمہر کو دے کر فرمایا کہ تم اس کو بآوازِ بلند پڑھو۔ جتنے ساسانی و کیانی وہاں مجد کی تھے، اس عریضے کا مضمون سن کر بشاش ہوئے اور بادشاہ کو اس فتح کی مبارکباد دی۔ بادشاہ نے اس وقت مقبل وفادار کو خلعتِ گرانمایہ سے مخلّع کیا اور حکم دیا کہ جب تک مقبل مدائن میں رہے، ہر روز دربار میں بلا قیدِ حکم حاضر ہوا کرے۔

راوی لکھتا ہے کہ جس دن مقبل وفادار نے بادشاہ سے ملازمت کی، اتفاقاً اس دن لوگوں نے ایک فاختہ کو بارگاہِ جمشیدی کے گلشن میں شاخِ سرو پر بیٹھے دیکھا، اور بجاے طوق ایک مارِ سیاہ اس کے گلے میں حلقہ زن نظر آیا۔ یہ خبر بادشاہ کو دی۔ بادشاہ نے فرمایا کہ معلوم ہوا عدالت کے واسطے آئی ہے۔ فرمایا، ہاں، کوئی شاطر ایسا ہے کہ تیر اس کا مار کے مارنے میں خطا نہ کرے؟ اگر فاختہ پر صدمہ پہنچے گا تو مجھ کو بڑا رنج ہوگا۔ کسی نے ہامی نہ بھری اور کوئی اپنی جگہ سے نہ ٹسکا۔ مقبل نے اپنے دنگل پر سے اٹھ کر بادشاہ کے پایۂ تخت کو بوسہ دیا اور نیزے کی نوک پر ایک آئینہ نصب کر کے ایک شخص کے ہاتھ میں دیا کہ اس کے منھ کے روبرو رکھے۔ سانپ کو جو اپنی شکل اس میں نظر آئی، کنڈلی کو اٹھا کر لگا دیکھنے۔ مقبل وفادار نے فرصت پا کر سوفارِ تیر کو چلّے سے آشنا کیا اور گوشۂ کمان کو تا بناگوش پہنچا کر طائرِ تیر کو پرواز دی۔ فاختہ کے پر تک کو آسیب نہ پہنچا اور تیر سرِ مار میں ترازو ہو گیا۔ سانپ تو زمین پر گر پڑا اور فاختہ پر بجاتی ہوئی اپنے آشیانے کی طرف اڑ گئی۔ بے اختیار ناظرین کے منھ سے احسنت و آفرین کی صدا نکلی۔ بادشاہ نے مقبل کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور خلعتِ مرصع سے مخلع کیا اور حمزہ کی عرضی کا جواب لکھ کر مع خلعتِ شاہانہ بختک کو دیا کہ لفافے پر مہر ہماری کر کے بہمن سکان اور بہمن حزان کے سپرد کرو کہ حمزہ کو پہنچا دیں۔

راوی لکھتا ہے کہ بادشاہ نے اپنے شقے میں لکھا تھا کہ اے پہلوانِ زماں، گردن شکنِ سرکشانِ جہاں، تو نے میری پسر خواندگی کی شرم رکھی۔ نفس الامر میں اگر آج رستم و نریمان ہوتے تو حلقۂ اطاعت تیرا اپنے گوش و گردن میں ڈالتے۔ بہمن سکان اور بہمن حزان کو میں نے مع خلعت بھیجا ہے۔ تخت و تاج اور دیگر اثاثۂ شاہی جو تو نے اس گبر سے واپس لیا ہے، ان کے ہاتھ حضور میں روانہ کر کے بہت جلد یہاں حاضر ہو اور میری چشمِ سراپا انتظار کو اپنے نورِ جمال سے منور کر۔ بختک بدذات نے اس شقے کو تو نہ بھیجا اور شقہ اس مضمون کا کہ اے عرب زادے، اس سے پہلے میرا ارادہ تھا کہ تمام عربوں کو قتل کروں، پر تجھ سے یہ کام حسبِ دلخواہ اس وقت بر آیا، لہٰذا میں نے گناہ تیرا معاف کیا، لکھ کر بہمن حزان اور بہمن سکان کے ہاتھ روانہ کیا اور اصل شقہ بادشاہ کا نہ بھیجا۔

راوی لکھتا ہے کہ ایک پہلوان، عادی نامی، ہمیشہ سے قلعۂ تنگ رواحل میں رہتا تھا۔ حشام بن علقمہ خیبری کی خبر سن کر مکان کو اپنے خالی کیا اور آپ اٹھارہ ہزار سوار سے دامنِ کوہ میں چھپ کر بیٹھا، کہ ہرگاہ حشام اس طرف سے نکلے، میں اس کو زیر و زبر کروں، کہ ایک عیار نے اس کو خبر دی کہ حشام بن علقمہ خیبری کو حمزہ نے مارا اور اس کا مال و متاع لیے ہوئے بہ عزمِ مکہ، کہ اس کا وطن ہے، آتا ہے۔ یہ سن کر بولا کہ خیر، ہم بھی اپنا حصہ اس سے لیں گے۔ ہرگاہ قلعۂ تنگ رواحل کے متصل حمزہ وارد ہوئے، عادی نے اپنی فوج میں سے ایک سردار کو یہ پیغام دے کر حمزہ کے پاس بھیجا کہ حشام بن علقمہ میرا صید تھا، میں اس پر تاک لگائے ہوئے بیٹھا تھا، اس کو

آپ نے شکار کیا، میرا ارمان میرے دل میں رہ گیا۔ اب آپ کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ جو کچھ اس کے مال و متاع میں سے آپ کے ہاتھ آیا ہے، نصف مجھ کو دیجیے اور نصف آپ لے کر خیر سے اپنے گھر کو جائیے، نہیں تو آپ کا مال بھی اس کے ساتھ ہتھیاؤں گا۔ امیر یہ پیغام سن کر بہت ہنسے اور اس کے ایلچی پر بہت ہی مہربانی فرمائی اور فرمایا کہ ہماری طرف سے عادی کو دعا کہنا اور کہنا کہ اگر صلح منظور ہے تو ساغرِ مے حاضر ہے، اور اگر جنگ درکار ہے تو یہی گوے ہے، یہی میدان ہے۔ ہر طرح سے میں موجود ہوں۔ پیغامبر حمزہ کے اخلاق پر ایک جان چھوڑ ہزار جان سے عاشق ہو گیا اور عادی سے جا کر جواب اس کے سوال کا دیا اور کہا کہ ہم نے اپنی اس عمر میں ایسا سردار با اخلاق نہیں دیکھا۔ معلوم ہوا کہ یہ اوالوالعزم ہے۔ عجب نہیں ہے کہ ہفت اقلیم میں کوسِ لمن الملک بجاوے۔ معدی کرب دوسرے دن اٹھارہ ہزار سوار کی جمعیت سے کوسِ حرب بجاتا ہوا میدان میں نکلا۔ امیر بھی اپنی فوج لے کر اس سے دوچار ہوئے۔ عمرو نے عادی کو اس دھج سے، کہ اکیس ارش کا قدوقامت ہے اور سر پر خودِ آہنی، اس پر سات پگڑیاں باندھ کر سات شملے چھوڑے ہیں، اور اکیس گز کا دائرہ توند کا ہے، اس پر کمر بند فولادی باندھے، زرہ بکتر، چار آئینہ و دستانے، راگے، موزے، ٹکورے پہنے، سپر پشت پر، تلوار خنجر کٹار ترکش کمر میں، کمان پانچ ٹانک کی کاندھے پر، عمود و نیزہ ہاتھوں میں لیے ہوئے ہے۔ دیکھ کر امیر سے کہا کہ بہت آپ کو اپنے زور کا گھمنڈ تھا، آج معلوم ہوگا۔ امیر نے ہنس کر فرمایا کہ زور دہندہ میرا اس سے زیادہ تر زور آور ہے۔ دیکھ کہ کیا ہوتا ہے۔ امیر نے خالق کو اپنے یاد کر کے اس کے قدوقامت سے مطلق اندیشہ نہ کیا اور مرکب کو اپنے اس کی طرف چھچکارا۔ برابر ہونا تھا کہ ایک تگادر سپر کی ایسی اس کے مرکب کی پیشانی پر ماری کہ چند قدم گھوڑا اس کا پسپا ہو گیا۔ عادی نے جو یہ قوت حمزہ دیکھی، سمجھا کہ حریف زبردست ہے۔ بولا کہ اے جوان، معلوم ہوا کہ تجھ میں بھی کسی قدر زور ہے۔ نام اپنا بتا کہ تجھ سا پہلوان بے نام و نشان میرے ہاتھ سے مارا نہ جائے۔ امیر نے کہا کہ جانتا نہیں ہے کہ بہادروں کا نام قبضۂ شمشیر، گوشۂ کمان، پیکانِ تیر پر منقش رہتا ہے؟ مگر پوچھتا ہے تو سن لے، میرا نام ابوالعلا ہے۔ تیری ضربِ دست کے شوق میں آیا ہوں۔ لا، کیا ضرب رکھتا ہے؟ عادی گرزِ گرانبار تول کر امیر کے سر پر آیا اور بولا کہ اے ابوالعلا، اس کی ضرب سے تو جانبر نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر امیر کے سر پر وہ گرز مارا۔ امیر نے اس کو روک کر کے کہا کہ ہاں، اب دوسری ضرب بھی لگا کہ ارمان دل میں نہ رہے۔ اب کی ضرب سے بچوں گا تو میں بھی ایک ضرب لگاؤں گا۔ اگر جیتا رہا تو ذائقہ اس کا کبھی نہ بھولے گا۔ عادی یہ سخن سن کر غضب میں آیا اور گرز کو اپنے ہاتھ سے پھینک کر شمشیرِ جوہر بار، مانندِ تختۂ دکانِ عطار، میان سے لی اور رکاب سے رکاب ملا کر چاہتا تھا کہ امیر کے سر پر مارے۔ امیر نے قبضہ اس کا پکڑ کے دوسرا ہاتھ اس کے کمر بند پر ڈالا۔ وہ بھی امیر سے زور کرنے لگا۔ عمرو نے قریب آ کر کہا

کہ اے پہلوانو،تم تو آپس میں گاؤ زوریاں کررہے ہو، مرکب بیچارے محض بے زبان ہیں، ان کی کمر کیوں توڑتے ہو؟ اگر زور آزمائی منظور ہے تو زمین پر اتر کے زور کرو۔ بارے حمزہ اور عادی دونوں نے عمرو کی رائے پسند کی۔گھوڑوں سے اترے۔ عادی نے کہا، حمزہ، ہتھیار میں تو ہم تم دونوں برابر رہے ہیں، آؤ جنگ مغربی میں آزمائش کریں۔ جو غالب ہو، مغلوب اس کی اطاعت کرے۔ امیر نے فرمایا کہ میں بہر صورت حاضر ہوں۔ پالتی مار کر چار زانو بیٹھ گئے۔ عادی نے اس قدر زور کیا کہ ہر بن مو سے عرق نکل آیا مگر حمزہ کو جنبش نہ ہوئی۔ بولا کہ حمزہ، مجھ میں جہاں تک زور تھا میں کر چکا، اب تم زور کرو۔ اس کا پالتی مار کے بیٹھنا تھا کہ حمزہ نے پہلے زور میں اس کا لنگر اٹھا کر سر پر چکر دیا۔ پوچھا کہ اب کیا کہتا ہے؟ عادی نے کہا کہ کہوں گا کیا؟ فرمانبردار ہوں۔ امیر نے بہ آہستگیِ تمام اس کو زمین پر رکھ دیا۔ عادی قدم بوس اور کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہوا اور امیر کو مع لشکر قلعۂ تنگ رواحل میں لے جا کر جشنِ شاہانہ ترتیب دیا اور اپنے بھائیوں کی ملازمت کروائی۔ امیر نے ہر ایک کو گلے سے لگایا اور خلعتِ پہلوانی سے سرفراز کیا۔

جب امیر نے جشن سے فراغت پائی، فرمایا کہ لو، خدا حافظ ہے، اب میں اپنے وطن کو جاتا ہوں۔ عادی نے کہا کہ حمزہ، ایسا تو میں بڑ پیٹا ہی نہیں ہوں کہ مجھ کو کھانا نہ دے سکے گا۔ مجھ کو کس واسطے یہاں چھوڑے جاتا ہے؟ ہزار من غلہ اگر میرے واسطے مقرر کر دے گا تو میں اس میں اپنی اوقات بسر کر لوں گا۔ دو وقت نہ کھاؤں گا، ایک ہی وقت کھاؤں گا۔عمرو بولا کہ ماشاء اللہ، نفس الامر میں عادی کرب کی کچھ بھوک نہیں ہے۔ بھلا ایسے کم غذا سے کون منھ موڑے گا! امیر نے ہنس کر عادی سے کہا، یہ کیا بات ہے؟ رزاق اور ہے، مجھ کو تم کو دونوں کو وہی رزق دیتا ہے۔ اگر تم چلو تو میرے سر آنکھوں پر چلو۔ بارے عادی اٹھارہ ہزار سوار سے ہم رکابِ امیر ہوا اور امیر جانبِ مکہ روانہ ہوئے۔

داخل ہونا امیر کا مکہ میں اور پہنچنا نامۂ نوشیرواں کا

راویانِ شیریں زباں و حاکیانِ عذب البیاں بیان کرتے ہیں کہ جب امیر مکہ میں پہنچے، اول زیارت کعبۃ اللہ کی کرکے دوگانہ فتح کا ادا کیا اور عادی سے راہزنی کی توبہ کروائی، بعدازاں اپنے باپ کی قدم بوسی کو چلے۔ خواجہ عبدالمطلب نے جو امیر کے آنے کی خبر سنی، رؤسائے شہر کو ہمراہ لے کر امیر کے استقبال کے واسطے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں باپ بیٹے کی ملاقات ہوئی۔ امیر نے قدم چومے، خواجہ نے امیر کا سر اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور زرِ سرخ وسفید امیر پر سے نثار کیا۔ رؤسائے شہر امیر کو دعا دینے لگے کہ فتاحِ حقیقی ہمیشہ تم کو فتح نصیب رکھے۔ خواجہ امیر کو جب گھر میں لائے اور دیوان خانے میں بیٹھے، امیر نے منظر شاہ یمنی و نعمان بن منظر شاہ و سہیل یمنی و سلطان یمنی و سلطان بخت مغربی و عادی کرب وطوق بن حیران کی ملازمت کروائی اور ہر ایک کی توصیف وتعریف کی۔ خواجہ بہت محظوظ ہوئے اور ہر ایک کے حال پر مہربانی کی۔ ہرگاہ امیر کو معلوم ہوا کہ عادی بیٹا عادیہ بانو کا ہے۔ امیر بہت خوش ہوئے کہ میرا دودھ بھائی ہے۔ اس دن امیر نے عادی کو اپنی فوج کا سپہ سالار اور لشکر کا ہراول اور داروغہ دیوان خانے وفراش خانے ونقار خانے کا کیا۔

عمرو نے حسب الحکم امیر عادی سے پوچھا کہ آپ کے کھانے کے واسطے جس قدر جنس وغیرہ درکار ہو، فرما دیجیے، کہ باورچی خانے کا داروغہ ہر روز پہنچا دیا کرے۔ عادی نے کہا کہ یہ تو گھر ہے، مجھ کو قوتِ لایموت چاہیے۔ عمرو نے کہا کہ آپ ہر چیز کا نام ومقدار کہہ دیجیے تاکہ داروغہ آپ کے باورچی خانے میں پہنچا دیا کرے، گول گول کہنا کیا ضرور ہے۔ عادی نے کہا کہ اچھا بھائی، داروغہ سے کہہ دو کہ صبح کو اکیس اونٹ کی نہاری کھاتا ہوں اور دوپہر کو اکیس ہرن اور اکیس دنبے کے کباب شرابِ انگوری کے اکیس شیشوں کے ساتھ گزک کرتا ہوں، اور اکیس اونٹ اور اسی قدر ہرن اور دنبے اور اسی قدر گاؤ کے گوشت کا قلیہ شب کے کھانے کے واسطے تیار ہوتا ہے، اور اکیس سو من آٹے کی روٹیاں دونوں وقت میں کھاتا ہوں۔ اگر چہ سیری جیسی چاہیے

ویسی نہیں ہوتی ہے، مگر ہاں اگر کبھی دعوت کہیں ہوتی ہے تو اس پر سیر ہو کے کھاتا ہوں۔ امیر نے سن کر فرمایا کہ اس کا المضاعف ہر صبح کو عادی کے باورچی خانے میں داروغہ بھیج دیا کرے۔

کئی روز کے بعد امیر نے سنا کہ نوشیرواں کے ایلچی آتے ہیں۔ خواجہ عبدالمطلب وامیر حمزہ مع سرداران شہر ان کو استقبال کر کے لے آئے۔ امیر حمزہ خلعت دیکھ کر اور شقے کو پڑھ کر چیں بہ جبیں ہوئے۔ خواجہ نے امیر کی آزردگی کا سبب دریافت کر کے کہا کہ بابا جان، یہ بادشاہ ہیں، کبھی سلام سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور کبھی گالی سے خوش ہو کر خلعت دیتے ہیں۔ ناخوش ہونے کا مقام نہیں ہے۔ دوسرے دن جو خوان سالارِ قدرت نے قرصِ خورشید کو گرما گرم تنورِ فلک سے نکالا، خواجہ عبدالمطلب نے نوشیرواں کے ایلچیوں کی دعوت کی اور تمام اکابر و رؤسائے شہر کو بھی اس دعوت میں شریک کیا۔ ایلچیوں نے خواجہ کے نام کا شقہ خواجہ کو دیا۔ اس کے پڑھنے سے حاضرین کو حیرت ہوئی کہ ان ایلچیوں کا عجب نام ہے، یعنی بہمن حزان کے نام میں زے پر جو نقطہ تھا اس کو خائے معجمہ کا نقطہ سمجھ کر خران پڑھا اور تشدید کافِ سکان پر جو کاتب کی غلطی سے نہ تھی، اس کو سگان با کافِ فارسی پڑھا، اور وہ دونوں اسی نام سے مکہ میں مشہور ہوئے۔ راوی لکھتا ہے کہ عمرو شقے کا مضمون سن کر امیر سے بھی زیادہ ناخوش ہوا تھا، چنانچہ جب دسترخوان بچھا، عین مجمعے میں دو خوان کسنوں سے کس کے ان دونوں کے روبرو لایا اور بولا کہ یہ دعوت آپ کی میری طرف سے ہے۔ یہ کہہ کر خوان پوش اتار کے کسنوں کو کھولا۔ جس قاب میں گھاس تھی وہ تو بہمن حزان کے روبرو رکھی اور جس میں مردوں کی ہڈیاں تھیں وہ قاب بہمن سکان کے آگے لگائی۔ جتنے حاضرین تھے، بہ حیرت تمام عمرو سے کہنے لگے کہ یہ کیا حرکت ہے؟ عمرو بولا کہ خر و سگ کے واسطے سوائے اس کے غذائے نفیس کیا ہے؟ چونکہ ان کی ضیافت مجھ پر بھی واجب تھی، لہٰذا میں نے بھی پہلو تہی نہ کی۔ دونوں اپنے دل میں عمرو پر دانت پیس کر رہ گئے۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی، عمرو نے دو کشتیاں خلعت کی لا کر ان کے سامنے رکھیں۔ ایک پر سے کشتی پوش اٹھا کر پالانِ پُرزر نکالا اور پیٹھ پر بہمن حزان کی ڈالا اور دوسرے میں سے ایک جھول زربفت کی نکال کے بہمن سکان کو اڑھائی۔ تب تو ان سے نہ رہا گیا، خنجر نکال کر دونوں عمرو پر دوڑے۔ طوق بن حیران نے خنجر دونوں کے ہاتھوں سے چھین لیے اور گھونسے مار کر ان کی ہڈیاں نرم کیں۔ اسی دم دونوں ایلچی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ امیر نے ایک عرضی بادشاہ کی خدمت میں لکھی کہ جو خدمت و جاں نثاری اس حقیر سے ظہور میں آئی، اس کے صلے میں فدوی ایسے ہی شقہ و خلعت کے سزاوار تھا کہ حضور سے عنایت ہوا۔ چاہیے تھا کہ سرفراز نامہ عنایت ہوتا، کہ عتاب نامہ نازل ہوا، اور عرضی و شقہ و خلعت کو مہتر عقیق کے ہاتھ روانہ کیا۔ ایلچیوں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام احوال اپنی خرابی کا بہ ہزار زارنالی بیان کیا۔ نوشیرواں سن کر نہایت برہم ہوا اور بزرجمہر سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ عرب کمال سرکش

ہیں۔ ایلچیوں کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ بغاوت کا رکھتے ہیں۔ بزرجمہر نے عرض کی کہ جنابِ عالی، حمزہ سا شخص با اخلاق و ذی مروت و صاحب ہمت و فتوت، ادیب و آدم شناس دنیا میں پیدا نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ اگر ایلچیوں کی تقریر سچ ہے تو خالی از علت نہیں ہے۔ بہر حال، معلوم ہو جائے گا۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ مقبل امیر کی عرضی اور خلعت و شقہ جو بادشاہ کی طرف سے امیر کو پہنچا تھا، لے کر حاضر ہوا۔ بادشاہ عرضی کا مضمون اور اپنے شقے کی تحریر اور وہ خلعتِ نالائق کہ بادشاہ اپنے ہلال خور کو بھی نہ دیتا، دیکھ کر بختک پر عتاب کرنے لگا کہ اے مردک، یہ کیا خیانت ہے جو تو نے کی؟ اس دم ہزار تومان زرِ سرخ اس پر جرمانہ کیا اور کئی روز تک دربار میں آنے نہ پایا۔ اور امیر کو معذرت نامہ اپنے ہاتھ سے لکھا کہ وہ شقہ و خلعت جو تم کو پہنچا تھا، وہ بختک نے بدذاتی سے بدل کر بھیجا تھا۔ لازمہ سعادت مندی کا یہی ہے کہ ہماری طرف سے غبار اپنے آئینۂ دل پر بیٹھنے نہ دو گے، اور اسی واسطے یہ شقہ و خلعت خواجہ بزرگ امید خلف رشید خواجہ بزرجمہر کے ہمراہ بھیجا جاتا ہے کہ بختک کو کسی عنوان بدذاتی کرنے کا دسترس نہ ہو۔ چاہیے کہ بہ اتفاقِ خواجہ بزرگ امید، تم بھی حضور میں حاضر ہو کر تخت و تاج اپنے ہاتھوں سے حضور میں گذرانو۔ شقہ اور خلعتِ شاہانہ اگلے خلعت سے گرانمایہ تر خواجہ بزرجمہر کو دے کے فرمایا کہ بزرگ امید کے ساتھ امیر حمزہ کے پاس روانہ کرو۔

خواجہ بزرجمہر نے گھر میں آ کر بہ ساعتِ سعید ایک عَلَم اژدہا پیکر طلسم کا ایسا بنایا کہ جب ہوا منھ کی راہ اس کے پیٹ میں جاتی، تین مرتبہ آواز یا صاحبقراں! کی متواتر اس میں سے آتی اور ہر دوست و دشمن کے کان میں پہنچتی، اور خوشبو سے تمام لشکر کا دماغ معطر ہوتا، اور جب حریف اس کو دیکھتا امیر کے لشکر کے رعب اس پر چھا جاتا۔ اور اس عَلَم کے ساتھ ایک بارگاہ حضرت دانیال پیغمبرؑ کی بھی حمزہ کے واسطے بھیجی اور چار سو چوالیس پارۂ یراق کسبتِ عیاری میں رکھ کر عمرو کے لیے بزرگ امید کو تفویض کر کے فرمایا کہ یہ ہماری طرف سے عمرو کو دینا۔ اور لباس عیاری پہننے کی ترکیب بزرگ امید کو تعلیم کر کے کہا کہ اس طرح عمرو کو اپنے ہاتھ سے پنھا دینا۔ یہ سمجھا کر ایک دستہ سواروں کا ساتھ کر کے روانہ کیا۔ جب چار کوس مکہ باقی رہا، خواجہ بزرگ امید نے مقام کیا۔ قضا کار، اس دن عمرو بالا دوی کو اس طرف گیا تھا۔ بزرگ امید نے قیافے سے پہچانا کہ ہو نہ ہو، یہ عمرو ہے۔ نزدیک بلا کر گلے سے لگایا اور کہا کہ ہم تم دونوں بھائی ہیں۔ والد نے تمھارے واسطے ایک دست لباسِ عیاری بھیجا ہے۔ لباس عربی کو اتارو کہ اسے پنھاویں۔ عمرو نے جو لباس اپنا اتارا، بزرگ امید نے اس لباس کو اپنے آدمیوں کے حوالے کیا اور ایک ساعت کامل عمرو کو ننگا رکھا اور کہا کہ پھر کبھی طمعِ خام سے ننگا مت ہونا۔ اب یہی لباسِ عریانی پہن اور رضائے حق پر راضی رہ۔ تب تو عمرو بہت گھبرایا۔ زار زار رونے اور منتیں کرنے لگا کہ لباس میرا مجھ کو عنایت کرو، ہمیشہ تمھارا ممنون و دعا گو رہوں گا۔ بزرگ امید نے ہنس کر کہا کہ اے بابائے دوندگانِ

عالم، بہت لوگوں کو تو عریاں و پریشان کرے گا، اس لیے میں نے تجھ کو اس دم برہنہ کیا۔ عمرو بولا کہ میں حضرت کا شاگرد ہوا۔ بزرگ امید نے بقچہ توشک خانے سے منگا کر اول تنبان بے میانی کا عمرو کو پہنایا۔ جونہی اس کو اوپر کھینچا، ستر عمرو کا لٹکنے لگا۔ عمرو نے کہا، بابا جان بھی کمال بخیل ہیں کہ بالشت بھر کی میانی تنبان میں نہ دی۔ بزرگ امید نے آفت بند نکالا۔ عمرو دیکھے تو ایک تھیلی سی مخمل کی ہے، اس پر سات رنگ کے ریشم سے گل اور بوٹے بنائے ہیں اور اس کے ڈورے میں ایک تکمہ لعل کا نصب کیا ہے۔ بزرگ امید نے ستر عمرو کا اس میں رکھ کے لنگوٹ کی طرح سے کھینچ کر کہا کہ اس کو آفت بند کہتے ہیں۔ اس سے ایک تو دوڑنے، پھلانگ چھلانگ مارنے میں خصیوں کو زحمت نہ پہنچے گی، اور دوسرے پانی میں تیرنے کے وقت تنبان کے بند کھولنے کی حاجت نہ ہوگی۔ عمرو بولا کہ رحمت ہے والد کو! میرے واسطے خلعت بھیجا تو میرے ستر کو بھی مخلع کیا۔ بزرگ امید نے دو پیراہن عمرو کو پہنائے، ایک تو حریر کا اور دوسرا کتان کا، اور فرمایا کہ ایک بدن کے آرام کے واسطے ہے کہ نرم ہے، اور دوسرا اعتدالِ ہوا کے لیے ہے۔ اس پر قنطورۂ زربفتی پہنائے۔ نیم تاجِ مرصع کو، جس پر ایک طوطا زمرد کا مجوّف پر از مشک و عنبر، برائے تفریحِ دماغ، اور جیغۂ کلغی واطاقۂ جواہر نگار نصب تھا، عمرو کے سر پر رکھا، اور آہوے خطائی کے پوست کا آفتاب گیر آفتاب کی تمازت دفع کرنے کو پیشانی پر لگایا، اور ایک فلاخن، کہ جس پر سات رنگ کا ریشم لپٹا ہوا تھا، اور لچھہ ہاے کمند، کہ جن کے ہر حلقے میں گرہیں زمرد و یاقوت کی تھیں، اور پانچ خنجر مرصع دستوں کے اور چوالیس زنگولے عمرو کی کمر میں باندھے۔ بارہ مقام، اٹھائیس گوشے، چھ آوازے، چوبیس شعبے، چھ بیتاوے اور عملی ڈاڑھی کے باندھنے کی ترکیب تعلیم کرکے، کیسۂ قارورۂ نفط کمر میں رکھا۔ اور قدرے سینبھل کی روئی دوائیوں کے ساتھ شراب میں بھگو کر سکھائی ہوئی، کہ جب اس کو پانی میں بھگو دیجیے تو پانی شراب ہو جاوے، اور حقہ موم روغن کا اور عطردان پر از عطرِ فتنہ، تریاق کی ڈبیا، مگس ران دم طاؤس کا، مشکیزہ پانی کا، تلوار جوہردار صاعقہ بار، گردۂ سپر، ترکش، کمان، قرولیاں، چادرِ عیاری، مشبک مثلِ دامِ ماہی، کہ جس کو اس میں باندھے اس کا دم خفا نہ ہووے، جفت پاپوش روئی سے زیادہ نرم، خاک انداز سقرلاتی اس پر نصب کیا ہوا، دو مہرے ریشم میں گندھے ہوئے رانوں میں باندھنے کے لیے، کہ اگر ہزار کوس کی دوڑ مارے تو پاؤں نہ تھکیں، اسی طرح سے چار سو چوالیس پارۂ یراقِ عیاری، ساختۂ بزرجمہر، سراپا عمرو کے بدن میں پہنائے اور لگائے۔ عمرو بزرگ امید سے رخصت ہو کر اسی طرح سے امیر کی خدمت میں گیا اور کہا کہ نوشیرواں نے آپ کی عرضی کے جواب میں ایک معذرت نامہ مع خلعتِ فاخرہ خواجہ بزرجمہر کے بیٹے کے ہاتھ، کہ ان کا خواجہ بزرگ امید نام ہے، بھیجا ہے، اور وہ شہر سے دو کوس کے فاصلے پر فرودکش ہوئے ہیں۔ اور خواجہ بزرجمہر نے بھی ایک علمِ اژدہا پیکر اور خیمۂ دانیالی آپ کے واسطے بھیجا ہے، اور ایک دست لباس مع چار سو چوالیس پارۂ یراق

عیاری، کہ اس وقت میں پہنے اور لگائے ہوئے ہوں، مجھ کو عنایت فرمایا ہے۔ امیر یہ مژدہ سن کر بہت خوش ہوئے اور مع رفقا و سپاہ، بہ تزک تمام سوار ہو کر خواجہ بزرگ امید کے استقبال کے واسطے گئے۔ بزرگ امید بہ تعظیم بزرگانہ امیر سے پیش آیا اور نوشیرواں کا معذرت نامہ ملاحظے سے گذرانا۔ خلعت اور جو نوشیرواں نے امیر کے لیے بھیجا تھا، پیشکش کیا۔ امیر شقۂ شاہی کو پڑھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ اس کے بعد بزرگ امید نے علم اژدہا پیکر و خیمۂ دانیالی امیر کی خدمت میں گذران کر بہ ادب تمام التماس کیا کہ والد نے آپ کو دعا کہی ہے اور یہ تحفہ آپ کے لیے بھیجا ہے۔ امیر اس کو لے کر کمال شاد اور شکر گذار خواجہ کے ہوئے۔ علم طوق بن حیران اور خیمہ عادی کو تفویض کیا اور بزرگ امید کو شہر میں لے جا کر خواجہ عبدالمطلب اور رؤسائے شہر سے ملاقات کروائی، اور کتنے دنوں تک بزرگ امید کے لیے جشن ترتیب دیا۔

ایک دن بزرگ امید نے امیر سے کہا کہ بادشاہ آپ کے منتظر ہوں گے۔ اولیٰ یہ ہے کہ اب آپ مدائن کی طرف کوچ فرمائیں۔ امیر اسی دم، مع خواجہ، کعبے کی زیارت کو گئے اور بعد زیارت خواجہ عبدالمطلب سے رخصت ہو کر، مع منظر شاہ یمنی و نعمان بن منظر شاہ و سہیل یمنی و سلطان بخت مغربی و عادی کرب و طوق بن حیران، تیس ہزار سوارِ خونخوار دشمن کش کی جمعیت سے، مدائن کی طرف راہی ہوئے۔ ہر روز منزل بہ منزل، کوچ بہ کوچ، نیا دانہ نیا پانی کھاتے پیتے، بحر و بر کی سیر فرماتے چلے جاتے تھے کہ ایک دوراہا ملا۔ امیر نے خواجہ بزرگ امید سے پوچھا کہ چونکہ آپ اسی طرف سے تشریف لے گئے تھے، آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ راہیں کس طرف کو گئی ہیں۔ بزرگ امید نے کہا کہ دونوں راہیں مدائن کی ہیں۔ ایک راہ بے خطر و خوف ہے، مگر مسافت زیادہ ہے، چھ مہینے میں پہنچتے ہیں۔ اور دوسری راہ سے بہت جلد مدائن میں داخل ہوتے ہیں، لیکن پانچ برس سے یہ راہ بند ہے کہ اس راہ میں بیشۂ فیض ملتا ہے۔ اس بیشے میں ایک شیر ببر کسی طرف سے آ کر رہا ہے۔ آدمی کی بو پا کر نیستان سے نکل کر راہی بیچارے کو مار ڈالتا ہے، اس واسطے اس راہ سے کوئی نہیں جاتا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ وہ موذی خلق اللہ کو ایذا دیتا ہے۔ مجھ کو اسے مارنا واجب ہوا۔ یہ کہہ کر تنہا آپ، مع پیکِ خنجر گذار یعنی خواجہ عمرو عیار، اس راہِ خطرناک سے مدائن کی طرف روانہ ہوئے، اور لشکر کو مع رفقا اس راہ سے کہ بے خوف و خطر تھی، خواجہ بزرگ امید کے ساتھ رخصت کر کے فرمایا کہ دو اسپہ چلے جانا۔ ہر چند کہ منظر شاہ وغیرہ نے ہمرکابی کی استدعا کی لیکن امیر نے نہ مانا۔

دوسرے دن تیسرے پہر کو بیشۂ فیض میں ایک نیستان کے متصل پہنچے۔ ہوا فرحت انگیز دیکھ کر گھوڑے سے اتر پڑے۔ ایک چشمہ ہم چشمِ چشمۂ حیواں دیکھا۔ اس کے کنارے پر زین پوش بچھا کر بیٹھ گئے اور عمرو مرکب کو چرانے لگا، کہ دفعتاً نیستان میں کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوئی اور ایک شیر اس میں سے نکلا۔ عمرو نے تمام عمر مٹی کا ہی شیر

نہ دیکھا تھا، جونہی شیر کو دیکھا، خوف سے گھوڑے کو چھوڑ کر ایک درخت عظیم الشان پر چڑھ گیا اور امیر کو پکارنے لگا کہ حمزہ، ایک شیر بڑا ہی لمبا چوڑا نیستان سے نکلا ہے اور تیری طرف کو چلا آتا ہے۔ خدا کے واسطے چشمے پر سے بھاگ، جلد کسی درخت پر چڑھ جا۔ امیر عمرو کی یہ بات سن کر بہت ہنسے اور کہا کہ او دزدِ مکار، دیوانہ ہوا ہے؟ میں خود اس کے مارنے کو اس راہ سے آیا ہوں، اور تو مجھے اس سے ڈرا کر بھگاتا ہے! یہ کہہ کر شیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ دیکھا کہ واقعی شیر بڑا ہی طویل القامت ہے، سر سے دم تک چالیس ہاتھ ہوگا۔ امیر نے شیر کو للکارا کہ او گیدڑ، کدھر جاتا ہے؟ میں تیرا حریف آن پہنچا۔ شیر نے امیر پر جست کی۔ امیر نے بدن چرا کر اس کا حربہ خالی دے کے ایک نعرہ اللہ اکبر کا اس زور سے کیا کہ تمام نیستان گونج اٹھا، اور شیر کے پچھلے پاؤں پکڑ کے ایسا جھٹکا مارا کہ گرّیا شیر کی ٹوٹ گئی۔ دو پہر میں شیر چنگھاڑیں مار مار کر مر گیا۔ عمرو نے امیر کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ صبح کو عمرو نے شیر کی کھال کھینچ کر صاف کی اور اس میں بھس بھر کر جنگل سے لکڑیاں توڑ لایا اور ایک عرابہ بنایا، اس پر اس شیر کو اس طرح سے بٹھایا کہ جو کوئی دیکھے، اس کو شیر زندہ کا یقین ہو، اور امیر کے ساتھ ہوا۔ امیر بہ لحاظ اس کے کہ لشکر بہت دنوں میں مدائن پہنچے گا، جہاں کہیں مرغزار اور مقام خوش فضا ہوا دار پاتے مقام کرتے اور شکار کھیلتے۔ اس سبب سے امیر اور خواجہ بزرگ امید برابر مدائن میں پہنچے۔ امیر تو اپنے لشکر میں گئے اور عمرو نے ایک ٹیکرے کے نکڑ پر قلعے کی دیوار کے نیچے واقع تھ، اس طرح سے اس بھس بھرے شیر کو بٹھایا کہ دیکھنے والوں نے شیر زندہ جانا، چنانچہ دوسرے دن جب دروازہ شہر کا کھلا، گھسیارے اس ٹیکرے کی طرف آتے تھے، ناگہاں ان میں سے ایک کی نگاہ شیر پر جا پڑی۔ چیخ مار کر بیہوش ہوگیا۔ ساتھی اس کے ادھر اُدھر دیکھنے لگے کہ اس نے کیا چیز ایسی مہیب دیکھی کہ چیخ مار کر بیہوش ہوگیا۔ دیکھتے دیکھتے شیر سے جو چار آنکھیں ہوئیں، سب کے سب شیر شیر کہہ کر شہر کی طرف بھاگے۔ شہر میں ہلچل پڑ گئی کہ ایک شیر بڑے قد و قامت کا ٹیکرے پر بیٹھا ہے۔ ایک زمانہ تلے اوپر ہوگیا کہ دیکھا چاہیے، اگر خدا نکردہ شہر کی طرف شیر نے رخ کیا تو سیکڑوں کا خون پیے گا۔ یہ خبر بادشاہ نے جو سنی، قلعے کے شاہ برج پر تشریف لے گئے۔ دیکھا تو واقعی ٹیکرے کے نکڑ پر ایک شیر بیٹھا ہوا ہے اور جو کوئی اس کو دیکھتا ہے، تھرا جاتا ہے۔ اتفاقاً مقبل اپنے خیمے سے، کہ شہر کے باہر استادہ تھا، بادشاہ کی ملاقات کے واسطے جاتا تھا۔ جب ٹیکرے کے قریب پہنچا تو شیر دکھائی دیا۔ ترکش سے تیر نکال کر کمان میں جوڑا اور اس کی طرف چلا۔ قریب پہنچ کر غور سے دیکھا تو شیر میں حس و حرکت نہ پائی۔ سوچا کہ ایسا شعبدہ سوائے عمرو کے دوسرے کو سوچنا دشوار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امیر شیر کی رہزنی سن کر بیشۂ فیض کی طرف سے تشریف لائے ہیں اور شیر کو مارا ہے، عمرو نے اس کی کھال میں بھس بھر کر لوگوں کے ڈرانے کے لیے اس ٹیکرے پر قائم کیا ہے۔ بادشاہ سے اپنا عندیہ بیان کیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر تین صندوق اشرفیوں کے مقبل

کو عطا کیے اور فرمایا کہ دیکھو تو، امیر کہاں فرودکش ہوئے؟ دریافت کر کے ہم کو بہت جلد خبر دو۔ مقبل بادشاہ سے رخصت ہو کر قلعے سے باہر نکلا اور بیشۂ فیض کے میہانے کی طرف چلا۔

اتفاقاً عمرو امیر کو لشکر میں پہنچا کر شہر کی طرف آتا تھا۔ دور سے دیکھا کہ ایک جماعت قلعے سے باہر نکلی اور بیشۂ فیض کی طرف راہی ہوئی۔ عمرو نے اس کا تعاقب کیا، متصل جا کر دیکھا کہ مقبل وفادار ہے۔ مقبل عمرو کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہ امیر کہاں ہیں؟ عمرو کو نیک بد معلوم ہوا کہ نہ تو مجھ سے سلام علیک کی اور نہ گھوڑے سے اتر کے بغلگیر ہوا۔ مقبل سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ سن تو او روسیاہ، تجھ کو امیر نے بادشاہ کے حضور میں حاضر رہنے کو بھیجا ہے کہ سیر کرنے کو؟ مقبل نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ امیر تشریف لائے ہیں، ان کی ملازمت کے واسطے جاتا ہوں۔ عمرو بولا کہ تو نے بہت برا کیا۔ مقبل نے کہا، عمرو، تو کیا دیوانہ ہو گیا ہے کہ مجھ سے برابری کرتا ہے؟ عمرو تو بہانہ ہی ڈھونڈتا تھا، جھنجھلا کر بولا کہ او کاکا زادے، تجھ کو بھی یہ حوصلہ ہوا کہ مجھ سے ایسی گفتگو کرتا ہے؟ نوشیرواں نے تین صندوق اشرفیوں کے کیا دیے کہ خواجہ بن گیا! یہ کہہ کے فوراً اپنے نیم تاج سے فلاخن کو کھولا، اور ایک سنگ تراشیدہ و خراشیدہ، آفتاب دیدہ، مہتاب خوردہ، رودخانے کے پانی سے پرورش پایا ہوا، کیسۂ عیاری سے نکال کر فلاخن میں رکھا اور چرخ دے کر نشانہ تاک کے جو مارا، مقبل کی پیشانی سے خون کا فوارہ چھوٹنے لگا۔ مقبل اس صورت سے امیر کے سامنے آ کر گریہ وزاری کرنے لگا۔ امیر یہ سمجھ کر کہ شاید اہلِ مدائن نے اس کو خون میں نہلایا ہے، چیں بہ جبیں ہوئے، کہ مقبل نے شکوہ عمرو کا کیا۔ امیر نے عمرو کو بلا کر کہا، یہ کیا حرکت ہے؟ عمرو نے عرض کی کہ یہ وہی مثل ہے، تنہا پیشِ قاضی روی، راضی آئی۔ مجھ سے بھی سن لیجیے، تب الزام دیجیے۔ فرمایا کہ کہہ کیا کہتا ہے۔ عمرو بولا کہ قبلۂ حاجات، انسان غیر سے امید رکھتا ہے نہ کہ ساتھی سے۔ ایک مدت کے بعد مجھ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ نہ تو مجھ سے سلام علیک کی کہ علامت اسلام کی ہے، اور نہ گھوڑے سے اتر کے بغل گیر ہوئے کہ نشانی محبت کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ میں اور یہ ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، آپ کے روبرو ہم دونوں برابر ہیں، ایک دوسرے کو فوق نہیں ہے۔ میں تو اس کی ملاقات کے لیے کھڑا ہوا اور یہ بہ تبخترِ تمام گھوڑے کی باگ روک کر مجھ سے آپ کو پوچھنے لگا۔ میں نے اختلاطاً کہا کہ او روسیاہ، تجھ کو امیر نے بادشاہ کے حضور میں حاضر رہنے کو بھیجا ہے کہ سیر کرنے کو؟ بہت برا کرتا ہے کہ سیر کرتا پھرتا ہے۔ ابتدا بساکن مجھ سے کہتا ہے کہ تو میری برابری کرتا ہے۔ اب جنابِ عالی انصاف کریں، سوائے اس کے کہ حضور کی بدولت اس کو خدا نے یہ دن دکھلائے کہ خلعتِ مرصع نوشیرواں کا دیا ہوا پہنے ہے اور تین صندوق اشرفیوں کے اس کو ملے ہیں، اور کس بات میں اس کو مجھ پر فوق ہے؟ سچ کسی نے کہا ہے کہ خدا کم ظرف کو مقدور اور گنجے کو ناخن نہ دے۔ امیر نے عمرو کی تقریر سن کر مقبل سے فرمایا کہ سچ ہے، اس مقدمے میں قصور تیرا ہے، کہ تو نے

عمرو سے آپ کو کھینچا۔ جاؤ، آپس میں مل جاؤ۔ مقبل تو ملنے کو موجود ہوا لیکن عمرو نے انکار کیا اور کہا کہ صاحب، یہ صاحبِ مال و منال ہیں، میں بیچارہ عیارِ بے اعتبار۔ مجھ کو ان سے کیا مناسبت ہے؟ مقبل نے دیکھا کہ عمرو صفائی نہیں کرتا، ایک صندوق اشرفیوں کا عمرو کو دیا اور کہا کہ لے بھائی، اب تو میرا گناہ معاف کر۔ عمرو تو لالچی بندہ ہے، اشرفیاں لے کر مقبل سے مل گیا۔

دوسرے دن خواجہ بزرگ امید بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام سرگذشت اپنے جانے اور امیر کے آنے کی بیان کی۔ بادشاہ بہت خوش ہوئے اور حسبِ شورۂ بزرجمہر دوسرے دن، مع ارکینِ دولت، امیر کے استقبال کے واسطے چلنے کا ارادہ کیا۔ ساسانیوں نے بختک کے ورغلانے سے غل مچایا کہ یہ کیا ظلم ہے کہ بادشاہِ ہفت کشور ایک عرب زادے کا استقبال کرے۔ خواجہ بزرجمہر نے جواب دیا کہ سوائے اس کے کہ حمزہ بادشاہ کا پسرخواندہ ہے، حمزہ نے تم پر کیسا احسان کیا ہے کہ تم لوگوں کو مع اہل و عیال غنیم کے پنجے سے چھڑا کے خلعت و سواری و زادِ راہ دے کر آزاد کیا۔ معلوم ہوا کہ تم لوگ سخت بے شرم و احسان فراموش ہو۔ بارے وہ غو غو پشتو موقوف ہوئی۔ بادشاہ چار ہاتھی کے تخت پر سوار ہو کر بہ تزکِ شاہی امیر کو پیشوا لینے چلے۔ دو کوس سواری گئی ہوگی کہ سامنے سے گردِ سیاہ پیدا ہوئی۔ جب مقراضِ باد نے گریبانِ گرد کو چاک کیا، تیس نشان تیس ہزار سوار کے نمودار ہوئے۔ پیچھے اس کے امیر علمِ اژدہا پیکر کے سائے کے نیچے، سیاہ قیطاس پر سوار، دستِ راست کو شاہانِ نامدار اور دستِ چپ کو پہلوانانِ ذی وقار، دکھائی دیے، اور جلو میں امیر کی بابائے دوندگانِ عالم، افسرِ سرہنگانِ روزگار، شاہِ عیارانِ خنجر گذار، خواجہ عمرو عیار نیم تاج زری کا سر پر رکھے، قنطورۂ زربفتی پیتادۂ سقرلاتی، گو پھنِ عیاری، حیلہ ہائے ناقہ سے آراستہ، نیچہ آبِ برق کا بجھایا ہوا ڈاب میں، خنجرِ جوہر بار کمر میں، کمان ترکش کا نیفے سے لگائے، حلقہ ہائے لچھۂ کمند اور جالِ حریف کی جان کا جنجال ہاتھوں میں لیے، چھ آوازے، بارہ مقام، چوبیس شعبے، اٹھائیس گوشے دہن سے ادا کرتا، گرداگرد شاگردوں کو لیے ہوئے، چلا آتا تھا۔

بادشاہ نے امیر کو دیکھا تو پندرہ سولہ برس کا سن و سال، سبزہ خط کا نمودار ہے، خورشیدِ فلک اس کے حسن کے آگے ایک ذرۂ بے مقدار ہے، شجاعت و فتوت و ہمت و مروت پیشانی سے آشکار ہے، سلاح نبیوں کے بدن سے لگائے ہوئے، عجب شان و شوکت سے مرکب سیاہ قیطاس پر سوار ہے کہ چشمِ فلک نے اس سج دھج کا جوان پردۂ زمین پر دوسرا نہ دیکھا ہوگا۔ نوشیرواں کی آنکھیں گویا مثلِ چشمِ زرہ امیر کے سراپا میں لگ گئیں اور جتنے پہلوان قوی ہیکل، زبردست بازو بادشاہ کے ہمراہ تھے، سبھوں نے اپنے دعوے کو باطل سمجھا۔ امیر بادشاہ کا تخت دیکھتے ہی مرکب سے کود پڑے اور پایۂ تخت کو بوسہ دیا اور تختِ کیخسروی کو، جسے حشامِ جہنمی لے گیا تھا، اپنے سر پر رکھ کر مع تاج و جلوسِ شاہی بادشاہ کو نذر دیا۔ اور امیر کے تخت سر پر اٹھانے کا سبب یہ تھا کہ جب

کیخسرو نے توران کو مسخر کر کے ایران پر قبضہ کیا، رستم بن زال اس تخت کو اپنے سر پر اٹھا کے تیس قدم بادشاہ کی تعظیم کو گیا تھا، اس لیے امیر نے بھی یہ نوشیرواں کی توقیر کی کہ تخت کو سر پر اٹھا کے چالیس قدم گئے، گویا جتا یا کہ رستم سے میں دس حصے زیادہ زور آور ہوں۔ نوشیرواں اس حرکت سے امیر کی نہایت خوش ہوا اور اشارہ کیا کہ تخت کو جلد امیر کے سر پر سے اتار لو، اور آپ تخت پر سے اتر کر امیر کی طرف چلا۔ امیر دوڑ کے قدم بوس ہوئے۔ نوشیرواں نے دونوں بازو امیر کے پکڑ کر مانندِ جان گلے سے لگا لیا اور اسی دم ہرمز و فرامرز اپنے دونوں بیٹوں کو امیر سے بغلگیر کروایا اور سب سرداروں سے ملوایا۔

داخل ہونا امیر کا شہرِ مدائن میں اور بیٹھنا دنگلِ رستم پر

راویان بزم افروزِ سخن و مقرران فسانۂ کہن اس طرح سے تقریر کرتے ہیں کہ دوسرے دن خواجہ بزرجمہر نے سردربار بادشاہ سے عمرو کی ملازمت کروائی اور تمام جوہر عمرو کے بادشاہ سے عرض کیے۔ بادشاہ نے بہ کمال شفقت و مہربانی پاؤں عمرو کی طرف پھیلائے کہ بوسہ لیوے اور دستِ مبارک کو زانو پر رکھا۔ عمرو نے بادشاہ کے قدم چومے اور ہاتھ کو آنکھوں سے لگایا اور بہ چالاکی تمام بادشاہ کی انگلی سے انگوٹھی اس سبک دستی سے اتار لی کہ بادشاہ تک کو خبر نہ ہوئی۔ بعد ملازمت شاہ اور سرداروں سے ملنے لگا۔ جب خواجہ ؒ رازالدین بختک سے نوبت ملنے کی آئی، چپکے سے وہ انگوٹھی اس کی جیب میں ڈال دی۔ اسی وقت بادشاہ گھوڑے پر سوار ہو کر عناں بہ عناں صاحبقراں کے مدائن کی طرف چلے۔ عمرو اپنے عیاروں کو لے کر بادشاہ کے جلو میں پھلانگیں چھلانگیں مارتا، خوش فعلیاں کرتا چلا۔ عمرو کی اس حرکت سے مہتر آتش، کہ نوشیرواں کے عیاروں کا مہتر تھا، جل بھن کر کباب ہوگیا۔ پکار کے عمرو سے کہنے لگا کہ او لڑکے، کے آمدی و کے پیر شدی! یہ مقام تیرے چلنے کا نہیں ہے، میرے چلنے کا ہے۔ اپنے قاعدے سے چل۔ بادشاہ کی جلو میں تیرا کیا کام ہے؟ عمرو بولا کہ اول تو میری نسبت تم بوڑھے ہو اور میں جوان ہوں۔ دوم آگے تم اکیلے تھے، اب دوسرا میں پہنچا۔ مثل مشہور ہے کہ آب آمد و تیمم برخاست۔ میرے آگے تم کو پیش قدمی کرنا زیبا نہیں ہے۔ مہتر آتش عمرو کی یہ گفتگو سن کر آگ ہوگیا۔ لگا نرم گرم کہنے۔ بادشاہ اور امیر نے یہ تقریر دونوں کی سنی۔ بادشاہ نے مہتر آتش سے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟ اس نے بیان کیا کہ خانہ زاد قدیم سے اردوے شاہی کے عیاروں کا مہتر ہے، اور یہ عیار بچہ نورسیدہ مجھ کو حضور کی جلو میں چلنے نہیں دیتا۔ نوشیرواں نے عمرو کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو کیا کہتا ہے؟ عمرو نے عرض کی، قبلۂ عالم، عیاری فقط باتوں سے علاقہ نہیں رکھتی ہے، متعلق بہ کسب و ہنر ہے۔ اس پیشے میں بڑا فن دوندگی کا ہے۔ اگر آتش کو اس کا امتحان منظور ہے تو یہی گوے ہے، یہی میدان ہے، دیر نہ کرے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ عمرو، یہ

بات تو تو نے بہت اچھی کہی۔ یہاں سے شہر کا دروازہ دو فرسنگ ہے۔تم دونوں ایک ایک تیر لے کر دوڑو۔تم میں سے جو پہلے دربان کو تیر دے آئے، وہ دوسرے پر سبقت لے جائے۔ دونوں نے قبول کیا۔ بادشاہ کے حکم سے دونوں کو ایک ایک تیر ملا۔ دونوں لیس ہو کر دست بہ دست، کتف بہ کتف، شررآسا گرمِ رفتار ہوئے۔ تھوڑی دور سواری سے بڑھ کر عمرو عمداً پیچھے رہ گیا اور آتش آدھا کوس آگے بڑھ گیا۔ دیکھنے والوں نے کہا کہ عمرو نے ناحق اپنا وقر و اعتبار شرط بد کر کھویا، آخر مہتر آتش عمرو سے آگے نکل گیا۔ عمرو نے یہ تقریر سن کے اپنی پاپوش کے پاشانے راست کیے۔ نزدیک تھا کہ آتش باب الشہر تک پہنچے، بابائے دوندگاں نے معلق زناں آتش کے متصل جست کر کے ایک دولتی ایسی آتش کی گردن کو گانٹھ کر اس کے شانوں میں لگائی کہ آتش چاروں شانے چت ہو کر تمام گرم روی اپنی بھول گیا۔ سر نے جو پتھر سے ٹھوکر کھائی، ایک کرچ کھوپڑی کی اڑگئی، سراپا دریائے خوں میں ڈوب گیا۔ عمرو نے نیم تاجِ عیاری اس کے سر سے لے کے تیر دربان کو دے کر کہا کہ مجھ کو پہچان رکھ، میرا نام عمرو عیار ہے۔ جھوٹوں کو گھر تک پہنچاتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ لے دے کر کہے کہ پہلے تیر آتش نے دیا ہے۔ بچہ! اگر جھوٹ بولو گے تو عیاری کے پولوں سے یہ ڈاڑھی تمھاری جلادوں گا۔ خبر دار! خبر دار! لالچ کو کام نہ کرنا، راست راست بادشاہ سے کہنا۔ دربان آپ ہی کو گھبرایا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ عمرو پچھلے پاؤں وہاں سے روانہ ہو کر بادشاہ کی خدمت میں جا دھمکا اور رکاب کو بوسہ دے کر مہتر آتش کا نیم تاج دکھلایا۔ بادشاہ اس کی چالاکی پر بہت ہنسے اور آتش خجالت سے بادشاہ کے حضور میں حاضر نہ ہو کر سر پکڑے اپنے گھر کو گیا۔

جب سواری بادشاہ کی شہر کے دروازے پر پہنچی، فرمایا کہ لشکر صاحبقراں کا تلِ شادکام پر اترے۔ واضح ہو کہ قلعے کے باہر ایک دریا موجزن ہے۔ اس کے کنارے پر ایک میدانِ پرفضا، اس کا تلِ شادکام نام ہے۔ صاحبقراں کا خیمہ تلِ شادکام پر ایستادہ ہو گیا اور سواروں نے اپنی اپنی مثل موقعے سے لگائی۔ مکرر صاحبقراں بادشاہ کے ہمراہ قلعے میں داخل ہوئے۔ قلعے کو آراستہ اور شہر کے کوچے کوچے کو پیراستہ دیکھا۔ صاحبقراں کے دیکھنے کو تمام شہر امڈ اٹھا۔ ہر کہ و مہ کے گھر میں عید تھی، کیونکہ صاحبقراں نے ان لوگوں کو قید سے چھڑا کر بہ سلوکِ تمام آزاد کیا تھا۔ جو دیکھتا تھا وہ امیر کو دعا دیتا تھا کہ خداوند کریم اس جوان کے بخت کو ہمیشہ جوان رکھے۔ الحاصل، صاحبقراں بادشاہِ ہفت کشور کے ساتھ بارگاہِ جمشیدی میں داخل ہوئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ امرایانِ اسلام تخت کے داہنی طرف بیٹھیں۔ سب سے پہلے عمرو ایک چوکی پر تکیہ لگا کے بیٹھ گیا۔ صاحبقراں سے بادشاہ نے کہا کہ تم کو اختیار ہے، جہاں جی چاہے وہاں بیٹھو کہ تمھارا گھر ہے۔ امیر نے اپنے دل میں کہا کہ ایسی جگہ بیٹھیے کہ کوئی دعویٰ ہمسری کا نہ کرے۔ مثل مشہور ہے، گربہ راکشتن روزِ اول۔ بادشاہ کے تخت کے برابر ایک صندلی جواہر نگار بچھی ہوئی تھی اور وہ نشست گاہ رستم کی مشہور تھی۔ امیر اسی پر بیٹھے۔ جس دم صاحبقراں نے اس کا

غاشیہ اٹھا کر قدم رکھا، ساسانیوں کے دل پر پیکانِ الم بیٹھا۔ دل میں کہا کہ آج کا دن تکرار کا نہیں ہے، کل سمجھ لیں گے۔ بادشاہ نے کئی خوان زرِ سرخ کے منگا کر صاحبقراں کے سر پر نثار کیے۔ صاحبقراں نے بھی جو تحائف کہ اپنے ساتھ لائے تھے، بادشاہ کی خدمت میں گذرانے۔ جوانانِ پری پیکر، خوش لباس، شیریں کام بادشاہ کے اشارے سے جام ہائے شربت لائے۔ پہلے صاحبقراں کو پلایا، بعد ازاں اور سرداروں کو دست بہ دست دیا۔ شربت پینے کے بعد خوان سالار جواہر نگار خوانوں میں ہر طرح کی نعمت چن کر لائے۔ بادشاہ نے مع صاحبقراں اس کو نوش فرمایا۔ جب ہاتھ دھو چکے، ساقیانِ سیمیں ساق بہ صد طمطراق، ایک ہاتھ میں صراحی پراز مئے گلنار اور دوسرے ہاتھ میں جامِ بلوریں لے کر حاضر ہوئے۔ دور ساغر کا گردش میں آیا۔ صدائے ہوش باد و نوش باد بلند ہوئی۔ بادشاہ نے عین سرور میں خواجہ عمرو پر گانے کی فرمائش کی۔ عمرو نے دوتارۂ داؤدی کو ملا کر بجانا اور ترانہ گانا شروع کیا۔ ہر طرف سے آوازِ احسنت و واہ واہ کی بلند ہوئی۔

اس وقت نوشیرواں نے چاہا کہ انگشتری ہاتھ سے نکال کر عمرو کو دیوے۔ خیال کیا تو انگشتری انگلی میں نہیں ہے۔ حیران ہو کر فرمایا کہ ہماری انگوٹھی ہمارے ہاتھ سے غائب ہے۔ دیکھو تو کس نے لی ہے۔ عمرو نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ جہاں پناہ، سوائے حاضرین کے کوئی غیر تو آیا ہی نہیں کہ وہ لے گیا۔ اگر حکم ہو تو غلام ایک ایک کا جھاڑا لے۔ اور پکار پکار کر کہنے لگا کہ یارو، جس نے انگوٹھی پائی ہو، حضور میں گذران دو۔ حلقۂ عتاب میں ورنہ آؤ گے۔ میں تقصیر معاف کروادوں گا۔ لوگ لگے اِدھر اُدھر ڈھونڈنے اور ہر ایک لگا کہنے کہ بھلا ہوا، ہم دربار سے باہر ہی نہیں گئے۔ بادشاہ نے عمرو سے فرمایا کہ اہلِ اسلام میں کسی پر ہم کو گمان نہیں ہے، تم ہمارے ہی آدمیوں کا جھاڑا لو۔ جب عمرو سب پہلوانوں اور سپہ سالاروں کا جھاڑا لے چکا، بادشاہ نے بزرجمہر سے فرمایا کہ اب تم خود اٹھ کر حکما اور امرا کا جھاڑا لو۔ بزرجمہر نے حسب الحکم سب حکیموں اور امیروں کا جھاڑا لیا۔ جب نوبت بختک کی آئی، انگوٹھی اس کی جیب سے نکلی۔ وہ تو ششدر رہ گیا اور سب امیروں نے انگشتِ حیرت دانت کے نیچے دبائی۔ عمرو نے بادشاہ سے ہاتھ باندھ کر بآوازِ بلند کہا کہ عیاروں کو چور سنا تھا، وزیروں کو چوری کرتے دیکھا سنا نہ تھا، سو آج بختک کو دیکھا۔ باوجودیکہ حضور کے تصدق سے اس سے بہتر بہتر جواہر اس کے گھر میں ہوگا، مگر اس پر بھی یہ نیت ہے! نفس الامر میں یہ القش کا نواسا ہے۔ اس نمک بہ حرام خونی نے ہفت گنج شداد کے بڑے حضور سے اخفا کیے تھے، اس نے شہنشاہِ ہفت کشور کے ہاتھ کی انگوٹھی چرائی تو کیا ہوا۔ مگر یہ اپنے نانا پر بھی سبقت لے گیا۔ نوشیرواں نے بختک پر سیاست کی۔ عمرو بولا کہ چور کے تو ہاتھ کاٹنا روا ہے۔ بختک نے اپنے دل میں کہا کہ غضب کیا اس عیار نے، میرے ہاتھ کٹوانے کی فکر کی۔ بارے بزرجمہر کی شفاعت سے ہاتھ تو نہ کاٹے گئے، لیکن دربار سے نکالا گیا۔ حکم ہوا کہ بختک کو گردنیاں دے کر دربار سے نکال دو اور پھر کبھی

دربار میں آنے نہ پائے۔ حکم کی دیر تھی، اسی دم بختک نکالا گیا۔ امیر نے تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ سے عرض کی کہ بختک محض بے گناہ ہے، عمرو کی یہ خوش طبعی تھی۔ بادشاہ عمرو کی تردستی پر متحیر ہوا اور بختک کو امیر کے کہنے سے دربار میں آنے کا حکم دیا اور وہ انگوٹھی عمرو کو بخشی۔ امیر سے فرمایا، اچھا اپنے خیمے میں جا کر آرام کرو، لیکن ہر روز مع رفقا دربار میں آیا کرو۔ امیر رخصت ہو کر تلِ شادکام پر گئے اور بادشاہ محل میں داخل ہوئے۔

پہنچنا گستہم کا شہر مدائن میں مع بہرام گرد خاقان چین

راوی روایت کرتا ہے کہ جب امیر تل شادکام پر تشریف لے گئے، بختک نے ایک رقعہ خواجہ عمرو کو اس مضمون کا لکھا کہ پانچ سو تمن نقد اور پانچ سو تمن کا تمسک بطریقِ نذرانہ بھیجا جاتا ہے، بہت جلد زرِ مندرجہ بھیج کر تمسک پھیر لیا جائے گا۔ امیدوار ہوں کہ آئندہ ایسا اختلاط سر نہ کیجیے گا کہ میری سبکی ہووے۔ آپ کی عنایت سے میں بھی ساسانیوں میں پارۂ عزت رکھتا ہوں۔ عمرو تمن و تمسک لے کر بہت خوش ہوا اور دل میں کہا کہ الحمد للہ، پہلے پہل روپے کی صورت تو دیکھی۔ شگون بخشی ہوا اور جواب میں رقعے کے معذرت اور رسید زرِ نقد و تمسک کی لکھی۔ دوسرے دن امیر پھر مع رفقا دربارِ شاہی میں تشریف لے گئے اور بدستور اسی صندلی پر بیٹھے۔ امرائے ساسانی دیکھ کر انگاروں پر لوٹے اور اس فکر میں ہوئے کہ کسی تدبیر سے امیر حمزہ کو بادشاہ کی نظروں میں سبک و بے اعتبار کیجیے۔ ایک دن امیر دربار میں حسبِ دستور اسی صندلی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نوجوان، مینار قامت، زرہ بکتر، خود، چار آئینہ، موزے، تکورے، راگے اپنے بدن پر لگائے، دامن کو گردانے، آستینوں کو رومال کیے، دست بہ قبضہ، دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ کو کورنش کر کے ایک آہنی کرسی پر شہزادہ ہرمز کی بغل میں بیٹھا۔ جتنے سردار آتش پرست تھے، سبھوں نے اس کی تعظیم کی۔ جب بیٹھ چکا، امیر کی طرف ترچھی چتون سے دیکھ کر بادشاہ سے عرض کی کہ میرے باپ کو تو حضور نے کابل کی مہم پر بھیجا اور اس کی نشست گاہ پر ایک عرب زادے کو بٹھلایا، یہ کیا قدردانی اور عدالت ہے؟ اور وہ قریب مظفر و منصور حاضر ہوتا ہے، اس وقت دیکھا چاہیے کہ یہ عرب اس صندلی پر کیونکر بیٹھتا ہے۔ امیر سے یہ تقریر اس کی سن کر نہ رہا گیا، بادشاہ سے پوچھا کہ یہ کون ہے اور کیا کہتا ہے؟ نوشیرواں نے فرمایا کہ یا امیر، نام اس کا فولاد بن گستہم ہے۔ بہرام گرد خاقانِ چین نے سر اٹھایا تھا۔ میں نے اس کے باپ کو اس کی تنبیہ کے واسطے بھیجا ہے۔ سو وہ اس کو گرفتار کیے ہوئے لیے آتا ہے۔ قریب پہنچے گا۔ اور یہ صندلی جس پر تم بیٹھے ہو، اس کے بیٹھنے کی ہے۔ اس سے تمھارا بیٹھنا اس پر ناگوار

ہے۔ کہتا ہے کہ یہ صندلی میرے باپ کے بیٹھنے کی ہے، آپ کے بیٹھنے کو کیوں دی ہے؟ امیر نے کہا، میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس کا باپ مجھ سے زور کرے اور مغلوب غالب کا تابع فرمان رہے۔ فولاد کو یہ بات سن کر طیش آیا۔ بولا کہ اے عرب، میرے باپ سے پیچھے زور کرنا، پہلے مجھ سے تو پنجہ کر لے۔ امیر نے فرمایا کہ بسم اللہ! فولاد امیر کے متصل بیٹھ کر امیر سے پنجہ کرنے لگا۔ امیر اس کا پنجہ لے گئے اور وہ کرسی سے نیچے گر پڑا۔ کھسیانا ہو کر خنجر کھینچ کر امیر پر دوڑا۔ امیر نے اس کا خنجر چھین لیا۔ ہرمز نے فولاد سے کہا کہ اے فولاد، تیرا ارادہ کیا مجلس کے درہم برہم کرنے کا ہے؟ ادھر آ کے چپکا بیٹھ۔ وہ سر نیچے کر کے ہرمز کے پاس جا بیٹھا۔ بادشاہ نے امیر سے معذرت کر کے دربار برخاست کیا۔

خلاصہ، ہر روز امیر مع رفقا دربار میں آتے تھے اور جب دربار برخاست ہوتا تھا، تل شادکام پر تشریف لے جا کر استراحت فرماتے تھے۔ دس بارہ روز کے بعد بادشاہ کو خبر ہوئی کہ ستہم بہرام گرد خاقانِ چین کو مع چار ہزار پہلوانِ اُزبک گرفتار کر کے لایا ہے اور یہاں سے چار کوس کے فاصلے پر ٹھہرا ہے۔ منتظر حکم کا ہے، جس وقت ارشاد ہو، حاضر ہووے۔ بختک عرض معروض کر کے بادشاہ کو ستہم کی پیشوائی کے لیے لے گیا۔ اثنائے راہ میں بزرجمہر نے بادشاہ سے عرض کی کہ امیر حمزہ کا بھی ہمراہِ رکاب ہونا ضرور ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت امیر سے کہلا بھیجا کہ ہم ستہم کی پیشوائی کے واسطے جاتے ہیں، تم بھی آؤ۔ بادشاہ ایک کوس شہر کے باہر گئے ہوں گے کہ دیکھا، ستہم بن اشک زریں کفش، زرہ جوشن پہنے، کرگدن پر سوار، مونچھوں پر تاؤ دیتا، علم گرگ پیکر کے سائے کے نیچے چلا آتا ہے، اور چتون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاقانِ چین بہرام گرد کے گرفتار کر کے لانے سے بجائے خود کسی کو دنیا میں شجاع و بہادر نہیں گنتا ہے۔ اس کو دیکھ کر امیرانِ ساسانی خوشدل ہوئے۔ ستہم نے گھوڑے پر سے اتر کے بادشاہ کے پایۂ تخت کو بوسہ دیا اور سرگذشت اپنی بہادری اور بہرام خاقانِ چین کی گرفتاری کی بیان کی۔ بادشاہ نے اپنے پونے دو سو خداؤں کو سجدۂ شکر کیا اور قلعے کی طرف پھرے۔ ستہم بختک کے اشارے سے پیچھے رہ گیا۔ پھرتے وقت راہ میں امیر ملے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ آپ بھی ستہم سے ملتے آئیے۔ امیر نے کہا کہ بہت خوب۔

بختک کا احوال سنیے کہ ستہم سے امیر کی شکایت کر کے کہا کہ اور تو اور، اس عرب زادے کو اپنی شجاعت کا ایسا گھمنڈ ہے کہ بے ادبانہ آپ کی صندلی پر تکیہ زن ہوا، اور فولاد کا پنجہ سرِ محفل لے جا کر اس کو خجل و منفعل کیا۔ شکر ہے کہ آپ آن پہنچے۔ بغلگیر ہونے کے وقت ایسا دبایئے گا کہ ذرا ہڈیاں اس کی نرم ہوویں، کہ آپ کو سمجھے بوجھے رہے۔ ستہم نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اس میں امیر کی سواری بھی پہنچی۔ ستہم امیر کو دیکھ کر پیادہ پا ہوا۔ امیر بھی اپنے مرکب سے اترے۔ بغلگیر ہونے کے وقت پہلے ستہم نے امیر کو اپنے زور پر دبایا اور کہا کہ میں

بہت آپ کا مشتاق تھا۔ پھر امیر نے بھی اپنا اشتیاق ظاہر کر کے اس کو ایسا دبایا کہ گستھم کی مقعد سے تین گوز پُر پُر صادر ہوئے۔ شرمندہ ہو کر امیر کے کان میں کہا کہ یا امیر، تم جواں مرد ہو، اس حرکت کو کسی کے آگے زبان پر نہ لانا۔ میرے آپ کے یہی پتا رہا۔ امیر نے فرمایا کہ ایسا ہی ہوگا۔ گستھم تو قلعے کی طرف روانہ ہوا اور امیر سبزہ زار کی سیر کرنے لگے۔

دیکھتے کیا ہیں کہ آگے آگے ایک تابوت ہے اور پیچھے اس کے چار ہزار سوار زنجیروں میں جکڑا ہوا چلا آتا ہے۔ نگہبانوں سے پوچھا کہ اس تابوت میں کیا ہے؟ وہ بولے بہرام خاقان گردِ چین بند ہے۔ امیر نے فرمایا کہ پہلوانوں اور بادشاہوں کو قید کر کے کوئی اس طرح لاتا ہے؟ صندوق کو زمین پر رکھوا کر جو کھولا، اس میں سے ایک رعنا جوان، لوہے سے جکڑا ہوا، غش میں پڑا دیکھا۔ امیر نے اس کو تابوت سے نکال کر قید سے رہا کیا اور گلاب و بید مشک اس کے منہ پر چھڑکا اور شربت سیب و انار، کہ بھنگی پر ہمراہ تھا، اس کے منہ میں چوایا۔ جب اس کو ہوش آیا، امیر نے پوچھا کہ اے بہادر، تو کون ہے؟ اس نے کہا، آپ کے دولت خانے پر پہنچ کے اپنی سرگذشت کہوں گا، ابھی مجھ میں حواس نہیں ہیں۔ امیر نے ایک گھوڑا اپنے کوتلوں میں سے اس کے چڑھنے کو دیا اور جتنے قیدی تھے سب کو قید سے رہا کر کے اپنے اردو میں لے گئے، اور خاقانِ چین بہرام گرد کو اپنے پلنگ پر لٹال کے لخلخہ سنگھانے کا حکم دیا اور حریرہ تیار کروا کے پلوایا۔ جب خاقان گردِ چین کے حواس مجتمع ہوئے، امیر سے پوچھا کہ آپ کون ہیں کہ میری جاں بخشی کی، نہیں تو کوئی دم میں بے دم ہو جاتا۔ چار مہینے سے میں اس تابوت میں بے آب و دانہ بند تھا۔ امیر نے فرمایا کہ اے بہرام، گستھم تجھ پر کیونکر غالب ہوا؟ اس نے بیان کیا کہ میدان میں میں نے اس کو زیر کر کے اپنے تابع کیا تھا۔ چار برس تک یہ میری خدمت گذاری اور اطاعت میں سرگرم رہا۔ ایک دن میں شکار کھیلتا تھا، فوج میری مجھ سے دور تھی۔ پیاسا جو ہوا تو اس سے پانی مانگا۔ اس نے قابو پا کے داروے بیہوشی ملا کر پانی مجھ کو پلایا۔ جب میں بیہوش ہو گیا، مجھ کو پابندِ سلاسل کر کے تابوت میں بند کیا۔ امیر بہ کمال شفقت و مہربانی پیش آئے اور اپنے احوال سے بہرام کو مطلع کیا۔ بہرام نے خوش ہو کر کہا کہ شکر ہے اس شخص کا میں زیرِ بارِ احساں ہوا کہ جس کا ہفت اقلیم میں کوئی ثانی نہ نکلے گا۔

یہ خبر گستھم کو ہوئی کہ امیر بہرام خاقان گردِ چین کو مع اسیران فوج اپنے اردو میں لے گئے اور اس کو مع فوج قید سے آزاد کیا۔ غیظ سے آگ ہو گیا اور اسی دم بادشاہ سے جا کر مفصل حال عرض کیا۔ بادشاہ کو بھی یہ حرکت امیر کی بہت ناگوار ہوئی۔ اسی دم امیر کو طلب کر کے فرمایا کہ اے ابوالعلا، تم جانتے ہو کہ بہرام سا کوئی دشمن میرا ہفت اقلیم میں نہ ہوگا۔ تم نے کیا سمجھ کر اسے قید سے مخلصی دی؟ امیر نے کہا کہ قبلۂ عالم شہنشاہِ ہفت کشور ہیں۔ اگر پہلوانوں اور بہادروں کو اسی طرح سے فریب سے زیر کیا کریں گے تو زمانے میں بدنام ہوں گے۔

تاریخوں میں لکھا جائے گا، ابد الآباد تک بادشاہوں کی محفل میں چرچا رہے گا کہ نوشیرواں ایسا نامرد تھا کہ اس کے وقت میں پہلوان دغا سے گرفتار ہوتے تھے۔ اور بہرام ایسا کون سا زبردست ہے کہ سرِ میدان زیر نہیں ہوسکتا؟ فرمایا بہرام کہاں ہے، اسے بلواؤ کہ میں اس سے اس کی گرفتاری کا حال پوچھوں۔ امیر بہرام کو جلوخانے میں چھوڑ گئے تھے، اسی دم اس کو بلایا۔ بادشاہ نے اس کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ ستہم نے تجھ کو بہادری سے گرفتار کیا تھا یا نامردی سے؟ بہرام نے عرض کی کہ حضور اسی کو ملاحظہ کرلیں کہ چار مہینے میں نے فاقہ کشی کی ہے۔ اس پر طرّہ یہ ہے کہ تابوت میں قیدِ آہن سے جکڑا ہوا بند تھا۔ اگر مجھ کو امیر تھوڑی دیر اور تابوت سے نہ نکالتے تو میں مر چکا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ از بس کمزور ہوں، مگر اس حالت میں بھی اگر ستہم میرے سامنے آئے تو اس کی تلوار چھین لوں، اور اگر نہ چھین لوں تو سزاوارِ قتل ہوں۔ ستہم مع سپاہِ سامان حاضر تھا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ یہ کیا کہتا ہے؟ ستہم نے خجالت سے سر نیچے کرلیا۔ بادشاہ نے پھر بہرام سے پوچھا کہ امیر حمزہ سے زور کرے گا؟ بولا، حاضر ہوں۔ امیر نے کہا کہ قبلۂ عالم، یہ ابھی نہایت کمزور ہو رہا ہے۔ چالیس روز حضور کے نازونعم سے پرورش پائے گا تو بدستور توانا ہوجائے گا۔ اس وقت اس کے زور دیکھنے کا لطف ہے۔ بادشاہ کو یہ بات امیر کی بہت پسند آئی۔ امیر اور بہرام دونوں کو خلعت عطا کرکے فرمایا کہ اچھا حمزہ، بہرام تمھارے ہی سپرد ہے۔ بعد چالیس دن کے اس سے اور تم سے زور ہوگا۔ امیر خوش ہوکر بہرام کو اپنے اردو میں مع الخیر والخوبی لے آئے اور پرداخت اس کی کرنے لگے۔

جب چالیس روز گزر گئے اکتالیسویں دن امیر مع بہرام بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ بہرام اب تندرست اور توانا ہے، بندے سے لڑوایئے۔ بادشاہ نے بہرام سے پوچھا کہ تیری کیا مرضی ہے؟ بولا کہ میں حاضر ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھی بات ہے، ہم بھی تماشا دیکھیں گے، اکھاڑا تیار ہووے۔ فوراً اکھاڑا درست کیا گیا۔ امیر بہرام نے شیر کی کھال کے جانگیے اور ٹوپ پہن کر لنگوٹ کسا اور خم ٹھونک کر بایکدیگر لپٹے۔ گردنوں میں ہاتھ ڈال کر ایسی ٹکر ماری کہ اگر تودۂ فولاد پر وہ ٹکر پڑتی تو سرمہ ہوجاتا، مگر کسی کی پیشانی کو خبر نہ ہوئی۔ پہر بھر کامل آپس میں داؤ پیچ چلے مگر کسی کا لنگر کسی سے نہ اٹھا، چت ہونے کا کیا ذکر تھا۔ آخر امیر نے نعرۂ اللہ اکبر کرکے بہرام کو اٹھالیا۔ بہرام بولا کہ یا امیر، معلوم کیا کہ آپ میں زور دادِ الٰہی ہے، دنیا میں کوئی آپ سے زورآور زیادہ نہیں ہے۔ مطیع و فرمانبردار ہوں، مجھے زمین پر نہ پٹکیے گا۔ امیر نے سبک اس کو زمین پر رکھ دیا اور فرمایا کہ اے بہرام، اب بادشاہ کی خدمت میں حاضر رہ۔ اس نے کہا کہ میں سوائے آپ کے کسی کے پاس نہیں رہنے کا، آپ کا بے خرید غلام ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تمھارے پاس رہا تو میرے ہی پاس رہا، اور دو خلعت منگا کر امیر و بہرام کو دیے۔ امیر بہرام کو اپنے اردو میں لائے اور اس سے صیغۂ اخوت پڑھا۔

خیمہ وخرگاہ، سراپردہ، فراش خانہ، قور خانہ، مطبخ، طویلہ وغیرہ، چھتیس کارخانے اس کو الگ کردیے اور چالیس گھوڑے اپنے خاصوں میں سے بازین وسازِ طلائی ونقرئی اور سات قطار شترِ بار بردارِ دوکوہانی اور چالیس خروار زرِسرخ وسفید اور ربع خراج ملکِ یمن کا، مع غنیمتِ حشام، بہرام کو عنایت کیا، اور اس عرصے کی تمام سرگذشت ایکِ عرضی میں لکھ کر عمرو سے فرمایا کہ خواجہ عبدالمطلب کی خدمت میں جاکر گذرانے۔

اب حال ساسانیوں کا سنیے۔ مع بختک گستہم کے پاس جاکر داد بیداد کرنے لگے کہ حمزہ کے دفع کرنے کی کچھ فکر نہ ہوگی تو ہماری زندگی حرام ہوگی۔ روز بروز بادشاہ کی سرافرازی اس پر ہوتی ہے۔ گستہم نے کہا کہ زور میں تو حمزہ سے کوئی بر نہ آئے گا، پر میں دو چار روز میں بساطِ آشتی بچھا کر اس کو ماروں گا۔ شب کو تو یہ شور ہوا، صبح کو گستہم سوار ہوکر امیر حمزہ کے اردو میں گیا اور کمال تملق و چاپلوسی سے پیش آیا۔ امیر نے بہت اس کی خاطر کی اور باہم سوار ہوکر بادشاہ کی بارگاہ میں آئے۔ جب امیر دربار سے اٹھ کر اپنے خیمے کی طرف چلے، گستہم ہمراہِ رکاب جاکر امیر کو خیمے تک پہنچا آیا۔ ہر روز گستہم دوبار امیر کی خدمت میں حاضر ہوتا اور انواع وضع کی خوشامد کرتا۔ شدہ شدہ امیر کے دل میں بھی گستہم کی طرف سے جگہ ہوئی۔ ایک روز گستہم نے امیر سے کہا کہ آپ کی عنایت و مہربانی جس قدر میرے حال پر ہے، تمام مدائن میں مشہور ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرے باغ میں تشریف فرما ہو کے دو چار روز جشن فرمائیے کہ ہم چشموں میں میرے واسطے وقار ہو۔ امیر نے منظور کیا۔ معمول تھا کہ بادشاہ ایک ہفتہ دربار کرتے تھے اور ایک ہفتہ نازنینانِ ماہرو سے خلوت گاہ میں صحبت رکھتے تھے۔ اس مرتبہ جو بادشاہ مصروف بہ جشنِ زنانہ ہوئے، گستہم نے امیر سے کہا کہ اس ہفتے میں فرصت ہے، اگر آپ کمترین کے باغ میں تشریف فرما ہو کر یہ ہفتہ عیش ونشاط میں بسر کریں تو ہوسکتا ہے۔ امیر بہرام گرد خاقان چین اور مقبل وغیرہ چند رفیقوں کو ہمراہ لے کر گستہم کے باغ میں رونق افزا ہوئے۔ گستہم نے باغ کے دروازے سے بارہ دری تک کمخواب و زربفت و اطلس کا پا انداز کیا تھا اور بارہ دری میں فرشِ شاہانہ بچھایا تھا۔ امیر اس کے حوصلے کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ گستہم نے تر وخشک میوے اور تحائف مدائن کے پیش کیے اور ساقیانِ سیمیں بدن کو حاضر کر کے شراب پلانی شروع کی، اور خود نوکروں کی طرح سے دامن گردان کر خدمت کے بہانے اوقات ٹالنے لگا۔ اور قبل از امیر کے تشریف لانے کے چار سو پہلوان، کہ جن پر اس کو اعتماد تھا، گوشۂ باغ میں خفیہ بٹھلا رکھے تھے اور ان سے کہہ دیا تھا کہ جب میں تواتر تین دستکیں دوں تب تم پہنچ کر امیر کو، مع ہوا خواہ و رفقا، تیغِ بے دریغ سے قتل کرنا۔

القصہ، جب گستہم نے دیکھا کہ آدھی رات کا عمل ہوا اور امیر مع رفقا ایسے نشے میں سرشار ہیں کہ سیاہ وسفید میں امتیاز نہیں کرسکتے، بارہ دری کی غلام گردش میں آکر تین دستکیں تواتر و توالی دیں۔ لوگ اس کے کمیں گاہ سے

نکلے اور گستہم کے ساتھ امیر اور امیر کے رفقا کے سر پر پہنچے۔ گستہم نے امیر سے چار آنکھیں کر کے کہا کہ او عرب زادے، بہت تو نے سر اٹھایا تھا، لے دیکھ، اب تیری قضا آن پہنچی۔ یہ کہہ کر امیر کے سر پر تلوار چلائی۔ بہرام، باوجودیکہ نشے میں چور تھا، مگر امیر پر جا پڑا اور اپنے کو سپر کیا۔ وہ تلوار گستہم کی امیر پر تو نہ پڑی، بہرام پر پڑی۔ اس پہلو سے اس پہلو تک زخم کاری لگا، تمام آنتیں پیٹ سے باہر نکل پڑیں۔ مقبل نے ہوشیاری کی تھی کہ شراب بہت کم پی تھی۔ قدرے قلیل پیتا تھا اور رنگ مجلس کا بیٹھا دیکھتا تھا۔ فی الفور کمان کو قبضے میں لے کر تیر مارنے لگا، حتیٰ کہ سو جوان سے زیادہ اس نے زمین پر گرا دیے۔ گستہم نے اپنی دانست میں امیر کو مارا تھا، دل میں سوچا کہ حمزہ کا کام تو تمام کر چکا، اب یہاں ٹھہرنا مقبل کا ناحق ہدف بننا ہے۔ اپنے ان رفیقوں سمیت کہ جو مقبل کے ہاتھ سے بچے تھے، جان لے کر بھاگا۔ جس وقت امیر کا نشہ اترا، امیر نے دیکھا کہ واہ واہ، مجلس کا عجب رنگ ہے۔ تمام بارہ دری اور اس کے آگے کی روش خون سے گلزار ہو رہی ہے، بہرام شکم چاک پڑا سسکتا ہے اور سو جوان سے زیادہ تیروں سے مارا پڑا ہے۔ مقبل سے کیفیت دریافت ہوئی کہ گستہم نے ایسا کیا۔

ہر گاہ یہ خبر مدائن میں کوچہ بہ کوچہ مشہور ہوئی کہ گستہم نے حمزہ کو اپنے باغ میں دعوت کر کے دغا سے مارا، بادشاہ سن کر نہایت غمگین ہوا اور فی الفور ہرمز تاجدار اور بزرجمہر و بختک کو بھیجا کہ حمزہ کی خبر لو، اور علقمہ ساطور دست کو تین ہزار سوار سے گستہم کے گرفتار کرنے کے واسطے روانہ کیا۔ گستہم یہ خبر سن کر شہر سے بھاگا۔ شاہزادہ ہرمز تاجدار، بزرجمہر و بختک گستہم کے باغ میں پہنچے۔ امیر کو سلامت دیکھ کر سجدۂ شکر اور بہرام کو مجروح دیکھ کر بہت تاسف کیا۔ امیر نے خواجہ بزرجمہر سے کہا کہ آپ حکیم ہیں، بہرام کا جلد علاج کیجیے۔ خدا جانتا ہے کہ اگر بہرام خدانکردہ جانبر نہ ہوا تو قسم ہے مجھے مکۂ معظمہ کی، ایک ساسانی کو جیتا نہ چھوڑوں گا۔ بزرجمہر بہرام کا زخم منکر دیکھ کر سخت متردد ہوئے۔

اتنے میں بابائے روندگانِ عالم، شعبدہ بازِ جہاں، ریش تراشندۂ کافراں، شاہِ عیارانِ زماں، یعنی خواجہ عمرو بن امیہ ضمیری آن پہنچا۔ خوش خوش خواجہ عبدالمطلب کی خیر و عافیت امیر کو سنائی، مگر بہرام کا حال دیکھ کر رو دیا اور امیر سے کہنے لگا کہ کیوں صاحبقراں، رفقا سے ایسا ہی سلوک کرتے ہیں؟ جس پر احسان کیجیے اس کو یوں برباد و پریشان کیجیے! امیر نے فرمایا کہ اے عمرو، یہ وقت نصیحت کا نہیں ہے۔ بہرام کے اچھا کرنے کی فکر کیا چاہیے۔ عمرو نے خواجہ بزرجمہر سے کہا کہ آپ بفضلہٖ تعالیٰ حکیم الحکما ہیں۔ آپ نے کیا علاج تجویز کیا؟ خواجہ نے کہا کہ زخم کاری ہے۔ ایسے ہی زخم کو زخم منکر کہتے ہیں۔ بے اس کے کہ آنتیں پیٹ میں جاویں، ٹانکے لگ نہیں سکتے، اور آنتیں پیٹ میں جاویں تو کیونکر جاویں؟ رودۂ دل پر ہاتھ لگانے سے فوراً مر جائے گا۔ اور یہ غیر ممکن ہے کہ رودۂ دل کو نہ چھوئیے اور آنتیں پیٹ میں دے دیجیے۔ عمرو بولا کہ خواجہ، واقع میں آپ حکیم حاذق اور

میرے استادِ صادق ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ حکمت بہت مشکل ہے۔ یہ کہہ کر ایک استرہ جیب سے نکال کر بہرام کو دونوں پاؤں کے بیچ میں دبا کر ہاتھ پیٹ کی طرف بڑھایا۔ خواجہ بزرجمہر نے عمرو سے پوچھا کہ ارادہ کیا ہے؟ عمرو نے کہا کہ جتنی آنتیں پیٹ کے باہر نکلی ہوئی ہیں، ان کو ہاتھ کی صفائی سے صاف کر دیتا ہوں کہ جس میں زخم سیا جائے۔ پھر مرہم لگا کر اچھا کر دوں گا۔ خواجہ حیران ہوئے کہ یہ کیا کہتا ہے۔ بہرام نے جو عمرو کی تقریر سنی، سنانے میں آیا۔ ٹھنڈی سانس جو حسرت سے بھری، تمام آنتیں پیٹ میں جاتی رہیں۔ عمرو نے خواجہ سے کہا کہ لیجیے، اب تو مطلب آپ کا حاصل ہوا؟ ٹانکے دیجیے۔ بزرجمہر نے عمرو کی عقل پر آفرین کی اور حاضرین ہنستے ہنستے بے چین ہو گئے۔ خواجہ نے بہرام کے زخم کو سیا اور شربت پلایا کہ خونِ فاسد نکل جاوے، اور امیر سے کہا کہ بہرام کے ہاتھ پاؤں باندھ دو کہ جنبش نہ کر سکے، نہیں تو زخم کے ٹانکے ٹوٹ جائیں گے، اور اس حالت میں بچنا اس کا خلافِ قیاس ہے۔ اور میں ہر روز دو وقت آن کر زخم کو دیکھوں گا۔ یہ کہہ کر خواجہ اور شاہزادہ ہرمز تاجدار اور بختک امیر سے رخصت ہوئے۔ امیر نے، کہ بہرام کو بہت عزیز رکھتے تھے، اپنے یاروں سمیت وہیں رہنا اختیار کیا۔ بزرجمہر نے تمام احوال بادشاہ سے عرض کیا۔ فرمایا کہ خواجہ، باغِ بیداد سے بہتر کوئی مکان اس مدائن میں نہیں ہے۔ چاہتا ہوں کہ حمزہ کو وہاں چند روز رکھوں اور تا امکان اس کی خاطر داری کروں، اور کچھ تحفہ دوں کہ ملال اس کے دل سے دور ہو۔ ایسا نہ ہو کہ حمزہ مجھ پر بدگمانی کرے کہ میرے اشارے پر ستہم نے یہ حرکتِ پزوپوچ کی ہے۔ مجھ کو قسم ہے آتشکدۂ نمرود کی اگر مجھ کو کچھ بھی ستہم کے ارادۂ فاسد کی خبر ہو۔ تم جانتے ہو کہ میں نے اس خبرِ بد کے سنتے ہی جا بجا لوگ اس کی گرفتاری کے واسطے بھیجے ہیں۔ یہ کہہ کر اسی دم امیر کے واسطے تصدق بھیجا۔ دوسرے وقت بزرجمہر جو بہرام کے دیکھنے کے واسطے گئے، امیر سے کہا کہ بادشاہ نے دعا کہی ہے اور کہا ہے کہ میں نے چند سردار ہر چہار طرف ستہم کے پکڑ لانے کو بھیجے ہیں۔ جس دم وہ مردود پہنچتا ہے، اسی دم اس کا پیٹ چاک ہو کر بھس بھرا جاتا ہے۔ اور ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ تم کو اس موذی کے ہاتھ سے کچھ صدمہ نہیں پہنچا۔ اور یہ تحفہ عنایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہماری طرف سے بہرام کی بھی احوال پرسی کرنا اور مجھ پر دربابِ علاج بہت تاکید کی ہے کہ ایسی تدبیر عمل میں آوے کہ بہرام کا زخم جلد بھر جاوے۔ اور فرمایا ہے کہ میری خوشی یہ ہے کہ بالفعل ایک ہفتہ حمزہ کو لے کر باغِ بیداد کی سیر کروں، مگر بختک اور عمرو صحبت میں نہ ہوویں، کہ یہ دونوں مایۂ فساد ہیں۔ امیر نے قبول کیا۔

دوسرے دن بادشاہ نے باغِ بیداد میں جا کر امیر کو طلب کیا۔ صاحبقراں عادی اور مقبل کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ باغ کو دیکھا کہ چار فرسخ کا طول و عرض مربع ہے اور جوشِ بہار سے از بس پُرفضا ہے۔ اس باغ کی تعریف بہ لحاظِ طوالت قصہ خواں کے حوالے کرتا ہوں کہ قبل اس کے باغِ بیداد کی تعریف کر چکا ہوں۔ امیر

بادشاہ کے دستِ راست، ہرمز تاجدار کے پہلو میں بیٹھے، اور مقبل وفادار بزرجمہر وسرداران دیگر امیر کے دستِ چپ بیٹھے۔ سازندہ ہائے دلنواز اور خوانندہ ہائے خوش آواز حاضر ہوئے۔ محفل عیش ونشاط کی گرم ہوئی۔ پہلے دن بادشاہ نے ایک بارہ دری میں جشن کیا۔ جب بربطِ زرینِ آفتاب پر غلافِ غروب چڑھا اور دفِ سیمینِ ماہ بزم افروز ہوا، اس وقت ساقیانِ ماہ رخسار ساغرِ جواہر نگار وصراحیانِ بادۂ گلنار لے کر محفل میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے ایک جام مئے ارغوانی کا اپنے ہاتھ سے امیر کو عنایت کیا۔ امیر کورنش بجالائے اور اس کو پی گئے۔ پھر تو دورِ ساغر تھا۔ ساقیانِ مہر رخسار شراب ارغوانی سے جام بھر بھر کے دینے اور مے نوشانِ سرشار لینے لگے۔ جب گلِ سورج مکھی چمنِ فلک میں کھلا اور گلِ چاندنی برنگِ دیدۂ نرگس بے نور ہوا، ساقیانِ سیمیں عذار شیشۂ ہائے خمار شکن لے کر حاضر ہوئے اور سیہ مستانِ بادۂ خمار بے دردِ سر ہوش میں آئے۔ مغنیانِ خوشنوا ایسے گائے بجائے کہ دیوار و در تک وجد میں آئے۔

اب دو کلمے بیتابیِ ہوشیارانِ روزگار خواجہ عمرو عیار کے سنیے۔ جب امیر کو ایک شبانہ روز عمرو نے نہ دیکھا، گھبرا کر مکان سے باہر نکلا۔ باغ کے دروازے پر عادی کو دیکھا کہ ایک کرسی پر تکلف پر بیٹھا ہوا شراب پی رہا ہے اور لوگ ہر طرح کی گزک اس کے روبرو لاتے ہیں، وہ خوش ہو ہو کر کھاتا ہے۔ اور ایسا بندوبست ہے کہ پرندہ تک دروازے کی دیوار سے اڑ کر باغ میں نہیں جاسکتا۔ عمرو نے لوگوں سے پوچھنا شروع کیا کہ یہ مضمون کیا ہے؟ امیر تو باغ کے اندر ہیں، عادی کیوں باہر بیٹھا ہے؟ کسی نے کہہ دیا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ عمرو و بختک باغ میں نہ آنے پائیں۔ اس واسطے امیر نے عادی کو دروازے پر بٹھلایا ہے کہ بختک وعمرو باغ میں نہ جاویں۔ عمرو عادی سے سلام علیک کر کے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ عادی نے پوچھا کہ کہو خواجہ، کس طرف آئے ہو؟ بولا کہ دو دن سے تم کو نہ دیکھا تھا، آنکھوں میں اندھیرا آنے لگا۔ گرتا پڑتا تمھارے دیکھنے کو آیا۔ عادی نے شراب و کباب کی دعوت کی۔ عمرو نے ایک پیالہ پی کر عادی سے کہا کہ آج میں نے ایک لعل خریدا ہے۔ دیکھو تو، میں ٹھگا تو نہیں گیا؟ عادی اپنے دل میں خوش ہوا کہ عمرو مجھ کو جوہر شناس جانتا ہے، تب تو لعل پرکھوانے آیا ہے۔ عادی بولا کہ خواجہ، تم سا جوہری کون ہوگا! تم اور ٹھگے جاؤ گے؟ مگر بہر حال، میں بھی دیکھوں۔ عمرو نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریت مٹھی میں نکالی اور عادی کی آنکھوں میں جھونکی۔ عادی تو یہ کہہ کر آنکھیں ملنے لگا کہ عمرو، تیرا برا ہو، تو نے مجھ کو اندھا کیا، اور لوگ گھبرا کر عادی کی طرف متوجہ ہوئے۔ عمرو جست کر کے باغ کے اندر داخل ہوا۔ عادی نے جب آنکھیں دھو کر پونچھیں اور کھٹک آنکھ کی کم ہوئی، لوگوں سے پوچھا کہ عمرو کہاں گیا؟ کوئی نہ بتاسکا کہ کس طرف کو گیا ہے۔ عادی سمجھا کہ میرے خوف سے بھاگ گیا۔

باغ کو عمرو دیکھ کر باغ باغ ہوگیا کہ عمر بھر ایسا باغ دیکھا سنا نہ تھا۔ گلگشت کرتا ہوا اس قصر کی طرف گیا

جہاں بادشاہ اور امیر بزم افروز تھے۔ متصل اس قصر کے لبِ نہر ایک درخت چنار کا تھا۔ اس کے نیچے بیٹھ کے دوتارا ملا کر گانے لگا۔ عمرو کا گانا مردے کو جلاتا ہے۔ امیر کے کان میں جو آواز گئی، مقبل وفادار سے فرمانے لگے کہ عمرو کی سی آواز آتی ہے۔ ہم نے عادی کو منع کیا تھا کہ عمرو باغ میں نہ آنے پائے، پھر یہ کیونکر آیا؟ جاؤ، عادی کو تو بلا لاؤ۔ بادشاہ نے امیر کو برہم دیکھ کر فرمایا کہ عادی کو بلانا کچھ ضرور نہیں ہے، ہم نے عمرو کا قصور معاف کیا۔ ہاں، عمرو کو بلالو۔ پروانچی جو عمرو کے بلانے کو گئے، بولا کہ جس صحبت میں بادشاہ اور امیر سے لوگ ہوویں، وہاں بھلا مجھ غریب عیارِ بے اعتبار کا کیا کام ہے! باغ داد کی تعریف سنی تھی، اس واسطے میں بھی آیا اور ایک طرف گوشۂ چمن میں بیٹھا ہوا گل کا کھلکھلانا، بلبل کا زار نالی کرنا دیکھ سن رہا ہوں۔ اور میں اگر جاؤں، شاید کسی کے آئینۂ دل پر میرے جانے سے غبار بیٹھے، تو میں اس کے ہاتھ سے ایذا اٹھاؤں۔ اس سے بمقتضائے السلامت فی الوحدۃ والآفاۃ بین الاثنین، تنہا بیٹھنا خوب ہے کہ نہ اودھو کے دین نہ مادھو کے لین۔ پروانچی ناچار ہو کر پھر آئے اور تقریر اس کی بادشاہ کی خدمت میں بیان کی۔ بادشاہ بے اختیار ہنسے اور سب حاضرینِ محفل ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئے۔ بادشاہ امیر کا ہاتھ پکڑے ہوئے قصر کے باہر آئے اور چمنوں کی سیر کرتے ہوئے، جس طرف عمرو بیٹھا گا رہا تھا اس طرف چلے۔ عمرو نے دیکھا کہ بادشاہ اور امیر مع اربابِ محفل آتے ہیں، ایک جست کر کے بادشاہ کے قدم بوس ہوا اور دعا دے کر کہنے لگا کہ مجھ کو حضور سے یہ امید نہ تھی کہ مجھے مخلِ صحبت جانیں۔ اور حمزہ تو بے مروت ہے، آخر عرب زادہ ہے! کہ ٹھٹھا ہوا، بادشاہ ہنس پڑے اور عمرو کا ہاتھ پکڑ کے قصرِ فیروزہ نگار میں تشریف لے گئے۔ جب تخت پر جلوہ فگن ہوئے، عمرو کو حکم ساقی گری کا دیا۔ عمرو جام بھر بھر کے پلانے اور خوش فعلیاں اپنی دکھانے لگا۔ رات بھر تو ساقی گری کیا کیا، جب سفیدہ صبح کا نمودار ہونے لگا، عمرو نے نےِ ہفت بند کو جوڑ کر ایسا بجایا اور الحانِ داؤدی سے گایا کہ بادشاہ و امیر و یارانِ ہم صحبت زار زار رونے اور رومال پر رومال بھگونے لگے۔ بادشاہ نے جیب و دامن عمرو کا موتیوں سے بھر دیا اور قصرِ فیروزہ نگار سے قصرِ زریں میں، کہ دیواریں اس کی خشتِ طلائی سے بنی تھیں اور درزوں میں دار بیل جواہر کی تعبیہ کی تھی، امیر کو لے گئے۔

اب دو کلمے بختک کے حال میں بیان کر کے سامعین کو ہنساؤں۔ اس نے باغِ داد میں عمرو کے پہنچنے کی خبر جو سنی، بیتاب ہو گیا۔ پیٹ پکڑے پکڑے پھرنے لگا کہ یہ کیا غضب ہے، عمرو باغِ داد میں پہنچے اور میں نہ جاسکوں! خدا جانے عمرو میدان خالی پا کر میرے حق میں کیا کانٹے بووے گا۔ یہ سوچ کر کچھ تھان کمخواب و مخمل واطلسِ پُرزر کے کشتیوں میں لگا کر گھر سے نکلا۔ جب باغِ داد کے دروازے پر پہنچا، عادی سے ملاقات کر کے دوستی اظہار کرنے لگا۔ عادی نے پوچھا کہ آپ کدھر تشریف لائے؟ بولا کہ آپ کے لیے کچھ تحفہ نذر لایا ہوں،

اگر اسے قبول کیجیے اور باغ میں مجھے جانے دیجیے۔ عادی یہ بات سن کر نہایت برہم ہو کر کہنے لگا کہ بختک، کیوں کم بختیاں آئی ہیں! مجھ کو تو نے مرتشی مقرر کیا ہے کہ رشوت دے کر باغ میں جایا چاہتا ہے؟ جا، سامنے سے دور ہو، نہیں تو، بہ سرِ امیر، ابھی تجھ کو بے حرمت کروں گا۔ بختک دلگیر و ناکام اپنے گھر پھر گیا۔ دن تو رو دھو کے کاٹا، جب شب ہوئی، ایک نمد اوڑھ کر، بغل میں دست بقچہ اپنے کپڑوں کا دبا کے، چوروں کی طرح سے چھپتا، پاسبانوں کی نگاہ سے بچتا، باغِ داد کی دیوار کے نیچے پہنچا۔ دست بقچہ تو باغ کے اندر پھینک دیا اور آپ بدررو کی راہ سے گھسا۔

خواجہ عمرو کا حال سنیے کہ قصرِ زرنگار میں بادشاہ کے حکم سے ساقی گری کر رہا تھا کہ پسلی پھڑکی، یعنی دل میں خیال کیا کہ اسی طرح ستہم نے بھی امیر کی دعوت کی تھی، ایسا نہ ہو کہ ویسی ہی دعوت یہاں بھی ہو، ذرا چل کر سن گن لے آیا چاہیے۔ بہ حیلۂ رفعِ حاجت قصرِ زریں سے نکلا۔ روشوں پر پھرتا، چمنستان کی سیر کرتا، دائیں بائیں دیکھتا ہوا دروازے کے متصل پہنچا۔ عادی اس وقت کسی سے کہہ رہا تھا کہ آج بختک مجھ کو رشوت دینے آیا تھا۔ مجھ کو بھی اپنے باپ سا نمک بہ حرام سمجھا ہے کہ طمع دے کر باغ میں جایا چاہتا تھا۔ یہ سخن جو گوش خورد عمرو کے ہوا، عمرو چونکا کہ ہرگاہ اس ارادے سے بختک یہاں تک آیا تھا تو ضرور کسی نہ کسی طرح وہ باغ میں آئے گا۔ جھاڑی جھاڑی، گلبن گلبن، بوٹا بوٹا دیکھنے لگا۔ ناگاہ اس کی نگاہ دست بقچے پر پڑی، دور سے دیکھا کہ ایک گٹھڑی زیرِ دیوارِ باغ پڑی ہے۔ اس کو جو کھولا تو اس میں پوشاک بختک کی نظر آئی۔ باغ باغ ہو گیا۔ گٹھڑی کو تو ایک گوشے میں پتوں کے نیچے چھپا دیا اور خود تلاش کرنے لگا کہ اس باغ میں کس طرف ان کا لگاؤ ہے۔ بدرو پر جو نگاہ پڑی، دیکھا کہ کوئی شخص سر نکال کر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اور پھر سر کو اندر کھینچ لیتا ہے۔ سمجھا کہ ہو نہ ہو، یہ بختک ہے۔ خواجہ الف پوش سے، کہ مہتر باغبانوں کا تھا، جا کر کہا کہ تو تو خوابِ غفلت میں سکھ نیندیں لے رہا ہے اور باغ میں ایک چور بدرو کی راہ سے گھسا چاہتا ہے۔ میں نے آہٹ پا کر تجھے خبر دی، اب تو جان اور تیرا کام جانے۔ اگر کچھ نوعِ دیگر ہوگا تو صبح کو تو ہے اور زنداں ہے۔ وہ گھبرا کے مع چند باغبان بیلچے لے کر اٹھا اور بدرو کے متصل دیوارِ باغ سے لگ رہا۔ جونہی بختک بدرو سے نکلا، باغبانوں نے لپٹ کر پکڑ لیا۔ ہر چند اس نے کہا کہ میں بختک ہوں، کسی نے نہ مانا۔ ایک درخت کے ٹہنے میں لٹکا کر ہر ایک نے بجائے خود زدوکوب کرنی شروع کی۔ جب خوب ہڈیاں بختک کی نرم ہو چکیں، عمرو خواجہ الف پوش سے پکار کر پوچھنے لگا کہ خواجہ الف پوش، کیا ہے؟ خیر تو ہے؟ الف پوش نے کہا کہ خیریت ہے۔ ایک چور پکڑا ہے، اس کو درخت سے باندھا ہے۔ بختک نے جو عمرو کی آواز سنی، زبانِ عیاری میں کہنے لگا کہ خواجہ عمرو، مجھ کو ان موذیوں کے ہاتھ سے نجات دلوا دو، میں عمر بھر تمھارا ممنون رہوں گا۔ عمرو نے پاس آ کر خواجہ الف پوش سے کہا کہ فی الحقیقت یہ بختک وزیر

بادشاہ کا ہے، اس کو چھوڑ دو۔ جتنے باغبان تھے سب غنچے کی طرح چٹکنے لگے کہ خواجہ صاحب، یہ آپ کیا کہتے ہیں؟ بختک کی کیا کمبختی ہے کہ اس طرح سے ننگا ہو کر بدرو کی راہ سے آوے گا؟ یہ مقرر چور ہے۔ اور بالفرض اگر بختک بھی ہے تو اس وقت ہم نہیں چھوڑیں گے، صبح کو بادشاہ کے روبرو جیسا ہوگا ویسا ہوگا۔ بختک نے عمرو سے کہا کہ میری پوشاک دیتے تو میں پہن لیتا۔ عمرو نے کہا کہ میں تیرے کپڑوں سے کیا واقف ہوں؟ مجھے معلوم نہیں کہ کس نے اٹھائے۔

یہ کہہ کر عمرو بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تمام شب ساقی گری کرتا رہا۔ جب صبح صادق ہوئی، بادشاہ سے عرض کرنے لگا کہ اس دم نسیم سحری بہتی ہے۔ گلگشت کا وقت ہے۔ نفس الامر میں غنچوں کے چٹکنے کی صدا عجب لطف دیتی ہے۔ بادشاہ کے بھی جی میں آ گیا۔ امیر کا ہاتھ پکڑ کے مع حاضرین تفریح کے لیے چمنستان کی طرف چلے۔ عمرو بادشاہ کو لگائے ہوئے اسی طرف لے آیا جہاں بختک سراپا برہنہ درخت میں بندھا ہوا تھا۔ بختک بادشاہ کو دیکھ کر غل مچانے لگا کہ پیر و مرشد، باغبانوں نے میرا یہ حال بنایا ہے۔ اور ادھر سے خواجہ الف پوش نے حاضر ہو کر عرض کی کہ رات کو ایک چور بدرو کی راہ سے باغ میں آیا تھا، سو اس کو غلام نے درخت سے باندھ رکھا ہے۔ جب چار چوٹ کی مار پڑی تو کہتا ہے کہ میں بختک، بادشاہ کا وزیر ہوں۔ بادشاہ اور امیر نے جو غور کر کے دیکھا تو واقعی بختک ہے۔ بے اختیار برنگِ گل کھلکھلا کر ہنسے اور جتنے حاضرین تھے ہنسی کے مارے ایسے بے چین ہوئے کہ بے ادبانہ بادشاہ کے روبرو قہقہے مارنے لگے۔ امیر نے اس کو کھلوا دیا۔ دیکھا کہ تمام بدن بختک کا زخمی ہے، جا بجا سے لہو بہہ رہا ہے۔ بادشاہ نے برسرِ عتاب ہو کر فرمایا کہ اسی ہیئت کذائی سے اس کو نکال دو۔ امیر نے تقصیر معاف کروائی اور پوشاک اس کی عمرو سے تین سو تمن کو مول لے کر اسے پہنوائی اور ہمراہ لیا۔ بادشاہ باغِ ہشت بہشت کی طرف کہ نافِ باغِ داد میں مثلِ نگین واقع تھا، متوجہ ہوئے اور اس باغ میں امیر و بزرجمہر، ہرمز تاجدار کو مع مقبل و بختک و دیگر سردارانِ حاضرین لے کر داخل ہوئے۔ واقع میں وہ باغ اسم بامسمیٰ تھا۔ عمرو نے بختک کا نام دفترِ حمقا میں سرِ دفتر لکھا تھا۔ بادشاہ کے روبرو ظرافت کرنے لگا کہ قبلۂ عالم بختک بیچارے کی ہڈیوں کو باغبانوں نے بیلچوں کے مارے از بس چور کر دیا ہے، اگر اس کو مومیائی مرحمت ہوتی تو عین سرافرازی تھی۔ اور اب تو اس سے تقصیر ہوئی کہ حضور کی حکم عدولی کی، یعنی بے حکم باغ میں آیا، سو ویسی ہی سزا بھی پائی، مگر آئندہ اب ایسا قصور اس سے نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر بختک سے کہنے لگا کہ ہاتھ جوڑ کے توبہ کر کہ پھر مجھ سے ایسی حرکت بے جا نہ ہوگی۔ القصہ، عمرو بختک کو مسخرہ بناتا تھا اور سب ہنستے تھے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ عادی کو تو بلاؤ۔ جب عادی حاضر ہوا، بادشاہ نے فرمایا کہ کیوں عادی، ہم تمھیں دروازے کا نگہبان کریں اور تم ایسی غفلت کرو کہ بختک بے حکم ہمارے باغ میں آوے اور تم کو خبر تک نہ ہووے؟ عادی نے التماس کیا کہ قبلۂ

عالم، بختک کی طاقت ہے کہ بے اجازت حضور کے باغ میں قدم رکھے؟ میرے پاس آیا تھا کہ مجھ سے نذرانہ لو اور مجھ کو باغ میں جانے دو۔ میں نے اس کو جھڑک دیا۔ وہ اپنے گھر کو بسورتا ہوا چلا گیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ دیکھوتو، وہ کون بیٹھا ہے۔ عادی بختک کو دیکھ کر برہم ہوا اور گردن پکڑ کے بولا کہ باغ سے نکل کے دیکھ تو، کیا چوڑا چکلا کرتا ہوں۔ امیر نے عادی کو منع کیا کہ بختک سے مزاحم نہ ہو، بادشاہ نے اس کی تقصیر معاف کی ہے۔ تم جاؤ، جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھو۔ عادی تو باغ کے دروازے پر گیا اور محفل میں ساغر کو گردش ہوئی۔ جب طاؤسِ آفتاب کوہِ مغرب میں جلوہ افگن اور سرخابِ ماہ لبِ دریاے اخضرِ فلک خوش خرام ہوا، مشعلچیوں نے شمع ہاے کافوری جھاڑوں میں روشن کیں۔ سازندوں اور خوان بندوں نے سرِنو مجلس کو گرم کیا۔ عمرو تمام شب مئے ناب سے ہر ایک کو چھکاتا اور ظرافت کرتا رہا۔ صبح ہوتے ہی بادشاہ قصرِ چہل ستون میں رونق افروز ہوئے۔ امیر صنعت کاریگروں کی اس مکان میں دیکھ کر وجد کرنے لگے۔

القصہ، بادشاہ ہر روز امیر کو ایک نئے مکان میں لے جا کر محفلِ عیش و سرود برپا کرتے تھے اور انواع وضع سے امیر کو مسرور فرماتے تھے۔ چونکہ پانچ شبانہ روز بادشاہ کی پلک نہ جھپکی تھی، اس دم بادشاہ کی آنکھ لگ گئی۔ امیر بھی پوشاک بدلنے کے لیے قصرِ چہل ستون سے باہر تشریف لائے۔ ایک طرف کنجِ باغ میں جو پہنچے، ایک نہر دیکھی کہ پانی جس کا لطافت میں آبِ حیواں پر پہلو مارتا تھا اور جھنجریوں کی راہ سے محل میں جاتا تھا۔ مقبل سے فرمایا کہ ہم غسل کر کے پوشاک بدلیں گے۔ مقبل نے امیر کی پوشاک اتروائی۔ امیر نہانے لگے۔ اتفاقاً ملکہ مہر نگار، دخترِ نوشیرواں، بالاے قصر جھروکوں میں بیٹھی ہوئی ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ امیر پر جو اس کی نگاہ پڑی، تیرِ عشقِ امیر اس کے جگر کے پار ہوگیا۔ دل میں سوچی کہ مجھ کو تو اس کمانِ ابرو نے گھائل کیا، اس کا سلامت جانا خوب نہیں ہے۔ عنبرچہ گلے سے نکال کر امیر کی طرف پھینکا۔ امیر چاروں شانے چت پانی پر گرے۔ مقبل نے کود کر امیر کو سنبھالا اور گود میں لے کر نہر سے باہر نکالا۔ امیر نے ایسی آہِ سوزناک کھینچی کہ اگر آسمانیاں آئینۂ آفتاب پر غلافِ ابر نہ چڑھاتے تو اس کے دھویں سے سیاہ ہو جاتا۔ مقبل نے امیر کو سمجھایا کہ یہ مقام خود رفتہ ہونے کا نہیں ہے۔ پوشاک بدلیے اور مجلس میں چل کر بیٹھیے۔ بارے اس وقت امیر نے مقبل کی نصیحت سنی کہ پوشاک بدل کر قصرِ چہل ستون میں تشریف لے گئے، مگر بدحواس تھے۔ اور اس طرف ملکہ مہر نگار کا حال ابتر ہوا۔ المترجمہ:

چھپر کھٹ میں بیہوش ہو کر گری
وہ سایہ زدوں کی طرح سے پری

دائی ددا خواصوں نے اس کو گھیر لیا۔ کوئی کٹورا چہل کاف کا دھو کر پانی پلانے لگی، کوئی آیت الکرسی اس پر دم

کرنے، کوئی نادِعلی پڑھ کر پھونکنے لگی۔ ملکہ نے اپنے کو سنبھال کر کہا کہ کچھ نہیں، اس وقت آپ ہی آپ میرا سر پھر گیا تھا۔ امیر دم پر دم ساعت دیکھتے تھے کہ دن کہیں تمام ہووے تو بیتابیِ دل کی تدبیر کی جائے۔ بارے جوں توں کر کے دن کو کاٹا اور پھر رات تک ضبط کیے بیٹھے رہے۔ آخر بیتابیِ دل رہنموں ہوئی۔ بادشاہ سے التماس کیا کہ آج چھٹی شب ہے، پلک سے پلک فدوی کی نہیں لگی، اگر حکم ہو تو کسی قدر استراحت کروں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ بسم اللہ! امیر مع مقبل وفادار مجلس سے اٹھ کر جھروکے کے نیچے آئے۔ کوئی لگاؤ اوپر جانے کا نہ پایا۔ لیکن ایک درخت عظیم الشان محل کی دیوار سے ملا ہوا دیکھا۔ شاخیں اس کی بامِ قصر پر پھیلی ہوئی تھیں۔ مقبل کو اس درخت کے نیچے کھڑا کر کے آپ درخت پر چڑھ کے بامِ قصر پر گئے۔

پہلی ملاقات امیر کی سرحلقۂ خوبانِ روزگار یعنی ملکہ مہر نگار کے ساتھ

نبض شناسانِ عشاق و مزاج دانانِ بیمارانِ مرضِ فراق لکھتے ہیں کہ امیر نے سقفِ قصر پر سے دیکھا کہ ملکہ مہر نگار ماہ رویانِ پری پیکر کے بیچ میں بزم افروز ہے اور صراحی مئے گلگوں سے بھری ہوئی سامنے رکھی ہے۔ جامِ بوریں ہاتھ میں ہے لیکن گوہرِ اشک کی لڑی نوکِ مژہ سے تا بہ داماں مسلسل ہے۔ دن کو تو امیر نے دور سے دیکھا تھا، اب متصل سے جو نظارہ کیا، دیکھا کہ چشمۂ خورشیدِ درخشاں اس کے حسن کے آگے پانی بھرتا ہے اور ماہِ تاباں اس کے چہرۂ پرنور کے پرتو سے ضیا اخذ کرتا ہے۔ چاہِ زنخداں کو اگر ہاروت و ماروت دیکھتے تو اپنے کو غرقِ فنا پاتے۔ غبغب کو اگر ترنج دیکھتا تو دانت کھٹے ہو جاتے۔ قد نے اس کے سرو کو پا بہ گل کیا، رخساروں نے لالہ کو داغ دیا، آنکھوں نے غزالانِ ختن کو صحرا دکھلایا، ابرو نے ہلالِ فلک کو انگشت نما کروایا، زلف نے سنبل کو پیچ تاب دیا، مژہ نے دلِ عاشق میں برما کیا۔ دہن اس گل کا دیکھیں تو غنچے صرصرِ رشک سے بے سخن کملا جائیں، لبوں سے مقابل ہوں تو برگِ سمن شرما جائیں، گوش کا ہالۂ ماہ حلقہ بگوش، بینی راستی سے دوش بدوش، سلکِ دنداں کو اگر لولوے آبدار دیکھے تو حسرت سے آبِ جگر خشک ہو جائے۔ کمر کو کیا ہی بینا دیکھے، سرِ مو وجود اس کا نظر نہ آئے۔ پستان دو حبابِ بحرِ خوبی، شکم تختۂ الماسِ کانِ محبوبی، ناف غواصانِ دریاے محبت کے واسطے گرداب، پاؤں وہ کہ جس کے ہاتھ لگانے کے لیے عاشق بیتاب، المترجمہ:

کرے آفتاب اس سے گر آنکھ چار
چکاچوندھی آوے اسے بے شمار

مہہِ چاردہ اس کو گر دیکھ پائے
تو وہ داغ پر داغ خجلت سے کھائے
اگر دیکھتا یوسفِ حسن سنج
تو ہاتھ اس کا کٹتا، نہ کٹتا ترنج
زلیخا اسے دیکھ لیتی اگر
تو یوسف پہ کرتی نہ ہرگز نظر

امیر اس حسنِ دلآویز کو دیکھ کر آپ میں نہ رہے۔ ملکہ مہر نگار کو ہمنشینانِ محرمِ راز سمجھا رہی تھیں کہ اس گریہ وزاری سے نہیں معلوم کہ کیا طوفان برپا ہوگا۔ ایسی بے خود نہ ہو جاؤ، ذرا اپنے کو سنبھالو۔ آخر جس کے واسطے تمھارا یہ حال ہوا ہے، اس نے بھی تو تم کو دیکھا ہے، پس اس کو چین کہاں ہوگا۔ دیکھو تو وہ کیا کرتا ہے، البتہ کوئی نہ کوئی تدبیر ملنے کی کرے ہی گا۔

الحاصل، سبھوں نے سمجھا بجھا کر ملکہ کا رونا موقوف کروایا، اور فتنہ بانو نے، کہ ملکہ کی دایہ کی بیٹی ہے، ساغرِ مے ملکہ کے ہاتھ میں دیا کہ اس کو پی جاؤ۔ ملکہ نے کہا کہ ہم سب کے پیچھے پییں گے، پہلے تم لوگ اپنے اپنے صیاد کا نام لے کر پیو۔ سب سے پہلے فتنہ بانو نے اٹھا کے عمرو عیار کا نام لے کر پی لیا۔ امیر سن کر حیران ہوئے کہ عمرو یہاں کیونکر آیا! یہ سوچتے تھے کہ دوسری معشوقہ مقبل وفادار کا نام لے کر مئے گلگوں کا پیالہ پی گئی۔ امیر نے اپنے دل میں کہا کہ معقول! اس راز سے ہم خبر ہی نہ تھے۔ ملکہ نے ساغرِ مئے گلنار یہ کہہ کر منھ سے لگایا کہ میں کشتۂ حشام بن علقمہ خیبری کی یاد میں، کہ جس نے تم سب کو قید سے چھڑایا تھا، پیتی ہوں۔ امیر یہ سن کر بہت محظوظ ہوئے۔ پہر بھر کامل بزمِ بادہ خواری گرم رہی، ملکہ ہر بار نام صاحبقراں کا لے کر ساغرِ مئے ناب پیتی تھی۔ جب دو پہر سے رات زیادہ گذری، مجلس برخاست ہوئی۔ ملکہ چھپر کھٹ میں جا کر لیٹی۔ ہر چند کروٹیں لیتی تھی مگر صاحبقراں کے خیال میں نیند نہ آتی۔ زار زار روتی تھی، آخر روتے روتے آنکھ لگ گئی۔ صاحبقراں نے دیکھا کہ ملکہ بھی سو گئی اور سب حاضرین بھی اپنے اپنے مقام پر جا کے سو رہے، سیڑھیوں کی راہ بامِ قصر سے نیچے اترے اور دبے پاؤں ملکہ کے چھپر کٹ کے پاس گئے۔ دیر تک اس کے روے منور کو دیکھا کیے۔ دل میں سوچے کہ تو بڑی محنت سے یہاں تک پہنچا ہے، ایک بوسہ تو الگ تھلگ لے لے۔ صاحبقراں نے اپنے دونوں ہاتھ گل تکیوں پر رکھ کے چاہا کہ اس کے لبِ شیریں کو چومیں، ہاتھ تکیوں سے پھسل کے ملکہ کی چھاتیوں سے لگ گئے۔ ملکہ چونک پڑی۔ امیر کا تو خیال نہ رہا، بے اختیار چیخ مار کے چور چور کہنے لگی۔ ہر چار طرف سے خواصیں اٹھ کر دوڑیں۔ امیر نے کہا کہ اے جان، میں کشتۂ حشام بن علقمہ خیبری اور مقتولِ ادا و نازِ مہر نگار

پری ہوں۔ ملکہ امیر کو پہچان کر اپنے غل مچانے پر بہت شرمندہ ہوئی اور صاحبقراں کو جھٹ پٹ چھپر کٹ کے پیچھے چھپادیا۔ خواصوں سے کہا کہ میں بدخواب ہوئی تھی، اس سے چیخ مار اٹھی۔ اچھا تم لوگ جا کر سورہو۔ وہ تو نیند کی ماتیاں تھیں، اپنے اپنے مقام پر جا کر سورہیں، صاحبقراں ان کے جاتے ہی چھپر کٹ کے پیچھے سے نکل کر چھپر کٹ کے اوپر آئے۔ ملکہ نے دن کو تو دور سے نظارہ کیا تھا، اب جو پاس سے دیکھا، اور بھی غش کر گئی۔ صاحبقراں نے منھ سے منھ ملا کر اپنی بو جو سنگھائی، ملکہ ہوش میں آئی۔ اتنے میں سپیدہ صبح کا نمودار ہوا۔ صاحبقراں نے مانندِ شبنم اپنی چشمِ نرگس میں اشکِ حسرت بھر کے کہا کہ لو جانِ کشندۂ حسّام بن علقمہ خیبری، خداحافظ۔ اب ٹھہر نہیں سکتا کہ خوف افشائے راز کا ہے۔ بادشاہ سے سونے کا بہانہ کر کے آیا تھا، اگر جیتا رہا تو پھر رات کو بلاگرداں ہوں گا۔ مگر اس نیم بسملِ خنجرِ ناز کو بھولنا نہیں، یاد رکھنا۔ ملکہ بولی، بقولِ مترجم:

خدا کو کس طرح سونپوں کہ مانع بدگمانی ہے
رہے ہردم تمھاری جان کی میری دعا حافظ

امیر بدستور بامِ قصر سے نیچے اترے اور مقبل وفادار کو ساتھ لے کر مجلس میں آئے۔ بادشاہ بھی خوابگاہ سے برآمد ہو کر بزم افروز ہوئے۔ ہرگاہ گلِ خورشید کو نسیمِ سحری نے شگفتہ کیا۔ بادشاہ امیر کا ہاتھ پکڑ کے مع اربابِ محفل نشست گاہ چار چمن میں آئے۔ امیر کو مانندِ سیمابِ آتش دیدہ قرار نہ تھا۔ گھڑی گھڑی اٹھ کر محفل سے باہر جاتے تھے اور ایوانِ ملکہ مہرنگار کی طرف نگاہ کرتے تھے۔ بزرجمہر نے امیر کی بیتابی دیکھ کر تاڑا کہ ہو نہ ہو، امیر کہیں دل دے بیٹھے۔ عمرو کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کہا کہ میں آپ سے پہلے سوچا ہوں کہ حضرت نے دل کا سودا کیا۔ بختک نے بھی امیر کا اضطراب دیکھ کر تجویز کیا کہ امیر کسی پر شیفتہ ہوئے، یہ بےقراری خالی از علت نہیں ہے۔ بختک نے بادشاہ سے عرض کی کہ لوگ ہر گھڑی محفل سے اٹھ اٹھ کر باہر جاتے ہیں، مجلس کا لطف جاتا ہے۔ حکم دیجیے کہ جو کوئی بلاضرورت مجلس سے اٹھے گا، اس پر سو تمن جرمانہ کیا جائے گا۔ بادشاہ نے اس بات کو پسند کر کے امیر سے کہا کہ اب جو کوئی اٹھے گا اس پر سو تمن جرمانہ ہوگا۔ امیر نے عرض کی کہ بہت مناسب ہے۔ لیکن باوجود اس کہنے کے امیر دو مرتبہ مضطرب ہو کر محفل سے اٹھے اور دو سو تمن جرمانہ دیا۔

بزرجمہر نے عمرو سے کہا کہ کچھ ایسی تدبیر کیا چاہیے کہ بختک محفل سے دفع ہووے۔ عمرو نے کہا کہ یہ کتنی بڑی بات ہے! ابھی دفع ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر اسی وقت بادشاہ سے التماس کیا کہ اس وقت عجب طرح کا سماں ہے۔ اگر حکم ہو تو غلام اپنے ہاتھ سے دو چار جام حضور کو پلادے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اس سے کیا بہتر ہے۔ عمرو نے جامِ صراحی کو ہاتھ میں لے کر گردش دی اور ٹھٹھولیاں کرنے لگا۔ جب تین چار جام تواتر و توالی بادشاہ کو پلا چکا، ہرمز تاجدار کو ایک ساغر پلا کے امیر کو دیا۔ بعدازاں خواجہ بزرجمہر کو ایک پیالہ پلایا۔ اسی طرح سے

گردش کرتا خواجہ گراز الدین یعنی بختک کے منھ سے پیالہ لگانے لگا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا کہ اس وقت ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ عمرو کا استدعا کر کے ساقی گری کرنا خالی از علت نہیں ہے۔ عمرو سے کہنے لگا کہ میں نے کل سے توبہ کی ہے، میں نہیں پینے کا۔ عمرو نے پکار کر کہا کہ عجب بات ہے، سب اربابِ محفل حتیٰ کہ جہاں پناہ تک نے میری ساقی گری گوارا کی، مگر بختک کو گوارا نہیں ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ اگر ابلیس میرے ہاتھ سے ایک ساغر پیتا تو ہزاروں سجدے حضرت آدمؑ کو کرتا۔ عمرو کے اس لطیفے سے بادشاہ اور جمیع اہلِ محفل ہنس پڑے اور بختک سے کہنے لگے، نفس الامر میں عمرو کا ساقی گری کرنا خالی از تکلف نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ تم انکار کرتے ہو۔ ناچار بختک نے عمرو سے پیالہ لے کر زہر مار کیا۔ چونکہ اس میں عمرو نے کچا جمال گھوٹا ملایا تھا، ایک ساعت نہ گذری تھی کہ بختک کے پیٹ میں گڑبڑ پیدا ہوئی، مروڑا ہونے لگا۔ بادشاہ سے عرض کر کے اٹھا کہ خانہ زاد رفعِ ضرورت کے واسطے جاتا ہے۔ جب فراغت کر کے آیا، ایک لمحہ نہ ہوا تھا کہ پھر پیٹ میں درد ہونے لگا۔ مجبور اٹھ کر چلا۔ عمرو بولا کہ اب کہاں جاتے ہو؟ اس نے کہا کہ بیت الخلا۔ عمرو نے کہا کہ خیریت ہے؟ ابھی آپ ہو آئے ہیں۔ بختک نے سوتومان جرمانہ دیا اور حاجت رفع کر کے آیا۔ دم بھر نہ بیٹھا تھا کہ پھر خلش معلوم ہوئی، لیکن جرمانے کے خوف سے ضبط کر کے بیٹھا رہا۔ جب پیٹ میں بہت پیچ تاب ہوا تب تو تھام نہ سکا۔ دست خطا ہو گیا اور پاجامے کے پائینچوں سے بہہ نکلا۔ عمرو تو اسی تاک میں تھا۔ ساغر کو ہاتھ سے رکھ کر بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ اس وقت حضور کو سرور ہے، اگر خیابان کی سیر فرمائیں تو دونی فرحت حاصل ہو۔ بادشاہ نے فرمایا، عمرو، اس وقت ہمارا بھی یہی جی چاہتا تھا۔ بادشاہ امیر کا ہاتھ پکڑ کے چمنستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ حاضرینِ محفل اٹھ کھڑے ہوئے۔ بختک بھی بالضرورت اٹھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ بختک کی کرسی مطلق نجاست سے بھری ہوئی ہے اور اس کے پائینچوں کی راہ سے بھی زرد آب بہتا ہے۔ قالینِ کرمانی بھی گوہ سے لت پت ہے۔ عمرو نے بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نہایت جزبز ہوا اور عادی کو بلا کر فرمایا، یہ گوہی بدتمیز ہماری صحبت کے قابل نہیں ہے، اسے باغ سے نکال دو۔ عادی تو پیشتر سے اس پر زہر کھائے ہوئے تھا، حکم ہوتے ہی بختک کو ڈاڑھی پکڑ کے گھسیٹتا ہوا لے گیا۔

خواجہ بزرجمہر نے دل میں کہا کہ ہر چند بختک کو تو بہ حکمتِ عملی محفل سے نکالا، مگر امیر کا اضطراب دم بدم بڑھتا جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کچھ دل میں چرچیں۔ ہاتھ باندھ کر بادشاہ سے التماس کیا کہ حمزہ حضور کی قدردانی سے بہت احسان مند ہوا۔ تاحیاتِ مستعار ممنون رہے گا۔ اب قبلۂ عالم چل کے سریرِ سلطنت پر رونق افزا ہوں کہ خلق اللہ منتظرِ عدالت ہے۔ بادشاہ کو بزرجمہر کا کہنا بہت پسند آیا۔ امیر کو خلعتِ شاہانہ دے کر رخصت کیا اور آپ بارگاہ میں تشریف لے جا کر مصروف بہ عدالت و انصاف ہوئے۔

بیتاب ہونا ملکہ مہر نگار کا جدائی میں امیر کی اور جانا امیر کے اردو کی طرف اور اثنائے راہ میں ملاقات ہونا امیر کے ساتھ

محررانِ دفترِ عشق و محبت لکھتے ہیں کہ صاحبقراں تل شادکام پر جا کے گھڑیاں اور ساعتیں گنا کیے اور روزِ ہجراں کو بہ امیدِ شبِ وصال کاٹا۔ ہرگاہ سیمرغِ خورشید نے آشیانۂ مغرب میں بسیرا کیا اور تدروِ ماہ سطحِ فلک پر خوش خرام ہوا، امیر نے دست بقچۂ لباس شبروی کا طلب کیا۔ جامۂ اطلس سیاہ گلے میں پہنا، کمر بندِ زربفتِ سیہ کمر میں باندھا، شملہ سیاہ شال کا سر پر لپیٹا، خنجر و شمشیر کمر و ڈاب میں لگا کے پیتاوہ سوف کا پاؤں میں، اس پر کفش نمدی پہن کر، کمند کے حلقے شانے سے لگا، نقاب سیاہ ریشم کا اپنے رخِ انور پر ڈال کے، اس سج دھج سے مقبل کو ہمراہ لے کر خیمے سے نکلے اور ملکہ مہر نگار کے محل کی طرف چلے۔ اثنائے راہ میں عمرو چھپا ہوا کھڑا تھا۔ جست کر کے بولا کہ خبردار! او چورو، کہاں جاتے ہو؟ تم نہیں جانتے کہ میں طلایہ پھرتا ہوں؟ بے شرط کہ روند ڈالوں؟ امیر نے کہا کہ اے دزدِ مکار، سچ کہتا ہے۔ عمرو نے امیر سے کہا کہ اے امیر، معلوم ہوا کہ میں نامحرم ہوں، تب تو مجھ سے اپنا راز چھپاتے ہو۔ امیر نے فرمایا کہ اگر تو نامحرم ہوگا تو محرم کون ہوگا؟ مگر اس لیے میں نے تجھ سے نہیں کہا کہ تو مجھ کو نصیحت کرے گا اور میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ لے، آ تو بھی میرے ساتھ چل۔ کوچۂ جاناں میں جاتا ہوں۔ عمرو نے پوچھا کہ شہریار، وہ کون ہے اور کیسی ہے کہ جس کے واسطے تم سا مستقل مزاج بے قرار ہے؟ امیر نے فرمایا کہ سننا بھلا کہ دیکھنا؟ چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

امیر عمرو نے یہ باتیں کرتے باغِ داد کی طرف چلے جاتے تھے۔ ملکہ مہر نگار کا حال سنیے۔ امیر کے فراق میں

جس مصیبت سے اس پر دن کٹا، اس سختی سے کسی بیمار پر رات بھی نہ کٹتی ہوگی۔ دن بھر چھپر کھٹ میں منھ لپیٹے پڑی رہی۔ نہ اٹھی نہ بیٹھی، نہ منھ دھویا نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا، نہ کنگھی چوٹی کی نہ پوشاک بدلی، مگر ہاں، تمام دن اشکوں سے منھ دھویا کی۔ کھانے کے بدلے لختِ جگر کھایا، پانی کے بدلے اگر کسی کو آتے دیکھا تو آنسو پی گئی۔ کنگھی چوٹی کے عوض بالوں کو اپنے دل کی طرح پریشان کیا، پوشاک کے بدلے چادر سے منھ لپیٹے چھپر کھٹ میں پڑی رہی۔ اگر کسی کو اپنے پاس نہ دیکھا تو وحشیوں کی طرح سے اِدھر اُدھر دیکھ کر بے اختیار آہِ سرد کھینچ کر یہ شعر مترجم کا پڑھنے لگی:

جلد دکھلا صورت اپنی اے مسیح
بہرِ دیدار آئی ہے آنکھوں میں جان

اس شعر پڑھنے کے بعد یہ غزل مترجم کی پڑھ کر بے اختیار رونے لگی:

اس پری پر دل جو دیوانہ ہوا
دشمنِ جاں اپنا بیگانہ ہوا
حور بےخود ہو تجلّی دیکھ کر
اس شمع رو پر ہوں پروانہ ہوا
بادۂ الفت کے پینے کے لیے
ساغرِ چشم اس کا پیمانہ ہوا
طائرِ دل دامِ کاکل میں پھنسا
خالِ مشکیں اس کا جو دانہ ہوا
سایۂ کاکل ہوا بارِ گراں
سوسنی اس گُل کا کل شانہ ہوا
بعدِ مدت فیضِ عشقِ یار سے
دل کا ہے آباد ویرانہ ہوا
دیکھیے غالب بچے کس طرح جاں
دشمنِ جاں سے ہی یارانہ ہوا

خواصوں نے ملکہ کا حال دیکھ کر فتنہ بانو سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے ملکہ نے کہیں دل اپنا گنوایا، کہ خواب و خور حرام ہے۔ دایہ سے یعنی اپنی ماں سے اس راز کو افشا کرو کہ وہ کچھ تدبیر کریں، نہیں تو عشق خانہ خراب خانماں سوز ہوتا

ہے۔ دل و جگر کو پھونک دیتا ہے، خلل دماغ میں پیدا کرتا ہے، رنگِ گلنار کو زرد زعفران سا کرتا ہے۔ گلی گلی کے تنکے چنواتا ہے، لڑکوں سے پتھر کھلواتا ہے، لبوں کو سکھاتا ہے، آئی مت بھلاتا ہے، دم بہ دم نالۂ گرم کرواتا ہے، آہِ سرد بھرواتا ہے، شیشۂ نام و ننگ کو سنگِ بے صبری سے تڑواتا ہے، بے سرو پا کر کے سر پتھروں سے پھڑواتا ہے، کانوں میں پنبۂ غفلت بھرتا ہے، نصیحت سننے کو منع کرتا ہے۔ فتنہ بانو نے کہا کہ میں تو نہیں کہنے کی مگر تم لوگ اماں جان سے کہو۔ میرے کہنے سے تمھارا کہنا زیادہ ہے۔ آخر چند خواصوں نے بالاتفاق دایہ سے اس ماجرے کی اطلاع دی۔ دایہ بڑبڑاتی، پیٹ پکڑے، ملکہ کے پاس دوڑی گئی۔ دیکھے تو واقعی ملکہ کا عجب حال ہے۔ منھ لپیٹے ہوئے چھپرکھٹ میں پڑی ہے۔ دایہ نے چادر کو منھ سے اٹھا کر کہا کہ بنو، خیر تو ہے، چھپرکھٹ میں پڑے رہنے کی کیا وجہ ہے؟ مجھ سے نہ چھپاؤ، دردِ دل اپنا بے خوف و خطر مجھ کو سناؤ۔ بچپن سے میں تمھاری محرمِ راز ہوں۔ ملکہ نے کہا کہ ہر چند شرم مانع ہے مگر بے تم سے کہے بھی کام نہیں نکلتا ہے، کہ میرے سوزِ جگر سے تمھارا دل جلتا ہے۔ اے دایہ، کشندۂ حشام بن علقمہ کا تیرِ عشق میرے جگر کے پار ہو گیا ہے۔ بے مرہمِ وصال کسی طرح سے یہ زخم اچھا نہ ہوگا۔ دایہ بولی کہ ملکہ، مقامِ غور ہے کہ کیسے کیسے شاہزادگانِ کیانی و ساسانی کا پیغام آیا اور تم نے قبول نہ فرمایا، اور یہ شخص مسلمان، غیر کفو، غیر مذہب ہے، میرے نزدیک مناسب نہیں ہے کہ تم اس کے پہلو میں بیٹھو۔ ملکہ نے کہا کہ اے دایہ، عشق کو مذہب و غیر مذہب سے کیا سروکار ہے؟ یہ تم خوب سمجھ لو کہ بے وصالِ صاحبقراں کے جان میری نہیں بچنے کی۔ یہ کہہ کر ایک عنبرچہ، تین ہزار روپے کی خرید، گلے سے اتار کر دایہ کو دیا اور کہا کہ دایہ، بہت کچھ صاحبقراں سے میں تجھ کو دلوادوں گی۔ دایہ طمع میں خواجہ عمرو سے کچھ کم نہیں ہے، عنبرچے کو دیکھتے ہی منھ میں پانی بھر آیا اور یہ بھی سوچی کہ ملکہ نصیحت پذیر نہیں ہوگی تو اپنا فائدہ کیوں چھوڑے۔ ملکہ سے بولی کہ اگر یہی مرضی ہے تو اٹھو، حمام کر کے اپنے کو ہر ہفت کرو۔ پھر رات گئے لباس شبروی کا پہنا کر میں تم کو صاحبقراں کے پاس لے چلوں گی۔ مگر صبر کو ہاتھ سے نہ دو کہ راز افشا ہووے۔ اس کے ظاہر ہونے میں سوائے نقصان کے کچھ سود نہیں ہے۔ ملکہ کو تسکین ہوئی۔ اسی وقت اٹھ کر حمام کیا اور لباسِ کیخسروی پہنا۔

جب گھڑیالی نے پہر رات بجائی، دایہ نے ملکہ کو لباسِ شبروی پہنایا اور آپ بھی مردانہ بھیس کیا۔ بامِ قصر پر جو برج تھا، کمند کو اس سے باندھ کر ملکہ کو لے اتری اور تلِ شادکام کی راہ لی۔ تھوڑی دور امیر کا اردو باقی تھا کہ تین شخص سیاہ پوش دکھائی دیے۔ ملکہ اور دایہ ان کو دیکھ کر درخت کی آڑ میں ہو گئیں۔ امیر کی بھی نگاہ ان دونوں سیاہ پوشوں پر پڑی تھی۔ مقبل سے بآوازِ بلند فرمایا کہ مقبل، دیکھنا یہ دونوں سیاہ پوش کون ہیں۔ ملکہ نے آوازِ امیر کی پہچان کے یہ دوہرا بہ آواز بلند پڑھا:

جس کے کارن بن گئے سڑی اور باورے ہائے
پوچھت ہے انجان کو یہ دکھیا کو آئے

مقبل جو نزدیک آیا، دیکھا کہ ملکہ مہر نگار ہے۔ امیر کو وہیں سے پکارا کہ آپ تشریف لا کر پہچانیے کہ یہ کون ہیں۔ امیر جو آکر دیکھیں تو ملکہ ہے۔ خوشی کے مارے اپنے جامے میں نہ سمائے۔ ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ملتی تو ایسے خوش نہ ہوتے۔ ملکہ کا ہاتھ پکڑ کے اپنے خیمے کی طرف پھرے۔ عمرو نے آکر سلام کیا اور کہا کہ حقیقت میں ملکۂ آفاق، یہ تو آپ نے بڑا احسان کیا کہ ہم لوگوں کو اس وقت شبروی سے باز رکھا۔ ملکہ نے مقبل سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ مقبل نے کہا کہ خواجہ عمرو عیار یہی ہے۔ ملکہ اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر حیران ہوئی۔

امیر جب بارگاہ میں ملکہ مہر نگار کو لے کر داخل ہوئے، ملکہ کو اپنے پہلو میں بٹھلا کے بادۂ ارغوانی جامِ بلوریں میں بھر بھر کر اپنے ہاتھ سے پلانے لگے، اور ملکہ ایک جام و صراحی لے کر امیر کو پلانے لگی۔ عمرو بیٹھا ہوا گایا کیا۔ امیر نے دایہ کو کئی ہزار تومان اور ایک کشتی جواہر کی عطا کی اور بہت سے انعام کا امیدوار کیا۔ قبل از صبحِ کاذب کے مقبل و عمرو کو اپنے ساتھ لے کر ملکہ مہر نگار کو اس کے قصر میں پہنچا آئے۔

جس وقت ملکہ مع دایہ محل میں داخل ہوئی، بعض بعض خواجہ سرا جاگتے تھے۔ دونوں سیاہ پوشوں کو دیکھ کر چور چور کہہ کر غل مچانے لگے۔ جب روزِ روشن ہوا، مہندی کا چور بھی نہ دکھائی دیا۔ نواب ناظر نے ملکہ مہر انگیز سے عرض کی کہ دو مرتبہ ایوانِ مہر نگار میں چور کا غل ہو چکا ہے، اور سوائے اس کے، لشکر عربوں اور ترکوں کا نزدیک پڑا ہوا ہے۔ کون کسی کے دل میں بیٹھا ہے۔ نیک اندر بد و بد اندر نیک سبھی قوم میں ہوتے ہیں۔ اولیٰ یہ ہے کہ کوئی سردار شاہزادی کے محل کے گرد طلایہ پھرنے کو مقرر ہووے۔ ملکہ مہر انگیز نے بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے عنتر تیغ زن نامی پہلوان کو چار سو سوار پیادے کی جمعیت سے ملکہ مہر نگار کے محل کی پاسبانی کے واسطے مامور کیا۔

امیر کی سنیے کہ آدھی رات تک تو ملکہ مہر نگار کا انتظار کیا، جب ملکہ نہ پہنچی تو عنتر تیغ زن کا مقرر ہونا محل کی نگہبانی کے واسطے سنا۔ دردِ دل نے بیتاب کر دیا۔ لباسِ شبروی مانگا۔ عمرو نے امیر کا حال دیکھ کر رو دیا اور ہاتھ باندھ کے پاؤں پر گر پڑا کہ حمزہ، خدا کے واسطے آج کی رات خیمے سے باہر نہ نکل۔ سنتے ہیں کہ عنتر تیغ زن کو بادشاہ نے پاسبانی کے واسطے مقرر کیا ہے۔ مبادا عنتر تیغ زن دیکھ پائے اور تجھ کو کچھ ایذا پہنچائے۔ یا تو امیر روتے تھے یا بے اختیار ہنس پڑے اور فرمانے لگے کہ اے عمرو، تو مجھ کو مرنے سے ڈراتا ہے؟ تو نہیں جانتا کہ میں کشندۂ حشام بن علقمہ خیبری ہوں؟ مگر ہاں، اگر تجھ کو اپنی جان عزیز ہے تو میرے ساتھ نہ چل۔ یہ کہہ کر مقبل کو اپنے ساتھ لیا اور ملکہ مہر نگار کے محل کی طرف روانہ ہوئے۔ عمرو سے کب رہا جاتا تھا، پیچھے پیچھے امیر کے لگا ہوا چلا گیا۔ جب باغِ داد کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ عنتر کا طلایہ، مشعلیں اور چور مہتاب روشن کیے، بیدار

باش ہوشیار باش کہتا ہوا چلا آتا ہے۔ ایک جا پر کچھ گنجان درخت تھے۔ امیر ہمراہیوں سمیت ان درختوں میں دبک گئے۔ جب طلایہ نکل گیا، محل کے نیچے جا کر بدستور مقبل کو نگہبانی کے واسطے چھوڑا اور آپ مع عمرو سقفِ قصر پر پہنچے۔ دیکھا کہ ملکہ مہر نگار پوشاکِ شاہانہ پہنے، سامانِ مجلس آراستہ کیے بیٹھی ہے۔ جام وصراحی کی کشتیاں آگے رکھی ہوئی ہیں، شمع ہائے کافوری کثرت سے روشن ہیں۔ ایک پہلو میں طرار خوباں، مقبل کی عاشق، اور دوسرے پہلو میں فتنہ بانو دخترِ دایۂ ملکہ، عاشقِ عمرو عیار، بیٹھی ہیں، اور سوائے ان دونوں کے، جو خواصیں کہ ملکہ کی محرمِ راز ہیں، وہ سامنے ساز وسرود لیے ہوئے حاضر ہیں، اور ملکہ دیدۂ انتظار سقفِ قصر کی طرف لگائے ہوئے بشاش بیٹھی ہے۔ دایہ نے کہا کہ بلالوں، آج صاحبقراں کا آنا بہت دشوار ہے کہ عنتر چار سو سوار پیادہ سے طلایہ پھر رہا ہے۔ ملکہ بولی کہ اے دایہ، اگر صاحبقراں واقع میں میرا عاشق ہے تو یہ طلایہ تو کیا، اگر تمام فوج بادشاہ کی طلایہ پھرے تو تو بھی وہ آوے، اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ صاحبقراں کوئی دم میں آ دھمکتا ہے۔ صاحبقراں ملکہ کی باتیں سن کر دل میں بہت خوش ہوئے اور سقفِ قصر سے نیچے اترے۔ ملکہ نے دایہ سے کہا کہ کیوں، میں نہ کہتی تھی؟ دیکھو وہ صاحبقراں آئے۔ اٹھ کر صاحبقراں کا ہاتھ پکڑ کے تخت پر لا بٹھایا اور اپنے ہاتھ سے جام مئے گلگوں سے بھر بھر کے دینے لگی۔ صاحبقراں ملکہ کی گردن میں ہاتھ ڈال کر شراب پینے لگے اور عمرو گانے لگا۔

ایک لمحے بعد ملکہ نے عمرو سے کہا کہ ان معشوقوں میں سے کوئی تجھ کو بھی پسند ہے؟ عمرو بولا کہ کیونکر عرض کروں، وہ آپ کی بڑی مصاحب ہے۔ ملکہ نے قسم دے کر کہا کہ ان میں سے جو منظورِ نظر ہو اس کے پہلو میں جا بیٹھ۔ عمرو کود کر طرار خوباں کی بغل میں جا بیٹھا۔ وہ لگی عمرو کو گالیاں دینے۔ ملکہ نے کہا کہ اے عمرو، وہ کیا کہتی ہے؟ عمرو بولا کہ حضور، کہے گی کیا، ناز کرتی ہے۔ ملکہ ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئی اور کہنے لگی کہ عمرو، سچ کہہ، اس کی کون سی بات تجھ کو پسند آئی؟ عمرو بولا کہ اس کے پاس زیور بہت سا ہے۔ اس بات پر پھر دوبارہ ہنسی پڑی۔ طرار خوباں جو دق ہونے لگی، ملکہ بولی کہ اے طرار خوباں، تو بھی کتنی بے مزہ اور نک چڑھی ہے! اری، عمرو دوسرا امیر ہے۔ اس کی معشوقہ مجھ سے رتبے میں کم نہیں ہے۔

اس اختلاط کے بعد امیر نے ملکہ سے جنابِ احدیت کی وحدت کا اقرار لیا اور کلمہ تلقین کیا۔ ملکہ نے مسلمان ہو کر امیر سے کہا کہ جب تک میں جیتی رہوں گی، آپ کے حکم سے باہر نہ ہوں گی۔ امیر نے فرمایا کہ میں بھی جب تک تم سے شادی نہ ہو لے گی، کسی عورت کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھوں گا۔ بایکدیگر یہ قول وقرار ہو رہے تھے کہ صبح کا تارا فلک پر چمکا۔ امیر ملکہ سے رخصت ہوئے اور مع عمرو بامِ قصر سے نیچے اتر کر اپنے خیمہ گاہ کی طرف چلے۔ اثنائے راہ میں عنتر کا طلایہ ملا اور ان لوگوں نے چور چور کہہ کر امیر کا پیچھا کیا۔ امیر نے تلوار کھینچ کر دس بارہ آدمی واصل بہ جہنم کیے اور آپ بخیر وخوبی اپنے اردو میں داخل ہوئے۔ جب آفتاب برآمد ہوا، عنتر نے

دیکھا کہ سوائے اپنے آدمیوں کے کسی غیر شخص کی لاش نظر نہیں آتی۔ بادشاہ سے تمام حال جا کر عرض کیا۔ اس دن جو صاحبقراں حسبِ دستور دربار میں گئے، بادشاہ نے فرمایا کہ اے ابوالعلا، عجب ماجرا ہے۔ میں نے چوروں کا غل سن کر عنتر کو محل کی پاسبانی کے واسطے مقرر کیا تھا، سو آخر آج شب کو دس بارہ آدمی اس کے ہمراہیوں میں سے مارے گئے۔ ہر چند تکلیف تو ہوگی، مگر اگر آپ محل کی پاسبانی کرتے تو چور ضرور گرفتار ہوتا یا مارا جاتا۔ امیر نے کہا کہ میں تابعدار ہوں، جو حکم ہوگا بجا لاؤں گا۔ لوگوں نے سن کر کہا کہ بادشاہ نے خوب کیا جو صاحبقراں کو محل کی پاسبانی کے واسطے مقرر کیا۔ اگر کوئی ساسانی ہے تو امیر کا نام سن کر کبھی اس طرف کو رخ نہ کرے گا، اور اگر عربوں یا ترکوں میں سے کوئی ہے تو وہ بھی جرأت نہ کرے گا۔ مگر بختک نے اپنے دل میں کہا کہ یہ وہی مثل ہوئی، سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا۔ بادشاہ نے گوسفند کی نگہبانی کے لیے گرگ کو مقرر کیا۔ زہے دانائی بادشاہ کی!

امیر نے مقبل کے ساتھ دو سو آدمی طلایہ پھرنے کے واسطے بھیجے اور آپ بدستور پہر رات گذرے عمرو عیار کو ساتھ لے کر ملکہ کے پاس پہنچے۔ تمام رات شراب پیتے اور گانا عمرو کا سنتے رہے۔ جب صبح قریب ہوئی، امیر ملکہ سے رخصت ہو کر تلِ شادکام پر تشریف لے گئے اور دربار کے وقت دربار میں جا کر بادشاہ سے کہا کہ فدوی حسب الحکم تمام رات طلایہ پھرا، مگر کسی چور کو نہ دیکھا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ تمھارے خوف سے کوئی نہیں آیا، جانا کہ اگر جاؤں گا تو مارا جاؤں گا۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے امیر کو خلعت دیا۔

بختک نے بادشاہ سے عرض کی کہ آج قارن دیوبند کو، کہ ساسانیوں میں بزرگ زادہ مشہور ہے، طلایہ پھرنے کا حکم دیجیے۔ بادشاہ نے قارن کو طلایہ پھرنے کا حکم دیا۔ بختک نے بجائے خود قارن سے کہا، اے پہلوان، تو طہمورث دیوبند کی اولاد میں ہے، بہت ہوشیاری سے طلایہ پھریو۔ اس نے کہا کہ تو خاطر جمع رکھ۔ جب دربار برخاست ہوا، امیر تلِ شادکام پر تشریف لے گئے۔ قارن دیوبند نے تین سو پہلوان اپنے دستے میں سے انتخاب کیے اور سرِ شام سے طلایہ پھرنے لگا۔ ملکہ نے جو قارن کے طلایہ پھرنے کی خبر سنی، کمال مضطر ہوئی۔ دایہ سے کہنے لگی کہ آج قارن دیوبند طلایہ پھرنے پر مامور ہوا ہے اور امیر یقیناً آنے کا قصد کریں گے۔ کوئی ایسا ہوتا کہ میری طرف سے امیر کو منع کراتا کہ آج تم آنے کا ارادہ نہ کرنا۔ دایہ بولی کہ امیر ایسے نادان نہیں ہیں۔ آج وہ خود نہ آویں گے۔

امیر کا حال سنیے کہ جب دو پہر رات گذری، یراقِ شبروی طلب کیا۔ عمرو نے اپنا سر پیٹا کہ حمزہ، معلوم نہیں تو کیا چاہتا ہے۔ تجھ سے ایک رات بھی صبر نہیں ہو سکتا؟ امیر نے کہا، اے عمرو، عشق و صبر میں لاگ ہے، اور میرے جانے کا سدِ راہ کون ہے؟ عمرو نے کہا کہ قارن دیوبند ایسا پہلوان نہیں ہے کہ وقت پر طرح دے

جاوے گا۔ امیر نے فرمایا کہ جب میں قارن سے ڈراتو عشق و عاشقی کر چکا۔ یہ کہہ کر لباسِ شبروی اپنے بدن پر آراستہ کیا اور خیمے سے باہر نکلے۔ مقبل اور عمرو بھی ساتھ ہوئے۔ دیکھا کہ چند گروہ جدا جدا، چور مہتابیں روشن کیے ہوئے، طلایہ پھر رہے ہیں۔ جب امیر باغ میں پہنچے، دیکھا کہ قارن ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ مقبل نے امیر سے کہا کہ حکم کیجیے، ایک تیر ایسا ماروں کہ قارن کرسی سے وصل ہو جائے۔ امیر نے کہا کہ مجھے کسی کے مارنے سے کیا کام ہے؟ جو کوئی میرا سدِ راہ ہوگا اسے سمجھ لوں گا۔ یہ کہہ کر چھپتے چھپاتے، اس کی نگاہ سے اپنے کو بچاتے، قصر کی دیوار کے نیچے پہنچے۔ مقبل کو بدستور کھڑا کر کے آپ مع عمرو کمند لگا کر محل پر چڑھ گئے۔ ملکہ امیر کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئی اور دوڑ کر گلے سے لپٹ گئی۔ تمام رات عیش و عشرت میں کاٹی۔ جب صبح قریب ہوئی، صاحبقراں ملکہ سے رخصت ہو کر چلے۔ پہلے عمرو اترا۔ جب نوبت صاحبقراں کے اترنے کی آئی، قارن نے دوڑ کر امیر کو تلوار ماری۔ امیر تو بچے، مگر وہ تلوار کمند پر پڑی، کمند دو ٹکڑے ہو گئی۔ ہر چند صاحبقراں کو مقبل نے روکا مگر لنگر امیر کا مقبل سے کب سنبھل سکتا تھا، صاحبقراں کا سر دیوار سے ٹکر کھا کر پھٹ گیا۔ اس وقت مقبل و عمرو نے کئی آدمی سنگ فلاخن و تیر سے مارے۔ قارن نے جو دیکھا کہ حمزہ ہے، پہچانا کیا، مگر اس کمند کو بادشاہ کی خدمت میں گذرانا۔ اس کمند پر نام حمزہ کا منقوش تھا۔ بادشاہ دیکھ کر کمال ناخوش ہوا اور بزرجمہر سے فرمایا کہ خواجہ حمزہ نے یہ کیا حرکت کی؟ بزرجمہر نے کہا، یہ کمند جعلی ہے۔ حمزہ ایسا نہیں ہے کہ جس سے ایسی حرکتِ ناملائم وقوع میں آئے۔ قارن بولا کہ حمزہ کا سر بھی دیوار سے لگ کر پھٹ گیا ہے۔ بلا کر دیکھ لیجیے۔ بادشاہ نے امیر کو طلب کیا۔

امیر کا حال سنیے کہ جب خیمے میں پہنچے، دل میں تصور کیا کہ یقیناً قارن زخمِ سر کا حال بادشاہ سے کہے گا، کمال رسوائی ہوگی۔ لگے رو رو کر دعا مانگنے۔ خداوند، تو ستار العیوب ہے، میرے راز کو نامحرموں سے چھپا، میرے سر پر نشان بھی زخم کا نہ رہے۔ دفعتاً ایک غفلت سی امیر کو آ گئی۔ دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاتھ سر پر پھیر کر فرماتے ہیں کہ حمزہ، اٹھ، تیرے سر کا زخم اچھا ہو گیا۔ آنکھ جو امیر کی کھل گئی، سر کو جو ٹٹول کے دیکھیں تو زخم کا نشان بھی نہیں ہے۔ خبر ہوئی کہ بادشاہ نے یاد کیا ہے۔ امیر بادشاہ کی خدمت میں گئے۔ بادشاہ نے امیر کا جو سر دیکھا تو زخم کیا، گومڑ بھی سر پر نہ پایا۔ بادشاہ نے بزرجمہر کے قول کو سچ جانا اور قارن پر عتاب کیا کہ حمزہ پر تہمت تو نے کیوں لی؟ اور امیر کو خلعت سے سرفراز کیا۔

چند روز کے بعد بہرام نے بھی غسلِ صحت کیا۔ ایک دن سرِ دربار بزرجمہر نے بادشاہ سے عرض کی کہ جب سے خسروِ بلادِ ہندوستان ملک لندھور بن سعدان شاہ تخت پر بیٹھا ہے، ہندوستان کا خراج خزانہ عامرہ میں داخل نہیں ہوتا، اور سبب اس کا یہ ہے کہ خسروِ بلادِ ہندوستان از بس زور آور ہے، چنانچہ ایک ہزار سات سو من تبریزی کا اس کا گرز ہے، اور ہاتھی پر سوار ہوتا ہے، تصویر اپنی مع گرز و فیل بنوا کر طاقِ کسریٰ کے دروازے پر کھڑی

کی ہے، کسی کیانی کا گھوڑا خوف سے اس تصویر کے پاس نہیں جاتا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ کچھ اس کی تدبیر کیا چاہیے۔ بزرجمہر نے عرض کی کہ اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہے، جب امرا دربار میں حاضر ہوں، حضور سرِ دربار فرمادیں کہ خسروِ بلادِ ہندستان ملک لندھور بن سعدان شاہ کو نخوتِ زور نے میری اطاعت سے باز رکھا ہے۔ جانتا ہے کہ پردۂ زمین پر میرے مقابلے میں کوئی زور آور نہیں ہے۔ دیکھیے کہ کون اس کی مہم کی ہامی بھرتا ہے۔

پہنچنا عریضہ برادرِ سعدان شاہ کا لندھور کی شکایت میں اور روانہ ہونا امیر کا اس کی گوشمالی کے لیے ہندوستان کی طرف

محررانِ افسانۂ کہن اس طرح سے داستاں پرداز ہیں کہ ہنوز بادشاہ لندھور کی سرکشی کا ذکر دربار میں نہ کرنے پایا تھا کہ آواز فریاد الغیاث کی آئی۔ حسب الحکم بادشاہ کے بختک بارگاہ سے باہر آیا اور بادشاہِ سراندیب کے قاصد کے ہاتھ سے عرضی لے کر حضور میں شہنشاہ کے سرِ دربار بآوازِ بلند پڑھنے لگا۔ بعدِ ذکرِ معبودیِ لات و منات و توصیفِ آتش کدۂ نمرود وصفتِ دین و مذہبِ فریدون وقباد، لکھا تھا کہ شہنشاہِ ہفت اقلیم کی رائے انور پر روشن ہووے کہ مجھ سے پہلے سعدان شاہ میرا بھائی تخت نشیں تھا۔ ایک دن صید کے پیچھے لشکر سے جدا ہو کر تین روز جنگل میں سرگرداں رہا۔ از بسکہ تشنگی کا غلبہ ہوا، پانی کی تلاش میں ایک چشمے پر پہنچا۔ دیکھا کہ ایک عورت، طویل القامت، تین مشکیں پانی سے بھری ہوئیں سر پر اٹھاتی ہے۔ سعدان شاہ نے اس سے کہا کہ میں تین دن سے پیاسا ہوں، تھوڑا پانی مجھ کو پلا۔ اس نے ان مشکوں کا پانی پھینک دیا اور تازہ پانی بھرنے لگی۔ سعدان شاہ اس حرکت سے اس کی نہایت برہم ہوا اور دل میں کہا کہ پانی پی لوں تو جیسا اس نے میرے مانگنے پر پانی مشکوں سے بہایا ہے ویسا اس کا خون بہاؤں۔ بارے اس عورت نے ایک ہاتھ میں پانی بھر کر سعدان شاہ کے آگے رکھا۔ جب وہ پانی پینے لگا، اس عورت نے ایک دو چار گھونٹ پینے کے بعد ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھنے لگی کہ تو کون ہے اور تیرا کیا نام ہے؟ سعدان شاہ نے کہا کہ اے بدبخت، پانی تو مجھے پیاس بھر کے پی لینے دے، پھر پوچھنا۔ لیکن اس نے نہ مانا اور اپنی حرکت سے نہ باز آئی۔ سعدان شاہ نے دو دو چار چار گھونٹ پانی پی پی کر پیاس بجھائی اور تلوار کھینچ کر اس کے مارنے کا قصد کیا۔ وہ عورت بولی کہ اے شخص، میں نے تیرا کیا گناہ کیا ہے کہ تو مجھ کو قتل کرتا ہے؟ سعدان شاہ نے کہا کہ پہلے میں نے تجھے کہا کہ تین دن کا میں پیاسا ہوں، تو نے تین

مشکیں پانی کی بھری ہوئیں زمین پر خالی کر دیں اور دوبارہ پانی بھرنے لگی۔ اتنی دیر اور مجھے پیاسا رکھا۔ جب پانی دیا اور میں پینے لگا تو سانس بھر کے پینے نہ دیا، دو دو چار چار گھونٹ کے بعد مجھے ٹوکنا شروع کیا کہ تو کون ہے؟ اس عورت نے ہنس کر کہا کہ پہلے تو اپنا نام و نشان بتا، پیچھے میں اس کا جواب دوں گی۔ سعدان شاہ نے کہا کہ اس مملکت کا میں بادشاہ ہوں، سعدان شاہ میرا نام ہے۔ اس نے کہا کہ ہزار حیف، تو بارہ ہزار جزیرے کا بادشاہ ہو کر عقل سے معذور ہے۔ سعدان شاہ بولا، کیونکر؟ اس نے کہا کہ سن، جس وقت تو نے مجھ سے کہا کہ میں تین دن کا پیاسا ہوں، میں نے پانی پھینک دیا، اور دوبارہ پانی بھر کر دیا بھی تو سانس بھر کر پینے نہ دیا، اس لیے کہ ایسا نہ ہو پانی تیرے کلیجے میں لگے اور تو مر جاوے۔ سعدان شاہ یہ بات سن کر اس کی عقل پر دیوانہ ہو گیا اور پوچھا کہ تو کہاں رہتی ہے؟ تیرا کوئی وارث بھی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ سوائے خدا کی ذات کے میرا کوئی تو والی وارث نہیں ہے۔ سعدان شاہ نے شہر میں لا کر اس سے نکاح کیا۔

چند روز کے عرصے میں وہ عورت حاملہ ہوئی اور سعدان شاہ نے انتقال کیا۔ تخت پر میں بیٹھا۔ بعدِ ایامِ معین وہ عورت بیٹا جنی۔ قد اس لڑکے کا پانچ گز کا تھا۔ کتنے دنوں کے بعد وہ عورت بھی مر گئی۔ میں نے نام اس کا لندھور رکھا اور اونٹنیاں اس کے دودھ پلانے کے واسطے مقرر کیں۔ اور جس روز لندھور پیدا ہوا تھا، اسی دن میرے یہاں بھی لڑکا تولد ہوا۔ اس کا نام میں نے جے پور رکھا اور دونوں کو پرورش کرنے لگا۔ جب دونوں پانچ پانچ برس کے ہوئے، ایک دن کھلائی نے ایک مکا لندھور کو مارا کہ کلّا اس کا سوج گیا۔ لندھور نے اس کھلائی کو اٹھا کر زمین پر دے مارا کہ وہ سرد ہو گئی۔ اور لوگ جو محافظ تھے، خوف کھا کر اس سے بھاگے اور مجھ سے آ کر کیفیت بیان کی۔ میں نے حکم دیا کہ لندھور کو مست ہاتھی کے آگے ڈال دو۔ ہاتھی جو اس کو سونڈ سے اٹھانے لگا، اس نے سونڈ ہاتھی کی پکڑ کر ایک جھٹکا جو مارا، سونڈ اس کی جڑ سے اکھڑ گئی، اور فیل خانے میں جا کر، ایک ستون اکھیڑ کر، جتنے ہاتھی تھے سب کو مار ڈالا۔ میں نے حکم دیا کہ لندھور کو پکڑ لاؤ۔ کسی اور نے تو جرأت نہ کی مگر ایک وزیر نے کہا کہ یہ میرا کام ہے، میں لندھور کو پکڑ لاتا ہوں۔ اس نے ایک طباق حلوے کا لندھور کے آگے لے جا کر رکھ دیا۔ جب وہ حلوا کھا چکا، اس کو میرے پاس لایا۔ لندھور نے مجھ کو دیکھ کر وزیر سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ وزیر نے کہا کہ یہ آپ کے چچا ہیں۔ بولا کہ اس سے پہلے بادشاہ کون تھا؟ وزیر نے کہا کہ آپ کا باپ تھا۔ لندھور نے کہا کہ تو تخت و تاج کا میں مالک ہوں۔ وزیر نے عرض کی کہ فی الحقیقت آپ مالک ہیں۔ کہنے لگا کہ اسے تخت پر سے اتار دے، میں تخت پر بیٹھوں گا۔ وزیر نے مجھ سے کہا کہ مصلحت اسی میں ہے، آپ تخت پر سے اتریے اور اسے بیٹھنے دیجیے۔ میں تخت پر سے اتر پڑا اور لندھور تخت پر بیٹھا۔ بعد ایک ساعت کے لندھور نے وزیر سے کھانا مانگا۔ وزیر داروے بیہوشی ملا کر کھانا اس کے سامنے لایا۔ بولا کہ شہپل و

جے پور کو بھی بلالو کہ وہ بھی میرے ساتھ کھاویں۔ شاید اس میں کچھ ملادیا ہو۔ بالضرورت میں نے جے پور سمیت اس کے ساتھ کھانا کھایا اور تینوں بیہوش ہو گئے۔ وزیر مجھے اور جے پور کو ہوش میں لایا۔ میں نے حکم دیا کہ لندھور کو سر سے پا تک لوہے میں جکڑو اور اورنگ گورنگ، جو دونوں شاہزادے لکھنوٹی کے ہیں، ان کے سپرد کرو۔ وزیر فی الفور حکم بجالایا اور ان شاہزادوں نے لکھنوٹی کے کنویں میں لندھور کو قید کیا۔ پچیس برس تک اسی چاہِ تاریک میں قید رہا۔

چونکہ لندھور کی ماں اولاد میں شیث پیغمبرؑ کی تھی، ایک روز اورنگ و گورنگ کی بہن نے خواب میں دیکھا کہ آسمان پر سے ایک تخت زمین پر وارد ہوا۔ اس پر حضرت شیث پیغمبرؑ بیٹھے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے لندھور کو تیرا جفت کیا۔ اس سے تیرے ایک بیٹا پیدا ہوگا۔ وہ جو خواب سے چونکی، ایک طباق کھانے کا لے کر چاہ محبس پر گئی۔ نگہبانوں نے پوچھا کہ تو کون ہے اور کیا لائی ہے؟ اس نے کہا کہ لندھور کے لیے کھانا لائی ہوں۔ وہ چپ رہے۔ اس نے کنویں میں اتر کر لندھور کو کھانا کھلایا اور آہن کے بند سوہان سے کاٹ کر اپنا خواب لندھور سے بیان کیا اور اپنے گھر کو چلی گئی۔ لندھور زنجیروں کو اپنے سرہانے رکھ کر بے خبر سو رہا۔ نگہبانوں نے کہا کہ لندھور کی زبان تو تالو میں کسی دم نہ لگتی تھی، آج کیا ہے، آواز شور و فغاں کی نہیں آتی۔ ایک نے جا کر دیکھا کہ لندھور چین سے پاؤں پھیلائے ہوئے بے خبر سوتا ہے اور جن زنجیروں میں کہ جکڑا ہوا تھا، وہ ٹوٹی ہوئی اس کے سرہانے پڑی ہیں۔ فوراً اورنگ و گورنگ کو خبر دی۔ دونوں شاہزادے دوڑے آئے۔ دیکھا تو فی الحقیقت لندھور بے قید سو رہا ہے۔ چاہا کہ سوتے ہی میں اس کو پھر پابہ زنجیر کریں، کہ لندھور نے جاگ کر دونوں شاہزادوں کو اٹھا کر دے مارا اور کہا کہ تمھاری بہن آئی تھی، مجھے کھانا کھلا کر مجھ سے عہد و پیمان نکاح کا کر گئی ہے، اس واسطے میں نے تمھاری جاں بخشی کی، نہیں تو تم دونوں کو جان سے مار ڈالتا، اور اس کے خواب کو بیان کیا۔ دونوں شاہزادے اس کیفیت کو دریافت کرکے اپنے دل میں خوش ہوئے اور لندھور کو اس چاہِ تاریک سے نکال کر تخت پر بٹھلایا۔

لندھور نے اپنے واسطے ایک ہزار سات سو من کا گرز تیار کروایا۔ اس گرز کو ہاتھ میں لے کر ایک کنجل ہاتھی پر سوار ہوا اور راہ سراندیب کی پوچھنے لگا۔ اورنگ و گورنگ نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ جہاں پناہ، چند روز توقف کیجیے، سپاہ جمع کرکے سراندیب کی طرف روانہ ہوجایئے۔ اس کو یہ بات پسند آئی۔ فوج کی نگہداشت شروع کی۔ جب لشکر جرار تیار ہوچکا، کوچ کیا اور چند روز کے عرصے میں دریا کے کنارے پہنچا۔ وہاں سے جہازوں پر سوار ہوکر سراندیب کے قلعے کے نیچے آیا۔ خبرداروں نے یہ خبر مجھ کو پہنچائی، بلکہ جزائر میں یہ خبر منتشر ہوگئی۔ میں نے دو لاکھ سوار کی جمعیت سے جے پور کو اس کے مقابلے کے واسطے بھیجا۔ جب جے پور اور لندھور کا مقابلہ

ہوا، جے پور نے دیکھا کہ لندھور جب گرز مارتا ہے، دس دس بیس بیس پہلوان پس کر مرجاتے ہیں۔ جے پور بھاگ کر قلعہ بند ہوا اور قلعے پر سے گولے گولی کا مینھ لندھور کے لشکر پر برسانے لگا۔ لندھور نے قلعے کے دروازے پر پہنچ کر ایک گرز اس زور سے دروازے پر مارا کہ قلعے کا وہ دروازہ پاش پاش ہوگیا۔ دروازے کے ٹوٹتے ہی قلعے کے اندر جا کر بازار موت کا گرم کیا۔ مجھے سوائے اس کے کچھ بن نہ آیا کہ میں نے اس کے سامنے آکر اس سے پناہ مانگی۔ لندھور نے کہا کہ کس شرط پر امان مانگتا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ سلطنت زیرِ حکومتِ نوشیروانِ عادل، شہنشاہِ ہفت اقلیم ہے۔ جس کو وہ حکم کرے گا وہ تخت پر بیٹھے گا۔ آپ چند روز توقف کیجیے، جواب میری عرضی کا آنے دیجیے۔ اس نے جواب دیا کہ جب تک تیرے فریادنامے کا جواب آئے گا، تو ایک جزیرے میں جا کر بیٹھ۔ میں تجھ کو اور نوشیرواں کو کیا سمجھتا ہوں کہ تیری یا اس کی اطاعت کروں۔ ناچار میں جان لے کر شہر سے باہر آیا۔ لندھور تخت پر بیٹھا۔ چونکہ اطلاع شرط تھی، میں نے کی۔ آئندہ حضور مالک ہیں۔ اگر لندھور کا قلع قمع نہ ہوگا تو میرے بال بچے تو پیسے جا ہی چکے ہیں، حضور سے کیا کیا بے ادبی وہ نہ کرے گا۔

بادشاہ نے اس مضمون کو سن کر بزرجمہر سے خلوت میں مشورہ کیا کہ اس بلائے ناگہانی کے دفع کرنے کی کیا تدبیر ہے؟ بزرجمہر نے عرض کی کہ پہلے گستہم کو سراندیب کی طرف جانے کا حکم دیجیے۔ بعدازاں سرِ دربار ارشاد کیجیے کہ جو کوئی لندھور لاوے گا، میں مہر نگار کو اس سے نامزد کروں گا۔ ساسانیوں میں سے تو کوئی ایسا جری نظر نہیں آتا ہے کہ لندھور کے سر لانے کی ہامی بھرے گا، مگر حمزہ نام و نشان پر مرتا ہے، یقین ہے کہ وہ اقبال کرے۔ اور یہ منصوبہ دو شق سے خالی نہیں، کہ اگر حمزہ مارا گیا تو آپ بدنامی سے بچے، اور اگر لندھور کو حمزہ نے زیر کیا تو ہندوستان کا ملک آپ کے ہاتھ آیا۔ بادشاہ اپنے دل میں بہت خوش ہوا اور بزرجمہر کی رائے صائب پر آفرین کی۔ اسی وقت گستہم کو، کہ بہرام کو زخمی کر کے زابل میں بادشاہ کے خوف سے جا کر بسا تھا، حکم نامہ بھیجا کہ چالیس ہزار سوار جو تیرے ساتھ ہیں، ان سمیت سراندیب میں جا کر لندھور کا سر کاٹ کے حضور میں حاضر لا کہ قصور سابق تیرا معاف اور آئندہ سرافراز ہو۔ دوسرے دن جب حکما، ندما، امرا دربار میں حاضر ہوئے اور امیر بھی آکر دنگل رستم پر بیٹھے، بادشاہ نے فرمایا کہ اے گُردانِ نامدار و اے پہلوانانِ روزگار، خسروِ ہندوستان نے میری عداوت پر کمر باندھی ہے۔ تم میں سے جو کوئی اس کا سر کاٹ لائے گا، میں اس کو اپنی دامادی میں قبول کروں گا۔ ملکہ مہر نگار کا مہر خسروِ ہند کا سر ہے۔ جتنے امرا و پہلوان ساسانی و مجد کی تھے، کسی نے دم نہ مارا۔ اپنے دل میں کہنے لگے کہ اول تو دریائے شور سے جیتے بچ کر جانا امرِ محال ہے، دوسرے ایسے زبردست سے مقابلہ کرنا کیا آسان ہے! جان بوجھ کر بہ امیدِ موہوم اپنے کو تہلکے میں ڈالنا عقل سے بعید ہے۔ صاحبقراں نے دنگل سے اٹھ کر بادشاہ کو دعا دی:

عمرت دراز باد کہ تا دورِ مشتری
ما از تو برخوریم تو از عمر برخوری

اور عرض کی کہ اس تابعدار کو اگر حکم ہو تو خسرِو ہندوستان کو جیتا حاضر کرے، اور اگر مارا گیا تو حضور پر سے تصدق ہوا۔ بادشاہ نے تخت پر سے اٹھ کر امیر کو گلے سے لگا کے فرمایا کہ اے ابوالعلا، مجھے اس سے زیادہ تم سے امید ہے، اور اسی دم خلعتِ شاہانہ سے سرفراز فرمایا اور تیس جہاز، کہ جس پر ہزار ہزار آدمی سوار ہوں، تیار کرنے کا حکم دیا۔ امیر رخصت ہو کر اپنے اردو میں تشریف لائے اور لشکر کو حکم دیا کہ تم لوگ آج ہی کوچ کر جاؤ۔ بصرے میں جا کر ہمارا انتظار کرو۔ اور عمرو کو بلا کر فرمایا کہ اے عمرو، اگر چلتے چلتے ایک نظر ملکہ کو دیکھ لیتے تو حسرت دل میں نہ رہتی۔ عمرو نے کہا کہ ایک رقعہ خواجہ بزرجمہر کو لکھیے۔ البتہ یہ امر ان کی تدبیر سے ممکن ہے۔ امیر نے اپنے ہاتھ سے خواجہ بزرجمہر کو رقعہ لکھا۔ عمرو نے خواجہ کے مکان پر جا کر وہ رقعہ خواجہ کو دیا۔ خواجہ نے اس رقعے کو پڑھ کر عمرو کو اپنے ہمراہ لیا اور بادشاہ سے جا کر بیان کیا کہ یہاں سے ہندوستان تک حمزہ آپ کا داماد مشہور ہوگا، لیکن یہ کیسی دامادی ہے کہ شربت بھی نہ پلایا گیا اور حمزہ حسب الحکم جان فدا کرنے کو چلا۔ نوشیرواں نے ہنس کر کہا کہ کیا مضائقہ ہے، حمزہ کو بلواؤ۔ امیر فی الفور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے شربت طلب کیا۔ خواجہ بزرجمہر نے عرض کی کہ دامادی کا شربت شبستانِ حرم میں پلوانا مناسب ہے نہ کہ مردانے میں۔ نوشیرواں نے منظور کیا اور خواجہ بزرجمہر سے کہا کہ تم حمزہ کو محل میں لے جاؤ۔ مہرنگار کی ماں اپنے ہاتھ سے حمزہ کو شربت پلاوے گی، اور سمجھا دینا کہ بعد شربت پلانے کے حمزہ سے کہے کہ مہرنگار تمھاری امانت ہے، چاہیے کہ جلد تر بادشاہ کے دشمن کو مار کر آؤ، مہرنگار سے شادی کرو۔ خواجہ بزرجمہر امیر سے پہلے محل میں تشریف لے گئے اور بادشاہ نے جو کچھ فرمایا تھا ملکہ مہرانگیز کو سمجھا دیا۔

بختک نے یہ خبر سن کر اپنے دل میں کہا کہ ہرگاہ حمزہ محل میں گیا تو ضرور مہرنگار کو دیکھے گا۔ اس سے تو بھی چل کہ اس کے دل کی دل ہی میں رہے۔ جھٹ پٹ خچر پر سوار ہو کے چلا۔ امیر نے بختک کو دیکھ کر عمرو سے کہا کہ اس بلا کو اس دم ٹالا چاہیے، دو سو تمن تجھ کو دوں گا۔ عمرو نے زبانِ عیاری میں امیر سے کہا کہ آپ تشریف لے جائیے، میں اس مردک کو نہ جانے دوں گا۔ جونہی امیر آگے بڑھے، عمرو نے بختک کے خچر کی باگ پکڑ لی اور کہا کہ خواجہ بختک، ہم ہندوستان کو جاتے ہیں، جیتے بچیں گے تو پھر آویں گے۔ اپنا تمسک پانچ سو تمن کا لیجیے اور روپیہ دلوائیے کہ زادِ راہ کے کام آوے۔ بختک بولا کہ تو بھی عجب خروِس بے ہنگام ہے۔ اس وقت میں حمزہ کے ساتھ کام کو جاتا ہوں اور تو روکتا ہے کہ میرے روپے دو۔ جا، میرے نام پر عدالتِ شاہی میں نالش کر۔ اگر مجھ پر روپے ثابت ہوں گے تو میں دوں گا۔ عمرو نے کہا کہ صاحب، یہ تو اس سے کہیے جو آپ سے کمزور ہو۔ جب

میں نہ لے سکوں تو عدالتِ شاہی میں نالش کروں۔ خبردار، آگے قدم نہ بڑھایئے گا۔ پہلے میرا روپیہ منگوا دیجیے، پھر جہاں جی چاہے وہاں جایئے۔ بختک نے ناخوش ہو کر اپنے غلاموں سے کہا کہ عمرو کو ہٹا دو۔ عمرو یہ سخن سن کر آپ میں نہ رہا۔ ایک جست کر کے خچر پر بختک کے پیچھے جا بیٹھا اور خنجر نکال کے بختک کے پہلو پر دھر دیا کہ مردک، بے شرط، تجھے بے موت مار ڈالوں گا۔ بختک لرز گیا اور منتیں کرنے لگا۔ عمرو اس سے الگ تو ہوا، مگر ایک دستہ خنجر کا اس کے سر پر ایسا مارا کہ بختک کا سر پھٹ گیا۔ بختک اسی صورت سے لہو میں ڈوبا ہوا بادشاہ کے حضور میں گیا اور پگڑی دے ماری کہ اب غلام کا رتبہ یہ ہوا کہ ادنیٰ عیار اس طرح سے سر بازار بے عزت کرے اور لہو میں نہلائے۔ نوشیرواں کو بد معلوم ہوا۔ عمرو کو طلب کر کے پوچھا کہ بختک نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے اس کے ساتھ ایسا کیا؟ عمرو نے بیان کیا کہ پیرو مرشد عادل ہیں، انصاف فرماویں۔ اس کا پانچ سو روپے کا تمسکِ مہری غلام کے پاس ہے۔ غلام نے اس سے کہا کہ اب میں ہندوستان کو جاتا ہوں، درصورت جیتا رہنے کے بھی خدا جانے کب آؤں گا۔ اپنا تمسک لیجیے اور میرے روپے دیجیے۔ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کو مار کر نکال دو۔ وہ مارنے کو دوڑے اور سیکڑوں کلمے بے نقط سنائے۔ اس وقت البتہ غلام نے کھسیانا ہو کر ایک دستہ خنجر کا اس کے سر پر مارا۔ حضور عدالت فرمادیں کہ قصور کس کا ہے؟ یہ کہہ کر تمسک بھی جیب سے نکال کر بادشاہ کے روبرو رکھ دیا۔ بادشاہ نے بختک سے فرمایا کہ اس مقدمے میں تو قصور تیرا ہی ثابت ہوتا ہے، اس پر فریادی آیا ہے۔ ہاں، جلد اس تمسک کے روپے عمرو کے حوالے کر، نہیں تو گنہگارِ عدالت ہوگا۔ بختک نے اسی دم خزانچی سے روپے قرض لے کر عمرو کے حوالے کیے اور آپ روتا کانکھتا اپنے گھر گیا اور عمرو شبستانِ حرم کی طرف راہی ہوا۔

عمرو تو اس بکھیڑے میں تھا، امیر و مقبل محل میں داخل ہوئے۔ ملکہ مہر انگیز نے امیر کو شہ نشین میں مسند پر بٹھلایا اور آپ ایک صحنچی میں مہر نگار کو لے کر بیٹھی اور حکم شربت کے لانے کا دیا۔ عمرو جو ڈیوڑھی پر پہنچا، چاہا کہ اندر جائے۔ دربان تو پہچانتا نہ تھا، اس نے لکڑی اٹھا کر کہا کہ تو کون ہے کہ محل میں جاتا ہے؟ عمرو دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر لوٹ گیا اور لگا غل مچا مچا کر کہنے کہ او دربان، تیرا برا ہو! تو نے میری آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ ملکہ مہر انگیز نے شور و غل سن کر کہا کہ دیکھو تو، یہ کیا شور ہے؟ امیر عمرو کی آواز سنتے ہی بے تحاشا دوڑے۔ امیر کے دوڑنے سے خواجہ بزرجمہر بھی دوڑے۔ دیکھیں تو عمرو آنکھیں پکڑے ہوئے لوٹ رہا ہے۔ امیر نے کہا کہ عمرو، آنکھیں تو کھول، اگر خدانکردہ کچھ چشم زخم پہنچا ہو تو خواجہ تیرا علاج کریں۔ آنکھوں کو کھولتا نہ تھا اور ہائے ہائے آنکھ گئی آنکھ گئی کہتا تھا۔ آخرش امیر نے زبردستی اس کے ہاتھوں کو آنکھوں پر سے جدا کیا۔ دیکھا تو آنکھیں صاف تارا سی چمکتی ہیں۔ امیر نے کہا کہ عمرو، یہ کیا شرارت تھی کہ ہم کو اور خواجہ کو بیٹھے بٹھائے دوڑایا؟ کہنے لگا کہ آپ کے سر کی قسم ہے، اس دربان نے لکڑی میرے مارنے کو اٹھائی تھی۔ اگر لکڑی مارتا تو

میری آنکھوں ہی میں لگتی۔ امیر و خواجہ ہنس پڑے اور عمرو کو لے کر محل میں گئے۔ ملکہ مہر انگیز نے جو یہ کیفیت سنی، وہ بھی بے اختیار ہنسنے لگی۔ جب امیر مسند پر بیٹھے، امیر کو شربت پلوایا گیا اور ملکہ مہر انگیز نے کہا کہ یا صاحبقراں، مہر نگار تمھاری امانت ہے، جس وقت تم مظفر و منصور ہندوستان سے پھرو گے اس وقت تمھارے ساتھ شادی کر دوں گی۔ عمرو نے بزرجمہر کی طرف دیکھ کر کہا کہ واہ واہ صاحب، کیا انصاف و مروت ہے، کہ ہم تو بادشاہ کے حکم سے ہندوستان میں سرفروشی کے واسطے جاویں اور آپ مہر نگار کو ایک نظر دکھلا بھی نہ دیویں۔ اگر خدا نے ہم کو زندہ پھیرا تو ہم نہیں جانتے کہ آپ کس کے ساتھ حمزہ کی شادی کر دیویں گے۔ ہمیں کیا معلوم ہے کہ بادشاہ کی بیٹی گوری ہے یا کالی ہے، دبلی ہے یا موٹی ہے، لولی ہے یا لنگڑی ہے، کانی ہے یا اندھی ہے۔ ہم اس وقت دیکھ کر تو رکھیں کہ اخیر کو پیچ نہ پڑے، اور ہمیں بادشاہ کے نمک کی قسم ہے کہ جب تک مہر نگار کو دیکھ نہ لیں گے، اس مکان سے باہر قدم نہ رکھیں گے۔ ملکہ مہر انگیز نے عمرو کی اس تقریر پر ہنس کر کہا کہ اچھا خواجہ، تم امیر و مقبل و عمرو کو پردے کے اندر لے آؤ۔ مہر نگار کو دیکھ لیویں۔ بزرجمہر ان کو پردے کے اندر لے گئے۔ مہر نگار سر نیچے کیے ہوئے اپنی ماں کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ امیر اس کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے، اور ملکہ مہر انگیز نے جو امیر کو پاس سے دیکھا، بے اختیار خوش ہو کر جی جان سے دامادی میں قبول کیا۔ بزرجمہر نے ملکہ مہر نگار سے کہا کہ امیر کو سفرِ دور و دراز درپیش ہے، کچھ نشانی اپنی دیجیے کہ ہر دم آپ کی یاد میں مصروف رہیں۔ مہر نگار نے ایک انگوٹھی زمرد کی ہاتھ سے اتار کر امیر کو دی۔ امیر نے اس انگوٹھی کو تو اپنے ہاتھ میں پہن لیا اور اپنے ہاتھ کی انگوٹھی مہر نگار کو دے کر فرمایا کہ ہماری بھی نشانی آپ کے پاس رہے کہ ہمیں آپ نہ بھولیں۔ عمرو نے ہاتھ باندھ کر ملکہ مہر انگیز سے عرض کی کہ اگر قصور معاف ہو تو میں بھی کچھ عرض کروں۔ فرمایا کہ کہہ کیا کہتا ہے۔ بولا، ہرگاہ امیر کی شادی ملکہ مہر نگار سے ہو گی تو غلام کی شادی بھی ملکہ صاحبہ کی دایہ کی بیٹی سے خواہ مخواہ ہو گی۔ پس مجھ کو بھی کچھ نشانی دلوا دیجیے۔ ملکہ مہر انگیز نے فتنہ بانو سے کہا کہ کچھ تو بھی اپنی نشانی عمرو کو دے۔ اس نے کئی سو تمن کی قیمت کا عطردان دیا۔ ملکہ مہر انگیز نے کہا کہ لے، تو بھی کچھ دے۔ بولا، دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جیب میں سے ایک خرما اور دو اخروٹ نکال کر فتنہ بانو کے ہاتھ میں دیے اور کہا کہ اس کو بہت اچھی طرح سے اپنے پاس رکھنا۔ حاضرین اس حرکت پر عمرو کی ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئے۔ بارے امیر رخصت ہوئے۔

خواجہ بزرجمہر نے عمرو سے کہا کہ بابا، تو لشکرِ اسلام میں امرایانِ نامدار کو خبر دے کہ امیر آتے ہیں، تاکہ کوئی متردد نہ ہو۔ میں امیر کو بادشاہ سے رخصت کروا کے بھیجتا ہوں۔ عمرو تو اس طرف گیا، خواجہ امیر اور مقبل کو اپنے مکان میں بٹھلا کر بادشاہ کے پاس گئے اور اطلاع کی کہ ملکہ مہر انگیز نے بھی بخوشی امیر کو اپنی دامادی میں قبول کیا۔ یہ کہہ کر اپنے مکان میں آئے اور امیر کو بعض بعض امر میں نصیحت کر کے شربت پلایا۔ امیر فوراً بیہوش

ہو گئے۔ امیر کا پہلو استرے سے چیر کر شاہ مہرہ اس میں رکھا اور ٹانکے دے کر مرہم داؤدی مل دیا۔ مقبل نے پوچھا کہ حضرت، یہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ ہندوستان میں ایک شخص امیر کو زہر دے گا، اس کا علاج سوائے اس کے خلق میں خلق نہیں ہوا ہے۔ خبردار، خبردار، جب تک تو عمرو کے ہاتھ سے مار نہ کھانا تب تک اس کو نہ بتانا۔ یہ کہہ کر ایک عرق کے کئی قطرے امیر کے منہ میں ٹپکائے۔ امیر ہوش میں آئے۔ چونکہ اس عرصے میں زخم بھر گیا تھا، امیر بھی اس اسرار سے واقف نہ ہوئے۔

اتنے میں عمرو بھی امیر کے اردو سے ہو کر آ پہنچا۔ خواجہ نے امیر کو رخصت کیا۔ امیر اپنے اردو میں آئے اور فوراً وہاں سے کوچ کیا۔ چند روز کے عرصے میں بصرہ پہنچے۔ دیکھا کہ تیس جہاز وہاں بادشاہ کے حکم سے تیار کھڑے ہیں۔ امیر اپنے تیس ہزار سوار سے ان جہازوں پر سوار ہوئے۔ عمرو جہاز سے اتر کر امیر سے کہنے لگا کہ بندہ جن اور جادو اور پانی سے بہت ڈرتا ہے۔ مکہ میں جا کر آپ کی فتح کے واسطے فتاحِ حقیقی سے دعا کروں گا۔ امیر نے دیکھا کہ یہ کسی طرح سے میرے ساتھ نہ جائے گا، فرمایا کہ اچھا عمرو، میں بھی تیرے رنج کا روادار نہیں ہوں، مگر آؤ ایک خط والد کو لکھ دوں۔ عمرو نے جانا کہ سچ مچ خط لکھ دیویں گے۔ کشتی پر سوار ہو کر جہاز میں امیر کے پاس گیا۔ امیر نے ایک خط لکھ کر عمرو کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ آؤ بھائی، گلے تو مل لیں، پھر خدا جانے کب ملاقات ہوگی۔ عمرو کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ امیر نے عمرو کو بغل میں لے کر ناخدا سے کہا کہ ہاں، جہاز کا لنگر اٹھا دو۔ حکم کی دیر تھی، لنگر جہاز کا اسی دم اٹھ گیا۔ جب کنارے سے دور نکل گئے، امیر نے عمرو کو چھوڑ دیا۔ عمرو دست پاچہ ہو کر جہاز پر دوڑنے اور بڑبڑانے لگا کہ میں نے تو اس عرب کے ساتھ حق رفاقت ادا کیا اور یہ میرا دشمن جانی ہوا۔ تھوڑی دور بڑھ کے ایک ٹاپو تخمیناً تیس گز کا چوڑا چکلا نظر آیا۔ عمرو اس ٹاپو کو دیکھ کر دل میں بہت خوش ہوا کہ اب اس پر کود کر بیٹھ رہوں گا۔ کوئی تو خدا کا بندہ آئندگان و روندگان سے مجھے کنارے لگا دے گا۔ مگر عمرو جس کو ٹاپو سمجھا تھا وہ مچھلی تھی، دھوپ کھانے کو پانی کے اوپر تیر آئی تھی۔ عمرو جو اس پر کودا، مچھلی نے عمرو کی پاؤں کی دھمک سے غوطہ مارا۔ عمرو ڈوبنے لگا۔ صاحبقراں نے ملاحوں پر تاکید کی کہ خبردار، عمرو ڈوبنے نہ پائے۔ ملاحوں نے رسی زنجیریں پھینک کر عمرو کو جہاز پر اٹھا لیا۔ سچ ہے، قدرِ عافیت کسے داند کہ بہ مصیبتے گرفتار آید۔ اب جو عمرو دریا سے نکالا گیا، بھیگی مرغی کی طرح سے جہاز کے ایک گوشے میں خاموش بیٹھا۔

کئی دن کے عرصے میں ایک جزیرے کے کنارے پہنچے۔ جہازوں کا لنگر پڑا۔ سب سے پہلے عمرو جست کر کے خشکی میں پہنچا، گہلا گہلا پھرنے لگا۔ قضا کار، ایک درخت کے نیچے ایک تسمہ پیرا بیٹھا ہوا تھا۔ عمرو کو دیکھ کر باچھیں اس کی کھل گئیں۔ عمرو سے کہنے لگا کہ آؤ بھانجے، میری تیری ملاقات کا ہونا بھی اتفاق سے ہے۔

میں نے تو جانا تھا کہ میں بھی موا اور مال بھی تلف ہوا، لیکن خدا نے حقدار کو بھیج دیا۔ عمرو نے مال کا جو نام سنا، دم کو لے رہا، نہیں تو کہا چاہتا تھا کہ میں تیرا بھانجا کا ہے کو ہوں؟ عمرو نے اس کا حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ تو نے مجھے نہ پہچانا ہوگا، کہ میں تجھ کو چھوٹا سا چھوڑ کر سراندیب کو نکل گیا تھا۔ ہرگاہ میں نے بہت سا مال و منال وہاں پیدا کیا، ارادہ کیا کہ گھر کو چلیے۔ ناگاہ بادِ مخالف بہی اور جہاز اس جا آ کر ڈوب گیا۔ میں جہاز کو ڈوبتا دیکھ کے ایک صندوقچہ جواہر کا لے کر جست کی خشکی میں آ رہا، مگر پاؤں میں ایسی چوٹ آئی کہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔ اس جزیرے میں ایک جراح رہتا ہے۔ لوگ ترس کھا کر اس کے گھر مجھے لے گئے۔ اس نے اپنے مکان کے قریب ایک مکان کرائے کا لے دیا اور تیل کینچوے کا اپنے گھر سے ملنے کو عنایت کیا۔ بارے اتنا تو اب ہوا ہے کہ آج دل کے اضطراب سے اٹھ بیٹھ کر یہاں تک میں آیا، لیکن بڑے عرصے سے مکان پر جانے کا قصد ہے۔ درد کے مارے ہچکچاتا ہوں۔ چلنا کیسا، کھڑے ہونے سے بھی جی چراتا ہوں۔ اگر تو مجھ کو اپنی پیٹھ پر لاد کے لے چلے تو مجھ پر دوہرا احسان کرے، کہ میں مکان پر بھی بے درد پہنچ جاؤں اور تجھ کو تیری امانت بھی سونپ دوں، یعنی وہ صندوقچہ جواہرات کا تیرے حوالے کروں۔ عمرو نے جو جواہرات کے صندوقچے کا نام سنا، منہ میں پانی بھر آیا۔ سمجھا کہ تقدیر یاور ہے، بیگانوں کی آنکھوں میں یگانہ معلوم ہوتا ہوں۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، جھٹ پٹ اس دوال پا کو اپنی پیٹھ پر سوار کر لیا۔ اس نے پیٹھ پر جاتے ہی اپنے پاؤں کو تسمے کی طرح سے عمرو کی کمر میں لپیٹ کر کہا کہ ہاں میرے راہوار، دوڑ تو اپنی دکھا۔ عمرو نے ہر چند چاہا کہ ہاتھ سے اس کے پاؤں کو اپنی کمر سے جدا کرے، اس نے ہاتھوں کو بھی جکڑا اور لگا اپنے ہاتھ سے عمرو کے سر اور منہ پر دھولیں اور تھپڑ مارنے، کہ دوڑتا نہیں ہے۔ عمرو نے ناچار امیر کی طرف دوڑ ماری کہ امیر مجھے اس بلا سے چھڑاویں گے۔ وہاں جا کر جو دیکھا تو واہ واہ، عجب لطف ہے۔ امیر خود تمام رفیقوں سمیت اسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ امیر نے عمرو کو دیکھ کر کہا کہ ہم سمجھے تھے تم اس بلا میں مبتلا نہ ہو گے، ہم لوگوں کو آ کر نجات دو گے، سو تم بھی گرفتار ہوئے۔ عمرو ناچار ہو کر امیر کے پاس سے مایوس پھرا۔ وہ تسمہ پیرا کبھی تو کہتا تھا کہ قدم چل، کبھی فرمائش کرتا تھا کہ کود۔ پھر اس نے ہم قوموں کو جو دیکھا کہ سب صاحبِ مرکب ہیں، کہنے لگا کہ تم بھی اپنا اپنا گھوڑا دوڑاؤ اور ہم بھی اپنا گھوڑا دوڑائیں۔ دیکھیں کس کا گھوڑا آگے نکل جاتا ہے۔ سبھوں نے اپنے مرکبوں کو ایڑیاں مارنی شروع کیں۔ عادی کا سب سے زیادہ ناک میں دم تھا کہ موٹاپے سے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا تھا۔ عمرو یہ کہہ کر کہ:

برسرِ فرزندِ آدم ہرچہ آید بگذرد

ایسا دوڑا کہ کوئی اس کی گرد تک نہ پہنچا۔ سب سے دو کوس آگے نکل گیا۔ وہ مردک بہت خوش ہو کر بولا کہ میرا راہوار سب کے مرکبوں سے بہتر ہے۔ عمرو نے ایک مقام پر دیکھا کہ کوسوں تک تاکِ انگور خودرو لگا ہوا ہے اور

دانوں سے عرق ٹپک رہا ہے، اور اس کے متصل درختوں پر کدو کی بیل ہے، اس میں سیکڑوں صراحی دار کدو لٹک رہے ہیں۔ اپنے دل میں بہت خوش ہوا۔ کدو کی بیل کے نیچے جا کر اپنے راکب سے بولا کہ بڑا سا کدو توڑ لے اور یہ پانی جو ان پھلوں میں سے ٹپکتا ہے، اس کو اس میں بھر دے اور مجھ کو پلاتا چل کہ اسے پی کر اور بھی قدم نکالوں۔ اس عقل کے دشمن نے عمرو کے کہنے پر عمل کیا۔ کدو توڑ کر آبِ انگور اس میں بھرا اور چند قطرے عمرو کے منہ میں چوائے۔ عمرو چھلانگیں پھلانگیں مار کر گانے لگا۔ وہ مردک بشاش ہو کر بولا کہ اے مرکب، جب تک جیوں گا، کبھی تجھ کو اپنی رانوں سے جدا نہ کروں گا، کہ تو ہنہناتا اچھی طرح سے ہے۔ عمرو نے کہا کہ دیکھو، یہ پانی تم نہ پینا، میرے واسطے رہنے دینا۔ وہ اپنے دل میں سمجھا کہ یہ پانی معلوم ہوا بہت عمدہ چیز ہے، تب تو یہ مجھے پینے کو منع کرتا ہے۔ دو گھونٹ جو اس نے پیے، اس کو مزہ معلوم دیا۔ کدو کو منہ سے لگا کر غٹ غٹ پی گیا۔ عمرو کے دوڑنے سے جنگل کی ہوا جو اس کو فرفر لگی، بیہوش ہو کر عمرو کی پیٹھ پر سے گر پڑا۔ عمرو نے خنجر نکال کر اس کے پیٹ کو چاک کیا اور امیر کے پاس جا کر کہنے لگا کہ او عرب، یہ تو نے ایک کافر کی بیٹی کے واسطے اتنے مسلمانوں کا خون اپنی گردن پر لیا اور مجھ کو بھی ایذا دی۔ دیکھا چاہیے کہ حشر میں تیرا کیا حال ہوتا ہے۔ امیر نے کہا کہ ظاہر ہے، میں گنہگار ہوں، مگر تم تو اس دم اتنا ثواب کماؤ کہ مسلمانوں کی جان بچاؤ۔ عمرو نے کہا کہ مجھ کو کیا غرض ہے کہ بے فائدہ اتنے دوال پاؤں کا عذاب، کہ بیچارے محض اپاہج ہیں، اپنی گردن پر لوں؟ امیر نے فرمایا کہ عذاب ان کا ہماری گردن پر، اور فی کس دو سو اشرفی بھی دوں گا۔ عمرو نے قبول کیا اور ہر ایک تسمہ پا کو سنگ فلاخن سے سنگسار کرنا شروع کیا۔ جب سبھوں نے دوال پاؤں کے ہاتھ سے نجات پائی، امیر نے فوراً جہاز پر سوار ہو کر لنگر اٹھوائے، کہ یہ جزیرہ ہندوستان کا ہے، خدا جانے اور کس آفت کا سامنا ہووے۔

دو مہینے کے بعد ایک جزیرہ اور ملا۔ ناخداؤں نے امیر سے کہا کہ جہازوں پر پانی حکم ہو تو بھر لیویں۔ امیر نے فرمایا کہ بہتر ہے۔ لوگوں کے کپڑے بھی میلے ہو گئے ہیں، جب تک پانی بھرا جائے گا، کھڑے گھاٹ دھلوالیں گے۔ ناخداؤں نے جہازوں کو لنگر کیا اور ہر ایک شخص خشکی میں اترا۔ عمرو بھی ہوا سرد دیکھ کر سیر کرنے کو گیا۔ ایک تالاب میں موتی سا پانی جو لہراتے دیکھا، بے اختیار جی لہرایا کہ غسل کیجیے۔ کپڑوں کو اتار کے کنارے پر رکھا اور تالاب میں غوطہ لگایا۔ جونہی غوطہ لگا کر اٹھا، دیکھے تو کپڑے نہیں ہیں۔ سمجھا کہ امیر نے اختلاطاً کپڑے اٹھوا کر منگوائے ہوں گے۔ حمزہ حمزہ کہہ کر پکارنے لگا۔ امیر نے جو عمرو کی آواز سنی، جانا کہ شاید پھر کسی تسمہ پیرے سے عمرو کا سامنا ہوا۔ بے اختیار دوڑے اور عمرو سے کہنے لگے کہ کیا ہوا بھائی عمرو، خیر تو ہے؟ عمرو بولا کہ یہ اختلاط آپ کا مجھے نہیں بھاتا ہے، کپڑے میرے منگوا دیجیے۔ امیر نے قسم کھائی کہ میں تیرے کپڑوں سے واقف نہیں ہوں۔ تب تو عمرو گھبرایا۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ ہرگاہ امیر نے کپڑے نہیں اٹھوا

منگوائے تو پھر وہ ایسا کون ہے کہ جس نے مجھ سے ایسی ظرافت کی؟ ناگہاں نگاہ جو عمرو کی اوپر گئی تو دیکھا کہ درختوں پر بندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں نیم تاج ہے، کسی کے ہاتھ میں پیراہن ہے، کوئی زیر جامہ لیے ہوئے ہے، کوئی کمر بند اپنے ہاتھ میں لپیٹ رہا ہے۔ عمرو نے اور لباس اپنا منگوا کر پہنا اور پہلے نیم تاج کو اپنے اچھالا۔ بندر کا معمول ہے کہ جو دیکھتا ہے وہی حرکت کرتا ہے۔ اس نے بھی عمرو کے نیم تاج کو اچھالا مگر روک نہ سکا، زمین پر گر پڑا۔ اسی طرح سے عمرو نے سب اسباب اپنا بندروں کے ہاتھ سے متخلص کیا اور روغنِ نفط مل کر درختوں میں آگ لگا دی۔ جتنے بندر تھے، سب جل مرے۔

امیر نے فی الفور سوار ہو کر جہازوں کے لنگر اٹھوا دیے۔ کئی دن کے بعد ایک لکۂ ابر فلک سے نمودار ہوا اور ہوا تند چلنے لگی۔ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ تمام آسمان پر ابر چھا گیا۔ روزِ روشن شبِ یلدا سے تاریک تر ہو گیا، ہاتھ کے روئیں نظر آنے سے رہ گئے۔ بادِ تند نے یہ شدت کی کہ آبِ سمندر بحرِ اخضرِ فلک تک پہنچا۔ ہر موج نے طوفانِ نوح پر ترقی کی۔ جہازوں کے منہ پر طمانچے لُجّوں کے لگتے دیکھ کر راکبانِ مرکبِ جہاز شکستہ خاطر ہو گئے۔ حباب آسا زندگی سے ناامید ہو کر اشکِ حسرت بہانے لگے۔ عمرو تو گویا غرقِ بحرِ فنا ہو گیا۔ رو رو کر کہنے لگا کہ اے ناخدائے سفینۂ وحدت، یہ بیڑا تیرے ہاتھ ہے۔ تو پار اتارے گا تو اترے گا۔ کبھی کہتا تھا کہ یا حضرت الیاس، اگر اس بیڑے کو، کہ بیچ منجدھار میں پھنسا ہے، کنارے لگاؤ گے تو بیڑا چھوڑنے کی تو اس قطرۂ بے آب میں طاقت نہیں ہے، مگر سوا دمڑی کی شکر کی پڑیا تمھارے نام پر دریا میں چھوڑوں گا، اور سوائے اس کے، تمھارے بھائی حضرت خضرؑ تم سے بہت خوش ہوں گے، کہ میں ان کا نظر کردہ ہوں۔ کبھی امیر سے کہتا تھا کہ حمزہ، یہ سب تیری کرنی کرتوت ہے۔ جو کچھ کیا تو نے کیا۔ میں اسی واسطے دریا میں قدم نہ رکھتا تھا، باوجودیکہ تیرے دریائے دل پر موجزن تھا، کہ میں پانی سے مانندِ سیل کوسوں بھاگتا ہوں۔ اتنی عمر ہوئی، کبھی حوض میں بھی پاؤں نہیں رکھا، نہاتے وقت سر سے پانی نہیں ڈالا۔ تو نے اپنی تردستی سے دریا میں لا کر میرے سفینۂ دل کو ڈبویا۔ سامعین یا تو بدحواس و غریقِ بحرِ الم تھے یا بادِ سخنِ عمرو سے برنگِ گل کھکھلا کے ہنس پڑے۔ بارے خدا خدا کر کے تین دن کے بعد، مانندِ سرشکِ چشمِ حسرتِ غریقانِ بحرِ حیرت، طوفان چلتا ہوا۔ تاریکی نے لباسِ نور پہنا، سپیدہ فلک پر روشن ہوا۔ موجوں کے تھپیڑے موقوف ہوئے، موجِ دریا کا حال موجِ سراب کا سا ہو گیا۔ جوش و خروش مطلق دریا میں نہ رہا۔ لگے لوگ خوش ہونے اور بایکدیگر کہنے کہ ہم تو زندگی سے ہاتھ دھو چکے تھے، مگر آفریدگار نے نئے سرے سے جان بخشی۔ کوئی بولا کہ ڈوبنے سے کیا کچھ باقی رہا تھا لیکن ناخدائے حقیقی نے بیڑا پار لگا دیا۔ عمرو نے کہا کہ یارو، میری دعا نے تم ڈوبتوں کو اچھالا ہے۔ کیا کیا منتیں میں نے نہیں مانی ہیں۔ ہاں، کچھ دیتے جاؤ کہ میں نیاز کروں۔ ہر شخص نے کچھ کچھ دینار عمرو کو دیے۔ عمرو نے کہا کہ چچا الیاس، جب

سراندیب پہنچ لوں گا تب شکر مول لے کر آپ کی پڑیا چڑھاؤں گا۔ اس دریائے شور میں شکر کہاں میسر ہے کہ چڑھاؤں۔ لوگ اس کی ظرافت پر ہنسنے لگے۔

اس میں خبر پہنچی کہ بہرام گرد خاقانِ چین کے جہازوں کا پتا نہیں ملتا۔ چار جہاز کے چار جہاز غائب ہیں۔ امیر سنتے ہی بحرِ الم میں ڈوب گئے۔ رو رو کے فرمانے لگے کہ بڑا نہنگِ بحرِ جرأت و ہمت ڈوب گیا۔ لوگ بولے کہ خدا نہ کرے۔ حضرت، جہاز کسی طرف تباہ ہو گئے ہیں، ملاحِ قدرت کسی جزیرے کے کنارے لگا دے گا۔ عمرو بولا کہ حمزہ، کچھ منت مانو۔ دیکھو، میں نے منت مانی تھی، میں بچ رہا اور میرے سبب سے تو بھی بچ رہا۔ امیر نے کہا کہ میری طرف سے تو ہی منت مان۔ جس وقت بہرام کی صورت دیکھوں گا، جو تو کہے گا سو میں دوں گا۔ عمرو بولا کہ بہت خوب، مگر اگر پار اتر کر جوں مار دو، یعنی جب بہرام ملے تب کہو کہ تھوڑے سے خرچ میں منت ادا کر، تو اس وقت میں کیا کروں گا؟ اپنی گرہ سے مجھ کو کرنا پڑے گا۔ امیر نے ہنس کر کہا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ جو تم کہو گے سو وہی دیا جائے گا۔

دوبارہ طوفانی ہونا امیر کے جہازوں کا اور پڑ جانا گردابِ سکندری میں اور پھر نکلنا وہاں سے اور پہنچنا ملکِ سراندیب میں اور خراج لینا لندھور بن سعدان خسروِ ہندوستان سے

غواصانِ بحرِ فکر لکھتے ہیں کہ طوفان موقوف ہونے کے بعد چند روز برابر بادِ مراد ملی۔ ناخدا پال اڑائے چلے جاتے تھے۔ ایک دن جہازوں کے دیدبانوں نے غل مچا کر کہا کہ یارو، بڑا ہی طوفان آتا ہے۔ وہ طوفان اس کے آگے ایک قطرہ دریا کے مقابلے میں تھا اور زیادہ تر قباحت یہ ہے کہ گردابِ سکندری یہاں سے بہت نزدیک ہے۔ اگر خدانخواستہ اس میں جہاز پڑ گئے تو چکر کھا کھا کر ڈوب جائیں گے۔ عمرو کے تو چھکے چھوٹ گئے۔ پھوٹ پھوٹ کے رونے اور کہنے لگا کہ الیاس چچا، بچانا۔ میں نے تو پہلے ہی سے کہا ہے کہ میں سراندیب پہنچ کر آپ کی نیاز چڑھاؤں گا۔ امیر نے شور و غل سن کر پوچھا کہ اب یہ نالہ و فریاد کیوں ہے؟ سگانیوں نے کہا کہ حضرت، طوفان بے پایاں اٹھا ہے، اس طوفان سے بچتے نظر نہیں آتے۔

یہ گفتگو ہی تھی کہ طوفان نے آگھیرا اور جہاز بات کی بات میں گردابِ سکندری میں چرخ کھانے لگے۔ تب تو ہر ایک کی عقل چرخ ہوگئی۔ امیر نے اس عالمِ طوفان میں غور کر کے جو دیکھا تو اس بھنور کے بیچ میں ایک میل پتھر کا ایستادہ ہے۔ اس کے سرے پر ایک تختی سنگِ سفید کی، مثلِ پرچم، جڑی ہوئی ہے اور اس میں سنگِ موسیٰ کے حرف ترشے ہوئے تعبیہ کیے ہوئے ہیں۔ عبارت کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مضمون لکھا ہے کہ ایک

زمانے میں صاحبقراں کے جہاز اس گرداب میں پھنسیں گے۔ صاحبقراں کو لازم ہے کہ آپ یا اس کا نائب اس ستون پر چڑھ کے طبل سکندری کو، کہ اس میل پر دھرا ہوا ہے، بجاوے۔ البتہ جہاز اس گرداب سے نکل جاویں گے۔ امیر نے عمرو سے کہا کہ لو بھائی، ہم تو اس میل پر جاتے ہیں۔ اگر ایک ہماری جان جانے سے ہزار ہا جانیں بچیں تو کیا قباحت ہے۔ عمرو نے کہا کہ آپ کے نائب کے لیے بھی تو لکھا ہے۔ پس نائب آپ کا میں ہوں، اس میل پر جا کر طبل سکندری بجاتا ہوں۔ عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ اس میل پر چڑھ کے چین سے بیٹھ رہ، دریا کے تہلکے سے تو بچے گا۔ جب کوئی جہاز ادھر آنکلے گا، اس پر چڑھ کے چلا جائیو۔ پھر سب سرداروں کی طرف دیکھ کر بولا کہ یارو، تم لوگوں کا بل بکرا ہوتا ہوں، اس وقت تو گرہ کھولتے جاؤ۔ شاید اگر بچ رہوں تو اپنی اس محنت کا اجر پاؤں۔ ہر ایک نے ایک کی جگہ سو اور سو کی جگہ لاکھ دینار کا تمسک لکھ کر عمرو کے حوالے کیا۔ عمرو نے تمسک لے کر دم کو سادھ کے ایک جست کی، مگر قریب میل کے پہنچ کر دم جو ٹوٹا، عمرو نیچے کو چلا۔ دیکھے تو ایک نہنگ منھ کھولے بیٹھا ہے۔ عمرو کے حواس اڑ گئے کہ یہ بلا کہاں سے آئی۔ حواس درست کر کے پاؤں اس کے دانتوں پر ٹیک کے جست جو کی، میل کے اوپر جا کھڑا ہوا۔ عمرو کی اس چالاکی پر سبھوں نے آفرین کی۔ عمرو نے دیکھا کہ واقعی ایک کوس رکھا ہوا ہے اور اس کے طبلے پر نام سکندر ذوالقرنین کا لکھا ہوا ہے۔ عمرو نے بسم اللہ کر کے چوب اس پر ماری۔ اس کی آواز سے چونسٹھ کوس تک دریا میں تلاطم پڑ گیا۔ جتنے جانور آبی تھے سب دریا کے اوپر تیر آئے اور پرند جو اس میل میں رہتے تھے سب کے سب گھبرا کر یکبار اڑے۔ ان کے پروں کی ہوا سے جہاز چل نکلے، مگر عمرو اسی میل پر رہا۔ چند روز کے عرصے میں سراندیب کے جزیرے میں جہازوں کا لنگر پڑا اور صاحبقراں مع فوج خشکی میں اترے۔

راوی لکھتا ہے کہ ناگاہ عمرو کے کان میں آواز سلام علیک کی آئی۔ عمرو ادھر اُدھر دیکھنے اور متحیر ہو کر کہنے لگا کہ یہاں سوائے میرے انسان کہاں کہ سلام علیک مجھ سے کرے۔ مگر حضرت عزرائیلؑ روح قبض کرنے کو تشریف لائے ہوں گے۔ حیف صد حیف، کیا برے مقام پر موت آئی کہ تجہیز و تکفین بھی نصیب نہ ہوئی۔ اتنے میں حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے کو ظاہر کیا۔ عمرو نے دیکھا کہ ایک سبز پوش نورانی صورت کھڑا ہے۔ سلام کر کے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں؟ حضرت خضرؑ نے کہا کہ میں خضرؑ ہوں اور تجھے نجات دینے آیا ہوں۔ عمرو قدم بوس ہوا اور سجدۂ شکر ادا کر کے کہنے لگا کہ یا حضرت، میں بھوکا شدت سے ہوں۔ حضرت خضرؑ نے ایک نان کلچہ عنایت کر کے فرمایا کہ اس کو کھا، میں پانی بھی پینے کو دوں گا۔ عمرو اس کلچے کو دیکھ کر جل گیا کہ اس کلچے سے مجھے سیری کاہے کو ہوگی۔ بھوک کی جھانجھ میں بڑبڑانے لگا کہ یا حضرت، اگر آپ پیغمبرِ خدا ہیں تو میں بھی ولی اللہ کا ہوں۔ آپ مجھ سے ایسے برے وقت میں اختلاط کرتے ہیں! جب آدمی سیر ہوتا

ہے تو اختلاط بھی سوجھتا ہے۔ حضرت خضرؑ نے کہا کہ اختلاط کیسا؟ تو نے بھوک کی شکایت کی، میں نے تجھے کلچہ دیا اور کہا کہ پانی بھی دوں گا۔ عمرو بولا کہ حضرت، یہ وہی مثل ہے کہ اونٹ کے منھ میں زیرہ۔ بھلا اس کلچے سے میرا کیا ہونا ہے، ایک انتڑی بھی تو سیر نہ ہوگی۔ حضرت خضرؑ نے کہا کہ بھلے آدمی، پہلے تو نیت درست کر کے کھا تو، دیکھ تو اس کلچے کو تمام کھا بھی سکتا ہے۔ عمرو نے کلچے کو کھایا تو باوجود سیر ہونے کے، کلچہ جیسا تھا ویسا ہی سالم رہا۔ حضرت خضرؑ نے سوا بالشت کا ایک مشکیزہ نکال کر اسے پانی پلایا۔ عمرو نے دیکھا کہ پیاس تو بجھ گئی، مگر مشکیزہ بھرے کا بھرا رہا۔ شکر یہ ادا کر کے کہنے لگا کہ یا حضرت، بھوک پیاس آدمی کے ساتھ ہے۔ آپ تو چلے جائیں گے، میں پھر بھوکا پیاسا ہوں گا تو کس سے کہوں گا؟ اگر یہ کلچہ اور مشکیزہ مجھ کو عنایت ہوتا تو جیتی زندگی تک روٹیوں کی فکر نہ ہوتی۔ حضرت خضرؑ نے وہ کلچہ اور مشکیزہ عمرو کو دے کر فرمایا کہ اے عمرو، یہ کلچہ اور مشکیزہ بڑی بڑی گاڑھ میں تجھ کو مزہ دکھلاوے گا اور یہ کوسِ سکندری مع اسباب حمزہ کو دینا۔ عمرو بولا کہ حضرت، میں اس بوجھ کو لے کر کیونکر جاؤں گا؟ حضرت خضرؑ نے ایک گلیم دے کر کہا کہ اس میں لپیٹ لے، مطلق بوجھ معلوم نہ ہوگا۔ عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ گلیم بھی اچھی چیز ہے، وقت پر کام آوے گی۔ تمام اسباب مع نقارخانہ سکندری گلیم میں لپیٹ کر اپنے سر پر رکھا اور پاؤں اپنے حضرت خضرؑ کی پشتِ پا پر رکھے۔ اسم اعظم جو حضرت نے تعلیم کیا تھا، آنکھ بند کر کے پڑھنا شروع کیا۔ آناً فاناً میں حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ عمرو، آنکھیں کھول۔ عمرو نے آنکھیں کھولیں۔ اپنے کو خشکی میں پایا۔ سجدۂ شکر کر کے کوہستان کی طرف روانہ ہوا۔

اب صاحبقراں کا حال سنیے کہ جب بندر سراندیب میں اترے، حضرت خضرؑ و الیاسؑ کی نذر جو طوفانی ہونے میں مانی تھی، ادا کی اور فرمایا کہ ہمارا دو مہینے تک اسی جگہ پر مقام رہے گا، کہ ہم عزاداری عمرو کی کریں گے۔ ظاہر ہے کہ میں اس کو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا تھا۔ اس پر طرّہ یہ ہے کہ اس نے میرے واسطے اپنی جان بھی دی۔ جتنے سردار تھے مع لشکر عمرو کی عزا میں سیاہ پوش ہوئے۔

چند روز کے بعد عمرو نے اس جنگل میں ایک مسجد دیکھی۔ جب قریب پہنچا تو پانچ آدمی نمازی نظر آئے۔ عمرو بھی شریک ہوا۔ جب وہ فارغ ہوئے تو چار شخص تو اپنے مرکبوں پر سوار ہو کر قدم زن ہوئے اور ایک شخص پیدل چلا۔ عمرو نے بہ کمال دلسوزی اس سے حال پرسی کی۔ اس نے کہا کہ اے عزیز، ہم پانچوں آدمی شہید ہیں۔ یہ چاروں شخص مع اسپ شہید ہوئے تھے، اور میں بے گھوڑے شہید ہوا تھا، اس سے وہ سوار ہیں اور میں پیدل ہوں۔ مگر اگر تو مہربانی کرے تو میں بھی صاحبِ اسپ ہو سکتا ہوں۔ عمرو نے کہا کہ کیونکر؟ وہ بولا کہ یہاں سے تھوڑی دور پر ایک قصبہ ہے۔ اس قصبے کے فلانے محلے میں میرا گھر ہے اور میرے گھر کے صحن میں ایک درخت بہی کا ہے۔ اس کے تھالے میں دو ہزار اشرفیاں گڑی ہوئی ہیں۔ تو نکال کر ایک سہم تو میرے وارثوں کو

دے، اور ایک سہم تو لے، اور ایک سہم میں گھوڑا اور اس کا اسباب خرید کر خدا کی راہ میں میرے نام پر کسی کو دے، کہ مجھ کو اس پیادہ روی سے نجات ملے۔ عمرو اس سے رخصت ہوا اور اس کے مکان پر جا کے اس کی وصیت عمل میں لایا اور آگے کو چلا۔

کئی کوس راہ طے کی ہوگی کہ ایک درختِ سایہ دار کے نیچے ستانے کے واسطے بیٹھ گیا۔ ایک لمحے کے بعد ایک بزرگوار کو اپنے داہنے کھڑے دیکھا۔ قدم بوس ہو کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میرا نام الیاس ہے، تیری امانت تجھ کو دینے آیا ہوں۔ یہ جال اور کملی لے۔ جال میں تو جس قدر بوجھ باندھے گا سبک معلوم ہوگا، اور کملی جب اوڑھے گا، تو سب کو دیکھے گا اور تجھ کو کوئی نہ دیکھے گا۔ یہ کہہ کر غائب ہو گئے۔

عمرو چند روز میں صاحبقراں کے لشکر کے نزدیک پہنچا۔ دیکھے تو ہر متنفس سیاہ پوش ہے۔ عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ خدا حمزہ کی خیریت سنوا دے۔ ایک شخص سے اجنبی بن کر پوچھا کہ یہ لشکر کس کا ہے اور لشکری سیاہ پوش کیوں ہیں؟ وہ بولا کہ یہ لشکر صاحبقراں کا ہے۔ عمرو عیار نامی ایک امیر کا بھائی تھا۔ امیر اس کو بہت پیار کرتے تھے۔ سو وہ دریائے شور میں ایک میل پر چڑھ کر مر گیا۔ اس کے ماتم میں صاحبقراں سیاہ پوش ہوئے ہیں۔ ان کے سبب سے سارا لشکر سیاہ پوش ہوا ہے۔ چنانچہ آج اس کا چہلم ہے۔ عمرو نے دل میں کہا کہ امیر کی محبت کا بھی امتحان ہو گیا۔ دن تو انھیں فقیروں میں جن کو عمرو کی فاتحہ کا کھانا بٹتا تھا، کاٹا۔ رات کو کملی اوڑھ کر معدی کرب کے خیمے میں گیا۔ دیکھے تو معدی کرب بے خبر سوتا ہے۔ اس کی چھاتی پر چڑھ کر بیٹھا۔ وہ جاگ کر پوچھنے لگا کہ تو کون ہے؟ عمرو بولا کہ میں ملک الموت ہوں۔ آج عمرو کی روح کو بہشت میں بھیجتے تھے۔ اس نے کہا کہ معدی کرب میرا بڑا دوست ہے، میں بغیر اس کے بہشت میں نہ جاؤں گا۔ ہر چند اس کو سمجھایا کہ ابھی اس کے آنے میں بڑا عرصہ ہے مگر جب اس نے نہ مانا، مجھ کو حکم ہوا کہ جاؤ، معدی کرب کی بھی روح کو قبض کر کے لے آؤ، سو میں تیری روح کے قبض کرنے کو آیا ہوں۔ معدی کرب نے کہا کہ ہرگز میں اس کا دوست نہیں ہوں، بلکہ دشمن ہوں۔ ہمیشہ میرے اس کے بنتی نہ تھی۔ عمرو بولا کہ اگر تم مجھے کچھ دو تو میں تم کو چھوڑ کر جاؤں اور جو کچھ تم نے کہا ہے، حق تعالیٰ سے عرض کروں۔ عادی نے کہا کہ وہ سامنے ایک صندوق اشرفیوں کا رکھا ہے۔ آپ لے لیجیے اور میری جان چھوڑ دیجیے۔ عمرو وہاں سے صندوق لے کر سلطان بخت کے خیمے میں گیا اور یہی گفتگو اس سے بھی پیش کی۔ اس نے بھی ایک صندوق اشرفیوں کا دے کر اپنی دانست میں جان اپنی بچائی۔ خلاصہ، اس شب کو اسی طرح تمام سرداروں سے عمرو نے اشرفیاں تحصیلیں، اور عمرو کے آنے کے بعد ہر ایک کو خوف سے تپِ لرزہ آئی۔

جب صبح ہوئی، پہلے تو عادی نے رات کا حال امیر سے کہا۔ امیر نے جانا کہ یہ بدخواب ہوا ہے۔ اس کی باتیں سن کر بہت ہنسے، کہ سلطان بخت نے بھی آن کر اپنی سرگذشت بیان کی۔ بعد اس کے اور امرا نے بھی

حاضر ہوکر ایسا ہی کچھ امیر سے کہا۔ امیر نے فرمایا کہ جلد یہاں سے خیمے اٹھاؤ، معلوم ہوا کہ یہاں کی آب و ہوا میں فتور ہے، ایسا نہ ہو کہ لوگوں کو سودا ہو جائے۔ دوسرے دن عمرو نے امیر سے بھی یہی حرکت کی۔ امیر نے کہا کہ عجب بات ہے، آواز آتی ہے مگر صاحبِ آواز نظر نہیں آتا۔ امیر نے ہاتھ سے ٹٹولا تو جسم ہاتھ میں معلوم دیا۔ امیر نے جن سمجھ کر ایک ہاتھ سے اس کو پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے چاہا کہ گھونسا ماریں، عمرو نے کہا کہ خبردار، او عرب، گھونسا نہ مارنا، میرے چوٹ لگے گی، اور جھٹ گلیم اپنے اوپر سے پھینک دی۔ امیر نے گلے سے لپٹا لیا اور کمال خوش ہوئے۔ عمرو نے تمام سرگذشت بیان کر کے نقار خانہ وغیرہ اسبابِ سکندری امیر کو دیا اور کلچہ و مشکیزہ اور گلیم و جال امیر کو دکھلا کر کہا کہ یہ حضرت خضر و الیاس علیہ السلام نے مجھ کو دیا ہے۔ امیر نے صبح ہوتے ہی وہاں سے کوچ کیا اور کوہ سراندیب کے نیچے خیمہ زن ہوئے۔

چار طرف یہ خبر مشہور ہوئی کہ حمزہ نامی، داماد نوشیرواں عادل کا، خسرِ ہندوستان ملک لندھور بن سعدان سے لڑنے آیا ہے۔ راوی لکھتا ہے کہ کوہِ سراندیب پر امیر میلے کے موسم میں پہنچے تھے اور میلہ ہونے کا سبب یہ تھا کہ انھیں دنوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی ہے اور اس پہاڑ کے ایک پتھر پر حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہم السلام کے قدم کے نشان ہیں۔ دو دو چار مہینے کی راہ سے آدمی حسبِ دستورِ قدیم آ کر پہاڑ تلے میں اترے تھے۔ عمرو نے امیر سے کہا کہ اگر حکم ہو تو پہاڑ کی سیر کر آؤں۔ امیر نے اجازت دی۔ عمرو جو زیرِ کوہ آیا تو راستہ نہ پایا کہ کوہ کے اوپر جاوے۔ ناگاہ ایک جھونپڑے پر نگاہ پڑی۔ وہاں جا کر ایک مردِ بزرگ کو عبادت میں مصروف دیکھا۔ اس بزرگ نے جو عمرو کا نام لے کر سلام علیک کی، عمرو نے دوال پا سمجھ کر خنجر پر ہاتھ ڈالا۔ اس بزرگ نے ہنس کر کہا کہ اے عمرو، میں دوال پا نہیں ہوں، حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہوں، سالم میرا نام ہے۔ شب کو مجھے بشارت ہوئی تھی، اس سے میں نے تجھے پہچانا، نہیں تو میں تجھ کو اور تیرے نام کو کیا جانوں۔ یہ کہہ کر ایک گز دیا اور فرمایا کہ سامنے جا کر اس گز کے برابر زمین کھود۔ جو تیری تقدیر کا ہے وہ تجھ کو ملے گا، مگر طمع کو راہ نہ دینا۔ عمرو نے اس گز سے ناپ کر زمین کو جو کھودا، ایک دانہ لعل کا خوش رنگ نکلا۔ اس کو تو عمرو نے اپنے کیسے میں ڈالا اور زمین پھر کھودنے لگا۔ جب کھودتے کھودتے تھک گیا اور کچھ نہ نکلا تو شرمندہ ہو کر سالم کے پاس آیا اور وہ لعل کا دانہ دکھلایا۔ سالم نے کہا کہ اب کوہ پر جا کر آدم علیہ السلام کے قدم کی زیارت کر۔ عمرو نے کہا کہ پہاڑ پر جانے کی راہ تو کسی طرف نظر نہیں آتی ہے، جاؤں تو کیونکر جاؤں؟ سالم نے کہا کہ وہ جو باریک سی پگڈنڈی ہے اسی پر سیدھا چلا جا۔

عمرو اسی راہ سے کوہ کے اوپر گیا۔ دیکھا کہ ایک احاطہ ہے اور اسی احاطے کے اندر سبزہ زار ہے اور اسی سبزہ زار کے گرد چشمہ ہائے مصفا جاری ہیں۔ جب اور آگے گیا تو ایک سنگِ سفید پر حضرت آدم علیہ السلام کے قدم

کا نشان پایا۔ آنکھوں کو مل کر اس قدم کو بوسہ دیا۔ گرد اس قدم کے قدِ آدم جواہر کے ڈھیر دیکھ کر منھ میں پانی بھر آیا۔ دل میں کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قدم کی زیارت تو تو کر چکا، اب ان جواہرات کو لے کر یہاں سے چلتا ہوں۔ کملی بچھا کر تمام جواہر کو سمیٹا لیکن جب دروازے کے پاس آیا تو دروازہ آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ عمرو نے پھر الٹے پاؤں آکر جہاں جواہر پڑے تھے وہیں ڈال دیے۔ دروازے پر جو نگاہ کی، دروازہ بدستور دکھائی دیا۔ عمرو نے تجویز کیا کہ پہلے اس دروازے پر نشان رکھ آیا چاہیے، تب جواہر کو لے کر یہاں سے نکلیے۔ عمرو نے نیم تاج اپنا دروازہ کی چوکھٹ کی زہ پر رکھ کے جواہر کے ڈھیروں کے پاس کھڑا ہو کر دروازے کو تاکا۔ دروازہ اور تاج دکھائی دیے۔ عمرو نے دوبارہ ان جواہر کو کملی میں رکھ کر وہاں سے راہ لی۔ جب پاس دروازے کے پہنچا تو دروازہ مع تاج غائب تھا۔ دل میں کہنے لگا، معلوم ہوا کہ دادا آدم بھی نہایت بخیل تھے، ان کا مال کسی کو نہ پچے گا۔ بدستور جواہر کو رکھ دیا تو تاج و دروازہ پھر دکھائی دیا۔ عمرو نے دیکھا کہ نماز کا وقت ہے، آپ چشمے سے وضو تازہ کر کے نماز ادا کی اور لگا زار زار رونے۔ نگاہ اس گریہ وزاری میں عمرو کی آنکھ جھپک گئی۔ دیکھا کہ کئی بزرگ نورانی چہرہ میرے سر پر کھڑے ہیں۔ ان میں سے ایک بزرگ طویل القامت نے ایک جامہ دے کر فرمایا کہ اسے تو پہن، اس کو دیو جامہ کہتے ہیں۔ اس کے پہننے سے جمیع بلیات و آفات سے محفوظ رہے گا۔ اور اس میں جو زنبیل ہے، اگر تمام دنیا کی اشیا اس میں ڈال دے گا تو غائب ہو جائیں گی اور سوائے اشیائے نگاہ داشتہ کہ جو اشیا منظورِ خاطر ہوں گی وہ اس میں سے نکلیں گی۔ اور اس پر ہاتھ رکھ کر جب کہے گا کہ دادا آدم، میری صورت ایسی بن جائے، ویسی ہی شکل بن جائے گی۔ یہ اس میں معجزہ ہے۔ اور جس کی زبان چاہے گا، بولے اور سمجھے گا۔ اور معلوم ہو تجھ کو کہ نام میرا آدم ہے۔ عمرو تسلیم بجا لایا۔ دوسرے بزرگ نے جام دے کر فرمایا کہ اس جام پر جو اسم اعظم لکھا ہوا ہے اس کو یاد رکھنا۔ تیرے بڑے کام آوے گا۔ اور نام میرا اسحٰق علیہ السلام نبی اللہ ہے۔ تیسرے بزرگ نے نام اپنا داؤدؑ پیغمبر بتایا اور ایک دوتارا دے کر فرمایا کہ جب تو اس کو بجا کر گاوے گا، تیرے مقابلے میں کوئی نائک بھی نہ ٹھہرے گا۔ اگر سامع علمِ موسیقی بھی نہ جانتا ہوگا تو بھی تیری آواز سے اس کے کلیجے میں چوٹ لگے گی۔ چوتھے بزرگ نے نام اپنا صالح علیہ السلام پیغمبر بتا کر عمرو کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ دوڑ میں کوئی تجھ سے سربر نہ ہوگا، ہوا سے بھی آگے جاوے گا اور کبھی نہ تھکے گا۔ حضرت صالح یہ فرما رہے تھے کہ ایک تخت آسمان سے زمین پر اترا۔ اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی صورت دیکھ کر عمرو کی آنکھوں میں چکاچوندھی آ گئی۔ چاروں پیغمبروں نے تعظیم کی۔ عمرو نے ان سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ پیغمبرِ آخر الزماں محمد رسول اللہؐ ہیں۔ عمرو نے دست بستہ ہو کر کورنش کی اور ابتدا بسا کن عرض کرنے لگا کہ یا حضرت، سب پیغمبروں نے ایک ایک نعمت مجھ کو عنایت کی ہے۔ آپ

سے استدعا یہ ہے کہ جب تک میں تین مرتبہ موت نہ مانگوں، نہ مروں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا چاہے گا تو ایسا ہی ہوگا۔ اس میں عمرو کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھے تو جو جو عالم رویا میں پیغمبروں سے پایا تھا، وہ سب پہلو میں رکھا ہوا ہے۔ عمرو ان تبرکات کو لے کر سالم کے پاس گیا۔ سالم نے کہا کہ عمرو، اب جا کر حمزہ کو بھیج دے، تاکہ اس کے بھی مقدر میں جو کچھ ہے ملے۔ عمرو وہاں سے روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں امتحاناً زنبیل پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا کہ یا دادا آدمؑ، میں طویل القامت ہو جاؤں اور رنگ میرا روغنِ قیر سے بھی زیادہ کالا ہو جاوے۔ عمرو نے دیکھا کہ فوراً قد بڑھ گیا۔ آئینے میں جو منھ دیکھا تو اپنی صورت سے آپ ڈر گیا۔ دل میں کہنے لگا کہ ایسا نہ ہو، ایسی ہی صورت رہ جاوے۔ زنبیل پر ہاتھ رکھ کر معجزہ طلب کیا کہ میری صورت اصلی ہو جاوے۔ فی الفور اصلی شکل بن گئی۔ تب تو عمرو خوش ہوا کہ میں جیسی صورت چاہوں گا ویسی ہی بن جائے گی۔ پھر صورت تبدیل کر کے لشکرِ اسلام میں پہنچا۔ دوتارا بجا کر لگا گانے۔ جس نے سنا، اپنا شغل چھوڑ کر عمرو کے ساتھ ہوا۔

لوگوں نے یہ خبر صاحبقراں کو پہنچائی کہ ایک ہندی، اس ہیئت کا آدمی، اردو میں بیٹھا ایسا گا بجا رہا ہے کہ سننے والوں کا ہوش بجا نہیں رہتا۔ صاحبقراں نے طلب فرمایا۔ دیکھا تو واقعی عجب صورت کا آدمی ہے کہ عالم خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ گانا بجانا جو سنا تو امیر مع امرا ایسے محو ہوئے کہ کسی کو اپنی خبر نہ رہی۔ جب عمرو گا بجا رجھا چکا تو امیر نے پوچھا کہ اے شخص تو کہاں کا رہنے والا ہے اور کیا تیرا نام ہے؟ عمرو بولا کہ مجھ کو محمود سیاہ تن کہتے ہیں اور رہنے والا اسی سراندیب کا ہوں۔ خسروِ ہندوستان مجھے خوب جانتا ہے اور بہت کچھ انعام دیتا ہے، لیکن میرے حوصلے کے موافق نہیں دیتا کہ بے پروا ہو جاؤں۔ صاحبقراں نے فرمایا، اس کو ہمارے خزانے میں لے جاؤ۔ جس قدر روپیہ اشرفی جواہر اس سے اٹھ سکیں، اس کو دو۔ سلطان بخت عمرو کو امیر کے خزانے میں لے گیا۔ عمرو نے جتنے صندوق خزانے میں تھے، ایک ایک کر کے سب نکالے۔ سلطان بخت بولا کہ یہ تو صدہا عرابوں کا بوجھ ہے۔ تجھ سے جس قدر اٹھ سکے اتنا لے جا، کہ امیر کا حکم ہے۔ عمرو بولا کہ ہاں حضرت، وہی تو کرتا ہوں، نہیں تو میرے پاس کیا عرابے چھکڑے ہیں کہ ان پر لاد لے جاؤں گا؟ سلطان بخت یہ سمجھ کر کہ شاید اس کو خللِ دماغ ہے، چپ ہو رہا۔ عمرو نے ان سب صندوقوں کو جال بچھا کر اوپر تلے رکھا اور رسی سے باندھ کر کاندھے پر رکھ کے کوہستان کی راہ لینے کا ارادہ کیا۔ دیکھنے والوں کے ہوش اڑ گئے۔ سلطان بخت نے اسے روک کر کہا کہ ذرا ٹھہرو، ہم اپنے حاکم کو بھی خبر دے لیویں۔ عمرو صندوقوں کو کاندھے پر سے اتار کے بیٹھ گیا۔ سلطان بخت نے جا کر امیر سے عرض کی کہ یا صاحبقراں، وہ تو معلوم نہیں کہ جن ہے یا غولِ بیابانی ہے۔ اس نے تمام صندوق خزانے کے ایک جال میں باندھ کر کاندھے پر رکھے اور سبک چل نکلا۔ فدوی نے اس کو روکا ہے کہ ہم اس کی اطلاع اپنے خاوند کو دے لیویں، تب تجھے رخصت کریں۔ صاحبقراں نے سنتے ہی تجویز کیا کہ

مقرر عمرو ہے۔ خود تشریف لے جا کر فرمایا کہ کیوں بھائی، تم ہو؟ عمرو نے ہنس دیا۔ امیر نے اس کو گلے لگا لیا۔ عمرو نے ساری سرگذشت بیان کر کے کہا کہ آپ کو بھی سالم نے بلایا ہے۔

امیر نے شب کو تو آرام کیا مگر صبح کو مع جمیع امرا و عمرو دامنِ کوہ کی طرف گئے۔ ایک میدان دیکھا کہ زمین اس کی صندلِ سفید و گلاب سے خمیر کر کے ہموار کی ہے اور اس کے ایک گوشے میں نال، سنگی، مگدر، لیزم، بلم، گرز وغیرہ، اسباب ورزش کا دھرا ہے، اور چند آدمی اس کے نگہبان ہیں۔ امیر نے ان سے پوچھا کہ یہ کس کی ورزش گاہ ہے؟ وہ بولے کہ خسروِ ہندوستان ملک لندھور بن سعدان کی۔ امیر نے عمرو سے کہا کہ میں بھی اپنا زور آزماؤں۔ اس تعلیم گاہ میں جا کر جتنے نال، مگدر، لیزم، بلم تھے، سبک اٹھا لیے، لیکن گرز نہ اٹھا۔ امیر کو از بس کوفت ہوئی۔ مغموم سالم کی طرف گئے۔ سالم نے بغلگیر ہو کر وہی گز دے کہ کہا کہ آپ اسے ناپ کر فلانے مقام کی زمین کھودیں۔ جو کچھ آپ کا حصہ ہوگا وہ ملے گا۔ امیر نے سالم کے کہنے پر جو عمل کیا تو ایک دانہ یاقوت کا پایا۔ سالم کو لے جا کر دکھلایا۔ سالم نے کہا کہ یہ مال آپ کا ہے، اس کو اپنی جیب میں رکھیے اور کوہ پر زیارت کے واسطے جائیے۔ جب تک اُدھر سے اعانت نہ ہوگی، خسروِ ہندوستان سے بر نہ آئیے گا۔ امیر نے پہاڑ پر جا کے حضرت آدمؑ کے قدم شریف کی زیارت کی اور اسی جگہ عبادت میں مشغول ہوئے۔ ناگاہ سجدۂ آخر میں غفلت سی آ گئی۔ دیکھا کہ ایک تخت فلک پر سے سطحِ زمین پر اترا۔ اس پر کئی بزرگ نورانی چہرہ بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک بزرگ طویل القامت نے نام امیر کا لے کر سلام علیک کی اور فرمایا کہ حمزہ، یہ بازو بند لے اور اپنے بازو پر باندھ، کبھی بازو تیرا پنجۂ حریف سے خم نہ ہوگا، اور اگر حریف کا قد ہزار گز بلند ہوگا تو بھی اس بازو بند کی برکت سے تیری تلوار اس کے سر پر پڑے گی۔ لیکن کوسِ جنگ پر پہلے چوب نہ لگانا، پیش دستی کبھی حریف پر نہ کرنا۔ جب تین حربے حریف کر لیوے، تب اپنا وار چلانا۔ نیک طینت کو روزِ بد نہ دکھلانا، جو امان مانگے اس کو امان دینا، بھاگے ہوئے کا پیچھا نہ کرنا، کسی شکستہ خاطر کے شیشۂ دل کو نہ توڑنا، سائل سے منھ نہ موڑنا کہ تو کافِ کفر کا صفحۂ ہستی سے چھیلے گا، اور دیکھنا، نعرہ بے ضرورت نہ کرنا کہ تیرے نعرے کی آواز سولہ فرسنگ تک جاوے گی۔ یہ نصیحتیں کر کے حضرت آدمؑ نے امیر کو چھاتی سے لگایا اور سب پیغمبروں نے امیر کے حال پر لطف فرمایا۔ خوشی کے مارے امیر کی آنکھیں کھل گئیں۔ امیر نے اٹھ کر دوگانہ شکر کا ادا کیا اور فاتحہ پڑھ کے سالم کے پاس آئے۔ سالم نے امیر کو مبارکباد دے کر کہا کہ اس مسافرِ ملکِ عدم کو فقط آپ ہی کا انتظار تھا۔ لو، خدا حافظ، میں راہی ہوتا ہوں۔ تجہیز و تکفین میری اپنے ہاتھ سے کیجیے گا۔ یہ کہہ کر دنیا سے ہاتھ کھینچ لیے اور حصیر پر پاؤں پھیلا دیے۔ کلمۂ توحید پڑھنے کے بعد اس کے طبلِ شکم سے پھر آواز نہ آئی۔ امیر نے اس ہستیِ بے وجود پر اشکِ حسرت گرا کے اس کو گور و کفن دیا اور وہاں سے اٹھ کر لندھور کے ورزش خانے میں آئے۔ وہ جو ایک ہزار

سات سو من کا گرز تھا اس کو بسم اللہ کر کے تنکے کی مانند بے جد و جہد اٹھا کر دوسرے گوشے میں رکھ دیا اور بشاش اپنے لشکر میں آ کر کئی ہزار دینار مساکینوں کو خدا کی راہ میں دیے۔ لندھور نگہبانوں سے یہ کیفیت سن کر زورخانے میں آیا۔ گرز کو دوسرے مقام پر دیکھ کے کمال متعجب ہوا اور نگہبانوں کو تاکید کی کہ جس شخص نے میرے گرز کو ایک گوشے سے اٹھا کر دوسرے گوشے میں رکھا ہے، اگر وہ پھر آوے تو مجھ تک اس کو لے آنا۔

عمرو کا حال سنیے کہ امیر سے رخصت ہو کر لندھور کے اردو کی طرف چلا۔ جب قریب پہنچا، ایک خراسانی کی صورت بن، دوتارا ہاتھ میں لے، خسروِ ہندوستان کے آستانے پر جا کھڑا ہوا۔ چوبداروں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ بولا کہ شہنشاہِ ہفت اقلیم کے داماد کے ساتھ یہاں تک پہنچا ہوں۔ خسروِ ہندوستان کی قدردانی کا حال سن کر درِ دولت پر آیا ہوں۔ ذرا میری خبر کر دو۔ چوبداروں نے اپنے داروغہ کو اطلاع دی۔ داروغہ نے لندھور کی خدمت میں عرض کی۔ حکم ہوا کہ حاضر کرو۔ لندھور عمرو کو دیکھ کر متحیر ہوا کہ اس شکل کا آدمی کبھی اس نے نہ دیکھا تھا۔ عمرو سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ دعا دے کر بولا کہ مجھ کو بابا زدوبرد کہتے ہیں۔ لندھور نے کہا کہ عجیب نام ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو کسی کو مارتا ہے اور اس کا مال دستبرد کر کے لے جاتا ہے۔ عمرو بولا کہ غلام تار کو مضراب سے مارتا ہے اور سامعِ قدردان کے دل کو دستبرد کرتا ہے۔ لندھور اس لطیفے پر بہت خوش ہوا اور گانے کی فرمائش کی۔ عمرو تمام اربابِ نشاط سے بالادست بیٹھا اور دوتارے کو ملانے لگا۔ جتنے گویّے بجویّے بزم میں حاضر تھے، عمرو کے آگے بڑھ کے بیٹھنے پر گنگنانے لگے کہ اس میں ایسا کیا کمال ہے کہ نائکوں کی طرح ہم پر بالادست ہو کر بیٹھا ہے۔ لندھور نے کہا کہ اول تو یہ مہمان ہے، دوسرے نزدیک سے اس کا گانا سننا مجھے منظور ہے۔ تمھارے آزردہ ہونے کا مقام نہیں ہے۔ ان کو سمجھا کر عمرو سے اشارہ کیا۔ عمرو گانے لگا۔ جتنے سامعین تھے گویے تک محو ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس کے گلے میں ہڈی نہیں ہے۔ گلا کاہے کو ہے، بانسلی ہے۔ لوگ تو عمرو کے گانے پر محو تھے مگر عمرو زمرد کے طاؤسوں کو، کہ تخت کے چاروں گوشوں پر تعبیہ کیے ہوئے تھے، دانت تیز کیے، گرم نگاہوں سے تک رہا تھا۔ لندھور نے محظوظ ہو کر کہا کہ اے بابائے زدوبرد، مانگ کیا مانگتا ہے۔ عمرو نے کہا کہ حضور کی عمر دراز ہو، حضور کی عنایت سے نوشیرواں کے داماد نے بہت کچھ مجھ کو دیا ہے، متاعِ دنیا سے بے نیاز ہوں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد لندھور نے کہا کہ کچھ تو اس وقت مجھ سے مانگ۔ عمرو بولا کہ حضور کے تصدق سے مجھ کو کچھ احتیاج نہیں ہے، مگر یہ جی چاہتا ہے کہ اس وقت اگر حکم ہو تو ساقی گری کروں۔ لندھور نے ساقیِ اول کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے صراحی و جام عمرو کے ہاتھ میں دیا۔ عمرو بادۂ گلرنگ جامِ مرصع میں بھر بھر کر پلانے لگا۔ جب دو تین دور پلا چکا، دیکھا کہ لندھور کی آنکھوں میں گلابی ڈورے نشے کے پڑ گئے۔ ایک مرتبہ ہاتھ کو بڑھا ان چاروں طاؤسوں میں سے ایک کو اٹھا کر بغل میں رکھا۔ لندھور نے کن انکھیوں سے دیکھ کر

کہا کہ اے زدوبرد، یہ کیا کرتا ہے؟ آنکھ مار کے کہنے لگا کہ چپ رہو، ایسا نہ ہو کوئی سن لے۔ لندھور اس بات پر بے اختیار ہنسا کہ عجب مردِ مضحک ہے! میرا ہی تو مال چراتا ہے اور مجھی سے کہتا ہے کہ چپ رہو، ایسا نہ ہو کوئی سن لے۔ خسرو نے فرمایا کہ سن تو زدوبرد، چیز تو میری ہے، دوسرے کے سننے سے کیا ہوگا؟ مگر چونکہ تیری اس چوری نے بھی، کہ عین سرزوری ہے، اس وقت مزہ دیا۔ لے، اس کے صلے میں باقی طاؤس بھی میں نے تجھ کو بخشے۔ عمرو نے آداب بجالا کر ان طاؤسوں کو جیب میں رکھا اور خسرو کی آنکھ بچا کر چار مثقال داروے بیہوشی زنبیل سے نکال کر شراب کے شیشے میں ملادی اور دو دو جام لندھور اور سب اربابِ محفل کو پلائے۔ ایک لحہ نہ گذرا تھا کہ سب کی آنکھوں میں سرسوں پھولی۔ نشے کی ترنگ میں سبھوں نے اپنے کو دریا میں شناور سمجھ کر بآوازِ بلند کہا کہ یارو، دریا طغیانی پر ہے، غوطے مار مار کر کنارے لگو۔ سب کے پہلے لندھور کو دا اور اس کے ساتھ سب اہلِ محفل اپنی اپنی جگہ سے اچھلے اور طڑاق طڑاق بیہوش ہو ہو کے زمین پر گرے۔ عمرو نے دست درازی شروع کی۔ جہاں تک اس محفل میں اثاثہ تھا، فرش تک اٹھا کے نذرِ زنبیل کیا اور بات کی بات میں اپنی فرودگاہ پر آدھمکا۔

قضا کار، اسی وقت امیر نے حکم دیا تھا کہ دیکھو تو عمرو کہاں ہے، بڑی دیر سے غائب ہے۔ جس حالت میں ملے اسی طرح لے آؤ۔ لوگ جو عمرو کے خیمے میں آئے، دیکھیں تو کثرت سے اسباب ہر قسم کا پھیلا پڑا ہے، اس میں سے قسمِ اول و دوم چن رہا ہے۔ انھوں نے عمرو سے کہا کہ چلیے، صاحبقراں نے یاد کیا ہے۔ بولا کہ اچھا بھائی، اسباب سنبھال لوں تو چلتا ہوں۔ وہ بولے کہ خیریت ہے؟ مع اسباب چلنا ہوگا کہ حکم یوں ہی ہے۔ عمرو اسباب سمیت امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر نے پوچھا کہ یہ اسباب کیسا ہے؟ بولا کہ خسروِ ہند نے مجھ کو انعام دیا ہے۔ صاحبقراں کو یقین نہ آیا۔ اس وقت تو اس اسباب کو حوالات میں رکھا، صبح کو عادی سے کہا کہ تم خسروِ ہندوستان کو ہماری طرف سے دعا کہنا اور یہ اسباب، مع دیگر تحائف جو میں تم کو سونپتا ہوں، خسرو کو دے کر کہنا کہ معلوم ہوا رات کو عمرو آپ کی محفل میں حاضر ہوا تھا۔ اس کا تو بیان یہ ہے کہ خسروِ ہندوستان نے یہ اسباب مجھ کو انعام میں دیا ہے، لیکن چونکہ مجھ کو اس کے قول و فعل کا اعتبار نہیں ہے اس واسطے اس اسباب کو میں نے بھیجا ہے اور اس تحفے کو، کہ از بس قلیل ہے، اگر قبول کیجیے گا تو میری خوشی کا موجب ہے، اور اگر عمرو نے کچھ بے ادبی کی ہو تو مجھ کو اطلاع کرو کہ میں اس کو سزا دوں۔ عادی کرب اس اسباب کو عرابوں پر لدوا کر خسرو ہندوستان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اب لندھور کی محفل کا احوال سنیے۔ جب خسروِ روز تختِ فلک پر جلوہ افروز ہوا، خسروِ ہند مع اربابِ محفل ہوش میں آیا۔ بارگاہ کو اجڑا دیکھ کر پوچھا کہ زدوبرد کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم کو نہیں معلوم کہ وہ کدھر گیا، کہ خسرو

نے اپنے گلے میں ایک رقعہ بندھا دیکھا۔ کھول کر جو پڑھا، معلوم ہوا کہ وہ زدو برد عمرو تھا۔ اسی وقت حمام کر کے پوشاک پہنی اور مکانداروں نے بارگاہ میں فرش بچھایا۔ عیاروں نے خبر دی کہ معدی کرب نامی، نوشیرواں کے داماد کا ایلچی آتا ہے۔ لندھور نے کئی سردار عادی کے استقبال کے واسطے بھیجے۔ عادی نے بارگاہ میں حاضر ہو کر شرائطِ آداب ادا کر کے صاحبقراں نے جو کچھ کہا تھا اس کا اعادہ کیا، اور وہ اسباب جو عمرو دستبرد کر کے لے گیا تھا مع تحائفِ مرسلۂ امیر گذرانا۔ خسرو عادی کے تمیز پر بہت محظوظ ہوا اور اس کو اپنے سرداروں کے بالا دست بٹھایا، اور صاحبقراں کا تحفہ بھیجا ہوا تو لے لیا مگر اپنے اسباب کے باب میں حکم دیا کہ ہم نے عمرو کو معاف کیا۔ ہماری طرف سے بعد نیاز کے امیر کی خدمت میں عرض کرنا کہ حاشا اگر عمرو کی طرف سے ذرہ بھی گرد و غبار میرے دامنِ دل پر بیٹھا ہو۔ بلکہ میں عمرو کی اصلی صورت دیکھنے کا مشتاق ہوں۔ اگر آپ اس کو بہ صورتِ اصلی میرے پاس بھجوائیں گے تو کمال ممنون کریں گے۔ یہ کہہ کر عادی کو خلعتِ فاخرہ سے سرفراز فرمایا اور رخصت کیا۔ عادی نے جو کچھ دیکھا سنا تھا، امیر سے آ کر بیان کیا۔ امیر بہت خوش ہوئے اور عمرو سے فرمایا کہ اے بابا زدو برد، تم کو خسروِ ہند نے بہ صورتِ اصلی بلایا ہے اور اسباب تمھارے لیے واپس بھیجا ہے۔ عمرو کمال ہشاش و بشاش ہوا۔ اس اسباب کو اپنے خیمے میں رکھ کر لندھور کی طرف چلا۔

اثنائے راہ میں عمرو نے دیکھا کہ ایک جماعت سوداگروں کی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک تاج جواہر نگار لاکھوں روپوں کی قیمت کا ہے۔ عمرو بھی لباسِ تاجرانہ پہن کر ان کے ساتھ ہوا۔ جب وہ جماعت بارگاہ کے آستانے پر پہنچی، لندھور نے جو تاج کو منگوا کر دیکھا، بہت خوش ہو کے اپنی سرکار کے مقیم کو بلا کر فرمایا کہ جو اس کی قیمت ہو وہ سوداگروں کو بہ اضافۂ انعام دلوا دو، میں ابھی اس تاج کو اپنے سر پر رکھوں گا۔ عمرو نے سن کر کہا کہ پہلے تاج کی قیمت ہم کو مل لے، تب خسرو تاج کو اپنے سر پر رکھے یا توشک‌چی کو سونپے۔ خسرو نے یہ گفتگو سن کر تاج کو مقیم کے حوالے کیا کہ اس کی قیمت تاجروں کو دے کر حضور میں لے آؤ، میں کسی کی چیز جبر سے نہیں لیتا ہوں۔ مقیم تاج کو لے کر سوداگروں کے پاس آیا اور قیمت پوچھنے لگا۔ عمرو نے اس کے ہاتھ سے تاج لے کر کہا کہ روشنی میں دیکھ کر اس کی قیمت میں کہوں گا۔ مقیم بولا کہ بہت بہتر ہے۔ عمرو جلوخانے سے باہر نکل کے آسمان کی طرف دیکھ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ کیا ابر غلیظ اٹھا ہے، اور فوراً چلتا ہوا۔ تاجر اور ملازمین شاہی فلک کو چاروں طرف دیکھ کر کہنے لگے کہ اے عزیز، ابر کہاں ہے؟ اتنا جھوٹ کیوں بولتا ہے؟ پھر کر جو دیکھیں تو وہ شخص تاج لیے بھاگا جاتا ہے۔ فی الفور یہ خبر خسرو کو پہنچی۔ خسرو آپ ہاتھی کی مستک پر بیٹھ کر اس کے پیچھے روانہ ہوا اور عمرو کو جا کر روکا۔ عمرو پہاڑتلی کی طرف بھاگا۔ اُدھر راہ نہ تھی۔ عمرو دست پاچہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دیکھے تو ایک آسیا گردان کا گھر ہے۔ جھٹ اس کے گھر میں جا کر اس سے کہنے لگا کہ خسروِ ہند نے

ایک خواب دیکھا ہے۔ حکیموں نے یہی اس کی تعبیر کہی ہے کہ اگر کسی آسیا گردان کے سر کا پوست طبل میں منڈھ کر خسرو اپنے ہاتھ سے بجاوے تو بہتر ہے۔ سو لوگ تیرے پکڑنے کو دوڑے آتے ہیں۔ وہ بیچارہ سن کر جیتے جی گویا مر گیا کہ مفت میں جان گئی۔ بدحواس ہو کر عمرو سے پوچھنے لگا کہ میں کیونکر ان ظالموں کے ہاتھ سے بچوں؟ عمرو نے کہا کہ اپنی دھوتی مجھے دے کہ میں پہن کر چکی پیسنے لگوں۔ تو اس حوض میں غوطہ مار کے چپکا بیٹھ رہ۔ جو کوئی آئے گا میں اس کو جواب دے لوں گا۔ اس نے گویا جان پائی۔ فی الفور دھوتی عمرو کے حوالے کی اور آپ ننگا حوض میں کود کر بیٹھ رہا۔ عمرو نے اس دھوتی کو باندھ کر چکی پیسنا شروع کیا۔ لندھور ہاتھی پر سے اتر کر اس آسیابان کے گھر میں آیا اور عمرو سے پوچھا کہ ایسی صورت کا آدمی ابھی تیرے گھر میں آیا ہے۔ سچ بتا کہ وہ کہاں چھپا ہے۔ عمرو نے کہا کہ حوض میں غوطہ لگا کر بیٹھا ہے۔ لندھور تو کپڑے اتار کر حوض میں کودا اور عمرو لندھور کی پوشاک لے کر اس گھر سے باہر نکل کے خزانچی کو پوچھتا ہوا چلا۔ خزانچی سے جو ملاقات ہوئی، اس سے کہا کہ خسرو نے یہ نشانی دی ہے کہ جلد خزانچی کو دکھلا کر دو سو تمن لے آؤ۔ خزانچی نے دو سو تمن اس کے حوالے کیے۔ عمرو نے تو اپنے لشکر کی راہ لی اور لندھور حوض میں سے اس آسیا گردان کو نکالنے لگا۔ اس نے حوض کے پتھروں سے سر کو ٹکرا کر چند جگہ زخم ڈال دیے اور کہنے لگا کہ اب پوست میرے سر کا خراب ہو گیا، کسی کام کا نہیں رہا۔ کسی اور آسیا گردان کو تلاش کر کے اس کے سر کے پوست سے نقارہ منڈھ کر خسرو کو دے کہ وہ بجاوے۔ لندھور حیران ہوا کہ یہ کیا بکتا ہے۔ آیا اس کو مالیخولیا ہوا ہے کہ ایسی بے تکی باتیں کرتا ہے؟ جب آسیابان حوض سے نکلا، لندھور نے دیکھا کہ وہ شخص یہ نہیں ہے۔ باہر نکل کے لوگوں سے پوچھا کہ ادھر سے کوئی آدمی گیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اور تو کوئی نہیں گیا، مگر جس شخص کو حضور نے پوشاک نشانی دے کر دو سو تمن دلوائے تھے، وہ خزانچی سے تمن لے کر اس طرف کو گیا ہے۔ خسرو سمجھ گیا کہ یہ عمرو تھا۔ اس کی ظرافت اور چالاکی و منصوبے پر عاشق ہو گیا۔ پوشاک بدل کر تنہا بخطِ مستقیم صاحبقراں کے اردو کی طرف روانہ ہوا۔

امیر کو عیاروں نے خبر دی کہ خسروِ ہندوستان ملک لندھور بن سعدان اکیلا ہاتھی کی مستک پر سوار حضور کے خیمے کی طرف آتا ہے۔ صاحبقراں نے فرمایا کہ آنے دو۔ جب لندھور ہاتھی پر سے اترا، صاحبقراں تا درِ خیمہ پیشوائی کر کے لے آئے اور کرسی مرصع نگار پر اپنے پہلو میں بٹھایا اور جشن کی تیاری کی۔ لندھور امیر کا اخلاق دیکھ کر ایک جان چھوڑ ہزار جان سے مفتون ہو گیا اور پوچھا کہ عمرو کہاں ہے؟ اس کو اس وقت بلوائیے، مگر بہ صورتِ اصلی آوے کہ میں اس کی اصل صورت کا مشتاق ہوں۔ میرے پاس جب جاتا ہے، ہیئت بدل کر جاتا ہے۔ حکم ہوتے ہی عمرو بہ صورتِ اصلی حاضر ہوا۔ لندھور کو آداب بجا لایا اور اپنی کرسی پر بیٹھا۔ ساقیانِ سیمیں وش آفتابِ مے کو ہلالِ جام میں لبریز کر کے گردش میں لائے۔ پہلا جام صاحبقراں نے اپنے ہاتھ سے لندھور کو

پلایا، بعد اس کے آپ پیا۔ جب نشے جمے، لندھور نے عمرو پر گانے کی فرمائش کی۔ عمرو دوتارا بجا کر ایسا گایا کہ تمام مجلس بیخود ہوگئی۔ لندھور نے مالائے مروارید اپنے گلے سے اتار کے عمرو کو دیا اور فرمایا کہ وہ تاج بھی ہم نے تجھ کو معاف کیا۔ بعد اس کے صاحبقراں اور لندھور سے گوشا گوش کچھ باتیں ہوتی رہیں۔

جب شاہِ خاور خیمۂ مغرب میں داخل ہوا، خسرِوِ ہندوستان نے ہنگامِ رخصت صاحبقراں سے کہا کہ ہماری عرض پذیرا ہوئی یا نہیں؟ فرمایا کہ آپ شرائطِ دوستی بجالاتے ہیں اور مجھ کو شہنشاہِ ہفت کشور نے آپ سے لڑنے کو بھیجا ہے۔ لندھور بولا کہ اس ارادے سے درگذریے۔ لطف صلح میں ہے نہ کہ جنگ میں۔ نفس الامر میں نوشیرواں نے آپ کو مجھ سے لڑنے کو نہیں بھیجا، یہ اس نے آپ سے جنگِ زرگری کی ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ آپ کا عدو ہے۔ جب قابو آپ پر نہ چلا تو اس نے یہ تدبیر کی۔ امیدوار ہوں کہ مجھ کو اپنے ہمراہ لے چلیے۔ میں اس کو مار کے آپ کو تخت پر بٹھادوں، چین سے حکومت کیجیے اور اپنی معشوقہ کو بغل میں لے کر شبانہ روز دادِ عیش کی دیجیے۔ امیر نے کہا کہ میں نے تمھارے قتل پر بیڑا اٹھایا ہے، میں کیونکر اس سے بدعہدی کروں؟ لندھور نے تلوار اپنی کھینچ کر امیر کے آگے رکھ دی اور سر جھکا کر کہا کہ اگر یہی مرضی ہے تو بسم اللہ، اس بے سروپا کے سر کو کاٹ لیجیے۔ صاحبقراں نے کہا یہ کام جلادوں کا ہے یا نامردوں کا ہے۔ طبلِ جنگ بجوائیے اور صبح کو میدانِ کارزار میں تشریف لائیے۔ سرِمیدان جو کچھ ہوگا سو ہو رہے گا۔ لندھور بولا کہ خیر، خدا حافظ ہے۔ اگر یہی مرضی ہے تو آج آپ طبلِ جنگ بجوائیے۔ امیر نے کہا کہ پہلے آپ اپنے لشکر میں طبلِ جنگ بجنے کا حکم دیجیے، پھر میں بھی حکم دوں گا۔ خسرو نے مجبور ہو کر اپنے لشکر میں آ کر طبل بجوایا۔ صاحبقراں نے بھی اس کے طبلِ جنگ کی آواز سن کر کوسِ سکندری پر چوب مارنے کا حکم دیا۔ جو لوگ کہ مدت سے شاہدِ رعنائے تیغ کے خرامِ ناز کے مشتاق تھے، ان بہادروں کو وہ رات شبِ عید ہوگئی کہ کل روزِ وصالِ معشوقۂ شمشیرِ براں ہے۔ غسل کر کے پوشاک بدلی، عطرِ سہاگ ملا، آنکھوں میں سرمہ دیا، لگے پان چبا چبا کر آپس میں باتیں کرنے کہ دیکھیے کل کس کو سرخروئی حاصل ہوتی ہے اور کس کو زردروئی، اور بغلگیر ہو ہو کر کہنے لگے کہ آج عیدِ قرباں کا عرفہ ہے، گلے مل لیجیے۔ کل دوشیزۂ اجل سفا کی پر کمر باندھے گی، دیکھیے کون بسمل ہوتا ہے اور کون نیم بسمل رہتا ہے۔ بعضے چار آئینوں کو جلا دینے لگے کہ عروسِ ظفر کی صورتِ بے کدورت دکھائی دے۔ بعضوں نے اپنی تلوار میں ڈورا ڈلوایا کہ حریف کی گردن کا ڈورا نہ بچے، کمر میں تسمہ نہ لگا رہے۔ بعضوں نے خنجر کو آبدار کیا کہ حریف ایک ہی ضرب میں ایسا سیراب ہوجائے کہ پھر پانی نہ مانگے۔ بعضوں نے سنان اور بلم کے پھل کو سان پر چڑھوایا کہ حریف کے سینۂ پر کینہ میں اٹک کر نہ رہ جاوے۔ بعضوں نے کٹار قرولی کا پتا چڑھوایا کہ عدو کا رودہ سلامت نہ رہے۔ بعضوں نے ترکش اپنے خالی کر کے تیروں کی پر گیری درست کی۔ کمان کو سینکا کہ وقت پر بدرخ نہ ہو اور جو دائی رائے

بیل، دوّا چنبیلی کے مرزا موگرا تھے، ان کو کوسِ حربی کی آواز سنتے ہی دست پر دست آنے لگے۔ منھ پر ہوائیاں چھٹنے لگیں، رنگ زرد لب خشک ہو گئے، رو رو کر لگے منتیں ماننے کہ اگر بے جنگ صلح ہو جائے یا مدار صاحب، مداروں میں آ کے تمھارے چھڑیاں چڑھاویں گے۔ کوئی نامرد بولا کہ میں پیر جلیلوں پر جا کے بی بھچڑی کی کڑاہی کروں گا۔ کسی نے کہا میں پیر الولے کا میلہ کروں گا۔ اسی طرح سے ہر ایک منتیں مانتا تھا اور اپنے سائیس سے کہتا تھا کہ دیکھنا بھائی، صبح نہ ہونے پائے کہ تم گھوڑے کو کسنا، ہم ٹھنڈے ٹھنڈے تاروں کی چھاؤں میں اپنے گھر کی راہ لیں گے۔ سائیس نے کہا کہ خداوند، سپاہی ہو کر ایسی بات زبان پر لاتے ہو! برسوں سے درماہہ کھاتے ہو، وقت پر جان بچاؤ گے تو لوگ کیا کہیں گے؟ مردوں کا کام حریف کو پیٹھ دینا نہیں ہے۔ یہ وقت بہادری دکھانے کا ہے۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو ساتھ کے جوان آوازے پھینکیں گے، طعنے دیں گے۔ زندگی ان کے ہاتھوں سے مشکل ہو گی، اور یہ چرچا جا بجا مشہور ہو گا تو کہیں نوکری نہ ملے گی۔ اور اگر ایسا دل رکھتے تھے تو کیوں سپاہ گری میں نام لکھوایا؟ سوائے اس کے، یہ کیونکر ثابت ہوا کہ آپ کے دشمن مارے ہی جائیں گے؟ دیکھیے، گھوڑے کا دانہ جو دَلا جاتا ہے، جس کی قسمت میں دو ٹکڑے ہونا نہیں ہے وہ چنا ثابت رہتا ہے۔ برائے خدا ہمت کو نہ ہاریے، مردانہ وار حریف کا سامنا کیجیے۔ کام بن پڑے تو خاوند سے خلعت و انعام لیجیے۔ آج یک اسپہ ہو، کل دو اسپہ ہو جاؤ گے۔ لگے جھنجھلا کر سائیس کو سخت وست کہنے کہ اب تیرا کیا جائے گا، جان تو ہٹنا سی ہماری جائے گی۔ تو تو یہی چاہتا ہے کہ اگر دشمنوں دور پار، شیطان کے کان بہرے، ہم اناچت ہو جاویں تو تو ہمارے کپڑے پہن کر، ہتھیار لگا کر، ہمارا گھوڑا اپنی ران کے نیچے داغ کرائے۔ خدا اماں رائے بیل، خالہ چنبیلی کو آتشِ دوزخ میں ڈالے، اپنے یاروں سے روپیہ لے کر گھوڑا مول لیا اور بخشی جی سے مروا کر گھوڑے کو داغ کروایا۔ ہر چند ہم کہتے رہے کہ ہم کو لہو دیکھ کر غش آتا ہے، چڑیا سر پر سے اڑ کر نکلتی ہے تو ڈر کے مارے جان سنسنا جاتی ہے کہ گولی آئی، ہم کہاں اور ہتھیار گھوڑا کہاں! سرکنڈوں کی دیاسلائیاں بنا کے چل پھر کر پیچ کھاتے تھے۔ دن بھر محنت کرتے تھے، رات کو ٹانگ پھیلا کر چین سے نیند بھر کے سوتے تھے۔ اور آوازہ تو کوئی تب پھینکے گا جب ہم ایسے لشکرِ خونخوار میں رہیں گے۔ ہم کو اپنی جان بھاری نہیں ہے کہ یہاں سے نکل کر پھر اس کمبخت فرقۂ سپاہ گری میں نوکری کریں گے۔ باقی چنوں کی جو تو نے تمثیل دی ہے، تو ہم کو دلے ہوؤں میں سمجھ۔ تو جانتا نہیں ہے کہ جب کہیں ایسی ویسی لڑائی ہوئی ہے، ہم بھاگتوں کے اگاڑی اور مارتوں کے پچھاڑی ہی رہے ہیں۔ ہاں، ایک بات ہے، اگر خیر خواہی جتاتا ہے تو تو اپنا انگوچھا لنگوٹی ہم کو دے۔ کل ہم جالی کھرپا لے جا کر تیرے بدلے گھاس چھیل لاویں گے، تو ہمارے کپڑے پہن، ہتھیار لگا، گھوڑے پر چڑھ کے ہمارے عوض نوکری بجا لا۔ خلعت و انعام جو ملے گا، تو ہی لینا۔ خلاصہ، مرد و نامرد رات بھر اپنے اپنے

منصوبے میں سرگرم رہے۔

جب شاہِ خاور کی آمد آمد کا ڈنکا بجا، اِس طرف سے صاحبقراں اور اُس طرف سے لندھور بن سعدان صف آرائے میدانِ کارزار ہوئے۔ تبرداروں نے بیل بوٹی جھاڑی سے میدان کو صاف کیا، بیلداروں نے اونچی نیچی زمین ہموار کی، سقوں نے ہزارہ فوارے مشکوں کے دہانے میں لگا کر میدان کی گرد کو بٹھلایا۔ میمنہ، میسرہ، قلب و جناح، ساقہ و کمیں گاہ، اگلا ہراول، پچھلا چنڈاول وغیرہ، چودہ صفیں ہر طرف سے آراستہ ہوئیں۔ ہنوز کوئی کسی طرف سے مبارز طلب نہ ہوا تھا کہ سامنے سے ایک گرد تیرہ تیرہ و خیرہ خیرہ اٹھی۔ جب مقراضِ باد نے گریبانِ گرد کو چاک کیا، چالیس علم نمودار ہوئے۔ معلوم ہوا کہ چالیس ہزار سوار کی جمعیت اس لشکر میں ہے۔ ہرگاہ تیسری طرف وہ لشکر قائم ہوا، صاحبقراں نے دیکھا کہ صفِ اول میں تہم بن اشک، زریں کفش، علمِ خوک پیکر کے نیچے کھڑا ہو کر لشکر کا انتظام کر رہا ہے۔ عمرو نے منصوبہ سوچ کر تہم کو جا کے بہ کمال ادب سلام کیا۔ تہم بولا کہ کہو خواجہ عمرو، اچھے تو ہو؟ عمرو نے کہا کہ اچھے کیا خاک ہیں، زندگی کے دم بھرتے ہیں۔ اس عرب کی نوکری کر کے اپنی مٹی خراب کی۔ تہم بولا کہ خیر تو ہے؟ عمرو نے کہا کہ خیر تو یہی ہے، آج کل حمزہ نوشیرواں کی دامادی کے امید میں ایسا نخوت کے گھوڑے پر سوار ہے کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا ہے۔ اپنے پندارِ غلط میں سمجھا ہے کہ دنیا میں کوئی میرے برابر نہ پہلوان ہے نہ زور آور ہے۔ یا تو مجھے خوشامد کر کے دنگل پر بٹھاتا تھا یا اب کرسی پر میرے بیٹھنے کا روادار نہیں ہے، اور میں نے جیسی جیسی جانفشانی کی ہے اگر کوئی کرے گا تو معلوم ہوگا۔ اب میرا بھی یہی ارادہ ہے کہ اس کی نوکری چھوڑ دوں۔ خلق خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست۔ ساری نہیں تو آدھی تو کہیں ملے گی۔ تہم بولا کہ یہ کیا بات ہے، تم جہاں رہو گے وہاں تمھارے واسطے سب کچھ ہے۔ اگر مجھ کو سرفراز کرو تو میں اپنی جان کے برابر تم کو رکھوں۔ عمرو بولا کہ اسی واسطے تو میں تمھارے پاس آیا ہوں۔ لیکن ایک کام کیجیے کہ حمزہ کو لندھور سے لڑنے نہ دیجیے۔ پہلے سب کے اپنا مرکب کدا کر لندھور سے مبارز طلب ہو جائیے۔ لندھور میں خاک زور نہیں ہے۔ میں نے اس کے گرز کو دیکھا ہے ایک چوب پر لوہے کا خول نمود کی لینے کو پہنا رکھا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ لندھور کے برابر دنیا میں کوئی بزدل نہ ہوگا۔ پس حمزہ اگر اس کو مار لے گا تو نوشیرواں کا داماد بنے گا۔ اس وقت معلوم نہیں کیا اُدھم جوتے گا۔ تہم نے کہا کہ خوب ہوا تم میرے پاس آئے۔ میں لندھور کو مار کر حمزہ کو بھی مارتا ہوں۔ اب تم سے پردہ کیا ہے، حقیقتِ حال یہ ہے کہ میں نے بہرام کو مار کے زابل میں سکونت اختیار کی تھی کہ نوشیرواں کا شقہ اس مضمون کا پہنچا کہ جلد سراندیب میں جا کر اول لندھور کا سر کاٹ، بعد ازاں حمزہ کو قتل کر کے حضور میں حاضر ہو کہ میں مہر نگار کی شادی تجھ سے کر دوں۔

القصہ، عمرو تہم کو ابھار کر میدان میں لے آیا۔ تہم نے اپنے گینڈے کو بڑھا کے آواز دی کہ کہاں ہے

لندھور بن سعدان؟ میری تیغ کے جوہر دیکھے۔ لندھور نے اپنے فیل میمونہ کو ہول کر گھستم سے کہا کہ او گبر، لا، کیا ضرب رکھتا ہے؟ گستہم نے میان سے کھینچ کر تلوار لندھور کے سر پر ماری۔ لندھور نے اس کو گرز پر روکا۔ تلوار نے تو دانت نکال دیے۔ لندھور نے گرز اس کے حوالے کیا گرز تو پورا اس پر نہ پڑا کہ کوئی دن کی زندگی تھی، مگر گرز کے دستے کی چپیٹ گستہم کی پسلیوں پر لگی۔ چند پسلیاں گستہم کی ٹوٹ گئیں اور وہ گینڈے پر سے زمین پر گرا۔ ساتھ کے سوار چالاکی کر کے گستہم کو اٹھا لے گئے اور جلدی سے طبلِ بازگشت بجا دیا۔ لندھور نے امیر کی طرف دیکھ کر بہ تبسم کہا کہ اب کل آپ سے سمجھ لیں گے۔ امیر نے کہا کہ اس وقت کون مانع ہے؟ یہی گوے ہے، یہی میدان ہے۔ لندھور بولا کہ آج یہی بہتر ہے کہ طبلِ بازگشت بجے۔ صاحبقراں طبلِ بازگشت بجوا کر اپنے خیمے میں تشریف لائے اور لندھور اپنی بارگاہ میں گیا۔ مگر گستہم شب کو بھاگ کر ایک پہاڑ کے دامن میں چھپ کر بیٹھا کہ اگر حمزہ لندھور کو مار کر پھرے گا تو اسی طرف آوے گا۔ اس وقت کمیں گاہ سے نکل کر حمزہ کو غفلت میں مار لوں گا۔

جنگ کرنا لندھور کا صاحبقراں سے اور آخر مطیع ہونا بعد مغلوب ہونے کے

فارسانِ میدانِ سخن نے کمیتِ خامہ کو صفحۂ قرطاس پر اس طرح جولاں کیا ہے کہ گستہم نے تو لندھور کے گرز سے پسلیاں تڑوا کر قرار پر فرار کو ترجیح دی مگر صاحبقراں کے لشکر میں تمام رات بہادروں نے مثلِ شبِ اول شب احیا کی۔ ایک جوان دوسرے جوان کو للکارتا تھا کہ کل روزِ امتحان ہے۔ صرّافانِ قضا و قدر عرصۂ کارزار میں نقدِ ہمت کا قلب و خالص پرکھیں گے۔ حقیقت میں صفِ جنگ طلائے شجاعت کی کسوٹی ہے۔ دیکھیے کون آتشِ تیغ سے گداختہ ہو کر کامل عیار نکلتا ہے، کون مس و قالب کی ماہیت بدلتا ہے، کس کا سکہ اقلیم جرأت پر جاری ہوتا ہے، کون مہوسِ سیماب دل کو آتشِ شمشیر پر قائم کرتا ہے، کس کی گوگردِ خاطر شعلہ بند نائرہ کارزار ہوتی ہے۔ کل سب کی قلعی کھل جائے گی۔ یہی ہنگامہ لندھور کے لشکر میں بھی تھا۔ جس جس سے آپس میں لاگ ڈانٹ تھی، آوازے مارتے تھے کہ کل بنکیوں کی بنکیتیاں دیکھیں گے، پہلوانوں کے زور آزمائیں گے۔ دیکھیے کون دریائے جرأت میں غوطہ مارتا ہے، کون تلوار کے گھاٹ پر کھڑا رہ کر شناورانِ بحرِ شجاعت کو للکارتا ہے۔ کون حریفانِ نہنگ طینت کو نشانہ بناتا ہے، کون کشتیِ جسمِ عدو کو طوفانِ فنا دکھاتا ہے۔ قصہ مختصر، تمام رات یہ شور و غل دونوں لشکروں میں برپا رہا۔

جب ملکِ روز نے غنیمِ شب کو شکست دی اور علمِ نور کو اقلیم فلک پر بلند کیا، صاحبقراں خود، زرہ، جوشن، بکتر، چلتہ، چار آئینہ، موزے، راگے، ٹکورے پہن کر، شمشیر جوہر بار و خنجرِ آبدار ڈاب اور کمر میں لگا کے، مرکب سیاہ قیطاس پر سوار ہوئے۔ ترکش فتراک میں، کمان کاندھے پر رکھے، گرزِ گرانبار دوسرے کاندھے پر رکھا، نیزہ یادگارِ آہِ عاشقان و کاکلِ معشوقاں ہاتھ میں لیا۔ طوق بن حیران نے علمِ اژدہا پیکر کا سر پر سایہ کیا۔ ایک طرف

مقبل و فادار، دوسری طرف سلطان بخت جرار، جلو میں پیکِ نامدار، خنجر گذار، سربرندۂ جادوگراں، ریش تراشندۂ کافراں، خواجہ عمرو عیار بارہ سو عیار کے حلقے میں، قنطورۂ زربفتی، پیتاوۂ سقرلاتی پہنے، گوپھنِ عیاری، حلقہ در حلقہ لچھہ ہائے کمند، جال حریف کی جان کا جنجال لیے، چرب بیلہ کے دستانے ہاتھوں میں چڑھائے، حیلہ ہائے ناقہ، نیمچۂ برق نشان و خنجرِ براں کمر میں لگائے، چھ آوازے، بارہ مقام، چوبیس شعبے، اٹھائیس گوشے ذیل میں ادا کرتا، چھلانگیں پھلانگیں مارتا چلا، اور تیس ہزار سوار دریائے آہن میں غرق ہمراہِ رکاب ہوا۔ اس طرف سے خسروِ ہندوستان لندھور بن سعدان اودیچی بن کے، ساتھ لاکھ سوار خونخوار، کھاچی، سندھی، بنگالی، کرناٹکی، مرہٹہ، دکھنی، گجراتی، رانگڑ، بھیل، سیار، کھوڑا، کائین، بھوجپوری، رامپوری، بوندیلا، راجپوت، مندراجی، اشامی، نیپالی، آہنِ فولاد میں غرق، رکاب میں لے کر فیلِ میمونہ پر سوار ہوا۔ جب دونوں لشکر میدانِ کارزار میں مثل در مثل، خیل در خیل، تنگ در تنگ، چنگ در چنگ، جوق در جوق، غٹ کے غٹ، پرے کے پرے، صف در صف کھڑے ہوئے، ملک الموت نے دونوں لشکروں کے درمیان میں اپنا خیمہ استادہ کیا اور مریخ ہر بہادر کی پیشانی پر جلوہ نما ہوا۔ صاحبقراں نے اپنے مرکب کی باگ لی اور شیرِ غراں کی طرح لندھور کے روبرو آ کر فرمایا کہ اے ملک لندھور، مجھ کو کام تم سے اور تم کو مجھ سے ہے۔ اور بندگانِ خدا کی خونریزی سے کیا حاصل ہے؟ جس حربے میں تم کو دعویٰ ہو وہ حربہ کرو۔ لندھور نے کہا کہ اے صاحبقراں، اگر میں نے پہلے حربہ کیا تو تمھارے دل کی آرزو تمھارے دل ہی میں رہ جائے گی، پہلے حربہ تم کرو۔ صاحبقراں نے فرمایا کہ میرے استاد نے یہ نہیں بتایا۔ جب تک تین حربے تو نہ کر لے گا تب تک میں حربہ نہ کروں گا۔ چونکہ لندھور صاحبقراں پر دل باختہ تھا، اس واسطے گرز پر ہاتھ نہ ڈال کر نیزہ صاحبقراں کے حوالے کیا۔ صاحبقراں نے اس کے نیزے کی سنان کو اپنے نیزے کی سنان پر روکا۔ بایکدیگر نیزہ بازی ہونے لگی۔ جب سو سو طعن نیزے کی چل چکی اور طرفین میں سے کسی کو ضرر نہ پہنچا، صاحبقراں نے اس کے نیزے کو گانٹھ کر ایک ڈانڈ ایسی ماری کہ نیزہ اس کا شہابِ ثاقب کی طرح سے ہوائی ہوا۔ ہرچند نیزۂ غیرت کی اَنی لندھور کے سینے کے پار ہو گئی، لیکن آپ کو سنبھال کر بمقتضائے قدردانی بولا کہ یا صاحبقراں، خیاطِ قضا نے نیزہ بازی کا جامہ تمھارے ہی بدن پر درست و چست سیا ہے۔ اگر مردِ میدانِ شجاعت ہوں تو آج سے پھر کبھی نیزہ ہاتھ میں نہ لوں گا۔ یہ کہہ کے گرز اٹھا کے بولا کہ صاحبقراں، اب بھی دروازہ آشتی کا کھولو۔ دیکھو، جنگ سے صلح بہتر ہے۔ ناحق تمھارا داغ میرے دل میں رہے گا۔ امیر نے کہا کہ یہ وقت مارنے مرنے کا ہے نہ کہ وعظ و پند و محبت جتانے کا۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اپنے اقرار سے ناچار ہوں۔ لا دیکھوں، تیرے گرز میں کیسی ضرب ہے۔ لندھور نے مجبور دوزانو بیٹھ کر، گرز کو تول کر، دو ہتڑ صاحبقراں کے سر پر مارا۔ صاحبقراں نے حافظِ حقیقی کو یاد کر کے گرز اس کا سپرِ گرشاسپ پر روکا۔ ہرچند امیر کے

ہر بنِ مو سے عرق نکل آیا مگر حضرت آدم علیہ السلام کے بازو بند کی برکت سے امیر کا بازو خم نہ ہوا۔ لندھور نے اپنے دل میں کہا کہ یہ گرز جس پر پڑا ہے اس کے استخوان سرمہ ہو گئے ہیں، لیکن صاحبقراں کے کچھ بھانویں بھی نہ ہوا۔ دوسری مرتبہ بہ قوتِ تمام پھر اس گرز کو مارا۔ اگرچہ صاحبقراں اس گرز کے روکنے میں بھی سدِ سکندری کی طرح قائم رہے، لیکن چھٹی کے دودھ نے لبِ خشک کو تر کر دیا۔ لندھور نے تیسری دفعہ پھر اس گرز کو اس زور سے صاحبقراں کے سر پر مارا کہ اگر کوہِ بے ستون پر مارتا تو پانی ابل آتا۔ صاحبقراں نے اس کو بھی روکا، پر مرکب سیاہ قیطاس چاروں پاؤں سے تا بہ زانو زمین میں گڑ گیا اور امیر گرد کے بگولے میں چھپ گئے۔ لندھور کے منھ سے بے اختیار نکل گیا کہ مارا اور پست کیا، مگر حیف صاحبقراں کی جوانی! اس لیے میں بار بار منع کرتا تھا، پر وعدے نے نہ ماننے دیا۔ یہ کہہ کر امیر کی رانیں اور بازو مل کر کہا کہ اے شاہِ عالی مقدار، اگر زندہ ہے تو آواز دے کہ میری جان میں جان آئے، اور اگر مر گیا ہے تو فردائے قیامت پر میری تیری ملاقات رہی۔ صاحبقراں جو ہوش میں آئے، تازیانۂ داؤدی سیاہ قیطاس کے اوپر چمکایا۔ مرکب چاروں پتلیاں جھاڑ کر اس جگہ سے الگ جا کھڑا ہوا۔ امیر نے کہا کہ اے خسروِ ہندوستان، کس کو مارا اور کس کو پست کیا؟ میں تیری اجل موجود ہوں۔ ایک ضرب اور لگا لے۔ اگر جیتا بچا تو چھٹی کا دودھ تیرے نتھنوں سے نکالا۔ لندھور متعجب ہو کر ہاتھی پر سے اتر کے گھوڑے پر سوار ہوا اور تیغۂ بردوانی نیلگوں برنگِ سیماب، دشمن کش، بے حجاب، مانندِ تختۂ دکانِ عطار، کمر سے کھینچ کر امیر کے سر پر لگایا۔ امیر نے سپرِ مرصع قبۂ ریشمِ ہفت رنگ سے گندھی ہوئی کو پیش کیا اور ضرب اس کی فنِ سپاہ گری سے روک کر کہا کہ اے ملک لندھور، پانچ حربے تیرے میں نے رد کیے، اب دور میرا ہے، خبردار ہو جا۔ یہ نہ کہنا کہ غفلت میں مجھ کو مارا۔ رکاب سے رکاب ملا کر صمصام کھینچ کر خسرو کے سر پر ماری۔ خسرو نے سپر روک کر چاہا کہ رد کرے، مگر تلوار سپر کو مانندِ پنیرِ تر کاٹ کے گھوڑے کی گردن پر جا اتری۔ گھوڑا سرنگوں ہوا۔ خسرو نے زین کو خالی کیا اور تیغ کھینچ کر امیر پر دوڑا۔ امیر نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا نہ ہو، سیاہ قیطاس مجروح ہووے۔ بہ چالاکی تمام مرکب سے جدا ہوئے اور ہتھ بلی کر کے تلوار لندھور کے قبضے سے الگ تھلگ نکال لی۔ لندھور نے امیر کی گردن میں ہاتھ کو طوق کیا اور امیر نے اس کی کمر اپنے ہاتھ میں لے لی۔ لگا زور ہونے۔ جب پہلوانِ خاور نے چادرِ مغرب سے گھونگھٹ کیا، دونوں طرف سے مشعلیں روشن ہوئیں۔ تین شبانہ روز امیر و لندھور نے مشت بہ مشت، سینہ بہ سینہ، کلہ بہ کلہ بایکدیگر زور کیا، مگر کسی کا کسی سے لنگر نہ اکھڑا۔ چوتھے دن امیر نے نعرۂ اللہ اکبر کیا اور لندھور کو اٹھا کر چھاتی تک لائے، مگر سر تک بلند نہ کر سکے۔ اس کو چھوڑ کر چاہتے تھے کہ پہلوے غیرت میں خنجر ماریں، لندھور نے ہاتھ امیر کا پکڑ لیا اور کہا کہ یا صاحبقراں، سوائے آپ کے کس نے یہ قدرت پائی کہ میرا لنگر زمین سے اکھاڑے! میں نے بہ دل و جان آپ کی اطاعت

منظور کی۔ امیر نے لندھور کو چھاتی سے لگالیا اور اسی وقت سجدۂ شکر ادا کیا اور کہا کہ خسرو، تم میرے قوتِ بازو ہو، میں نے تم سے بھائی چارا کیا۔ لیکن میری یہ آرزو ہے کہ تم میرے ساتھ نوشیرواں کے پاس چلو۔ لندھور نے کہا کہ تابع فرمان ہوں، جہاں حکم ہو وہاں چلوں۔ بسم اللہ، پیش خیمہ روانہ فرمایئے، میں ہمرکاب ہوں۔ لندھور نے اسی دم اپنے لشکر کے سرداروں کو بلا کر امیر کی ملازمت کروائی اور آپ امیر کے ساتھ امیر کے خیمے میں گیا۔ صاحبقراں نے بہت کچھ زر و جواہر لندھور پر سے صدقہ دیا اور جشن ترتیب دے کر مہرنگار کے تصور میں ساغرِ چشم کو سرشکِ خونیں سے لبریز کیا۔ لندھور نے دیکھ کر معلوم کیا کہ امیر کو مہرنگار یاد آئی۔ اپنے رومال سے اشکِ جگرگوں کو پونچھ کر کہا کہ یہ آبدیدہ ہونا کس واسطے ہے؟ اب زمانہ فراق کا آخر ہوا، دورِ وصال سر پر پہنچا۔ صاحبقراں نے دل کو سنبھال کر عمرو سے گانے کی فرمائش کی۔ عمرو نے مودب دوزانو بیٹھ کر مضراب کی ٹوپی سرِانگشت پر پہنائی اور دوتارا بجا کر پہلے تو سماں راگ کا دکھایا، بعدازاں لحنِ داؤدی میں گانا جو شروع کیا، امیر و لندھور اور جتنے اہلِ درد بے درد محفل میں تھے، سبھوں نے رومال پر رومال بھگوئے۔ لندھور و امیر نے عمرو کو انعام دے کر امیر کر دیا۔ بعدازاں لندھور نے اپنے خزینے کی کنجیاں امیر کے روبرو رکھ دیں اور تمام ہند کے تحائف گذرانے۔ سفرچی نے نطع بچھا کر انواع و اقسام کا طعام چنا۔ امیر نے لندھور کو لے کر کھانا تناول فرمایا۔ لندھور نے عرض کی کہ میں بھی امیدوار سرفرازی کا ہوں۔ غریب خانے کو اپنے قدمِ ارم توام سے رشکِ فردوس کیجیے اور نان و نمک کو چاشنی بخشیے۔ امیر نے فرمایا کہ آنکھوں سے۔ لندھور رخصت ہوا۔ امیر نے لندھور کو خلعتِ شاہانہ سے مخلع کیا۔ لندھور جشنِ شاہانہ ترتیب دے کے صاحبقراں کو مع امرایانِ نامدار و پہلوانانِ ذی وقار اپنی بارگاہ میں لے گیا اور مصروف بہ جشن ہوا۔

اب لندھور اور امیر کو تو جشن میں مشغول رہنے دوں، تھوڑا احوال گستھم کا بیان کروں۔ واضح ہو کہ گستھم، کمزور، مار کھانے کی نشانی، جو لندھور سے پسلیاں تڑوا کر بھاگا، منزلوں پیچھے پھر کے نہ دیکھا۔ ایک پہاڑ کے دامن میں چھپ کر بیٹھا اور شب و روز صاحبقراں کے مارنے کی فکر میں بسر کرنے لگا۔ ناگاہ عیاروں نے اس کو خبر دی کہ لندھور کو امیر نے زیر کیا اور آج کئی دن سے لندھور کے ساتھ جشن میں مصروف ہیں۔ سوائے مقبل وفادار، امیر کے لشکر میں کوئی سردار نہیں ہے۔ گستھم نے دیکھا کہ میدان خالی ہے، پڑاؤ مارنا چاہیے۔ کہیں مہرنگار کی دو خواصیں اپنے ہمراہ لایا تھا اور صاحبقراں نے بھی ان کو مہرنگار کے پاس دیکھا تھا۔ گستھم نے دو شیشوں میں شرابِ انگوری تحفہ بھر کے وہ زہرِ ہلاہل چار مثقال مخلوط کیا کہ اگر ایک قطرہ اس کا دریائے شور میں گرتا تو جانورانِ دریائی جانبر نہ ہوتے، اور روئی شیشوں کے منھ میں دے کر مہرنگار کی مہر تغلبی کی اور ایک اشتیاق نامہ مہرنگار کی طرف سے لکھ کر ان خواصوں کو سونپ کر سمجھا دیا کہ اول تم مقبل کے پاس جا کر اظہار کرنا کہ ملکہ مہرنگار

نے ہم کو بھیجا ہے۔ وہ تم کو امیر کے پاس لے جائے گا۔ امیر سے یہ یہ باتیں اشتیاق کی مہرنگار کی طرف سے کر کے یہ دونوں شیشے شراب کے مع اشتیاق نامہ دینا۔ اگر منصوبہ میرا نشانے پر لگا تو میں تم کو اپنے محل میں داخل کروں گا۔ دونوں مرداریں مردانہ بھیس بدل کر روانہ ہوئیں۔ جب لشکر کے متصل پہنچیں، طلایہ داروں نے روکا۔ بولیں کہ ہم ملکہ مہرنگار کے نامہ بر ہیں، ایران سے آئے ہیں۔ وہ لوگ ان کو مقبل وفادار کے پاس لے گئے۔ مقبل نے فی الفور اس مجلسِ جشن میں جا کر امیر کے کان میں کہا کہ دو خواصیں ملکہ مہرنگار کی بھیجی ہوئی، دو شیشے شرابِ انگوری کے مع نامۂ اشتیاق لے کر آئی ہیں۔ کہتی ہیں کہ امیر کے پاس ہم جائیں گے۔ امیر کو تو سرور تھا ہی، اور بھی مسرور ہوئے۔ فوراً اٹھ کر خسرو سے کہا کہ آپ سرگرمِ مجلس رہیے، میں ابھی آتا ہوں، اور عمرو سے فرمایا کہ تم میرے بدلے خسرو کی خدمت میں حاضر رہو۔ امیر نے اپنے خیمے میں آ کر خلوت کی اور ان دونوں خواصوں کو بلا کر احوال سنا۔ خط کے لفافے پر جو مہرنگار کی مہر تھی، اس کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ خلاصہ، خط پڑھ کے ایسی خوشی سے پھولے کہ برنگِ گل پیراہن میں نہ سمائے۔ ایک شیشے کی مہر کو جدا کر کے روشنی میں ہلایا اور مہرنگار کا نام لے کر غٹا غٹ پی گئے۔ شراب کا حلق کے نیچے اترنا تھا، امیر بیہوش ہو گئے۔ منہ سے کف جاری ہوا اور ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ خواصوں نے جانا کہ امیر کا کام تمام ہوا، کوئی دم کے مہمان ہیں، پائزہ خیمے کا نکال کر دونوں قطامہ چلتی ہوئیں۔ اتفاقاً خسرو نے عمرو سے کہا کہ مجلس بغیر از امیر بے رنگ ہے۔ خواجہ، اگر امیر کو اس دم لے آؤ تو چار سو تمن تواضع کرتا ہوں۔ عمرو نے روپے کا نام سنا، اب کب ٹھہرتا ہے، فوراً وہاں سے روانہ ہوا۔ بارگاہ کے دروازے پر مقبل کو پایا۔ پوچھا کہ امیر کیا کرتے ہیں؟ مقبل نے کہا کہ دو خواصیں مہرنگار کی آئی ہیں، ان سے خلوت میں باتیں کر رہے ہیں۔ خواصوں کا نام سنتے ہی عمرو کا ماتھا ٹھنکا۔ بولا کہ خدا خیر کرے۔ خیمے میں جا کر شمعوں کو گل پایا۔ جھٹ پٹ فلیتۂ عیاری روشن کر کے شمعوں کو جلایا۔ دیکھا کہ امیر کے جسم میں سراپا آبلے پڑ گئے ہیں، رنگ نیلا ہو گیا ہے، کف منہ سے جاری ہے، غفلت میں ہاتھ پاؤں دھن رہے ہیں۔ شیشہ چکنا چور پڑا ہے۔ جہاں تک اس شراب کی نمی زمین پر دوڑی ہے، زمین شق ہو گئی ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو کسی کو نہ پایا، مگر ایک طرف کا پائزہ اکھڑا دیکھا۔ فوراً اس طرف سے نکل کر ان کے قدم کے نشان پر چلا۔ کہاں عمرو کی دوڑ اور کہاں ان خانہ خرابوں کی چال، تھوڑی دور پر جا لیا۔ دونوں آپس میں کہتی جاتی تھیں کہ کیا اچھی ساعت سے چلے تھے، ذرا بھی دیر نہ لگی کہ امیر کا کام تمام کر کے پھرے۔ چلو نا بوا، مستھم سے وعدہ وفا کروا دیں۔ پیچھے سے عمرو بولا کہ اے نابکارو، میں تمھارا ملک الموت آ پہنچا۔ اچھے گھر بیانا دیا۔ عمرو نے خنجر نکال کر دونوں کو بارِ سر سے سبکدوش کیا اور اسی جگہ سے الٹے پاؤں پھرا۔ مقبل کو بارگاہ میں لے جا کر امیر کو دکھلایا اور کہا کہ یہ تیری غفلت کی بدولت ہے۔ اب بتا کہ کیا کریں؟ مقبل سر پیٹنے لگا۔ عمرو نے کہا کہ چپ، ایسا

نہ ہو کہ لشکرِ ہند اس سانحے سے خبردار ہو کر پھر جاوے۔ تو امیر کی نگہبانی کر۔ خبردار، جب تک میں نہ آؤں، کسی کو خیمے میں نہ آنے دینا۔ لندھور سے جا کر چپکے سے کہا کہ امیر اس وقت آ نہیں سکتے کیونکہ دو سردار نوشیرواں کے پاس سے یہ حکم لائے ہیں کہ اگر تم کو مجھ سے ایفائے وعدہ کروانا ہے تو فوراً لندھور کو قید کر لینا۔ سو امیر نے آپ سے کہا ہے کہ اگر مصلحتاً تم اسیر ہونا منظور کرو تو میرا کام نکلتا ہے۔ خسرو نے کہا کہ قید ہونا درکنار، امیر اگر میرا سر مانگیں تو حاضر ہے۔ عمرو نے کہا کہ ایسا نہ ہو، آپ کا لشکر بگڑے۔ خسرو نے کہا، کس کی قدرت ہے۔ اپنے لشکر کے سرداروں کو بلا کر سمجھا دیا اور اپنے ہاتھ رومال سے بندھوا کر لشکرِ اسلام میں داخل ہوا۔ عمرو نے ایک گوشے میں بٹھلا کر اس کی خاطرداری کی اور ایک جام مئے عیاری کا پلا کر پہلے لندھور کو بیہوش کیا، بعدازاں طوق و زنجیر کر کے ایک صندوقِ مشبک میں، کہ ہوا لگتی رہے، بند کیا اور لشکر کا بندوبست کر کے وہاں سے راہی ہوا۔ اثنائے راہ میں دو سوار دیکھے۔ ہر چند روپوش ہوا مگر چھپ نہ سکا۔ تب تو مردانہ وار سامنے آیا۔ وہ دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر کے عمرو سے بغلگیر ہوئے۔ عمرو نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ وہ بولے کہ ہم شہپال ہندی کے بیٹے ہیں۔ صبور و صابر ہمارا نام ہے۔ باپ ہمارا ظاہر میں مسلمان ہے مگر باطن میں وہی بت پرستی اس کا طریق و ایمان ہے۔ رات سے امیر کے مسموم ہونے کی خبر سن کے ستہم کی مدد کو گیا ہے، سو ہم اسی واسطے آئے ہیں کہ امیر کو لے جا کر اپنے قلعے میں رکھیں اور علاج کریں۔ عمرو نے خوش ہو کر کہا کہ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، بسر و چشم امیر کو لے چلیے۔ عمرو ان کو لے کر بارگاہ میں آیا۔ جب آدھی رات کا ڈنکا بجا، امیر کو محافے میں سوار کر کے صابر و صبور کے قلعے میں داخل کیا اور قلعے میں اپنا بندوبست کر کے صابر و صبور سے کہا کہ اب امیر کے اچھے ہونے کی کیا تدبیر ہے؟ وہ بولے کہ یہاں سے دس منزل نارون نامی ایک جزیرہ ہے۔ اس میں حکیم اقلیمون رہتا ہے۔ نفس الامرا میں مسیحائے وقت ہے۔ ہم ایک رقعہ لکھ دیتے ہیں، ان کو بلا لاؤ تو امیر کو فوراً شفا ہوتی ہے۔ عمرو نے پہلے تو اپنے دل میں خیال کیا کہ جب تک حکیم آئے گا، نہیں معلوم حمزہ جیے گا یا مر جائے گا۔ پھر سوچا کہ اگر حکیم نہ آئے گا تو علاج کیونکر ہوگا؟ ہر چہ باداباد، چلا چاہیے۔ صابر و صبور نے داراب نامی عیار کو راہ دکھلانے کے لیے ساتھ کیا۔ عمرو نے قلعے سے باہر نکل کر ہوا سے کہا کہ ماما ہوا، اس دم بڑی ضرورت ہے، مجھ کو آگے جانے دینا۔ داراب پوری منزل بھی نہ گیا تھا کہ پسر گیا۔ عمرو سے کہنے لگا کہ اگر کہیں سے سواری ملتی تو آگے کو اپنا چلنا ہوتا، کیونکہ پاؤں اپنے اپنے قابو میں نہیں ہیں اور آپ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہیں۔ عمرو بولا کہ اچھا ستالو۔ ایک درخت کے نیچے دونوں بیٹھ گئے۔ عمرو نے طعامِ عیاری دے کر کہا کہ کچھ کھا بھی لو کہ چلنے کی طاقت ہو، اور احوال راہ کا پوچھنا شروع کیا۔ وہ کہنے لگا کہ سیدھے ناک کی سیدھ پر چلے جاؤ، دائیں بائیں نہ دیکھو۔ اس جزیرے کے متصل ایک پگڈنڈی داہنے ہاتھ کی طرف ملے گی، تم اسی لکیر پر دریا کے کنارے تک

چلے جانا۔ تخمیناً چار کوس چھوڑ اس دریا کا پاٹ ہے۔ گذارے کی کشتی پر پار اتر کے چند قدم جاؤ گے تو اس جزیرے کے مکان دکھائی دیں گے۔ عمرو نے دیکھا کہ داراب کی آنکھوں میں سرسوں پھولی۔ داراب سے کہا کہ لو بھائی، جلدی چلو۔ اس کا اٹھنا تھا کہ اسی جگہ پر مٹی کا تھوابن کر گر پڑا۔ عمرو نے اسی درخت کے تنے سے داراب کو باندھ دیا اور آپ چلتا ہوا۔ شام نہ ہوئی تھی کہ دریا کے کنارے پر پہنچا۔ کشتی کے آنے میں دیر دیکھی، دریا پر معجزۂ الیاس سے قدم زن ہوا۔ بات کی بات میں پار پہنچ کر مغرب کے وقت جزیرے میں داخل ہوا۔ ہندی کی صورت بن کر بازار میں گیا۔ ایک شخص سے پوچھا کہ حکیم اقلیمون کا مکان کہاں ہے؟ وہ بولا کہ اس بستی کے مالک وہی ہیں۔ وہ پھاٹک جو نظر آتا ہے، انھی کے مکان کا ہے۔ عمرو نے دربان سے جا کر کہا کہ صابر و صبور کے پاس سے حکیم صاحب کے نام کا خط لایا ہوں، ذرا ان کو خبر کر دے۔ دربان نے حکیم صاحب کو اطلاع دی کہ ایک قاصد صابر و صبور کا خط لایا ہے، حضور میں باریاب ہوا چاہتا ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ آنے دے۔ حکیم نے عمرو سے خط لے کر پڑھا۔ چیں بہ جبیں ہو کر کہا کہ معقول! مجھ کو لکھا ہے کہ اگر جلد تر آ کے حمزہ کو اچھا کر دو گے تو کیسہ جواہر سے بھر دیں گے۔ سبحان اللہ، مجھ کو طماع مقرر کیا ہے۔ اگر یہ کلمہ نہ لکھتے تو میں جاتا، مگر اب نہ جاؤں گا۔ عمرو بولا کہ حضرت، ان سے قصور ہوا جو آپ سے مستغنی المزاج بے پروا کو ایسا کلمہ لکھا۔ معاف کیجیے اور چلیے۔ حکیم بدمزاج ہو کر بولا کہ تو اعتدالِ ادب سے کیوں قدم باہر رکھتا ہے؟ تجھ کو معقولات میں کیا دخل ہے؟ اپنا مقولہ ہے کہ ہر گاہ انکار کیا تو انکار کیا۔ عمرو نے کہا کہ تقریر مطول کو جانے دیجیے، مختصر یہ ہے کہ آپ کے نہ جانے سے ایک بندۂ خدا ضائع ہوتا ہے۔ وہاں جا کر نتیجہ نیک دیکھیے گا۔ حکیم بولا کہ اگر فائدہ کبرا بھی ہوگا تو میں نہیں جاؤں گا۔ عمرو نے کہا کہ صغرا کبرا تو میں نہیں جانتا، مگر یہ مسئلہ کس قانون میں لکھا ہے کہ حکیم مریض کا حال سن کر اپنی جگہ سے نہ ٹسکے؟ حکیم اقلیمون بولا کہ تو قاضی ہے یا مفتی؟ یا تیری قضا آئی ہے؟ تو قاصد سودائی تو نہیں ہے۔ جا میں جو تجھ سے کہتا ہوں جا کر کہہ دے۔ عمرو نے کہا کہ حضور کا چلنا مقدم ہے۔ حکیم اقلیمون نے کہا کہ کیا تجھ کو مالیخولیا ہے کہ نوعِ اسافل ہو کر جنسِ عالی سے مباحثہ کرتا ہے؟ عمرو نے کہا کہ حضرت، کسی قسم کا سودائی ہو، اس کے پیچھے لڑکوں کو تالی بجانا مقدم ہے۔ میں اتنے فاصلے سے چلا آتا ہوں، میرے پیچھے تو کسی نے چٹکی بھی نہیں بجائی۔ تب تو اقلیمون نے غلاموں کو حکم دیا کہ اس بیمارِ بے ادبی کی مشکیں باندھو اور شلاق کرو کہ اس کا علاج یہی ہے۔ عمرو نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ حضرت، میں دیکھتا ہوں کہ قضیہ منعکس ہوا چاہتا ہے۔ جب عمرو نے جانا کہ حکیم نہ جائے گا اور مفت میں تو سزا پائے گا، بہ زار نالی پیش آیا اور کہا کہ یہ تقریر جو میں نے حضور میں عرض کی، گویا یہ گفتگو صابر و صبور کی زبانی تھی۔ بہتر ہے، آپ نہ جاویں۔ مگر صابر و صبور بھی عجب نسخہ ہیں کہ مجھ کو کالے کوسوں دوڑایا۔ چونکہ شب تار ہے، اس وقت یہاں سے جا نہیں سکتا۔ اگر حکم

ہو تو غلام گردش میں غلام پڑ رہے۔ اقلیمون نے ایک غلام کو حکم دیا کہ اس کو باورچی خانے میں لے جا کر کچھ کھلوا کے رات کی رات سو رہنے دو۔ عمرو نے تشخیص کی کہ حکیم اقلیمون بیمارِ نادانی ہے، دانا ہو کر نفع وضرر نہیں سمجھتا، اس کا کچھ علاج کیا چاہیے۔ باورچی خانے میں جا کر باورچی سے باتیں چکنانے لگا۔ باورچی عمرو کی چرب زبانی سے شیر وشکر کی طرح گھل مل گیا۔ عمرو نے کئی نُقل کیسۂ عیاری سے نکال کر دیے کہ ذرا اس کی بھی چاشنی چکھیے، بہت آپ نے رکابداری کی ہے۔ باورچی نے اس کی میٹھی میٹھی باتوں پر جُل کھا کر نقل نوش جان کیے اور بولا کہ واقع میں اس کی شیرینی لب بند کرتی ہے۔ عمرو بولا کہ لب کیا، کوئی دم میں دم بند کرے گی۔ الغرض، اس کو مزے میں لا کر گوشے میں لے گیا اور بولا کہ کچھ نمکین کا بھی مزہ چکھیے گا؟ باورچی نے کہا کہ جب شیرینی میں یہ حلاوت ہے، نمکین میں تو دو چند ملاحت ہوگی۔ عمرو نے عیاری کی جھولی سے ایک کلچہ نکال کر دیا۔ اس مربھکے نے اس کو بھی زہر مار کیا۔ پھر تو لگا جھومنے۔ عمرو نے بہ کمال سرکہ جبینی ایک گالی اس کو دی۔ وہ ایک چیلہ لے کر مارنے کو اٹھا۔ قدم جو لڑکھڑایا، خواجہ کے قدموں پر آ رہا۔ عمرو نے باورچی خانے کے ایک چولھے پر گھیرا کر کے اس کو گاڑ توپ دیا، اوپر سے لکڑیاں جلا کے رکھ دیں اور دیگ میں پانی چڑھا دیا، اور آپ اس کی صورت بن کر حکیم کے لیے حکمت عملی سے ناشتہ پکانا شروع کیا۔ نان وکلچہ وگاودیدہ میں اپنی خشخاش خرچ کی اور قلیہ، قورمہ، روغن جوش، روغن داغ، پلاؤ، چلاؤ میں گھی زنبیل سے نکال کر ڈالا اور آش میں نمک اپنا صرف کیا۔ لوزیں جو زنبیل میں تیار تھیں، ان کو بھی ایک طشتری میں لگایا۔ کبابوں میں شیرۂ عیاری ملا کر چاشنی دار کیا۔ صبح ہوتے ہی حکیم صاحب کے دسترخوان پر سب چیزیں چن دیں اور چونری جھل کر کھلانے لگا۔ حکیم صاحب نے جو چیز کھائی، تعریف کرتے کرتے منھ بند ہو گیا۔ عمرو نے کہا کہ حضرت، یہ آپ ہی کا تو نسخہ ہے۔ قانون سے آنچ دی گئی، بن پڑا۔ ہمیشہ اسی قسم کا کھانا نوش فرمایا کیجیے تو قوت دماغ میں آوے، تشخیص دو چند ہو جاوے، کوئی مرض مضمن چھپا نہ رہے، لمس کرتے ہی نبض محسوس ہوا کرے۔ حکیم صاحب کھانا کھا کر بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ تیری عقل بہت رسا ہے، ہم اور بھی نسخے تعلیم کریں گے۔ عمرو نے چند قدم پیچھے ہٹ کر کہا کہ نفس الامر میں حکیم صاحب، آپ بھی زور نسخہ ہیں۔ اقلیمون جھنجھلا کر اٹھا کہ او خام عقل، یہ کیا بیہودہ دماغ پکاتا ہے؟ عمرو نے تو پیچھے کو چھلانگ ماری، حکیم صاحب پھلانگ مارتے ہی قدم بوس ہوئے۔ عمرو نے حکیم صاحب کو چادرِ عیاری میں لپیٹ کر مسہری میں لٹا دیا اور الوش لے جا کر سارے شاگرد پیشہ کو کھلایا۔ جب ان بے خردوں نے ہوش گم کیا، عمرو نے کتب خانہ اور دوائی خانہ مع اثاث البیتِ حکیم صاحب زنبیل میں رکھا اور ایک پروانہ راہداری کا لکھ کر حکیم صاحب کے قلمدان سے مہر نکال کے اس پر ثبت کی۔ مضمون اس میں یہ تھا کہ گھاٹ مانجھی کو لازم ہے کہ جلد، بلا حجت، بہت محافظت سے اس شخص کو دریا کے پار اتار دے، نہیں تو دریائے قہر میں ڈبویا جائے

گا۔ چند ساعت میں عمرو پشتارہ کاندھے پر رکھے ہوئے دریا کے کنارے پہنچا اور گھاٹ مانجھی کو پروانہ راہداری کا دیا۔ گھاٹ مانجھی نے پہلے ہی کھیوے میں عمرو کو پار اتار دیا۔ عمرو ایک پہر کے عرصے میں وہاں پہنچا جہاں داراب کو درخت سے باندھا تھا۔ داراب کو کھول کر رفعِ بیہوشی کی۔ داراب جو ہوش میں آیا تو بولا کہ بہت سوئے، نہیں تو آدھی راہ جزیرے کی طے ہوگئی ہوتی۔ نیند خانہ خراب نے منزل ہی کھوٹی کی۔ چلیے، جزیرے کی راہ لیجیے۔ عمرو نے ابتدا سے انتہا تک کیفیت حکیم کے لانے کی بیان کی۔ داراب کے ہوش اڑ گئے۔ یا استاد کہہ کر قدم پر گرا اور عمرو کا شاگرد ہوا۔ عمرو نے داراب سے کہا کہ تو آہستہ آہستہ چلا آ، میں تو لمبی لیتا ہوں۔ ہوا کو پچھلے پاؤں سے جو مارا، داراب کی نظروں سے غائب ہوگیا۔

تھوڑے عرصے میں قلعے کے نزدیک پہنچا۔ دیکھے تو واہ واہ، عجب لطف ہے، ایک طرف گستہم فوجیں لیے ہوئے قلعے کے نیچے کھڑا ہے اور ایک سمت لشکر خسروِ ہند کا تلا ہوا ہے۔ قلعے کی ریتیوں پر سے گولی برس رہی ہے۔ گولنداز توپوں کو مہتابی دے رہے ہیں۔ عمرو گھس بیٹھ کے قلعے کے برج کے نیچے پہنچا، فوراً کمند پھینک کر آسمانیوں کی طرح سے قلعے کی فصیل پر چڑھ گیا، لیکن نیچے سے ایک شخص نے لیس ہوکر، نشانہ باندھ کر، ایک تیر پشتارے پر لگایا۔ وہ تیر پشتارے کو مثلِ تودۂ خاک توڑ کر طلائی ہاون دستے پر بیٹھا۔ عمرو جست کر کے قلعے کے اندر گیا اور وہ پشتارہ صابر و صبور کے آگے دھر کے جس حکمت سے حکیم صاحب کو لایا تھا وہ کیفیت بیان کی۔ صابر و صبور عمرو کی دانائی پر عش عش کرنے لگے۔ عمرو نے تمام اسباب موقعے سے حکیم صاحب کے گرد چن کر رفعِ بیہوشی کی اور اسی پیادے کی صورت بن کر کہا کہ آپ کو صابر و صبور نے بلایا ہے۔ حکیم اقلیمون ترش رو ہوکر بولا کہ ہاں کوئی ہے، اس دیوانے کو باندھ کر میرے پاس لاؤ کہ میں فصد کھول دوں۔ عمرو نے کہا کہ حضرت، میں مجنون نہیں ہوں کہ نشتر و رگ کو تکلیف دیجیے گا۔ میں دیوانہ بکارِ خود ہوشیار ہوں۔ حکیم صاحب بولے کہ مجنون کے سر پر کیا سینگ ہوتے ہیں کہ تیرے نہیں ہیں؟ لاکھ بار کہا ہے کہ میں نہیں جاؤں گا، تو اپنی ہی رٹے جاتا ہے۔ جب کوئی نہ بولا تو حکیم صاحب اِدھر اُدھر دیکھ کر خبط ہوگئے کہ اسباب میرے مطب کا میرے پاس موجود ہے، مگر میرا مکان نہیں ہے۔ اتنے میں صابر و صبور نے آکر ملاقات کی۔ حکیم اقلیمون نے پوچھا کہ میں اسباب سمیت یہاں کیونکر آیا؟ عمرو بولا کہ یہ مرض نہیں ہے کہ بے کہے تشخیص کر لیجیے گا۔ آپ کو یہ پیادہ لایا ہے۔ اقلیمون کو جب معلوم ہوا کہ یہ عمرو ہے، اٹھ کر گلے سے لگالیا اور کہا کہ خواجہ، اگر میں جانتا کہ تم ہو تو میں بے تکرار چلا آتا۔ عمرو بولا کہ اب بھی میں آپ کا زیرِ بارِ احسان ہوا، لیکن جلد ایسی تدبیر کیجیے کہ صاحبقراں کے جسم سے زہر نکل جائے۔ حکیم اقلیمون نے امیر کو دیکھ کر کفِ افسوس ملے اور کہا کہ اس کا علاج نوشیرواں کے پاس کے سوا روے زمین پر کہیں نہیں ہے۔ عمرو نے کہا کہ حضرت، وہ ایسی کیا چیز ہے؟ اقلیمون نے کہا کہ نام

اس دوا کا شاہ مہرہ ہے۔ کیانیوں کے پشتا پشت سے چلا آتا ہے۔ بغیر اس کے امیر کو شفا نہیں ہوگی۔ زہر رگ رگ میں در آیا ہے۔ عمرو نے کہا کہ حضرت، یہ وہی مثل ہے کہ تا تریاق از عراق آوردہ شود، مار گزیدہ مردہ شود۔ اس آمد و رفت کے عرصے تک حمزہ کا ہے کو جیتا بچے گا؟ اقلیمون نے کہا کہ تو نفس الامر میں امیر کو صحت ہونا دشوار ہے۔ عمرو روتا پیٹتا، سر پر خاک اڑاتا، قلعے کے دروازے پر آیا۔ وہاں مقبل کھڑا ہوا تھا۔ کہنے لگا کہ خواجہ، کہو، حکیم نے کیا علاج تجویز کیا؟ عمرو نے کہا کہ کیا کہوں، اس محنت سے تو حکیم کو لایا ہوں، وہ کہتا ہے کہ اس کا علاج بجز شاہ مہرے کے دنیا میں نہیں ہے، اور شاہ مہرہ سوائے نوشیرواں کے پاس کے جہاں کے عطار خانوں میں نہ نکلے گا۔ مقبل سن کر چپ ہو رہا۔ جب عمرو دو چار قدم آگے بڑھا، مقبل نے پیچھے سے پکار کر کہا کہ خواجہ، اگر مدائن جاؤ تو نوشیرواں کے درِ دولت پر ایک بڑھیا رہتی ہے، اسے میرا اسلام کہہ دینا۔ عمرو نے کھسیانا ہو کر پلٹ کر ایک عصا مقبل کے سر پر اس زور سے مارا کہ مقبل خون میں تر بتر ہوگیا۔ اس وقت مقبل بآوازِ نرم بولا کہ خواجہ، خفا کیوں ہوتے ہو، شاہ مہرہ یہیں ہے۔ تب تو اور بھی عمرو ناخوش ہو کر مقبل کو سخت سست کہنے لگا کہ میرا راستہ کھوٹا کرتا ہے۔ مقبل نے کہا کہ خواجہ، بہ سرِ حمزہ، شاہ مہرہ یہیں موجود ہے، مجھ سے لیجیے۔ بزرجمہر نے میرے روبرو امیر کے پہلو میں رکھ کر ٹانکے لگا دیے ہیں۔ عمرو نے مقبل کو چھاتی سے لگا لیا اور حمزہ کے پاس آیا۔ اقلیمون نے کہا کہ خواجہ، ابھی یہیں ہو؟ میں جانتا تھا کہ مدائن پہنچے۔ عمرو بولا کہ حضرت، میں گیا بھی اور لے بھی آیا۔ اقلیمون نے کہا کہ تم سے کچھ دور بھی نہیں ہے۔ لاؤ، لائے ہو تو دو۔ عمرو نے کہا کہ امیر کے پہلو میں ہے۔ اقلیمون نے امیر کے جسم کو دیکھا تو واقعی نیلا کانچ کے مانند ہوگیا ہے، مگر جس جگہ شاہ مہرہ تھا اتنے بدن کا رنگ اصلی ہے، زہر نے اثر نہیں کیا۔ اقلیمون نے کہا کہ اگرچہ امیر کا رنگ نیلگوں ہوگیا ہے، لیکن اگر شاہ مہرہ امیر کے پہلو میں نہ ہوتا تو کب کے امیر مر گئے ہوتے۔ کئی سو من دودھ منگا کر کڑھاؤ میں رکھا اور طلائی استرے سے امیر کے پہلو کو چیر کر شاہ مہرہ نکالا اور ریشم میں باندھ کر امیر کے حلق میں دے کر پیٹ تک اتار دیا اور کئی لمحے کے بعد نکال کر دودھ کے کڑھاؤ میں اس کو ڈالا۔ دودھ کا رنگ زنگاری ہوگیا۔ اس طرح سے چند بار مہرے کو پانچ پانچ چھ چھ منٹ امیر کے پیٹ میں رکھ کر دودھ میں ڈالا۔ جب دودھ نے رنگ نہ بدلا اور امیر کو چھینک آئی، اقلیمون نے چند چادریں کتان کی امیر کو اُڑھوائیں اور لوگوں سے کہا کہ خبردار، کوئی شخص امیر کے روبرو زہر کا ذکر نہ کرے۔ دو ساعت کے بعد اس قدر عرق امیر کے بدن سے نکلا گویا سو پچاس مشکیں پانی کی امیر کے اوپر ڈال دیں۔ دوسرے دن امیر کو ہوش آیا اور کھانا طلب کیا۔ اقلیمون نے شوربہ تیتر کا پکوایا اور امیر تکیے سے لگ کر بیٹھے۔ پوچھا کہ ملک لندھور کہاں ہیں؟ عمرو نے جھٹ پٹ لندھور کو ہوش میں لا کر امیر کے پاس پہنچایا اور اثنائے راہ میں من و عن حال بیان کر کے کہا کہ آپ کے پھر جانے کے گمان سے مجھ سے یہ قصور ہوا

ہے، امیر سے اس کا تذکرہ نہ کیجیے گا۔ ہرگاہ ملک لندھور اور امرائے عالی وقار امیر کے پاس حاضر ہوئے، ہر ایک نے زر و جواہر امیر پر سے نثار کیا۔ امیر نے حکیم اقلیمون کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ عادی کے منھ سے بے ساختہ نکل گیا کہ وہ جو خواصیں شیشہ ہائے شرابِ انگوری لے کر ملکہ مہر نگار کی طرف سے آئی تھیں، وہ مرسلۂ گستہم تھیں۔ حضور نے جو ایک شیشہ شراب کا پیا، اس میں زہرِ ہلاہل مخلوط تھا۔ اس نے تمام بدن میں سرایت کی، حضور کے دشمنوں کا حال ابتر ہو گیا۔ صابر و صبور شہپال کے بیٹے حضور کو اپنے قلعے میں اٹھا لائے اور عمرو کو بھیج کر جزیرہ نارون سے حکیم صاحب کو بلوایا کہ حضور کا علاج ہوا، اور گستہم قلعے سے لڑ رہا ہے۔ یہ کلمہ سنتے ہی لندھور کے تلووں سے آگ لگی، سر کو جا بجھی۔ بولا کہ ابھی اس خیرہ سر کو جہنم بھیجتا ہوں۔ امیر نے منع کیا۔ کہا، آپ صبر کیجیے، میں سمجھ لوں گا۔ اس میں خبر پہنچی کہ شہپال نے، کہ گستہم کا معین و مددگار ہے، قلعے پر چڑھنے کا قصد کیا تھا، صابر نامی اس کے خلفِ اکبر نے قارورۂ آتشیں مار کر غارِ سقر میں اس کو بھیجا، گستہم نے یہ ماجرا دیکھ کر قلعے پر ہلہ کرنے کا قصد کیا ہے۔ امیر نے عمرو سے فرمایا کہ تم جاؤ اور گستہم کو میری طرف سے کہہ دو کہ میں نوشیرواں کے لحاظ سے طرح دیتا ہوں، مگر تیرے کچھ خیال میں نہیں آتا۔ جا یہاں سے اپنا منھ کالا کر، نہیں تو اپنا کیا پائے گا۔ عمرو نے امیر کا پیغام گستہم سے جا کر کہا۔ اس ناپاک رونی صورت نے ہنس کر کہا کہ او ساربان زادے، تو مجھ سے عیاری کرتا ہے؟ حمزہ کو مرے ہوئے مدت ہوئی۔ حمزہ کہاں ہے جس کی طرف سے پیغام لایا ہے؟ عمرو نے جھنجھلا کر کہا کہ او گردن زدنی، مادر قحبہ، تو صاحبقراں کی شان میں ایسی فال بد منھ سے نکالتا ہے! کیا کروں، امیر کا حکم نہیں ہے، نہیں تو ابھی سنگ فلاخن سے تیرے دانت توڑ کر تیرے حلق میں ڈال دیے ہوتے۔ گستہم بولا کہ اچھا، اگر حمزہ زندہ ہے تو جا کر دریافت کر آ کہ میرے کس راز سے وہ واقف ہے۔ عمرو امیر کے پاس آیا اور جو گستہم نے کہا تھا بیان کیا، اور کہا کہ اے صاحبقراں، تعجب ہے کہ تم گستہم سے نابکار سے، کہ جس نے تمھارے مار ڈالنے میں مطلق کوتاہی نہ کی تھی، راز و نیاز رکھتے ہو۔ پہلی آفت تو بہرام کے سر پر ٹلی، اور اب جو زہر دلوایا، خدا بزرجمہر کا بھلا کرے کہ اس نے شاہ مہرہ پہلو میں رکھ دیا تھا، نہیں تو زندگی کی کون صورت تھی؟ امیر نے اس کے گوز مارنے کا حال کہہ کر عمرو سے کہا کہ بس یہی راز ہے۔ تو جا کر اس کو جتا۔ دیکھ کہ کیا کہتا ہے۔ عمرو نے گستہم سے آ کر کہا کہ امیر نے فرمایا ہے کہ او گوہی، بغلگیر ہونے میں تو تین دفعہ تو نے پاد مارا تھا، جب ضرب کھائے گا تو ہگ ہگ دے گا۔

گستہم نے اس راز کے سنتے ہی جانا کہ حمزہ زندہ و سلامت ہے۔ اسی دم سندھ کی طرف مفرور ہوا اور وہاں جا کر اس مفتری نے عجب طرح کا فتنہ برپا کیا۔ دو آدمی مرے ہوؤں کے سر منگوا کر نوشیرواں کے پاس بھیجے اور عرضی میں لکھا کہ لندھور نے سرِ میدان حمزہ کو مارا اور میں نے آپ کے اقبال سے لندھور کو قتل کیا، چنانچہ

ان دونوں کے سر حضور میں بھیجے ہیں۔ اور ایک خط بختک کو مفصل لکھا کہ میں نے برعکس بادشاہ کی عرضی میں اس واسطے لکھا ہے کہ نوشیرواں مہرنگار کی شادی کسی سے کردیوے، و الّا اصل یہ ہے کہ حمزہ نے لندھور کو زیر کیا اور لندھور نے بہ دل و جان حمزہ کی اطاعت قبول کی۔ مجھ سے سوائے حمزہ کو زہر دلوانے کے کچھ بن نہ پڑی، سو حمزہ بڑا سخت جان و بلانوش ہے کہ زہر سے بھی اس کا کچھ نہ بگڑا۔ مجبور میں وہاں سے بھاگ کر سندھ میں آیا۔ مکرر لکھتا ہوں کہ بادشاہ کو ورغلا کے مہرنگار کی شادی کسی سے کروا دینا، کہ حمزہ سن کر کوفت اٹھا اٹھا کے مر جائے۔ حریف کو مارنے سے کام ہے، کسی طرح سے بھی کیوں نہ مارا جائے۔ جس وقت وہ سر اور عرضی کستھم کی نوشیرواں کے ملاحظے میں گذری، آبدیدہ ہو کر بزرجمہر سے کہا کہ حیف حمزہ کی جوانی! میں جانتا ہوں کہ اگر ہزار سال چرخ چرخ کھائے گا تو بھی ایسا جوان پیدا کر کے نہ دکھلائے گا۔ بزرجمہر نے کہا کہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ زائچے سے تو حمزہ کی سلامتی معلوم ہوتی ہے، مگر ہاں تکلیفِ بدنی البتہ ثابت ہوتی ہے۔ آئندہ العلم عند اللہ۔

روانہ ہونا امیر کا مع لندھور مدائن کی طرف

راویانِ داستان ہائے پارینہ روایت کرتے ہیں کہ امیر میں جو گونہ طاقت آئی، لندھور سے فرمایا کہ اب جی چاہتا ہے کہ مدائن کو روانہ ہو جائیے۔ خسرو نے کہا کہ جیسی حضور کی مرضی، مگر ہندوستان میں سکہ اپنا جاری فرما کر اور کسی کو نیابتاً اپنے چھوڑ چلیے۔ امیر نے کہا کہ اے ملک لندھور، تمھارا ملک تم کو مبارک رہے، میں فقط تمھاری محبت کا بھوکا ہوں۔ خسرو نے جے پور، اپنے برادرِ عم زاد، کو اپنا نائب کیا اور آپ مع سپاہ صاحبقراں کے ہمراہِ رکاب ہوا۔ عادی نے، کہ پیش خیمہ لے کر ایک دن پہلے روانہ ہوا تھا، لبِ دریا ایک سبزہ زار دیکھ کر بارگاہِ دانیالی کو برپا کیا۔ امیر مع خسرو بارگاہ میں داخل ہوئے۔ صبح کو پھر وہاں سے کوچ کیا۔ ہرچند امیر میں اس زہر کے صدمے سے بجز پوست و استخوان کچھ باقی نہ تھا مگر مہرنگار کے اشتیاق میں منزلیں طے کرتے چلے جاتے تھے۔

اب بختک کی کارسازی سنیے کہ کستہم کا خط پڑھ کے تدبیر میں مصروف ہوا۔ ناگاہ اس کے دل میں خیال گذرا کہ خواہر زادہ ژوپین اولاد بن مرزبان کو، کہ نسل میں کیکاؤس کی ہے، مہرنگار کی درخواست کے لیے ابھارا چاہیے۔ جھٹ پٹ ایک خط اولاد بن مرزبان کو لکھا کہ ملکہ مہرنگار، دخترِ شہنشاہِ ہفت اقلیم، اب بلوغ کو پہنچی۔ حمزہ نامی عرب نے اس کی خواستگاری کی تھی۔ بادشاہ نے غیر کفو جان کر قبول نہ کیا اور اس کو ہندوستان میں ملک لندھور کی مہم پر بھیجا اور وہ سنتے ہیں کہ لندھور کے ہاتھ سے مارا گیا۔ پس میری صلاح خیر خواہانہ یہ ہے کہ آپ بہت جلد اپنے کو مدائن میں پہنچائیے کہ میں تقریب کر کے آپ کی شادی مہرنگار سے کروادوں۔ اولاد بن مرزبان خط کے دیکھتے ہی خوشی خوشی تیس ہزار سوار ہمراہ لے کر زابل سے روانہ ہوا۔ چند روز کے عرصے میں مدائن میں جا پہنچا۔ بختک نے خبر پا کے خلوت میں بادشاہ سے عرض کی کہ اولاد بن مرزبان کیکاؤسی حضور کی ملازمت کے لیے زابل سے آیا ہے۔ چونکہ بزرگ زادہ ہے، پیشوائی اس کی ضرور ہے۔ چند سرداروں کو حکم ہوا کہ پیشوائی کر کے تلِ شادکام پر اس کو اتاریں۔ دوسرے دن بختک نے اس کی ملازمت کروائی اور خلعت

دلوایا۔ کئی دن کے بعد قابوے وقت پاکر خلوت میں بادشاہ سے عرض کی کہ حمزہ تو مارا گیا، ملکہ مہرنگار کی شادی کی فکر ضرور ہے کہ بلوغ کو پہنچ چکی۔ اور گستہم کے ساتھ جو حضور نے تجویز کیا تھا وہ بڈھا ہے ظاہر ہے کہ زنِ جوان کو مردِ پیر کے پہلو میں بیٹھنے سے تیر کا پہلو میں بیٹھنا خوش معلوم ہوتا ہے۔ مگر کسی ایسے شخص سے کہ عزت و حسن و جوانی رکھتا ہو، شادی کر دینا مناسب ہے۔ نوشیرواں نے کہا کہ تمھیں کسی کو تجویز کرو۔ بختک نے عرض کی کہ میرے نزدیک تو اولاد بن مرزبان سے، کہ کیکاؤسی ہے اور صورت و سیرت پاکیزہ رکھتا ہے، بہتر کوئی نہیں نظر آتا۔ بادشاہ نے یہ بات پسند کی اور ملکہ مہر انگیز کو اطلاع دی۔ چونکہ اس روز تک امیر کا مرنا شبستانِ شاہی میں کسی کو معلوم نہ تھا، ملکہ مہر انگیز یہ سن کر آبدیدہ ہوئی اور سب پر قدغن کیا کہ کوئی امیر کے مرنے کی خبر مہرنگار کے کانوں تک نہ پہنچائے، لیکن کسی نے خبر پہنچا ہی دی۔ مہرنگار نے اپنے حال کو ایسا پریشان کیا کہ دیکھنے والے حیران و پریشان ہو گئے۔ ملکہ مہر انگیز نے آ کر بہت سمجھایا مگر اس نے کچھ نہ سنا۔ مجبور ہو کر مہر انگیز نے بادشاہ کو خبر دی۔ نوشیرواں نے بزرجمہر سے کہا کہ تم جا کر مہرنگار کو سمجھا کر اولاد بن مرزبان کے ساتھ شادی کرنے پر راضی کرو۔ بزرجمہر شبستانِ حرم میں گئے اور مہرنگار کو علیحدہ کر کے کہا کہ ملکہ، امیر کی سب طرح سے خیریت ہے۔ یہ دشمنوں نے جو آوائی اڑائی ہے، محض غلط ہے۔ ہاں، امیر کو گستہم نے زہر دلوایا تھا، اس سے تکلیف بہت اٹھائی۔ آپ دیکھ لیجیے گا، آج کے چالیسویں دن امیر سے اور آپ سے بخوبی ملاقات ہوگی۔ میرے نزدیک مناسب ہے کہ مصلحتاً اولاد بن مرزبان کو قبول کیجیے، کہ بادشاہ کی اس میں خوشی ہے، لیکن یہ اقرار لے لیجیے کہ اولاد چالیس دن آپ کے سامنے نہ آوے۔ مہرنگار نے بزرجمہر کے کہنے سے منظور کیا۔ بزرجمہر نے بادشاہ کو مبارکباد دے کے مہرنگار کا پیغام دیا۔ نوشیرواں نے دوسرے دن سرِ دربار اولاد بن مرزبان کو خلعتِ دامادی پہنا کر فرمایا کہ چالیس دن کے بعد عقد کیا جائے گا۔

بختک نے اولاد بن مرزبان سے کہا کہ یہ مہلت بری ہے، کیونکہ حمزہ زندہ ہے۔ اگر اس عرصے میں آ پہنچا تو سارا منصوبہ بیکار ہو جائے گا۔ آپ ایک کام کیجیے۔ کل اٹھتے وقت بادشاہ سے عرض کیجیے کہ غلام چاہتا ہے یہ شادی زابل میں جا کر کرے۔ وہاں پہنچتے پہنچتے چالیس دن بھی گذر جائیں گے اور میں بھی آپ کے سخن کی اعانت کروں گا۔ اولاد اس مشورے سے بہت خوش ہوا اور عندالملازمت نوشیرواں سے عرض کی۔ بختک نے بھی اس کے سخن کی پیروی کی۔ بادشاہ نے منظور کر کے جہیز وغیرہ کی تیاری کا حکم دیا اور بختک سے فرمایا کہ مہرنگار کی رخصتی کا انتظام تمھارے ہاتھ ہے۔ بختک نے ایک کی جگہ پر سو خرچ کر کے کئی دن میں تمام سامان جہیز و سفر کا مہیا کیا۔ بادشاہ نے مہرنگار کو بڑی دھوم دھام سے رخصت کیا اور ایک منزل تک مع ملکہ مہر انگیز آپ بھی تشریف لے گئے۔ اولاد ملکہ کو لیے کوچ بہ کوچ، منزل بہ منزل، خوش خوش چلا جاتا تھا، مگر خیمہ اس کا ملکہ کے حکم سے تین

فرسخ کے فاصلے پر استادہ کیا جاتا تھا۔ بارہ ہزار غلام حبشی وترکی ملکہ کے خیمے کے گرد رہتے تھے۔ پرندے کا مقدور نہ تھا کہ اڑ کر ملکہ کے اردو میں جاوے۔ ہر گاہ انتالیس دن گذر گئے، اولاد نے ایک کوہِ خوش فضا پر، کہ ہوا وہاں کی غنچۂ دل کو کھلاتی تھی، خیمہ استادہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کل ہمارا مقام ہے، ملکہ کا وعدہ تمام ہوگا، ہم اسی مقام پر شادی کا جشن کریں گے۔ مگر مہر نگار اپنے دل میں ٹھانے ہوئے تھی کہ جس وقت اولاد خیمے میں قدم رکھے گا اسی دم اپنا جوہر کرے۔

گرفتار ہونا اولاد بن مرزبان کا اور جانا اس کا قید ہو کر نوشیرواں کے پاس امیر کے حکم سے

مورخوں نے لکھا ہے کہ خدا کی قدرت سے صاحبقراں بھی اسی دن اس کوہ کے دامن میں خیمہ زن ہوئے اور فرمایا کہ یہاں کی ہوا سے کچھ دل کو دم بہ دم تقویت حاصل ہوتی ہے، ایک ہفتہ اسی جا پر مقام رہے۔ سبھوں نے التماس کیا کہ بہت بہتر ہے۔ حکیم اقلیمون نے عمرو سے کہا کہ یہاں چراگاہ ہے، ایک ہرن تم شکار کر لاؤ تو اس کے کباب کی بو امیر کو سنگھا دیں۔ خدا کے فضل سے دم بہ دم امیر کو قوت ہوگی۔ عمرو حکم ہوتے ہی کمند کو پھنی لے کر وہاں سے ہرن ہوا۔ چراگاہ میں ایک گلہ ہرن کا دیکھ کر چوکڑیاں بھرنی شروع کیں۔ ہرن نے کنوتیاں بدل کر چراگاہ سے رم کی۔ عمرو ایک ہرن کی چھلانگ کے ساتھ پھلانگ مارتا ہوا گوش بہ گوش جاتا تھا۔ پہاڑ کے متصل قابو پا کر حلقہ کمند کا اس چالاکی سے ہرن کے سینگوں پر مارا کہ وہ دامِ اجل میں پھنس کر اپنی چوکڑی بھول گیا۔ عمرو نے اس کے چاروں پاؤں باندھ کر ایک پتھر کے نیچے، راہ سے الگ، مستحکم دبا دیا اور آپ بالائے کوہ سیر دیکھنے کے واسطے گیا۔ دیکھا تو ایک خیمہ لبِ جو استادہ ہے اور اردو اس کا اردوے شاہی پر پہلو مارتا ہے، اور دو شخص لبِ نہر سونے روپے کا چلپچی آفتابہ ہاتھوں میں لیے ہوئے کھڑے ہیں۔ عمرو ایک ہاتھ کو جھلاتا، پاؤں سے لنگڑاتا، ان کے پاس جا کر کھڑا ہوا اور ان سے پوچھا کہ کیوں حضرت، یہ اردو کس کا ہے اور آپ کون ہیں؟ وہ بولے کہ یہ اردو ملکہ مہرنگار دخترِ شہنشاہِ ہفت اقلیم کا ہے اور ہم اس کے غلام ہیں۔ پہلے حمزہ نامی ایک عرب کے ساتھ ملکہ نامزد ہوئی تھی، سو وہ ہندوستان میں لندھور کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ہر چند بادشاہ بہت مغموم ہوا لیکن قضا سے چارہ کیا ہے۔ بختک قرمساق نے بادشاہ کو سمجھا بجھا کر ملکہ کو اولاد بن مرزبان کیکاؤسی کے حوالے کر دیا۔ ملکہ نے جب بزرجمہر سے سنا تھا کہ آج چالیسویں دن اثنائے راہ میں صاحبقراں کو تم پاؤ گی، اس واسطے ملکہ نے

چالیس دن کا عہد اس سے لیا تھا تا کہ مدتِ معہود خیمہ گاہ کے گرد نہ پھٹکے۔ سو آج چالیسواں دن ہے، اگر شام تک بھی صاحبقراں پہنچے تو ملکہ کی زندگی ہوتی ہے، اور نہیں تو جس وقت رات کو اولاد خیمے کے دروازے تک پہنچے گا، ملکہ زہرِ ہلاہل کی پڑیا پھانک جائے گی، کہ ہاتھ میں لیے ہوئے بیٹھی ہے۔ حیف ملکہ کی جوانی! عمرو نے کہا کہ بابا، خدا کو یاد کرو۔ عجب کیا ہے اگر صاحبقراں آج ہی آدھمکے۔ بہرحال، خدا ملکہ کے دل کی مراد حاصل کرے، فقیر کا اس وقت تم سے اتنا سوال ہے کہ میرا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں شل ہو کر رہ گیا ہے۔ حکیم نے بتایا تھ کہ اگر سونے روپے کی چلمچی آفتابے سے ہاتھ پاؤں کو دھوئے تو تیرا ہاتھ پاؤں اچھا ہو جائے۔ مجھ کو تو کہاں میسر تھا، مگر معلوم ہوا کہ کوئی دن زندگی باقی ہے کہ تم سے اہل دلوں کے ہاتھوں میں چلمچی آفتابہ اس وقت نظر پڑا ہے۔ بات کی بات کے واسطے اگر عنایت فرمایئے تو آپ کے روبرو اس ندی سے پانی بھر کر ہاتھ پاؤں دھو لوں، نہیں تو پھر کہاں ایسا موقع ہوگا۔ ان دونوں شخصوں نے ترس کھا کر چلمچی آفتابہ عمرو کے حوالے کیا۔ عمرو نے سلام کر کے لے لیا اور نہر سے پانی بھر کر ہاتھ پاؤں کو غسل دیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ لاؤ بھائی، تمھارا کام تو نکل گیا، اب چلمچی آفتابہ ہمارے حوالے کرو۔ عمرو ایک پھلانگ مار کے ان سے جدا ہو کر بولا کہ میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں کہ اپنی دوا تم کو دے دوں۔ فرض کیا کہ اس وقت میں اچھا ہوا، مگر پھر اس مرض نے اعادہ کیا، تو میں تم کو کہاں پاؤں گا؟ یہ کہہ کر اولاد کے اردو کی طرف چلتا ہوا۔ ان دونوں نے بھی اس کا پیچھا کیا۔ عمرو بھلا ان کو کہاں ملتا تھا۔ وہ اولاد کے اردو میں جا، چادرِ عیاری بچھا، تختہ پانسے ہاتھ میں لے، رمال کی صورت بن کر بیٹھا۔ ان دونوں شخصوں نے اس کے گرد کثرت دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ اس سے رمل دکھلا کر چور کا ٹھکانا لگایئے۔ پاس جا کر کھڑے ہوئے۔ دیکھا کہ جو کوئی اس سے سوال کرتا ہے، وہ اس کے دل کا راز بیان کرتا ہے۔ یہ بھی پاس بیٹھ کے اپنا احوال اس سے پوچھنے لگے۔ اس نے کہا کہ تمھاری کوئی چیز گئی ہے، اور وہ دو عدد چاندی سونے کی ہیں۔ یہ سخن سن کر کمال معتقد ہوئے۔ آپس میں مشورہ کر کے ایک تو عمرو کے پاس بیٹھا رہا اور دوسرے نے ملکہ کے درِ دولت پر جا کر عرض کر بھیجا کہ غلام کچھ عرض کیا چاہتا ہے۔ ملکہ تو شام کا انتظار کر رہی تھی کہ آفتاب غروب ہو لے تو زہر کھاؤں۔ غلام کی استدعا سن کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی کہ شاید کوئی مژدہ سناوے۔ پردے سے لگ کر پوچھا کہ کیا کہتا ہے؟ اس نے پہلے تو کیفیت چلمچی آفتابے کے گم ہونے کی کہی، بعد اس کے رمال کا ذکر کیا۔ ملکہ ازبس عاقلہ تھی، دل میں سوچا کہ یہ جرأت سوائے عمرو کے کس نے پائی کہ میرے اردو کے متصل اس چالاکی سے میرا مال دستبرد کرے، اور تعجب نہیں کہ وہاں جا کر رمال بھی بنا ہو۔ فی الفور یساول پر یساول بھیج کر عمرو کو بلوایا اور گوشہ کر کے چلمن کے متصل بٹھلا کر فرمایا کہ اے رمال، میرے دل کا تو حال کہہ۔ عمرو نے کہا کہ حضرت، میں بغیر منہ دیکھے کسی کا حال نہیں کہتا ہوں۔ ملکہ نے تجویز کیا کہ آخر تو آج مرنا ہے، اگر یہ پیر مرد دیکھے

گا تو کیا ہوگا؟ چلمن اٹھا دی۔ عمرو نے پانسے مہر نگار کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ آپ ہی ان پانسوں کو اپنے ہاتھ سے ان شکلوں پر پھینکیں، میں شکلوں کو دیکھ کر آپ کے دل کا راز بیان کر دوں گا۔ ملکہ نے جو پانسوں کے خدو خال کو دیکھا تو رمل کے پانسے نہ پائے، کیونکہ ملکہ بھی تو رمل میں بزرجمہر کی شاگرد تھی، مگر دم کو لے رہی کہ دیکھیں تو کیا کہتا ہے۔ پانسوں کو جو پھینکا، عمرو نے ابتداے عاشقی سے لے کر اس روز تک کا حال کہا کہ آج آپ کو حمزہ کی خبر ملے گی۔ مہر نگار نے عقلیہ دریافت کیا کہ مقرر یہ عمرو ہے۔ ہاتھ بڑھا کر اس کی عملی ڈاڑھی کو جو کھینچا، ڈاڑھی الگ ہوگئی، عمرو کی صورت دکھائی دی۔ ملکہ بے اختیار عمرو کے گلے سے لپٹ گئی اور پوچھنے لگی کہ سچ کہہ، امیر کہاں ہیں؟ عمرو نے کہا کہ امیر آج صبح سے اسی پہاڑ کے نیچے خیمہ زن ہیں۔ ملکہ تو گویا پھولوں نہ سمائی۔ چاہتی تھی کہ امیر کا حال پوچھے اور اپنی بپتی کہے، کہ آدمی پر آدمی ڈیوڑھی پر پہنچا کہ رمال کو شادی کی ساعت دیکھنے کے واسطے اولاد نے طلب کیا ہے۔ عمرو نے کہا کہ اب حضور مطمئن ہو کر بیٹھیں۔ دیکھیے تو، اس شادی کے بدلے کیا اولاد کو مغموم کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر رخصت ہوا۔ ملکہ نے خلعتِ رخصتانہ مع بدرۂ زر عمرو کو دیا۔ عمرو وہاں سے اولاد کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ ایک گبر بچہ، جواہر میں غرق، ایک کرسی مرصع پر بیٹھا ہوا ہے اور سامانِ رسومِ شادی کا گرد اس کے رکھا ہے۔ اولاد نے پہلے پوچھا کہ ملکہ نے تجھے کیوں بلایا تھا؟ بولا کہ ایک مردے کی زندگی کو پوچھتی تھی۔ میں نے کہہ دیا کہ وہ مر گیا اور کہا کہ آپ کو اولاد بن مرزبان سے بہت پھل ملے گا۔ پہلے تو راضی نہ تھیں، مگر میرے کہنے سننے سے راضی ہوئیں۔ یہ سخن سنتے ہی اولاد کی باچھیں کھل گئیں۔ خلعتِ گرانمایہ دے کر پوچھا کہ شادی کب کروں؟ عمرو نے کہا کہ جتنی جلد ہو سکے۔ اولاد اس بات سے اور بھی محظوظ ہوا۔ ایک بدرہ زرِ سرخ کا اور عنایت کیا۔ عمرو اس بدرے کو لے کر دعائیں دینے اور کہنے لگا کہ غلام کے چار لڑکے ہیں۔ ایک کو تو گرز بازی سے شوق ہے، اور دوسرے نے بنّٹ بازی میں کثرت بہم پہنچائی ہے، اور تیسرا ڈھول بجاتا ہے، اور چوتھا سرنا میں کمال رکھتا ہے۔ اگر آپ ان کا تماشا دیکھیں تو خالی از کیفیت نہیں ہے۔ اولاد بولا کہ کل صبح کو اپنی کل اولاد کو ہمارے پاس بھیج دینا، البتہ یہ تماشا دیکھنے کے قابل ہے۔ عمرو اس سے رخصت ہوا اور پہاڑ کے نیچے آ کر بہ صورتِ اصلی ہو کر ہرن کو حکیم اقلیمون کے پاس لایا۔ انھوں نے ذبح کر کے کباب کی بو امیر کو سنگھائی اور عمرو بخطِ مستقیم لندھور کے پاس گیا۔ راہ میں مقبل سے جو ملاقات ہوئی، اس سے کہا کہ تو عادی کو لے کر خسروِ ہند کے خیمے میں جلدی آ۔ خسرو نے پوچھا کہ خواجہ، کدھر آئے؟ بولا کہ آپ ہی کے پاس آیا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ صاحبقراں ملکہ مہر نگار پر جان دیتے ہیں۔ حیف ہے کہ آپ کے ہوتے مہر نگار کو ایک گبر بچہ لے جاوے اور امیر اس کے فراق میں زہر کھائیں۔ یہ کہہ کر سب حال بیان کیا اور کہا کہ پہاڑ تلے میں اس کا اردو پڑا ہے۔ لندھور اس جملے کو سنتے ہی آگ بگولہ ہوگیا۔ گرز لے کر اٹھ کھڑا ہوا کہ میں ابھی اس کی ہڈی

پسلی سرمہ کرتا ہوں۔ عمرو نے کہا کہ ایسا ارادہ نہ کیجیے، مبادا امیر کو ناگوار ہو۔ اس کو جیتا پکڑ لیجیے۔ خسرو نے کہا کہ پھر جو تمھاری صلاح ہو، میں ہر صورت سے حاضر ہوں۔ اسی وقت مقبل بھی عادی کو لے کے پہنچا۔ عمرو نے ان سے بھی مشورہ کیا اور اپنا منصوبہ بیان کیا۔ انھوں نے بھی لندھور کے قول کا اعادہ کیا۔ جب بٹہ بازِ فلک نے بٹۂ خورشید ہاتھ میں لے کر اچھالا، عمرو نے ڈھول تو عادی کے گلے میں ڈالا اور سرنا مقبل کو دی اور لندھور سے کہا کہ آپ گرز سنبھالیے، اور اپنی صورت ایک خوبصورت لڑکے کی بنا کر بٹہ اچھالتا ہوا اولاد کی ڈیوڑھی پر گیا۔ اولاد نے سنا کہ رمال کے بیٹے آئے ہیں، بارگاہ میں بلا کر تماشا کرنے کا حکم دیا۔ عمرو نے گیارہ بٹے برنجی کسبتِ عیاری سے نکال کر ایسی بٹہ بازی کی کہ اولاد اور اہلِ محفل دیکھ کر تعریف کرنے لگے کہ ہم نے اپنی عمر میں آج تک ایسا بٹہ باز نہیں دیکھا تھا۔ اولاد نے بہت کچھ انعام دیا۔ مقبل نے سرنا اور عادی نے ڈھول بجا کر محفل کو گرم کیا۔ ان کو بھی اطلسی قبائیں انعام ملیں۔ لندھور جو گرز بازی کرنے لگا، اس کی ہوا سے لوگ دنگل اور کرسی سے خاک پر گرنے لگے۔ ہر طرف سے ایک شور بس بس کا بلند ہوا۔ عمرو نے لندھور کو اشارہ کیا کہ یہی وقت ہے۔ لندھور نے ہلاتے ہلاتے اس گرز کو بارگاہ کی چوبوں پر مارا۔ اولاد تو مع درباریوں کے خیمے میں دب گیا اور فوج سے لڑائی ہونے لگی۔ لندھور نے گرز اٹھا کر نعرہ مارا کہ ہر کہ داند داند و نداند بداند، منم لندھور بن سعدان خسروِ ہندوستان۔ نعرہ سنتے ہی بارہ ہزار سوار لندھور کے جو کمیں گاہ میں بیٹھے تھے، تلواریں کھینچ کھینچ کر فوجِ غنیم کے سر پر پہنچے۔ دس ہزار سوار اولاد کے لشکر کے مارے گئے اور پانچ ہزار زخمی ہوئے اور دس ہزار اسیری میں در آئے، باقی پانچ ہزار جان لے کر بھاگے۔

عادی کا حال سنیے کہ عین جنگ میں خیال آیا کہ آج اولاد کا ارادہ شادی کرنے کا تھا، کھانا ضرور کثرت سے پکا ہوگا، باورچی خانے میں چل کر کھایا چاہیے۔ یہ سوچ کر باورچی خانے کی طرف چلا۔ چند قدم اٹھائے تھے کہ تہہِ خیمہ سے ایک شخص کو نکلتے دیکھا۔ ڈھول اس پر رکھ کے جو مسکا، ڈھول کا چمڑا پھٹ گیا اور وہ شخص اس کے اندر سما گیا۔ فوراً ڈھول کے منھ کو مضبوط بند کر کے باورچی خانے میں گیا اور دستِ خود دہانِ خود کہہ کر اپنے ہاتھ سے کھانا نکال نکال کر کھانا شروع کیا۔ عمرو نے ہر چند اولاد کو خیمے میں ڈھونڈا مگر اس کا سراغ نہ پایا۔ لاشوں میں تلاش کرتا ہوا باورچی خانے کی طرف جا نکلا۔ دیکھا کہ عادی بڑے بڑے نوالے مار رہا ہے۔ عمرو نے تیوری چڑھا کر کہا کہ او شکم بزرگ، حمزہ کے لشکر میں تو پہلوانِ نامی کہلاتا تھا اور لڑائی کے وقت جان چرا کے گوشے میں بیٹھا ہوا تو پیٹ پال رہا ہے؟ عادی نے کہا کہ میں نے بھی ایک آدمی پکڑا ہے۔ عمرو نے کہا کہ ہم بھی اس کی صورت دیکھیں۔ عادی بولا کہ وہ ڈھول کے اندر بند ہے۔ تو آپ اٹھ کر دیکھ لے، مجھ کو کھانا کھانے دے۔ عمرو نے ایک جھلک اس کی دیکھ کر کہا کہ یہ ایک آدمی لاکھ آدمی کے برابر ہے۔ نفس الامر میں عادی، تو

نے بڑا کام و نام کیا کہ اس گبر بچے کو گرفتار کیا۔ یہ کہہ کر خوش خوش عادی سے ڈھول اٹھوا کر لندھور کے پاس گیا اور کہا کہ اے خسرو، ایک شکارِ فربہ لایا ہوں۔ جونہی عادی نے ڈھول کا منھ کھولا، اولاد ڈھول میں سے نکل کے خنجر کھینچ کر لندھور پر دوڑا۔ لندھور نے خنجر اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کو زمین پر دے پٹکا۔ عمرو نے کمند کے حلقوں سے سراپا اس کو جکڑ کے قید کیا اور یہ مژدہ جا کر ملکہ کو دیا۔ ملکہ نے سجدۂ شکر کیا اور بہت کچھ عمرو کو انعام دیا۔ عمرو وہاں سے امیر کے پاس گیا۔ ابتدا سے انتہا تک جو وقوع میں آیا تھا، امیر سے کہا۔ امیر نے عمرو کو گلے سے لگالیا اور لندھور سے کہا کہ حقیقت میں ہماری تمھاری حرمت اور عزت ایک ہے۔ تم نہ محافظت کرو تو کون کرے۔ سلطان بخت مغربی کے ساتھ ملکہ مہرنگار کو مدائن بھیجا اور اولاد کو بھی پا بہ زنجیر کر کے ارسال کیا کہ نوشیرواں جیسا مناسب جانے گا ویسا کرے گا۔ اور ایک عرضی بادشاہِ ہفت اقلیم کو اس مضمون کی لکھی کہ فدوی حسب الحکم حضور کے سراندیب گیا اور ملک لندھور کو زیر کیا، چنانچہ اس کو اپنے ہمراہ لیے آتا ہے۔ اس عرصے میں دشمنوں نے میرے مرنے کی خبر حضور کو پہنچائی۔ حضور نے سچ سمجھ کر بداندیشانِ کج فہم کے شورے سے مہرنگار کو اولاد کے حوالے کیا۔ اثنائے راہ میں مجھ سے اور اولاد سے ملاقات ہوئی۔ اس کو گرفتار کر کے حضور میں بھیجا ہے۔ جو سزا آپ کے نزدیک مناسب ہو وہ اولاد کو دیجیے۔ اور ملکہ کو بھی رخصت کیا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ قریب حاضر ہو کر شادی کروں گا۔ اور بستھم نے مجھ کو زہر دیا تھا، اس سے جان کی تو خیر ہوئی مگر تکلیف البتہ اٹھائی۔ اور ہمراہیانِ ملکہ کو فرداً فرداً خلعت عطا کیا۔ مہرنگار نے عمرو کو بلا کر کہا کہ میں نے تیاری جشن کی کی تھی، امیر نے مجھ کو اپنے پاس تک نہ بلایا اور مدائن کو رخصت کیا۔ آیا ایسا کون سا قصور مجھ سے صادر ہوا ہے کہ میں منھ دیکھنے کے قابل نہیں ہوں؟ عمرو نے امیر سے آ کر کہا کہ مہرنگار بہت ملول ہے اور اس طرح سے کہتی ہے۔ امیر نے کہا کہ تم دیکھتے ہو کہ میری صورت زہر کھانے کی بدولت کیسی ہوگئی ہے۔ اس ہیئت سے تو میرا جی نہیں چاہتا کہ میں ملکہ کو اپنی شکل دکھاؤں۔ انشاء اللہ العزیز مدائن پہنچتے پہنچتے رنگ و روغن اصلی ہو جائے گا۔ تم ملکہ کو بہ آئینِ شائستہ سمجھا دو کہ برا نہ مانیں، رنج نہ کریں، میں پیچھے پیچھے ان کے مدائن میں پہنچتا ہوں۔ اور تم بحفاظتِ تمام ملکہ کو پہنچا کر اثنائے راہ میں ہمارے پاس آؤ۔ حکیم اقلیمون نے کہا کہ خواجہ، تم مدائن جاتے ہو، نوشدارو لیتے آنا، مگر امیر کے نام سے کسی سے نہ مانگنا کہ نہ ملے گی۔ عمرو امیر سے رخصت ہو کر مہرنگار کے پاس آیا اور بوجہِ احسن اس کو سمجھا بجھا کر چپکا کیا اور محافے میں سوار کروا کے مدائن کی راہ لی۔ چند روز کے عرصے میں ملکہ کی سواری مدائن پہنچی۔ نوشیرواں پیشوائی کر کے لے گیا۔ سلطان بخت مغربی کو خلعت عطا فرمایا اور امیر کی سلامتی سن کر بہت خوش ہوا۔

اب عمرو کا حال سنیے کہ دہقانی کی صورت بن کر ایک قصائی کی دکان پر گیا۔ دو پیسے سلپٹ، کہ جس میں

حرف کا نشان تک نہ تھا، اس کے آگے پھینک کر بولا کہ اس کی نوسدروا دے۔ اس نے کبھی نام تک نہ سنا تھا۔ وہ بولا کہ صاحب، نوسدروا کس جانور کا نام ہے؟ اس کی صورت کیسی ہے؟ کیسا قد ہے؟ میں نے آج تک نوسدروا کو نہیں دیکھا ہے۔ عمرو ایک بنیے کی دکان پر آیا اور اس کے آگے پیسے پھینک کر نوسدروا مانگنے لگا۔ وہ بولا، صاحب، آٹا، دال، چاول، لون، لکڑی، گھی، تیل، منڈوا، کودوں، باجرا، چنے، مٹر، جوار، مسور تو موجود ہے۔ اگر لیجیے تو لیجیے۔ نوسدروا تو میرے پاس نہیں ہے کہ میں تم کو دوں۔ کسی پنساری سے پوچھیے۔ عمرو پنساری کے پاس گیا۔ وہ بولا کرانے میں کسی چیز کا نام نوسدروا نہیں ہے، دیکھو کنجڑے کے پاس ہووے تو ہووے۔ عمرو کنجڑے کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ صاحب گاجر مولی، ساگ پات، خربوزہ تربوز چاہو تو مجھ سے لو، نوسدروا نام تو کسی ترکاری کا نہیں ہے۔ آخر شدہ شدہ عطار کی دکان پر گیا۔ اس نے کہا کہ نوسدروا ہم نے کہاں پائی! مگر تو ایک کام کر۔ زنجیرِ عدالت جا کے ہلا۔ البتہ بادشاہ کے دوائی خانے میں ملے گی۔ عمرو نے جا کر زنجیرِ عدالت ہلائی۔ بادشاہ نے طلب کر کے حال پوچھا۔ عمرو نے دو پیسے جیب سے نکال کر نوشیرواں کے تخت پر رکھ دیے کہ اس کی نوسدروا چاہت ہوں۔ مور بٹوا کا سانپ کاٹس ہے۔ گوئیں کا بیدی کہس ہے کہ مدائن سے تین مسکال نوسدروا لا دیے، میں تو ربٹوا کا کھلیّوں نیک ہو جیے۔ کسائی، بکال، کنجڑے، پنساری سے تین دن سے پوچھت پھروں تھا، کوؤ ناہیں بتلاوت رہا۔ آج ایک نیک منی سے باٹ میں جو بھیٹ دھئی، وہ مہکا کہس کہ پادچھا کے پاس ملیے، سو میں تمھارا پاس حاجر بیا ہوں۔ یہ ٹکو نالیو اور تین مسکال نوسدروا مہکا دیو۔ لیکن تول جونکھ میں کم ہووے ہے تو کام نہ نکیسے، پوری تین مسکال چاہت ہوں۔ بادشاہ مع ارکان دولت اس کی باتیں سن کر بہت ہنسے اور کہا کہ پیسے اٹھا لے، حضور سے نوسدروا تجھ کو عنایت ہوگی۔ عمرو بولا کہ صاحب میں گریب منی بیتّوں، پر بے کیمت کیہو سے کچھ نہیں لیت ہوں۔ پادچھا سے موپھت موپھت نوسدروا کب لیبوں؟ بادشاہ نے بزرجمہر سے فرمایا کہ اس کو خزانے میں لے جا کر تین مثقال نوشدارو دے دو۔ بزرجمہر عمرو کو لے کر خزانے میں آئے، صندوق کھول کر ایک جڑاؤ حقہ نکالا، اس میں سے تین مثقال نوشدارو عمرو کو دی اور تین مثقال لے کر اپنی جیب میں رکھی، بدیں لحاظ کہ از روے رمل بختک کا امیر کو زہر دینا معلوم ہوا تھا، یقین کامل تھا کہ عمرو نوشدارو مانگنے کو آوے گا۔ عمرو نے راہ میں بزرجمہر سے کہا کہ واہ حجرت، پادچھا کے نوکر ہوئے کے آپ چوری بھی کرت ہیں! نوسدروا جو چرائے کے لیبن ہو وہ مہکا دے دیو، اسی میں کھیر آئے، نہیں تو رسوا ہوئے۔ بزرجمہر نے رسوائی کے خوف سے ڈر کر عمرو کے حوالے کر دی۔

اب بختک کا حال سنیے۔ اس کو تو امیر کا زہر کھانا معلوم تھا، سوچا کہ بزرجمہر نے ضرور حمزہ کے واسطے نوشدارو چھپا کر رکھی ہوگی، بادشاہ سے عرض کی کہ بزرجمہر کو دیکھیے اور نوشدارو کا چرانا دیکھیے۔ اگر ضرورت تھی تو حضور سے

مانگ کیوں نہ لی؟ دہقان کو حضور نے عنایت کی، ان کو کیا نہ ملتی؟ بادشاہ نے جو بزرجمہر کا جھاڑا لیا، کچھ نہ نکلا۔ اسی وقت بختک پر جرمانہ اور بزرجمہر سے عذر کیا۔ بزرجمہر کو معلوم ہوا کہ دہقان جو نوشدارو لے گیا ہے، وہ عمرو تھا۔ اپنے دل میں بہت خوش ہوئے۔ عمرو نے شہر سے نکل کر اصلی صورت اپنی بنائی اور لشکرِ اسلام کی طرف راہی ہوا۔

یہاں امیر ایک دن بہ سبب ناطاقتی کے، کہ ضعف قوت پر از بس غالب تھا، بہت روئے اور اپنے کو بددعا دینے لگے کہ کاش ایسی زندگی سے موت آوے تو بہتر ہے۔ شب کو عالمِ رویا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے امیر کو تسکین دی۔ امیر نے صبح کو اٹھ کر دوگانہ شکریہ ادا کیا اور پلنگ پر تکیہ لگا کے بیٹھے کہ عمرو پہنچا۔ امیر کو مطلق نہ پہچانا۔ پوچھا کہ اے جوان، تو کون ہے اور حمزہ کہاں ہے؟ امیر نے کہا کہ میں بھائی اولاد کا ہوں۔ اولاد کو قید سے چھڑانے آیا تھ، اس کو تو نہ پایا، مگر حمزہ کو قیدِ ہستی سے رہائی بخشی۔ جونہی یہ سخن عمرو کے کان تک پہنچا، عمرو خنجر نکال کے دوڑا۔ امیر نے خنجر عمرو سے چھین کر گلے سے لگالیا اور کہا کہ میں حمزہ ہوں۔ عمرو نے نوشدارو حکیم اقلیمون کے آگے رکھ دی۔ وہ امیر کو کئی ماشے روز کھلانے لگے۔

اب ذرا احوال بہرام گرد خاقانِ چین کا سنیے کہ چار جہاز سمیت جو طوفان میں امیر سے چھوٹا، چھ مہینے تک دریائے شور میں طوفانی رہا۔ جب طوفان سے نجات ملی، سندھ کے کنارے لنگر جہازوں کا دے کر غلّہ وغیرہ خریدنے کے واسطے خشکی میں اترا۔ تھوڑی دور گیا ہوگا، دیکھا کہ ایک درختِ عظیم الشان کے نیچے ایک چوکی بچھی ہے اور اس چوکی پر کمان اور ہزار اشرفی کا توڑا دھرا ہے۔ بہرام نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کمان اور توڑا چوکی پر کیوں رکھا ہے؟ وہ لوگ بولے کہ سرکش ہندی جو یہاں کا حاکم ہے، اس کا بھائی کوہ لخت ہندی ازبسکہ زورآور ہے، اس نے امتحان کے واسطے کمان اپنی اشرفیوں کے توڑے کے ساتھ یہاں رکھوادی ہے کہ جو کوئی اس کمان میں چلّہ چڑھاوے، اشرفیوں کا توڑا لے لیوے۔ بہرام نے اپنے دل میں کہا کہ یہ مالِ خداداد ہے، اس کو نہ چھوڑنا چاہیے۔ چوکی کے پاس جا کر کمان پر چلّہ چڑھایا اور اس کے گوشے کو تابناگوش کھینچ کر کمان کو تو چوکی پر رکھ دیا اور توڑا اٹھا کر اپنے آدمیوں کو دیا۔ محافظوں نے یہ خبر کوہ لخت ہندی کو دی کہ ایک سوداگر نے آپ کی کمان میں چلّہ چڑھایا اور توڑا اشرفیوں کا اپنے آدمیوں کو سونپا۔ قضا کار، ایک عیار بھی یہ تماشا دیکھتا تھا۔ وہ تیر کے مانند پرواز کر کے سرکش ہندی کے پاس پہنچا اور اس ماجرے کی خبر دی۔ سرکش نے حکم دیا کہ اس سوداگر کو مع کمان میرے پاس لے آؤ۔ حکم ہوتے ہی لوگ چلّاتے ہوئے دوڑے کہ سوداگر کو مع کمان حاکم نے اس شہر کے یاد کیا ہے۔ بہرام مردانہ وار سرکش کے پاس گیا اور اس کے آدمی بھی کمان لے کر پہنچے۔ سرکش نے بہرام سے پوچھا کہ اس کمان کو کس نے کھینچا ہے؟ بہرام بولا کہ اسی اضعف العباد نے کھینچا ہے۔ سرکش نے کہا کہ

ایک مرتبہ میرے روبرو بھی کھینچیے۔ بہرام نے قبضۂ کمان کو اپنے قبضے میں لے کر اس زور سے تکان دی کہ کمان ٹوٹ گئی۔ سرکش نے ازراہِ قدردانی بیٹھنے کا حکم دیا۔ بہرام کرسیِ فولادی زرکوفتہ پر، کہ سرکش کے پہلو میں بچھی ہوئی تھی، غاشیہ اٹھا کر بیٹھ گیا۔ بہرام کا بیٹھنا تھا کہ کوہ لخت ہندی مثل شیرِ غراں پہنچا۔ کمان کو ٹوٹا اور بہرام کو اپنی کرسی پر بیٹھ دیکھ کر آپے میں نہ رہا۔ خنجر کھینچ کر یہ کہتا ہوا دوڑا کہ ایک تو تو نے میری کمان توڑی، دوسرے میری کرسی پر بیٹھا ہے۔ بہرام نے کوہ لخت کا ہاتھ مروڑ کے خنجر چھین لیا اور کمر میں ہاتھ ڈال کے چاروں شانے چت زمین پر دے مارا اور کہا کہ اب کہہ، کیا ارادہ ہے؟ سرکش نے بہرام سے عذر کیا اور کوہ لخت کا قصور معاف کروایا اور کہا کہ تم کو اپنے دین و ملت کی قسم ہے، سچ کہو کہ تم کون ہو اور کیا نام ہے؟ بہرام نے بے کم و کیف اپنی کیفیت بیان کی۔ سرکش نے امیر کا نام سنتے ہی ایک آہ سرد بھری اور کہا کہ مجھ کو حمزہ کی قدم بوسی کی کمال تمنا تھی، لیکن خدا گستہم کا خانہ خراب کرے کہ اس نے ایسے جوان بے نظیر و پہلوان بے عدیل کو مارا۔ بہرام یہ سخن سنتے ہی ایک چیخ مار کر بیہوش ہو گیا۔ جب لخلخہ سنگھانے سے اس کو ہوش آیا، اس نے پوچھا کہ مفصل بیان کیجیے۔ اس کا راوی کون ہے؟ سرکش نے کہا کہ گستہم یہاں آیا تھا۔ اس نے ہر چند میری ملاقات کی تمنا کی لیکن میں نے اپنی بارگاہ میں اس کو باریاب نہ ہونے دیا۔ اس نے یہاں سے حمزہ اور لندھور کے سر کو نوشیرواں کے پاس ایک رفیق کے ہاتھ روانہ کیا اور خود وہ نہیں معلوم کدھر کو گیا۔ مگر مجھ کو اس کے کلام کا اعتبار نہیں ہے کہ وہ یاوہ گو اور شیخی باز بہت ہے، اس لیے میں نے سراندیب کی طرف عیار بھیجے ہیں کہ تحقیق خبر معلوم ہو۔ بہرام نے کہا کہ آپ نے جو نام گستہم کا لیا، مجھ کو یقین ہوا کہ میں اس کی بدذاتی سے خوب واقف ہوں۔ بلاشبہ اس گردن زدنی نے امیر کو دغا سے مارا ہوگا۔ اب میں ایک لحمہ یہاں ٹھہر نہیں سکتا، مدائن کو جاؤں گا، اور اسی چار ہزار سوار سے اگر نوشیرواں کی فوج کو درہم برہم نہ کیا اور نوشیرواں کا گلا خنجر کے نیچے نہ دیا تو مردانِ عالم کو منھ نہ دکھایا۔ جب سرکش نے دیکھا کہ بہرام نہیں ٹھہرتا، فی الفور چھ مہینے کے لائق خوردنی جہازوں پر بار کروادی اور بہرام کو رخصت کیا۔ بہرام روتا پیٹتا جہاز پر سوار ہوا اور جہازوں کے لنگر اٹھوائے۔ چھ مہینے کے عرصے میں جہاز بصرہ پہنچے۔ بہرام، مع چار ہزار ازبک، خشکی کی راہ سے مدائن کو روانہ ہوا اور فوج کو حکم دیا کہ جو گاؤں، قصبہ، شہر، مضافات مدائن سے ملے اس کو لوٹ لو۔ یہ خبر نوشیرواں کو پہنچی کہ بہرام نے امیر کے مرنے کی خبر سن کر بغاوت پر کمر باندھی ہے اور تمام گاؤں، قصبے، شہر جو اثنائے راہ میں ملتے جاتے ہیں، ان کو بے چراغ کرتا، بہ قصدِ بے ادبی مدائن کی طرف چلا آتا ہے۔ نوشیرواں نے فولاد بن گستہم کو دس ہزار سوار سے بھیجا کہ تو جا کر بہرام کی تشفی کر دے کہ امیر زندہ ہیں۔ راوی اس خبر کا محض کاذب و مفتری ہے۔ تجھ کو لازم ہے کہ معتقدانہ حضور میں حاضر ہو۔ فولاد بن گستہم اثنا راہ میں بہرام سے دو چار ہوا اور ہر چند اس کے ذہن نشین کیا کہ صاحبقراں زندہ ہیں، پر

وہ کب مانتا تھا۔ فولاد بن گستہم سے برافروختہ ہوکر بولا کہ اے مفتری زادے، تیرا کلام قابلِ وثوق ہے کہ میں مانوں؟ اگر کچھ نشہ جرأت رکھتا ہے تو میدان میں آ۔ فولاد بن گستہم نے مجبور ہوکر صف آرائی کی اور عند المقابلہ ایک طعن نیزے کی بہرام کی چھاتی پر لگائی۔ بہرام نے ہاتھ بڑھا کر نیزہ اس کا چھین لیا اور وہی نیزہ اس کے سینے میں لگا کر گھوڑے کو جوران سے دبایا، فولاد بن گستہم اپنے گھوڑے کے زین سے جدا ہوکر نٹ کی طرح سے نیزے میں اترتا چلا آیا۔ بہرام نے دیکھا کہ فولاد کا کام تمام ہوا، نیزے کو ہاتھ سے پھینک دیا۔ فوج نے اس کی نرغہ کیا۔ بہرام نے انھی چار ہزار ازبکوں سے فولاد کی فوج کو قتل کیا۔ کل پانچ سو آدمی دس ہزار ساسانیوں میں سے بچ رہے۔ وہ اپنی جان لے کر بھاگے اور نوشیرواں سے جا کر مفصل احوال بیان کیا۔ نوشیرواں کو کمال تردد ہوا۔ اسی فکر میں تھا کہ کیا تدبیر کی جاوے، کہ چوتھے دن بہرام چار ہزار ازبک سمیت قلعے کے نیچے پہنچا۔ ہر چند لوگوں نے کہا کہ امیر خدا کے فضل سے زندہ ہیں، بادشاہ کی خدمت میں جو اس دم تو گستاخی کرتا ہے، امیر سن کر تجھ سے بہت بدظن ہوں گے، مگر اس کو تو یقین نہ تھا، سمجھا کہ نوشیرواں دفع الوقتی کرتا ہے۔ ناچار قلعے کی فصیلوں پر سے ضرب پڑنے لگی۔ بہرام چالاکی کر کے قلعے کے نیچے خاکریز پر پہنچا۔ نوشیرواں کمال دست پاچہ ہوا کہ اب کوئی دم میں بہرام قلعے کا دروازہ توڑ کر شہر کے اندر آوے گا اور تمام خلقت کو زیر و زبر کرے گا۔ ہنوز بہرام نے درِ بندِ قلعہ پر گرز نہ مارا تھا، تولنے ہی پایا تھا، کہ نوشیرواں نے جو مضطربانہ تیرِ دعا سر کیا، ہدفِ اجابت پر پہنچا، یعنی سامنے سے ایک تتق گرد کا اٹھا۔ محصورانِ بے گناہ چلّائے کہ وہ صاحبقراں آئے۔ بہرام نے جو پھر کر دیکھا تو واقع میں جس طرح خورشید گریبانِ ابر سے نکلتا ہے، علمِ اژدہا پیکر دامنِ گرد سے نمودار ہوا۔ بہرام نے بگٹٹ گھوڑے کو جولاں کیا اور امیر کی رکاب کو جا کر بوسہ دیا۔ امیر نے مرکب پر سے کود کے بہرام کو چھاتی سے لگایا اور لندھور سے ملاقات کروا کے کہا کہ میرے ایک قوتِ بازو آپ ہیں اور دوسرا یہ ہے۔ ہنوز سوار نہ ہوئے تھے کہ ناقہ سوار نوشیرواں کا پہنچا۔ زمینِ ادب کو بوسہ دے کر امیر سے عرض کی کہ شہنشاہِ ہفت اقلیم نے بعد دعا کے فرمایا کہ آج اسی جا پر تم خیمہ ڈالو، کل میں پیشوائی کر کے تم کو شہر میں لے آؤں گا۔ صاحبقراں نے اسی جگہ خیمہ استادہ کرنے کا حکم دیا۔ جب بادشاہِ اقلیم چہارم تختِ فلک پر جلوہ افروز ہوا، صاحبقراں مع خسروِ ہندو بہرام گرد خاقانِ چین و دیگر امرائے نامدار سوار ہوئے۔ اس طرف سے نوشیرواں تختِ رواں پر بیٹھ کے صاحبقراں کے استقبال کے لیے مع امرائے ساسانی و کیانی روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں امیر نوشیرواں کا تخت دیکھ کر مرکب پر سے اتر پڑے اور پایۂ تخت کو بوسہ دیا۔ نوشیرواں نے تخت اپنا رکھوا کر امیر کو چھاتی سے لگایا اور سوار ہوکر کلماتِ دل خوش کن کرتے ہوئے شہر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ امیر کا لشکر بدستور تلِ شادکام پر اترے۔ جب بارگاہِ کیخسروی میں نوشیرواں اور صاحبقراں داخل ہوئے، بادشاہ تو تخت پر جلوہ فگن ہوا اور امیر

دنگلِ گستہم پر بیٹھے۔ نوشیرواں نے بہت سا زر و جواہر امیر پر سے نثار کیا اور برخاست کے وقت خلعتِ شاہانہ سے سرفراز فرمایا۔ امیر تو مخلع تل شادکام پر تشریف لے گئے اور جاتے ہی صحبت عیش و نشاط کی گرم کی، بختک بدبخت نے نوشیرواں سے عرض کی کہ جب حمزہ اکیلا تھا تب تو ایک ایک کے اوسان اس سے خطا ہوتے تھے، اور اب تو لندھور و بہرام اس کے رفیق ہیں، اس سے کون آنکھ ملا سکتا ہے۔ مجھ کو خوف ہے کہ کہیں تخت نہ چھین لے۔ بادشاہ بختک کے اس کلام سے سہم گیا اور خوفزدہ ہو کر کہنے لگا کہ پھر اس کی کیا تدبیر ہے؟ بختک نے کہا کہ ایک ایک کو باری باری سے دفع کیجیے۔ کل جس وقت حمزہ حضور میں حاضر ہووے، اس سے فرمایئے کہ میں نے تو لندھور کا سر تم سے مانگا تھا، یہ نہیں کہا تھا کہ اس کو زندہ لے آؤ۔ نوشیرواں نے فرمایا کہ تجھی کو میں نے اختیار دیا۔ جس طرح سے مناسب جان، تو ہی حمزہ سے گفتگو کر۔ اس وقت تو بختک خوشی خوشی اپنے گھر کو آیا، جب صبح کو امیر دربار میں آئے، بختک نے بآوازِ بلند امیر سے کہا کہ حضور فرماتے ہیں کہ میں نے لندھور کا سر تم سے مانگا تھا، یہ نہیں کہا تھا کہ لندھور کو میرے سر پر لے آؤ۔ امیر کو یہ کہنا اس کا بدمعلوم ہوا۔ فرمایا کہ غرض اطاعت سے ہے یا ناحق سر کاٹنے سے؟ وہ مع فوج اطاعت میں حاضر ہے۔ بختک نے کہا کہ اطاعت سے کچھ کام نہیں ہے۔ آج اس نے قدموں پر سر رکھا اور کل پھر سرکشی کی تو اس وقت کیا ہوگا؟ امیر نے فرمایا کہ میرے جیتے جی اس کا کیا مقدور ہے کہ بادشاہ سے سرتابی کرے، اور اگر یہی مرضی ہے بادشاہ کی تو ابھی سر اس کا حاضر ہے۔ بختک بولا کہ بادشاہ کو تو اس کا سر ہی درکار ہے، اور یہ میں کیونکر کہوں کہ لندھور اب آپ کے کہنے سے سر دے دیوے گا۔ امیر نے کہا، یہ کیا بات ہے! میں اگر حکم دوں گا تو ابھی لندھور زیرِ تیغ بے دریغ سر جھکا دے گا۔ بختک بولا کہ پھر دیر کیا ہے؟ لندھور کو بلوایئے۔ صاحبقراں نے عمرو کو اشارہ کیا کہ لندھور کو بلا لاؤ۔ عمرو لندھور کے پاس آیا اور کہا کہ چلیے، امیر نے حسب الحکم بادشاہ آپ کا سر کاٹنے کے واسطے بلایا ہے۔ لندھور یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا کہ مجھ کو صاحبقراں کی رضامندی درکار ہے، سر رہے کہ جائے۔ لے، میرے ہاتھ رومال سے باندھ دے۔ عمرو خسرو کی گفتگو سن کر گلے سے لپٹ گیا اور بولا کہ اے خسرو، کس کی طاقت ہے کہ تم کو نگاہِ بد سے دیکھ سکے۔ تمھارے سر کے ساتھ تو اول حمزہ کا سر ہے، بعد اس کے یہ جتنے پہلوان ہیں ان کا سر ہے۔ آپ شوق سے سلاح بدن پر لگا کر فیل میمونہ پر سوار ہو کر چلیے۔ خسرو سلاح لگا کر، گرز کو کاندھے پر رکھ کر، فیل میمونہ پر سوار ہو کے جلوخانۂ شاہی میں اتر پڑا۔ عمرو نے بارگاہ میں جا کر امیر کو خبر دی کہ لندھور گردن زدنی حاضر ہے۔ یہاں لندھور گرز کو ہوا پر پھینکنے لگا اور ہاتھوں پر روکنے۔ چار طرف سے غل ہوا کہ اگر ابھی گرز ہاتھ سے چھوٹتا ہے تو دس بیس بے گناہ مارے جاتے ہیں۔ بادشاہ نے غل سن کر کہا، خیر تو ہے، یہ شور کیسا ہے؟ لوگوں نے احوال عرض کیا۔ امیر نے فرمایا کہ لندھور کو بلا لو۔ عمرو جا کر بلا لایا۔ لندھور نے امیر سے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ کیا حکم ہوتا ہے؟

امیر نے فرمایا کہ بادشاہ تمھارا سر چاہتے ہیں۔ لندھور نے کہا کہ میں آپ کا فرمانبردار ہوں۔ جو آپ کی مرضی ہو، میں حاضر ہوں۔ امیر نے فرمایا کہ اچھا تم جلوخانے کے صحن میں سر جھکا کر بیٹھو۔ جس کو حکم ہوگا وہ تمھارا سر کاٹنے کو آوے گا۔ لندھور آداب بجالا کر جلوخانے کے صحن میں گرز سے تکیہ لگا کر بیٹھا۔ امیر نے عادی کو حکم دیا کہ لندھور کا سر کاٹ لا۔ عادی نے لندھور سے کہا۔ لندھور نے سر جھکا کر کہا کہ شکر ہے خدا کا، میرا سر امیر کے حکم سے کاٹا جاتا ہے۔ عادی لندھور کی اطاعت پر غش کر گیا اور یہ کہہ کر لندھور کے پہلو میں جا بیٹھا کہ جو کوئی پہلے میرا سر کاٹ لے گا، وہ لندھور کی طرف چشمِ بد سے دیکھے گا۔ امیر نے اس ماجرے کو سن کر بہرام کو حکم دیا کہ تم جا کر لندھور کا سر کاٹ لاؤ۔ بہرام لندھور کے دوسرے پہلو میں جا بیٹھا کہ ہمارا سر بھی لندھور کے سر کے ساتھ ہے۔ اگر امیر اپنے ہاتھ سے کاٹیں تو کاٹ لیویں۔ صاحبقراں نے بہرام کی تقریر سن کر سلطان بخت مغربی کو بھیجا۔ وہ بھی لندھور کے پاس آن کر بیٹھ رہا اور کہنے لگا کہ امیر نے اچھی خونریزی پر کمر باندھی ہے۔ اگر یہی مرضی ہے تو ہمارا بھی سر حاضر ہے۔ جب یہ تقریر ان لوگوں کی بادشاہ کے گوش خورد ہوئی، بختک بولا کہ جلادِ سلطانی کو کیوں نہیں حکم ہوتا کہ وہ جس جس کے سر کو فرمائے، کاٹ لاوے۔ امیر نے فرمایا کہ تم کو اختیار ہے، جس کو چاہو اس کو بھیجو۔ بختک نے اسی وقت ایک جلاد کو اشارہ کیا۔ وہ لندھور کے سر پر آ کے پکارا کہ کس کا آفتابِ حیات زردی میں آیا ہے؟ عمرو نے دیکھا کہ جلاد شیر کی کھال کی قبا پہنے، دوشال لہو سے بھرا ہوا کمر میں کھونسے، ایک تیغۂ برّدوانی کھینچے، لندھور کی طرف چلا۔ عمرو بھی اس جلاد کی پشت پر جالگا۔ ناگاہ اہتمام کی آواز ادب سے تفاوت سے بلند ہوئی۔ دیکھیں تو ملکہ مہر انگیز و ملکہ مہر نگار جھپّان میں سوار آتی ہیں۔ مہر انگیز نے چلون سے دیکھ کر مہر نگار سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ مہر نگار نے کہا کہ یہی لندھور ہے۔ ملکہ نے خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ دریافت تو کرو، یہ کیا ہنگامہ ہے؟ خواجہ سراؤں نے دریافت کر کے حقیقتِ حال عرض کی۔ ملکہ نے کہا، معلوم ہوا کہ بادشاہ کے سر پر خون چڑھا ہے۔ ہاں، لندھور کو ہمارے درِ دولت پر لے آؤ۔ خواجہ سرا جو لندھور کے لانے کو گئے، جلاد مزاحم ہوا۔ ملکہ نے سن کر کہا کہ اس جلاد کے کان ناک کاٹ کر جلوخانے سے نکال دو۔ جلاد تو یہ حکم سن کر سرد ہو گیا۔ لندھور کو ملکہ کے درِ دولت پر لے گئے۔ ملکہ نے لندھور کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ لندھور تو مع بہرام و عادی و سلطان بخت شاد شاد تل شاد کام پر گیا اور یہ خبر خبرداروں نے بادشاہ کو پہنچائی کہ ملکہ مہر انگیز نے لندھور کو بلا کر خلعت دیا اور رخصت کیا۔ نوشیرواں نے کہا کہ ملکہ نے یہ حرکت بے سمجھے بوجھے نہیں کی ہوگی۔ خیر، معلوم ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر دیوان برخاست کیا اور محل میں گیا۔

آوائی اڑانا سقر غار بانو مادرِ بختک کا ملکہ مہر نگار کے مرنے کی اور پریشان و بے قرار ہونا امیر کا اس خبر کے سننے سے اور مرنا سقر غار بانو کا عمرو کے ہاتھ سے

محققانِ حقیقتِ حال کی تحقیق میں یہ کیفیت اس طرح سے آئی ہے کہ جب بادشاہ شبستانِ حرم میں داخل ہوئے، ملکہ مہر انگیز سے پوچھا کہ تم نے کیا سوچ کر لندھور کی جاں بخشی کی؟ ملکہ بولی کہ اول تو لندھور بے قصور ہے، دوم لندھور بھی ایک اقلیم کا بادشاہ ہے، بادشاہ بادشاہوں کو اس طرح سے نہیں مارا کرتے۔ تیسرے ہرگاہ یہ خبر ملک بہ ملک مشہور ہوگی، تمھارا اعتبار جاتا رہے گا، ایک خلقت مطعون کرے گی۔ چوتھے یہ کہ لندھور جب اس طرح سے مارا جائے گا، حمزہ خونِ لندھور کے عوض میں تمام ملک کے چراغ بجھا دے گا۔ آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ لندھور فقط حمزہ کے حکم سے سر دینے کو موجود ہوا، نہیں تو لندھور کا سر آپ کی تمام شاہی کے پہلوانوں میں سے کوئی بھی کاٹ سکتا ہے؟ اس واسطے میں نے لندھور کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ بادشاہ نے ملکہ کی عقل پر آفرین و تحسین کی لیکن افسردہ خاطر ہو کر بولے کہ حیف ہے، حمزہ کے دفع کرنے کی کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی۔ سقر غار بانو، بختک کی ماں، اس وقت حاضر تھی۔ ہاتھ باندھ کر بولی کہ اگر مجھ کو حکم ہووے تو میں بہ تدبیرِ شائستہ حمزہ کو مار ڈالوں۔ نوشیرواں نے کہا کہ کیونکر؟ اس نے کہا کہ کل حضور سرِ دربار حمزہ سے فرمادیں کہ ایک ہفتے کے بعد تمھارا عقد مہر نگار سے کیا جائے گا، تم شادی کی تیاری کرو، اور لونڈی مہر نگار کو مائیوں کے بہانے سے تہہ خانے میں چھپا کر بٹھلاتی ہے۔ دو روز کے بعد مہر نگار کی بیماری مشہور کرکے اس کے چوتھے دن آوائی اڑادوں گی کہ مہر نگار کے بیری بدخواہ مر گئے۔ حمزہ جس وقت یہ خبرِ بد سنے گا، آپ اپنے کو مار مرے گا۔ بادشاہ کو

یہ منصوبہ سقرغار بانو کا پسند آیا۔ دوسرے دن سرِ دربار حمزہ سے شادی کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ امیر شادشاد شادی کی تیاری میں مصروف ہوئے اور محل میں سقرغار بانو نے مہرنگار کو مبارکباد دے کر تہہ خانے میں مائیوں بٹھلایا اور کہا کہ بنّو، اس تہہ خانے سے ایک ہفتے تک باہر نہ نکلنا کہ دنیا کی رسم اسی طرح ہے۔ مہرنگار خوش خوش تہہ خانے میں جا کر بیٹھی۔ دو دن کے بعد اس محتالہ نے مشہور کیا کہ مہرنگار کے دشمن بیمار ہیں، اور اس کے چار دن کے بعد محل میں ماتم برپا کیا کہ مہرنگار گلگشت فرمائے باغِ جناں ہوئی۔ امیر اس کی بیماری ہی کو سن کر ہزار بیماروں کے ایک بیمار ہو گئے تھے، مرنے کی جو خبر سنی، خنجر پیٹ میں مارنے لگے۔ لندھور و بہرام نے پاؤں پر سر رکھ کے خنجر امیر کے ہاتھ سے لے لیا اور کلمات صبر کے کہنے لگے کہ آج تک کوئی مرتے کے ساتھ نہیں موا ہے۔ قضا سے کیا چارہ ہے۔ امیر نے کہا کہ معشوق کا مرنا اور عاشق کا جینا مذہبِ عشق میں حرام ہے۔ کچھ کرو، میں اپنی جان دوں گا۔ عمرو نے دیکھا کہ امیر اس طرح سے مانتے ہی نہیں ہیں، کہنے لگا کہ بھلا سنو تو، اگر کسی نے آپ کے مارنے کے واسطے یہ فریب کیا ہو تو مہرنگار تو جیتی رہی اور آپ مر گئے۔ تھوڑا صبر کیجیے، مجھ کو خبر لے آنے دیجیے۔ امیر کو یہ بات عمرو کی پسند آئی۔ عمرو تیز روی کر کے ملکہ کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوا سقرغار بانو نے ملکہ مہرانگیز سے کہا کہ اس وقت عمرو کا محل میں بلا لینا عین مناسب ہے۔ وہ رونا پیٹنا دیکھ کر حمزہ سے بیان کرے گا، حمزہ فی الفور اپنے کو مار مرے گا۔ ملکہ نے عمرو کو محل میں بلا لیا۔ عمرو دیکھے تو ایک سرے سے سب کے بدن میں ماتمی لباس ہے، مگر تھوڑی دیر کے بعد سقرغار بانو نے آ کر کچھ ملکہ کے کان میں کہا اور الٹے پاؤں پھر گئی۔ عمرو نے سوچا کہ خالی از علت نہیں ہے۔ یہ اسی مکارہ کا فریب ہے۔ شام تو ہو ہی گئی تھی، تمام محل میں ماتم کے سبب سے اندھیرا پڑا تھا، عمرو آہستہ آہستہ سقرغار بانو کے پیچھے پیچھے چلا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر جھٹ پٹ ایک بڑھیا کی صورت بن گیا۔ جب وہ لکاتہ پائیں باغ میں داخل ہوئی آہٹ پا کر ٹھٹکی۔ بولی کہ کون آتا ہے؟ عمرو نے بآوازِ خفیف کہا کہ میں ہوں۔ جونہی سقرغار بانو نے آگے کو قدم بڑھایا، عمرو نے حلقہ کمند کا اس کے گلے میں ڈال کر پیچھے کو جو جھٹکا دیا، اٹا چت ہو کر زمین پر گری۔ عمرو نے ایسا اس کے گلے کو دبایا کہ روح اس کی سقر کو پہنچی۔ اس کو تو سوکھے ہوئے پتوں کے ڈھیر میں چھپا دیا اور آپ اس کی صورت بن کر روش پر کھڑا ہو رہا۔ مگر حیران تھا کہ کدھر جاؤں۔ اتنے میں ایک کمسن کنیز چمن کی طرف آ کر بولی کہ سقرغار بانو، ملکہ صاحبہ تمھیں یاد کرتی ہیں۔ عمرو اس چھوکری کے ساتھ ساتھ تہہ خانے میں گیا۔ دیکھا تو ملکہ مہرنگار باصد سنگھار باغ باغ مسندِ عروسی پر بیٹھی ہوئی خواصوں سے اختلاط کر رہی ہے اور مسند کے سامنے جام و صراحی رکھی ہے۔ فتنہ بانو جام بھر بھر کے دیتی جاتی ہے اور ملکہ صاحبقراں کا نام لے کر نوش فرماتی ہے۔ مہرنگار نے کہا کہ سقرغار بانو، آج کل تم مجھ پر بڑی مہربان ہو، پہلے اتنی شفقت نہ کرتی تھیں۔ عمرو بولا کہ اس خوف سے مبادا آپ کو گمان بدی کا میری طرف سے ہووے

کہ بختک کی ماں ہوں، اس موے کی طرح سے، دشمنوں دور پار، میں بھی عداوت رکھتی ہوں گی، الگ تھلگ رہتی تھی۔ اب آپ نے مجھے اپنا خیر خواہ سمجھا، دیکھیے کہ شادی کے سامان میں کیسی مصروف ہوں۔ مہر نگار نے کہا کہ جو کچھ تم نے کہا، سب سچ کہا۔ اب کہو، بارات کے آنے میں کتنی دیر ہے؟ عمرو نے سب کو الگ کر کے کہا کہ کیسی بارات؟ تمھارا تو محل میں ماتم پڑا ہوا ہے کہ آپ کے دشمن مر گئے۔ امیر نے یہ خبرِ بد سن کر اپنے کو مار ہی ڈالا ہوتا، لیکن مجھ کو سوجھ گئی۔ میں نے امیر سے کہا کہ آپ ذرا صبر کیجیے، میں جا کر خبر لے آؤں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دشمنوں نے آپ کے مارنے کے واسطے یہ فریب کیا ہو۔ میں نے یہاں آ کر اس قحبہ کو تو مار کر پتوں میں چھپا دیا اور اس کی صورت بن کر آپ تک پہنچا۔ لو اب میں جلدی جا کر امیر کو تمھاری سلامتی کا مژدہ دوں کہ ان کی جان بچے۔ مہر نگار بہت خوش ہوئی اور عمرو کو پانچ بدرے اشرفیوں کے دے کر رخصت کیا۔ مگر عمرو نے چلتے وقت ایک رقعہ امیر کے نام مہر نگار کے دست و قلم سے لکھوالیا کہ امیر کو اعتبار آوے، اور جا کر وہ رقعہ امیر کے ہاتھ میں دیا۔ امیر نے اس کے مطالعے سے زندگی دوبارہ پائی اور دس ہزار اشرفی اسی وقت عمرو کو انعام دی۔ عمرو نے امیر سے کہا کہ اب اگر میرا کہنا مانیے تو میں بہت خوبصورتی سے اس راز کو افشا کروں۔ یقین تو ہے کہ تمام عمر بادشاہ اس حرکتِ ناملائم سے خجل رہے۔ امیر نے فرمایا کہ اس سے کیا بہتر ہے! جو تو کہے گا میں کروں گا۔ عمرو نے کہا کہ آپ مع خسرو اور بہرام و عادی و سلطان بخت وغیرہ، جتنے سردار ہیں، سیاہ پوش ہو کر بارگاہِ کیخسروی میں چلیے اور بادشاہ سے تاکید کیجیے کہ جنازہ اب جلد نکالا جائے تاکہ لوگ طعن نہ کریں کہ شہنشاہِ ہفت اقلیم کی بیٹی مری ہوئی اتنی دیر تک پڑی رہی۔ امیر نے یہ منصوبہ عمرو کا بہت پسند کیا اور مع بہرام و خسرو وغیرہ سیاہ پوش ہو کر بارگاہِ کیخسروی میں گئے۔ دیکھا کہ بادشاہ تمام ساسانیوں اور کیانیوں سمیت سیاہ پوش ہے اور دربار میں واویلا و وامصیبتا کا خروش اور ہر طرف گریہ وزاری کا جوش ہے۔ ایک ساعت کے بعد امیر نے بادشاہ سے عرض کی کہ اب جو ہونا تھا سو تو ہوا، اب زیادہ جنازے کا محل میں رکھنا موجب بدنامی کا ہے۔ حکم دیجیے کہ محل سے جنازہ نکالا جائے۔ بادشاہ نے ملکہ مہر انگیز سے کہلا بھیجا۔ جواب آیا کہ دن بھر تو اور مہر نگار مہمان رہے، رات کو جنازہ نکالا جائے گا۔ الغرض وہ دن رونے پیٹنے میں گذرا۔ جب شام ہوئی، صدہا برہمن ناقوس وزنگولہ بجانے اور اپنے پونے دو سو خداؤں کا نام جپنے لگے۔ محل میں سقر غار بانو کی تلاش ہوئی تو لاش اس کی پتوں میں سے نکلی۔ مہر انگیز نے اسی کی لاش کو صندوق میں رکھ کر محل سے نکالا۔ ہزاروں مشعلیں روشن ہو گئیں۔ عمرو نے دیکھا کہ برہمن ناقوس وزنگولہ بجاتے اور اپنے ہم قوموں کو گلے سے لگاتے اور اپنے پونے دو سو خدا کا وصف سناتے اور قدم قدم پر آتش بازی چھوڑتے جاتے ہیں۔ عمرو نے بھی اپنی صورت بدل، زنگولہ ہاتھ میں لے، لات منات کی توصیف کر کے ہر ایک گبر کے گلے سے ملنا شروع کیا۔ شدہ شدہ بختک کے پاس

پہنچا۔ ایک چھچھوندر جلا کے بختک کے گریبان میں ڈال دی اور زور سے اس کو بغل میں دبایا۔ بختک سمجھا کہ یہ حرکت سوائے عمرو کے اور کون کرے گا۔ بے اختیار آہ جلا آہ جلا کہہ کے بولا کہ عمرو، حمزہ کے واسطے مجھ کو چھوڑ دے، تمام سینہ وشکم میرا جلا جاتا ہے۔ عمرو نے کہا کہ آپ کی ماں مرگئی ہے، اگر سراپا برنگِ سروِ چراغاں جل جایئے تو سعادت مند کہلایئے گا۔ یہ کہہ کر بختکِ سیہ بخت کو چھوڑ دیا اور وہ چھچھوندر شکم وسینہ بختک کا جلا کر گریبان سے نکل گئی۔ بختک سرِراہ ایک غدیرہ دیکھ کر اس میں کود پڑا۔ جتنے لوگ جنازے کے ساتھ تھے، یا تو روتے تھے یا ہنس پڑے اور چند برہمنوں نے وہ آگ بختک کے بدن سے بجھائی، لیکن بختک کو تاب نہ آئی۔ اپنی مردہ ماں کو تو برہمنوں کو سونپا اور آپ وہیں سے روتا پیٹتا اپنے گھر کو پھرا۔ جب سردابے میں بختک کی ماں کو دبا کر پھر سے بادشاہ کو دیوانِ خاص میں مغموم وگریاں بیٹھے دیکھ کر حضار زار زار رونے لگے، عمرو نے جو غور کرکے دیکھا تو بادشاہ کے رومال میں پیاز کا گٹھا ہے۔ جب آنکھ کو لگاتے ہیں اس کی تیزی سے آنسو نکل آتے ہیں۔ متصل جا کر چپکے سے کہا کہ تجھ سا مکار بادشاہ بھی دیکھنے سننے میں نہیں آیا۔ بادشاہ ہنس دیا اور کہا کہ جس نے مکر وفریب کیا تھا، وہ اپنی سزا کو پہنچا۔ ہرچند بادشاہ نے یہ کلمہ تو کہا، مگر اپنے دل میں بہت خجل ہوا۔ امیر نے کہا کہ بختک معلوم نہیں ہوتا۔ عمرو بولا کہ حضور یہ جنازہ اسی کی ماں کا تھا، اس سے وہ اپنے گھر جا کر سوگ میں بیٹھا ہے۔ نوشیرواں نے امیر سے بہت سا عذر کیا اور کہا کہ میں مطلق اس فریب سے آگاہ نہ تھا۔ آپ مجھ پر گمان نہ کیجیے گا۔ یہ مکاری جس کی تھی وہ اپنی سزا کو پہنچی۔ امیر نے کہا، میں بہرصورت تابع فرمان ہوں۔ یہ فرمایئے کہ اب شادی کب ہوگی؟ بادشاہ نے کہا کہ چالیس دن کے بعد۔ امیر تو رخصت ہو کر تلِ شادکام پر تشریف لے گئے مگر عمرو رہ گیا۔ جب بادشاہ نے دربار برخاست کیا، عمرو نے بزرجمہر کو معین کرکے امیر کی طرف سے عرض کی کہ امیر کو چالیس دن کا وقفہ شادی میں منظور نہیں ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ابھی اسباب جہیز کا تیار نہیں ہے۔ عمرو بولا کہ حضور شہنشاہ ہیں، حکم کی دیر ہے، اسباب کے تیار ہونے میں کیا تاخیر ہے۔ بارے بگوبشنو کرکے بزرجمہر نے بادشاہ سے بیس روز کے بعد شادی کرنے کا اقرار لیا۔ عمرو نے کہا کہ پیرومرشد، اس مضمون کا ایک شقہ صاحبقراں کے نام لکھ دیجیے کہ وہ اس کو دیکھ کر مطمئن ہوں۔ بادشاہ نے ایک شقہ بطور اقرار نامہ لکھ دیا۔ عمرو نے آن کر امیر کے ہاتھ میں وہ نوشتہ دیا۔ امیر پڑھ کے عمرو کی دانائی پر اچھل پڑے اور اس کو گلے سے لگالیا اور دس ہزار دینار عمرو کو دیے اور حکم جشن کا دیا۔

بادشاہ کی سنیے کہ محل میں جا کر مہرنگار کو گلے سے لگایا اور بیس روز کا اقرار جو امیر سے شادی کے باب میں کیا تھا، بیان کیا۔ بعد اس کے عمرو کی حرکتیں جو جو اس نے سقرغار بانو کے جنازے کے ساتھ جانے میں کی تھیں، بیان کیں۔ ملکہ مہرانگیز ومہرنگار عمرو کی حرکتیں سن سن کر ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئیں۔ بختک کا حال سنیے۔ اس نے

جو سنا کہ بادشاہ نے حمزہ کو اقرار نامہ لکھ دیا ہے کہ بیس روز کے بعد شادی کر دوں گا اور پانچ دن اس میں گذر بھی گئے، دونوں طرف شادی کا سامان تیار ہو رہا ہے، شعلۂ حسد میں پھک گیا۔ باوجودیکہ اس کے جسم سوختہ کے ہنوز زخم آلے تھے، مگر جلے پھپھولے توڑنے کے واسطے بادشاہ کی خدمت میں گرمِ رفتار ہوا۔ خلوت کر کے کہا، میں نے سنا ہے کہ حضور نے حمزہ کو نوشتہ لکھ دیا ہے کہ بیس روز کے بعد شادی کر دوں گا، اور شادی کی تیاری ہو رہی ہے۔ ہزار حیف کہ حضور کو اپنی بات کا کچھ پاس نہیں ہے۔ تمام ملکوں میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ شہنشاہِ ہفت اقلیم کو حمزہ کی دامادی منظور نہیں ہے، اور جس نے سنا اس نے کہا کہ فی الحقیقت شہنشاہ غیر کفو کو، کہ نادیدہ خدا کی پرستش کرتا ہے، کیونکر اپنی بیٹی دیوے گا، اور حضور شادی کرنے پر مستعد ہوئے۔ یہ تمام خلقت کیا کہے گی؟ ہر کس و ناکس کے آگے حضور لغو ٹھہریں گے۔ نوشیرواں نے کہا کہ پھر میں کیا کروں؟ سخت متردد ہوں۔ کوئی بات بھی تو بن نہیں پڑتی۔ بختک نے کہا کہ حضور مشوش نہ ہوویں، میں نے ایک معقول تدبیر ٹھہرائی ہے۔ نوشیرواں نے پوچھا کہ وہ کیا تدبیر ہے؟ بختک نے کہا کہ کل جس وقت اہالی موالی دربار میں حاضر ہوں گے اور حمزہ بھی بدستور آوے گا، میں دو تین آدمی گوش و بینی بریدہ بھیجوں گا۔ وہ زنجیرِ عدالت ہلاویں گے۔ حضور ان کو بلا کر ان کا حال پوچھیں گے۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم حضور کے ملازمِ قدیم ہیں، ہفت ملک کا خزانہ سال بہ سال تحصیل کر کے حضور میں بھیجتے تھے، اس سال کسی نے ایک پیسہ نہیں دیا۔ کہتے ہیں بادشاہِ ہفت اقلیم خراج دینے کے لائق نہیں ہے کہ اس نے آتش پرست ہو کر حمزہ نامی مسلمان کو اپنی بیٹی دی۔ اب جب بادشاہ کا داماد آئے گا، ہم سے خراج لے لے گا۔ غلاموں نے جو ان سے اصرار کیا، انھوں نے غلاموں کی یہ صورت بنا کر اپنی حد سے نکال دیا۔ جس وقت یہ گفتگو حمزہ سنے گا، جوشِ غیرت میں آ کر بلا شبہ آپ سے رخصت طلب ہوگا۔ نوشیرواں نے اس منصوبے کو پسند کیا۔

اس دن تو بختک سیہ بخت رخصت ہو کر اپنے گھر گیا۔ دوسرے دن جب بادشاہ بارگاہ میں تخت پر جلوہ افروز اور حکما، ندما، علما، فضلائے دینِ نمرود، پہلوان قوی ہیکل حاضر ہوئے اور امیر بھی آ کر دنگل رستم پر بیٹھے، زنجیرِ عدالت کی آواز آئی۔ نوشیرواں نے فریادیوں کو طلب کیا۔ دیکھا کہ چند کس، گوش و بینی بریدہ، دادخواہ ہیں۔ سب اہلِ دربار ان کو دیکھنے لگے کہ کس نے ایسی صورت ان کی بنائی۔ فریادیوں نے جو کچھ کہ بختک نے تعلیم کر دیا تھا، بیان کیا۔ غیظ کے مارے امیر کے روئیں کھڑے ہو گئے اور ابتدا یسا کن فرمایا کہ بربِ کعبہ، جب تک ان سرکشوں سے خراج نہ لے لوں گا، شادی نہ کروں گا۔ عادی کو حکم دیا کہ آج ہفت ملک کی طرف پیش خیمہ روانہ ہووے۔ نوشیرواں نے کہا کہ اے ابوالعلا، اگر یہی مرضی ہے تو پہلے شادی سے فراغت کر لو، پیچھے ان کو جا کر گوشمالی دو۔ امیر نے کہا کہ فدوی نے قسم کھائی ہے، جب تک خراج اس ملک کے سرکشوں سے نہ لے

لوں گا، شادی نہ کروں گا۔ اسباب میں حضور اصرار نہ فرماویں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اگر یہی مرضی ہے تو لندھور یا بہرام کو ملکہ کی حفاظت کے واسطے چھوڑ جاؤ۔ امیر اس بات سے بہت خوش ہوئے اور بہرام سے فرمایا کہ تم حضور میں حاضر رہو۔ بادشاہ نے امیر کو خلعت دیا اور سات خط ساتوں ملک کے بادشاہوں کے نام لکھ کر امیر کو دیے کہ ہر بادشاہ کو بھجوا دیجیے گا، اور قارن دیو بند کو بارہ ہزار سوار ساسانی سے امیر کے ساتھ کیا کہ جو کچھ امیر فرماویں وہ بجا لاوے۔ امیر نے عرض کی کہ قارن کے بدلے اور کسی سردار کو میرے ساتھ کیجیے کیونکہ یہ ساسانیوں میں بزرگ زادہ اور رشتہ دارِ شاہ ہے، اور سوائے اس کے کئی مرتبہ اس سے اور مجھ سے تکرار ہو چکی ہے، مبادا اثنائے راہ میں بھی کچھ تکرار کرے تو اچھا نہ ہوگا۔ قارن نے ایک اطاعت نامہ اس اقرار سے لکھ دیا کہ اگر میں کوئی خطا کروں تو امیر کو میرے مار ڈالنے کا اختیار ہے۔ امیر نے فرمایا کہ دو قصور تک میں معاف کروں گا، مگر تیسرے قصور پر سزا دوں گا۔ امیر تو تلِ شادکام پر تشریف لے گئے، یہاں بادشاہ نے سات خط ساتوں بادشاہوں کے نام لکھ کر قارن کے حوالے کیے۔ مضمون ان خطوں میں یہ تھا کہ حمزہ کو خراج کیا، دخل تک نہ دینا، سر کاٹ کر ہمارے پاس بھیج دینا، اور سات مثقال زہرِ ہلاہل قارن کو دے کر فرمایا کہ جب قابو پانا، حمزہ کو کھلانا، اور خلعت سے مخلع کر کے رخصت فرمایا۔ قارن امیر کے لشکر میں حاضر ہوا۔ امیر نے نقارہ کوچ کا بجوایا۔

عمرو نے امیر سے کہا کہ آپ صفِ جنگ پر عاشق ہیں، مہر نگار کا عشق کہنے سننے کے واسطے ہے۔ بہر حال، آپ کو اختیار ہے، جہاں جی چاہے وہاں جائیں۔ بندہ تو مکہ جاتا ہے۔ وہیں آپ کے واسطے دعا کروں گا۔ اگر کوئی خط اپنے والد کو دینا ہو تو دیجیے۔ امیر نے ایک خط لکھ کر حوالے کیا۔ عمرو مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ فقط۔

الحمد للہ کہ داستانِ اول تمام ہوئی۔ اب دفترِ دوم میں جانا صاحبقراں گیتی ستاں عمِ کبارِ پیغمبر صلعم آخر الزماں، امیر حمزہ بن عبد المطلب کا ہفت ملک کی طرف مع اور واقعات کے لکھا جائے گا، انشاء اللہ المستعان۔

داستانِ امیر حمزہ

دفترِ دوم

راویانِ شیریں سخن وعبارت سنجانِ نمکیں متن، چاشنی بخشِ ذائقۂ کام ودہن، شانقانِ داستانِ کہن کہتے ہیں کہ جب امیر ہفت ملک کی طرف راہی ہوئے، سات منزلیں طے کی تھیں کہ قارن نے ایک دوراہے پر اپنا گھوڑا کھڑا کیا۔ امیر نے پوچھا کہ سبب رکنے کا کیا ہے؟ قارن نے کہا کہ یہاں سے ہفت ملک کو دو راہیں گئی ہیں۔ ایک راہ تو مسافت زیادہ رکھتی ہے، اگر کوچ بہ کوچ چلے جایئے گا تو اقل درجہ ہے کہ مہینے بھر کے عرصے میں پہنچیے گا۔ اور دوسری راہ قریب ہے، ہفتے عشرے سے زیادہ مسافت طے کرنی نہ ہوگی، مگر اس راہ میں تین دن تک پانی نہیں ملتا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ تین دن کے لائق پانی پکھالوں میں بھروالیا جائے، زیادہ مسافرت کرنا کیا ضرور ہے۔ لشکریوں نے تین روز کے موافق پانی اونٹوں پر لادلیا اور اسی راہِ نزدیک سے روانہ ہوئے۔ جب تین روز گذر گئے اور پانی کا ایک قطرہ بھی مشکوں پکھالوں چھاگلوں میں باقی نہ رہا، چوتھے دن لشکر تشنگی سے بیتاب ہوا اور خود امیر کی زبان میں شدتِ تشنگی سے کانٹے پڑ گئے۔ ہر چند گرد ونواح میں تلاش کیا، مگر کوئی دریا، چشمہ، ندی، ڈبرا، غدیرہ نظر نہ آیا۔ امیر نے قارن سے کہا کہ تو نے کہا تھا کہ چوتھے دن پانی ملے گا، وہ پانی کدھر ہے؟ وہ بولا کہ مجھ کو بارہ برس کا عرصہ ہوا کہ میں اس طرف آیا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس عرصے میں چشمے، ندی، دریا ریگ سے بھر گئے۔ مگر آپ کے پینے کے لائق پانی میری چھاگل میں ہے۔ اگر حکم کیجیے تو میں حاضر کروں۔ امیر نے فرمایا کہ بہتر ہے۔ قارن نے پانی میں زہرِ ہلاہل ملا کر امیر کی خدمت میں ایک جام حاضر کیا۔ امیر نے جام کو ہاتھ میں لے کر خیال کیا کہ حیف ہے، میں تو سیراب ہوں اور خسرو سا رفیق میرا پیاسا رہے۔ خسرو کو جام دے کر فرمایا کہ میں عرب کا رہنے والا ہوں، پیاس کی برداشت کرسکتا ہوں، خلاف تمھارے کہ تمھارے ملک میں آب نایاب نہیں ہے، چپے چپے پر پانی ہے، پس تم اپنے لب وکام کو تر کرو۔ خسرو نے اپنے دل میں کہا کہ بعید از رفاقت ہے، میں تو اپنی پیاس بجھاؤں اور امیر پیاسے رہیں۔ پانی کو نہ پیا اور عادی کو عنایت کیا کہ اس کے منھ سے خشکی کے مارے بات نہ نکل سکتی تھی۔ عادی نے کہا کہ اتنا سا پانی پی کر اور آتشِ تشنگی پر روغنِ نفط ڈالنا ہے۔ اس پانی کو نہ پیا، مقبل کو دے کر کہا کہ تمھاری پیاس بجھنے کے لائق یہ پانی

ہے، تم پیو۔ مقبل نے تجویز کیا کہ وفاداری کے خلاف ہے، امیر کے لب تو خشک رہیں اور میرے لب تر ہوں۔ اس جام کو امیر کے ہاتھ میں دے کر عرض کی کہ حضور کی تشنہ کامی فدوی کو گوارا نہیں ہے۔ بے حضور کے سیراب ہوئے میں پانی نہیں پیوں گا۔ ہر چند امیر نے کہا کہ تو پی، مگر اس نے نہ مانا۔

باز رکھنا عمرو کا امیر کو آب سم آمیختہ کے پینے سے بموجب ارشاد حضرت خضر علیہ السلام کے

غواصانِ بحارِ روایات گوہرِ سخن کو بطن صدفِ فکر سے نکال کر اس طرح رشتۂ تقریر میں منسلک کرتے ہیں کہ عمرو مکہ سے مراجعت کیے آتا تھا، اثنائے راہ میں ایک مردِ پیر کو دیکھ کر چاہا کہ اس سے باتیں کرتے چلیے، رستہ بہ سہولت کٹے گا۔ ہر چند قدم بڑھایا لیکن اس مردِ پیر تک نہ پہنچ سکا۔ پھلانگیں چھلانگیں مارنے لگا، پھر بھی پیچھے کا پیچھے رہا۔ آخر یہاں تک دوڑا کہ پیشانی کا پسینہ تلووں کی راہ سے بہنے لگا، تب تو ناچار ہو کے قسمیں دینی شروع کیں کہ حضرت سلامت، آپ کو دین و مذہب کی قسم ہے اگر آگے کو قدم اٹھایئے۔ ان بزرگ کا ٹھہرنا تھا کہ عمرو نے پاس جا کر دیکھا کہ حضرت خضرؑ ہیں۔ قدم بوس ہوا۔ حضرت خضر نے فرمایا کہ اے عمرو، اس وقت امیر پیاسا ہے، قارن نے پانی میں زہر ملا کر امیر کے پینے کو دیا ہے۔ ہنوز وہ جام امیر کے ہاتھ میں ہے، جلد پہنچ کر پانی امیر کے ہاتھ سے لے کر زمین پر پھینک دے، اور یہیں سے پکارتا ہوا جا کہ خبردار، نہ پینا! نہ پینا! حافظِ حقیقی تیری آواز امیر کے کانوں تک پہنچا دے گا۔ عمرو بدحواس ہو کر وہاں سے دوڑا اور ہر قدم پر کہتا چلا کہ خبردار! خبردار! نہ پینا! نہ پینا! امیر چاہتے تھے کہ جام کو منھ سے لگائیں، کہ نہ پینا! نہ پینا! کی آواز کان میں آئی۔ جام کو منھ کے پاس سے ہٹا لیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ کس نے مجھے پانی پینے کو منع کیا۔ جب مانع نظر نہ آیا، امیر نے پھر پانی پینے کا قصد کیا۔ مکرر وہی آواز کانوں میں آئی۔ امیر ہکا بکا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے کہ کوئی پانی پینے کو منع کرتا ہے، لیکن دکھائی نہیں دیتا۔ جب تیسری مرتبہ جام کو منھ سے لگایا اور صدائے نہ پینا! نہ پینا! گوش خورد ہوئی، امیر نے جام کو تو منھ کے پاس سے الگ کیا، پر آئینہ وار حیرت زدہ ہوئے کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ جب پانی پینے کا ارادہ کرتا ہوں، کوئی کہتا ہے کہ نہ پینا! نہ پینا! امیر کا سکتے کا سا حال تھا، نہ تو پانی پی سکتے تھے

اور نہ چھینک سکتے تھے، کہ سامنے سے ایک غبار دکھائی دیا۔ آناً فاناً میں اس غبار سے عمرو نکلا۔ دیکھا کہ گرد کی مانند اڑا ہوا کہتا چلا آتا ہے، نہ پینا! نہ پینا! جب امیر کے پاس پہنچا، اس جام کو امیر کے ہاتھ سے لے کر زمین پر پٹک دیا۔ جہاں تک اس کی چھینٹیں اڑیں وہاں تک زمین پھد پھدا کر شق ہوگئی۔ کہیں امیر کے مونڈھے پر بھی ایک قطرہ پڑا، پوست و استخوان میں سرایت کرتا ہوا پشتِ پا تک پہنچا۔ عمرو نے جھٹ پٹ شاہ مہرہ گھس کر اس آبلے پر لگا دیا۔ قارن نے دیکھا کہ راز افشا ہوا، سر پر پاؤں رکھ کے اپنے لشکر کی طرف بھاگا۔ لشکر کو تو پہلے ہی سے تیار رہنے کا حکم دیا تھا، فی الفور بارہ ہزار سوار سے امیر کے سر پر گرا اور ایک نیزہ لندھور کے سینۂ بے کینہ پر لگا گیا۔ لندھور نے اسی کے نیزے کو چھین کر ایک ڈانڈ جو ماری، لوٹ پوٹ ہو کے زمین پر گر پڑا۔ سوار اس کے جو باقی ماندہ تھے، اسے اٹھا کر جنگل کی طرف بھاگے۔ عمرو لشکر کو اس چشمے پر، کہ خواجہ خضر نے بتایا تھا، لے گیا اور سب کو سیراب کیا۔ امیر و خسرو نے عمرو کو گلے سے لگا کر فرمایا کہ خوب جان بچائی، نہیں تو مر چکے تھے۔ مگر اب راہ پیدا کیا چاہیے کہ اس وادیِ بے آب سے نجات پائیں۔ عمرو لشکر سے باہر نکلا۔ ایک چھوٹا سا قصبہ نظر آیا۔ قصبے میں جو گیا تو لوگ وہاں کے عمرو کو دیکھ کر بے تحاشا بھاگے۔ عمرو نے جست کر کے ایک شخص کو پکڑا اور بہ تسلی پوچھا کہ تم لوگوں کے بھاگنے کا کیا سبب ہے؟ اس نے کہا کہ پرسوں ایک فوج آئی تھی۔ اس نے ہم لوگوں کو گرفتار کر کے روپے بھی لیے اور ہڈیاں بھی نرم کیں۔ اسی دہشت سے تم کو دیکھ کر سب بھاگے ہیں۔ عمرو نے اس کی دلدہی کر کے کہا کہ ہم لوگ ویسے نہیں ہیں، ہمارا سردار بہت رحیم و کریم ہے۔ تم کو اس سے بہت فیض ہوگا۔ تم سب کو سمجھ کر لے آؤ۔ اس شخص نے جا کر سب کی دل جمعی کی اور عمرو کے پاس لے آیا۔ عمرو نے ان لوگوں کو امیر سے بہت کچھ دلوا دیا اور اسی پہلے آدمی سے پوچھا کہ یہ جنگل کہاں تک ہے اور آبِ شیریں کتنی دور پر جا کر ملے گا، اور ہفت ملک کے پہلے شہر اور شہریار کا نام کیا ہے؟ وہ بولا کہ بارہ کوس تک یہ جنگل ہے۔ اس جنگل سے نکل کر ایک ندی آبِ شیریں کی ملے گی اور وہاں سے ایک دن کی راہ پر انطابیہ نامی پہلا شہر ہے اور اس کے حاکم کا نام ہام ہے۔ اور انطابیہ سے ملا ہوا انطاقیہ ہے اور انطاقیہ کا ہم سرحد انطاکیہ ہے۔ سام و مہد زریں کمران شہروں کے حاکم اور منجھلے چھوٹے بھائی ہام کے ہیں، اور ہر شخص دس دس ہزار سوار کی جمعیت رکھتا ہے۔ آپ فرمائیے گا تو میں راہ دکھلانے کو ساتھ چلوں گا۔ امیر نے سب سے زیادہ اس کو روپے دیے اور اپنے ساتھ لیا۔ جب جنگل طے ہوا، ندی کے کنارے پہنچے۔ اس کے پانی کا رنگ سبز دیکھ کر اس شخص سے پوچھا کہ پانی اس کا سبز کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ اس کے پانی کی آبداری کے آگے تو آبِ گوہر بھی پانی بھرتا تھا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے زہر گیاہ اس میں ڈال دی ہے۔ اب یہ پانی پینے کے قابل نہیں رہا۔ عمرو نے امیر سے کہا کہ یہ کام اسی بے آبرو کا ہے۔ جا بجا چشمہ کھود کر لشکر سیراب ہوا اور احتیاطاً پکھالوں، مشکوں اور چھاگلوں

میں بھی پانی بھرلیا۔ دوسرے دن قلعہ اَنطابیہ کے پاس پہنچ کر خیمہ زن ہوئے۔

قارن کا حال سنیے کہ وہ بس کی گانٹھ، جابجا ندیوں اور چشموں میں زہر گیاہ ڈالتا ہوا ہام کے پاس پہنچا اور نوشیرواں کا شقہ دے کر زبانی بھی سمجھایا کہ حمزہ نامی عرب، خدائے نادیدہ پرست، آتا ہے۔ اگر خراج مانگے تو اس کو نہ دینا اور جس طرح سے مناسب جاننا اس کو اور لندھور کو، کہ اس کے ساتھ ہے، بے جان کرنا۔ تین سال کا خراج ان دونوں کے سر کا صلہ ہے۔ یہی سمجھوتی سام و مہد زریں کمر کو بھی جا کر سمجھائی اور وہاں سے آگے کو چلتا ہوا۔ ہام نے دیکھا کہ امیر کا لشکر بہت ہے، میں تنہا دس ہزار سوار سے اس سے بر نہ آؤں گا۔ اپنے دونوں بھائیوں کو لکھا کہ جلد اپنے اپنے لشکر کو لے کر آؤ کہ حمزہ کے ساتھ لشکر کثرت سے ہے، اور اگر میرا قلعہ اس نے لے لیا تو تمھارے قلعوں کا لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ سام و مہد زریں کمر اپنے بھائی کا خط دیکھ کر فی الفور لشکر سمیت قلعے میں داخل ہوئے اور باہمدیگر مشورہ کرنے لگے۔ سام نے کہا کہ حمزہ کے ساتھ لشکر کثرت سے ہے، شبخون مارا چاہیے۔ مہد زریں بولا کہ شبخون مارنا نامردوں کا کام ہے۔ تیس ہزار سوار سے، جو ہم تینوں بھائیوں کے پاس ہے، صف آرائی کیا چاہیے۔ بڑے بھائی نے، کہ جس کا نام ہام تھا، کہا کہ اپنے نزدیک تو یہ دونوں باتیں محض بے سود ہیں۔ سوغات و تحائف لے کر چلیے، حمزہ سے ملاقات کیجیے۔ اگر وہ بہ قدردانی پیش آئے تو اس کی اطاعت کیجیے اور خوشی خوشی خراج دیجیے۔ اور درصورتِ برعکس لڑنے کا اختیار باقی ہے، قلعے میں آ کر جو صلاح قرار پائے، اس کو عمل میں لائیے۔ اور تعجب نہیں ہے کہ حمزہ قدردانی کرے کیونکہ اس کے ساتھ شہریار اور امرایانِ نامدار ہیں اور خود نشۂ جرأت میں سرشار ہے۔ بہادر ہمیشہ بہادروں کے قدردان ہوتے ہیں اور بہادری حمزہ کی ظاہر ہے کہ جب شہنشاہِ ہفت اقلیم سے کچھ نہ ہو سکا تب تو ہم کو لکھا ہے کہ قابو پا کر حمزہ کو مار ڈالنا۔ قابو پانے سے غرض یہ ہے کہ دغا سے مارنا۔ ظاہر ہے کہ دغا سے مارنا کام نامردوں کا ہے۔ سام و مہد زریں کمر کو بھی ہام کی صلاح پسند آئی۔ دوسرے دن تحائف و سوغات لے کر امیر کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ملازمانہ ملازمت کی۔

مسلمان و مطیع ہونا ہام وسام و مہد زریں کمر، حکامِ انطابیہ وانطاقیہ وانطاکیہ کا، منجملہ ہفت ملک کے، امیر کے ہاتھ سے

دانایانِ عرصۂ خرد لکھتے ہیں کہ امیر ان تینوں بادشاہوں سے بہ کمال حسنِ سلوک پیش آئے اور تین دن تک ان کے واسطے مجلس جشن کی ترتیب دی۔ جب دیکھا کہ یہ مرہونِ منت ہوئے، بہ کمال محبت و دلدہی سمجھا کر کہا کہ تعجب ہے، تم سے دانا اور بہادر خدا پرستی نہ کر کے آتش پرستی کریں اور بتوں کو پوجیں۔ وہ تینوں بھائی کلمہ پڑھ کے صدقِ دل سے مسلمان ہوئے۔ امیر نے ہر ایک کو خلعت سے سرفراز کر کے فرمایا کہ اب تم تینوں میرے بھائی ہو۔ اگر خزانہ تمھارا خالی ہو تو میں اپنے پاس سے تمھارے عوض شہنشاہ کو خراج دوں۔ انھوں نے عرض کی کہ آپ کے اقبال سے خزانہ ہمارا اشرفی روپے سے معمور ہے۔ اگر حکم ہو تو پیشگی چند سال کا خراج حاضر کریں۔ امیر نے فرمایا کہ پیشگی دینا کچھ ضروری نہیں ہے، مال واجبی دینا چاہیے۔ ہام وسام و مہد زریں کمر نے ان شقوں کو جو قارن دے گیا تھا، امیر کو دکھلا دیا۔ امیر ان کو پڑھ کے پہلے تو دمغ ہوئے، پھر سمجھے کہ شاید جعلی ہوں، اپنے آئینۂ دل پر غبارِ کدورت کو جمنے نہ دیا۔ پوچھا کہ اب جو ملک ملے گا اس کا اور اس کے حاکم کا کیا نام ہے اور یہاں سے کس قدر مسافت ہے؟ ہام نے عرض کی کہ یہاں سے پندرہ منزل پر علانیہ ملے گا، اس کے حاکم کا نام انیس شاہ ہے۔ امیر نے فرمایا کہ اچھا، خدا حافظ ہے۔ تم اپنے اپنے ملک میں فرمانروائی کرو، میں علانیہ کی طرف جاتا ہوں۔ وہ بولے کہ ہم لوگ آپ کے بندۂ بے دام ہیں۔ آپ کے آزاد کرنے سے بھی آزاد نہ ہوں گے۔ خراج حاضر ہے، خزانچی کو حکم ہو کہ خزانۂ عالی میں داخل کر کے ہم کو داخلہ دے اور غلاموں کو

رکاب میں چلنے کا حکم ہو۔ ہر چند امیر نے سمجھایا مگر تینوں میں سے ایک نے بھی نہ مانا۔ اپنا اپنا نائب قلعوں میں چھوڑ کے امیر کے ہمراہ ہوئے اور خراج امیر کے خزانے میں داخل کر دیا۔

ہرگاہ امیر سے قلعہ علانیہ دو کوس باقی رہا، ایک میدانِ خوش فضا دیکھ کر اتر پڑے۔ انیس شاہ کو خبر ہوئی۔ پہلے تو وہ نامرد بہ عزمِ جنگ لشکر لے کر امیر کے مقابل ہوا۔ جب دیکھا کہ مارا پڑوں گا، مرکب پر سے کود کر امیر کی رکاب کو بوسہ دیا اور ترسِ جان سے مسلمان ہوا۔ امیر اس کو اپنے لشکر میں لے آئے اور انواع لطف و کرم اس کے حال پر کیا۔ وہ شتر کینہ کئی دن تک امیر کے پاس حاضر رہ کر چاپلوسی و تملق کیا کیا۔ ایک دن موقع پا کر عرض کی کہ غلام نے ایک حمام بنایا ہے۔ امیدوار ہوں کہ ایک دن اس میں غسل فرمایئے۔ اگرچہ امیر نے پہلو تہی کی لیکن اس کے اصرار سے راضی ہوئے اور تشریف لے گئے۔ اس سوختنی حمامی نژاد نے واقع میں حمام بڑے صناعوں سے بنوایا تھا، کہ جو کوئی دیکھتا، بے حاجت بھی سرگرمِ غسل ہوتا، اور تکلف یہ کیا تھا کہ لوہے کے ستونوں پر چھت کو قائم کیا تھا اور چرخیاں نصب کر کے ان میں زنجیریں ڈالی تھیں، کہ جب چار آدمی چاروں زنجیروں کو چھوڑ دیں، چھت نہانے والوں پر گر پڑے۔ چنانچہ اس دن اس نے چار حبشی قوی ہیکل چاروں زنجیروں پر تعینات کر کے ان سے کہا تھا کہ جب میں طاس دے ماروں اور اس کی آواز تمھارے کان میں پڑے، تم ان زنجیروں کو چھوڑ دینا۔ امیر تو لندھور و مقبل وغیرہ کو ساتھ لے کر مصروف بہ غسل ہوئے، لیکن عمرو اور عادی باوجود امیر کے کہنے کے بھی حمام میں نہ گئے۔ ناگاہ عمرو کے دل میں آیا کہ ذرا اس حمام کی بھی سیر کرنی چاہیے۔ حمام کے پچھواڑے ایک بوڑھے کی صورت بن کر جو گیا، حبشیوں نے ترس کھا کر کہا کہ او بوڑھے، جلد یہاں سے بھاگ۔ ابھی ہم طاس کی آواز سنیں گے تو زنجیروں کو چھوڑ دیں گے۔ ناحق آٹے کے ساتھ تو گھن بھی پسے گا۔ عمرو نے حمام کے دروازے پر آ کے زبانِ عیاری میں تمام کیفیت امیر سے کہی۔ امیر نے باہر سے حجرے کی کنڈی چڑھا کر پوشاک پہنی۔ انیس شاہ نے کہا کہ اس کے پہلو میں ایک خلوت ہے، وہاں کچھ میوۂ تر و خشک حضور کے واسطے چنا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ تم چل کے ہر ایک کے واسطے جدا جدا طبق میں لگاؤ، میں بھی اپنے رفیقوں سمیت آتا ہوں۔ انیس شاہ کا اس خلوت میں جانا تھا کہ عمرو نے بہ قوتِ تمام طاس کو دے مارا اور ان حبشیوں نے طاس کی آواز سن کر زنجیروں کو چھوڑ دیا۔ چھت حمام کی انیس شاہ کے اوپر گری۔ انیس شاہ تو ٹھنڈا ٹھنڈا جہنم کی طرف گرمِ رفتار ہوا، امیر نے عمرو کی عقل پر آفرین کی اور اس کے بیٹے کو کہ از بس خورد سال تھا، بلا کر مع لشکر مسلمان کر کے مہد زریں کمر کے سپرد کیا کہ اس کو تعلیم و پرورش کرنا۔ سردارانِ لشکر سے معلوم ہوا کہ قارن ایک شقہ بادشاہ کا بہ مضمونِ قتلِ حضور و ملک لندھور لایا تھا، انیس شاہ کو دے کر حلب کی طرف گیا ہے۔ امیر نے اسی روز حلب کی طرف پیش خیمہ روانہ کیا۔

اب ذرا حال قارنِ بے قرینہ کا سنیے کہ حلب میں اس بت بہنے نے جا کر حدیث شاہ سے باتیں چکنا کے شقہ بادشاہ کا دیا اور کہا کہ یہ سخن بادشاہ نے زبانی فرمایا ہے کہ جو کوئی حمزہ اور لندھور کو مارے گا اس کے بارِ احسان سے میں کبھی سبکدوش نہ ہوں گا۔ یہ کہہ کر یونان کا عازم ہوا۔ حدیث شاہ نے کہا کہ ابھی تم یونان کی طرف نہ جاؤ۔ دیکھو، میں تمھارے آگے سرمیدان حمزہ کو مارتا ہوں۔ قارن نے کہا کہ یہ کہنے کی بات ہے کہ آپ حمزہ کو سرِ میدان ماریں گے۔ حمزہ ایسی اسامی نہیں ہے کہ تمھارے ہاتھ سے سرِمیدان مارا جائے گا۔ حدیث شاہ بولا کہ اگر یہ صلاح نہیں ہے تو ایک کنواں میں نے کھدوا کر اس میں ہر قسم کے سلاح گاڑے ہیں۔ میں حمزہ سے چوگان بازی کر کے کنویں میں اس کو گرا کر ماروں گا۔ قارن نے کہا کہ یہ بات البتہ کام کی ہے۔ جب لشکر امیر کا حلب کے قریب پہنچا، حدیث شاہ تحائف و سوغات و خزانہ سہ سالہ لے کر امیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ظاہر میں مسلمان ہوا۔ امیر نے اس کے واسطے جشن ترتیب دیا اور بہت سی اس کی عزت و حرمت کی۔ سب سے بہتر خلعت عنایت کیا۔ چار پانچ دن تک بہ تملق و چاپلوسی امیر سے پیش آیا۔ ایک دن امیر سے کہا کہ غلام چاہتا ہے، علمِ چوگان بازی حضور سے سیکھے۔ امیر نے فرمایا کہ بسر و چشم۔ صبح کو حدیث شاہ نے اپنے قلعے میں آ کر آدمیوں پر تاکیدِ بلیغ کی کہ چاہ کے منہ پر اس طرح سے گیاہِ تر جماؤ کہ مطلق گمان چاہ و خندق کا نہ ہو، اور جس وقت حمزہ کنویں میں گرے، تم سب لوگ لشکرِ اسلام پر گرو۔ لوٹ لشکرِ اسلام کی مطلق میں نے تم کو معاف کی۔ جب چوگان باز فلک گوے ماہ کو لے گیا، اُدھر سے حدیث شاہ اور ادھر سے امیر میدان میں گئے۔ حدیث شاہ نے امیر کی رکاب کو بوسہ دے کر کہا کہ ہمیں گوے است وہمیں میدان۔ امیر نے فرمایا کہ اپنا معمول کسی امر میں پیش دستی کا نہیں ہے۔ اوّل تم چوگان گوے پر لگاؤ، پھر میں بھی چوگان کو ہاتھ میں لوں گا۔ اس نے آداب بجا لا کر گھوڑے کو مہمیز کیا۔ جب ایک پر تاب تیر نکل گیا، امیر نے بھی چوگان لے کر اپنے مرکب کی باگ لی۔ حدیث شاہ تو پیچھے رہ گیا اور امیر آگے کو جدھر کنواں تھا، بڑھ گئے۔ سیاہ قیطاس چاہ کے متصل جا کے جھجکا۔ امیر نے تازیانہ اس کی پشت پر مارا۔ ہر چند مرکب نے لمبی بھری، مگر پچھلے پاؤں کنویں میں جا رہے۔ امیر پشت زین سے کود کر الگ ہوئے اور گھوڑے کی باگ لے کر آگے کو چھچکارا۔ مرکب چاہ سے باہر نکلا۔ امیر جست کر کے اس کی پشت پر گئے۔ قارن سے امیر کی چار آنکھیں جو ہوئیں، قارن کوہستان کی طرف بھاگا۔ امیر نے بھی اس کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ حدیث شاہ نے جانا کہ امیر کنویں میں غریقِ آبِ فنا ہوئے۔ اپنے بیس ہزار سوار سے لشکرِ اسلام پر جا گرا۔ بہت سے مسلمان اس کافر کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ آخر لندھور کے ہاتھ سے مارا گیا اور لشکر اس کا بھاگا۔ لندھور نے دیکھا کہ امیر کہیں نظر نہیں آتے، گھبرا کر عمرو سے کہا کہ امیر کو ڈھونڈا چاہیے۔ عمرو سیاہ قیطاس کے سموں کے نشان پر چلا۔ قارن نے ایک فالیز پر پہنچ کے

فالیزبان سے ایک سردہ لے کر زہر اس میں مخلوط کیا اور فالیزبان سے کہا کہ میرے پیچھے ایک سوار آتا ہے، یہ سردہ اس کو نذر دینا، اگر اس نے کھایا تو میں تجھ کو سو اشرفی انعام دوں گا، اور خود وہ روباہ منش درۂ کوہ کی طرف روانہ ہوا۔ پیچھے سے امیر جو پہنچے، فالیزبان نے وہ سردہ نذر گذرارا۔ امیر نے سردے کو لے کر پوچھا کہ ابھی میرے آگے آگے ایک سوار اس طرف کو آیا ہے، وہ کدھر گیا؟ اس نے عرض کی کہ سامنے کوہ کے درے میں گیا ہے اور اس طرف راہ نکلنے کی نہیں ہے کہ وہ کسی سمت جائے گا۔ امیر نے چاہا کہ اس سردے کو نوش فرمائیں، کہ فالیزبان نے ہاتھ باندھ کر کہا، اے جوان، ہر چند سو اشرفی کا مجھ کو سود ہے لیکن تیرا ضرر گوارا نہیں ہے کہ تجھ سا جوان ہلاک ہو۔ اس سردے میں اسی پہلے جوان نے کچھ ملا کر مجھ کو دیا تھا کہ پیچھے جو جوان آتا ہے اس کو یہ سردہ کھلا دینا، سو اشرفیاں میں تجھ کو انعام دوں گا۔ امیر نے اس سردے کو ہاتھ سے پھینک دیا اور ہزار اشرفی کی قیمت کا جواہر اس کو عنایت کر کے درۂ کوہ کی طرف مرکب کو جولاں کیا۔ ہنوز درۂ کوہ کے اندر نہ گئے تھے کہ ایک شیرِ غرندہ امیر پر جست کر کے آیا۔ امیر نے ایک ہاتھ تیغ برّاں کا جو لگایا، ایک شیر کے دو شیر ہو گئے۔ امیر درۂ کوہ کے اندر گھسے۔ دیکھیں تو ایک چٹان کے نیچے قارن دبکا ہوا ہے۔ چاہتے تھے کہ خنجر ماریں، قارن نے کہا کہ اگر میری جاں بخشی کرو تو تین چیزیں میں تم کو دیتا ہوں۔ امیر نے فرمایا کہ کیا دیتا ہے، دے۔ اس نے ایک خنجر اپنی کمر سے نکال کر امیر کو دیا کہ یہ طہمورث دیو بند کی کمر کا ہے اور ایک بازو بند بازو سے کھول کر دیا کہ جس میں بارہ لعل شب چراغ تھے اور ہر لعل وزن میں تین تین مثقال کا تھا۔ یہ دونوں چیزیں دے کر بولا کہ اس کوہ کی ایک کھوہ میں خزانہ ہے، چل وہ بھی بتلا دوں۔ اتنے میں عمرو پہنچا۔ امیر نے قارن کے ہاتھ باندھ کر عمرو کو سونپا کہ دیکھو، کہاں خزانہ بتاتا ہے، اس کو تم لو۔ عمرو نے اور دو حلقے کمند کے اس کی کمر میں دیے اور اس درے سے باہر لے کر نکلا۔ قارن زور کرنے لگا۔ چاہتا تھا کہ بندھن دست و کمر کے ٹوٹ جائیں تو میں اس کے ہاتھ سے نکل جاؤں۔ عمرو نے کہا کہ زور کیوں کرتا ہے؟ خزانہ تو مجھ کو بتلا دے، میں امیر سے کہہ کر تجھے چھڑوا دوں گا۔ قارن بولا کہ خزانے کا نام تو اپنی جان بچانے کے واسطے میں نے لیا تھا، اگر تو مجھ کو چھوڑ دے تو دو لاکھ تمن میں تجھ کو مدائن چل کر دوں گا۔ عمرو نے کہا کہ اے موذی، اب میں کوئی تجھ کو جیتا چھوڑتا ہوں۔ یہ کہہ کر خنجر سے اس کو ہلاک کیا اور امیر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا امیر، خزانہ کہاں تھا، وہ جھوٹا تھا۔ چاہتا تھا کہ طمع زر دے کر جان بچاؤں۔ جب میں نے نہ مانا تو رسّی تڑانے لگا۔ میں نے اس کو کتّے کی موت مارا۔

روانہ ہونا امیر کا یونان کی طرف

راویانِ خوش تقریر بیان کرتے ہیں کہ جب شاہدِ ظفر نے امیر کے آئینۂ دل میں جلوہ دکھلایا، امیر نے قلعۂ حلب میں آ کر ایک ہفتے تک جشن کیا اور پانچوں ملکوں کا خراج اور عریضہ مشتمل برحالِ قارن و دیگر سوانحات لکھ کر مقبل کے ہمراہ نوشیرواں کی خدمت میں بھیجا اور آپ یونان کی طرف روانہ ہوئے۔ چند روز میں یونان کی سرحد پر خیمہ پڑا۔ فریدون شاہ بادشاہِ یونان اخبار نویسوں کے لکھنے سے امیر کے حال سے آگاہ ہو چکا تھا۔ سنتے ہی مع پیشکشِ معقول اپنے بھائیوں کو ساتھ لے کر یونان سے روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں امیر سے ملازمت ہوئی۔ نذر گذران کے بہ خلوصِ دل قدم بوس ہو کر بھائیوں سمیت مشرف بہ اسلام ہوا۔ امیر کمال خوش ہوئے۔ اس کو اور اس کے بھائیوں کو خلعتِ فاخرہ سے سرفراز فرمایا اور جشن ترتیب دیا۔ کئی دن تک اسی جنگل میں منگل رہا۔

فریدون شاہ نے ایک دن موقع پا کر عرض کی کہ یا امیر، تین مہم مجھ کو درپیش ہیں اور ہر ایک کا انجام مجھ سے دشوار ہے۔ اگر حضور ان مشکلوں کو آسان کر دیں تو کمال بندہ پروری کریں۔ فرمایا کہ وہ مہمیں کیا ہیں؟ بیان کرو۔ اس نے عرض کی کہ پہلی مہم تو یہ ہے کہ چند سال سے ایک اژدہا پیدا ہوا ہے کہ اس کے سبب سے منزلوں تک آبادی ویران ہو گئی ہے۔ لاکھوں روپے کے خراج کا نقصان ہوتا ہے۔ دوسری مہم یہ ہے کہ قلعے سے کئی فرسخ پر ایک پہاڑ ہے۔ اس پر ایک زنگی سیاہ رو نے قلعہ اپنے رہنے کو بنایا ہے۔ برسویں دن تاخت کرتا ہے، ہزاروں آدمی اس کے ہاتھوں سے مرتے ہیں۔ تیسری مہم بعدِ انجام ان دونوں مہموں کے عرض کروں گا۔ امیر نے فرمایا، پہلے ہم اژدہے کو مار لیں، تب قلعے میں داخل ہوں گے۔ صبح ہمارے ساتھ چل کر اژدہے کا مسکن بتاؤ۔ خسرو نے امیر سے کہا کہ زنگی روسیاہ پر حضور کیا جائیں گے، مجھ کو حکم ہو کہ اس کو کھڑی سواری جا کر قتل کروں۔ فرمایا کہ کل انشاء اللہ تعالیٰ ہم اژدہے کے مارنے کو جائیں گے، تم اس سیاہ رو کے قلع و قمع کے واسطے جانا۔ جب زنگیِ شب نے رومیِ روز سے شکست پائی، صاحبقراں تو فریدون شاہ کو ساتھ لے کر اژدہے کے

مارنے کو چلے اور خسروِ ہند آصف نامی برادرِ فریدون شاہ کو اپنے ہمراہ لے کر زنگی پر چلا۔ جب تین فرسخ اژدہے کا مسکن باقی رہا، فریدون شاہ گھوڑے پر سے اتر پڑا اور التماس کیا کہ ملاحظہ ہو، سوائے ٹھونٹھ سوختہ کے کہیں درخت کا نام ونشان نہیں دکھائی دیتا۔ جب وہ پلید خوابِ غفلت سے جاگ کر دم چھوڑتا ہے، یہاں تک شعلہ آگ کا آتا ہے۔ اس وقت وہ سکھ نیندوں میں ہے، نہیں تو انسان تو کیا، چرند و پرند کا اس جگہ پر ٹھہرنا ممکن نہیں ہے۔ امیر بھی پیادہ ہوئے اور عمرو کو ساتھ لے کر اژدہے کی طرف چلے۔ فریدون شاہ بھی ہمراہ ہوا۔ قریب جا کر دیکھا کہ سیاہ سا ایک کوہچہ ہے۔ جب اور نزدیک گئے معلوم ہوا کہ یہی اژدہا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ سوتے کو مارنا جرأت سے بعید ہے، ایک نعرہ کر کے اس کو جگایا۔ امیر کو جو اس نے دیکھا، ایک تاڑ کے برابر اپنا اگلا دھڑ اٹھا کر امیر کے اوپر چلا۔ امیر نے ایک تیر دوشاخہ کمان میں رکھ کر نشانہ جو مارا، دونوں آنکھیں اس کی آشیانۂ طائرِ پیکاں ہوئیں۔ زمین پر سر دھننے لگا۔ امیر نے اس کے پہلو میں جا کر ایک ہاتھ شمشیرِ اژدہا کُش کا ایسا لگایا کہ ایک کوہچے کے دو کوہچے بن گئے۔ فریدون شاہ نے دوڑ کر دست و بازو امیر کا چوم لیا۔ امیر سوار ہو کر قلعے میں داخل ہوئے تھے کہ لندھور زنگی رو سیاہ کا سر لے کر پہنچا اور خزینہ جو قلعے میں سے لایا تھا، امیر کی خدمت میں گذرانا۔ فریدون شاہ نے تودہ تودہ زر و جواہر امیر و لندھور کے اوپر سے نثار کیا اور جشن کی محفل ترتیب دی۔

آخرِ شب کو عین سرور کے وقت فریدون شاہ نے امیر سے عرض کی کہ دو مشکلیں تو حضور کے قدم کی برکت سے آسان ہوئیں۔ تیسری عرض یہ ہے کہ غلام کی بیٹی کو لونڈی گری میں قبول فرمایئے کہ ہم چشموں میں میری عزت ہو۔ صاحبقراں نے فرمایا کہ یہ مہم سخت مشکل ہے، اس کا انجام مجھ سے دشوار ہے۔ میں نے ملکہ مہر نگار سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک تم سے شادی نہ کروں گا، دوسری عورت کو، گو خورشید منظر ہو، آنکھ اٹھا کر نہ دیکھوں گا۔ فریدون شاہ اپنا سا منھ لے کر رہ گیا اور اپنے بھائی آصف سے خلوت میں کہا کہ اگر کاش میں اپنی بیٹی کی شادی کی استدعا امیر سے نہ کرتا تو بہتر ہوتا۔ اب تمام زمانے میں یہ سخن مشتہر ہوگا کہ امیر نے فریدون شاہ کو نالائق جان کر اس کی بیٹی سے شادی نہ کی۔ ایسے جینے سے تو مرنا بہتر ہے۔ یہ کہہ کر چاہتا تھا کہ خنجر اپنے پیٹ میں مارے، آصف نے ہاتھ اس کا پکڑ لیا اور کہا کہ انجام ایسے امروں کا تدبیر سے متعلق ہے۔ یہ میرا ذمہ ہے کہ امیر کے ساتھ ناہید مریم کا عقد ہووے۔ ذرا عمرو کو بلواؤ۔ فریدون شاہ نے عمرو کو بلا کر بہت تعظیم و تکریم سے اپنے پاس بٹھا کر پانچ ہزار اشرفی پیش کی اور کہا کہ خواجہ، یہ عزت تمھارے ہاتھ ہے یا خدا کے۔ کسی طور سے میری بیٹی کا عقد صاحبقراں سے کروا دو۔ دس ہزار اشرفی اور بھی بعدِ عقد نذر کروں گا۔ عمرو نے بہت اس کی تسلی کر کے کہا کہ یہ کتنی بڑی بات ہے! آج ہی عقد ہو جائے گا، یہ میرا ذمہ ہے۔ یہ کہہ کر اشرفیاں لے کے اپنے

مسکن پر آیا۔ خلوت میں ناہید مریم کے حسن و جمال کی تعریف کر کے امیر کو مشتاق کیا۔ امیر نے کہا کہ خواجہ، شادی تو میں دخترِ فریدون شاہ سے ابھی کروں، لیکن ملکہ کو کیا جواب دوں، کہ اس سے میں نے عہد کیا ہے کہ جب تک تم سے شادی نہ کرلوں گا پری بھی اگر روبرو آئے گی تو میں اس کو چڑیل سمجھوں گا۔ عمرو نے کہا کہ اے صاحبقراں، خیر ہے؟ کہیں مرد بھی ایسے امور میں راست گو ہوتے ہیں؟ عورتوں سے اس سے زیادہ قول واقرار کر کے خلاف کرتے ہیں۔ اور پھر وہ شخص کہ صاحبقراں ہو، فقط مہر نگار پر ناڑا بندھ نہیں ہوسکتا۔ آپ نے قول عشاق اور کلامِ تماشبینوں کا نہیں سنا ہے:

سو بار توبہ کیجیے، سو بار توڑیے

آپ شوق سے ناہید مریم کے ساتھ عقد کیجیے اور دادِ عیش کی دیجیے۔ ملکہ مہر نگار جانے اور میں جانوں۔ اگر آپ کو وہ کچھ کہیں تو آپ میرا نام لے دیجیے گا، میں سمجھا لوں گا۔ بارے عمرو کے سمجھانے بجھانے سے امیر نے اس شرط پر قبول کیا کہ عقد تو میں کرتا ہوں، مگر ہم بستر مہر نگار کی شادی کے بعد ہوں گا۔ فریدون شاہ نے اس بات کو بہ رضا و رغبت منظور کیا۔ خلاصہ، اسی دن ناہید مریم کو تیل چڑھایا گیا۔ فریدون شاہ نے سوائے دس ہزار اشرفی کے ایک خلعتِ گرانمایہ بھی باجواہرِ بیش قیمت خواجہ عمرو کو دیا اور کہا کہ خواجہ، میں ہمیشہ تمھاری خدمت گذاری کو حاضر ہوں۔ عمرو تو لالچی بندہ ہے، فریدون شاہ کو اور بھی دلاسا دیا۔ بعدازاں اس قدر امیر سے اس کی خوبصورتی کی تعریف کی کہ امیر نے مشتاق ہوکر دوسرے ہی دن، کہ حنابندی کی شب تھی، بعدِ ادائے رسمِ حنابندی، ناہید مریم کے ساتھ عقد کیا اور دو ہفتے تک اس کے ساتھ جشن میں مشغول رہے۔ سولھویں دن انھیں بارہ لعلوں میں سے جو قارن سے ہاتھ آئے تھے، ایک لعل ناہید مریم کو دے کر محل سے برآمد ہوئے اور فریدون شاہ سے خراج لے کر مع مالِ شنکاوہ زنگی لندھور کے ساتھ نوشیرواں کی خدمت میں بھیجا، اور عمرو کو بھی خسرو کے ہمراہ کیا اور اپنے پیش خیمہ کی روانگی کا حکم مصر کی طرف کو دیا۔

روانہ ہونا امیر کا مصر کی طرف اور مکر کر کے قید کرنا والی مصر کا امیر کو

مخبرانِ شہر و دیار لکھتے ہیں کہ ہر گاہ خسروِ ہندوستان ملک لندھور بن سعدان منازل و مراحل طے کر کے مدائن کے قریب پہنچے، نوشیرواں نے سن کر کئی سردار ساسانی خسرو کے استقبال کو بھیجے اور عندالملازمت بہ انواع عنایت و کرم پیش آیا اور صاحبقراں کو دیر تک پوچھا کیا۔ بعد ایک ساعت کے خسرو نے شرائطِ آداب بجالا کر زرِ خراج اور عرضی صاحبقراں کی گذرانی، اور جو جو حادثات اثنائے راہ میں گذرے تھے، مع دشمناگتِ قارن و انیس شاہ و حدیث شاہ، التماس کر کے عرض کی کہ امیر کہتے ہیں کہ اگر شہنشاہِ ہفت اقلیم مجھے آگ میں ڈال دیں تو میں گلزار سمجھ کر کود پڑوں۔ بادشاہ نے زرِ خراج خزانے میں بھیجا اور خسروِ ہند و عمرو کو خلعتِ گراں بہا سے سرفراز فرما کر حکم دیا کہ ہر روز دربار میں حاضر ہوا کرو۔ خسروِ ہند تو تلِ شادکام پر جا کے مقیم ہوا، مگر عمرو شبستانِ حرم کے دروازے پر گیا۔ ملکہ مہرانگیز نے سن کر فوراً بلالیا اور صاحبقراں کا حال پوچھنے لگی۔ عمرو نے عریضہ امیر کا گذرانا اور جو کچھ اس کے رہتے تک پیش آیا تھا، مو بہ مو بیان کر کے ملکہ مہر نگار کی خدمت میں گیا۔ امیر کا اشتیاق نامہ دے کر جو حادثات کہ اس سفر میں گذرے تھے، بیان کر کے کہا، ملکہ، صاحبقراں کا جو دم گذرتا ہے وہ تمھاری ہی یاد میں گذرتا ہے۔ ملکہ بولی کہ خواجہ، اب تو شبِ ہجراں و روزِ فراق نے ایسا تنگ کیا ہے کہ زندگی اپنی مجھ کو دوبھر ہے۔ یا تو جامع المتفرقین صاحبقراں کا وصال نصیب کرے یا موت دے کہ سسک سسک کے مرنے سے نجات پاؤں المترجمہ:

ہجرِ حمزہ میں جان جاتی ہے
لب پہ سینے سے اکثر آتی ہے

موت آجائے تو میں جی جاؤں
مخلصی قیدِ رنج سے پاؤں

عمرو نے کہا کہ ملکہ، بہت گئی، تھوڑی رہی ہے۔ گھبرانے کا مقام نہیں ہے۔ ایک مصر کا خراج لینا باقی رہ گیا ہے، سویقین ہے کہ اس عرصے میں وہ بھی صاحبقراں وصول کر چکے ہوں گے، بلکہ عجب نہیں ہے کہ مع الخیر اس طرف کو روانہ ہوئے ہوں۔ القصہ، ملکہ کو تسلی دے کر رخصت ہوا اور تلِ شادکام پر آ کے بہرام خاقان گردِ چین اور مقبل وفادار سے ملاقات کی۔ بہرام و مقبل بہت خوش ہوئے اور عمرو و خسرو کے واسطے مجلس ترتیب دی۔ بعدِ فراغت اس صحبت کے عمرو نے خسرو و بہرام و مقبل سے کہا کہ تم لوگ ہر روز نوشیرواں کے دربار میں جایا کرنا مگر اپنے کیل کانٹے سے ہوشیار رہنا، کہ بختک کی بدولت اس بادشاہ کے سلوک و بدسلوکی کا اعتبار نہیں ہے، اور بجائے خود خواجہ بزرجمہر سے ملاقات ضرور رکھنا، اور میں تو مکہ کی طرف جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر قنطورۂ زربفتی و پیتاوۂ سقرلاتی وگوپھن عیاری اپنے بدن پر آراستہ کر کے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

اب دو کلمے صاحبقراں کے حال میں عرض کروں۔ جب صاحبقراں قریب مصر کے پہنچے، رودِ نیل کے کنارے پر بارگاہِ دانیالی استادہ کی گئی۔ تمام دن بادہ خواری میں گذرا، جب شام ہوئی مکانداروں نے جھاڑ بوریں جابجا فرش پر لگائے اور فانوسیں مرصع اس میں مومی جامی کافوری بتیاں چڑھا کر روشن کیں۔ صاحبقراں نے دریا کی طرف کے سراچے جو اٹھوائے تو اور دونا لطف ہوا۔ روشنی اور اہلِ محفل و بارگاہِ دانیالی کا عکس پانی میں جو پڑا تو ایک مجلس دوسری ہوگئی، اور ہوا جو آبِ رودِ نیل سے لپٹتی ہوئی آتی تھی، سوختگانِ فراق کے دل کو ٹھنڈا کرتی تھی۔ صاحبقراں نے شراب و کباب طلب فرمایا اور رقاصانِ پری پیکر نے رقص و سرود سے مجلس کو گرم کیا۔ تمام رات دورِ بادۂ گلگوں و نغمۂ سرود وارغنوں رہا۔ یہ خبر شاہ مصر کو بھی پہنچی کہ حمزہ کا لشکر نیل کے کنارے پر فرودکش ہوا ہے جو نوشیرواں کی طرف سے خراج لینے آیا ہے۔ کاردان نامی اس کا ایک وزیر صاحب تدبیر تھا۔ اس کو خلوت میں بلا کر مشورہ طلب کیا کہ حمزہ اس ارادے سے آیا ہے، صلاحِ دولت کیا ہے؟ وزیر از بسکہ عقیل و فہیم تھا، اس نے کہا کہ حمزہ کے زور و شجاعت کا حال تو اخبار نویسوں کی تحریر سے حضور پر روشن ہے، پس ایسے شخص سے منحرف ہونا اپنی جان کو کاہش میں ڈالنا ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ خود سبقت کر کے ملاقات کیجیے اور پیشکش شاہانہ اس کو دیجیے۔ ظاہر ہے کہ جیسا زور و شجاعت میں وہ اپنا نظیر نہیں رکھتا ہے، ویسا ہی مروت و ہمت میں بھی بے عدیل ہے۔ البتہ آپ کے ساتھ بہ تلطف و مدارا پیش آئے گا۔ شاہِ مصر وزیر کی اس رائے سے کمال سرکہ جبیں ہوا۔ کہنے لگا کہ یہ رائے تیری مطلق ناصواب ہے۔ میں نے جو کچھ اپنے دل میں تجویز کیا ہے، وہی صواب ہے۔ وزیر نے دیکھا کہ یہ اگرچہ بے سامان ہے لیکن مصر کی حکومت کی بدولت اپنے کو فرعونِ باسامان

جانتا ہے۔ میں تو کیا، اگر موسیٰ عمران بھی اسے نصیحت کرے گا تو یہ نصیحت پذیر نہ ہوگا۔ تجھ کو کیا ہے، چپ ہو رہ۔ خواہ مخواہ غریقِ لجۂ مرگ ہوگا۔ یہ سوچ کر چپکا ہو رہا۔

القصہ، صبح ہوتے ہی شاہِ مصر نے سوائے خراج سہ سالہ کے بہت کچھ تحفہ اپنے ہمراہ لے کر امیر سے جا کر ملازمت کی، اور جو کچھ لے گیا تھا پیشکش کر کے کہا کہ حضور شہر میں تشریف لے چلیں کہ خانہ خانۂ صاحب است۔ امیر نے خلعتِ فاخرہ سے اس کو سرفراز کر کے فرمایا کہ فی الحقیقت دوستوں کا گھر دوستوں ہی کا ہوتا ہے۔ بعدازاں فوج کو تو اسی جگہ پر چھوڑا اور آپ چند سردارانِ نامی سے اس کے ساتھ ہوئے۔ جس وقت امیر نے شہر میں قدم رکھا، جنی ہوئی زچہ تک امیر کے دیکھنے کو گھر سے باہر نکل آئی اور امیر کی صورت دیکھ کر وضیع و شریف دعا دینے لگا کہ:

الٰہی در جہاں باشی بہ اقبال
جواں بخت و جواں دولت، جواں سال

خلاصہ، امیر ایوانِ شاہی میں تختِ مرصع پر جلوہ افروز ہوئے اور امرایانِ نامدار جو ہمراہ گئے تھے، اپنے اپنے قرینے سے دنگل و کرسیوں پر بیٹھے۔ عزیزِ مصر نے ساقیانِ ماہ وش کو باجام وصراحی حاضر کیا اور رقاصانِ زہرہ پیکر ونغمہ سرایانِ خورشید منظر کو رقص وسرود کا حکم دیا۔ صدا ہوش باد ونوش باد کی بلند ہوئی۔ عزیزِ مصر، خدمتگاروں کی طرح سے دامن گردانے، انتظام واہتمام میں مصروف تھا۔ ہر چند امیر کہتے تھے کہ تم بیٹھو، اور لوگ انتظام کریں گے، تو ہاتھ باندھ کر عرض کرتا تھا کہ دامادِ شہنشاہِ ہفت اقلیم کی خدمت کرنا میرا فخر ہے۔ امیر اس کی اس گفتگو سے نہایت مسرور ہوئے۔ الآخر جب شام قریب ہوئی، اس ابلیس پُرتلبیس نے شراب خانے میں جا کر اپنے دستِ ناپاک سے داروے بیہوشی خموں میں ڈالی اور ساقیوں کو حکم دیا کہ اب جو شراب صرف ہو، انھی خموں میں سے ہو۔ ساتھیوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ صاحبقراں نے پہلا ہی پیالہ پی کر عزیز سے پوچھا کہ یہ شراب دوسری معلوم ہوتی ہے۔ اس کینہ خواہ نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ فی الحقیقت یہ شراب پہلی نہیں ہے۔ ایک مدت سے اسے گاڑ کر رکھا تھا آج حضور کے واسطے نکلوائی ہے۔ شرابِ اوّل سے زیادہ تند ہے۔ امیر نے تو اپنی عمر بھر میں داروے بیہوشی کا ذائقہ نہ چکھا تھا، اس کے کلام کو سچ جانا۔ جب چار پانچ دور چلے، ہمراہیانِ امیر چکّر کھا کھا کر دنگل وکرسی سے گرنے لگے۔ امیر اپنے رفیقوں کا یہ حال دیکھ کر اٹھے۔ اٹھنا تھا کہ دونوں پاؤں نکل گئے، بیہوش ہوکر زمین پر گرے۔ عزیزِ مصر نے اپنے وزیر سے کہا کہ دیکھا ہمارا منصوبہ۔ کس طرح ایسے زبردست کو زیردست کیا۔ ہاں، جلّاد کو بلاؤ کہ حمزہ کا سر مع رفقا کاٹے۔ کاردان نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ فی الحقیقت حضور نے بڑی آسانی سے حریف کو اپنے قابو میں کیا، لیکن میرے نزدیک چند سبب سے ابھی حمزہ کا قتل کرنا مناسب

نہیں ہے۔ اوّل تو یہ کہ حمزہ کے ایسے ایسے رفیق ہیں کہ حمزہ کو مقتول سن کر خاک تک مصر کی اڑا دیں گے۔ چنانچہ منجملہ ان کے ایک خسرِو ہندوستان لندھور بن سعدان ہے کہ جس کے ساتھ سات لاکھ سوار پیدل ہیں، دوسرا بہرام خاقان گردِ چین ہے کہ جس کے ساتھ کئی لاکھ سوار و پیادہ چینی وختنی ہے، تیسرا مقبل وفادار ہے کہ جس کے پاس چند دستے تیراندازانِ بے خطا کے ہیں، چوتھا خواجہ عمرو عیار وہ بدبلا ہے کہ اکیلا کروڑوں پر بھاری ہے۔ اس لیے میرے نزدیک ایسا مناسب ہے کہ حمزہ کو رفیقوں سمیت پا بہ زنجیر کر کے قید رکھیے اور اطلاع اس کی شہنشاہِ ہفت کشور کو کیجیے۔ اگر اس کو حمزہ کا مار ڈالنا منظور ہوگا تو اوّل لندھور و بہرام و مقبل وغیرہ کو قتل کرے گا، بعد اس کے آپ کو حمزہ کے قتل کے واسطے لکھے گا۔ اُس وقت مضائقہ نہیں، حمزہ کو مار ڈالیے گا۔ عزیز مصر بولا کہ اے کاردان، واقع میں اس امر میں تیری رائے صائب ہے، مجھ کو بہت پسند آئی۔ لیکن ایک خوف ہے کہ جب تک قاصد ہزار فرسخ راہ طے کر کے آوے جاوے گا، مبادا اگر اس عرصے میں عمرو آن پہنچا اور وہ حمزہ کو چھڑا لے گیا تو کی کرائی محنت برباد ہوگی، اور کون سی بدی ہے کہ اس وقت حمزہ میرے ساتھ نہ کرے گا۔ کاردان نے کہا کہ میں دو روز میں خط کا جواب منگوا دے سکتا ہوں، بشرطیکہ بادشاہ جواب لکھنے میں دیر نہ کرے۔ میرے گھر میں ایک جوڑا مدائن کے کبوتر کا ہے۔ آپ خط لکھ دیجیے، میں اس کے گلے میں باندھ کر صبح کو چھوڑ دیتا ہوں، شام کو مدائن میں پہنچے گا۔ عزیز نے کاردان کی رائے پر تحسین و آفرین کی اور اسی دم لوہاروں کو بلا کر صاحبقراں کو مع رفقا قیدِ آہن میں جکڑ کر چاہِ یوسفی میں قید کیا اور سرہنگ مصری کو، کہ عیاروں کا مہتر ہے، بلا کر فرمایا کہ تو اپنے عیاروں سمیت ان قیدیوں کی نگہبانی میں سرگرم رہنا، ایسا نہ ہو کہ عمرو آ کر ان قیدیوں کو چھڑا لے جائے، اور شہر میں منادی کرا دی کہ جو کوئی حمزہ کا نام زبان پر لائے، وہ بے پوچھے مار ڈالا جائے کہ وہ عمرو ہے۔ ساکنانِ شہر نے مارے ڈر کے مسلمانوں کا نام لینا چھوڑ دیا۔ دوسرے دن عزیزِ مصر نے ایک عرضی اطلاعی نوشیرواں کو لکھ کر کبوتر کے گلے میں باندھ دی اور اس کو مدائن کی طرف اڑا دیا۔

نامہ پہنچانا کبوتر کا مدائن میں

عشق بازانِ طائرِ سخن حمامِ قلم کو فلکِ بیاں پر اس طرح پرواز دیتے ہیں کہ کبوتر جو مصر سے چھوٹ کر سناٹا بھرا، شام نہ ہونے پائی تھی کہ مدائن میں نوشیروانِ عادل کے کبوتروں کے ٹھاٹھر پر جا کر دم لیا۔ کبوتر باز نے نیا کبوتر دیکھ کر ٹھاٹھر کے کبوتر کھول دیے اور جال اٹھا کر دانہ مارا، کونڈے کا پانی اچھالا۔ چونکہ تمام دن کا بھوکا پیاسا تھکا ماندا تھا، سب کبوتروں کے پہلے جال میں جا رہا۔ کبوتر باز نے جال کھینچ لیا اور جال میں جا کر بہ اطمینان اس پر موٹھ ماری۔ دیکھے تو اس کی گردن میں ایک خط ہے۔ خط کو لے کر کبوتر کو تو دانہ پانی کھانے کے لیے جال میں چھوڑ دیا اور اس خط کو بختک کے روبرو لے گیا اور کہا کہ اس وقت ایک کبوتر میں نے پکڑا ہے، اس کے گلے میں یہ خط بندھا ہوا تھا، سو حضور میں لے آیا ہوں۔ بختک نے جو اس خط کو کھول کر پڑھا تو باچھیں اس رونی صورت کی کھل گئیں، دل باغ باغ ہو گیا۔ اسی دم بادشاہ کی خدمت میں جا کر خوشی خوشی مبارکباد دے کے گذرانا۔ نوشیرواں بھی اس نامے کو پڑھ کر خوشی کے مارے اپنے پیرہن میں نہ سمایا۔ بختک نے عرض کی کہ اب حضور بہت جلد اس کے جواب میں ایک شقہ بہ مضمونِ اجازتِ قتلِ حمزہ لکھ کر عنایت کریں کہ فدوی کے پاس ایک کبوتر مصر کا ہے، اس کے گلے میں باندھ کر صبح ہی اڑا دیوے۔ نوشیرواں نے فرمایا کہ ایسے صعب امر میں بزرجمہر سے مشورہ لینا ضروری ہے کہ مجھ کو والد کی وصیت ہے۔ وہ گردن زدنی بولا کہ بہتر ہے، مگر بزرجمہر مسلمان ہے، وہ مسلمانوں ہی کی طرفداری کرے گا، اور حمزہ سے زبردست کا بار بار قابو میں آنا دشوار ہے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ اس شوریٰ میں بزرجمہر کے بھی مذہب کا امتحان ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر بزرجمہر کو طلب کیا اور وہ نامہ دکھلایا۔ بزرجمہر نے جو اس مکتوب کو پڑھا، طائرِ ہوش سن سے اڑ گیا کہ بڑا غضب ہوا۔ بارے حواس جمع کر کے کہا کہ خداوند کو مبارک ہو، کہ آپ بھی الگ رہے اور بڑا تردد دفع ہوا۔ لیکن سرِدست حمزہ کے قتل کرنے کو لکھنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ اگر ابھی یہ خبر لندھور و بہرام و مقبل کو پہنچتی ہے تو قبل از پہنچنے کبوتر کے، انسان تو کیا، چرند پرند

تک تو مدائن کا جانبر نہیں ہوتا، اور آخر کو مصر کا حال خدا جانے کہ کیا ہوگا۔ پہلے ان کی تدبیر کر لیجیے، بعد ازاں حمزہ کے قتل کرنے کو لکھیے۔ بختک بولا کہ یہ بھی کچھ بڑی بات نہیں ہے۔ کل جس وقت یہ لوگ دربار میں آئیں، حضور مجلس شراب و کباب کی ترتیب دیں اور داروے بیہوشی شراب میں دے کر ان تینوں کو پُر غشو کر لیں۔ بعد ازاں عزیزِ مصر کو حمزہ کے مار ڈالنے کا حکم نامہ لکھ کر کبوتر کے گلے میں باندھ کے کبوتر کو مصر کی طرف اڑا دیں۔ جب حمزہ کا سر آئے تب لندھور وغیرہ کو بھی شوق سے قتل کریں۔ نوشیرواں کو یہ رائے بہت پسند آئی۔ لیکن چونکہ بختک بزرجمہر کو خدا پرست جانتا ہے، نہ تو آپ اس شب کو اپنے گھر گیا اور نہ بزرجمہر کو بادشاہ سے کہہ کر اس کے گھر جانے دیا۔ جب صبح ہوئی، دربار کا وقت آیا، لندھور و بہرام و مقبل حسبِ دستور دربار میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے بہت مہربانی ان کے حال پر کی اور حسب شورۂ شبینہ مجلسِ نشاط ترتیب دی۔ شرابِ بیہوشی آمیز چلنے لگی۔ ہر چند بزرجمہر نے اربابِ محفل کی آنکھ بچا کر بہرام و مقبل وخسرو کو آنکھ دی، لیکن کوئی نہ سمجھا۔ مقبل دو جام پی کر دردِ سر کا بہانہ کر کے محفل سے اٹھ گیا اور بہ خطِ راست مستقیم بزرجمہر کے گھر میں جا کر بیہوش ہو کر پڑا۔ لندھور و بہرام چار پانچ جام پی کر بیہوش ہوتے گئے۔ بادشاہ نے پاؤں میں بیڑیاں، گلے میں طوق، کمر میں زنجیریں، بغلوں میں خاردار لٹو دے کر دونوں کو زندان میں بھیجا اور عزیزِ مصر کو جواب میں لکھا کہ واقعی تم نے بڑی خیر خواہی کی کہ حمزہ کو قید کیا۔ لازم ہے کہ خط کے دیکھتے ہی سر اس کا کاٹ کر ہمارے پاس بھیج دو۔ یہ مضمون لکھ کر بختک کو دیا کہ سرنامے پر مہر ہماری کر کے، کبوتر کے گلے میں باندھ کر کل صبح ہی اڑا دو۔

یہ حکم دے کر بادشاہ دربار برخاست کر کے شبستانِ حرم میں اور بزرجمہر اپنے مکان پر گئے۔ دیکھا کہ مقبل بیہوش پڑا ہے۔ عرقِ رفعِ بیہوشی دے کر اس کو ہوش میں لائے اور تمام سرگذشت بیان کی۔ مقبل گریبان چاک کر کے ہائے ہائے وائے وائے کرنے لگا۔ بزرجمہر نے کہا کہ ہائے ہائے وائے وائے کرنے کا وقت نہیں ہے، وقت تدبیر کا ہے۔ میرے پاس اسّی فرسخ کے دھاوے کی ایک سانڈنی ہے، اس پر چڑھ دوڑو اور اثنائے راہ میں جہاں قابو ملے، کبوتر کو مار ڈالو، کہ کبوتر کے مار ڈالنے ہی میں خیریت ہے۔ مقبل اسی دم سانڈنی پر سوار ہو کے نکلا۔ بزرجمہر نے ازروے رمل دریافت کیا کہ یہ مہم بے عمرو کے انجام نہ پائے گی۔ اور بھی متردد ہوا کہ عمرو اس وقت کہاں، کہ اتنے میں بزرگ امید خلفِ اکبرِ بزرجمہر باہر سے آیا اور خواجہ کو متردد دیکھ کر پوچھنے لگا کہ حضرت، خیر تو ہے، تردد کیسا ہے؟ خواجہ نے کہا کہ بھلا تم قرعہ پھینک کر بتلاؤ تو کہ مجھ کو تردد کیا ہے؟ اس نے قرعہ پھینک کر کہا کہ آپ کو کسی غائب کا انتظار ہے اور وہ شام تک پہنچے گا۔ بزرجمہر نے خود جو قرعے کی شکلیں ملا کر دیکھا، بشاش ہو کر غلام سے کہا، دیکھو تو، دروازے پر کون کھڑا ہے؟ اس نے آکر عرض کی کہ ایک شخص طویل القامت، ریش سفید، کھڑا ہوا کہہ رہا ہے کہ ذرا خواجہ کو بھیج دو۔ بزرجمہر ننگے پاؤں دوڑے اور عمرو

کو گھر میں لے آئے اور تمام سانحہ بیان کر کے رونے اور کہنے لگے کہ خواجہ عمرو، اگر تم نے اس کبوتر کو اثنائے راہ میں مار لیا تو تو خیر ہے، نہیں تو قلیا تمام ہے۔ عمرو بھی رونے اور کہنے لگا کہ خواجہ، میں ہزار فرسخ ایک دن میں کیونکر طے کروں گا؟ کچھ کبوتر کی طرح بال و پر تو نہیں رکھتا ہوں کہ سناٹے میں اڑا چلا جاؤں گا۔ بزرجمہر نے کہا کہ اے عمرو، میں نے تیرے طالع میں دیکھا ہے کہ تو تمام عمر میں تین دفعہ ایسا دوڑے گا کہ کوئی نہ دوڑا ہے نہ دوڑے گا۔ ایک تو ہزار فرسخ راہ اس کبوتر کے ساتھ ایک دن میں طے کرے گا، دوسرے جب دشمنانِ امیر چوبِ عقابیں پر امیر کو کھینچیں گے تو گیارہ ہزار فرسنگ بارہ دن میں جا کر امرایانِ اسلام کو جمع کرے گا، تیسری بار حمزہ کے کسی فرزند کے واسطے بیابانِ اسکندری میں سات ہزار فرسنگ راہ سات دن میں طے کرے گا۔ عمرو نے کہا کہ خواجہ، یہ تو مجھ کو بڑے رنج کی بات سنائی۔ معلوم ہوا کہ تمام عمر میری دوڑتے ہی میں کٹے گی۔ خواجہ نے کہا کہ بابا، خوش باش، اس محنت کے مزد میں ایسے خزانہ ہائے بے قیاس پائے گا کہ کسی نے خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے۔ ہاں، اب جلد چلنے کی تیاری کر، توقف کرنے کا وقت نہیں ہے۔ مقبل کو بھی میں نے سانڈنی پر سوار کر کے بھیجا ہے، اثنائے راہ میں تجھ کو ملے گا۔ عمرو خواجہ سے رخصت ہو کر تلِ شادکام پر آیا۔ امرایانِ ہندو چین سے کہا کہ بالفعل تمھارا یہاں رہنا اچھا نہیں ہے، مبادا بے سردار سمجھ کر نوشیرواں کچھ تم سے پرخاش کرے۔ تم جا کر بیشۂ فیض میں چھاؤنی کرو اور فضلِ خدا کے منتظر رہو۔ دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

روانہ ہونا عمرو کا کبوتر کے پیچھے مصر کی طرف اور مارنا اس کا شہر کے دروازے کے پاس اور چھڑانا امیر کو

محررانِ افسانۂ کہن اس طرح سخن پرداز ہیں کہ جب صبح کا ڈنکا بجا، عمرو یراقِ عیاری اپنے بدن پر لگا کے کبوتر خانۂ شاہی کے نیچے جا لگا۔ جس وقت بختک نے نامہ کبوتر کے گلے میں باندھ کر کبوتر کو ٹھاٹھر سے نکال کے مصر کی طرف اڑایا، عمرو نے بختک سے آنکھ ملا کر کہا کہ یاد رہے، اگر خدانکردہ حمزہ یا اس کے کسی رفیق کا ایک بال بھی بیکا گیا تو تُو تو کیا ما سوچہ ہے، نوشیرواں تک کے مرغِ روح کے بال و پر توڑے ہوں گے، اور اس وقت تو تیرے کبوتر کا شکار کرنے کو جاتا ہوں اور دیکھ تو آن کر تجھے کیا روزِ بد دکھاتا ہوں۔ قریب تھا کہ مرغِ روحِ بختک قفسِ عنصری سے پرواز کرے، لیکن چونکہ بے حیا سخت جان ہوتے ہیں، لوگوں نے پکڑ کر چھت سے نیچے اتارا، دیر تک غش میں پڑا رہا۔

بابائے دوندگانِ عالم کا حال سنیے کہ یا حی و یا قیوم کہتا ہوا، معلق زناں، کبوتر کے پروں کے سائے کے نیچے بے تحاشا اڑا چلا جاتا تھا۔ جہاں کہیں ندی، ٹیکرا، پشتہ سدِراہ ہوتا تھا تو جست کر کے پار ہو جاتا تھا، اور ہر قدم پر کبوتر سے نگاہ لڑی ہوئی تھی۔ اب تھوڑا حال مقبل وفادار کا بیان کروں۔ مقبل جو سانڈنی پر سوار ہو کے نکلا، ستر کوس تک بگٹٹ چلا گیا۔ ایک نہر کا پانی مصفا، گوہر سے زیادہ تر آبدار دیکھ کر سانڈنی سے اترا۔ روٹی جو کمر میں بندھی ہوئی تھی اسے کھول کر ناشتہ کرنے لگا اور اونٹنی کو جنگل میں چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اتفاقاً اس جنگل میں زہر گیاہ بہت سی لگی ہوئی تھی۔ سانڈنی نے جو وہ گھاس کھائی، فوراً مر گئی۔ مقبل بے حواس ہو کر پیادہ پا چل کھڑا ہوا۔ کئی کوس گیا ہوگا کہ پاؤں سوج گئے، آگے کا قدم پیچھے پڑنے لگا۔ ناچار ہو کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور روتے روتے بیہوش ہو گیا۔ عمرو کبوتر کا پیچھا کیے ہوئے چلا جاتا تھا۔ اثنائے راہ میں سانڈنی موئی

ہوئی دیکھ کر سمجھا کہ یہ وہی سانڈنی ہے کہ جس پر مقبل سوار ہو کے آیا تھا۔ تھوڑی دور آگے جا کے دیکھا تو مقبل ایک درخت کے نیچے بیہوش پڑا ہے۔ فی الفور اس کے منھ میں پانی ٹپکایا۔ مقبل نے آنکھیں کھول دیں اور رونے لگا۔ عمرو نے کہا کہ رونے کا یہ وقت نہیں ہے، جلد میری گردن پر سوار ہو اور کسی طرح سے اس کبوتر کو شکار کر۔ مقبل سوفارِ تیر کو کمان کی زہ میں لگا، لیس ہو، عمرو کی گردن پر سوار ہوا، اور عمرو برنگِ شہابِ ثاقب وہاں سے روانہ ہوا۔ عمرو کی زبانی ہے کہ کبھی ایک پرتاب تیر میں کبوتر سے آگے جاتا تھا اور کبھی کبوتر میرے قریب ہو جاتا تھا۔ ہنوز طائرِ قبلہ نمانے آشیانۂ مغرب میں بسیرا نہ لیا تھا کہ کبوتر دیوارِ قلعۂ مصر کے متصل پہنچا۔ چاہتا تھا کہ فصیل کے پار جاوے کہ مقبل نے شہبازِ تیر کو آشیانۂ کمان سے سر کیا۔ فوراً کبوتر چنگلِ شہبازِ اجل میں گرفتار ہوا۔ تڑپ کر چھوٹا بھی تو گرہ باز کی طرح سے پیچ کھاتا ہوا نیم بسمل آبِ خندق میں گرا۔ عمرو نے اس کو پکڑ کے نامہ کھول کر پڑھا اور امیر کے دکھلانے کے واسطے زنبیل میں احتیاط سے رکھا، اور کبوتر کو ذبح کر کے مقبل کو کباب لگا کے کھانے کو دیا اور مع مقبل رودِ نیل کے کنارے پر لشکرِ اسلام میں داخل ہوا۔ سلطان بخت مغربی عمرو کو دیکھ کر واویلا کرنے لگا۔ عمرو نے اس کے آنسو رومالِ تشفی سے پونچھ کر کہا کہ اگر خدا چاہتا ہے تو بہت جلد امیر کو چھڑا لاتا ہوں۔ چونکہ منزل کا تھکا ماندا تھا، رات بھر بے حس ہو کر پڑا رہا۔ جس وقت صبح کا سپیدہ آشکار ہوا، ایک عرب کی صورت بن کر مصر میں داخل ہوا۔ عصر تک شہر میں پھرا، مگر نام امیر کا کسی سے نہ سنا۔ قریب بہ مغرب دیکھا کہ ایک بہشتی مشک کاندھے پر رکھے، بازار میں کٹورا بجاتا، پیاسوں کو پانی پلاتا پھرتا ہے۔ عمرو نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے کٹورا بھر کر عمرو کے ہاتھ میں دیا۔ عمرو نے کچھ پانی پیا، باقی پانی پھینک کر آگے کو لمبے لمبے ڈگ بڑھائے۔ سقہ عمرو کے پیچھے دوڑا کہ کٹورا لیے جاتا ہے۔ چوک سے نکل کر عمرو کھڑا ہو گیا۔ اس نے کٹورا عمرو کے ہاتھ سے چھین کر چاہا کہ اپنی راہ لے، عمرو دونوں ہاتھ اس کے پکڑ کر ایک گوشے میں لے گیا اور کہا کہ اے بہشتی بہشت سزاوار، صبح سے یہ وقت اس شہر میں پھرتے ہوئے ہوا مگر تجھ سا دریا دل میں نے نہیں پایا۔ تجھ کو قسم ہے حضرت خضر کی، سچ کہہ، عزیزِ مصر نے حمزہ کو کہاں قید کیا ہے؟ اس دوزخی نے عمرو کے ہاتھ پکڑ کر چلانا شروع کیا کہ یارو دوڑو، عمرو کو میں نے پکڑا ہے۔ چہار طرف سے بازاری اپنی اپنی دکان سے دوڑے۔ عمرو اپنے دل میں متعجب ہوا کہ اس مردک نے کیونکر پہچانا کہ میں عمرو ہوں۔ جھٹ پٹ اس کے ہاتھ کو دانتوں سے کاٹ کر اپنے ہاتھوں کو چھڑایا اور جست کر کے ایک بالاخانے پر پہنچا۔ وہاں سے کوٹھوں کوٹھوں چھلانگیں چھلانگیں مار کے نکل گیا۔ یہ خبر سرہنگ مصری کو ہوئی۔ وہ اپنے شاگردوں سمیت چہار طرف ڈھونڈنے لگا۔ جب نہ پایا تو شاگردوں کو ہر طرف چھٹکا دیا کہ جس شخص کو اجنبی پاؤ، پکڑ لاؤ، کہ وہ عمرو ہے۔ القصہ، عمرو کودتا پھاندتا ایک بازار میں پہنچا۔ دیکھا کہ ایک تکیہ ہے، اس پر ایک اندھا فقیر بیٹھا ہوا ہے۔ عمرو نے ایک کھوٹا

پیسہ زنبیل سے نکال کر اس کو دیا۔ وہ دعائیں دینے لگا۔ ہرگاہ عمرو نے متصل جا کر چپکے سے امیر کا حال پوچھا، اس نے جھٹ عمرو کا دامن پکڑ لیا اور چلّا چلّا کے سرہنگ مصری کی دہائی دینے لگا۔ عمرو آئینہ وار اپنے دل میں حیران ہوا کہ اس نابینائے مادرزاد نے مجھ کو کیونکر پہچانا۔ لوگ وہاں بھی ہر طرف سے جمع ہو گئے۔ عمرو اپنے دامن کو کاٹ کر وہاں سے چلتا ہوا۔ اس عرصے میں روند پھرنے لگی۔ عمرو میر عسس کے خوف سے ایک بت خانے میں کنِشتی کی صورت بن کر بیٹھا رہا۔ صبح کو عمرو ایک تاجر کی شکل بنا کر محلاتِ شہر کی سیر کرنے لگا۔ پھرتا ہوا کوتوالی چبوترے کے نیچے سے گذرا۔ چبوترے پر سرہنگ مصری لباسِ عیاری پہنے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھا اپنے عیاروں کی چھلانگوں پھلانگوں کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ عمرو بھی سرِراہ کھڑا ہو کر ان کا تماشا دیکھنے لگا۔ ناگاہ سرہنگ مصری کی نگاہ عمرو سے لڑی۔ پاس آ کر پوچھا کہ آپ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور آپ کا نام کیا ہے؟ عمرو نے کہا کہ سوداگر ہوں، چین سے آتا ہوں، شہر کے دروازے پر اترا ہوں، نام میرا خواجہ طیفوس بن مایوس بن سربوس بن طاق بن طمطراق بازرگان ہے۔ سرہنگ نے کہا کہ میں نے آج کے سوا کبھی ایسا نام نہیں سنا۔ اپنے عیاروں میں سے دو عیاروں کو بلا کر کہا کہ تم خواجہ کے ساتھ جا کر دیکھ آؤ کہ کیا کیا اسباب خواجہ کے کارواں میں ہے۔ عمرو نے کہا کہ نفس الامر میں دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔ میں اپنے شہر میں سنا کرتا تھا کہ مصر بہت جائے بے خطر ہے، مگر معلوم ہوا کہ بڑا پرآشوب شہر ہے کہ حاکم کے آدمی سوداگروں کی تلاشی لیا کرتے ہیں۔ سرہنگ نے کہا کہ حقیقت میں اس شہر میں بہت امن ہے مگر میں اس واسطے آدمی آپ کے فرودگش پر بھیجتا ہوں کہ شب کو چوکیدار آپ کی محافظت کے واسطے بھیجوں۔ عمرو نے کہا کہ یہ ہے تو دم غنیمت ہے۔ عمرو دونوں عیاروں کو ہمراہ لے کر وہاں سے روانہ ہوا۔

عیاری کرنا عمرو کا سرہنگ مصری کے عیاروں سے

مخبرانِ عیار پیشہ حکایت کرتے ہیں کہ عمرو ان دونوں عیاروں کو ساتھ لے کر دو پہر تک ادھر اُدھر محلوں میں پھرا کیا۔ آخر ان عیاروں نے کہا کہ یہ تو بتائیے کہ آپ کس دروازے پر فروکش ہیں؟ عمرو نے کہا کہ نام اس کا دروازۂ یمن ہے، مگر حقیقت میں راہ بھول گیا ہوں۔ وہ بولے کہ آپ نے پہلے ہی کیوں نہ کہا کہ ہم کب کا آپ کو دروازۂ یمن پر پہنچا دیتے۔ بہر حال، چلیے اب پہنچا دیتے ہیں۔ عمرو نے کہا کہ دو پہر دن آیا، کچھ کھایا نہیں، مارے بھوک کے جان نکلی جاتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ خاص بازار نزدیک ہے۔ خاص پزوں کی دکان پر ہمہ نعمت موجود ہے۔ بسم اللہ، پہلے کھانا نوش فرمالیجیے۔ عمرو نے کہا کہ ہم تین آدمیوں کے کھانے میں کیا خرچ ہوگا؟ وہ بولے کہ ایک شاہی بہت ہے۔ عمرو نے کہا کہ ایک شاہی سے کیا ہوگا؟ پانچ شاہی کا کھانا معقول قابل کھانے کے لو۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص تو بڑا ہی عالی ہمت ہے۔ عمرو نے ایک خاص پز کی دکان پر جا کے پانچ شاہی کا کھانا بہت نفیس ان عیاروں کے ہاتھوں منگوایا اور بالا خانے پر بیٹھ کے عیاروں کو ساتھ لے کر کھایا۔ جب سیر ہو چکا، یہ کہہ کر دسترخوان پر سے اٹھا کہ اپنی تو اسی قدر بھوک تھی، مگر تم شوق سے پیٹ بھر کے نوش جان کرو۔ ہاتھ دھو کر ان کے نیم تاج دیکھنے اور کہنے لگا کہ ہمارے پاس ایسے سنگریزے صندوقوں میں بہت پڑے ہیں، بلکہ ان سے وزن و قیمت میں زیادہ تر ہیں۔ ہم چل کے تم کو جھولیاں بھر بھر کے دیں گے۔ وہ دونوں احمق بہت خوش ہوئے کہ آج تو اچھے سخی کے ساتھ استاد نے ہم کو بھیجا ہے۔ عمرو ان کے نیم تاج و کلغی دیکھتا ہوا ٹہلنے لگا۔ آنکھ بچاتے ہی بالا خانے کے نیچے پہنچا اور وہاں سے چل دیا۔ وہ دونوں عیار جب کھانا کھا چکے، کوشک کے نیچے اتر کے خاص پز سے پوچھنے لگے کہ خواجہ طیفوس جنھوں نے کھانا مول لیا ہے، کہاں گئے؟ خاص پز نے کہا کہ میاں خشکہ کھاؤ، دماغ بیہودہ کیوں پکاتے ہو؟ میں اس کو کیا جانوں، تم کو جانتا ہوں جن کے ہاتھ میں کھانا دیا ہے۔ عیار بولے کہ اس کے ہاتھ میں ہمارے نیم تاج و کلغیاں تھیں۔ سچ بتا کہ وہ کدھر گیا

ہے؟ دکاندار نے کہا کہ میں بے پانچ شاہی لیے تم کو یہاں سے آگے قدم بڑھانے نہ دوں گا، اور زیادہ چرب زبانی کرو گے تو اتنے تھپیڑے ماروں گا کہ گال برنگِ شیر مال لال ہو کر گاودیدے کی طرح سے پھول جائیں گے۔ عیار بولے کہ نانبائی ہو کر کیسے ہلکے پھلکے کلام کرتا ہے۔ وہ بولا کہ کباب کھا چکے ہو، اب چاشنی سیخوں کی بھی چکھو گے۔ کھانا کھانے کے وقت کوئلے کی طرح نہ چٹختے تھے، قیمت مانگنے سے مرچیں لگتی ہیں۔ خیر اسی میں ہے کہ چپکے سے دام کھانے کے حوالے کر دو، نہیں تو کوئی دم میں مار مار کے اچار نکل جاوے گا۔ یہ ماما بختیاں نہیں ہیں کہ جب بھوک لگی، بے حیائی کا برقع اوڑھ کر خالہ کے گھر میں جا کر چکھی پکھی کی۔ جب خاص پز نے اس بے نمکی سے گفتگو کی، دونوں عیاروں کے دل سے مثلِ تنورِ گرم شعلے بھبک کر نکلنے لگے اور بایکدیگر پراٹھوں کی پرتوں کی طرح سے لپٹ گئے اور اس کو لقمۂ فحش دینے لگے۔ نان بائی نے چند گرگوں کو لے کر خوب ان کی تکہ بوٹی کی اور ایسے بغدے مارے کہ بدن ان کا قیمہ قیمہ ہوگیا۔ تب تو بر سرِ حساب ہو کر دل کباب جگر بریاں بہ کمال نرمی راہیوں سے کہنے لگے کہ اگر کوئی ہماری خستہ حالی کی خبر سرہنگ مصری تک پہنچادے تو گویا جاں بخشی کرے۔ کسی رحم دل نے جا کر سرہنگ مصری سے کہا کہ تمھارے دو عیاروں اور ایک خاص پز سے دال روٹی بٹ رہی ہے۔ اگر جلدی خبر نہ لوگے تو ان کا بوغرا نکل جاوے گا۔ وہ جو آیا تو حقیقتِ حال دریافت کر کے نانبائی کو پانچ شاہی اپنے پاس سے دے دی اور ان دونوں کو لعنت ملامت کر کے اپنے گروہ سے دودھ کی مکھی کی طرح نکال دیا۔

عمرو کا حال سنیے کہ وہ دن بھی پھر پھرا کر شام کیا اور شب بھڑ بھونجے کی بھاڑ پر صبح کی۔ اس دن فقیر کی صورت بن کر ہر دکان کے آگے شعر پڑھنے اور بھیک مانگنے لگا۔ قضا کار، دو سو عیاروں کی جمعیت سے سرہنگ مصری اس طرف ہو کے نکلا۔ عمرو سے آنکھ ملاتے ہی اس کے دل پر ثابت ہوا کہ یہ فقیر عمرو ہے۔ متصل آ کے ایک اشرفی جیب سے نکال کر عمرو کو دی اور ہاتھ پکڑ لیا۔ عمرو ہمیشہ چرب بہیلہ عیاری کا اپنے ہاتھ میں پہنے رہتا ہے۔ جب سرہنگ مصری نے اپنے عیاروں کو للکارا، عمرو نے ہاتھ اپنا کھینچ لیا۔ بہیلہ تو سرہنگ مصری کے ہاتھ میں رہا اور عمرو کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ عمرو نے فی الفور پینترا بدل کے سرہنگ مصری کے سر کا تاج لے کر ایک دکان کے کوٹھے پر جست کی اور چھتوں ہی چھتوں کودتا پھاندتا نکل گیا۔ سرہنگ مصری با چشمِ گریاں و دلِ بریاں ماتمیوں کی طرح سے ننگے سر کوتوالی میں گیا اور عیاروں سے کہا کہ جو کوئی عمرو کو گرفتار کر لاوے گا بہت کچھ پاوے گا۔ سوائے اس کے، بادشاہ سے کہہ کر اپنی نیابت کا خلعت بھی دلواؤں گا۔ عیار مثلِ بنات النعش تمام شہر میں چھٹک گئے اور کوچہ بہ کوچہ عمرو کو تلاش کرنے لگے، مگر عمرو کب ہاتھ آتا تھا۔ دن بھر تو ایک نہر میں چھپا رہا، شام کو ایک آزاد کی صورت بن کر پھر قطرہ زن ہوا۔ دو گھڑی رات گذری ہوگی کہ ایک کبابی کی دکان

پر پہنچا۔ کبابی نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ عمرو بولا کہ مہمان ہوں۔ وہ مہمان کا نام سنتے ہی اپنی دکان سے اترا اور عمرو کا ہاتھ پکڑ کر دکان کے اوپر لے گیا اور کمال دلدہی و شفقت سے بٹھا کے شراب و کباب کھلانے پلانے لگا۔ ایک لمحے کے بعد عمرو سے پوچھا کہ اے عزیز، تیرا آنا کس سمت سے ہوتا ہے؟ عمرو بولا کہ مدائن کی طرف سے آتا ہوں۔ کبابی نے کہا کہ تو نے کبھی عمرو عیار کو بھی دیکھا ہے؟ عمرو بولا کہ ابھی چلتے چلتے میں کئی دن اس کے گھر میں رہ آیا ہوں۔ کبابی بولا کہ حقیقت میں وہ بھی بڑا نمک حرام ہے۔ اگر میں اس کو پاتا تو قرار واقعی سزا دیتا۔ عمرو بولا کہ اس نے تیرے ساتھ کیا بدی کی ہے؟ کبابی بولا کہ میرے ساتھ تو بدی وہ کیا کر سکتا ہے، لیکن اس پر میرا جی جلتا ہے کہ حمزہ کی بدولت تو اس نے عزت و حرمت و نام آوری پیدا کی اور اس کی خبر نہیں لیتا کہ آج اتنے دنوں سے وہ عزیزِ مصر کی قید میں ہے۔ عمرو نے کہا کہ اگر بالفرض عمرو آتا بھی تو کیا کرتا؟ یہاں جس مسافر کو دیکھتے ہیں، عمرو جان کر پکڑتے ہیں۔ کبابی بولا کہ اے بھائی، خیر ہے، اگر وہ میرے پاس تک پہنچتا تو میں اس کو حمزہ تک پہنچا دیتا۔ یہ سن کر عمرو نے کہا کہ لو، میں عمرو حاضر ہوں، حمزہ کے پاس مجھ کو لے چلو۔ کبابی نے کہا کہ اے عزیز، تجھ کو دو ہی پیالوں میں ایسا نشہ ہو گیا کہ خرافات بکنے لگا۔ بھلا کہاں تو اور کہاں عمرو! اگرچہ میں نے اس کی صورت نہیں دیکھی ہے لیکن اس کے حلیے سے تو واقف ہوں کہ اکثر سنا کیا ہوں۔ یہ کہہ کر دکان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ آگے جوانی میں کسی وقت میں بھی عیاری کیا کرتا تھا۔ چنانچہ دیکھ یراقِ عیاری میرا اب تک وہ دھرا ہوا ہے۔ اب جب سے میں ضعیف ہوا، میں نے اس پیشے کو چھوڑ کر کباب کی دکان کی۔ عمرو بہ صورتِ اصلی بن کر بولا کہ دیکھو تو، میں عمرو ہوں یا نہیں؟ کبابی دیکھ کر عمرو کے گلے سے لپٹ گیا اور بولا کہ حمزہ کو عزیزِ مصر نے چاہِ یوسفی میں قید کیا ہے۔ چل، میں تجھ کو دکھلا دوں۔ یہ کہہ کر کبابی نے بھی یراقِ عیاری اپنے بدن سے لگایا اور عمرو کو ساتھ لے کر، نظربازوں سے اپنے کو چراتا، طلایہ والوں سے چھپتا چھپاتا، چلا۔ تھوڑی دور جا کر دیکھا کہ ایک دکان پر ایک شخص بیٹھا ہے۔ پیر مرد نے للکارا کہ اے شخص تو کون ہے اور کیوں یہاں بیٹھا ہے؟ جب وہ نہ بولا، پیر مرد تلوار کھینچ کر دوڑا۔ اس نے تلوار چھین کر پیر مرد کو اٹھا کے دے مارا۔ عمرو خنجر نکال کے اس پر دوڑا۔ جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ مقبل ہے۔ مقبل کے گلے سے لگ کر پوچھنے لگا کہ تو یہاں کہاں؟ اس نے کہا کہ میں بھی امیر کی تلاش میں آیا ہوں۔ پیر مرد نے جو عمرو کو اس سے بغلگیر ہوتے دیکھا، شکایت کرنے لگا کہ اس نے تو مجھے اٹھا کر مارا، اور تو اس سے بغلگیر ہوتا ہے۔ واہ واہ، یہی چاہیے۔ عمرو نے کہا کہ یہ کوئی غیر نہیں ہے، مقبل وفادار ہے۔ پیر مرد بھی مقبل سے بغلگیر ہوا اور تینوں آدمی مل کر قلعے کی فصیل کے نیچے پہنچے۔ عمرو نے ایک برج پر کمند پھینکی۔ کمند کا سرا منھ پر آ رہا۔ عمرو نے دوبارہ اور کمند کو پھینکا۔ جب نہ اٹکی تب پیر مرد سے کہا کہ تم تو کمند کو پھینکو۔ اس نے بھی تین مرتبہ کمند پھینکی، مگر کمند نہ اٹکی۔ عمرو نے مقبل سے کہا کہ

اب تم کمند کو برج پر پھینکو۔ مقبل نے جو کمند پھینکی، کمند قائم ہوئی۔ تینوں آدمی کمند کے سہارے فصیلِ قلعہ پر پہنچے۔ دیکھیں کیا کہ ایک نقاب پوش کھڑا ہے۔ عمرو جو اس کے قریب گیا، اس نے عمرو کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں عزیزِ مصر کی بیٹی ہوں، میرا نام زہرہ مصری ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے مجھ کو عالمِ رویا میں مسلمان اور مقبل کے ساتھ نامزد کیا ہے، اور تمھارا نشان دے کر فرمایا تھا کہ فلانے برج کی طرف سے مقبل و عمرو آویں گے، تو ان کی اعانت کرنا۔ اس لیے میں شام سے یہاں کھڑی ہوئی تمھارا انتظار کرتی تھی۔ یہ کہہ کر پانچ ہزار روپے کی قیمت کا عنبرچہ گلے سے اتار کر عمرو کو دیا۔ عمرو نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور مقبل کو مبارکباد دی۔ مقبل نے مبارکباد کے صلے میں پانچ ہزار اشرفی دینے کا عمرو سے وعدہ کیا۔ زہرہ مصری ان تینوں آدمیوں کو ساتھ لے کر فصیلِ قلعہ سے نیچے اتری اور چاہِ یوسفی کی طرف، جس میں امیر مع رفقا قید تھے، چلی۔

چھوٹنا امیر کا قیدِ چاہِ یوسفی سے

رہا کنندگانِ اسیرانِ چاہِ بلا بیان کرتے ہیں کہ جب چاروں آدمی چاہِ یوسفی کے قریب پہنچے، سامنے سے سرہنگ مصری پیدا ہوا۔ یہ چاروں شخص اس کی طرف متوجہ ہوئے کہ سرہنگ مصری نے باآوازِ بلند سلام علیک کر کے کہا کہ اے خواجہ عمرو، میں اس وقت بے خبر سوتا تھا کہ خواب میں مجھ کو حضرت ابراہیمؑ نے جنت و دوزخ کو دکھا کر مسلمان کیا اور فرمایا کہ جلد جا کر ان چاروں شخصوں کے ساتھ، کہ حمزہ کو چھڑانے گئے ہیں، شریک ہو۔ میں آنکھ کھلتے ہی یراقِ عیاری بدن سے لگا کر بے تحاشا دوڑا آیا۔ اب تم ایک لمحے کے واسطے ایک گوشے میں اوجھل ہو جاؤ۔ میں انتظام کرلوں تو چاہِ یوسفی پر لے چلوں۔ عمرو خوش ہو کر سرہنگ مصری کے گلے سے لگ کر مع نقاب دار و مقبل و پیر مرد ایک گوشے میں پنہاں ہوگیا۔ سرہنگ مصری نے نگاہبانانِ چاہِ یوسفی کو بیہوش کر کے خواجہ عمرو کو ہمراہیوں سمیت سرِ چاہ لے جا کر نگہبانوں کا سرتن سے جدا کیا اور کنویں کا منھ کھولا۔ عمرو نے کنویں میں کمند پھینک کر سرا اس کا سرہنگ مصری کے ہاتھ میں دیا اور خود بسم اللہ کر کے کنویں کے اندر اترا۔ اسیرانِ چاہِ بلا بیٹھے ہوئے مناجات کر رہے تھے۔ عمرو کی آہٹ پا کر سمجھے کہ عزیزِ مصر نے جلاّد کو قتل کرنے کے واسطے بھیجا ہے۔ عمرو پاس جا کر کہنے لگا کہ اے مسلمانو، تم میں سے عادی کس کا نام ہے؟ عادی نے جانا کہ مجھی کو مارنے کو آیا ہے۔ خوف کے مارے منظر شاہ یمنی کی طرف دیکھ کر بولا کہ وہ بیٹھا ہے۔ جتنے قیدی تھے، عادی کی اس بات پر ہنس پڑے۔ عمرو نے منظر شاہ یمنی سے کہا کہ اے عادی، عزیزِ مصر نے تجھے چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ عادی پہلے سخن سے بہت پشیمان ہوا اور بے اختیار گھبرا کر بولا کہ صاحب، عادی میرا نام ہے، میں نے خوش طبعی کی تھی۔ عمرو بولا کہ سچ ہے، مجھے تیرا ہی نشان دیا تھا۔ کہا ہے کہ ایک شخص عادی نامی، بڑا ہی توندیلا ہے، وہ ہگ ہگ کر کنویں کو بھی خراب کرتا ہے اور دوسرے قیدیوں کو بھی نجاست کی بو سے دمغ کرتا ہے، سو اس کو نکال کر قتل کرو۔ یہ بات سن کر عادی خشک ہوگیا اور پہلے سے بھی زیادہ شرمندہ و منفعل ہوا۔ مگر امیر نے اس گفتگو سے

دریافت کیا کہ مقرر یہ عمرو ہے۔ دو زانو بیٹھ کر نعرہ اللہ اکبر کا جو کیا، جتنی قید تھی مثلِ تارِ عنکبوت چٹ چٹ ٹوٹ گئی، اور دھمکانے کے واسطے زنجیر لے کر عمرو پر دوڑے۔ عمرو نے دیکھا کہ اگر زنجیر لگی تو تیرا کام تمام ہوا۔ جھٹ بول اٹھا کہ او عرب، حق دوستی کا یہی ہے کہ جو تو کرتا ہے؟ دیکھ خبردار، میں عمرو ہوں۔ امیر نے عمرو کو گلے سے لگا لیا اور سب رفیقوں کے بندِ قید دور کیے اور کمند کے سہارے کنویں سے باہر نکلے اور سب رفیقوں کو اوپر نکالا۔ عمرو نے ابتدا سے اس وقت تک جو جو سانحہ گذرا تھا، امیر سے بیان کیا۔ آسمان پر جو نگاہ گئی، دیکھا کہ صبح کا تارا مانندِ اقبالِ امیر چمک رہا ہے۔ امیر اسی طرح سے عزیزِ مصر کے مکان کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہر چند تلاش کیا، اس کو نہ پایا۔ امیر کے رفیق پائیں باغ میں گھس کر زردآلو، توت درختوں سے توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ عادی تو جوع البقر ہے، خدا جانے کہ کتنے من میوہ کھا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد عادی کو جائے ضروریہ کی حاجت ہوئی۔ سنڈاسِ شاہی میں جا کر جائے ضرورت پھرنے لگا۔ وہاں سنڈاس میں عزیزِ مصر چھپا بیٹھا تھا، سر سے پاؤں تک گوہ میں ڈوب گیا۔ جانا کہ یہاں بھی بچتا نظر نہیں آتا ہوں، عادی کے خصیے پکڑ کر لٹک گیا۔ عادی کے جو خصیتین میں درد ہوا، بے آبدست کیے اچھل کر وہاں سے بھاگا۔ عزیزِ مصر بھی اس کے ساتھ لٹکتا ہوا چلا آیا۔ عادی نے واویلا کر کے کہا کہ عجب آب و ہوا اس شہر کی ہے کہ آدمی آدمی کو ہگتا ہے۔ منظر شاہ یمنی وغیرہ دوڑے۔ دیکھیں تو عزیزِ مصر عادی کے بیضے پکڑے ہوئے لٹک رہا ہے۔ ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئے اور عزیزِ مصر کو پکڑ کر غسل کروایا اور امیر کے سامنے لے گئے۔ امیر نے فرمایا کہ اے عزیز، جیسا تو نے کیا ویسا پایا۔ اب خدائے وحدہٗ لاشریک کے پہچاننے میں کیا کہتا ہے؟ مجھے تیرے ملک سے کچھ کام نہیں ہے، تیرا ملک تجھ کو مبارک رہے، مگر مسلمان ہونا ضرور ہے۔ عزیز، کہ نفس الامر میں ثانی یزید تھا، بیہودہ بکنے لگا۔ آغا بلبل کہ اس کے پہلو میں کھڑا تھا، اس نے ایک تلوار ستواں جو لگائی، عزیز کے تن سے سر کئی قدم پر جا گرا اور دھڑ مثلِ مرغِ وحشی تڑپنے لگا۔ امیر نے زہرہ مصری کو تخت پر بٹھلایا اور سربنگ مصری کو کل کارخانوں کا داروغہ کیا۔ مقبل سے فرمایا کہ زہرہ مصری سے تم شادی کرلو۔ مقبل نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ جب تک حضور کی شادی مہرنگار سے نہ ہوگی، تب تک غلام بھی شادی نہیں کرے گا۔ خبرداروں نے خبر دی کہ شہر میں قتلِ عام ہو گیا، باقی ماندہ جگی جگی کرتے ہیں۔ امیر نے امان کا حکم دیا اور آپ مع متعلقین جشن میں مصروف ہوئے۔ جب جشن سے فراغت پائی، عمرو نے خسروِ ہند و بہرام کے قید ہونے کا حال بیان کر کے خط نوشیرواں کا، جو کبوتر کے گلے سے کھول کر اپنے پاس رکھا تھا، دکھلایا۔ امیر نے اس خط کے پڑھتے ہی بے اختیار چیخ مار کے رو دیا اور امرایانِ نامدار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ دیکھو یارو، میں نے نوشیرواں کی خاطر سے کیا کیا آفتیں اور مصیبتیں نہیں اٹھائیں، جو جو اس نے کہا، میں اس کو بجا لایا، مگر اس نے ہمیشہ میرے ساتھ بدی ہی کی۔ اب میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ مدائن

میں جا کر شہر کو بے چراغ کرتا ہوں۔ اگر ایک ایک سا سانی کی جورو اور بیٹی کو سائیسوں اور ساربانوں کو نہ دیا تو حمزہ نام نہ پایا۔ میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ خدا کے نزدیک گناہگار نہ ہوں۔ جتنے سامعین تھے ایک منہ ہو کر بولے کہ حضور سچ فرماتے ہیں۔ حضور نے جو جو کام اس احسان فراموش کے کہنے سے کیے اور اس کی بدی برداشت کی، کاہے کو کوئی کرتا ہے۔ امیر وہاں سے سوار ہو کر اپنے لشکر میں داخل ہوئے اور کوچ کی تیاری کا حکم دیا۔ زہرہ مصری نے امیر سے جا کر عرض کی کہ لونڈی کو مہر نگار کے دیکھنے کی بہت آرزو ہے اور اس سلطنت سے ان کی باندی گری کو بہتر جانتی ہوں۔ مجھ کو حکم ہو کہ ہمراہِ رکاب چلوں اور جب تک ملکہ صاحبہ کی شادی حضور کے ساتھ ہو، ملکہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر رہوں۔ امیر نے اس کی استدعا کو قبول کر کے کاردان وزیر کو زہرہ مصری کی نیابتاً شہر میں چھوڑا اور زہرہ کو ہمراہ لے کر مدائن کی طرف کوچ کیا۔

نوشیرواں کا حال سنیے کہ ایک دن دربار میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا، دفعتاً واحدتاً کہنے لگا کہ ہاں، لندھور و بہرام کو زندان سے لا کر میرے سامنے دار پر کھینچو۔ بزرجمہر نے عرض کی کہ ابھی ان کا ہلاک کرنا مناسب نہیں ہے۔ مجھ کو از روے رمل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہنوز حمزہ زندہ ہے اور حضور کا ستارہ بھی خانۂ نحوست میں ہے، بلکہ مناسب یہ ہے کہ تا دفع ہونے نحوستِ طالع کے کسی طرف سیر و شکار کے واسطے چلیے۔ جب حمزہ کے قتل کی خبر آئے گی، اس وقت لندھور و بہرام کو یہاں سے دیجیے گا۔ نوشیرواں نے بختک سے پوچھا کہ تیری کیا صلاح ہے؟ اس نے کہا کہ خواجہ سچ کہتے ہیں۔ میں جس وقت کبوتر کو چھوڑتا تھا اس وقت عمرو مجھے دھکا کر گیا تھا۔ مدائن سے کوچ کرنا حضور کا عین مناسب ہے، بلکہ مصر ہی کی طرف چلیے۔ اگر احیاناً حمزہ قتل نہ ہوا ہو تو اپنے روبرو قتل کروا کے مدائن میں تشریف لائیے اور لندھور و بہرام کو بھی دار پر کھینچیے۔ نوشیرواں نے اس صلاح کو قبول کیا اور ہاروت و ماروت گراز دنداں کو چالیس ہزار سوار سے شہر اور قیدیوں کی محافظت کے واسطے چھوڑا اور آپ فوج بے حساب لے کر مصر کی طرف کوچ کیا۔

اب تھوڑا حال امیر کا سنیے کہ غصّے کے مارے دواسپہ و سہ اسپہ چلے گئے۔ چند روز کے عرصے میں مدائن پہنچے۔ بدستور تلِ شادکام پر ڈیرہ ڈالا۔ فوج جو بیشۂ فیض میں چھاؤنی ڈالے پڑی تھی، وہ سن کر امیر کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ دو عیاروں نے آ کر نوشیرواں کا حال بیان کیا کہ ہاروت و ماروت گراز دنداں کو چالیس ہزار سوار سے شہر اور قیدیوں کی حفاظت کے واسطے چھوڑ کر مصر کی طرف گیا ہے۔ امیر نے کہا کہ خیر، مجھے تو کام سے کام ہے۔ یہ کہہ کر عمرو سے فرمایا کہ تم ہاروت و ماروت سے جا کر کہو کہ لندھور و بہرام کو ہمارے پاس بھیج دو، بادشاہ کو ہم جواب دے لیں گے۔ ان مرنے جوگوں نے کہا کہ حمزہ کون ہے کہ جس کے کہنے سے ہم بادشاہ کے قیدیوں کو چھوڑ دیں؟ اگر حمزہ میں طاقت ہو تو ہم سے لڑ کر چھڑا لے۔ عمرو نے آ کر بجنسہٖ ان کی تقریر کا اعادہ

کیا۔ امیر غیظ سے تھر تھر کانپنے لگے اور فرمایا کہ اسی دم طبلِ جنگ بجے۔ اگر کھڑی سواری قلعے کو نہ چھینا تو حمزہ نام نہ پایا۔ حکم ہوتے ہی طبلِ سکندری پر چوب پڑی۔ شہر میں تہلکہ پڑ گیا۔ رات تو امیر نے غم و غصّے میں کاٹی، صبح ہوتے ہی امیر قلعے پر چڑھ دوڑے۔ ہاروت و ماروت نے دیکھا کہ حمزہ بے طرح آتا ہے، ایسا نہ ہو قلعہ توڑ کر شہر کو ویران کرے۔ جھٹ پٹ لندھور و بہرام کو قید خانے سے لا کر فصیلِ قلعہ پر بٹھایا اور پکار کر کہا کہ حمزہ، اگر تمھارے ایک آدمی نے بھی آگے قدم بڑھایا تو میں نے ان دونوں کا سر کاٹ کر خندق میں پھینک دیا۔ بعد ازاں جو کچھ ہوگا سو ہو رہے گا۔ امیر مخوّف ہوئے کہ مبادا یہ حرامزادے جیسا کہتے ہیں ویسا ہی کریں تو لندھور و بہرام مفت مارے جائیں۔ فوج کو حکم دیا کہ کوئی آگے کو قدم نہ بڑھائے، اور عمرو سے کہا کہ خواجہ، آج تک میرا قدم آگے بڑھا ہے، پیچھے نہیں ہٹا ہے۔ اگر لندھور و بہرام کے لحاظ سے پھر جاتا ہوں تو میرے واسطے بدنامی و سبکی ہے۔ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ لندھور و بہرام مارے نہ جائیں اور قلعہ فتح ہو۔ میں لاکھ دینار زرِ سرخ اس کے صلے میں تجھ کو دوں گا۔ خواجہ نے کہا کہ یہ کتنی بڑی بات ہے! خندق پھاند کر ہاروت و ماروت سے کہا کہ امیر کہتے ہیں کہ تم لندھور و بہرام کو نہ مارو، ہم پھرے جاتے ہیں، اور بہرام و خسرو سے زبان ہندی و چینی میں کہا کہ امیر فرماتے ہیں کہ تم دونوں عجب بزدل و نامرد ہو، عادی نے چاہِ یوسفی میں اپنی قید تارِ عنکبوت کی طرح سے توڑ ڈالی اور تم سے یہ ایں قوت دو زنجیریں نہیں ٹوٹ سکتی ہیں؟ لندھور و بہرام کو غیرت جو معلوم ہوئی، نعرۂ اللہ اکبر کر کے جو زور کیا، جتنی قید تھی رشتۂ خام کی طرح سے پھس پھس کر کے ٹوٹ گئی۔ ہاروت و ماروت تلواریں کھینچ کھینچ کر دوڑے۔ بہرام و خسرو نے ان کی تلواریں چھین لیں اور گھونسوں سے مار کر چاہِ جہنم میں قید کیا، اور جتنے آدمی فصیلِ قلعہ پر تھے سب کو قتل کیا۔ اس عرصے میں عمرو بھی کمند لگا کر ان کے پاس پہنچا اور بارہ تیرہ ہزار جوانِ ہندی بھی فصیل پر چڑھ گئے۔ تلوار چلنے لگی۔ عمرو نے دروازہ قلعے کا جھٹ پٹ کھول دیا۔ مطلق سپاہِ اسلام شہر میں داخل ہوئی۔

امیر نے قتلِ عام کا حکم دیا اور کہا کہ جہاں تک زن و مرد گرفتار ہو سکیں اسیر کرو، اور آپ مع عمرو شبستانِ شاہی کے اندر تشریف لے گئے۔ ملکہ مہر انگیز سے مہر نگار کو پوچھا۔ مہر انگیز نے کہا کہ اس کو بادشاہ اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ امیر نے کہا کہ اس بات کو عقل قبول نہیں کرتی۔ مہر انگیز نے کہا کہ مکان موجود ہے، ڈھونڈ لو۔ امیر نے عمرو سے فرمایا کہ بھائی، یہ کام تمھارا ہے، اور بارہ ہزار دینار زرِ سرخ دوں گا، مہر نگار کو پیدا کیا چاہیے۔ عمرو نے چہل ستون و ہشت بہشت و پائیں باغ وغیرہ جتنے مکانِ شاہی تھے سب میں تلاش کیا، مگر مہر نگار کا نشان مثلِ عنقا نہ ملا۔ سخت متردد ہوا۔ ناگاہ صحنِ باغ میں ایک چاہِ مرمر پر عمرو کی نگاہ پڑی۔ عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ خدا غلط نہ کرے، مہر نگار اسی کنویں میں بند ہے۔ کنویں کے پاس جو گیا تو دیکھا، اس کے منہ پر کئی سو

من تبریزی کی ایک سل پڑی ہوئی ہے۔ وہ عمرو سے کب ہٹ سکتی تھی، امیر کو پکارا کہ ذرا آپ ادھر آئیے۔ امیر جو اس کے پاس گئے، عمرو نے کہا کہ یا امیر، بلاشبہ مہرنگار اسی کنویں میں ہے، مگر یہ سل مجھ سے نہیں ہٹ سکتی۔ امیر سل کو سرکا کے کنویں میں اترے۔ پہلے تو تاریکی سے کچھ نہ معلوم دیا، مگر ایک لمحے کے بعد دالان مفرش دکھائی دیا۔ دالان کی طرف جو گئے دیکھا کہ مہرنگار سر بہ زانو بیٹھی ہوئی رو رہی ہے۔ امیر کے پاؤں کی آہٹ سے سر جو اٹھایا تو امیر کی صورت نظر آئی۔ دوڑ کر امیر کے گلے سے لپٹ گئی اور زار زار رو کر کہنے لگی کہ خدا کے واسطے حمزہ، اب مجھ کو اپنے سے جدا نہ کر کہ مجھ کو طاقت سوزِ فراق کی نہیں ہے۔ امیر نے اپنی آستین سے اس کے اشکِ گلرنگ پونچھ کر فرمایا کہ اے جانِ حمزہ، شبِ فراق گذر گئی، روزِ وصال آیا۔ چلو اس کمند پر چڑھ کے کنویں سے باہر نکلو۔ اوّل تو امیر نے مہرنگار کو کنویں سے باہر نکالا، بعدازاں سب خواصوں کو کنویں سے باہر کیا، پھر آپ اوپر آئے اور اسی دم محافۂ زرنگار منگوا کر مہرنگار کو سوار کیا اور تل شادکام پر خیمے میں لے آئے۔ جتنے امرایانِ نامدار تھے، سبھوں نے نذر فتح کی دی۔ مہرنگار نے امیر سے کہا کہ یا ابوالعلا، تم کو تو مجھ سے کام تھا، سو شکر ہے جامع المتفرقین کا کہ اس نے مجھ کو تم سے ملایا۔ بس اب میری خاطر سے اسیرانِ مدائن کو آزاد کردو۔ امیر نے کہا کہ بسر وچشم۔ اسی وقت جتنے قیدی تھے سب کو آزاد کیا اور لوٹ تک پھروا دی۔

عادی کا حال سنیے کہ جس وقت امیر نے قتلِ عام کا حکم دیا تھا، عادی نقارخانے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ دیکھے تو ایک معشوقہ خورشید منظر، دوازدہ سالہ، دس بارہ کنیزوں کے ساتھ بھاگی چلی جاتی ہے۔ عادی کو اس کا انداز نہایت پسند آیا۔ دوڑ کر اس کو پکڑ لیا۔ معلوم ہوا کہ یہ بختک کی بیٹی ہے، اور بھی خوش ہوا۔ دل میں کہنے لگا کہ صاحبقراں کو نوشیرواں کی بیٹی ملی تو میں نے بختک کی بیٹی پائی۔ یہ کہہ کر اسے اپنے خیمے میں لے گیا۔ شب کو جب ازالۂ بکارت کرنے لگا، اس کو تاب نہ آئی، بے تحاشا چلّانے لگی۔ عادی نے دیکھا کہ اس کے غل کرنے میں سخت رسوائی ہوگی، مبادا امیر کے کانوں میں اس کا شور پہنچے، باہر نکل کر کوسِ سکندری بجنے کا حکم دیا اور خیمے میں آکر اس سے معاملہ کرنے لگا۔ کہاں اس کی بساط اور کہاں عادی کا عمود! دھر کے جو دبایا اس نے چڑیا کی طرح سے منھ کھول دیا، مرغِ روح قفسِ عنصری سے اڑ گیا۔ کوسِ سکندری کی آواز جو بلند ہوئی، خسروِ ہند و بہرام و مقبل وغیرہ جتنے سردار تھے، تیار ہو کر جلوخانے میں حاضر ہوئے اور تمام فوج کی کمربندی ہوگئی۔ امیر اس وقت مہرنگار کو لیے ہوئے مسند پر بیٹھے تھے اور عمرو شراب پلاتا اور دوتارا بجا کر گاتا جاتا تھا۔ طبلِ سکندری کی آواز سنتے ہی امیر کے کان کھڑے ہوئے اور بہ کمال حیرت عمرو سے کہا کہ جلد دریافت کر، طبلِ سکندری کیوں بجا، اور آپ مسند سے اٹھ کر جھٹ پٹ سلاح بدن پر لگا کر عمرو کے انتظار میں ٹہلنے لگے۔ عمرو جو جلوخانے میں گیا، دیکھا کہ خسروِ ہند و بہرام و مقبل وغیرہ جتنے امرایان وشاہانِ نامدار ہیں، مسلّح گھوڑوں پر سوار کھڑے ہیں اور

جلوخانے کے باہر تمام لشکر پرا باندھے تیار ہے۔ عمرو نے لندھور و بہرام سے پوچھا کہ سبب تمھارے تیار ہونے کا کیا ہے؟ وہ بولے، اور تو ہم کچھ نہیں جانتے، طبلِ سکندری کی آواز سن کر حسبِ دستور تیار ہوئے ہیں۔ باقی مفصل کیفیت تم کو معلوم ہوگی، کہ تم صاحبقراں کے پاس تھے۔ عمرو نقار خانے میں گیا۔ کبابہ چینی و قلابہ چینی سے کہا کہ امیر پوچھتے ہیں، تم نے کس کے حکم سے اس وقت طبلِ سکندری کو بجایا؟ وہ بولے کہ عادی کرب حکم دے گئے تھے۔ عمرو عادی کے خیمے میں گیا دیکھا تو واہ واہ، عجب صحبت ہے، عادی نے بختک کی بیٹی کی بکارت لے کر مار ڈالا ہے۔ اس کی لاش کو آگے دھرے، سر پکڑے، فکر میں بیٹھا ہوا ہے۔ عمرو نے یہ کیفیت امیر سے آ کر کہی۔ امیر نے برہم ہو کر فرمایا کہ عادی کو پکڑ لاؤ، میں اس عورت کے ساتھ عادی کو بھی زندہ قبر میں گاڑ دوں گا۔ مہر نگار نے عادی کی شفاعت کی۔ امیر بارگاہ سے نکل کر جلوخانے میں آئے اور تمام کیفیت بیان کر کے ہر ایک پہلوان سے عذر کیا اور کمر کھولنے کا حکم دیا اور آپ نے بارگاہ میں آ کر آرام فرمایا۔

جب صبح ہوئی، امیر نے جشنِ ہفت روزہ کا حکم دیا۔ جب جشن سے فراغت پائی، ہنوز کوچ کا حکم نہ دیا تھا کہ عادی نے عرضی جے پال ہندی کی امیر کی خدمت میں گذرانی۔ امیر اس کو مطالعہ کر کے بہت متردد ہوئے اور اس عرضی کو لندھور کے ہاتھ میں دیا۔ خسرو بھی پڑھ کر بہت مشوش ہوا۔ اس میں لکھا تھا کہ فیروز شاہ ترک خطائی ساڑھے تین لاکھ سوار پیدل سے چڑھ آیا ہے۔ چند بار صفِ جنگ ہوئی، لیکن چونکہ اس کے ساتھ فوجِ کثیر ہے، ہر بار اس کی فتح ہوئی۔ فدوی مجبور ہو کر قلعہ صابر و صبور میں بند ہوا ہے۔ اگر صاحبقراں یا خسروِ ہندوستان اس مہم کی طرف متوجہ نہ ہوں گے تو یہاں ترکی تمام ہو جاوے گی۔ صاحبقراں نے لندھور سے فرمایا کہ تم اس سرکش کو گوشمالی دو۔ لندھور نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ میں امیدوار تھا کہ اپنی زندگی زیرِ قدمِ مبارک بسر کروں گا اور ایک روز فرقِ مبارک پر سے نثار ہو جاؤں گا، لیکن حضور مجھ کو جدا کرتے ہیں۔ صاحبقراں نے کہا کہ خدانکردہ، میں تم کو اپنے سے جدا کیوں کرنے لگا تھا، مگر بالفعل اگر تم کو نہ بھیجوں تو ہندوستان سا ملک مفت میں ہاتھ سے نکل جاوے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب تم فتح کی خبر لکھو گے، میں فی الفور تم کو طلب کروں گا، اور جب تک تم نہ آلو گے، میں مہر نگار سے شادی نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر مقبل و عمرو کو چالیس ہزار سوار سمیت مہر نگار و زہرہ مصری کے ساتھ کر کے مکہ معظمہ کی طرف روانہ کیا اور فرمایا کہ ہم بھی خسروِ ہندوستان کو جہاز پر سوار کر کے آتے ہیں، اور عادی کو حکم دیا کہ ہمارا پیش خیمہ بصرہ کی طرف روانہ ہو۔ چند روز میں عمرو و مقبل مہر نگار و زہرہ مصری کو لے کر مکہ پہنچے اور صاحبقراں مع لندھور و بہرام فوج سمیت بصرہ میں داخل ہوئے۔ میر بحر کو بلا کے جہاز طلب کیے اور خسروِ ہندوستان کو مع فوج جہازوں پر سوار کر کے فاتحۂ خیر پڑھی اور جہازوں کا لنگر اٹھوا دیا۔ اس کی صبح کو فرمایا کہ اے بہرام، ہرچند تم لوگوں کی جدائی مجھ پر بہت شاق ہے، لیکن کیا کیا چاہیے کہ فلکِ تفرقہ پرداز

دیکھ نہیں سکتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں خسروِ ہندوستان کو اور تم کو اپنا قوتِ بازو سمجھتا ہوں، مگر اگر مہم ہندوستان پر خسرو کو نہ بھیجتا تو کسے بھیجتا؟ اور اب تم کو بھی خسرو کی مدد و اعانت کے واسطے روانہ کرتا ہوں، کیونکہ فیروز شاہ خطائی قطعِ نظر زبردست ہونے کے فوجِ کثیر رکھتا ہے۔ پس تم چین میں جا کر فیروز شاہ کے ملک کو غارت و تاراج کرو۔ اُس طرف سے لندھور اس پر سے لے دے کرے اور اس طرف سے تم اس کا ملک ویران کر کے اس کی پچھاڑی مارو۔ جب اس مہم کو سر کر چکو گے، خسرو کے ساتھ میں تم کو بھی طلب کروں گا، اور جب تک تم دونوں آدمی میرے پاس نہ پہنچو گے میں شادی مہرنگار سے نہ کروں گا۔ بہرام نے عرض کی کہ مجھ کو حضور کے حکم سے سرتابی کیا ہے۔ بہرام بھی اسی دن مع فوج جہاز پر سوار ہو کے روانہ ہوا۔ اور بعض روایت کرتے ہیں کہ ملکِ چین میں کوئی غنیم آیا تھا، اس کے دفع کے واسطے بہرام کو امیر نے چین کی طرف روانہ کیا۔ بہرحال، امیر بہرام کو رخصت کر کے مع فوجِ نصرت شعار مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سات منزلیں طے کی تھیں کہ سردارانِ تنگ رواحل نے بیان کیا کہ یہاں سے دو کوس کے فاصلے پر داہنی طرف ایک دریائے عظیم الشان واقع ہے اور کنارے پر اس کے مرغزار ہے اور اس مقام کو النگِ زمرد کہتے ہیں۔ فضا اس کی قابل بیان کے نہیں، لائق دیکھنے کے ہے۔ امیر نے عادی سے فرمایا کہ ہمارا خیمہ النگ زمرد کے میدان میں برپا ہو۔ حکم کی دیر تھی، فی الفور عادی نے بارگاہِ دانیالی کو لبِ دریا جا کر نصب کیا۔ امیر مع لشکر میدانِ النگ زمرد میں اترے۔ رات کی رات تو خیمے میں آرام کیا، صبح کو بارگاہ سے نکل کر دیکھا تو واقعی ایسا مقام پرفضا ہے کہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ ایک طرف کو جہاں تک نگاہ جاتی ہے، فرش زمردیں بچھا نظر آتا ہے اور کوسوں تک سبزہ نیم قد لہلہا رہا ہے۔ دوسری طرف ہزار گلہ کیسا لبِ دریا منزلوں تک کھلا ہوا ہے کہ آنکھوں کو جس کے دیکھنے سے تراوٹ حاصل ہوتی ہے، اور ایک جانب دریا کے کنارے سے ملا ہوا کوہِ پرشکوہ ہے جس پر صدہا تختے گلہائے رنگارنگ کے کھلے اور انواع و اقسام میووں کے درخت پھیلے ہوئے اور ہرن، پاڑھے، چیتل، بارہ سنگھے، نیل گاؤ، چکارے کے غٹ کے غٹ چھلانگیں مارتے پھرتے ہیں، اور ہزاروں اقسام کے پرند درخت ہائے پُرمیوہ کی شاخوں پر بیٹھے ہوئے چہچہا رہے ہیں، اور پہاڑ پر جوندی، ڈبرے، جھیل، چشمے جابجا واقع ہیں، غول کے غول قرقرے، مرغابی، چہے، سرخاب، قازوں کے بیٹھے ہوئے ہیں اور پہاڑ کی جھنڈیوں میں ہزاروں تیتر، لوے، بٹیر، کبک، تدرو دوڑے پھرتے ہیں۔ امیر اس مرغزار کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور تمام دن چرند و پرند کا شکار کھیلا کیے۔ شام کو جب بارگاہ میں داخل ہوئے، اپنی محفل کے لائق تو شکار مطبخیوں کے حوالے فرمایا، باقی امرایان و شہریاران و پہلوانان و افسران سپاہ پر تقسیم کروا دیا۔ تمام رات بدستور عیش و نشاط میں مصروف رہے، صبح کو خوابگاہ سے اٹھ کر بعدِ رفعِ ضروریات پوشاک بدل کے دنگل پر بیٹھے۔

ہنوز کوچ کا حکم نہ دیا تھا کہ دو عیاروں نے بعدِ ادائے شرائطِ ادب عرض کی کہ ژوپین کاؤس ستّر ہزار سوار کی جمعیت سے حضور سے لڑنے کو آتا ہے اور سبب اس کے آنے کا یہ ہے کہ نوشیرواں جو مصر کی طرف بہ زعمِ ناقصِ خود، حضور کے قتل کرنے کے واسطے جاتا تھا، اثنائے راہ میں اس کو خبرداروں نے خبر دی کہ حمزہ نے مدائن کو قتل و غارت و تاراج کیا اور مہر نگار کو شبستانِ حرم سے نکال کر لے گیا۔ نوشیرواں کمال ملول ہوا اور مدائن کی طرف الٹا پھرا۔ ہرگاہ مدائن کو آ کر خراب دیکھا اور مہر نگار کو نہ پایا، سر اپنا دھن کر کہا کہ اس خانہ خراب بختک نے مجھ کو اور میرے شہر کو خراب کیا۔ اگر میں بزرجمہر کے کہنے پر عمل کرتا تو آج ایسا روزِ بد نہ دیکھتا۔ اس میں بختک نے اپنے گھر سے آ کر پگڑی دے ماری کہ میری ماں کو تو عمرو مارے اور بیٹی کو عادی۔ یہ خبر جو شاہانِ ہفت اقلیم کو پہنچے گی تو حضور کو کیا کہیں گے؟ ایک ادنیٰ عرب کو آپ سزا نہیں دے سکتے۔ نوشیرواں نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ میں سخت حیران ہوں کہ اس کی تدبیر کیا کروں۔ جو جو تو نے کہا، وہ وہ میں نے کیا، مگر حمزہ کسی صورت قابو میں نہیں آتا کہ اس کی گردن ماروں۔ بختک نے کہا کہ گستہم کے سوا اور کوئی ایسا نظر نہیں آتا کہ جس کو حمزہ پر بھیجیے گا۔ نوشیرواں نے اسی دم ایک شقہ بہ طلبِ گستہم روانہ کیا اور ساسانیوں کی تشفی کی۔ دوسرے دن خبر پہنچی کہ ژوپین کاؤس چالیس ہزار سوار سے حضور کی ملازمت کے واسطے آیا ہے اور یہاں سے دو کوس کے فاصلے پر خیمہ زن ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت بختک کو مع چند سردار اس کے استقبال کے واسطے بھیجا۔ بختک نے اثنائے راہ میں تمام کیفیت امیر کی ژوپین کاؤس سے بیان کی۔ وہ مردک بولا کہ تم خاطر جمع رکھو، اگر سرِ سواری حمزہ کو قتل نہ کیا تو ژوپین نام نہ پایا۔ ہرگاہ ژوپین نوشیرواں کی خدمت میں حاضر ہوا، نوشیرواں نے ژوپین سے بہت دکھڑا رویا۔ ژوپین نے عرض کی کہ فدوی اسی وقت رخصت کا امیدوار ہے۔ سرِ سواری اگر حمزہ کو سزا نہ دی اور مہر نگار کو لے نہ آیا تو ژوپین نام نہ رکھا۔ نوشیرواں نے خوش ہو کر ژوپین کو خلعتِ دامادی پہنا کے فرمایا کہ جلد حمزہ کو مار کے مہر نگار کو لے آؤ کہ تمھارے ساتھ اس کی شادی کر دوں، اور دو سردار اپنے یہاں کے بھی تیس ہزار سوار سمیت ژوپین کے ساتھ کیے۔

امیر نے ہنس کر فرمایا کہ آج اسی جگہ ہمارا مقام رہے، اور اس کا انتظار کرنے لگے۔ عصر کے وقت سامنے سے ایک گردِ غلیظ اٹھی۔ جب مقراضِ باد نے گریبانِ گرد کو چاک کیا، ستّر علم دکھائی دیے۔ ژوپین نے میدان میں ڈیرہ ڈالا۔ شب کو نامیان و نومیان نے آ کر امیر سے کہا کہ ژوپین کے لشکر میں طبلِ جنگ بجا۔ امیر نے فرمایا کہ ہمارے لشکر میں بھی طبلِ جنگ بجے۔ حکم ہوتے ہی کبا بہ چینی و قلابہ چینی نے اٹھارہ من تبریزی کی چوبیں ہاتھ میں لے کر طبلِ سکندری پر ڈنکا دیا۔ اس کی آواز کی دھمک سے ژوپین کے لشکر کے کتنے آدمیوں کے کان کے پردے پھٹ گئے۔ الغرض، رات بھر دونوں لشکروں میں جنگ کی تیاری ہوئی۔ جب شاہِ خاور

بادشاہِ فلکِ اوّل کو مع فوجِ انجم شکست دے کر تختِ فلکِ چہارم پر جلوہ افروز ہوا، اُس طرف سے ژوپین کاؤس نے ستّر ہزار سوار لے کر میدان میں صفیں قائم کیں اور اِس طرف صاحبقراں پانچ لاکھ سوارِ جرار سے رزمگاہ میں صف آرا ہوئے۔ بیلداروں نے جھنڈی، جھاڑی، بوٹی سے میدان کو صاف کر کے زمین کو ہموار کیا۔ سقوں نے ہزارے فوارے مشکوں کے دہانے میں لگا کر آبپاشی کی۔ نقیبوں اور جارچیوں نے بآوازِ بلند کہنا شروع کیا کہ جس کو دعویِ شجاعت و بہادری ہو، میدان میں نکل کر سرخروی حاصل کرے کہ اس کے باپ دادا کا نام روشن ہو۔ آج دلاوروں کی شجاعت کا امتحان ہے۔ سب کے روئیں کھڑے ہو گئے، ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے۔ ملک الموت نے جنگ گاہ میں اپنا خیمہ ایستادہ کیا۔ مریخ ہر جوان کی پیشانی پر چمکنے لگا۔ ہر شخص کے گلے میں زرہِ آہنی مانندِ موم چسپاں ہو گئی۔ ہر بہادر چار آئینے میں صورت مرگ کی دیکھنے اور ایک دوسرے پر آوازے پھینکنے لگا کہ آج بنکیتیوں کی بنکیتی معلوم ہو گی، دیکھیے کس کا شملہ بندِ پائے مرکب ہوتا ہے، کس کے پاؤں کا توڑا حریف کے ہاتھ چڑھتا ہے۔ یہ آوازے فوجوں میں ہو رہے تھے کہ ژوپین کاؤس نے قلبِ لشکر سے اپنا گھوڑا نکالا۔ نافِ میدان میں آ کر للکارا کہ اے خدا پرستو، تم میں جس کو آرزوے مرگ ہو وہ میرے سامنے آوے۔ صاحبقراں سے لاف زنی اس کی سن کر نہ رہا گیا، سیاہ قیطاس کو صفِ لشکر سے نکال کے صاعقہ کی طرح سے ژوپین کے سر پر پہنچ کر اس زور سے سپر کی تگاوردی کہ بیس قدم ژوپین کا مرکب پسپا ہو گیا۔ ژوپین نے امیر سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے حمزہ تو ہی ہے۔ امیر نے فرمایا کہ بلے۔ ژوپین بولا کہ اے حمزہ، کس واسطے اپنے کو ہلاکت میں ڈالتا ہے؟ مہرنگار کو میرے حوالے کر کہ میں اس کے ساتھ جا کر شادی کروں، اور تو رومال سے ہاتھ باندھ کر میرے ساتھ چل، میں تیرا قصور شہنشاہِ ہفت کشور سے معاف کروا دوں۔ صاحبقراں نے فرمایا کہ ادنیٰ مرد، ہذیان کیوں بکتا ہے؟ اگر نشۂ بہادری رکھتا ہے تو حربہ کر۔ ژوپین نے ایک نیزہ امیر کے سینۂ بے کینہ پر لگایا۔ امیر نے نیزے کی گلوگاہ پکڑ کے سہج سے کھینچا، نیزہ مانندِ خلالِ فراشاں اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس نے گرز اٹھایا۔ امیر نے سپرِ گرشاسپ پر اس کو روکا۔ تواتر و توالی اس نے کئی گرز مارے، امیر نے سب ضربیں اس کی خالی دیں۔ وہ گرز زمین پر پڑے اور ایک گرد کا تتق برسرِ ہوا ہوا۔ امیر جو دامنِ گرد میں پوشیدہ ہو گئے تو ژوپین لاف زنی کرنے لگا کہ مارا میں نے اور پست کیا! کہاں ہیں اس کے ہوا خواہ؟ اگر ایک کرچ بھی ہڈی کی نکال دیں تو انعام دوں۔ امیر نے یہ کلام اس کا سن کر سیاہ قیطاس کو برنگِ برقِ خاطف کڑکا کے روبرو آ کر کہا کہ او گبر، کس کو تو نے مارا اور کس کو پست کیا؟ تیری جان کا ملک الموت تو میں موجود ہوں۔ لا، ایک ضرب اور بھی لگا لے، کہ رہا سہا تیرا ارمان نکل جاوے۔ اس نے پھر بہ زورِ تمام گرز اٹھا کر مارا۔ امیر نے خالی دے کر ہتھ بلی کر کے گرز کو تو چھین لیا اور اس کو جس طرح باز صعوہ کو یا بحری کبوتر کو پنجے میں اٹھا لیتی ہے، گھوڑے کے

زین سے چنگل میں اٹھا کر زمین پر دے مارا اور آپ اپنے مرکب پر سے کود کر اس کی چھاتی پر مسلط ہو کے خنجر اس کی گردن پر رکھ کر فرمایا کہ کہہ، اب کیا کہتا ہے۔ وہ جگی جگی کرنے لگا اور کینہ دل میں رکھ کر مسلمان ہوا۔ امیر اس کی چھاتی پر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ اٹھ کر امیر کے قدموں پر گرا۔ امیر نے اس کو گلے سے لگایا۔ لشکرِ اسلام میں شادیانے بجنے لگے۔ علمداروں نے پرچم فتح کے علموں پر اڑائے۔ فوجِ ژوپین منکوب و مدبور گریان و نالاں اپنی فرودگاہ کی طرف پھری۔ امیر مظفر و منصور مع ژوپین اپنے لشکر میں داخل ہوئے۔ ہرگاہ دسترخوان بچھا اور کھانا چنا گیا، صاحبقراں نے ژوپین کا منہ ہاتھ دھلوا کر اپنا ہم نمک کیا اور بعدِ تناولِ طعام جامِ مئے گلفام گردش میں آیا۔ ژوپین نے دو چار ساغر پی کر صاحبقراں سے کہا کہ غلام رخصت ہوتا ہے۔ فوج کو جا کر مسلمان کرتا ہوں اور کل صبح کو جتنے سردار فوج میں ہیں، حضور میں لا کر ان کی ملازمت کرواتا ہوں۔ امیر نے بہ بشاشت تمام فرمایا کہ آفریں صد آفریں، یہی چاہیے۔

شبخون مارنا ژوپین کا لشکرِ اسلام پر

راوی لکھتا ہے کہ جب ژوپین اپنے لشکر میں آیا، لوگوں کو تشفی دے کر کہا کہ میں خوفِ جان سے مسلمان ہوا ہوں، تم لوگ سب مستعد رہو، میں حمزہ پر آج شبخون ماروں گا۔ فوج اس کی تیار رہی۔ جب آدھی رات کا عمل ہوا، ستر ہزار سوار سے امیر کے لشکر پر شبخون مارنے کو چلا۔ راہ میں شیث یمنی نے، کہ چار ہزار سوار سے طلایہ پھر رہا تھا، گھوڑوں کے سموں کی آواز سن للکارا کہ کون بے محابا چلا آتا ہے؟ خبردار، آگے قدم نہ بڑھانا۔ قریب جا کر دیکھے تو ژوپین بہ عزمِ شبخون چلا آتا ہے۔ شیث اس کے مقابل ہوا۔ تلوار چلنے لگی۔ چونکہ بہت بہت ہوتے ہیں اور تھوڑے تھوڑے، شیث یمنی ژوپین کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ ژوپین لشکرِ اسلام پر جا گرا۔ لشکرِ امیر کا چین سے بے کھٹکے سو رہا تھا۔ ایک مرتبہ جو ستر ہزار سوار ان پر گرا، سنبھل نہ سکا۔ کمر باندھنے اور ہتھیار لگانے کی اس وقت فرصت کہاں تھی، جس کے جو چیز ہاتھ میں آئی وہ لے کے حریف کے مقابل ہوا۔ شپاشپ تلوار چلنے لگی اور نعرۂ دہادہ وصدائے چقاچاقِ خنجر بلند ہوئی، حتیٰ کہ امیر بھی خوابِ راحت سے چونک پڑے اور پوچھنے لگے کہ یہ شور وغل کیسا ہے؟ خبرداروں نے خبر دی کہ ژوپین نے شبخون مارا ہے۔ امیر اس دہشت سے کہ مبادا کچھ آسیب سیاہ قیطاس کو پہنچے، جس طرح سے سوتے تھے اسی طرح سے بے سلاح بارگاہ سے نکل کر سیاہ قیطاس کے تھان پر آئے اور لگام دے کر بے زین سوار ہو بیٹھے۔ عباسان ملک نے شمشیرِ خون آلودہ جو اس کے ہاتھ میں تھی، امیر پر لگائی۔ امیر نے خالی دے کر اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور اسی تلوار سے اس کو جہنم واصل کیا۔ دوسرے بھائی نے اس کے کہا کہ حمزہ، بڑا غضب کیا، میرے بڑے بھائی کو مارا۔ مگر میں تجھ کو جیتا کب چھوڑتا ہوں۔ امیر نے فرمایا کہ غم نہ کھا، تجھ کو بھی اس کے پاس بھیجتا ہوں۔ اس نے امیر پر حربہ کیا، امیر نے اس کے حربے کو خالی دے کر ایک ہاتھ اس کی کمر پر ایسا لگایا کہ مانندِ خیارِ تر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ژوپین نے امیر کی پشت پر آ کے ایک وار تیغے کا بہ خاطر جمعی تمام امیر کے سر پر ایسا لگایا کہ چار انگل امیر کے سر میں در آیا۔ امیر نے

پیچھے پھر کے وہی تلوار جو ہاتھ میں تھی، اس کے سر پر ماری۔ ہر چند اس کے سر چرانے سے اچٹتی ہوئی لگی، لیکن تب بھی چار انگل اس بے مغز کے سر میں در آئی۔ امیر نے دوسرا ہاتھ پہلو میں مارا۔ پہلو چراتے چراتے تلوار نے پسلیوں کو کاٹا۔ امیر نے دوسرے پہلو پر ہاتھ لگایا، اس کی بھی پسلیاں کٹ گئیں۔ بدحواس ہو کر گھوڑے کی گردن پر جو سرنگوں ہوا، چوتڑ اس کے زین پر سے اٹھ گئے۔ امیر نے تلوار کے پیپلے کا ایک ہولہ ایسا دیا کہ بالشت بھر پیپلا اس کی مقعد کے اندر گھس گیا اور اسہال کی طرح سے خون کا پرنالہ اس کی مقعد سے جاری ہوا۔ غش کھا کر گھوڑے کے قدموں پر گر پڑا۔ دس ہزار آدمی اس کی فوج کا آ گرا اور ہاتھوں ہاتھ اس کو اٹھا کر، سر پر پاؤں رکھ کے مدائن کی طرف بھاگا۔ ساٹھ ہزار آدمی ستر ہزار میں سے جہنم واصل ہوئے اور کئی ہزار آدمی لشکرِ اسلام میں سے بھی اس شبخون میں شہید ہوئے۔ امیر کے زخمِ سر سے بھی بہت خون بہا، حتیٰ کہ امیر کو غش آ گیا۔ مرکب نے دیکھا کہ راکب میرا زخمی ہے، میدانِ کارزار سے نکل کر صحرا کی طرف قدم زن ہوا۔ عادی وغیرہ سرداروں نے ہر چند امیر کو لاشوں میں ڈھونڈا اور اِدھر اُدھر تلاش کیا، کہیں پتا نہ پایا۔ لشکرِ اسلام میں ماتم پڑ گیا۔ جتنے سردار تھے، اپنی اپنی فوج سمیت سیاہ پوش و گریباں چاک بر سرِ خاک ہوئے۔ تیسرے دن عادی تمام فوج کو لے کر مکہ گیا اور خواجہ عبدالمطلب و عمرو سے یہ سانحہ بیان کیا۔ یہ خبر سن کر تمام رئیسانِ مکہ سیاہ پوش ہوئے اور نالۂ واویلا و وامصیبتا گوشِ ملاءِ اعلیٰ تک پہنچا۔ خواجہ عبدالمطلب کو تو سکتہ ہو گیا۔ عمرو و مقبل نے اپنا گریبان چاک کیا۔ مہر نگار نے اپنے رخسار ہائے گلگوں کو طمانچوں کے مارے سوسن سا نیلا کر دیا اور سر کے بالوں کو اس قدر نوچا کہ کنگھی چوٹی کی احتیاج نہ رہی۔ اس شورِ نشور میں عمرو کے ذہن نے رسائی کی کہ ہر ایک کو تسلی دے کر چپکا کیا اور کہا کہ تم یقین جانو، صاحبقراں زندہ سلامت ہیں۔ اگر صاحبقراں کے دشمنوں کو کچھ ہوتا تو سیاہ قیطاس ضرور اپنے لشکر میں آتا مگر ہاں، کچھ صاحبقراں کو صدمہ ضرور پہنچا ہے۔ بہرحال، تم سب خدا کو یاد کرو، صاحبقراں کی خبر میں لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر قلعے کی مورچہ بندی کی اور مقبل سے کہا کہ خبردار، خبردار، تا آنے میرے قلعے کی بہت خبرداری کرنا، کوئی یگانہ بیگانہ قلعے کے گرد پھٹکنے نہ پاوے، اور آپ یراقِ عیاری اپنے بدن پر لگا کر انگِ زمرد کی طرف، جس میدان میں صفِ جنگ ہوئی تھی، روانہ ہوا۔

آنا عبدالرحمٰن جنی وزیرِ شہنشاہِ پردۂ قاف کا امیر کے لینے کو

راویانِ اخبار و ناقلانِ آثار روایت کرتے ہیں کہ ہرگاہ دیوان روسیاہ نے شہپال بن شاہ رخ شہنشاہِ پردۂ قاف سے سرکشی کر کے شہرِ سیمیں و شہرِ زریں و شہرِ بقم و شہرِ قاقم و قصرِ بورو بیابانِ مینا و قصرِ ابیض و قصرِ مرصع و قصرِ گوہر و قصرِ زمرد و قصرِ یاقوت و چہل ستون و باغِ سدابہار و باغِ فرحت افزا و باغِ ہشت بہشت و قصرِ مینا و باغِ جناں و طلسماتِ ساختۂ حضرت سلیمانؑ و بلادِ شترسراں و گاوسراں و گاوپایاں و گلیم گوشاں و نیم تناں وغیرہ کو چھین لیا۔ فقط گلستانِ ارم باقی رہ گیا کہ شہنشاہ مع عیال اس میں قلعہ بند ہو کر بیٹھا۔ ایک روز شہنشاہ کو یاد آیا۔ عبدالرحمٰن جنی وزیر کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ وہ لڑکا آدم زاد، حمزہ نامی، جس کا گہوارہ تم نے پردۂ دنیا سے اٹھوا منگوایا تھا اور کہتے تھے کہ ایک روز ایسا ہوگا کہ تمام دیوانِ قاف متمرّدی کر کے مطلق ملک آپ کا چھین لیں گے اور آپ گلستانِ ارم میں قلعہ بند ہو کر بیٹھیں گے، یہ لڑکا آ کر سب کو مارے گا اور ملک کو ان کے ہاتھ سے متخلص کر کے بدستور آپ کے حوالے کرے گا، آج کل کہاں ہے؟ عبدالرحمٰن نے قرعہ پھینک کر بیان کیا کہ بالفعل اس نے ایک تلوار زہر آلودہ سر پر کھائی ہے۔ اگر اس وقت آپ چاہیں تو وہ آ سکتا ہے۔ شہنشاہ نے کہا کہ اس سے بہتر کیا ہے! اسی دم مرہم سلیمانی منگا کر عبدالرحمٰن کو دیا اور میوہ ہائے پرنغز پردۂ قاف کے بھی ساتھ کیے اور فرمایا کہ ہاں، جلد جاؤ، اس مرہم کو اس کے سر پر لگاؤ کہ زخم اندمال پاوے اور میوہ کھلاؤ کہ اس کو قوت آوے اور بعد صحت کے اس کو اپنے ساتھ لے آؤ۔ عبدالرحمن تخت پر سوار ہو کے کئی سو جن اپنے ہمراہ لے کر پردۂ قاف سے روانہ ہوا۔ جب سبزہ زارِ دامنِ کوہِ ابوالقبیس پر پہنچا، دیکھا کہ حمزہ سبزے پر بیہوش پڑا ہے۔ اسی وقت تخت پر لٹا کے کوہِ ابوالقبیس کے ایک غار میں اٹھوا لے گیا اور پٹی مرہم سلیمانی کی زخم میں لگا کر میوۂ قاف کی ڈالیاں گرد

اس کے چمن دیں، تا کہ اس کی بو سے دماغ میں قوت آئے۔ تیسری پٹی بدلی تھی کہ امیر نے آنکھیں کھول دیں۔ عبدالرحمن نے سلام علیک کی۔ امیر نے سلام علیک کا جواب دے کر پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اور آپ کا نام ونشان کیا ہے اور مجھ کو اس تخت پر کس نے لٹایا ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں شہپال بن شاہ رخ شہنشاہِ پردۂ قاف کا وزیر ہوں۔ نام میرا عبدالرحمٰن ہے۔ خورد سالی میں آپ کا گہوارہ آپ کے گھر سے شہنشاہ کے حسب الطلب میں نے اٹھوا منگوایا تھا۔ شہنشاہ نے ایک ہفتہ رکھ کر اکثر دیو وغول وجن کا دودھ آپ کو پلوایا کہ جوانی میں کسی سے آنکھ نہ جھپکے، اور سرمۂ سلیمانی آنکھوں میں دے کر ایک گہوارہ پر تکلف اپنے یہاں سے منگوا کر اس پر لٹا کے آپ کو آپ کے گھر بھیج دیا۔ چوں کہ بالفعل آپ کو تذکرتا مجھ سے پوچھا، میں نے قرعے کی رو سے معلوم کیا کہ آپ تیغ زہر آلودہ سے مجروح اس میدان میں بیہوش پڑے ہیں۔ بادشاہ نے مرہم سلیمانی اور ڈالیاں قاف کے میوے کی میرے ساتھ کر کے مجھے آپ کے پاس بھیجا کہ تیمارداری کروں۔ میں جو یہاں آیا تو جیسا کہ قرعے سے معلوم ہوا تھا، ویسا ہی میں نے آپ کو دامنِ کوہ کے سبزے میں بیہوش پایا۔ تخت پر لٹا کے اس غار میں اٹھ لایا۔ الحمدللہ کہ آپ کے سر کا زخم مندمل ہوگیا۔ باقی رہی طاقت، سو یہ میوہ کھائیے، ساعتاً فساعتاً طاقت آئے گی۔ امیر نے پوچھا کہ تم نے مجھ کو کیونکر پہچانا؟ عبدالرحمن نے کہا کہ خالِ سبز وکلالۂ ابراہیمی سے۔ امیر عبدالرحمٰن کے اخلاق سے بہت محظوظ ہوئے اور کمال خاطرداری کی۔ عبدالرحمٰن نے کئی سو جن جو ہمراہ آئے تھے، سب کی ملازمت کروائی اور امیر سے کہا کہ ایک استدعا غرضانہ بھی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کلّی ہولے تو عرض کروں گا۔ امیر نے فرمایا کہ بسر وچشم۔ مجھ کو بے آپ کے کہے آپ کی استدعا قبول ہے۔

عمرو کا حال سنیے کہ یہ جو امیر کی تلاش میں نکلا، تمام النگِ زمرد وکوہِ ابوالقیس کو چھان مارا مگر امیر کا پتا نہ پایا۔ ہرگاہ پھرتا پھراتا اس النگ کو، جہاں سیاہ قیطاس چر رہا تھا، آیا۔ دیکھا کہ سیاہ قیطاس چر رہا ہے۔ اس کے پکڑنے کو دوڑا۔ پہلے تو سیاہ قیطاس نے عمرو کو پہچانا نہیں، دم اٹھا کر شیرِ غرندہ کی طرح عمرو پر آیا۔ جب عمرو نے بآوازِ بلند چمکارا تو آواز پہچان کر کان ڈال دیے۔ عمرو نے اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر پوچھا کہ تیرا راکب کہاں ہے؟ ہنہنا کر غار کی طرف اشارہ کرنے لگا، مگر عمرو اس کے اشارے کو نہ سمجھا۔ چاروں طرف ڈھونڈ ڈھانڈ کر چلا آیا۔ عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ سیاہ قیطاس کو تو تم اپنے مکان پر لے چلو کہ رونے والوں کے آنسو پونچھے جائیں، امیر کو پھر آ کر تلاش کرو یہ سوچ کر سیاہ قیطاس کو لے جا کے تمام لشکر وامرایان وشاہان وپہلوانانِ نامدار وخواجہ عبدالمطلب ومہر نگار کو دکھلا کر کہا کہ سیاہ قیطاس تو ملا ہے، آپ صاحبوں کی تشفی کے واسطے لے آیا ہوں، اب جاتا ہوں، امیر کا بھی ٹھکانہ لگاتا ہوں۔

اب کی دفعہ عمرو کوہ ابوالقیس کی تلی میں ڈھونڈتا ہوا جا نکلا۔ ایک غار میں سے کچھ آواز آدمی کی عمرو کے کان میں آئی۔ اندر جا کر دیکھے تو امیر ایک تخت پر بیٹھے ہوئے میوہ کھا رہے ہیں۔ عمرو دوڑ کر امیر کے قدموں پر گر پڑا۔ امیر نے اس کا سر اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا اور مہرنگار کی خیر و عافیت پوچھی۔ عمرو نے تمام کیفیت عرض کی اور ہاتھ باندھ کر روبروامیر کے کھڑا ہوا۔ چونکہ عمرو کی آنکھوں میں سرمۂ سلیمانی نہ تھا، اس سے کوئی جن عمرو کو نظر نہ آیا، اور جنوں نے جو عمرو کو عجیب الخلقت دیکھا، لگے خوش طبعی کرنے۔ ایک جن نے عمرو کے دونوں پاؤں پیچھے سے کھینچ لیے۔ عمرو منھ کے بل گر پڑا۔ امیر ہنسنے لگے۔ عمرو بولا کہ یا صاحبقراں، ہنستے کیا ہو؟ تمام کوہ وصحرا میں تم کو ڈھونڈتا پھرا ہوں، اس سے تھک گیا ہوں، طاقت پاؤں میں نہیں رہی، گر پڑا۔ امیر نے عمرو کو آگے اپنے بلایا۔ ایک جن عمرو کے آگے دو زانو بیٹھ گیا۔ عمرو نے جو قدم بڑھایا، ٹھوکر لگ کر پھر گر پڑا۔ امیر پھر ہنسنے لگے۔ عمرو نے پھر وہی عذر کیا۔ ایک جن نے تاج عمرو کا الگ تھلگ اتار لیا اور عمرو کو معلوم نہ ہوا۔ صاحبقراں نے فرمایا کہ بھائی عمرو، ننگے سر کیوں ہو؟ تاج تم نے کیا کیا؟ عمرو نے جو سر پر ہاتھ پھیرا تو واقعی تاج نہیں ہے۔ لگا غل مچانے اور خفا ہونے۔ جب امیر نے دیکھا کہ عمرو تنگ ہوتا ہے، تب کہا کہ بھائی شہپال بن شاہ رخ شہنشاہِ پردۂ قاف نے اپنے وزیر عبدالرحمٰن جنی کو کسی کام کے واسطے میرے پاس بھیجا ہے، مگر انھوں نے ہنوز کچھ مجھ سے بیان نہیں کیا، بعد صحت کے بیان کریں گے، اور میرے سر کے زخم کو بھی انھوں ہی نے اچھا کیا ہے اور یہ میوہ بھی میرے کھانے کو، کہ جس میں جلد طاقت آوے، وہی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ ان کے ساتھ جو جن ہیں وہ تمھارے ساتھ خوش طبعی کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر تاج جس جن نے اتار لیا تھا، اس سے لے کر عمرو کے حوالے کیا اور عبدالرحمٰن سے عمرو کی تعریف کر کے عمرو کی آنکھوں میں سرمۂ سلیمانی ڈلوایا۔ تب تو عمرو سب کو دیکھنے لگا۔ امیر نے عمرو کی ملاقات عبدالرحمٰن سے کروا کے کہا کہ لو اب تم جاؤ، ہماری صحت وسلامتی کی خبر مکہ میں پہنچاؤ، مگر یہاں کا رہنا ہمارا کسی سے نہ کہنا۔ عمرو تو مکہ کی طرف گیا، صاحبقراں نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ اب آپ اپنا مطلب کہیے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ یہ تو پہلے ہی میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ جب آپ سات دن کے تھے، میں نے از روئے رمل شہنشاہ سے کہا تھا کہ ایک زمانے میں جتنے دیو ہیں، آپ سے متمرّدی و سرکشی کر کے تمام ملک آپ کا چھین لیں گے، مگر ایک لڑکا آدم زاد سات دن ہوئے ہیں کہ شہر مکہ میں پیدا ہوا ہے، وہ آ کر جتنے دیوانِ سرکش و زبردست ہیں، ان کو جہنم واصل کر کے آپ کا ملک آپ کے زیرِ نگیں کرے گا۔ چنانچہ شہنشاہ نے میری ہی معرفت آپ کا گہوارا اٹھوا منگا کر سات روز تک اپنے پاس رکھا اور دیو، جن، غول، شیر و دیگر جانورانِ درندہ کا دودھ آپ کو پلوایا کہ جوانی میں آپ کی آنکھ کسی سے نہ جھپکے، اور آٹھویں دن آپ کو اپنے یہاں کے گہوارے میں کہ مغرق بہ جواہر تھا، لٹا کر مکہ میں بھیج دیا۔ سو بالفعل عفریت نامی ایک دیو نے ایسا زور

پکڑا ہے کہ تمام ملک قاف کا اپنے عمل میں کرلیا ہے۔ شہنشاہ گلستانِ ارم میں قلعہ بند ہیں، اور اس کو بھی کہتا ہے کہ خالی کر دو۔ شہنشاہ نے مجھ سے کہا کہ جس لڑکے کا گہوارہ طفلگی میں پردۂ دنیا سے تم نے اٹھوا منگایا تھا اور کہا تھا کہ یہ لڑکا تمھارے سب دشمنوں کو قتل کر کے تمھارا ملک از دست رفتہ تم کو دلوا دے گا، پس اب تو وہ لڑکا جوان ہوا ہوگا۔ دیکھو تو وہ آج کل کہاں ہے؟ میں نے از روے رمل تم کو زخمی اس سبزے میں پڑا پایا۔ شہنشاہ نے سن کر فرمایا کہ جلد مرہمِ سلیمانی لے جا کر اس کے زخم اچھا کرو اور میوے کھلاؤ کہ یوماً فیوماً اس کو قوت حاصل ہو، اور میری طرف سے دعا کہہ کر کہنا کہ اس عفریت کافر نے کہ میرے بزرگوں کے وقت میں ایک ادنیٰ پیادہ تھا، بدرخی کر کے سوارانِ ایک اسپہ و دو اسپہ و پیادگانِ راست رو اور پہلوانانِ فیل سوارہ کو اپنے تابع کر کے شطرنج کے فرزین کی طرح کجروی اختیار کی ہے اور مجھ کو ایک گھر میں، کہ گلستانِ ارم اس کا نام ہے، زچ کر کے قلعہ بند کر رکھا ہے کہ میں آگے پیچھے داہنے بائیں کسی طرف جا نہیں سکتا ہوں اور مطلق بے بساط ہو رہا ہوں۔ اگر تم سا شاطر میری مدد نہیں کرے گا تو بازی میری مات ہو چکی ہے کہ حریف کی دستبرد نے نقشہ میرا بگاڑ دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ میں حضرت سلیمانؑ کی اولاد میں ہوں اور تم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ہو، لازم ہے کہ ایک پیغمبرزادہ دوسرے پیغمبرزادے کی مدد کرے۔ امیر نے فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن، اگر مجھ سے وہ دیو مارا جاوے اور شہنشاہ کا ملک میرے قوت بازو سے متخلص ہو کر شہنشاہ کے قبضے میں آوے تو میں چلنے کو حاضر ہوں۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ میں بخوبی رمل میں دیکھ چکا ہوں کہ عفریت کُش آپ ہی ہیں اور ملک بھی آپ ہی کی عنایت اور اعانت سے متخلص ہوگا۔

عمرو کا حال سنیے۔ امیر کے پاس سے جو گیا، خواجہ عبدالمطلب اور رئیسانِ مکہ اور سردارانِ فوج اور مہر نگار سے امیر کی سلامتی کا حال بیان کر کے کہا کہ اگر ایسے مژدے پر بھی مجھ کو خوش نہ کرو گے تو کس دن خوش کرو گے؟ سبھوں نے اپنے اپنے حوصلے کے موافق عمرو کو دیا اور ہر شخص نے بجاے خود سامان جشن کا کیا۔ صبح کے وقت پھر امیر کے پاس آیا۔ امیر نے عمرو سے کہا کہ بھائی عمرو، چند روز کا سفر ہم کو اور بھی درپیش ہوا ہے۔ عمرو نے کہا کہ کیسا؟ امیر نے جو کچھ عبدالرحمٰن سے سنا تھا، اس کا اعادہ کیا۔ عمرو بولا کہ اے حمزہ، خیر ہے؟ بے سود کالے کوسوں کا سفر کرنا اور اس محنت و مشقت سے مہر نگار کو لا کر گوشے میں بٹھلا رکھنا اور عیش نہ کرنا، یہ کیسی عقل ہے؟ امیر نے کہا کہ اب ان کا مجھ پر احسان ہے کہ انھوں نے آن کر میرے سر کا زخم اچھا کیا ہے۔ باقی، تو جانتا ہے کہ میں دیو جن غول جادوگر کے باپ سے بھی نہیں ڈرتا ہوں۔ میری موت ہی میری نگہبان ہے۔ اس میں عبدالرحمٰن نے کہا کہ یا صاحبقراں، آپ کو تین دن جانے اور تین دن آنے اور ایک دن اوّل وہاں رہنے اور ایک دن عفریت کے مارنے اور ایک دن جشنِ فتح میں، مجموع نو دن کا عرصہ ہوگا۔ امیر نے فرمایا کہ

قبول کیا دونا دوں اٹھارہ دن لگیں گے، تو بھی کچھ قباحت نہیں۔ عمرو نے کہا کہ اچھا، جیسی آپ کی مرضی۔ میں اٹھارہ دن اور مہر نگار کی محافظت کروں گا، انیسویں دن مجھے کچھ کام نہیں ہے۔ آپ جانیں اور آپ کا کام جانے۔ امیر نے فرمایا کہ میں نے قبول کیا۔ جاؤ میرا قلمدان لے آؤ تا کہ میں مہر نگار اور سردارانِ لشکر کو نصیحت نامہ لکھوں کہ میرے آتے تک سب تمھاری تابعداری کریں۔ عمرو روتا ہوا اس غار سے نکلا اور مکہ کی طرف چلا۔ جس وقت عمرو مکہ میں پہنچا اور خواجہ عبدالمطلب نے امیر کے پردۂ قاف پر جانے کا حال سنا، کمال مضطر ہو کے عمرو سے کہا کہ کسی طرح سے امیر کو سمجھا کر یہ عزم فسخ کروایا چاہیے۔ عمرو نے عرض کی کہ میرے سمجھانے نے کچھ تاثیر نہیں کی مگر حضور ایک خط لکھیں، اگر آپ کا فرمانا کچھ موثر ہو تو ہو۔ خواجہ عبدالمطلب نے امیر کا قلمدان منگا کر ایک نصیحت نامہ امیر کو لکھا اور عمرو کو سپرد کیا۔ عمرو وہاں سے لشکر میں آیا اور امیر کے سفر کی خبر سردارانِ لشکر کو دی۔ وہ بھی رونے پیٹنے لگے۔ جب عمرو نے مہر نگار سے عزمِ امیر ظاہر کیا، مہر نگار زمین پر گر کے پچھاڑیں کھانے لگی۔ عمرو نے کہا کہ ملکہ، اس رونے پیٹنے سے کچھ سود نہیں ہے۔ جس طرح سے خواجہ عبدالمطلب نے امیر کو نصیحت نامہ لکھا ہے، تم بھی اپنی طرف سے کوئی خط لکھو۔ دیکھو، جواب کیا آتا ہے۔ مہر نگار نے ایک فراق نامہ مشتمل بر نصیحت امیر کو لکھا اور آخر کو یہ بھی لکھا کہ درصورت عزم فسخ نہ کرنے کے مجھ کو بھی اپنے ساتھ لیتے چلو، اور اگر چھوڑ جاؤ گے تو یہ یاد رہے کہ مجھ کو آ کر جیتا نہ پاؤ گے، میں اپنا جوہر کروں گی۔ عمرو نے اس نامے کو بھی خواجہ عبدالمطلب کے خط کے ساتھ اپنے پاس رکھا اور چپکے سے قلمدان بغل میں دبا کر امیر کے پاس گیا۔ قلمدان آگے رکھ کر خواجہ عبدالمطلب و مہر نگار کے خطوط پیش کیے۔ امیر نے پہلے تو ایک عرضی اپنے والد کی خدمت میں لکھی۔ بعدازاں ایک شقہ سردارانِ لشکر کو لکھا کہ مجھ کو بالضرورت چندروز کا سفر درپیش ہوا ہے۔ جس کو میری اطاعت و رفاقت منظور ہو وہ میرے آنے تک خواجہ عمرو کو میری جگہ پر سمجھے، نوعے عمرو کی حکم عدولی نہ کرے۔ اور مہر نگار کے خط کے جواب میں لکھا کہ میں اٹھارہ دن کے واسطے جاتا ہوں۔ شہنشاہ قاف نے اپنے وزیر کو میرے علاج کے واسطے بھیجا اور اس نے آ کر مجھ کو تندرست کیا، پس اخلاق و مروت و جوانمردی سے بعید ہے کہ میں اس کی مصیبت میں کام نہ آؤں۔ میری خاطر اگر تم کو منظور ہے تو اٹھارہ دن کی مفارقت اور بھی میری قبول کرو۔ اور مرد عورتوں کو مہم میں اپنے ساتھ نہیں لیے پھرتے ہیں کہ میں تم کو لیتا جاؤں۔ ہاں، اگر تفریحاً سیر و شکار کے واسطے جاتا تو مضائقہ نہ تھا، تم کو بھی لے جاتا۔ اور جب تک میں آؤں، عمرو کے کہنے پر عمل کرنا۔ خطوط عمرو کو دیے کہ مکتوب الیہم کو پہنچا دو اور ہمارے سلاح لا دو، مگر کسی کو خبر نہ ہونے پاوے۔ عمرو امیر کے پاس سے شہر میں آیا لیکن خط کسی کو نہ دیا۔ صبح سلاح لے کر امیر کے پاس روانہ ہوا۔ صاحبقران نہایت عمرو سے خوش ہو کر سلاح بدن پر لگا کے چلنے کی فکر میں ہوئے۔

مارا جانا گستھم کا امیر کے ہاتھوں

اب دو کلمے گستھم کے سنیے کہ جب شقہ نوشیرواں کا اس کی طلبی میں پہنچا، دو اسپہ منزلیں طے کر کے مدائن میں پہنچا۔ نوشیرواں نے تمام کیفیت امیر کے مدائن تاراج کرنے اور مہرنگار کے لے جانے کی بیان کر کے کہا کہ آج کئی دن ہوئے ہیں کہ ژوپین کاؤس چالیس ہزار سوار سے آیا تھا۔ میں نے عباسان ملک کو تیس ہزار سوار دے کر اس کے ساتھ حمزہ کی تنبیہ اور مہرنگار کے لانے کے واسطے بھیجا ہے۔ مگر تم بھی جاؤ، بالاتفاقِ ژوپین وعباسان ملک، حمزہ کو قتل کرو اور مہرنگار کو لے آؤ۔ گستھم تیس ہزار سوار سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن ژوپین النگِ زمرد کی طرف سے گیا تھا اور گستھم بیشۂ فیض کی طرف سے چلا۔ جب قریب پہنچا، معلوم ہوا کہ حمزہ نے ژوپین کے ہاتھ سے زخمِ کاری کھایا تھا اور اب مفقودالخبر ہے۔ معلوم نہیں کہ مر گیا کہ جیتا ہے اور اگر جیتا ہے تو کہاں ہے۔ قلیل سے مسلمان مکہ میں ہیں۔ گستھم اپنے دل میں بہت خوش ہوا اور مکہ سے تین کوس کے فاصلے پر خیمہ استادہ کر کے طبلِ جنگ بجوایا۔ ہنوز امیر قاف کی طرف روانہ نہ ہوئے تھے کہ آواز قرنا و کوس کی امیر کے کان میں پہنچی۔ امیر نے عمرو سے کہا کہ بھائی دیکھو تو، یہ طبل کہاں بجا؟ آیا کسی کا لشکر پہنچا؟ عمرو جو آ کر دیکھے تو گستھم تیس ہزار سوار سے لڑنے کو آیا ہے۔ پہلے تو عمرو نے قلعے میں جا کر برج و فصیلوں پر لوگوں کو قائم کیا اور تیرانداز و رعدانداز و برق انداز و نفط انداز جابجا موقعے سے بٹھلا دیے۔ بعدازاں عمرو نے چاہا کہ امیر کو جا کر خبر دے، کہ گستھم تیس ہزار سوار سے قلعے پر آ پہنچا اور لوگوں کو حملے کا حکم دیا۔ کئی ہزار سوار نے قلعے پر حملہ کیا۔ عمرو نے وہ آتش بازی کی مار دی کہ جتنے آئے تھے، جھلس کر مر گئے۔ باقی ماندہ میں سے کسی نے دہشت کے مارے آگے کو قدم نہ بڑھایا۔ گستھم نے طبلِ بازگشت بجا کر فوج سے کہا کہ آج ستاؤ، کل سمجھ لیں گے۔ جب حمزہ نہیں ہے تو اس قلعے کا لینا کتنی بڑی بات ہے۔ صبح کو کھڑی سواری لے لے کر کے لے لیں گے۔ عمرو نے فرصت پائی۔ جو کچھ گذرا تھا امیر سے جا کر کہا۔ امیر نے فرمایا کہ تم جا کر کوسِ جنگ بجواؤ اور صبح کو میدان میں نکل کر فوج کی صف بندی کرو، میں

آن کر سمجھ لوں گا۔ اور سیاہ قیطاس کو قبل از انتشارِ سپیدۂ صبح مجھ تک پہنچا دو۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ مرکب منگوانا کیا ضرور ہے؟ تخت پر سوار ہو کر کیوں نہ چلیے۔ امیر نے فرمایا کہ اچھی بات ہے۔ عمرو کو سیاہ قیطاس کے لانے کو منع کر کے فرمایا کہ اچھا بھائی عمرو، صبح کو تم میدانِ رزم میں صف آرا ہو کر ہمارا انتظار کرنا، ہم آن کر اس پدوڑے سے سمجھ لیں گے۔ عمرو نے قلعے میں آ کر چھوٹے سے بڑے تک کو مژدہ دیا کہ صبح کو تم سب صاحبقراں کو دیکھو گے۔ میں نے گستہم کا حال بیان کیا تھا، فرمایا کہ اس وقت تم جا کر طبلِ جنگ بجواؤ، صبح کو میدانِ رزم میں صف آرا کر کے ہمارے منتظر رہنا، ہم آ کر اس کو سزا دیں گے۔ یہ کہہ کر کیا بہ چینی و قلابہ چینی کو کوسِ سکندری پر ڈنکا دینے کا حکم دیا۔ واقع میں یہ مژدہ سن کر چھوٹے سے بڑے تک کو وہ شب شبِ برات و شبِ عید ہو گئی۔ رات بھر دونوں لشکروں میں طبلِ جنگ بجا کیا۔ صبح کو عمرو نے ایک اشتر بردعی پر سوار ہو کے جنگاہ میں جا کر صف بندی کی۔ گستہم بھی عمرو کے مقابلے میں اپنے لشکر کو لے کر کھڑا ہوا۔ دیکھا اس نے کہ صاحبقراں تو نہیں ہیں، عمرو لڑنے کو آیا ہے۔ خوش خوش اپنے گینڈے کو میدان میں نکالا۔ چاہتا تھا کہ مبارز طلب ہو، عمرو نے تخت صاحبقراں کا دیکھ کر اپنے سردارانِ لشکر سے کہا کہ دیکھو، وہ صاحبقراں آتے ہیں۔ جب تخت قریب پہنچا، سبھوں نے دیکھا کہ صاحبقراں مسلح دو زانو تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ سب کے سب مارے خوشی کے اپنے گھوڑوں پر سے زمین پر گر پڑے۔ گستہم دیکھ کر بے اختیار قہقہہ مار کے ہنسا۔ عمرو بولا کہ او رونی صورت، ہنستا کیا ہے؟ کوئی دم میں روتا ہوا جہنم کو راہی ہوگا۔ وہ دیکھ، صاحبقراں، تیری جان کا ملک الموت آ پہنچا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ اس میں صاحبقراں کا تخت آسمان پر سے زمین پر اترا۔ گستہم اور اس کا لشکر دیکھ کر سخت متحیر ہوا کہ حمزہ بلائے آسمانی کی طرح کدھر سے نازل ہوا۔ صاحبقراں نے اس کو للکارا کہ او پدوڑے، اگر آیا ہے تو آ، سامنے آ۔ گستہم نے نیزہ امیر کے سینۂ بے کینہ پر چلایا۔ امیر نے نیزہ اس کے ہاتھ سے چھین کر اسی نیزے کی ڈانڈ اس کے گینڈے کے سر پر جو ماری، بھیجا اس کا نکل آیا۔ گستہم نے زمین پر گر کے تلوار امیر پر چلائی۔ امیر نے اس کی تلوار کو جو اپنی تلوار پر گانٹھا، اس کی تلوار گہہ کے پاس سے ٹوٹ گئی۔ ہرگاہ امیر نے ہاتھ اٹھایا، گستہم نے اپنا سر چرایا۔ امیر نے ایک ہاتھ اس کی کمر پر ایسا ستواں لگایا کہ مانندِ خیارِ تر دو ٹکڑے ہو گیا۔ لشکر جو اس کا چپقلش کر کے آیا، عبدالرحمٰن نے اپنے جنوں سے کہا کہ دیکھتے کیا ہو، ان کو مار لو۔ چار سو جن جو عبدالرحمٰن کے ساتھ تھے، ایک ایک نے دو دو آدمیوں کو اٹھا کر پرواز کی اور اوپر سے ایک ایک آدمی کو دو دو آدمیوں پر مار کے بیس ہزار آدمی گستہم کی جلو کے واسطے جہنم کو بھیجے اور قریب تین ہزار آدمی کے عمرو نے پہلے دن، جب گستہم نے قلعے پر حملہ کیا تھا، آتش بازی سے جھلسا کر فی النار و السقر کیے تھے۔ سات ہزار آدمی جو منجملہ تیس ہزار کے بچا تھا، اس نے اپنی جان کو غنیمت جانا۔ گستہم کی لاشِ دو پارہ کو لے کر مدائن کی طرف رخ کیا۔ جب امیر گستہم کی لڑائی فتح کر چکے، عبدالرحمٰن امیر کو لے کر قاف کو روانہ ہوا۔

جانا امیر کا کوہ قاف کی طرف اور پھر آنا وہاں سے اٹھارہ برس کے بعد

راوی روایت کرتا ہے کہ امیر تو قاف کو روانہ ہوئے، عمرو نے خیمہ وخرگاہ ونقد وجنس لشکرِ کفار کا اکٹھا کر کے، نقد و جنس تو آپ لیا اور زوائدات سے جو کچھ تھا، اپنے لشکر کو انعام دیا، اور خواجہ عبدالمطلب کے خط کا جواب خواجہ کو اور مہر نگار کے اشتیاق نامے کا جواب مہر نگار کو اور سردارانِ لشکر کا خط سردارانِ لشکر کو دے کر امیر کے قاف روانہ ہونے کی خبر جمیع کو چک و بزرگ کو دی۔ خواجہ عبدالمطلب نے مجبور سنگِ صبر اپنی چھاتی پر دھرا اور امیر کے مع الخیر واپسی کی دعا مانگنے لگے، اور لشکرِ اسلام نے کہا کہ خواجہ، ہم ہمیشہ سے تم کو دوسرا صاحبقراں جانتے ہیں، ہم کو تمھاری اطاعت وفرمانبرداری میں کیا عذر ہے۔ اگر آگ میں ڈال دو گے تو جل مریں گے پانی میں ڈال دو گے تو گر پڑیں گے۔ عمرو نے سب کو چھاتی سے لگایا اور کہا کہ حقیقت میں تم لوگ صاحبقراں کے دوست ہو۔ بابا، اطاعت کیسی؟ میں سلوکِ برادرانہ کا تم سے امیدوار ہوں اور مہر نگار کی محافظت کا خواہاں ہوں، کہ نوشیرواں سا بادشاہ اس کے درپے ہے اور اب جو امیر کا پردہ قاف کی طرف جانا سنے گا تو کیا کیا فکر مہر نگار کے چھیننے کی نہ کرے گا۔ سرداروں نے کہا کہ خواجہ، جب تک ہمارے نتھنوں میں دم ہے، اور تو کوئی کیا مال ہے، اگر خود نوشیرواں مہر نگار کے لینے کو آوے تو ذلت اٹھاوے۔ عمرو نے کہا کہ مجھ کو اس سے زیادہ تم سے امید ہے، اور اگر امیر تم کو ایسا نہ جانتے تو اپنے ناموس کو تمھارے بھروسے پر کب چھوڑ جاتے۔ یہ کہہ کر تمام لشکر کو قلعے کے اندر لے جا کر قلعے کو مثلِ طاؤس مرقع بنایا اور خندق کو غرقِ آب کر کے دروازے کے آگے سے پل تختہ اٹھا لیا، اور فیل بند دروازے پر ایک شامیانہ زرد اطلس کا استادہ کر کے اس کے نیچے کرسی مرصع اپنی نشست کے واسطے بچھا کر مہر نگار کے پاس گیا۔ مہر نگار نے کہا کہ خواجہ، خدا جانتا ہے، میں تم کو اپنے باپ کی جگہ جانتی ہوں۔ امیر

نے نصیحتاً لکھا ہے کہ خواجہ کے حکم سے باہر نہ ہونا۔ معاذ اللہ، میں اور تمھاری اطاعت سے سرکشی کروں! خدا غارت کرے اس گھڑی کو، بلکہ مجھ کو بھی، جس گھڑی میں تمھاری نافرمانی کروں۔ خواجہ نے پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ ملکہ صاحب، میں جو کچھ عرض کروں گا، نفس الامر میں خیر خواہی سے باہر میری عرض نہ ہوگی، اور امیر نے جو اطاعت کو لکھا ہے تو اس واسطے لکھا ہے کہ امیر کا پیچھا ہے اور مستورات مردوں کے برابر ذی فطرت نہیں ہوتی ہیں۔ سوائے اس کے، صفِ جنگ و جہاد عورتوں پر حرام ہے، اور باپ آپ کا درپئے عداوت ہے۔ باقی، میں آپ کا تابعدار ہوں۔ مہرنگار نے کہا کہ خواجہ، یہ کون سی بات ہے۔ میں امیر کے آگے اور پیچھے دونوں عالم میں تمھاری فرمانبردار ہوں۔ عمرو بہت اپنے دل میں خوش ہوا اور چھ مہینے کا غلّہ خرید کے، قلعے میں بھر کے کہنے لگا کہ اب چھ مہینے تک اگر تمام روے زمین کی فوج آوے اور قلعے کو چاہے کہ خالی کرے تو کیا مقدور ہے۔ یہ کہہ کر سرداروں اور پہلوانوں کو جابجا فصیلوں پر قائم کیا اور آپ بہ لباسِ شاہانہ ملبوس ہوکر شامیانے کے نیچے بیٹھ کے حسبِ وعدۂ صاحبقراں دن گننے لگا۔

کیفیت صاحبقراں کی جو راہِ قاف میں گذری

جنّات جو صاحبقراں کا تخت لے کر اڑے، زمین سے اس قدر تخت بلند ہوا کہ کوہستان وقلعہ جات دیکھنے سے رہ گئے۔ قریب ظہر کے ایک سبزہ زار پر تختوں کو اتارا۔ امیر نے عبدالرحمٰن سے پوچھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ بولا کہ ابھی سرحدِ آدم زاد ہے اور رستم بن زال کی ورزش گاہ ہے۔ امیر نماز سے فراغت کر کے تفریحاً ورزش گاہِ رستم کے دیکھنے کو گئے۔ وہاں ایک گنبد نظر آیا۔ اس کے اندر جو گئے تو دیکھا، ایک صندوق آہنی مقفل چھت میں لٹکا ہوا ہے۔ اسے جو کھولا تو اس میں ایک کمر بند و خنجر و حلقۂ کمان دیکھا اور ایک لوحِ سنگ پر لکھا پایا کہ یہ اسباب رستم کا ہے، جو شخص کہ صاحبقراں ہوگا وہ لے گا۔ صاحبقراں اس کو لے کر خوشی خوشی عبدالرحمٰن کے پاس آئے اور وہ اسباب مع لوح دکھلایا۔ عبدالرحمٰن نے کہا، مبارک ہو، یہ شگونِ بخشش ہے۔

اس دن اسی جگہ شب باش ہوئے، صبح کو بدستور پھر سوار ہو کر آخر روز ایک مقام پر اترے۔ دیکھیں تو کوسوں تک ایک دیوارِ آہنی ہے۔ دروازہ کھول کر اس کے اندر جو گئے، ایک سبزہ زار دیکھا اور ایک گنبد میں ایک سالک کو عبادتِ الٰہی میں مصروف پایا۔ اس نے امیر کو دیکھ کر سلام علیک کر کے کہا کہ یا صاحبقراں، میں دو سو برس سے تمھارا منتظر تھا۔ امیر نے سلام علیک کا جواب دے کر پوچھا کہ آپ نے کیونکر مجھے پہچانا کہ میں صاحبقراں ہوں؟ اس بزرگ نے کہا کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ سرحدِ قاف ہے، یہاں کوئی انسان نہیں آوے گا مگر ایک شخص حمزہ نامی آوے گا، سوالحمدللہ کہ میں نے تم کو دیکھ لیا۔ اب اتنا امیدوار ہوں کہ میرا وعدہ برابر آ پہنچا، مجھے غسل دے کر دفن کرتے جایئے۔ یہ کہہ کر کلمہ پڑھ کے جاں بحق تسلیم ہوا۔ امیر نے تاسف کیا اور اس کی وصیت تعمیل کی۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانا نوش فرما کے تخت پر سوار ہوئے۔

ایک شبانہ روز عبدالرحمٰن لیے چلا گیا، دوسرے دن ظہر کے وقت ایک بیابان میں اتارا۔ امیر نے عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ ابھی تو بڑا دن ہے، یہاں اترنے کا کیا سبب ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ یا صاحبقراں،

اس مقام پر اس واسطے ابھی سے اترا ہوں کہ یہاں سے تھوڑی دور پر راہدار نام سے ایک دیو رہتا ہے، کہ وہ رہزنی کرتا ہے۔ جو کوئی اس کی آنکھ بچا کر نکل جاتا ہے وہ تو جانبر ہوتا ہے، اور جس کو دیکھ پاتا ہے وہ اس کا شکار ہوتا ہے۔ اس لیے میں ابھی سے یہاں اترا کہ آدھی رات کو سوار ہو کر بے کھٹکے نکل جائیں گے۔ امیر نے فرمایا کہ ہم کو اس کے مکان پر لے چلا چاہیے کہ ہم اس کو مار کر خلق اللہ کو اس کے ہاتھ سے نجات دیں۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ یا صاحبقراں، وہ بڑا ہی موذی ہے۔ امیر نے فرمایا کہ یہ بتلاؤ، راہدار زبردست ہے یا عفریت؟ عبدالرحمٰن نے کہا، عفریت کے آگے راہدار کی کیا حقیقت ہے۔ صاحبقراں بولے کہ یہ طرفہ معاملہ ہے! عفریت کے مارنے کو تو مجھ کو قاف لیے جاتے ہو اور راہدار سے، کہ جو اس کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتا ہے، لڑنے کو منع کرتے ہو۔ عبدالرحمٰن نے معقول ہو کر عرض کی کہ ایک بلا اس میدان میں اور بھی نازل ہے کہ جس کے خوف سے اس جگہ کوئی نہیں ٹھہرتا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ اس بلا کا نام کیا ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ ایک شیر ہے۔ امیر شیر کا نام سن کر بہت خوش ہوئے اور اسی دم نیستان کی طرف تشریف لے گئے۔ شیر نے جو آدمی کی بو پائی، نیستاں سے باہر نکلا۔ امیر دیکھیں تو واقعی سر سے دم تک ساٹھ ہاتھ لمبا ہے، شیرِ بیشۂ فیض کو اس کے مقابل میں لومڑی کہا چاہیے۔ امیر نے اس کو للکارا۔ وہ ڈکارتا ہوا امیر کے اوپر آیا۔ برابر آنا تھا کہ امیر نے بدن چرا کر ایک ہاتھ اس کی کمر پر ایسا لگایا کہ صاف دو ٹکڑے ہو گیا۔ جن امیر کی قوت دیکھ کر بہت متعجب ہوئے اور عبدالرحمٰن نے امیر کے قبضے کو چوم لیا اور وہیں سے سوار ہو کر راہدار دیو کے مکان کی راہ لی۔ امیر تمام رات اس خوف سے نہ سوئے کہ ایسا نہ ہو راہدار کے مکان کی راہ کو کاٹ کر چلے جائیں۔ صبح ہوتے ہوتے راہدار کے مکان پر پہنچے، لیکن جنوں کے بدن میں اس کے خوف سے رعشہ پڑ گیا۔ متصل اس کے مکان کے تخت کو رکھ کر، جتنے جن تھے اِدھر اُدھر گوشوں میں چھپے رہے۔ امیر تخت پر سے اتر کر راہدار کی تلاش میں چلے۔

راہدار کا حال سنیے کہ وہ تین سو دیو سے اس مقام پر رہتا تھا اور ہمیشہ خبر منگوایا کرتا تھا کہ شہنشاہِ پردۂ قاف کس فکر میں ہے۔ ایک روز ایک دیو نے آ کر خبر دی کہ شہنشاہ نے عبدالرحمٰن کو ایک آدم زاد کے لانے کے واسطے پردۂ دنیا پر بھیجا ہے کہ وہ آ کر دیوانِ قاف کو قتل کرے۔ اس دن سے راہدار شبانہ روز تاک میں تھا کہ وہ آدمی کب آئے کہ میں اپنی ڈاڑھ گرم کروں۔ قضا کار اس وقت راہدار قلّۂ کوہ پر بیٹھا ہوا سبزہ زار کی سیر کر رہا تھا کہ صاحبقراں اس کو دکھائی دیے۔ تجویز کیا کہ شاید وہ آدمی آیا اور یہ آدمی اسی کے ہمراہیوں میں سے ہے۔ ایک دیو کو حکم دیا کہ اس آدمی کو اٹھا لا۔ وہ دیو جو امیر کے پاس آیا، ہاتھ بڑھا کر چاہا کہ امیر کو اٹھا لے جائے۔ امیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکا جو دیا، دیو دو زانو بیٹھ گیا۔ امیر نے ایک مکا اس زور سے اس کے سر پر مارا کہ مغز اس کا اس کی گردن میں گھس گیا۔ راہدار نے یہ کیفیت دیکھ کر معلوم کیا کہ ہو نہ ہو، یہ وہی آدمی ہے جسے

عبدالرحمٰن لینے گیا تھا۔ یہ سوچ کر تین سو دیو سمیت امیر کے سر پر آیا۔ امیر نے اس زور سے ایک نعرہ کیا کہ تمام بیابان بید کے مانند لرز گیا اور پہاڑ پر بھونچال آ گیا۔ راہدار اپنے تین سو دیو سمیت الگ ہوا۔ امیر نے دیکھا کہ تخمیناً تین سو گز کا قد ہے اور دو شاخیں پچاس پچاس گز کی، مثلِ شاخ ہائے خشکِ نخلِ دیودار، سر پر ہیں، اور مانند اندارے کے دہن کشادہ ہے، طشتِ خون سی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ ناک کیا ہے کہ گویا تابوتِ بزرگ آنکھوں کے نیچے، ہونٹوں کے اوپر رکھا ہے۔ کمر میں شیروں کی کھال کا لنگوٹ کسے ہوئے، اس پر دم اپنی لپیٹے، زنجیریں خلخالیں زرّیں مرصّع ہاتھ پاؤں گلے میں ڈالے، امیر کے برابر آ کر کہنے لگا کہ او سیاہ سر ندااں سپید، تو نے میرے دیو کو کیوں مارا؟ اب مجھ سے بچ کر کیونکر جائے گا؟ یہ کہہ کر ایک دار شمشاد، جس میں کئی آسیا سنگ تعبیہ کیے ہوئے تھے، امیر کے سر پر مارا۔ امیر نے اس کو رد کیا اور متصل جا کر ایک ضرب خنجرِ رستم کی اس زور سے اس کے پہلو میں لگائی کہ دوسرے پہلو سے امیر کا ہاتھ نکل گیا۔ اس نے تو ایک ہی ضرب میں دانت نکال دیے، امیر نے خنجر کو میان میں کر کے تلوار میان سے نکالی اور تین سو دیو جو سامنے کھڑے ہوئے تھے، ان پر حملہ کیا۔ جس پر ایک ہاتھ لگایا اس نے سانس نہ لی۔ عبدالرحمٰن نے جنوں سے کہا کہ راہدار تو مارا جا چکا، اب تم کو کیا خوف ہے؟ ہاں، اس وقت صاحبقراں کی مدد کیا چاہیے۔ جتنے جن تھے، سب دیووں پر ٹوٹ پڑے۔ اکثر دیو تو جہنم واصل ہوئے اور قلیل سے جو بچ کر بھاگے، امیر نے ان کا پیچھا نہ کیا۔ اسی دم عبدالرحمٰن کو لے کر راہدار کے مکان میں گئے۔ جا بجا جواہرات کے انبار دیکھے تو امیر نے اس وقت عمرو کو یاد کر کے کہا کہ جائے عمرو خالی ہے۔ پھر عبدالرحمٰن سے فرمایا، یہ جتنا مال ہے یہ سب شہپال کا ہے، مجھ کو اس سے کچھ کام نہیں ہے۔ تم اس کو اٹھوا کر اپنے شہنشاہ کی خدمت میں پہنچوا دو۔ جتنے جن تھے سبھوں نے امیر کی شجاعت و سخاوت پر آفرین کی اور کہا کہ آدم زاد کا بھی ایسا دل و گردہ ہوتا ہے۔ بارے راہدار کا سر چار جنوں پر اٹھوا کے امیر تخت پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔

ہر گاہ قلعۂ غنیم کے نزدیک پہنچے، سلاسل جنی، رفیقِ شہپال، چالیس ہزار سوار پریزاد جلو میں لے کر امیر کی پیشوائی کے واسطے آیا اور قلعے میں لے جا کر بہ آئینِ شاہانہ امیر کی دعوت کی۔ دوسرے دن امیر مع سلاسل جنی گلستانِ ارم کی طرف روانہ ہوئے۔ راوی لکھتا ہے کہ شہپال امیر کی آمد کا سن کر گل گل شگفتہ ہوا اور فرمایا کہ ہاں، بارگاہِ سلیمانی باتزک روانہ ہو، ہم حمزہ کے استقبال کے واسطے جائیں گے۔ حکم کی دیر تھی، تعمیل میں کیا تاخیر تھی۔ شہنشاہِ قاف بڑے طمطراق سے امیر کے استقبال کے واسطے روانہ ہوا۔ امیر کا حال سنیے کہ دائیں بائیں تو عبدالرحمٰن و سلاسل کے تخت تھے اور بیچ میں صاحبقراں کا تخت تھا۔ صاحبقراں باتیں کرتے چلے جاتے تھے کہ سامنے سے صد ہا تختِ رواں، جن پر سیکڑوں پریزاد ساز بجاتے اور گاتے چلے آتے تھے، نمودار ہوئے۔ اس کے بعد سیکڑوں تختوں پر ہزاروں پریزاد، کہ انسان جن کے حسن و جمال کو دیکھ کر مثلِ سایہ زدگاں بیہوش

ہوجاوے، ہاتھوں میں گلدستے لیے، لخلخے اور بخورات روشن کیے، تختِ شہپال کے گرداگرد دکھائی دیے۔ تمام بیابان خوشبو سے رشکِ ارم تھا۔ عبدالرحمٰن وسلاسل جنی نے دور سے دیکھ کر صاحبقراں سے کہا کہ شہنشاہ آپ کے استقبال کے واسطے آتے ہیں۔ جب تخت شہپال کا قریب پہنچا، صاحبقراں نے اپنا تخت زمین پر رکھوا دیا۔ شہپال نے پریزادوں سے کہا کہ ہمارا تخت بھی صاحبقراں کے تخت سے ملا کر رکھ دو۔ جب شہنشاہ کا تخت زمین پر رکھا گیا، صاحبقراں نے تخت پر سے اتر کر شہنشاہ کے تخت کو بوسہ دیا۔ شہنشاہ نے امیر کو چھاتی سے لگا اور پیشانی پر بوسہ دے کر کہا کہ میں نے تکلیفِ مالا یطاق دی، مگر ظاہر ہے کہ بزرگ ہی بزرگوں کے کام آتے ہیں۔ صاحبقراں نے کہا کہ اگر میری جان بھی حضور کے کام آوے تو مجھ کو دریغ نہیں ہے۔ یہ کہہ کر راہدار کا سر، مع جواہرات ودیگر مال واثقال جو ہاتھ آیا تھا، شہنشاہ کی خدمت میں گذرانا۔ شہنشاہ امیر سے بہت خوش ہوا اور جتنے حاضرین تھے امیر کی ضربِ دست پر آئینہ وار حیران ہوئے اور امیر کی قوتِ بازو پر تحسین وآفرین کرنے لگے۔ شہنشاہ نے اسی جگہ عبدالرحمٰن کو خلعتِ سرفرازی عطا کیا اور امیر کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھلا کے گلستانِ ارم کو روانہ ہوئے۔ چند ساعت میں گلستانِ ارم پہنچے۔ امیر کو بارگاہِ سلیمانی میں اتار کر ایک دنگل جواہرنگار پر بٹھلایا اور جواہرات بیش قیمت منگوا کے امیر پر سے نثار کیا۔ جہاں تک عمائدینِ پریزاد تھے امیر کے روبرو، پر جوڑ کر، کھڑے ہوئے اور امیر کے حسن وجمال کو دیکھ کر عش عش کرنے اور کہنے لگے کہ خالق نے انسانِ ضعیف البنیان کو بھی ایسی صورت وقوت عطا کی ہے، اور شہنشاہ کا یہ حال تھا کہ سوائے امیر کی صورت کے کسی طرف نگاہ نہ کرتا تھا۔ سکتے کے عالم میں مثلِ پری زدگاں امیر کو تک رہا تھا، اور امیر سر جھکائے چپ بیٹھے ہوئے تھے۔ شہنشاہ نے امیر کو خاموش دیکھ کر انگورِ قاف کی شراب منگوائی کہ اس کے پینے سے حمزہ کا حجاب ٹوٹے۔ اب جب تک شراب انگوری حمزہ کے واسطے آوے تب تک پردۂ دنیا کا حال لکھوں۔

آگاہ ہونا نوشیرواں کا امیر کے قاف جانے سے اور فوج روانہ کرنا مکہ کی طرف

مورخانِ اخبارِ دیریں اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ ژوپین وعباسان ملک کا حال سن کر تو نوشیرواں مغموم تھا ہی، کہ کستہم کی لاش آئی اور ہمراہیوں نے تمام کیفیت کہہ سنائی کہ جس وقت کستہم نے صف بندی کی، دفعتاً واحدتاً حمزہ کا تخت مثلِ بلائے ناگہانی آسمان پر سے اترا۔ حمزہ نے کستہم کو مارا اور سواروں کو زمین پر سے کسی نے اٹھا اٹھا کر فلک پر لے جا کے اس طرح سے نشانہ تاک تاک کے پھینکنا شروع کیا کہ نیچے کے سوار بھی ان سے دب دب کے مر گئے۔ چنانچہ اسی طرح بیس ہزار آدمی مارا گیا، مگر کوئی کشندہ نظر نہ آیا۔ بادشاہ نے اس ماجرے کو سن کے تعجبانہ بزرجمہر کی صورت دیکھی۔ بزرجمہر نے تمام واردات پردۂ قاف کی بیان کر کے کہا کہ شہپال بن شاہ رخ نے حمزہ کو اپنی اعانت کے واسطے بلوایا ہے۔ ہر چند حمزہ اٹھارہ دن کا وعدہ کر کے گیا ہے، لیکن اٹھارہ برس وہاں رہے گا اور دیوانِ قاف کو زیر و زبر کر کے دنیا میں آئے گا۔ پس جس دن اس کا عزم قاف کی طرف روانہ ہونے کا تھا، اسی دن کستہم نے لڑائی ڈالی۔ حمزہ نے تو کستہم کو مارا اور جنوں نے اس کے سواروں کو قتل کیا۔ نوشیرواں یہ کیفیت سن کر کمال خوش ہوا کہ اٹھارہ برس تک کون جیے اور کون مرے۔ حمزہ کسی نہ کسی دیو کے ہاتھ سے ضرور مارا جائے گا۔ اس وقت میں مسلمانوں کو بے اجل مار لیا چاہیے۔ یہ سوچ کر دیلم وفیلم کو، کہ ساسانیوں میں ان سا زور آور کوئی کم تھا، تیس ہزار سوار سے مکہ کی طرف روانہ کیا اور کہا کہ بالفعل حمزہ پردۂ قاف پر گیا ہے، میدان خالی ہے، تم جا کر مکہ کو ویران وخراب کر کے ملکہ مہرنگار کو لے آؤ۔ وہ دونوں بادشاہ سے رخصت ہو کر مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔

شاہِ عیارانِ عیار، کشندۂ کافرانِ روزگار کا حال سنیے کہ جب چند روز اور اٹھارہ دن پر گذر گئے اور امیر

نہ آئے تو بے اختیار دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ مہر نگار کے پاس جو گیا تو اس کو بھی بیتاب دیکھا۔ مہر نگار عمرو سے کہنے لگی کہ کیوں بابا عمرو، امیر تو اب تک نہ آئے۔ معلوم نہیں کہ ان پر کیا گذری۔ وہ ملک دیو و پری کا ہے اور یہ آدم زاد، خدا ہی امیر کا حافظ ہے۔ اور تو کیا کہوں مگر میں زہر کھا کر مرجاتی ہوں، جہاں مناسب جاننا مجھ کو دفن کر دینا۔ خواجہ نے کہا کہ اے ملکۂ آفاق، خیر تو ہے، کوئی ایسا کام کرتا ہے؟ کیا آیہ **لاتقنطو من رحمة اللہ** تم کو یاد نہیں ہے؟ باقی رہ گیا امیر کا حال دریافت کرنا، سو میں مدائن کو جاتا ہوں، بزرجمہر سے دریافت کر آتا ہوں۔ آپ اپنا حال ابتر نہ کیجیے۔ مہر نگار کو سمجھا کر مقبل کے پاس آیا اس سے کہا کہ میں تو مدائن کو امیر کا حال بزرجمہر سے دریافت کرنے کو جاتا ہوں، مگر تم اپنے چالیس ہزار تیر انداز بے خطا سے مہر نگار کی محافظت میں لیس رہنا، اور جا بجا قلعے کی فصیلوں پر پہلوانانِ قوی ہیکل کو قائم کر کے یراقِ عیاری بدن پر لگا کے بیشۂ فیض کی طرف سے مدائن کی طرف روانہ ہوا۔

چند روز میں منزلیں قطع کر کے ایک بقال کی صورت بن کر بزرجمہر کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ اتفاقاً اسی وقت بزرجمہر بھی دربار سے پھرے تھے۔ عمرو کو دیکھ کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ عمرو نے کہا کہ آپ کی جاگیر کا روستا ہوں۔ لوگوں نے بہت ایذا مجھ کو دی ہے، اس واسطے فریادی آیا ہوں۔ اگر آپ میری داد نہ دیں گے تو زنجیرِ عدالت جا کر ہلاؤں گا۔ خواجہ بزرجمہر نے اس کی عرضی کو خادم سے منگوا کر ملاحظہ جو کیا تو معلوم ہوا کہ عمرو ہے۔ خلوت میں بلا کر گلے سے لگایا، خیر و عافیت پوچھی۔ عمرو نے کہا کہ کیا عرض کروں کہ کس مصیبت میں گرفتار ہوں۔ حمزہ اٹھارہ دن کا وعدہ کر کے گیا تھا، اس پر اتنے دن اور بھی گذر گئے، معلوم نہیں کہ کس بلا میں مبتلا ہوا۔ مہر نگار زہر کھانے پر مستعد ہے۔ خواجہ نے کہا کہ سچ ہے، حمزہ اٹھارہ دن کا وعدہ کر کے گیا ہے لیکن اٹھارھویں برس قلعہ طنج مغرب پر آن کے ملے گا، اور تمام دیوانِ سرکش کو مارے گا، اور اس کو کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے۔ اور اس عرصے میں تجھ کو بہت مہمیں سر کرنی ہوں گی۔ ہر طرف سے شاہان و پہلوانانِ روزگار تجھ پر چڑھائی کریں گے، لیکن خاطر جمع رکھ کہ کوئی تجھ سے بر نہ آوے گا، تو ہی سب پر مظفر و منصور ہوگا۔ اور اب جلد مکہ میں پہنچ کر اپنے قلعے کی ہوشیاری کر، کہ نوشیرواں نے دیلم وفیلم کو تیس ہزار سوار سے تیرے مارنے اور مہر نگار کے لانے کے لیے بھیجا ہے۔ عمرو نے کہا کہ خیر، حمزہ کی دوستی میں اگر میری جان بھی جائے گی تو مجھ کو کچھ عذر نہیں ہے۔ جہاں تک کوشش ہو سکے گی وہاں تک کروں گا۔ باقی دیلم وفیلم تو کیا چیز ہیں، جمشید و کیخسرو بھی اگر گور سے اٹھ کر آویں اور مہر نگار کا نام زبان پر لاویں تو پھر قبر میں بھیجے جاویں۔ لیکن آپ ایک خط مہر نگار کو نصیحتانہ اپنی طرف سے لکھ دیں کہ مجھ کو وہ تنگ نہ کرے اور اضطراب کر کے میری سٹی نہ بھلاوے۔ بزرجمہر نے قلمدان منگا کر ایک خط مہر نگار کو نصیحت آمیز لکھا اور اسی میں امیر کے آنے کی مدت مندرج کر کے بہت سی تسکین کی۔ عمرو

اس خط کو لے کر بیشۂ فیض کی طرف سے مکہ کی جانب روانہ ہوا۔ اس مرتبہ شبانہ روز منزلیں طے کر کے قلعے میں داخل ہوا اور بزرجمہر کا خط مہرنگار کو دیا۔ مہرنگار اس کو پڑھ کے زار زار رو کر کہنے لگی کہ وائے قسمت! اٹھارہ برس اور حمزہ کے سوزِ فراق میں جلنا پڑے گا، اور اتنی مدت تک میری زندگی کاہے کو ہوگی کہ حمزہ کی صورت پھر ان آنکھوں سے دیکھوں گی۔ عمرو نے مہرنگار کو سمجھایا کہ اے ملکۂ آفاق، تم ابھی بہت جیو گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ اٹھارہ برس اٹھارہ دن کی طرح گذر جاتے ہیں اب آپ جنابِ احدیت کی عبادت کیجیے اور حمزہ کی سلامتی منائیے۔ خداوند کریم جامع المتفرقین ہے، آپ کو حمزہ سے ملا دے گا۔ عمرو مہرنگار کو سمجھا کر فوج میں آیا اور پرا باندھ کر ایک ایک سے کہا کہ بزرجمہر کی زبانی معلوم ہوا کہ حمزہ اٹھارہ برس قاف میں رہے گا، پس یارو، جس کو جانا ہو وہ ابھی سے اپنے گھر کی راہ لے اور جس کو رہنا ہے وہ بہ اتفاقِ برادرانہ رہے۔ جب حمزہ سلامت پھرے گا البتہ اس کی ناموری ہوگی۔ جتنے لشکری تھے، چہ سردار و چہ یار، سبھوں نے ایک منھ ہو کر کہا کہ خواجہ، ہم نے زندگی تک حمزہ کی اطاعت کا حلقہ اپنے کان میں ڈالا ہے، اور اب حمزہ کی جگہ پر آپ ہیں۔ ہم آپ کے پاس سے کہاں جائیں؟ کسی طرح آپ کی فرمانبرداری سے باہر نہیں ہیں۔ جب تک جیتے ہیں، حلقہ بگوش ہیں۔ عمرو نے خوش ہو کر ایک ایک کو چھاتی سے لگا کے کہا کہ تم ایک ایک میرے بھائی ہو، میں تمھارا تابعدار ہوں۔ جن جن کو قلعے کی النگوں پر قائم کرنا تھا، قائم کیا اور آپ لباسِ شاہانہ پہن کر ایک شامیانہ زری کے نیچے فرشِ مکلف بچھا کر کرسیِ جواہرنگار پر بیٹھا اور مقبل وفادار کو باتیراندازانِ بے خطا کھڑا کر کے دیلم وفیلم کا انتظار کرنے لگا۔ دو ساعت کا عرصہ نہ ہوا تھا کہ قلعے کے سامنے سے ایک گرد، تیرہ تیرہ وخیرہ خیرہ، غلطاں و پیچاں، مانندِ زلفِ عنبریں مویاں، اٹھی۔ جب وہ غبار قریب پہنچا، گرد نے مارا ہوا کو اور ہوا نے مارا گرد کو۔ تیس علم دکھائی دیے اور آگے آگے دو پہلوان، قوی ہیکل، آہن فولاد میں غرق، نظر پڑے۔ عمرو نے جانا کہ دیلم وفیلم یہی ہیں۔ ان بیوقوفوں نے آتے ہی فوج سے کہا کہ ہاں، قلعہ توڑ کر مسلمانوں کو مار کے مہرنگار کو نکال لاؤ کہ ہم جلد مدائن کو معاودت کریں اور جا کر بادشاہ سے منصبِ عالی لیں۔ سواروں نے اس کے حکم سے گھوڑوں کی باگ لی۔ جب قلعے کی زد پر پہنچے، عمرو نے ایسا آتش بازی کا مینھ برسایا کہ اگلے جل بھن گئے اور پچھلوں کو آگے قدم بڑھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ دیلم وفیلم نے دیکھا کہ دن بھی آخر ہوا اور فوج بھی کسمساتی ہے، طبلِ بازگشت بجوا کے قلعے کی زد سے ہٹ کر ڈیرہ کیا۔ تمام رات دونوں طرف کوسِ جنگ بجا کیا۔ عمرو کا معمول تھا، جب سے صاحبقراں قاف کی طرف گئے تھے، دونوں وقت مہرنگار کے دسترخوان پر کھانا کھایا کرتا تھا۔ شام کو دسترخوان پر جا کے موجود ہوا اور بعدِ تناولِ طعام دو پہر تک حاضر رہ کر ملکہ کو تشفی دیا کیا۔ بعدازاں اٹھ کر سرہنگ مصری کو بلا کے حکم دیا کہ تم منظر شاہ یمنی کی بیٹی ہمائے تاجدار کو جا کر لے آؤ کہ وہ اور زہرہ مصری صاحبقراں کے آنے تک مکہ

مہرنگار کا دل بہلاتی رہیں۔ یہ کہہ کے اپنی خوابگاہ میں جا کر چین سے سو رہا۔ جب صبح ہوئی، اٹھ کر ضروریات سے فراغت کی اور شامیانے کے نیچے کرسی پر آ بیٹھا۔ دیلم و فیلم بھی سپاہ لے کر قلعے کے سامنے آئے اور فوج کو بلّے کا حکم دیا۔ عمرو نے پہلے دن کی طرح قارورہ ہائے آتشیں و سنگ و خشت و تیر قلعے پر سے مارنے شروع کیے۔ فوج نے بیتاب ہو کر گھونگھٹ کیا۔ دیلم و فیلم نے فوج کو للکارا کہ آگے قدم بڑھا کر پیچھے ہٹانا نچویوں کا کام ہے نہ کہ بہادروں اور دلاوروں کا۔ فوج نے پھر گھوڑوں کی باگ اٹھائی لیکن آتش بازی کی تاب نہ لا سکے، پھر پسپا ہوئے۔ دیلم و فیلم نے سپریں سر پر رکھ کے مرکبوں کو جو آسن سے دبایا، خندق پر جا پہنچے۔ فوج نے دیکھا کہ سردار ہمارے خاکریز پر کھڑے ہیں، غیرت جو دامنگیر ہوئی، ہرچہ بادا باد کہہ کر، گھوڑے اٹھا کے اپنے سرداروں کے پاس پہنچے۔ عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بات تو بری ہوئی کہ حریف خندق تک آ پہنچا۔ فی الفور ایک حقۂ آتشیں پراز روغنِ نفط زنبیل سے نکال کر، آگ دے کے، کفۂ فلاخن میں رکھ کر، دو چار چکّر گھما کے دیلم کی چھاتی پر مارا۔ حقہ جو چھاتی پر لگ کر پھوٹا، روغنِ نفط تمام بدن پر پھیل گیا اور شعلۂ جوالہ کی طرح سے جلنے لگا۔ دیلم ہاتھوں سے اس کو بجھانے لگا، انگلیاں مثلِ فلیتہ جلنے لگیں، اور تیل کی چھینٹیں جو ڈاڑھی پر پڑیں، روئی کے گالے کی طرح سے جل گئی۔ منھ پر جو ہاتھ پھیرا، بھنویں مونچھیں بھی پھر پھر جل گئیں۔ فیلم نے دیکھا کہ دیلم جلا جاتا ہے، وہ دوڑ کر بجھانے لگا، اس کا بھی حال دیلم کا سا ہوا۔ دونوں بھائی لوٹن کبوتر کی طرح سے لوٹنے لگے۔ فوج نے دیکھا کہ سردار جلے جاتے ہیں، خاک مٹی دونوں کے اوپر ڈال کے بہ ہزار خرابیِ بصرہ وہ آگ بجھائی اور دونوں کو لے کر، سر پر پاؤں رکھ کے فرودگاہ کی طرف بھاگے اور ان کے علاج میں مصروف ہوئے۔ عمرو چین سے شامیانے کے نیچے کرسیِ جواہرنگار پر بے فکر ہو کے بیٹھا۔

جب دو گھڑی دن باقی رہا، عمرو کو عیاری سوجھی۔ کرسی پر سے اٹھ کر لباسِ عیاری پہن، یراق لگا، آتشِ نوشیرواں کے عیار کی صورت بن کر بے خوف دیلم و فیلم کے خیمے میں درآنہ گھسا چلا گیا اور دیلم و فیلم سے جا کر ملاقات کی۔ دیلم و فیلم مہترِ آتش کو دیکھ کر رونے اور کہنے لگے کہ دیکھو بھائی، عمرو نے ہماری یہ صورت بنائی ہے۔ آتشِ نقلی بولا کہ سنو صاحب، عیار عیار سے سربر ہو سکتا ہے، سپاہی سے اور عیار سے کیا مقابلہ ہے؟ سوائے اس کے، آپ جانتے ہیں کہ عمرو کیسا عیار ہے، آج روئے زمین پر اپنا ثانی نہیں رکھتا ہے۔ چنانچہ یہی سمجھ کر تو بادشاہ نے مجھ کو تمھاری حفاظت کے واسطے بھیجا ہے۔ تم نے جلدی کی، مجھ کو آنے بھی نہ دیا۔ بہرحال، جو کچھ ہوا سو ہوا، گذشتہ راصلوات، اب میں آیا ہوں دیکھو تو عمرو کی کیسی صورت بناتا ہوں۔ اس میں درد کی شدت سے وہ دونوں سوختہ آہ اوہی کرنے لگے۔ آتش نے کہا کہ اس وقت دو چار پیالے شرابِ انگوری کے پیجیے کہ طاقت بھی آئے اور درد بھی کم ہووے۔ دیلم و فیلم نے کہا کہ تم سے بہتر بھلا کون ساقی ہوگا، اگر یہی مرضی ہے تو دو چار

دور پلاؤ۔ عمرو تو یہ خدا سے چاہتا تھا، فوراً جام وصراحی ہاتھ میں اٹھا کر، دو دور تو دیلم وفیلم کو مع اربابِ محفل شرابِ خالص کے پلائے، تیسرے دور میں اپنی کارستانی کی۔ دو چار ہی پیالے پی کر سب کے سب لوٹ پوٹ ہو گئے۔ عمرو نے خیمے کے دروازے پر آ کر تمام شاگرد پیشے کو ان کا پیرو کیا۔ جب اندر باہر سے اطمینان ہو چکا، پہلے تو سب کے کپڑے اتارے اور جتنا اسباب اس خیمے میں تھا، فرش تک اٹھا کے نذرِ زنبیل کیا، اور سب کی ایک طرف کی ڈاڑھی مونچھ مونڈ کر، دوسری طرف کی مونچھ میں گھنگھرو باندھا اور چونے، کتھے، کاجل کے ٹیکے ایک رخسار پر لگا دیے اور دوسرے رخسار کو مطلق کالا کیا اور برہنہ کر کے خیمے کے ستونوں سے الٹا لٹکا کے ایک رقعہ لکھ کر کہ میں عمرو تھا، آج تو تمھاری جاں بخشی کی، خیر اسی میں ہے کہ کل یہاں سے کوچ کر کے چلے جاؤ، نہیں تو اب کی دفعہ جان سے مار ڈالوں گا، دیلم کے گلے میں باندھ دیا اور آپ قلعے میں آ کر پوشاک بدل، کھانا کھا پی کے، چین سے ٹانگ پھیلا کے سو رہا۔ جب صبح ہوئی سردارانِ لشکر مجرے کو آئے۔ دیکھیں تو واہ واہ، عجب ماجرا ہے۔ یہ وہی مثل ہوئی کہ موئے پر سو درّے۔ سب کو ایک سرے سے کھولا، منھ ہاتھ دھلا کر اپنے اپنے پاس سے کپڑے منگوا کر ان سب کو پہنائے اور رقعہ جو دیلم کے گلے میں بندھا ہوا تھا، اس کو کھول کر پڑھا۔ معلوم ہوا کہ آتش نہ تھا عمرو تھا۔ دیلم وفیلم نے حجاب سے نقاب چہرے پر ڈال کے اسی دم مدائن کو کوچ کیا۔

بھیجنا نوشیرواں کا ہرمز اپنے خلفِ اکبر کو عمرو کی تنبیہ کے واسطے

راوی لکھتا ہے کہ جب دیلم و فیلم، منکوب و مدبور، مدائن کی طرف راہی ہوئے، عمرو نے چھ مہینے کی قوت کے لائق غلہ وغیرہ جو کچھ درکار تھا، خرید کے قلعے میں بھرا اور مطمئن ہو کر بیٹھا۔ دیلم و فیلم کا حال سنیے۔ چند روز کے عرصے میں خستہ حال و شکستہ بال مدائن میں پہنچے اور نوشیرواں کو اپنی صورت دکھلا کے عمرو کی شکایت کرنے لگے۔ نوشیرواں ان کی ہیئت کذائی دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ نفس الامر میں عمرو بڑا ہی بدذات ہے۔ دیکھا چاہیے کہ یہ کیونکر گرفتار ہوتا یا مارا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر ہرمز کو بلایا اور فرمایا کہ تم جا کر عمرو کو مار کے مہرنگار کو لے آؤ۔ اکثر ایسی لڑائیاں بادشاہ اور شاہزادوں کے اقبال سے فتح ہوتی آئی ہیں۔ سوائے چالیس ہزار زرہ پوش کے، کتنے پہلوانانِ قوی ہیکل گردن کش ہمراہ کیے اور بختیارک پسرِ بختک کو بھی ساتھ کیا۔

اب جب تک یہ مکہ کو پہنچیں تب تک کچھ حال بابرے دوندگان عالم کا بیان کروں۔ ایک دن عمرو کے خیال میں آیا کہ بہت دن ہوئے بالادوی کا اتفاق نہیں ہوا، آج چلا چاہیے۔ لباسِ شاہانہ اتار کے یراقِ عیاری زیبِ بدن کیا اور مدائن کی طرف قدم مارتا چلا۔ بیس بائیس فرسنگ گیا ہوگا کہ ایک گرد و غبار معلوم ہوا۔ عمرو مکدر ہو کر دیکھنے لگا کہ دیکھا چاہیے، اس گرد میں کون پنہاں ہے؟ ایک سقے کی صورت بن کر، مشک کاندھے پر رکھ کے، گرد کی طرف چلا۔ جب متصل پہنچا، دیکھا کہ ہرمز تاجدار مع فوجِ جرار چلا آتا ہے، مگر پیاس کے مارے کسی کے منہ سے بات نہیں نکلتی ہے۔ ان لوگوں نے جو سقے کو دیکھا تو ایسے خوش ہوئے کہ گویا خضر ملے۔ آنکھوں میں تراوٹ آ گئی۔ ایک ایک پر پانی کے واسطے گرنے لگا۔ ایک سردار نے کہا کہ پہلے اس کو شاہزادے کے پاس لے چلو کہ وہ سب سے زیادہ پیاسے ہیں۔ ہرمز کے پاس جو سقے کو لے گئے، عمرو نے ہرمز کو دیکھ کر پہچانا۔ دیکھا کہ ہرمز کی زبان پیاس کے مارے منہ سے نکل پڑی ہے، آنکھیں پتھرا گئی ہیں، اپنے پرائے کسی کو پہچانتا نہیں ہے، چاروں شانے چت زمین پر غش میں پڑا ہوا ایڑیاں رگڑ رہا ہے، چند شخص

چادروں کا سایہ اس پر کیے ہوئے ہیں۔ عمرو نے چند قطرے پانی کے ٹھہر ٹھہر کے ہرمز کے منھ میں ٹپکائے۔ بارے آنکھیں کھول دیں۔ سقّے کو جو پانی کی مشک لیے ہوئے دیکھا، بولنے کی تو طاقت نہ تھی، اشارے سے پانی مانگنے لگا۔ عمرو نے پھر چند قطرے پانی کے ہرمز کے منھ میں ٹپکائے۔ تھوڑی دیر کے بعد چلّو میں پانی لے کر بہ توقف پلایا۔ ہرگاہ ہرمز کی جان میں جان آئی، اٹھ بیٹھا اور ایک جام پانی کا پی کے کہا کہ اے بہشتی، تو نے حقیقت میں اس وقت کام خضر کا کیا۔ یہ پانی کیا پلایا کہ آبِ حیات پلایا۔ اچھا، تھوڑا پانی ہمارے واسطے رکھ کر باقی پانی ہماری فوج کو پلا دے۔ عمرو کے پاس حضرت خضرؑ کا دیا ہوا مشکیزہ تھا۔ اس میں معجزہ تھا کہ اگر کروڑ آدمیوں کو اس سے پانی پلا دے تو ایک قطرہ اس میں سے کم نہ ہووے۔ عمرو نے تمام لشکر کو مع دواب سیراب کیا اور مشکیزہ پانی سے بھرے کا بھرا رہا۔ جب تمام لشکر سیراب ہو چکا، ہرمز نے کئی سو دینار زرِ سرخ انعام دے کر فرمایا کہ اے بہشتی، میں مکہ کو جاتا ہوں۔ اگر میں نے عمرو کو مارا تو مکہ کی ریاست تجھ کو دوں گا۔ تو ایسی راہ بتلا کہ جدھر پانی ملے اور لشکر آرام سے چلے۔ عمرو ایک ایسے قلبِ جنگل میں ہرمز کو مع فوج لے گیا کہ جہاں منزلوں تک آب نایاب تھا۔ تھوڑی دور جا کر ہرمز سے کہنے لگا کہ اے ہرمز، تو جو عمرو سے لڑنے کو جاتا ہے، اس سے تو سر بر ہوگا؟ عمرو بد بلا ہے، خدا جانے تجھ کو کس بلا میں مبتلا کرے گا۔ ہرمز بولا کہ اے بہشتی، عمرو ایک عیار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دیکھنا، اگر گھڑی سواری اس کو نہ مار لیا تو کچھ نہ کیا۔ یہ سن کر بہشتی بہت ہنسا اور ایک چھلانگ مار کے ہرمز سے کہنے لگا کہ اے ہرمز، تو تو کیا مال ہے، اگر تیرا باپ، کہ شہنشاہِ ہفت اقلیم ہے، وہ بھی اپنی تمام فوج لے کر چڑھ آئے تو عمرو کی پشم نہ اکھیڑ سکے۔ تو نہیں جانتا کہ میں ہی عمرو ہوں۔ باوجودیکہ میں اس وقت تیری فوج میں تنہا موجود ہوں مگر تو میرا کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کے پیترا بدل کر، ہرمز کے سر پر سے تاج لے کر، چلتا ہوا۔ ہر چند سواروں نے اس کے پیچھے گھوڑے ڈالے، لیکن کوئی اس کی گرد تک نہ پہنچا۔ چند سوار دیلم وفیلم کے لشکر کے ٹوٹے پھوٹے جو آ کر اثنائے راہ میں ملے تھے، انھوں نے بہ کمال تردد ہرمز کے لشکر کو برسرِ راہ کیا۔ بارے چوتھے دن شام کے وقت مکہ کے قریب پہنچے۔ خیمے استادہ کیے۔ لشکر نے اپنی اپنی مثل قرینے سے قائم کی۔ شب کو جس وقت ہرمز کے پاس سرداران لشکر حاضر ہوئے، بر سبیل مذکور تذکرہ مسلمانوں کا نکلا۔ ذراع زرہ پوش نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ خداوند، عمرو کیا چیز ہے اور مسلمانوں کا لشکر کیا مال ہے، اگر غلام کو حکم ہو تو اسی تبر سے کہ میرے ہاتھ میں ہے، دروازہ قلعے کا توڑ کر، اپنے زرہ پوشوں سے تمام مسلمانوں کو مع عمرو قتل کر کے، ملکۂ مہر نگار کو نکال لاؤں۔ ہرمز بولا کہ میں جانتا ہوں تم ایسے ہی ہو، مگر میں چاہتا ہوں کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے۔ اس مہم کو، کہ بہ اسبابِ ظاہر سخت مشکل ہے، بہ سہولت و آسانی تمام سر کروں، کیونکہ ایک ادنیٰ عیار سے مقابلہ کرنا میرے واسطے کمال ننگی و ہتک ہے۔ بختیارک نے ہرمز کی اس رائے پر

بہت تحسین و آفرین کی کہ شاہزادوں اور بادشاہوں کو ایسی ہی دوراندیشی چاہیے، اور بولا کہ اگر حکم ہو تو فدوی صبح کو اسے سمجھا کر حضور کے قدموں پر لا گراوے۔ ہرمز نے کہا کہ اس سے کیا بہتر ہے۔

القصہ، رات تو اس منصوبے میں کٹی، جب صبح ہوئی، بختیارک اپنے خچر پر سوار ہو کے قلعے کی خندق پر گیا۔ دیکھا کہ عمرو لباسِ شاہانہ پہنے، بہ کمال شان و شوکت، کرسیِ مرصع پر، شامیانے کے نیچے، فیل بند دروازے پر بیٹھا ہوا ہے اور سرداران و شاہانِ تنگ رواحل و یمن و ہفت شہر راست و چپ اس کے دست بستہ کھڑے ہیں، اور مقبل، بارہ ہزار تیر اندازِ بے خطا سے، ترکش کمر میں، کمان کاندھے پر لگائے، پشت پر لیس کھڑا ہوا ہے۔ بختیارک نے جھک کر سلام کیا اور کہا کہ خواجہ، چونکہ میں تم کو اپنا عموں جانتا ہوں، اس واسطے خیر خواہانہ آپ کو سمجھانے آیا ہوں کہ حمزہ قاف گیا ہے، دیوانِ قاف سے بچ کر آنا محض خلافِ قیاس ہے، اور تم خوب جانتے ہو کہ تمام شاہان و شاہزادگانِ ہفت اقلیم مہر نگار کے نام پر عاشق ہیں، کون ہے کہ چڑھائی نہ کرے گا؟ پس بے واسطہ اپنے کو مخمصے میں ڈالنا دانائی سے بہت بعید ہے۔ بہتر ہے کہ مہر نگار کو تم شاہزادے ہرمز کے حوالے کر دو اور تم رئیسِ مکہ ہو کر چین سے حکومت کرو۔ عمرو بولا کہ اے مردک، بازی بازی از بابا ہم بازی؟ تو نہیں جانتا کہ اگر خود نوشیرواں، کہ شہنشاہِ ہفت اقلیم ہے، وہ تمام فوج اپنی لے کر آوے تو مہر نگار کو مجھ سے نہ پاوے۔ مجھ کو تو ایرے غیرے پچکلیاں سے ڈراتا ہے؟ اور اٹھارہ برس کی حقیقت کیا ہے، بات کہنے میں گذر جاتے ہیں۔ اور دیوانِ قاف کیا مال ہیں کہ حمزہ پر نگاہِ بد کر کے جان سے بچیں۔ جا، دور ہو میرے سامنے سے، نہیں تو اپنی سزا کو پہنچے گا۔ بختیارک کی جو شامت آئی، بے اختیار اس کے منھ سے نکل گیا کہ بھلا او ساربان زادے، دیکھ تو، یہ بلبلانا تیرا کیسا تجھ کو زیر بارِ آفت و بلا کرتا ہے۔ اگر تیری ناک میں مہار کی رتی نہ دی تو کچھ نہ کیا۔ عمرو نے اس کی اس زیادہ گوئی پر ایک سنگ، تراشیدہ و خراشیدہ، تمازتِ آفتاب چشیدہ، خنکیِ ماہ دیدہ، کفۂ فلاخن میں رکھ کر گھما کے اس کی پیشانی پر اس زور سے مارا کہ دو انگل گڑھا بختیارک کی پیشانی میں پڑ گیا۔ جھٹ پٹ خچر کو دوڑا کے بھاگا کہ دوسری ضرب نہ پڑے۔ سر سے پاؤں تک لہو میں ڈوبا ہوا ہرمز کے پاس گیا۔ جب مرہم پٹی کے بعد حواس درست ہوئے، اپنی اور عمرو کی تقریر ہرمز سے بیان کی۔ ہرمز سن کر کمال طیش میں آیا اور عمرو کو برا کہنے لگا۔

بہ ترجیع سخن بہ ذکرِ صاحبقراں گیتی ستاں، امیر حمزۂ عالیشان

راویانِ سخن پرور بیان کرتے ہیں کہ ہرگاہ پریزادوں نے شراب انگوری حاضر کی، شہپال نے اپنے ہاتھ سے ایک جام شرابِ انگوری کا صاحبقراں کو پلایا۔ صاحبقراں نے وہ جام پی کر شہپال کے تخت کو بوسہ دیا اور ساقیانِ مہوش کے ہاتھ سے مئے انگوری پینے لگے۔ جب آنکھوں میں گلابی ڈورے پڑے اور سرور حاصل ہوا تب آنکھ اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔

بارگاہ کو جو غور کر کے دیکھا تو اس میں چار سو سائبان مخمل واطلس رنگ رنگ کے ایسے نظر آئے کہ جس پر یادگارانِ مانی و بہزاد نے صنعت صرف کی تھی۔ کسی پر تو مجلس شراب و کباب و رقص و سرود کی ایسی نقش کی تھی کہ نظارگیوں کو صریح دورِ ساغر و رقص و سرود کا مزہ ملتا تھا؛ اور کسی پر رزم گاہ اس تکلف سے منقش تھی کہ دیکھنے والوں کو صاف تلوار چلتی نظر آتی تھی؛ اور جس پر مرغزار اور شکار گاہ بنائی تھی، ناظرین شکار دوست کا دل بے اختیار شکار کھیلنے کو چاہتا تھا؛ اور ایک سائبان پر، جو بیچ میں کھنچا ہوا تھا، اس پر تصویر سلیمانؑ کی مع صورتِ اربابِ محفل جواہرات تعبیہ کر کے منقش کی تھی، جو کوئی دیکھتا تھا یقیناً جانتا تھا کہ حضرت سلیمانؑ دربار میں بیٹھے ہوئے ہیں اور دربار لگا ہوا ہے؛ اور ان سائبانوں میں لعل و زمرد و یاقوت والماس کے تکمے لگا کر جواہرات کے استادوں سے باندھا تھا، اور ستونوں کے جوڑوں پر طلائی کوزے وصل کر کے جواہر کے خوشے لٹکائے تھے اور سقفِ بارگاہ میں اقسام جواہر کے جھاڑ لٹکتے تھے، اور ستونوں میں دیوارگیریاں رنگارنگ جواہر کی تعبیہ کی تھیں، اور گرداگرد بارگاہ کے دو دو قمقمے یاقوت کے اور بیچ میں ایک قمقمہ زمرد کا طلائی زنجیروں میں آویزاں کیا تھا اور چار ہزار طنابِ ابریشمی وکلابتونی میخ ہائے طلائی میں کھینچی ہوئی تھی، اور بارگاہ کے اندر خشت ہائے طلا ونقرہ کا فرش کر کے درزوں میں اس کی اس صفائی سے جواہر کی داربیل تعبیہ کی تھی کہ کفِ پا کو مطلق محسوس نہ ہوتی تھی۔ اور چار ہزار چار سو چوالیس تخت و کرسی طلائی ونقرئی و عاجی و آبنوسی و صندلی و دنگلِ فولادی زرکوفتہ و مغرق بہ جواہر،

سردارانِ قاف کے بیٹھنے کے واسطے اس بارگاہ میں بچھا ہوا تھا، اور بیچوں بیچ میں ایک تختِ بزرگ، کہ جس پر حضرت سلیمانؑ بیٹھتے تھے اور اب شہپال بیٹھتا ہے، بچھا ہوا تھا۔ اور وہ تخت مطلق طلسم کا بنایا تھا۔ چاروں کونوں پر اس کے چار طاؤس زمرد کے تعبیہ تھے، کسی کے منھ میں زینے کا سانپ بنا کر آویزاں کیا تھا اور وہ سانپ، مثلِ مارِ زندہ، پیچ کھاتا تھا؛ اور جس کے منھ میں دُرِ شاہوار کا ہار تھا وہ کبھی نگلتا تھا اور کبھی اگلتا تھا۔ اور پشت پر ان کی گلدان یاقوت کے تھے، اس میں گلدستے جواہر کے پھولوں کے بنا کر رکھے تھے۔ تکلف یہ کیا تھا کہ جس جس قسم کے پھول تھے، ویسی ہی خوشبو آتی تھی۔ اور جب بادشاہ اس پر پاؤں رکھتا تھا، طاؤس بولتے اور رقص کرتے تھے۔ اور کٹہروں کے تمام ڈنڈوں پر یاقوت و زمرد کے کنول تعبیہ کیے تھے اور دو کنول کے بیچ میں ایک بخوردان قائم کیا تھا اور الماس کے چار استادوں پر ایک نمگیرہ، جس میں صراحی دار موتیوں کی جھالر لگی ہوئی تھی اور چھت میں مطلق گوہرِ شب چراغ تعبیہ کیے تھے، کھینچا ہوا تھا۔ اور تخت کے چاروں گوشوں کے متصل چار حوض، چار چار گز کے، مربع و مثمن و مدوّر، سنگِ مرمر و یشب و بلور کے رکھے تھے۔ ایک میں گلاب، دوسرے میں کیوڑا، تیسرے میں عرقِ بیدمشک، چوتھے میں عطرِ زعفران بہ لب تھا اور ہزارے فوارے اس میں چھوٹ رہے تھے۔ صانع نے یہ تکلف کیا تھا کہ جس حوض میں گلاب تھا، اس کے فوارے کے منھ پر نخلِ گل بنائے تھے۔ بعضی شاخ میں گلِ شگفتہ بو یا لگا ہوا تھا اور بعضی شاخ میں کلی شگفتہ ہوتی جاتی تھی؛ اور جس میں کیوڑا تھا اس کے منھ پر درخت کیوڑے کا پھول سمیت مہکتا ہوا بنایا تھا؛ جس میں عرقِ بیدمشک تھا اس کے منھ پر آہوے خطائی، ناف میں نافۂ مشک آویزاں، قائم کیا تھا؛ اور جس میں عطرِ زعفران تھا اس پر ایسا نخلِ زعفران بنایا تھا کہ جس کی شاخ شاخ میں پھول لگے ہوئے تھے، اور تکلف یہ تھا کہ جو کوئی دیکھتا تھا یا جس کی ناک میں بو جاتی تھی، ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتا تھا۔ اور اس بارگاہ میں اندر باہر چھ سو سائبان اور بارہ ہزار ستون اور چار ہزار طناب تھی، اور ڈھائی فرسنگ کے طول و عرض میں جلوخانہ تھا کہ جس میں سواری حضرت سلیمانؑ کی باتزک تیار کھڑی رہتی تھی۔ اس کے آگے تین فرسنگ کا احاطہ اردوے معلی کا تھا، اس میں نوبتخانہ بجتا تھا۔ اور اس بارگاہ کے پہلو میں ایک خلوت خانہ بھی اسی تکلف کا کہ جیسی بارگاہ تھی، بلقیس کے واسطے بنایا تھا، اور اس خلوت خانے کے سامنے ایک خانہ باغ تھا۔ روشوں پر اس کی مطلق روپہلی سنہری اینٹوں کا فرش تھا اور چمنوں میں جواہر کے درخت لگے ہوئے تھے۔ ان پر جواہر کے جانور، بلبل، قمری، فاختہ، ہزار داستان، طوطی، مینا، لعل، منیا، سینہ باز، چرکوے بیٹھے ہوئے تھے اور اپنی اپنی بولی بول رہے تھے۔ آبجوئیں جو چمنوں کے گرد جاری تھیں، ان کے کناروں پر جواہر کی بط، مرغابی، قاز، چہے، بگلے، سرخاب، ٹیٹری، مچھر نگے بیٹھے ہوئے کُریال کر رہے اور تیتر، بٹیر، چنک، کبک، تدرو، لوے، طاؤس جواہرات کے چمنوں میں پھر رہے تھے۔ صاحبقران اس بارگاہ

کی کیفیت دیکھ کر وجد کرنے لگے۔

واضح ہووے کہ آسمان پری نامی شہپال کی بیٹی، کہ حسن و جمال میں سچ مچ کی پری تھی، شہپال کے تخت کے پیچھے اپنے تخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہر چند ایک اوٹ مرصع تخت کے آگے لگا ہوا تھا، لیکن اس نے جو اوٹ کی اوٹ سے صاحبقراں کو دیکھا، بے اختیار دیوانی ہوگئی۔ ساعت بہ ساعت بیقرار و بیتاب ہونے لگی۔ القصہ، جب ایک شبانہ روز اس صحبت میں گذرا، عبدالرحمٰن نے شہپال سے کہا کہ صاحبقراں بہت عدیم الفرصت تھے، میں اس اقرار پر لایا ہوں کہ تین دن آنے اور تین دن جانے اور ایک روز ضیافت کھانے اور ایک دن عفریت کے مارنے اور ایک دن دعوتِ رخصت میں، ہمگی یہ نو دن آپ کے لگیں گے۔ سوائے اس کے، اگر دسواں دن لگے تو میں مجرم ہوں۔ شہپال نے صاحبقراں سے مخاطب ہوکر کہا، یا صاحبقراں، کیا کہوں جیسا ان دیووں کے ہاتھ سے میں تنگ ہوا ہوں۔ اگر آپ نے ازراہِ مہربانی ان کو دفع کیا تو زندگی تک بندۂ احسان رہوں گا۔ صاحبقراں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے! انشاء اللہ تعالیٰ اگر آپ کے اقبال سے ایک ایک سرکش کا سر نہ کاٹا اور آپ کا ملک بدستور آپ کے زیرِ نگیں نہ کیا تو حمزہ نام نہ پایا۔ آپ طبلِ جنگ بجواویں، پھر قدرت خدا کی ملاحظہ فرماویں۔ شہپال نے امیر کے کلام سے خوش ہوکر عبدالرحمٰن سے کہا کہ وہ چاروں تلواریں حضرت سلیمانؑ کی کمر کی لاکر صاحبقراں کے آگے رکھ دو، کہ ان میں سے جس کو چاہیں پسند کرلیں۔ عبدالرحمٰن نے اسی دم تلواریں حاضر کیں۔ شہپال نے امیر کے روبرو رکھ کر فرمایا کہ اس کا نام صمصام، اور اس کا نام قمقام، اور اس کا نام عقرب، اور اس کا نام ذوالمجام ہے۔ اس میں سے جو تلوار آپ پسند کریں اس کو لے لیں۔ امیر نے عقربِ سلیمانی کو اٹھا لیا۔ جتنے پریزاد کھڑے تھے، بے تحاشا خوشی کے مارے غل مچا مچا کر شہنشاہ کو مبارکباد دینے لگے۔ امیر نے عبدالرحمٰن سے پوچھا کہ یہ کیا مضمون ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ یا صاحبقراں، یہ چاروں تلواریں حضرت سلیمانؑ کی کمر کی ہیں اور حضرت سلیمان نے اکثر فرمایا ہے کہ میرے بعد دیوانِ سرکش کے سر عقرب سے تراشے جائیں گے۔ اس سبب سے یہ سب خوش ہوئے کہ آپ نے باوجود ناواقفیت کے عقرب ہی کو لیا۔ امیر بھی یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے امیر سے کہا کہ ایک دلیل اور باقی رہ گئی ہے۔ فرمایا کہ کیا؟ عبدالرحمٰن نے عرض کی کہ ایک درخت چنار کا ہے، اس کو پریزاد عفریت کے جسم و قد کے برابر گنتے ہیں، اور یہ سخن بھی قاف میں مشہور ہے کہ جو کوئی اس درخت کو عقربِ سلیمانی سے ایک وار میں قلم کرے گا وہ عفریت کو بھی مارے گا۔ امیر نے اس درخت کے نیچے جاکر ایک ہاتھ عقرب کا اس درخت کے تنے میں بسم اللہ کر کے جو لگایا، صابون کے تار کی طرح سے تلوار پار نکل گئی۔ درخت جو نہ گرا، امیر سمجھے کہ ذرا بھی درخت نہیں کٹا، کمال ملول ہوئے، حتیٰ کہ آبدیدہ ہو گئے۔ عبدالرحمٰن نے امیر کو مبارکباد دے کر کہا کہ درخت مطلق کٹ گیا، اس کو

جنبش دے کر دیکھ لیجیے۔ امیر نے ایک ہاتھ اس کے تنے پر رکھ کے دھکا جو دیا، وہ درخت اڑا اڑا کر گر پڑا۔ شہپال نے امیر کے دست و بازو کو بوسہ دے کر کہا کہ حمزہ، واقعی تو زلازلِ قاف، کوچک سلیمان ہے۔ سوائے تیرے کس کا مقدور ہے کہ عفریت کو مارے! امیر نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ، شہنشاہِ قاف کے اقبال سے، عفریت پر کیا موقوف ہے، جتنے سرکش ہیں سب کا سر کاٹوں گا۔ مگر اب لشکر کو آپ حکم دیں کہ گلستانِ ارم سے نکل کر میدان میں خیمہ زن ہو اور طبلِ جنگ بجایا جاوے۔ شہنشاہ کا حکم ہوتے ہی جتنی فوج تھی اپنے کیل کانٹے سے ہوشیار ہو کر گلستانِ ارم کے باہر نکلی اور شہنشاہ بھی بارگاہِ سلیمانی کو میدان میں نصب کروا کے داخل ہوئے۔

یہ خبر عفریت کو بھی پہنچی کہ شہپال نے پردۂ دنیا سے ایک آدمی اپنی مدد کو بلایا ہے، اس کے بھروسے پر آپ سے لڑنے کے واسطے لشکر لے کر شہر سے باہر نکلا ہے۔ عفریت قہقہہ مار کے بہت ہنسا کہ کہاں آدمی اور کہاں دیو! چلو خوب ہوا، اسی بہانے شہپال شہر سے باہر نکلا۔ یہ کہہ کر طبلِ جنگ بجنے کا حکم دیا۔ شہپال شاہ نے بھی اپنے لشکر میں طبلِ جنگ بجوایا۔ بارہ سو جوڑی سونے روپے کے نقاروں کی جھڑ جھڑ بجنے لگی۔ عفریت کے لشکر میں طبل کے بدلے دیو چوتڑ اپنا پیٹتے اور پتھر پر پتھر مارتے تھے۔ القصہ، تمام رات دونوں لشکروں میں شور وغل برپا رہا۔ جب صبح ہوئی، عفریت کئی لاکھ دیو لے کر میدان میں نکلا۔ کوئی دیو تو شیر کی کھال، کوئی اژدہے کی کھال، کوئی ہاتھی کی کھال گلے میں ڈالے ہوئے تھا اور سر کی شاخوں پر فولادی خول چڑھے ہوئے تھے۔ زنجیریں، توڑے فولادی گلے، بازو، کمر، ران میں پیچیدہ تھے۔ گلوں میں کھوپڑیوں کے ہار ڈالے، بھالا، زنگالا، چقماق چادر، آسیا سنگ، دار شمشاد، ارۂ پشتِ نہنگ ہاتھوں میں لیے، اس برزخ سے مستعد بہ جنگ کھڑے ہوئے۔ شہپال ایک تخت پر آپ سوار ہوا اور ایک تخت پر صاحبقراں کو سوار کر کے، اپنے لشکر کو ہمراہ لے کر، عفریت کے لشکر کے مقابل میں صف آرا ہوا۔ دیووں نے جو صاحبقراں کو دیکھا، عجیب وغریب حرکتیں کرنے لگے۔ کوئی تو نافِ میدان میں آ کر اپنے چوتڑ پیٹ کے ناچتا تھا، کوئی قلقاریاں مار کے اچھلتا تھا، کوئی اپنی ڈاڑھی پکڑ کے بیٹھکیں کرتا تھا، کوئی طرارہ بھر کے آسمان کی طرف جاتا اور وہاں سے قلابازیاں کرتا ہوا زمین پر آتا تھا، کوئی دانت نکال کر صاحبقراں کو ڈراتا تھا، کوئی اپنی دم ہاتھ میں لے کر چک پھیریاں لیتا تھا۔ امیر کو یہ حرکتیں ان کی دیکھ کر بے اختیار ہنسی آئی۔ پہلے سب کے اہرمن، پدرِ عفریت، کہ جس کا قد پانچ سو گز کا تھا، دار شمشاد ہاتھ میں لے کر صف سے نکلا اور سامنے آ کر للکارا کہ وہ زلازلِ قاف، کوچک سلیمان کہاں ہے؟ میرے مقابل آوے کہ چاشنی مرگ کی اس کو چکھاؤں۔ امیر شہپال سے اجازت لے کر میدان میں آئے اور ایک نعرہ اللہ اکبر کا اس زور سے کیا کہ تمام بیابان کانپ گیا۔ اہرمن بولا کہ اے زلازلِ قاف، اتنے سے قد پر چلّاتا بہت ہے! لا، کیا ضرب رکھتا ہے؟ صاحبقراں نے کہا کہ اپنا دستور سبقت کرنے کا نہیں ہے۔ پہلے تو حربہ

کر لے، پھر میں حربہ کروں گا۔ وہ بولا کہ تجھ سے کوتاہ قامت ضعیف البنیان پر جو میں پہلے حربہ کروں، مجھ کو دیو کیا کہیں گے؟ اور میرے حربے سے تو بچے گا کاہے کو، کہ مجھ پر حربہ کرے گا؟ صاحبقراں نے کہا کہ جہاں قدو قامت کی تقسیم ہوتی تھی وہاں تو تھا، اور جہاں قوت و زور بٹتا تھا وہاں میں تھا۔ سوائے اس کے، تو نہیں جانتا کہ میں ملک الموت ہوں، تیری روح قبض کرنے کو پردۂ دنیا سے آیا ہوں۔ اہرمن نے کھسیانا ہو کر دار شمشاد صاحبقراں پر لگایا۔ صاحبقراں نے اسے خالی دے کر عقرب سلیمانی میان سے لے کے فرمایا کہ او ناپاک، یہ نہ کہنا کہ مجھ کو غفلت میں مارا۔ خبردار ہو جا کہ میں حربہ کرتا ہوں۔ یہ جملہ تمام کرنے کے ساتھ ہی ایک ہاتھ اس کی کمر پر ایسا لگایا کہ وہ جیفہ خوار برابر دو ٹکڑے ہو کر دو طرف گرا۔ شہپال نے سجدۂ شکر کیا اور پریزاد شادیانے بجانے لگے۔ عفریت نے ایک آہ کر کے کہا کہ اے آدم زاد، غضب کیا تو نے، میرے باپ سے پہلوان کو مارا! لیکن تو بھی بچ کر نہیں جانے پاتا ہے۔ یہ کہہ کر اور ایک دیو کو، کہ اہرمن سے بھی قوی ہیکل تھا، صاحبقراں سے مقابلہ کرنے کو بھیجا۔ صاحبقراں نے اس کو بھی جہنم واصل کیا۔ القصہ، تھوڑے سے عرصے میں نو دیو زور آور، کہ عفریت کے لشکر میں نامی تھے، اہرمن کے پاس بھیجے۔ تب تو عفریت کانپ گیا اور فوراً طبل بازگشت بجوا کر، اپنے باپ کی لاش کو اٹھوا کے، گریاں و نالاں اپنی فرودگاہ پر گیا۔ شہپال شاہ امیر پر سے زر و جواہر نثار کرتا ہوا قلعۂ گلستانِ ارم میں داخل ہوا۔

داستان بیان میں خواجہ عمرو عیار کے

اب دو کلمے داستان بابائے دوندگانِ عالم، شاہِ عیارانِ عیار، خواجہ عمرو بن امیہ ضمیری کے سنیے۔ جب بختیارک عمرو کے ہاتھوں زخمی ہو کر ہرمز کے پاس گیا، ذراع زرہ پوش نے کہا کہ اگر حکم ہو تو طبلِ جنگ بجوایا جاوے۔ ہرمز نے کہا کہ مجھ کو کسی طرح بندگانِ خدا کا کشت وخون منظور نہیں ہے۔ شبانہ روز طلایہ پھرا کرے۔ رسد کسی طرف سے قلعے میں نہ جانے پاوے، اور جنگل کٹوا کر رنگڈھ اور سیڑھیاں تیار کرواؤ کہ وقت پر کام آئیں سب کو یہ رائے پسند آئی۔ چار مہینے کے عرصے میں رنگڈھ اور سیڑھیاں تیار ہوئیں۔ ہرمز نے حکم دیا کہ رنگڈھ کو قلعے کے مقابل میں قائم کرو، اور سیڑھیاں بھی اس کے پاس رکھو، اور ہمارے لشکر میں طبلِ جنگ بجواؤ، کل ہم قلعے پر چڑھائی کریں گے۔ یہ خبر عمرو کو بھی پہنچی کہ رنگڈھ قلعے کے مقابل قائم کیا گیا اور سیڑھیں بھی تیار ہوئی ہیں، اور طبلِ جنگ بھی ہرمز کے لشکر میں بجا ہے۔ عادی کرب سے کہا کہ تم بھی کوسِ اسکندری پر ڈنکا دلواؤ، ہم ذرا سیر کو جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر لباس شاہی بدلا اور پوشاکِ عیاری پہن کے، یراقِ عیاری بدن پر لگا کر، ایک پیادے کی صورت بن کے، رنگڈھ کی طرف روانہ ہوا۔ دیکھا کہ چار سو پیادے مشعلیں جلائے رنگڈھ کے گرد طلایہ پھر رہے ہیں۔ عمرو نے ان سے جا کر کہا کہ ہرمز نے مجھے دیکھنے کو بھیجا ہے کہ محافظانِ رنگڈھ میں سے کون ہوشیار اور کون غافل ہے۔ جو جو غافل ہو ان کی اسم نویسی لکھ لاؤ کہ صبح کو ان پر سیاست کی جاوے، اور جو ہوشیار ہوں ان کے واسطے ابھی کچھ الوش بھیجا جاوے۔ جہاں تک ہوشیار و غافل تھے، لگے خوشامد کرنے اور کہنے کہ آپ مہربانی کر کے عرض کر دیجیے گا کہ کوئی غافل نہیں ہے، چار سو کے چار سو جوان ہوشیار ہیں۔ عمرو وہاں سے قلعے میں آیا۔ کئی من شیرینی، داروے بیہوشی آمیختہ، خوانوں میں لگا کر، عیاروں کی صورت بدل کر ان کے سر پر خوان رکھوائے اور رنگڈھ پر آ کے شیرینی کے خوان رکھوا کر کہا کہ ہرمز نے یہ شیرینی تم لوگوں کے واسطے بھیجی ہے، لیکن صبح کو تقسیم ہوگی، کہ میں تمھارے سردار کو نہیں پہچانتا ہوں۔ ایک نے آ کر عمرو سے کہا کہ

میں ان سب پیادوں کا مہتر ہوں، شاطر میرا نام ہے، اور یہ انگوٹھی فیروزے کی شاہزادے کو دینا، اور بھائی تمھارا کیا نام ہے؟ عمرو بولا کہ مہتر عقیق میرا نام ہے، فراش خانے کے داروغہ کا داماد ہوں۔ یہ کہہ کر وہ خاتم تو اس سے لے لی اور خوان شیرینی کے اس کو سونپ کر وہاں سے الگ ہوا۔ مہتر شاطر نے وہ مٹھائی سب کو تقسیم کر دی اور اپنا حصّہ آپ لے کر کھایا۔ جتنے پیادے تھے سبھوں نے ہونٹ چاٹ چاٹ کر وہ مٹھائی کھائی اور تھوڑی دیر کے بعد سب بیہوش ہوتے گئے۔ عمرو نے تو عیاروں کو خبر کے واسطے لگا ہی رکھا تھا، خبر پاتے ہی جا کر سب کا سر خنجر سے کاٹا اور رنگڈھ و نردبانوں پر روغن نفط چھڑک کر آگ لگا دی۔ جب دھڑ دھڑ جلنے لگا، آپ قلعے میں آ کر چین سے پاؤں پھیلا کے سو رہا۔ جتنی سیڑھیاں تھیں، رنگڈھ سمیت رات بھر میں جل گئیں۔

ہر گاہ تنورِ خورشید گرم ہوا، ہرمز چار ہاتھی کے تخت پر سوار ہوا اور فوج کو ساتھ لے کے چلا کہ آج سیڑھیاں لگا کر، پہلوانان و سردارانِ لشکر کو قلعے پر چڑھا کے مسلمانوں کو قتل کروں گا۔ تھوڑی دور فرودگاہ سے گیا تھا کہ عیاروں نے آ کر خبر دی کہ رنگڈھ نردبانوں سمیت جل کر راکھ کا ڈھیر ہوا پڑا ہے اور چوکیدار سر کٹے ہوئے پڑے ہیں۔ ہرمز نے جو یہ سنا، ایک شعلہ آگ کا تلووں سے لگ کر دماغ سے نکل گیا۔ بختیارک سے مخاطب ہو کے کہا کہ دیکھی عمرو کی شرارت! میری چار مہینے کی محنت برباد کی۔ بختیارک بولا کہ حضور خوب جانتے ہیں جیسا وہ شریر ہے۔ سوار تو ہو ہی چکے ہو، چل کر قلعے سے لڑائی ڈالو، شاید فتح میسر ہو۔ ہرمز نے قلعے کے سامنے آ کر دس دس ہزار سوار قلعے کے چاروں طرف محاصرے کے واسطے متعین کیے۔ عمرو نے دیکھا کہ آج نقشہ بے ڈول ہے، اس نے بھی چاروں طرف قارورے، ہانڈی، تیر، تفنگ، ناوک مارنے شروع کیے اور ایسا آتش بازی کا مینھ برسایا کہ ہزاروں گبر جل کے خاکستر ہو گئے۔ ہرمز کے لشکر میں قیامت مچ گئی۔ باقی ماندہ قلعے کی ضرب سے ہٹ کر پیچھے کھڑے ہوئے۔ ہرمز نے ذراع زرہ پوش سے کہا کہ تم جو اس روز کہتے تھے کہ اگر مجھ کو حکم ہو تو میں قلعہ توڑ کر اپنے زرہ پوشوں سے مسلمانوں کو قتل کر کے مہر نگار کو نکال لاؤں، جاؤ، اس دم قلعے کو توڑ کے مہر نگار کو لے آؤ۔ ذراع نے کہا کہ حضور نے کب فرمایا تھا کہ میں بجا نہیں لایا؟ ذراع نے اپنے چار ہزار زرہ پوشوں سے گھوڑے اٹھائے۔ ذراع تو سر پر سپر رکھ کے خندق کے پار جست کر کے جا کھڑا ہوا، لیکن سوار اس کے خندق ہی پر رہے۔ عمرو نے سواروں کو تو قارورہ ہائے آتشیں مار کر خندق پر سے ہٹا دیا، لیکن ذراع زرہ پوش تنہا خندق کے پار کھڑا رہا۔ بختیارک نے کہا کہ حقیقت میں ذراع بڑا بہادر ہے، اس نے جو کہا تھا سو کیا، لیکن کیا کرے کہ اکیلا ہے، فوج اس کی عمرو کی آتش بازی سے بیتاب ہو کر پسپا ہو گئی۔ اس وقت حضور اپنے لشکر کو حکم دیں کہ ذراع کی مدد کریں۔ ہرمز نے اپنی فوج کو حکم دیا، دیکھو، ذراع اکیلا قلعے کے دروازے پر کھڑا ہے، تم لوگ اس کی مدد کرو تو ابھی قلعہ فتح ہوتا ہے۔ جتنے ساسانی تھے سبھوں نے اپنے اپنے گھوڑے اٹھائے اور لبِ

خندق جا پہنچے لیکن خندق کے پار جانے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ عمرو نے فصیل کے اوپر آ کے ذراع سے کہا کہ اے بہادر، قلعہ تو لے چکا، اس واسطے میں تجھ سے ملتجی ہوں کہ بہادروں کا دستور ہے کہ غنیم ہزیمت خوردہ کو امان دیتے ہیں۔ اگر تو جا کر ہرمز سے میرا قصور معاف کروا دے تو میں قلعہ خالی کر کے مہرنگار کو تیرے حوالے کر دوں۔ ذراع نے جواب دینے کے لیے سپر کو سر سے ہٹایا۔ سپر کا سر سے ہٹانا تھا کہ عمرو نے ایک سنگ، تراشیدہ وخراشیدہ، فلاخن میں رکھ کے گھما کر جو اس کی دونوں ابروؤں کے بیچ میں مارا، مغز اس کا خشخاش کے مانند نتھنوں کی راہ سے نکل گیا اور وہ تڑپ کر آبِ خندق میں جا رہا۔ ساسانی جو لبِ خندق کھڑے ہوئے تھے، پانی میں کود کر اس کی لاش کو نکال کر لے گئے۔ ہرمز کا رنگ اڑ گیا کہ بڑا بہادر سردار مارا گیا۔ گھبرا کر بختیارک سے کہنے لگا کہ اب کیا کروں؟ اس نے کہا کہ اس وقت فوج بدحواس ہو رہی ہے، طبلِ بازگشت بجوا کر خیمے میں چلیے، کل سمجھ لیجیے گا۔

ہرمز نے طبلِ بازگشت بجنے کا حکم دیا اور ملول ومحزوں اپنے خیمے میں داخل ہوا اور بذریعۂ عرضی تمام کیفیت سے نوشیرواں کو مطلع کیا۔ جب وہ عرضی نوشیرواں کے ملاحظے سے گذری، بزرجمہر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ دیکھتے ہو عمرو کی بدذاتی! میرے کیسے کیسے پہلوانوں کو ہلاک کرتا ہے۔ بزرجمہر نے عرض کی کہ فی الواقع وہ ایسا ہی بدذات ہے، مگر آپ شاہزادے کو لکھیں کہ تم لڑنا بھڑنا موقوف کرو، کسی طرح سے عمرو کو زندہ پکڑ لو۔ ہنوز بزرجمہر کی گفتگو تمام نہ ہوئی تھی کہ ساسانیوں نے نوشیرواں کے سامنے داد و بیداد کرنی شروع کی کہ ساربان زادے کو دیکھیے اور دیلم وفیلم وذراع سے پہلوانوں کو مارنا اور ذلیل کرنا دیکھیے۔ اب جب تک ہم ان کا بدلہ اس عیارِ بے اعتبار سے نہ لیں گے، ہم کو چین نہیں پڑے گا۔ نوشیرواں نے ان کی دلدہی کی اور اخضر فیل گوش کو، کہ ساسانیوں میں سردار و پہلوانِ نامی ہے، ستّر ہزار سوارِ جرار سے ہرمز کی مدد کو بھیجا اور ہرمز کو لکھا کہ تم گھبرا کر قصد معاودت کا نہ کرنا، میں نے اخضر فیل گوش کو تمھاری مدد کو روانہ کیا ہے۔

بعدازاں نوشیرواں دربار برخاست کر کے شبستانِ حرم میں گیا۔ مہرانگیز نے نوشیرواں کو ملول ومحزوں دیکھ کر پوچھا کہ آپ اس وقت ملول ومحزوں کیوں ہیں؟ نوشیرواں نے کہا کہ تمھاری بیٹی کی بدولت ہر دم مغموم رہتا ہوں۔ کاش ایسی بیٹی کے بدلے تم کنکر پتھر جنی ہوتیں۔ جب سے ہرمز کو بھیجا ہے، وہ ساربان زادہ تین شکستیں اس کو دے چکا ہے اور کیسے کیسے میرے پہلوان مارے ہیں کہ میرا جی جانتا ہے۔ مہرانگیز نے کہا کہ جہاں پناہ سلامت، اس کے مارنے کی یہ تدبیر نہیں ہے۔ خواجہ نہال کو، کہ اس نے مہرنگار کو پالا ہے، تحفہ و ہدیہ ساتھ دے کر مہرنگار کے پاس بھیجیے اور ایک خطِ خفیہ اس کو لکھیے کہ حیف ہے، تیرا خون ایسا سفید ہو گیا ہے کہ ماں باپ تیرے سوزِ فراق میں جلتے ہیں اور تجھ کو اتنا بھی خیال نہیں آتا کہ ماں باپ کے دل کی آگ کو آبِ دیدار

سے بجھاوے، و بہر حال، ہم پر رحم کھا کے خواجہ نہال کے ساتھ اس طرف کو روانہ ہو، کہ ہماری جان بچے۔ اور عمرو کے واسطے بھی کچھ زرِنقد بھیجیے کہ وہ طمع میں آ کر خواجہ نہال کو قلعے کے اندر بلا لیوے۔ ہرگاہ خواجہ نہال قلعے کے اندر پہنچے، چند روز میں مل ملا کر عمرو کو زہر دیوے اور دروازہ قلعے کا کھول کر فوج کو بلا کے مسلمانوں کو قتل کرے اور مہر نگار کو لے کر اس طرف چلا آوے۔ بادشاہ نے مہرانگیز کی رائے بہت پسند کی اور خواجہ نہال کو پست و بلند سمجھا کر مع تحف و ہدایا و زرِنقد مکہ کی طرف رخصت کیا۔

روانہ ہونا خواجہ نہال کا مہر نگار کے لانے کے لیے مکہ کی طرف اور مرنا عمرو کے ہاتھ سے

راویانِ شیریں سخن لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے بعدِ رخصتِ خواجہ نہال ایک شقہ ہرمز کے نام اس مضمون کا لکھ کر پیکِ عیار کے ہاتھ بھیجا کہ اے فرزند، پرسوں میں نے اخضر فیل گوش کو ستر ہزار سوار سے تیری مدد کو بھیجا ہے اور آج خواجہ نہال کو ایسا ایسا سمجھا کر باتحف و ہدایا روانہ کیا ہے۔ چاہیے کہ کسی تدبیر سے خواجہ نہال قلعے کے اندر پہنچے کہ ہمارے حکم کی تعمیل کرے، اور اگر کسی طرح خواجہ نہال قلعے میں نہ پہنچ سکے تو اخضر فیل گوش کو لے کر کھڑے کھڑے قلعہ توڑ ڈالنا۔

اب خواجہ نہال کا حال سنیے کہ اخضر فیل گوش کی روانگی سے ایک ہی دن پیچھے تو خواجہ نہال روانہ ہوا تھا، دو اسپہ کوچ کر کے اخضر فیل گوش سے جا کر ملا اور دونوں بایکدیگر مل کے منازل و مراحل طے کرتے چلے۔ تخمیناً تین مہینے کے عرصے میں ہرمز کے لشکر میں داخل ہوئے اور بعدِ ملازمت شقہ ہائے بادشاہ ہرمز کو دیے۔ ہرچند ہرمز ان شقوں کے مضمون سے، بہ سبب اس شقے کے جو عیار کے ہاتھ پہنچا تھا، واقف ہو چکا تھا لیکن بہر حال شقوں کو پڑھ کے دونوں شخصوں کو خلعت دیا۔ چونکہ دونوں راہ کے تھکے ماندے تھے، سویرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے خیمے میں گئے۔ یہ خبر ایک عیار نے عمرو کو پہنچائی کہ نوشیرواں نے بڑی فوج ہرمز کی مدد کو بھیجی ہے۔ عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ دریافت تو کیا چاہیے، اب کے کون سردار آیا ہے؟ دھوبی کی صورت بن کر ہرمز کے لشکر میں گیا۔ جہاں دو چار آدمیوں کے باتیں کرتے دیکھا وہاں کھڑا ہو کر سن گن لینے لگا۔ ایک مقام پر کئی آدمی کھڑے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اب کے تو نوشیرواں نے اخضر فیل گوش کو ستر ہزار سوارِ جرار سے ہرمز کی مدد کو بھیجا ہے، یقیناً قلعہ فتح ہوگا اور عمرو مارا جائے گا۔ ایک بولا کہ خواجہ نہال کو بھی تو بھیجا

ہے۔ دوسرے نے کہا کہ اسے لڑنے کو تھوڑی بھیجا ہے، اسے تو یہ حکم دیا ہے کہ کسی طرح سے قلعے میں رسائی پیدا کر کے عمرو کو دغا سے مار کر مہر نگار کو لے آ۔ سو یہ منصوبہ تو اپنے خیال میں کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عمرو ایسا نہیں کہ کسی کے دم میں آئے۔ ہاں، اگر اخضر فیل گوش سے کچھ کام بن پڑے تو بن پڑے، اور تو باقی خیریت ہے۔

عمرو نے وہاں سے ہٹ کر دھوبی کی صورت بدل کے ایک سائیس کی صورت بنائی اور توبرہ دانے کا ہاتھ میں لے کر پکار پکار کے کہنے لگا کہ یارو، کوئی خواجہ نہال کا خیمہ بتا دو، شام کو دانے کے لیے آیا تھا، اب رات ہو جانے سے رستہ بھول گیا ہوں، گھوڑا دانے کے واسطے ٹاپتا ہوگا۔ سنتے سنتے ایک شخص بول اٹھا کہ چل بھائی، میں تجھ کو خواجہ نہال کا خیمہ بتا دوں۔ چند قدم جا کر اس نے کہا کہ دیکھ وہ سامنے خواجہ نہال کا خیمہ ہے۔ عمرو نے بہ صورتِ اصلی بن کر خواجہ نہال کے خیمے پر جا کے چوبداروں سے کہا کہ خواجہ نہال کو خبر دو کہ عمرو تمھاری ملاقات کے واسطے آیا ہے۔ خواجہ نہال عمرو کا نام سن کر بہت سراسیمہ ہوا، کہ عمرو اس وقت میرے پاس کیوں آیا ہے؟ مگر استقبال کر کے عمرو کو لے آیا اور اپنے برابر مسند پر بٹھلا کے بہت گرمجوشی کے ساتھ کہا کہ آپ نے بڑی مہربانی کی کہ تشریف لائے۔ اگر آپ آج نہ آتے تو کل میں تمھاری ملاقات کے واسطے قلعے میں چلتا، کیونکہ باہم ملاقات کرنا دوستی کا نتیجہ ہے۔ عمرو نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ خواجہ، کیا کہوں، سخت مصیبت میں گرفتار ہوں۔ خواجہ نہال نے کہا کہ خیر تو ہے؟ عمرو بولا کہ سوائے شر کے خیر کہاں! حقیقت یہ ہے کہ حمزہ مہر نگار کو مجھے سونپ کر اٹھارہ روز کا وعدہ کر کے پردۂ قاف کی طرف گیا تھا، سو اس کو اتنا عرصہ ہوا۔ معلوم نہیں کہ جیتا ہے یا کسی دیو کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اب میں مہر نگار کو رکھ نہیں سکتا کہ وہ بھی گھبراتی ہے۔ اگر اس کو ہرمز کو سونپ دیتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ میں نے بڑی بے ادبی کی ہے، دیکھیے میرا قصور بادشاہ معاف کرتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ نوشیرواں رحیم و کریم ہے، تعجب نہیں ہے کہ معاف کر دے، لیکن بختک و بختیارک جو میرے دشمن ہیں، یہ ضرور بادشاہ کو ورغلا کے مجھ کو قتل کروا دیں گے۔ آج تجویز کیا تھا کہ جو ہونی ہو سو ہو، ہرمز سے چل کے اپنا قصور معاف کروایا چاہیے۔ لشکر میں آن کر آپ کے آنے کی خبر سنی۔ کمال دل کو خوشی حاصل ہوئی۔ سو اب میں مہر نگار کو تو آپ کو سونپ دیتا ہوں، باقی جدھر میرا سینگ سمائے گا ادھر چلا جاؤں گا۔ خواجہ نہال عمرو کی تقریر سن کر نہال نہال ہو گیا اور عمرو کو چھاتی سے لگا کر کہنے لگا کہ خواجہ عمرو، کس کی طاقت ہے کہ میرے تمھارے مقدمے میں بادشاہ سے کچھ بدی کر سکے۔ تمھاری تقصیر معاف کروانے اور بلکہ مکہ کی حکومت بادشاہ سے تم کو دلوانے کا میرا ذمہ ہے۔ عمرو نے کہا کہ مجھ کو آپ سے اس سے زیادہ امید ہے۔ یہ کہہ کر جھولی سے خرمے نکال کر دیے کہ یہ مکہ کا تبرک ہے۔ خواجہ نہال کی جو شامت آئی، بے پس و پیش خرموں کو کھا گئے۔ عمرو یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ میں جاتا ہوں،

مہرنگار کو لے آتا ہوں۔ عمرو نے باہر آ کر مکہ کا تبرک سب شاگرد پیشے کو کھلایا۔ خواجہ نہال نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تیرا اقبال ہے کہ گھر بیٹھے مطلب حاصل ہوا۔ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ باہر تو شاگرد پیشہ، اور خیمے میں خواجہ نہال بیہوش ہو گئے۔ عمرو نے خیمے میں آ کر زنبیل سے کنجیاں نکالیں اور صندوقوں کو کھول کر جس قدر نقد و جنس تھا، زنبیل میں رکھا، اور ایک صندوق بہت پر تکلف تھا، اس کو جو کھولا، اس میں سے ایک خط مہرنگار کے نام بادشاہ کی طرف سے چند غلافوں میں لپٹا ہوا پایا۔ اس کو بھی لے کر زنبیل کے حوالے کیا اور بدستور صندوقوں میں قفل لگا دیے۔ خواجہ نہال کو تو ایک گڑھا کھود کے زندہ گاڑ دیا اور آپ خواجہ نہال کی صورت بن کر اس کے پلنگ پر سو رہا۔

ہرمز کا حال سنیے کہ صبح کو بختیارک سے مصلحتاً کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ اخضر فیل گوش کی اور خواجہ نہال کی دعوت کروں۔ بختیارک نے کہا کہ اس سے کیا بہتر ہے! ہرمز نے جشن کی تیاری کر کے اخضر فیل گوش و خواجہ نہال کو بلوا بھیجا۔ جتنے سردار تھے، مع اخضر فیل گوش، حاضر ہو کر اپنے اپنے مقام پر بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد خواجہ نہال عملی نے بھی حاضر ہو کر مجرا کیا اور مودّب دست بستہ شاہزادے کے سامنے کھڑا ہوا۔ ہرمز کو یہ حرکت اس کی بہت پسند آئی۔ اسی وقت خلعتِ سرفرازی سے مخلع کر کے فرمایا کہ اے خواجہ نہال، شرط ادب کی تم بجا لائے، اب آؤ، برادرانہ مجلس میں بیٹھو اور چندے غم دنیاے دوں فراموش کرو۔ خواجہ نہال عملی بولا کہ غلام کا یہ رتبہ کہاں ہے۔ فرمایا کہ اس گفتگو کو اس وقت بالاے طاق رکھو، اور ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس کرسی پر بٹھلا لیا۔ سازندے اور خواندے جس قدر لشکر کے ہمراہ تھے وہ تو تھے ہی، مگر اور جو مکہ کے گرد و نواح سے آئے تھے، سبھوں نے ساز ملا کر گانا بجانا شروع کیا اور آواز نوش باد و ہوش باد کی بلند ہوئی۔ تمام دن تو اس طرح پر چرچا رہا، جب شب ہوئی، مشعلچیوں نے جامی، مومی، کافوری بتیاں دو شاخوں، سہ شاخوں، پنج شاخوں میں چڑھا کر روشن کیں۔ ہرمز نے ایک جام مئے دو آتشہ کا اپنے ہاتھ سے بھر کر اخضر فیل گوش کو دیا۔ وہ آداب بجا لا کر اس کو پی گیا، اور ایک جام اس نے بھی لبریز کر کے ہرمز کو دیا۔ اس وقت یہ مقرر ہوا کہ جو کوئی کسی کو پلاوے، دوسرا بھی اس سے عوض کرے۔ الغرض، ہر ایک لگا پینے اور پلانے۔ جب پہر رات گئی، خواجہ نہال عملی نے اٹھ کر عرض کی کہ اس وقت غلام ساقی گری کرنے کا امیدوار ہے۔ ہرمز نے خوش ہو کر کہا کہ بہت مبارک، اس سے کیا بہتر ہے۔ خواجہ نہال عملی نے جام و صراحی ہاتھ میں لے کر پہلے تو ہرمز کو ایک جام پلایا، بعد ازاں مجلس میں دورہ کیا۔ دو دور تک وہی شراب جو پہلے سے چل رہی تھی، پلائی۔ تیسرے دورے میں داروے بیہوشی شیشے میں داخل کی اور لگا سب کو پلانے اور چکھانے۔ چونکہ وہ پہلے سے نشے میں سرشار تھے، دو ہی پیالوں میں بیہوش ہو کر گر پڑے۔ خواجہ نہال عملی نے دیکھا کہ مجلس کی مجلس اناچت ہوئی، جام و صراحی لے کر باہر نکلا۔ جتنا

شاگرد پیشہ تھا، سب کو پلا کر بیہوش کیا اور خیمے میں آ کر فرش فروش اسباب کپڑے حتیٰ کہ شاگرد پیشوں کا ٹوٹا بوریا تک، مع ہرمز کا پشتارہ، زنبیل کے حوالے کیا۔ اور اخضر فیل گوش کی ڈاڑھی مونچھ مونڈ کر سات رنگ کے ٹیکے تو اس رخسار پر جس طرف کی مونچھ مونڈی تھی، دیے، اور جدھر کی مونچھ قائم رکھ کے اس میں گھونگرو باندھا تھا، اس طرف کے رخسار کو مطلق کالا کیا اور بزِ کوہی کی کھال کی قبا اس کے گلے میں پہنائی۔ اور بختیارک کی بھی ڈاڑھی مونچھیں مونڈ کر، منھ کالا کر کے، صورت اس کی عورت کی سی بنا کر، ماتھے میں سیندور تیل سے لتھ کر کے لگایا اور دونوں پاؤں اس کے گلے میں ڈال کر تسمے سے باندھ دیے، اور ایک پلنگ پر اخضر فیل گوش کی گود میں اس کو لٹا دیا، اور جتنے سردار حاضرینِ محفل تھے، سب کو ننگا کر کے، ڈاڑھی مونچھیں مونڈ کر، منھ سیاہی سے رنگ کر، الٹا ستون سے باندھ دیا اور آپ اسی طرح خواجہ نہال کی صورت بنا خیمے سے باہر نکلا اور قلعے کی طرف چلا۔ بات کی بات میں قلعے میں جا کر سو رہا۔

اخضر فیل گوش کا حال سنیے کہ ہنوز دھندلکا تھا کہ آنکھ کھلی۔ دیکھا تو ایک عورت برہنہ، گلے میں پاؤں ڈالے سو رہی ہے۔ دل میں سوچا کہ شاید ہرمز نے ازراہِ مہربانی راہ کی ماندگی اتارنے کے لیے تیرے واسطے اس کو بھیجا تھا۔ حیف ہے کہ تو رات بھر نشے میں سویا کیا اور یہ اچھوتی رہی۔ صبح کو سب کے روبرو کہے گی کہ اخضر نامرد ہے۔ ابھی تو پرچھا نہیں ہوا ہے، اس کے ساتھ ایک جماع تو کر۔ اخضر نے جونہی اس کے دخول کیا، بختیارک نے ایک چیخ ماری۔ اس کے غل سے جتنے تھے سب جاگے، اور بارگاہ میں جو لوگ بندھے ہوئے تھے وہ تو اس کی فریاد نہ لے سکے، مگر خدمتگار، چوبدار، فراش، مشعلچی، دربان، سب دوڑے۔ دیکھیں تو واہ واہ، عجب شکل کا مرد ہے اور عجیب صورت کی عورت ہے، دونوں بارگاہ میں فعلِ شنیعہ کر رہے ہیں۔ ہر ایک ان دونوں کو مارنے لگا کہ ادب ادبو، یہ بارگاہ شاہزادے کی ہے، اس میں ایسی بے ادبی کر رہے ہو! بارے شاگرد پیشے کی بدولت بختیارک کی جان بچی کہ فرصت پا کر اٹھ بھاگا اور اخضر سے لڑائی ہونے لگی۔ کئی آدمی اخضر کے گھونسوں سے مارے گئے۔ جب زیادہ پرچھا ہوا، لوگوں نے دیکھا کہ اخضر ہے، اور بارگاہ میں سردارانِ لشکر ستونوں سے الٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ بارے شاگرد پیشوں نے سب کو کھولا اور ان کے مکانوں سے ان کے کپڑے لا کر، ہر ایک کا منھ ہاتھ دھلا کے، پنھائے۔ اس میں بختیارک بھی منھ ہاتھ دھو کے، کپڑے بدل کر آیا اور اخضر فیل گوش کو سمجھانے لگا کہ بھلے آدمی، سوائے عمرو کے اور بھی کسی کی ایسی طاقت ہے کہ میرا تیرا ایسا حال کرے؟ اخضر نے غصّے سے منھ پر ہاتھ پھیرا کہ عمرو ہے اور میں ہوں۔ گھنگرو چھن سے بولا۔ معلوم ہوا کہ منھ پر ایک مونچھ اور ڈاڑھی نہیں ہے اور ایک مونچھ میں گھنگرو بندھا ہوا ہے۔ اخضر نے اور بھی تاؤ پیچ کھایا۔ بختیارک نے کہا کہ ہماری تمھاری تو یہ گت بنی ہے، معلوم نہیں کہ ہرمز و خواجہ نہال کا کیا حال ہوا۔ شب کو جو خواجہ نہال ساقی

گری کرتا تھا، خدا جھوٹ نہ بلاوے، وہ خواجہ نہال نہ تھا، عمرو تھا۔ یقیناً خواجہ نہال کو مار کے اس کی صورت بن کر آیا تھا۔ تحقیق کیا تو واقعی نہ اپنے خیمے میں خواجہ نہال ہے اور نہ اس نقد و جنس میں سے جو خواجہ نہال کے ساتھ آئی تھی، کچھ باقی ہے، اور ہرمز کو بھی لے گیا ہے۔ اخضر جھنجھلا کر طبلِ جنگ بجنے کا حکم دے کر بولا کہ اگر قلعے کی اینٹ سے اینٹ نہ بجائی اور اس ساربان زادے کی بوٹیاں کاٹ کر چیل کوؤں کو نہ کھلائیں اور اس صحرا میں مسلمانوں کے خون سے ندی نہ بہائی تو کچھ نہ کیا۔

آخر دوسرے دن ستر ہزار سوار اپنے اور تیس ہزار سوار ہرمز کے لشکر کے ہمراہ لے کر قلعے کا محاصرہ کیا۔ عمرو نے اس وقت ہرمز کا پشتارہ زنبیل سے نکالا۔ دیکھا کہ بیہوش ہے۔ چند قطرے سرکۂ تند کے اس کے منھ میں ٹپکائے۔ ہرمز نے آنکھیں کھول دیں۔ عمرو کو ایک کرسیِ جواہرنگار پر بیٹھے، اور چپ و راست سرداران و شاہانِ یمن و تنگ رواحل و ہفت شہر کو کھڑے، اور مقبل وفادار کو بارہ ہزار تیراندازِ بے خطا سے لیس، اور پہلوانانِ قوی ہیکل کو جابجا مورچوں پر مستعد، و برق انداز و رعدانداز و قارورہ انداز و سنگ اندازوں کو فصیلوں پر ہوشیار، اور اپنے کو پنجۂ حریف میں گرفتار دیکھ کر زندگی سے مایوس ہوا۔ بے اختیار رونے لگا۔ عمرو نے ہرمز کو گریاں دیکھ کر تسکین دی کہ اے شاہزادے، تو خوف نہ کھا، میں تیرے ساتھ کسی طرح سے بدی نہ کروں گا۔ مگر تین سوال کرتا ہوں۔ اگر تینوں میں سے ایک کو بھی منظور کر تو مجھ پر اور اپنے اوپر احسان کر۔ ہرمز نے پوچھا کہ وہ کیا سوال ہیں؟ بیان کر۔ عمرو نے کہا کہ اوّل تو میرا یہ سوال ہے کہ تو مسلمان ہو جا اور مسلمانوں پر فرمانروائی کر۔ ہرمز بولا، یہ مجھ سے نہ ہوگا کہ میں آبائی مذہب کو بدلوں۔ عمرو نے کہا کہ اگرچہ مسلمان ہونا ہر صورت سے تیرے واسطے بہتر تھا، کہ انجام یہی ہے، لیکن تیرے خیال میں نہیں آتا، مجبوری ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ نوشیرواں کو سمجھا کہ تا آنے صاحبقراں کے مجھ سے مزاحم نہ ہو۔ جب صاحبقراں قاف سے آئیں ان سے سمجھ لے۔ وہ مہرنگار کو میرے پاس امانتاً چھوڑ گیا ہے، میں اس کے آنے تک امانت داری میں کوتاہی نہ کروں گا۔ پس اگر وہ میرے درپے رہے گا تو خدا جانے مجھ سے کس وقت کیا بے ادبی ہوگی۔ یہی سمجھ لے کہ اس وقت جو میرا جی چاہے وہ بدی تیرے ساتھ کروں۔ ہرمز نے کہا کہ یہ امر ہو سکتا ہے۔ عمرو بولا کہ اے ہرمز، میں جانتا ہوں، نوشیرواں اس بات کو قبول نہ کرے گا، اور اگر قبول بھی کرے گا تو بختک و بختیارک کب اپنی بدذاتی سے باز رہیں گے، بہرحال، اس سے بھی میں درگذرا۔ تیسرا سوال یہ میرا ہے کہ اب تو مجھ سے لڑنے کا قصد کبھی نہ کرنا، اور اگر کرے گا تو میں ناچار ہوں، آئندہ کو میری شکایت نہ کرنا۔ ہرمز نے کہا کہ میں تجھ سے وعدۂ واثق کرتا ہوں کہ آج کے دن سے کبھی تجھ سے مقابلہ نہ کروں گا۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اخضر فیل گوش سپاہ لے کر قلعے کے سامنے آ پہنچا۔ عمرو نے دیکھا کہ اخضر فوجِ کثیر

لے کر بے طرح قلعے پر آیا ہے۔ ہرمز کو فصیل پر کھڑا کر کے کہا کہ اے اخضر، تو یقین جان اگر کسی نے آگے قدم بڑھایا تو میں نے ہرمز کا سر کاٹ کر خندق میں پھینک دیا۔ پیچھے جو کچھ ہوگا سو ہو رہے گا۔ بختیارک نے اخضر سے کہا کہ کچھ تعجب نہیں اگر یہ ساربان زادہ جیسا کہتا ہے ویسا کرے، اس سے طبل بازگشت بجوا کے پھر چلنا اچھا ہے۔ اخضر فیل گوش طبل بازگشت بجوا کر اپنے خیمے کی طرف پھر گیا۔ عمرو نے ایک خلعتِ لائق شاہزادے کو پہنا کر گھوڑے پر سوار کیا اور شکار بند پکڑ کے ہرمز کو اس کے لشکر تک پہنچا دیا اور آپ مہر نگار کے پاس آ کر سارا قصہ دہرایا۔ مہر نگار نے خوش ہو کر کہا کہ اے بابا، میں رات دن تیری فتح کی دعا مانگا کرتی ہوں۔

ہرمز کا حال سنیے کہ لشکر میں جا کر بختیارک اور اخضر فیل گوش سے کہا کہ میں نے عمرو سے عہد کیا ہے کہ آج کے دن سے میں تجھ سے لڑنے کا ارادہ نہ کروں گا اور بادشاہ کو بھی سمجھا کر جنگ وجدل سے باز رکھوں گا، پس تو بھی اے بختیارک، یہ اپنا فریب ومکر اور جوڑ بازی چھوڑ دے۔ بختیارک نے کہا کہ میں تابعِ فرمان ہوں، مجھ سے جیسا فرمایا جائے گا ویسا کروں گا۔ مگر اخضر نے کہا کہ ہم تو قلعہ توڑنے اور مسلمانوں کو مارنے اور مہر نگار کو لے جانے کے واسطے آئے ہیں۔ بے ان امورات کی تعمیل کے، قطب آسا، یہاں سے ہلتے نہیں۔ ہرمز کو یہ کلام اس کا پسند نہ آیا۔ بولا کہ میں نے خوب آزمایا ہے کہ جس کا بدن بادی ہوتا ہے، بلغم کی کثرت سے اس سے کوئی کام شجاعت و بہادری کا بن نہیں آتا۔ اخضر یہ سخن ہرمز کا سن کر بہت چراغ پا ہوا اور کہنے لگا کہ اے شاہزادے، بہادروں کے نعرے کی آواز جس سے گوشِ رعد کر ہو، اور دلاوروں کی برقِ شمشیر کی چمک جس سے حریف کی آنکھوں میں چکاچوندھی آوے، آپ نے نہیں دیکھی سنی ہے، اور شاہزادوں بادشاہوں کو ایسا نہیں چاہیے کہ سپاہیوں سے کج بحثی کریں۔ ہرمز اس کی گفتگو سے سرکہ جبیں ہو کر اسی وقت کوسِ رحلت بجوا کے اپنے لشکر سمیت مدائن کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن اخضر نے طبلِ جنگ بجوایا۔ عمرو طبلِ جنگ کی آواز سن کر چوکنا ہوا کہ ابھی ہرمز مجھ سے وعدہ کر کے گیا ہے کہ میں جیتے جی تجھ سے نہ لڑوں گا، اور لشکر میں جا کر طبلِ جنگ بجوایا۔ چل کر دریافت تو کیا چاہیے کہ یہ کیفیت کیا ہے۔

عمرو جو قلعے سے باہر نکل کے ہرمز کے اردو کی طرف گیا، معلوم ہوا کہ ہرمز تو اپنی فوج سمیت مدائن کو کوچ کر گیا، لیکن اخضر ہرمز سے بحث کر کے رہ گیا ہے، اسی نے یہ طبلِ جنگ بجوایا ہے اور اپنی فوج سے اقرار لیا ہے کہ کل مرنا یا قلعہ فتح کرنا۔ عمرو نے یہ ماجرا سن کر دن تو اِدھر اُدھر کاٹا، رات کو صورت اپنی ایک پیادے کی بنائی اور اخضر فیل گوش کے لشکر میں گھسا۔ دیکھے تو ہر ایک سردار جنگ کے سامان میں مشغول ہے۔ عمرو ہر ایک کی آنکھ بچاتا چھپتا چھپاتا اخضر کے خیمے کے قریب پہنچا۔ دیکھے تو دروازے پر کئی مشعلیں روشن ہیں، مگر چوکیدار سب سو گئے ہیں۔ ایک طرف سے قنات کا پائزہ اکھاڑ کے خیمے میں گیا۔ نفیرِ خوابِ اخضر فیل گوش بلند

پائی۔ روشنی کو چادرِ عیاری گھما کر خاموش کیا مگر ایک فلیتہ عیاری کے واسطے روشن رکھا۔ پہلو میں بیٹھ کے، نئے ہفت بند جوڑ کر، دو مثقال عبیرِ بیہوشی اسی میں بھر کے، پرّہ بینی سے لگا کر جو پھونکا، تمام عبیرِ بیہوشی اس کے دماغ میں پہنچا۔ بے اختیار چھینک مار کے بیہوش ہو گیا۔ عمرو نے وہاں سے اٹھ کر خدمتگاروں کو بھی بیہوش کیا اور جہاں تک اسباب خیمے میں تھا سب کی موٹ باندھ کر زنبیل کے حوالے کیا اور اخضر فیلگوش کا پشتارہ باندھ کے کاندھے پر رکھا اور ایک ستون خیمے کا لے کے باہر نکلا۔ لشکر کے اردو میں چوراہے پر اس ستون کو گاڑا اور اخضر کا ایک کان کاٹ کے تمام بدن اس کا کالا کیا اور جا بجا سات رنگ کے ٹیکے دیے اور الٹا لٹکا کر بالشت بھر لگی ایک بیرق کی اس کی مقعد میں گھسیڑ کے قائم کی، اور پھریرے کی جگہ ایک تاؤ کاغذ ہفت رنگ کچھ لکھ کر لگی کے سرے پر وصل کر کے اپنے قلعے کی راہ لی۔

قلعے کے دروازے پر کچھ لوگ دیکھ کر مشوش ہوا۔ خندق کے پار جست کر کے جو گیا، فصیل پر سے آواز آئی کہ کون؟ عمرو نے کہا کہ میں ہوں عمرو، مگر یہ تو بتاؤ کہ خندق کے ادھر مجمع کیسا ہے؟ مہتر عقیق بولا کہ سرہنگ مصری ستر ہزار تمن زرِ سرخ اور سات قطار اشتر بردعی و بغدادی کی اور چند قطار قاطر محمولۂ تحائف لے کر تین سو عیار کی جمعیت سے آیا ہے۔ عمرو یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا اور سرہنگ مصری کو بلا کر، گلے سے لگا کے، مال و اثقال سمیت قلعے میں لے گیا۔ جب صبح ہوئی سرہنگ مصری کو قنطورۂ زربفتی، بانیم تاجِ مرصع، کہ جس میں دو گوہرِ شاہوار تعبیہ کیے ہوئے تھے، مع خنجرِ مرصع نگار و سپر و شمشیر، عنایت کر کے کہا کہ جو کچھ اپنے ہمراہ تم لائے ہو اسے زہرہ مصری کے پاس لے جاؤ۔ سرہنگ مصری نے عمرو کے حکم کی تعمیل کی۔ زہرہ مصری نے اس اسباب کو ملکہ مہرنگار کی خدمت میں گذرانا۔ مہرنگار نے عمرو کو بلا کر وہ اسباب حوالے کیا اور لباس و زیور جو پہنے ہوئے تھی، اتار کر زہرہ مصری کو دیا۔ عمرو نے احوال اخضر فیل گوش کا جو ملکہ سے بیان کیا، ملکہ ہنس کر بولی کہ خواجہ، خدا نے تم کو اسلام کا بادشاہ کیا ہے، چالیس اولیا کا سایہ تمھارے سر پر رہتا ہے، تم ہمیشہ مظفر و منصور رہو گے۔ عمرو اس بات سے خوش ہو کر مہرنگار کو دعائیں دینے لگا اور مہرنگار سے کہا کہ میرا قصد ہے کہ منجملہ اس ستر ہزار تمن کے، تیس ہزار تمن کا غلّہ خرید کے قلعے میں بھروں اور چالیس ہزار تمن دے کے سرہنگ مصری کو بارہ ہزار غلامانِ حبش و زنگ خریدنے کے واسطے بھیجوں۔ ان سے بڑے بڑے کام نکلیں گے۔ ان کو نفط اندازی و قارورہ اندازی و برق اندازی و خشت اندازی و سنگ اندازی تعلیم کروں گا۔ ملکہ نے کہا کہ بابا، رائے تمھاری عین صواب پر ہے۔

اب دو کلمے داستانِ اخضر فیل گوش کے سنیے کہ وہ تو تمام رات ستون سے بیرق کی جھنڈی اپنی مقعد میں گھسیڑے بندھا رہا اور لشکر میں طبلِ جنگ بجا کیا۔ جب صبح ہوئی، فوج تیار ہو کر ڈیوڑھی پر موجود ہوئی۔ سامنے

دیکھیں تو اردو کے چوراہے پر ستون میں ایک آدمی الٹا لٹکا ہوا ہے اور اس کی کون میں بیرق کی لکڑی ٹھنسی ہوئی ہے۔ پاس جا کر دیکھا تو سر سے پاؤں تک کالک سے رنگا ہوا ہے، اور زرد و سفید نیلے لعل سبز ٹیکے دیے ہوئے ہیں اور تازہ ایک کان کٹا ہوا ہے۔ ہر چند غور کر کے دیکھا کہ صورت آشنا ہے یا نہیں، مگر کوئی نہ پہچان سکا۔ بیرق کے کاغذ کی تحریر پر جو نظر گئی اس میں لکھا دیکھا کہ او گبر، تو ہر مز سے بحث کر کے میرے مارنے اور قلعہ توڑ کر مہر نگار کے لے جانے کو رہ گیا تھا، اس واسطے یہ قدرے گوشمالی میں نے تجھ کو دی کہ ایک کان تیرا کاٹا اور تیری مقعد میں بیرق اڑائی۔ دیکھ، اب بھی پنبۂ غفلت گوش سے دور کر کے ہوش میں آ، نہیں تو مجھ کو لوگ شاہِ عیارانِ عیار، تراشندۂ ریشِ کفار، سر برندۂ سرکشانِ روزگار، گوشمال دہِ نصیحت ناشنوانِ ناہنجار، شکم پھاڑ، خواجہ عمرو عیار کہتے ہیں، اب کے تو یہی گت بنائی ہے، آئندہ در صورت سرتابی کے دیکھے گا کہ میں نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ لوگوں نے اس کاغذ کے پڑھنے سے معلوم کیا کہ اخضر فیل گوش ہے۔ جھٹ پٹ اسے کھول کر خیمے میں لے آئے۔ اخضر رونے اور کہنے لگا کہ میں کیونکر مدائن میں جا کر کسی کو منھ دکھاؤں گا؟ یہ کہہ کر خنجر اس زور سے اپنے پہلو میں مارا کہ دوسرے پہلو سے نکل گیا۔ دوسرا خنجر اور بھی گردے میں مارا اور ایڑیاں رگڑ کے دانت نکال دیے۔ لشکر بے سردار کہیں لڑتا نہیں ہے۔ ستر ہزار کا ستر ہزار اس کی لاش کو لے کر مدائن کی طرف روانہ ہوا۔ یہ خبر عمرو کو ہوئی کہ اس طرح سے اخضر اپنے کو آپ مار موا اور لشکر اس کی لاش کو لے کر مدائن کی طرف روانہ ہوا۔ بہت خوش ہوا، اسی دم کعبے میں جا کر نماز شکریہ ادا کی اور قلعے کا دروازہ کھلوا دیا اور یہ مژدہ مہر نگار کو سنایا۔ مہر نگار نے بھی سجدۂ شکر کیا اور عمرو کو فتح کی مبارکباد دی۔ عمرو نے رئیسانِ مکہ کی دعوت کی اور استدعا کی کہ تیس ہزار تمن کا غلہ مجھ کو مہیا کر دیا چاہیے۔ وہ بولے کہ خواجہ، خدائے عزّ وجل تم کو ہمیشہ مظفر و منصور رکھے، غلہ حاضر ہو سکتا ہے، لیکن ہم کو نہایت خوف ہے کہ ہرگاہ نوشیرواں اخضر فیل گوش کی لاش دیکھے گا، نہیں معلوم کہ کس قدر فوج بھیجے گا یا آپ چڑھ آئے گا۔ اس وقت ہم لوگوں سے غیر از مرنے کے کچھ بن نہ پڑے گا۔ اس سے بہتر ہے کہ سرِ دست کوئی اور مضبوط سا قلعہ تجویز کر کے اس میں غلہ بھرو، اور ہم چھوٹے سے بڑے تک تمھارے لیے دعا گو ہیں، کعبے میں بیٹھے ہوئے تمھاری نصرت و ظفر کی دعا مانگا کریں گے۔ عمرو نے خواجہ عبدالمطلب سے کہا کہ اس طرح سے عمائدِ مکہ کہتے ہیں۔ خواجہ بولے کہ نفس الامر میں جو کچھ کہ بیچارے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں۔ عمرو کو معلوم ہوا کہ خواجہ کی بھی یہی مرضی ہے۔ عمرو نے اپنے لشکر کے سرداروں سے تمام حقیقت کہہ کر مشورتاً پوچھا کہ کہاں چلا چاہیے؟ عادی نے کہا کہ بالفعل قلعۂ تنگ رواحل میں چل کر رہیے، پھر اور کوئی قلعہ مضبوط سا دیکھ کر لے لیجیے گا۔ عمرو نے اسی وقت لشکر کو قلعے سے باہر کیا اور دو پہر رات گئے مہر نگار کو محافے میں سوار کر کے سردارانِ یمن و تنگ رواحل و ہفت شہر کو اس کے محافے کے ساتھ کیا۔ آخر شب تک وہ قافلہ چلا گیا، جب صبح

ہوئی، ایک صحرا میں عمرو نے لشکر کو اتار کر دانہ گھاس دواب کے واسطے اور اشیاے خوردنی لشکر کے واسطے مہیّا کی۔ ڈیڑھ پہر دن چڑھے، مقبل وجمیع سرداروں کو مہر نگار کی محافظت کی تاکید کی اور آپ درویش صاحبِ کمال کی صورت بن کر قلعۂ تنگ رواحل کی طرف چلا۔

ٹھیک دوپہر ہوگی کہ قلعۂ تنگ رواحل کے قریب پہنچا، لیکن ریگ تمازتِ آفتاب سے بھوبھل کی طرح سے جلنے اور لو چلنے لگی۔ چونکہ تمام ریگستان تھا، وہاں درخت کہاں کہ سائے میں بیٹھ کر ستاتا، حیران وسرگرداں ہر طرف پھرنے اور دیکھنے لگا۔ بارے ایک طرف چند درخت سایہ دار دکھائی دیے۔ خوش خوش قدم مارتا ہوا اس طرف کو گیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک چوپان کملی بچھائے ان درختوں کے سائے کے نیچے بیٹھا ہے۔ عمرو کو دیکھ کر سلام کر کے پوچھنے لگا کہ کیوں شاہ صاحب، آپ کا کدھر سے آنا ہوا؟ عمرو نے کہا کہ باپ کی پیٹھ اور ماں کے پیٹ سے۔ چوپان بولا کہ حضرت، وہاں سے تو سبھی آئے ہیں، آخر فرمایئے تو کہ آپ کدھر سے آتے اور کہاں جاتے ہیں؟ عمرو نے کہا کہ بابا، روم سے آتا ہوں اور مدائن کو جاؤں گا، مگر اس وقت بھوک کے مارے میرا برا حال ہے۔ اس نے چند بکریوں کا دودھ دوہ کر عمرو کے سامنے رکھ کر کہا کہ داتا، یہ تو اس وقت موجود ہے۔ عمرو بولا کہ بابا، فقیر ہر دم اللہ کی یاد میں سیر رہتا ہے، میں فقط تجھ کو آزماتا تھا کہ تو فقیر دوست ہے یا نہیں۔ اللہ تیرا بھلا کرے۔ تھوڑی دیر کے بعد ناواقفانہ اس سے پوچھنے لگا کہ اس قلعے کا کیا نام ہے اور اس کا حاکم کون ہے؟ وہ بھی فقیر دوست ہے یا نہیں؟ چوپان بولا کہ شاہ صاحب، آگے تو یہاں خدا پرستوں کا عمل تھا۔ جب سے عمرو نامی ایک عیار باغی ہوا ہے، شہنشاہِ ہفت کشور نے جا بجا اپنے سردار بھیجے ہیں۔ چنانچہ اس قلعے میں جو سردار آیا ہے اس کا نام حمران زرّیں کمر ہے۔ عمرو یہ افسانہ سنتے ہی سن ہوگیا۔ دل میں کہنے لگا کہ خدا نے بڑا فضل کیا کہ میں مہر نگار کو وہاں نہ لے گیا، نہیں تو بڑا غضب ہوا تھا، اپنے ہاتھوں اژدہے کے منھ میں پڑا تھا۔ یہ سوچ کر ایک نَے نکالی اور چوپان کے آگے رکھ دی۔ چوپان نے کو دیکھ کر کہنے لگا کہ شاہ صاحب، اگرچہ نَے میرے پاس بھی تھی، چند روز سے گم ہوگئی ہے، لیکن ایسی نَے تو میں نے خواب میں بھی نہیں دیکھی۔ عمرو بولا کہ اچھا بابا، اگر تجھ کو پسند آئی ہے تو حاضر ہے۔ بھلا فقیر کی نشانی تیرے پاس رہے گی۔ چوپان نے نَے کو لے کر کہا کہ شاہ صاحب، حقیقت میں آپ نے یہ نَے نہیں دی، مجھ کو بادشاہت عطا کی۔ عمرو نے کہا کہ ہم فقیر ہیں، سب کے دلوں سے آگاہی رکھتے ہیں۔ بھلا اس وقت کوئی زمزمہ تو بجاؤ۔ ہم بھی سنیں کہ تم نَے کیسی بجاتے ہو۔ چوپان نے بے دھڑک نَے کو منھ سے لگا کر جو سر کھینچا، نَے کے اندر کا غبار چوپان کے حلق میں جا رہا۔ کھانستے کھانستے چھینک جو آئی، بیہوش ہوگیا۔ عمرو نے اسی مقام پر ایک گڑھا کھود کر چوپان کو توپ دیا اور آپ اس کی صورت بن کر قلعے کے دروازے پر جا کے لوٹنے لگا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہوگئے۔ دیکھیں تو خاص گلہ بان حمران کا ہے۔

ایک پیادے نے یہ خبر حمران کو دی۔ حمران اس کو بہت پیار کرتا تھا، حکم دیا کہ جلد اسے میرے پاس لاؤ کہ اس کا علاج کیا جاوے۔ شام کا وقت بھی قریب پہنچا تھا، لوگ اس کو حمران کے پاس اٹھا کر لے گئے۔ عمرو حمران کو دیکھ کر اور بھی زمین پر لوٹنے لگا۔ حمران نے کہا کہ کہہ تو سہی، تجھ کو کیا ہوا؟ گلّہ بان عملی نے کہا کہ کیا عرض کروں، غلام حسبِ دستور بکریاں چَرا رہا تھا کہ تیسرے پہر کو ایک لشکر کعبے کی طرف سے آیا۔ ایک محافہ اور چند محمل و عماری کے گرد بڑے اہتمام سے کئی سو آدمی تھا، اور کچھ عیار قنطورۂ زربفتی و پیتاوۂ سقرلاتی پہنے ہمراہ تھے۔ ان میں سے ایک عیار، سردار وضع، مجھ سے آ کر پوچھنے لگا کہ یہ گلّہ کس کا ہے؟ میں نے حضور کا نام لیا۔ اس نے گلّے کو ہنکا کر کہا کہ ہم نے مکہ میں چند روز سے فاقہ کشی کی ہے، ہم ان بکریوں کو کھائیں گے۔ میں مزاحم ہوا۔ اس نے اور عیاروں کو بلا کر ایسا بند بند میرا ڈھیلا کیا کہ بوٹی بوٹی میری درد کرتی ہے۔ حمران نے پوچھا کہ پھر وہ قافلہ کدھر کو گیا؟ چوپان عملی نے کہا کہ یمن کی طرف۔ حمران نے خوش ہو کر کہا، معلوم ہوا وہ عمرو تھا۔ اہلِ مکہ نے نوشیرواں کے خوف سے اسے نکال دیا۔ مہر نگار کو لیے ہوئے یمن کو جاتا ہے۔ اسی دم جتنا لشکر اس کے پاس قلعے میں تھا، ساتھ لے کر چڑھ دوڑا کہ مہر نگار کو چھین کے اپنے تصرف میں لاوے۔ عمرو قلعے سے نکل کر اپنے لشکر کی طرف ہوا ہوا۔ سلطان بخت مغربی کو حمران کی صورت بنا کے مع فوج و سواریان قلعے میں داخل ہوا۔ جو لوگ کہ قلعے میں باقی ماندہ تھے، ان کو تہہِ تیغ بے دریغ کر کے فصیل اور برجوں پر اپنے لوگ تعینات کیے اور پل تختہ خندق پر سے اٹھا کے بہ اطمینانِ تمام بیٹھا۔

حمران کا حال سنیے کہ بیس بائیس کوس تک دوڑ مار کے کسی کو جو نہ پایا تو مایوس ہو کر الٹا پھرا۔ قریب بہ صبح قلعے کی خندق پر پہنچا۔ فصیلوں پر سے قارورہ ہائے آتشیں وخشت و ناوک و تیر پڑنے لگے۔ بہت سے لوگ اس کے مارے گئے۔ حیران ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے، قلعہ کیوں پھر گیا؟ مجبور قلعے کی زد سے ہٹ کر کھڑا ہوا۔ دوربین لگا کے لوگوں کو جو دیکھا تو اپنے لوگ جو قلعے میں تھے، وہ نہیں ہیں، مطلق اجنبی ہیں۔ سوچتے سوچتے دریافت کیا کہ کل وہ چوپان نہ تھا جو زاری کرتا تھا، عمرو تھا۔ اس فریب سے اس نے قلعے سے مجھ کو نکال کر اپنا عمل کیا۔ سرداروں نے مشورہ دیا کہ سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں ہے کہ قلعے کا محاصرہ کر کے بیٹھ رہیے۔ جب غلّہ تمام ہو چکے، رسد کسی طرح سے قلعے میں نہ جانے دیجیے۔ آپ سے آپ قلعہ خالی ہو جائے گا۔ حمران نے کہا کہ اس قدر انتظار کون کرے! بہتر یہ ہے کہ نوشیرواں کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کیفیت سے اس کو اطلاع دیجیے، وہ جو مناسب جانے گا سو کرے گا۔ یہ بات ٹھہرا کر حمران نے مدائن کی جانب کوچ کیا۔

اب تھوڑا حال ہرمز کا سنیے۔ عمرو سے جو عہد و پیمان کر کے مدائن کی جانب کو کوچ کیا، چند روز کے عرصے میں مدائن پہنچا۔ بادشاہ اس وقت دربار میں تھا۔ ہرمز سرِ دربار جا کر قدم بوس ہوا۔ بادشاہ نے اس کو اپنی چھاتی

سے لگا کے احوال پوچھا۔ اس نے تمام سرگذشت بیان کی اور کہا کہ میرے نزدیک حضور بھی اگر تا پہنچنے صاحبقراں کے، طرح دیں تو بہت مناسب ہے۔ بادشاہ غضب ہو کر کہنے لگا کہ جب تجھ سا نامرد میں بھی ہوں تو البتہ ایسا کروں۔ بزرجمہر نے عرض کی کہ بادشاہ سلامت، ان کے دشمن نامرد ہوں۔ یہ دو سبب سے پھر آئے ہیں۔ ایک تو شاہزادے ہو کر ادنیٰ عیارِ بے اعتبار سے کیا مقابلہ کریں۔ دوسرے گئے ہوئے بھی بہت دن ہوئے، حضور کی قدم بوسی کی بھی تمنا تھی۔ بادشاہ نے بختک کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بختیارک جو گیا تھا، اس سے بھی کچھ تدبیر اس ساربان زادے کے پکڑنے کی نہ ہو سکی۔ ہرمز نے عرض کی کہ اس کی تو ڈاڑھی مونچھیں عمرو نے پیشاب سے مونڈ کر، عورت کی صورت بنا کے، برہنہ اخضر فیل گوش کی گود میں سلایا تھا، اور اخضر نے بھی نادانستہ نشے کی اُتار میں اس سے فعلِ شنیعہ کیا۔ بادشاہ اس جملے کو سن کر بے اختیار ہنس پڑا۔ بزرجمہر نے کہا کہ جنابِ عالی، اخضر فیل گوش سا پہلوان آج ساسانیوں میں کم ہوگا۔ ہرگاہ وہ رہ گیا ہے تو یقیناً عمرو کو گوشمالی دے گا۔ ساسانیوں نے جو سنا کہ بزرجمہر اخضر کی تعریف کرتا ہے، بہت مسرور ہوئے اور بزرجمہر کے سخن کی تائید کرنے لگے۔ بادشاہ دربار برخاست کر کے مع ہرمز شبستانِ حرم میں گیا اور تین روز تک جشن میں مصروف رہا۔ چوتھے دن محل سے برآمد ہو کر دربار کیا۔ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ زنجیرِ عدالت کی آواز آئی۔ نوشیرواں نے کہا کہ دیکھو تو، کون ہے؟ حضور میں بلالو۔ حکم کی دیر تھی، فریادیوں کو حاضر کیا۔ دیکھا کہ ایک تابوت ہے۔ عندالاستفسار عرض ہوئی کہ اس تابوت میں اخضر فیل گوش ہے۔ پوچھا کہ یہ کیونکر موا؟ ہمراہیوں نے مفصل بدسلوکیاں عمرو کی بیان کیں۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر فرمایا کہ اس ساربان زادے نے بہت سر اٹھایا ہے۔ اچھا، ہمارا پیش خیمہ روانہ اور لشکر ہمارا جمع ہو۔ ہم آپ جا کر اسے سزا دیں گے۔ چنانچہ پیش خیمہ روانہ اور چار دن میں نو لاکھ آدمی جمع ہوا۔ ہنوز بادشاہ نے کوچ نہ کیا تھا کہ خبر ہوئی، ژوپین کابلی زابل سے پھر فوج لے کر حاضر ہوا ہے۔ چند سرداروں کو حکم ہوا کہ استقبال کر کے لے آئیں۔ اس میں حمران زریں کمر نے حاضر ہو کر ابتدا سے انتہا تک قلعے کے جانے کی کیفیت عرض کی۔ بزرجمہر نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے اہلِ مکہ نے عمرو کو نکال دیا، اب عمرو کی لڑائی کا فتح ہونا کچھ بڑی بات نہیں ہے۔ جو جائے گا وہ فتح پائے گا۔ حضور اپنے عزم کو فسخ کریں۔ بادشاہ نے بزرجمہر سے کہا کہ بہتر ہے، ہمارا پیش خیمہ پھر آئے، لیکن تم شاہزادوں کو لے کر جاؤ۔ بزرجمہر بولا کہ مجھ کو کیا عذر ہے۔ بادشاہ نے بزرجمہر و ژوپین و بختیارک اور پانچ پہلوان نامی کو چالیس ہزار سوار سے ہرمز و فرامرز اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ عمرو کی تنبیہ و مہرنگار کے لانے کے واسطے ہر ایک کو اس کے لائق خلعت دے کر رخصت کیا۔

ہرگاہ یہ فوج قلعۂ تنگ رواحل پر پہنچی، ژوپین نے دیکھا کہ قلعے کے شاہ برج پر ایک نگیرہ اطلس زرد

خطائی کا، مرصع نگار، کھنچا ہوا ہے اور اس کے نیچے ایک کرسیِ جواہر نگار پر شاہِ عیارانِ عیار، یعنی خواجہ عمرو بن امیہ ضمیری، لباسِ شاہانہ پہنے بیٹھا ہے، اور مقبل وفادار بارہ ہزار تیر اندازِ بے خطا سے پشت پر لیس کھڑا ہے، اور چپ و راست سرداران و شاہانِ یمن و تنگ رواحل و ہفت شہر کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں، اور ہر برج و فصیل پر برق انداز و خشت انداز و سنگ انداز و قارورہ انداز و آتش باز و نفط انداز اپنا اپنا حربہ لیے مستعد کھڑے ہیں۔ شاہزادوں نے بزرجمہر سے کہا کہ اس وقت کیا کیا جائے؟ بزرجمہر نے کہا کہ لوگ قلعے پر ہر طرح کی ضرب لیے ہوئے کھڑے ہیں۔ اس وقت ان سے مقابلہ کرنا فوج کو ضائع کرنا ہے۔ ان میں سے تو کوئی مارا جائے گا نہیں، مگر ادھر کے آدمی نقصان ہوں گے۔ شاہزادوں نے بختیارک سے پوچھا کہ تمھاری کیا صلاح ہے؟ وہ بولا کہ ہر چند خواجہ سچ کہتے ہیں، لیکن محاصرہ کر کے بیٹھے رہنے میں بھی کچھ فائدہ نظر نہیں آتا ہے۔ میری دانست میں تو تازہ فوج آئی ہے، ایک ہلّہ قلعے پر کیا جاوے۔ اگر قلعہ مفتوح ہوا تو کیا کہنا ہے اور نہیں تو قلعگیوں پر رعب تو ہو جائے گا کہ یہ ہم سے لڑنے آئے ہیں۔ شاہزادوں نے ژوپین سے کہا کہ قلعے پر ہلّہ کرو۔ ژوپین نے فوج کو لے کر قلعے کی طرف گھوڑے اٹھائے۔ عمرو پہلے تو چپکا بیٹھا تماشا دیکھا کیا، ہرگاہ فوج زد پر پہنچی، اپنے بہادروں کو اشارہ کیا کہ ہاں، اب آگے بڑھنے نہ پائیں۔ لگی قلعے پر سے مار پڑنے۔ جو کچھ کافر جہنم واصل ہونے تھے ہوئے تھے، باقی لوگ پیچھے ہٹے۔ ژوپین کی جو شامت آئی، سپر کو سر پر رکھ کے گھوڑے کو آگے بڑھایا۔ عمرو نے ایک پتھر گوپھن میں رکھ کے چرخ دے کر اس زور سے ژوپین کی چھاتی پر مارا کہ وہ گھوڑے پر سے گر پڑا۔ چاہتا تھا کہ سنبھل کر سوار ہو کہ دوسرا پتھر اور عمرو نے مارا۔ بیتاب ہو کر لوٹن کبوتر کی طرح لوٹنے لگا۔ چند سوار اسے اٹھا کر لے بھاگے۔ شاہزادوں نے بختیارک سے پوچھا کہ اب کیا تدبیر ہے؟ بختیارک بولا کہ حضرت، کہیں قلعہ اس طرح سے مفتوح ہوتا ہے! شاہزادے بولے کہ او حرامزادے، تو ہی نے تو اس وقت لڑائی ڈلوائی، اور تو ہی کہتا ہے کہ اس طرح سے قلعہ فتح نہیں ہوتا ہے؟ بے حیا بولا کہ برا کیا ہوا؟ یہ تو اہلِ قلعہ پر معلوم ہو گیا کہ ہم سے لڑنے کو آئے ہیں۔ اب طبلِ بازگشت بجوا کر قلعے کو محاصرہ کر کے چین سے بیٹھے رہیے۔ جب غلّہ قلعے میں ختم ہو چکے گا، اس وقت روٹیاں دکھا کر ایک ایک کو پکڑ لینا اور پھانسی دینا۔ شاہزادوں نے طبلِ بازگشت بجنے کا حکم دیا اور اپنے خیموں میں داخل ہوئے۔

عمرو کا حال سنیے۔ ہرگاہ ہرمز و فرامرز کا لشکر قلعے کو محاصرہ کر کے بیٹھا، عمرو نے اپنی فوج کے سرداروں سے کہا کہ اس قلعے میں رہ کر حریف کے ہاتھ سے بچنا دشوار معلوم ہوتا ہے، لہٰذا ضرورت ہوئی کہ کوئی قلعۂ مستحکم بہم پہنچایا جاوے۔ تم لوگ تا آنے میرے، قلعے سے ہوشیار رہنا، میں دو تین دن میں کوئی قلعہ تجویز کر کے آتا ہوں۔ یہ کہہ کر یراقِ عیاری بدن سے لگا کر چلتا ہوا۔ کوہ کوہ، دشت دشت، جنگل جنگل، ڈھونڈتا چلا جاتا تھا۔

دوسرے دن قلعۂ تنگ رواحل سے سات کوس کے فاصلے پر جانبِ مغرب ایک قلعۂ پرشکوہ نظر آیا۔ چار طرف سے پھر کر دیکھا تو قلعہ قلب معلوم ہوا۔ دریاے فکر میں غوطہ لگانے لگا کہ اس قلعے کو کیونکر لیجیے۔ ناگاہ ایک گھسیارا گھاس کا گٹھا سر پر رکھے چلا آتا تھا۔ جھٹ پٹ سائیس کی صورت بن کر اس سے پوچھنے لگا کہ گھاس بیچے گا؟ وہ بولا کہ صاحب، مور کام کا ہے۔ عمرو نے پوچھا کہ تو اسی قلعے میں رہتا ہے؟ وہ بولا کہ ہاں صاحب، اسی قلعے میں رہت ہوں۔ پھر پوچھا کہ اس قلعے کا نام کیا ہے اور حاکم اس کا کون ہے؟ گھسیارے نے کہا کہ اس کو گرگستان کہت ہیں اور دو بھائی اس کے حاکم آئن۔ ایک کو داراب کہت ہیں اور دوسرے کو سہراب میاں۔ مگر صاحب، بڑی روک ٹوک آئے، خود قلعے کا رہن ہارا قلعے سے باہر جانے کے جب آوت ہے تو نظر بچوا گور سے وہکا منہ جھانکت ہے۔ جب جانت ہے کہ قلعے کا رہن ہارا ہے، تب نام وہکا لکھت ہے اور بھیتر جائے دیوت ہے۔ عمرو گھسیارے سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ ایک جوان، نوخاستہ، برس بیس اکیس کا سن و سال، ایک مرکبِ بادیہ پیما پر سوار، پانچ ہزار سوار کے حلقے میں نمودار ہوا اور عیار و شاطر وجلودار جلو دیتے جاتے تھے۔ عمرو نے اس گھسیارے سے پوچھا کہ یہ سواری کس کی ہے؟ وہ بولا کہ سہراب میاں انھیں کا کہت ہیں۔ عمرو سہراب کا نام سن کر بہت خوش ہوا۔ گھسیارے سے کہا کہ تو ٹھہر، میں پاس سے جا کر اس جوانِ رعنا کو دیکھ آؤں۔ درختوں کی اوٹ میں جا کر بہ صورتِ اصلی بن کے، یراقِ عیاری بدن سے لگا، قدم مارتا ہوا سہراب کے پاس گیا اور مودب شرائطِ آداب بجالا کے زار زار رونے لگا۔ سہراب نے دیکھا کہ ایک عیار، لباسِ مرصّع نگار پہنے، گریاں ہے۔ گھوڑے کی باگ لے کر پوچھا کہ اے عزیز، تو کون ہے اور کیوں روتا ہے؟ عمرو نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ حضور نے عمرو عیار کا نام سنا ہوگا، سو غلام ہی ہے۔ مہرنگار، نوشیرواں کی بیٹی، کا کچھ پیام لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ خلوت ہو تو کچھ عرض کروں۔ سہراب نے جو نام مہرنگار کا سنا، باچھیں کھل گئیں۔ جتنے لوگ ہمراہ تھے، سب کو ایک پرتاب تیر کے تفاوت سے ہٹا کر عمرو سے کہا کہ کیا کہتا ہے؟ عمرو نے رومال سے آنسو پونچھ کر کہا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ حمزہ نامی ایک عرب تھا، اس نے مہرنگار کو بہ زورِ شمشیر نوشیرواں کے گھر سے نکال کر اپنے گھر میں رکھا تھا، مگر ہنوز گلِ باغِ امید اس کا نسیمِ مراد سے شگفتہ نہ ہونے پایا تھا کہ حمزہ اٹھارہ دن کا وعدہ کر کے قاف گیا اور مہرنگار کو میرے سپرد کر کے کہا کہ تا آنے میرے اس کی محافظت کرنا۔ میں نے جہاں تک مجھ سے ہو سکا اس کی محافظت کی، لیکن چونکہ حمزہ کو اٹھارہ دن کے کئی برس ہو گئے، معلوم نہیں کہ جیتا ہے یا کسی دیو کا کھاجا ہوا۔ اب عربوں نے چاہا کہ مجھ کو پکڑ کے نوشیرواں کے پاس بھیج دیں، میں مہرنگار کو لے کر مکہ سے بھاگا، چنانچہ پانچ ہزار عرب میری تلاش میں پھرتے ہیں۔ مہرنگار نے مجھ سے کہا کہ خواجہ، تجھ کو میں نے بابا کہا ہے، اتنا میرا اُوپر الا کر کہ کسی کو مناسب جان کر مجھ کو حوالے کر دے۔ میں اسی تلاش میں نکلا تھا کہ آپ کو میں

نے دیکھا۔ چونکہ حمزہ کی شباہت حضور سے بہت مشابہ ہے، لہٰذا اسے یاد کر کے رویا، اور اب حضور میں عرض ہے کہ اگر حضور کو میری پرورش حمزہ کی طرح سے منظور ہو تو مہر نگار کو آپ کے حوالے کروں، لیکن ایسا نہ ہو کہ بعد لینے مہر نگار کے مجھ کو پکڑ کر نوشیرواں کے حوالے کردو۔ سہراب مہر نگار کا نام سنتے ہی اشتیاق کے مارے آپ میں نہ رہا۔ مرکب سے اتر کے عمرو کو گلے سے لگا لیا اور کہا کہ خواجہ، میں تجھ کو حمزہ سے بھی اچھی طرح سے رکھوں گا، اور نوشیرواں تو کیا مال ہے، اگر زمانہ الٹ جائے تو میں تجھ کو اپنے سے جدا نہ کروں گا۔ اور یہ قلعہ بنایا ہوا اسکندر ذوالقرنین کا ہے، اگر شاہانِ روئے زمین بالاتفاق چاہیں کہ اس کو لے لیں، محض محال ہے، کہ بنانے والے نے بہت مستحکم بنایا ہے۔ چل میں تجھ کو قلعے کے مکانات دکھلاؤں۔ یہ کہہ کر عمرو کو ہمراہ لے کے قلعے کی طرف چلا۔ جب قلعے میں پہنچے، عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ شکر ہے افسوں میرا کارگر ہوا، انشاء اللہ تعالیٰ، بہ اقبالِ صاحبقراں اس قلعے کو میں نے لیا۔ مکانات قلعے کے دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ نفس الامر میں ایسا قلعہ روئے زمین پر بہت کم ہوگا۔ سہراب نے عمرو کو اپنے دیوان خانے میں بٹھلایا اور اپنے بڑے بھائی داراب سے عمرو کی تقریر بیان کی اور کہا کہ یہ لات ومنات کی مہربانی ہے کہ مہر نگار سی معشوقہ اور عمرو سا عیار نصیب ہوا۔ داراب بہ نسبت سہراب کے مرد عاقل تھا۔ بولا کہ معلوم ہوا تیری تقدیر برگشتہ ہوئی کہ تو ایسے مزخرفات پر کان دھرتا ہے۔ دیکھا چاہیے کہ عمرو تجھ کو کس حادثے میں گرفتار کرتا ہے۔ سہراب ایسا عمرو کے دم میں نہیں آیا تھا کہ پندِ ناصح اس کو اثر کرے۔ بولا کہ عمرو کی تقریر لغو نہیں معلوم ہوتی ہے، آپ بھی اس سے گفتگو کر کے دیکھیں۔ داراب نے کہا کہ کیا مضائقہ ہے۔ سہراب نے عمرو کو داراب کے سامنے بلوایا۔ عمرو نے داراب کو سلام کر کے دعا دی اور ایسی تقریر کی کہ داراب نے بھی عمرو کو گلے لگا کر بہت تشفی کی۔ عمرو نے دیکھا کہ داراب بھی تیرے دم میں آیا۔ اٹھ کر تسلیم کی اور کہا کہ اب میں رخصت ہوتا ہوں، مہر نگار کو جا کر لے آتا ہوں، لیکن دربانِ قلعہ کو حکم ہو جائے کہ دن ہو یا رات جس وقت میں آؤں دروازہ کھول دے، آپ کے پوچھنے پر نہ رکھے۔ داراب نے دربان کو بلا کر تاکید کر دی کہ خبردار، خبردار، جس وقت عمرو آئے اسی وقت دروازہ کھول دینا، اور جو کوئی عمرو کے ساتھ ہو اس کو قلعے کے اندر آنے دینا، اور آج سے اس قلعے کا مالک عمرو ہے، جو کوئی اس کا حکم نہ مانے گا وہ اپنی سزا کو پہنچے گا۔ نوکروں کو اس میں کیا گفتگو تھی، سبھوں نے قبول کیا۔ عمرو رخصت ہو کر قلعے سے باہر نکلا۔ سہراب نے داراب سے کہا کہ میں بھی عمرو کے ساتھ جاتا ہوں، مبادا اثنائے راہ میں عرب آن گریں اور مہر نگار کو چھین کر لے جائیں تو یہ نعمتِ غیر مترقبہ آئی ہوئی ہاتھ سے نکل جائے۔ داراب نے کہا، تمھارا جانا کسی طرح میرے نزدیک مصلحت نہیں ہے۔ عمرو جس طرح مناسب جانے گا، لے آئے گا۔ سہراب نے نہ مانا اور پانچ ہزار جوان تیرانداز مسلّح اپنے ساتھ لے کر عمرو کے ہمراہ روانہ ہوا۔ جب قلعۂ تنگ رواحل پانچ کوس باقی رہا، عمرو

نے سہراب کو مع لشکر اسی مقام پر اتارا اور کہا کہ آپ یہاں ٹھہریے، میں ملکہ کو اطلاع کروں، بلکہ بنے تو یہیں لے آؤں۔ سہراب تو عمرو کا محکوم تھا، فوج کو لے کر اسی جگہ اتر پڑا اور عمرو نے قلعۂ تنگ رواحل میں آ کر اپنے لشکر کے سرداروں سے مفصّل حال بیان کیا اور کہا کہ خدا کے فضل سے قلعۂ گرگستان میں نے لیا، اور قلعے کی مضبوطی کی بہت سی تعریف کی۔ جتنے تھے سب خوش ہوئے۔ صبح کو اس فکر میں غلطاں و پیچاں ہوا کہ سہراب کو کسی سے لڑوا کے مروا ڈالنا چاہیے، مگر کوئی شخص ایسا نظر نہ آیا۔ آخر تجویز کیا کہ ہرمز ہی کے لشکر میں چل کر کچھ کارستانی کی جانی چاہیے۔ جاسوسوں کی صورت بنا کر ہرمز کے لشکر کے کوتوالی چبوترے کے نیچے سے ہو کے نکلا۔ پیادوں نے جاسوس سمجھ کر گرفتار کیا۔ ہر چند پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے، گونگوں کی طرح سے بھاں بھاں کیا کیا۔ کوتوال نے بزرجمہر سے جا کر کہا کہ ایک شخص جاسوس وضع گرفتار کیا ہے۔ ہزار ہزار طرح سے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے، گونگوں کی طرح بھاں بھاں کرتا ہے، بات نہیں کرتا۔ بزرجمہر نے بلوا کر عربی، فارسی، ترکی، کشمیری، پشتو، مغربی، حبشی، زنگباری، انگریزی، پرتگیزی، فرانسیسی، روسی، دینا ماری، لاطینی، رومی، ہندی، کرناٹکی، بھوجپوری، دکنی، چینی، ختنی، رانگڑی، سندھی زبانوں میں اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ مجھ سے مفصّل بیان کر، ابھی انعام دے کر تجھے چھوڑ دوں گا۔ جب کچھ نہ بولا تو پہلوان جو بزرجمہر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے بولے کہ جنابِ عالی، سیدھی انگلیوں سے گھی نہیں نکلتا ہے جب تک ٹیڑھی نہ کی جائیں۔ ٹکٹکی میں اس کو بندھوا کر کوڑے لگوایئے، ابھی بتا دیتا ہے۔ بزرجمہر نے کہا کہ ایسے کام نرمی ہی سے نکلتے ہیں، سختی سے نہیں نکلتے۔ یہ کہہ کر خلعت جو نوشیرواں کا دیا ہوا پہنے ہوئے تھے، اتار کر پانچ توڑے اشرفیوں کے اس پر رکھ کے اس کے روبرو رکھ دیا اور کہا کہ اے عزیز، سچ بتا کہ تو کون ہے؟ مجھ کو نوشیرواں کے سر کی قسم، اگر مفصّل بتائے تو یہ خلعت اور توڑے ابھی تجھ کو دے کے چھوڑ دوں۔ خلعت اشرفیاں دیکھ کر عمرو کے منھ میں پانی بھر آیا۔ زبانِ مغربی میں مفصّل حال بیان کیا کہ قلعۂ گرگستان کو لیا چاہتا ہوں۔ اس واسطے سہراب قلعہ دار کو لگا لایا ہوں۔ آج وہ شبخون آپ کے لشکر پر مارے گا۔ اس کو کسی طرح سے مار لیجیے یا پکڑ کے قید کیجیے کہ یہ شر میرے سر سے جاوے۔ خواجہ بزرجمہر نے ہزار اشرفی اور بھی اس پر اضافہ کر کے عمرو کو دے کر رخصت کیا اور ہرمز و فرامرز سے جا کر بیان کیا کہ ایک جاسوس گرفتار ہو کر آیا تھا۔ میں نے اس کو طمع دے کے دریافت کیا کہ عمرو سہراب نامی کسی شخص کو لگا لایا ہے۔ آج وہ ہمارے لشکر پر شبخون مارے گا۔ ہرمز و فرامرز نے کہا کہ پھر صلاح کیا ہے؟ بزرجمہر نے کہا کہ سردارانِ فوج کو بلا کر تاکید کر دیجیے کہ آج سویرے کھا پی لیں۔ چار گھڑی رات گئے پہاڑ کے دامن میں دبک کر بیٹھے رہیں۔ جب شبخون گرے اور لشکر کو لوٹنے لگے تب فوج ہماری کمیں گاہ سے نکل کر حریف کی فوج کو مارلے اور مقدور بھر سہراب اور عمرو کو زندہ پکڑ لے۔ ہرمز و فرامرز نے اسی دم

سردارانِ لشکر کو بلا کر اس کیفیت سے مطلع کیا اور جو کچھ بزرجمہر نے کہا تھا، وہ حکم دیا۔

عمرو کا حال سنیے کہ قلعے میں جا کر اپنے لشکر کے سرداروں کو حکم دیا کہ سواریاں سرِشام تیار رہیں اور تم لوگ کمریں باندھے مستعد رہو۔ جس دم میں آؤں گا اسی دم یہ قلعہ خالی کر کے قلعۂ گرگستان میں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ جب سب بندوبست کر چکا، سہراب کے پاس منھ بنائے ہوئے گیا۔ سہراب نے کہا کہ خیر تو ہے خواجہ، اداس کیوں ہو؟ عمرو نے کہا کہ کیا عرض کروں، میں حضور سے رخصت ہو کر مہرنگار کے پاس گیا اور حضور کے حسن و جوانی کی صفت کر کے اسے مشتاق کیا۔ چاہتا تھا کہ محافے میں سوار کر کے قلعے سے اسے لے نکلوں کہ ایک عیار نے آ کر خبر دی کہ کچھ فوج قلعے کی زد میں ہٹ کر اتری ہے، مگر یہ نہیں معلوم کہ فوج کس کی ہے۔ میں نے جا کر جو دریافت کیا، معلوم ہوا کہ بزرجمہر کو نوشیرواں نے بھیجا ہے کہ تم جا کر مہرنگار کو سمجھا کر لے آؤ۔ یہ حال جب سے مجھ کو معلوم ہوا ہے، جان میں جان نہیں، کیونکہ وہ حکیم ہے، البتہ اس کے کلام میں بڑی تاثیر ہے۔ تعجب نہیں ہے کہ مہرنگار اس کے کہنے میں آ جاوے۔ اگر اس وقت میرے پاس ہزار جوان بھی ہوتا تو بزرجمہر پر شبخون مارتا۔ سہراب نے کہا کہ عمرو، یہ کون بڑی بات ہے! تم ایسے متردد نہ ہو۔ آخر میں جو پانچ ہزار سوار سے تمھارے ساتھ آیا ہوں، کیوں آیا ہوں؟ جس جگہ وہ فوج اتری ہے، ذرا مجھ کو چل کر دکھا دو، پھر میں سمجھ لوں گا۔ عمرو بشاش ہو کر اور بھی بار ھیں دینے لگا کہ حق تو یہ ہے، عاشقِ صادق ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے حضور ہیں، اور ملکہ مہرنگار کے اچھے نصیب تھے کہ آپ سا خاوند چاہنے والا پایا۔ سہراب اور بھی اپنے میں نہ سمایا۔ فوج کو ساتھ لے کر، مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا، عمرو کے ہمراہ ہوا۔ جب قلعے کے نزدیک پہنچے، عمرو سہراب کو ٹھہرا کر ہرمز کے لشکر میں گیا۔ دیکھے تو سب سرداروں کا خیمہ خالی ہے۔ وہاں سے آن کر، سہراب کو لے جا کے، خیمہ گاہِ ہرمز بتا کر الگ ہوا۔ سہراب جو جا کر دیکھے تو خیمے کھڑے ہیں، اسباب پڑا ہے، مگر ایک متنفس نظر نہیں آتا۔ سوچا کہ شاید کسی جاسوس سے خبر پا کے میرے رعب سے بھاگ کر کہیں چھپ رہے ہیں۔ سواروں نے سہراب کے جہاں تک مال و اثقال ہرمز کے لشکر میں تھا، اٹھا کر اپنے کو زیرِ بار کیا۔ ہنوز وہاں سے چل نہ نکلے تھے کہ ہرمز کے چالیس ہزار سوار چار طرف سے آ گرے اور بزن بزن و بکش بکش کی آواز بلند ہوئی۔ کثرت سے لوگ مارے گئے، قلیل سے جو بچے تھے وہ سہراب کے ساتھ گرفتار ہوئے۔ ہرمز نے لوہاروں کو بلا کر اسیروں کو پابہ جولاں کیا۔

عمرو کا حال سنیے کہ وہاں سہراب کو ہرمز کے لشکر میں داخل کر کے اپنے قلعے میں آیا اور مہرنگار کو مع مستوراتِ دیگر سوار کر کے فوج کو ساتھ کیا اور کہا کہ تم مغرب کی طرف چلو، میں بھی پیچھے سے پہنچا۔ لشکر تو زنانی سواریاں لے کر قلعے سے روانہ ہوا، عمرو نے اپنی صورت کا ایک پتلا بنا کے اپنی نشست گاہ پر بٹھلایا اور کئی سو

پتلے بنا کے جا بجا فصیلوں پر اور برجوں پر قائم کیے، اور دو کتے متصل باندھے کہ ایک کو دیکھ کر ایک بھونکے، اور ایک گدھا قلعے کے دروازے پر باندھا، اور چند مرغ طاقچوں پر بٹھلا کے، قلعے کے باہر کا پل تختہ اٹھا، جست کر، خندق کے پار ہوا۔ اپنے لشکر کی طرف رخ کیا۔ کئی کوس جا کر لشکر سے ملا اور راتوں رات لشکر کو دوڑاتا ہوا لے گیا۔ دو گھڑی رات باقی ہوگی کہ قلعۂ گرگستان کے دروازے پر پہنچا۔ سردارانِ لشکر سے کہا کہ میں قلعے کا دروازہ کھلواتا ہوں، تم زنانی سواریاں لے کر قلعے میں داخل ہو کے یک قلم سب کو زیرِ تیغ بے دریغ کرنا، مگر جو شخص مسلمان ہووے اس کو امان دینا۔ سردارانِ لشکر سے یہ کہہ کر، قلعے کے دروازے پر جا کے، دربان سے پکار کے کہا کہ جلد دروازے کو کھول، میں عمرو ہوں، مہرنگار کو لایا ہوں۔ دربان کو تو پہلے ہی سے حکم مل چکا تھا، اس نے جھٹ پٹ دروازے کو کھول دیا۔ عمرو مع لشکر و مہرنگار قلعے کے اندر داخل ہوا۔ مہرنگار کو تو اس کے ہمراہیوں سمیت ایک مکانِ محفوظ میں اتارا اور مقبل کو اس کی حفاظت کے واسطے تعین کیا اور آپ لشکر کو لے کر قلعگیوں کو قتل کرنے لگا۔ جو شخص مسلمان ہوا وہ تو بچا، باقی سب کے سب جہنم واصل ہوئے۔ داراب نے یہ ہنگامہ دیکھ کر جانا کہ عمرو آیا اور قلعہ ہاتھ سے گیا۔ معلوم نہیں کہ سہراب پر کیسی بنی۔ عمرو نے جب داراب کو مارنے کا قصد کیا، داراب نے کہا کہ اے خواجہ، میں مسلمان ہوتا ہوں، مجھے مارنے سے کیا حاصل ہے۔ عمرو نے اس کو چھاتی سے لگا کر کہا کہ مجھ کو تمھارے قلعے اور مال و اثقال سے کچھ کام نہیں ہے، تھوڑے دن کے واسطے تمھارے پاس آ کر پناہ لی ہے کہ حمزہ کا ناموس مدعیوں سے محفوظ رہے۔ بعد ازاں تم جانو اور تمھارا قلعہ جانے۔ داراب اسی وقت کلمہ پڑھ کر صدقِ دل سے مسلمان ہوا اور قلعے میں عمرو کا بندوبست ہو گیا۔

اب ذرا سہراب کا حال سنیے کہ وہ جو ہرمز کے لشکر میں اسیر ہوا، بختیارک اور ژوپین نے ہرمز و فرامرز و بزرجمہر سے کہا کہ قیاس چاہتا ہے کہ عمرو قلعۂ گرگستان میں پہنچا ہو۔ صبح کی پو پھٹتے ہی عیاروں کو قلعۂ تنگ رواحل کی خبر کو بھیجا کہ دریافت تو کرو، قلعہ خالی ہے یا نہیں۔ عیاروں نے قلعے کو دیکھ کر جا کے کہا کہ آدمی جا بجا بدستور فصیلوں پر قائم ہیں، گدھے اور کتوں کی آواز آتی ہے، مرغ بانگ دے رہے ہیں، کیونکر کہیے کہ قلعہ خالی ہوا۔ بختیارک بولا کہ محض غلط ہے۔ ہرمز و فرامرز سے کہا، آپ طبلِ جنگ بجوا کر دیکھیے تو، میری رائے درست ہے یا غلط۔ ہرمز و فرامرز نے بزرجمہر کو تو اسیروں کی محافظت کے واسطے لشکر میں چھوڑا اور آپ طبلِ جنگ بجوا کر قلعے پر گئے۔ ژوپین نے بختیارک سے کہا کہ کہاں قلعہ خالی ہوا ہے؟ جا بجا فصیلوں پر لوگ قائم ہیں۔ عمرو فلاخن لیے مستعد کھڑا ہے۔ بختیارک نے پھر غور سے دیکھ کر کہا کہ اے ژوپین، یہ عمرو نہیں ہے۔ عمرو نے ایک پتلا بنا کر اس کے ہاتھ میں فلاخن کو دیا ہے، اور جتنے لوگ کہ فصیلوں پر معلوم ہوتے ہیں یہ سب پتلے ہیں۔ وہ دیکھ، ہوا سے گوپھن ہلتی ہے۔ ژوپین آگے بڑھا۔ قضا کار پتھر ہوا کے زور سے چھوٹ کر ژوپین کے سر پر اسی جگہ لگا جس

جگہ عمرو نے پہلے پتھر مارا تھا۔ ژوپین کو اور بھی یقین ہوا کہ یہ پتلا نہیں ہے عمرو ہے۔ لہو میں ڈوبا ہوا، سر پر پاؤں رکھ کے وہاں سے بھاگا۔ بختیارک نے کہا کہ او ژوپین، کہاں جاتا ہے؟ حیف ہے، تجھ سا نامرد کیکاؤس کی اولاد میں پیدا ہوا۔ ژوپین بولا، یہ بھی عجب بات ہے۔ صریح عمرو پتھر مار رہا ہے اور تو کہتا ہے کہ عمرو نہیں ہے۔ یہ بھی کیا جولاہے کا تیر ہے کہ خدا چھوٹ کرے؟ بختیارک بولا کہ اے ڈرپوکنے، تجھ کو تو شراب کے پیالے میں ابدالی ہی دکھائی دیتے ہیں۔ ہوا کے زور سے پتھر فلاخن سے نکل کر تیرے سر میں لگا ہے، یہ بھی اتفاق کی بات ہے۔ اور اگر عمرو ہوتا تو اب تک پتھروں کے مارے چھتراؤ کر دیتا اور فصیلوں پر سے وہ یہ آتش بازی کا بازار گرم کرتا کہ بھڑبھونجی کے بھاڑ کے چنوں کی طرح سے لشکر بھن جاتا۔ جا، دروازے کو توڑ۔ بارے ژوپین بختیارک کے دلائل سن کر خندق کے پار گیا اور گرز سے دروازہ توڑ کر ہرمز و فرامرز و بختیارک و دیگر سردارانِ فوج کو قلعے میں لے گیا۔ دیکھے تو دروازے سے لگا ایک گدھا بندھا ہوا ہے اور طاقچوں پر مرغ بیٹھے بانگ دے رہے ہیں۔ فصیل قلعے پر جو گئے تو دو کتّے مقابل بندھے دیکھے اور کئی سو پتلے کاغذ کے جابجا قائم پائے۔ ژوپین نے کھسیانا ہو کر ایک گرز عمرو کی تصویر پر لگایا۔ عمرو نے ایک گیدڑ کا بچّہ اس پتلے کے پیٹ میں بند کیا تھا۔ پیٹ کے پھٹتے ہی وہ گیدڑ بھاگا۔ ژوپین نے بختیارک سے کہا کہ یہ بلا کیا آئی؟ بختیارک بولا کہ یہ عمرو عیار کی روح ہے۔ جتنے لوگ تھے اس لطیفے پر بے اختیار ہنس پڑے۔ ہرمز نے اپنے لشکر میں جا کر بختیارک سے پوچھا کہ اب کیا کیا چاہیے؟ اس نے کہا کہ عمرو کا پیچھا چھوڑنا مناسب نہیں ہے، فتح ہو یا نہ ہو، خصوص اس وقت میں کہ سرِدست نئے قلعے میں گیا ہے، ابھی وہاں اس کا بندوبست بھی اچھی طرح سے نہ ہوا ہوگا۔ ہرمز نے کہا کہ اچھی بات ہے۔ بزرجمہر کو بلا کر کہا کہ خواجہ، تم سہراب کو لے کر پادشاہ کی خدمت میں جاؤ۔ جو کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے، مفصّل عرض کر دینا اور میری عرضی بھی گذران دینا۔ بزرجمہر تو سہراب کو لے کر مدائن کو روانہ ہوئے اور ہرمز و فرامرز ژوپین و بختیارک اسّی ہزار سپاہی سمیت قلعۂ گرگستان پر گئے۔

عمرو کا حال سنیے کہ اس نے جو کئی دن کی مہلت پائی، چھ مہینے کے موافق غلّہ خرید کر کے قلعے میں بھر لیا اور قلعے کو مانندِ طاؤسِ طناز تیار کر کے فیل بند دروازے پر شامیانے کے نیچے کرسیِ مرصع بچھا کر اس دماغ سے بیٹھا کہ شاہانِ ہفت اقلیم گویا اس کے آگے کچھ مال نہیں ہیں۔ اس میں ہرمز و فرامرز لشکر لے کر پہنچے اور بختیارک کے مشورے سے قلعے پر حلّہ کیا۔ جب عمرو نے دیکھا کہ لشکر زد پر پہنچا، اپنی فوج کو اشارہ کیا کہ ہاں لینا، جانے نہ پاویں۔ لگا ہرمز کے لشکر پر تیر و قارورہ و سنگ و آتش بازی کا مینھ برسنے۔ کئی ہزار سوار مالک دوزخ کے مہمان ہوئے، باقیوں کے پاؤں پیچھے کو ہٹ گئے۔ بختیارک نے ہرمز و فرامرز سے عرض کی کہ لڑائی کا یہ ڈھنگ نہیں ہے۔ اگر اس طرح سے لڑیے گا تو تمام فوج ضائع ہو جاوے گی۔ دونوں شاہزادے برہم ہوئے کہ

مردک، بکتا کیا ہے؟ تیرے کہنے سے تو قلعے پر ہلّہ کیا گیا اور آپ ہی اس طرح سے کہتا ہے۔ مردک بولا کہ اچھا، نقصان کیا ہوا؟ یہی نا، کئی ہزار سوار دوا دوش کے عذاب سے چھوٹ گئے؟ مگر قلعگیوں پر تو ثابت ہوا کہ شاہزادے ہم سے لڑنے آئے ہیں۔ اس وقت طبلِ بازگشت بجوا کر کوئی خطۂ زمین ہموار دیکھ کر اتر پڑیے۔ جب قلعے میں غلّہ نہ رہے گا، خود بخود قلعہ خالی ہو جاوے گا۔ شاہزادے طبلِ بازگشت بجوا کر، محاصرہ کر کے اتر پڑے۔

بزرجمہر کا حال سنیے کہ جس دن مدائن میں پہنچے اس روز بادشاہ کا دربارِ عام تھا۔ سیدھے بخطِ مستقیم بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سہراب کو لے جا کے تمام حال بیان کیا اور عرضی ہرمز و فرامرز کی گذرانی۔ پہلے بادشاہ نے سہراب سے کہا کہ اگر جاں بخشی چاہتا ہے تو مفصل اپنی کیفیت بیان کر۔ سہراب نے عمرو کا ورغلا کر شبخون کروانا اور اپنے اسیر ہونے کا ماجرا بیان کر کے عرض کی کہ اگر یہ قصور میرا معاف ہو تو حیاتِ مستعار تک مستعد بہ سرفروشی رہوں گا۔ بادشاہ نے اس کا قصور معاف کر کے ہرمز کی عرضی کو پڑھوایا۔ اس میں لکھا تھا کہ فدویوں کو حسب الحکم چار برس کا عرصہ عمرو سے لڑتے ہوئے ہوا لیکن ایک دن بھی صورت ظفر کی نہ دیکھی۔ یقین ہے کہ عمرو کی لڑائی ہم لوگوں سے سر نہ ہوگی۔ بلکہ شب و روز یہی خوف رہتا ہے کہ کہیں عمرو سوتے میں مار نہ ڈالے یا پلنگ پر سے اٹھا کے اپنے لشکر میں لے جا کر صورت موت کی نہ دکھلائے۔ بہرحال، حضور کا آنا اس طرف کو بہت مناسب ہے۔ یقین ہے کہ فوجِ قہار دیکھ کر عمرو کے چھکے چھوٹ جاویں۔ بلکہ کیا عجب ہے کہ دہشت سے سر کے بل حاضر ہووے۔ اور یوں بے فائدہ لوگ ضائع ہوتے ہیں۔ آگے حضور مالک ہیں۔

بادشاہ نے پہلے بختک سے پوچھا کہ تیری کیا صلاح ہے؟ وہ بولا کہ شاہزادوں نے بیجا نہیں لکھا ہے کہ اس میں میں دخل دوں۔ پھر بزرجمہر سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم کیا کہتے ہو؟ بزرجمہر نے عرض کی کہ میری رائے وہی ہے جو سابق میں التماس کیا تھا۔ عمرو سے لڑنے کے واسطے حضور کا تشریف لے جانا مطلق نامناسب ہے۔ ہرگاہ شاہانِ زیردست سنیں گے کہ شہنشاہِ ہفت اقلیم ایک عیار پر چڑھ گیا، مطلق حضور کا رعب ان کے دل پر سے اٹھ جاوے گا۔ ہر طرف سے نافرمانی کی خبر آوے گی۔ قطع نظر اس کے، حضور خوب جانتے ہیں کہ عمرو کیسا بد بلا عیار ہے۔ مبادا ہرمز کی طرح سے حضور کو بھی اٹھا لے گیا اور یہ بدی پیش آیا تو اس کا کسی نے کیا کیا؟ اگر جیتے چھوٹے تو ہتکِ حرمت ہوئی اور اگر اس نے مار ڈالا تو ہفت اقلیم کو بے چراغ کیا۔ نوشیرواں آخر کا جملہ سن کر بید کی طرح سے کانپ گیا اور کہنے لگا کہ بختک کو گردنی دے کر دربار سے نکال دو کہ یہ خانہ خراب ہر مرتبہ مجھ کو دھوکا دیتا ہے۔ بختک تو گردنیاں دے کے نکالا گیا اور قارن فیل گردن کو، کہ بڑا ہی پہلوان نامی اور یکّہ دس ہزار سوار سے مقابلہ کرتا ہے، لاکھ سوار و پیدل سے عمرو پر بھیجا۔

روانہ ہونا قارن فیل گردن کا عمرو کی تنبیہ کے واسطے اور مارا جانا اس کا نقاب دار کے ہاتھ سے

راوی لکھتا ہے کہ جب قارن فیل گردن ہرمز کے لشکر میں پہنچا، شب کو تمام سردارانِ لشکر اگلے پچھلے محفل میں جمع ہوئے اور جامِ شراب گردش میں آیا۔ عین سرور کے عالم میں قارن نے ہرمز سے کہا کہ آپ جو اتنے دنوں سے یہاں فوجیں لیے پڑے ہوئے ہیں، ایک ادنیٰ عیارِ بے اعتبار کو تو نہ مار سکے اور نہ گرفتار کر سکے۔ جو کوئی سنے گا، کیا کہے گا؟ ہرمز نے کہا کہ اب تو تم لاکھ سوار پیدل کی جمعیت سے آئے ہو، اور خود بھی تم جیسے بہادر ہو اظہر من الشمس ہے، جب اس کو مار لو گے یا گرفتار کرو گے، اس وقت یہ گفتگو کرنا۔ ابھی تو تازہ دم آئے ہو، چند روز ستا لو، پھر جو کچھ ہوگا ہم تم دونوں دیکھ لیں گے۔ قارن نے دمغ ہو کر کہا کہ ہم سپاہی ہیں، ہم کو ستانے کی کیا احتیاج ہے؟ اتنی رات گذر جانے دیجیے، صبح کو آپ سوار ہو کر دور سے تماشا دیکھیے گا کہ ہم نے کھڑے کھڑے قلعہ خالی کرا لیا یا نہیں۔ یہ کہہ کر اپنے لشکر میں حکم طبلِ جنگ بجنے کا دیا۔ فوراً نفیری و کج نفیری و گاؤ دم و شیر دم و کوسِ حربی کی آواز بلند ہوئی۔ عیاروں نے عمرو سے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ شہریارِ والا تبار کی عمر دراز ہو، قارن فیل گردن نے، جو لاکھ سوار و پیدل کی جمعیت سے نوشیرواں کا بھیجا ہوا ہرمز کے لشکر میں آج شام کو آیا ہے، طبلِ جنگ بجوایا۔ عمرو نے کہا کہ ہمارے لشکر میں بھی طبلِ سکندری پر چوب پڑے۔ الحاصل، دونوں لشکروں میں تمام رات آواز کوسِ حربی کی بلند رہی۔ جب صبح ہوئی، ہرمز و فرامرز و ژوبین تو عمرو کی لڑائی کی چاشنی چکھے ہوئے تھے، قلعے کی زد سے پرے اپنے لشکر کا پرا باندھ کر کھڑے ہوئے، لیکن قارن نے اپنے لشکر کو چار حصے کر کے چاروں سمت قلعے کے گھوڑوں کی باگیں لیں۔ عمرو نے دیکھا کہ فوج بے شمار قلعے کے چار سمت آتی ہے۔ سردارانِ فوج سے کہا کہ آج قلعے پر بڑی چڑھائی ہے، تم لوگوں کی تیز دستی و چالاکی کا امتحان ہے۔ چاہیے

کہ جس کا قدم زد سے آگے بڑھے، جیتا نہ پیچھے پھرنے پاوے۔ حکم پاتے ہی ایک طرف سے مقبل وفادار نے بارہ ہزار تیرانداز سے دہنِ سوفار میں زہ کو رکھ کے گوشہ ہائے کمان کو تابنا گوش پہنچا کر طائرِ تیر کو یلہ کیا۔ ایک ایک مرغِ پیکان نے چار چار پانچ پانچ کافر کے سینے میں اپنا آشیانہ کیا۔ ایک ہلّے میں کئی ہزار آدمی مرغِ بسمل سا تڑپنے لگا۔ جن لوگوں کا سینہ آشیانۂ طائرِ تیر نہ ہوا تھا انھوں نے چلّا کر مثلِ کمانِ ناقص پیچھے کو رخ کیا، اور دوسری طرف سے سنگ اندازوں نے سنگ ہائے تراشیدہ وخراشیدہ، فیل کش، کفہ ہائے فلاخن میں رکھ کے، تین تین مرتبہ چکّر دے کر، کفار کی پیشانیوں پر جو لگائے، کئی ہزار گبر سر بہ سجود ہوئے اور باقی الٹے پاؤں پھرے۔ تیسری جانب سے برق اندازوں نے ایسی برق اندازی کی کہ ایک بار کئی ہزار آدمی پر صاعقہ و برقِ اجل گری۔ پس ماندہ جدھر سے آئے تھے، رعد آسا چلاتے ہوئے اسی طرف کو بھاگے۔ چوتھی طرف سے آتش بازوں نے قارورہ ہائے آتشیں وحقہ ہائے نفط کا جو وزن دکھلایا، ہر آتش خوردہ کے ساتھ تین تین چار چار معین و مددگار لقمۂ دہانِ شعلۂ فنا ہوئے۔ جس قدر پیچھے کو گرمِ رفتار ہوئے وہ بھی یارانِ اویس کی دل سوزی میں آبلہ دار ہوئے۔ ہرچند قارن کے لشکر کا یہ حال ہوا لیکن قارن فیل گردن سپر کو چہرے کی پناہ کر کے فیلِ مست کی طرح قلعے کے دروازے پر پہنچا اور گرز سے دروازہ توڑنے پر مستعد ہوا۔ عمرو نے بدحواس ہوکر اپنے لشکر کے سرداروں سے کہا کہ اب سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں ہے کہ قلعے کے دروازے سے جالگو۔ جس وقت یہ کافر دروازے کو توڑے، اسی دم ہتھیار پکڑ کر مارو اور مرو۔ مگر یہ وقت مناجات کا ہے، بالاتفاق دستِ دعا بلند کرو۔ اگر مجیب الدعوات مددِ غیبی بھیجے تو البتہ اس کافر کے ہاتھ سے نجات ہوتی ہے، اور نہیں تو سوائے مارنے اور مرنے کے کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی ہے۔ لشکرِ اسلام نے دستِ دعا بلند کیے تھے کہ سامنے سے ایک گرد، تیرہ تیرہ وخیرہ خیرہ غلطاں پیچاں مانندِ زلفِ عروساں و کاکلِ معشوقاں دکھائی دی۔ ہنوز مقراضِ باد نے گریبانِ گرد کو چاک نہ کیا تھا کہ عمرو نے بشاش ہوکر اہلِ اسلام سے کہا کہ یارو، مبارک ہو، دعا تمھاری مجیب الدعوات نے قبول کی۔ دیکھو وہ مددِ غیبی آپہنچی۔ اور نیچے جھک کر قارن فیل گوش سے کہا کہ او سیاہ مست، ہوشیار ہو جا۔ وہ تیرا آنکس کا مارنے والا آپہنچا۔ اس نے جو پھر کر دیکھا تو واقعی چالیس علم حجابِ گرد سے نکلے اور آناً فاناً میں ایک نقابدار نارنجی پوش برق آسا اپنے گھوڑے کو چمکا کر خندق کے برابر آیا اور قارن فیل گردن سے کہنے لگا کہ او گبر، اس قلعے میں کون ہے اور تو قلعے کے دروازے پر کیوں کھڑا ہے؟ قارن نے کہا کہ اس قلعے میں قومِ مسلمان مجرمِ شہنشاہِ ہفت اقلیم ہے اور میں قلعے کا دروازہ توڑ کر ان کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اب تو بتلا کہ کون ہے اور کس کو تلاش کرتا ہے؟ نقابدار بولا کہ میں مسلمانوں کی مدد کو آیا ہوں۔ پہلے تو مجھ سے لڑلے، پھر قلعے کا دروازہ توڑنے کا قصد کیجیو۔ قارن نے کہا کہ اوّل تو تو لڑکا ہے، میں تجھ پر کیا حربہ کروں، کہ میرے حربے کی ہوا سے تو پتّے کی

طرح اڑ جائے گا۔ نقابدار نے جھنجھلا کر کہا کہ او مردود، ہذیان کیا بکتا ہے؟ خندق کے اس طرف آ کہ تیری روح قبض کروں۔ تب تو قارن کو غیظ آیا۔ جست کر کے نقاب پوش کے پاس آ کھڑا ہوا۔ نقابدار نے کہا کہ لا، کیا حربہ رکھتا ہے؟ قارن نے گرزِ گرانبار اس کے حوالے کیا۔ نقابدار نے خالی دے کے شمشیرِ برق خمیر کمر سے کھینچ کر قارن کے سر پر لگائی۔ ہر چند قارن نے سپرِ فولادی کو پناہِ سر کیا لیکن اس تلوار نے صاعقہ کا کام کیا۔ سپرِ فولادی کو قرصِ پنیر کی طرح سے کاٹ کر خود و سر کو کاٹ، بہ کمال آبداری، گردن کی صراحی میں اتر کر سینے میں بھی نہ اٹکی، ریڑھ کی ہڈی کو قلم کرتی ہوئی، گھوڑے کے زیر تنگ سے نکل گئی۔ قارن مع اسپ چار پر کالہ ہو کر زمین پر گرا۔ فوج یہ حال اپنے سردار کا دیکھ کر چار طرف سے نقابدار پر آ گری۔ نقابدار کے لشکر نے بھی تلواریں کھینچی۔ عمرو نے دیکھا کہ نقاب پوش کا لشکر بہت کم ہے، کل چالیس ہزار سوار ہیں، اور اس طرف پونے دو لاکھ سوار و پیدل کی جمعیت ہے، جھٹ پٹ اپنی فوج سمیت قلعے سے باہر نکل کر نقابدار کا شریک ہوا۔ اس روز ایسی جنگِ مغلوبہ ہوئی کہ ستر ہزار سوار ہرمز کے لشکر کا مارا گیا اور اِس طرف کسی کی نکسیر بھی نہ پھوٹی۔ فوجِ کفار بھاگ کھڑی ہوئی۔ عمرو نے نقابدار سے کہا کہ آپ کے نام ونشان سے آگاہ ہونا ضروری ہے کہ حمزہ جس وقت قاف سے آئے اس سے کہا جاوے۔ نفس الامر میں اس وقت قلعے کے ٹوٹنے اور ہم لوگوں کے مارے جانے میں کچھ باقی نہ تھا، مگر آپ نے تشریف لا کے جاں بخشی کی۔ نقابدار بولا کہ جس وقت صاحبقران آئیں گے اس وقت وہ خود ہمارے نام ونشان سے آگاہ ہو جائیں گے۔ ابھی بتانا کچھ ضروری نہیں ہے۔ تم چین سے قلعہ داری میں سرگرم رہو۔ جس وقت ضرورت ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ میں اس دم پہنچوں گا۔ یہ کہہ کر نقابدار تو جس طرف سے آیا تھا اس طرف کو گیا، عمرو تمام خیمہ وخرگاہ ونقد وجنس فوجِ ہزیمت خوردہ کا لے کر قلعے میں داخل ہوا۔

اب حال ہرمز وفرامرز کا سنیے کہ وہ جو نقابدار سے شکست کھا کر بھاگے، بارہ کوس پر جا کے دم لیا اور بہ صلاحِ بختیرک بادشاہ کو تمام احوال لکھا۔ نوشیرواں نے ایک پہلوانِ نامی کے ساتھ خزانہ وخیمہ وخرگاہ اپنے بیٹوں کے پاس روانہ کیا اور شقے میں لکھا کہ اس قدر خزانہ وخیمہ روانہ کیا جاتا ہے اور قریب فوجِ سنگیں مدد کو بھیجی جاتی ہے۔ خبردار، خبردار، تم عمرو کا پیچھا نہ چھوڑنا۔ ہرمز وفرامرز شقے کا مضمون دیکھ کر مطمئن ہوئے اور ٹوٹے مارے بھاگے ہوئے سپاہیوں کو جمع کر کے پھر چالیس ہزار سوار کی جمعیت سے قلعے کے سامنے خیمہ زن ہوئے۔

لشکرِ اسلام کا حال سنیے۔ جب قلعے میں غلّہ باقی نہ رہا، سب ہی نے عادی کرب سے کہا کہ غلّہ تمام ہو چکا۔ جس قدر ہے، چار دن سے زیادہ اکتفا نہ کرے گا۔ ابھی سے خواجہ عمرو کو خبر کر دینا مناسب ہے۔ عادی نے کہا کہ تم سب میرے ساتھ چلو، البتہ میں کہوں گا، اور اگر اکیلا جا کر اطلاع کروں گا کہ غلّہ قلعے میں ختم ہو چکا تو وہ جانے گا کہ یہ بڑ پیٹا اپنے واسطے کہتا ہے، ناحق بدمزگی میرے اور اس کے درمیان میں آئے گی۔ لشکر

بالاتفاق عادی کرب کے ہمراہ عمرو کے پاس گیا اور آزوقہ تمام ہونے کی کیفیت عرض کر کے کہا کہ یا تو دروازہ قلعے کا کھلوا دیجیے کہ ہم حریف کو ماریں اور مر مٹیں، یا غلے کی تدبیر کیجیے کہ فاقوں سے ایڑیاں رگڑ کر نہ مریں۔ عمرو نے کہا کہ بابا، ابھی چار دن کا تو آزوقہ موجود ہے۔ تم چین سے اپنی اپنی جگہ پر قائم رہو۔ میں نے زراعت بوئی ہے، غلہ تیار ہوتا ہے۔ فوج تو اپنی اپنی جگہ پر مطمئن ہو کر بیٹھی، مگر عمرو نے دریائے فکر میں غوطہ مارا۔ ایک ساعت کے بعد عیاری جو معقول سوجھی، خوش و خرم سر کو اٹھایا اور لشکر کو ہوشیار کر کے قلعے سے نکل کر کوہستان کے درے میں گیا اور زنبیل پر ہاتھ رکھ کر معجزہ طلب کیا۔ فی الفور چالیس گز کا قد و قامت ہو گیا، دو ہاتھ کی ڈاڑھی سفید براق چہرے کے گرد نمودار ہوگئی۔ آہنی کھڑاؤں پر سوار ہو کے، ایک جھولی شیر کی کھال کی بغل میں دبا کر، ہرمز کے لشکر اور قلعے کو اجنبیوں کی طرح سے تکنے لگا۔ ناگاہ کتارہ کابلی عیار، کہ بھانجا ژوپین کا ہے، اس طرف سے نکلا۔ عمرو کی صورت و قد و قامت دیکھ کر آئینہ وار متحیر ہوا کہ اس ہیئت کا آدمی تو اس نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ لرزاں لرزاں پاس آ کے مودب سلام کیا اور ہاتھ باندھ کے پوچھنے لگا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں اور لشکر و قلعے کی طرف کیا بار بار دیکھ رہے ہیں؟ عمرو نے کہا کہ تو کون ہے کہ پوچھتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں ہرمز کے عیاروں کا مہتر ہوں اور نوشیرواں کے داماد کا بھانجا ہوں۔ کتارہ کابلی میرا نام ہے۔ عمرو نے کہا کہ سعد ظلماتی میرا نام ہے۔ میں سکندر ظلماتی بادشاہِ ظلمات کا چھوٹا بھائی ہوں۔ حمزہ نامی ایک شخص شہپال شہنشاہِ پردۂ قاف کی مدد کو گیا تھا۔ اس نے جو عفریت دیو کا سامنا کیا، کہاں دیو اور کہاں آدم زاد! ہڈیاں اس کی ایک ہی وار میں سرمہ ہوگئیں۔ شہپال نے اس کی ہڈیوں کو ایک چمڑے کی تھیلی میں رکھ کر میرے بھائی کے پاس بھیج دیا کہ تمھاری سرحد سے آدم زاد کی سرحد ملی ہوئی ہے، اس تھیلی کو کسی کے ہاتھ نوشیرواں کے پاس بھیج دینا۔ مدت تک تو میرے بھائی نے انتظار کیا کہ اگر کوئی آدم زاد اس طرف آ نکلے تو اس کے ہاتھوں نوشیرواں کے پاس بھیج دوں۔ جب عرصہ ہوا تو میرے بھائی نے مجھ سے کہا کہ تم خود جا کر اس تھیلی کو پہنچا دو۔ سو میں دیکھ رہا ہوں کہ یہی قلعہ مدائن کا اور یہی لشکر حمزہ کا ہے یا نہیں۔ کتارہ اس کیفیت کو سن کر باغ باغ ہو گیا اور اس سے کہنے لگا کہ حضرت، یہ لشکر نوشیرواں کے داماد اور بیٹوں کا ہے۔ چلیے میں آپ کو ان کے پاس لے چلوں۔ وہ بولا کہ اس سے کیا بہتر ہے! اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ کتارہ اس کو خوشی خوشی ژوپین کے پاس لے گیا۔ ژوپین نے بہ تعظیم و تکریم اس کو کرسی جواہر نگار پر بٹھلا کے استفسارِ حال کیا۔ اس نے جو کچھ کتارہ سے کہا تھا اس کا اعادہ کیا۔ ژوپین نے بہت سی خاطر اس کی کر کے کہا کہ وہ تھیلی کہاں ہے؟ مجھ کو دیجیے میں بخوبی اس تھیلی کو بادشاہ کے پاس بھیج دوں گا۔ عمرو نے پوستِ اژدر کی تھیلی اپنی جھولی سے نکال کر ژوپین کے حوالے کی اور کہا کہ آپ نے بڑا بار سر سے اتارا۔ لو، خدا حافظ ہے، اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ ہرچند ژوپین نے مبالغہ کیا کہ آپ چند

روز مہمان رہیے، شاہزادوں کو بھی اپنے جمال منور سے خوش کیجیے، لیکن عمرو نے نہ مانا، عذر کر کے رخصت ہوا اور قلعے میں جا کر بہ صورتِ اصلی بن کے مطمئن ہو کر بیٹھا۔ سرداران فوج نے غلّے کو پوچھا۔ بولا کہ بھائی، آج تخم پاشی کر آیا ہوں، دو تین روز میں جا کر کاٹ لانا۔

ژوپین کا حال سنیے کہ اس کیسے کو لے جا کر ہرمز و فرامرز کو دکھلا کر سعد ظلماتی کے آنے کی کیفیت اور اس کی ہیئت کذائی بیان کی۔ ہرمز و فرامرز حمزہ کے مرنے کا حال سن کر بہت خوش ہوئے لیکن بختیارک ہنس کر بولا کہ مجھ کو اس میں عمرو کی عیاری معلوم ہوتی ہے۔ لات ومنات جھوٹ نہ بلواوے، غلّہ قلعے میں ختم ہو چکا ہے۔ یہ تدبیر اس نے غلّہ قلعے میں بھرنے کی کی ہے۔ کیونکہ اگر نفس الامر میں حمزہ مارا جاتا تو پریزاد عمرو کو آ کر خبر دیتے۔ اور یہ تو چالیس گز کا قد تھا، عمرو جب چاہے معجزے سے ہزار گز کا قد و قامت بنا لے۔ ژوپین نے کہا کہ اس کیسے پر چار سو بادشاہانِ قاف کی مہر ہے۔ بختیارک نے جواب دیا کہ اس بات کو تم جانو، مگر مجھ کو باور نہیں آتا کہ یہ خبر سچ ہو۔ ژوپین نے کہا کہ بہرحال، خاموش ہو رہا چاہیے، میں قلعے سے خبر منگواتا ہوں۔ یہ کہہ کر عیاروں پر تاکید کی کہ قلعے کی سن گن لیا چاہیے، عمرو اور سردارانِ لشکر کس شغل میں ہیں۔

عمرو کا حال سنیے کہ اس نے اسی دن سے نوبت بجوانی موقوف کی تھی اور ایک سناٹا سا قلعے میں ڈال رکھا تھا۔ ژوپین کے عیار تین دن تک قلعے کے گرد پھرتے رہے، مطلق آگے کی سی چہل پہل نہ پائی۔ چوتھے دن ژوپین سے جا کر کہا کہ قلعے میں بالکل سناٹا ہے، تین شبانہ روز میں ایک وقت بھی نوبت بجنے کی آواز کان میں نہ آئی، نہیں تو پانچوں وقت نوبت قلعے میں بجتی تھی۔ بختیارک نے سن کر کہا کہ اگر یہ امر ہے تو البتہ خالی از علت نہیں ہے، کچھ نہ کچھ خلل واقع ہوا۔ ہرمز و فرامرز و بختیارک و ژوپین و جمیع سردارانِ لشکر کو عید ہو گئی، اور عمرو نے کیا کیا کہ اس دن آدھی رات کے وقت اپنے تمام لشکر سے کہا کہ تم سب مل کر امیر کا نام لے لے کر بآوازِ بلند نوحہ وزاری کرو۔ ہر گاہ ہائے صاحبقراں وائے صاحبقراں کی صدا بلند ہوئی۔ ہرمز و فرامرز ژوپین و بختیارک تو کان لگائے ہوئے تھے، قلعگیوں کا واویلا و وامصیبتا سن کر مارے خوشی کے اپنے جامے میں نہ سمائے۔ چھوٹے سے بڑے تک پر امیر کا مرنا ثابت ہوا۔ دوسرے دن عمرو، گریبان چاک کر، منہ پر خاک مل، سر و پا برہنہ، سینہ وسر پیٹتا قلعے سے باہر نکلا اور اسی ہیئت کذائی سے ژوپین کے درِ خیمہ پر جا کر چوبداروں سے کہا کہ بھائی، میری خبر شاہزادۂ کابل سے کر دو۔ چوبداروں نے ژوپین سے جا کر کہا کہ عمرو گریباں چاک، منہ پر خاک، سر و پا برہنہ، درِ خیمہ پر کھڑا ہوا روتا اور گڑگڑاتا ہے کہ میری خبر شاہزادۂ کابل سے کر دو۔ ژوپین نے کہا کہ بلا لو۔ عمرو خیمے میں جا کر ژوپین کے قدموں پر گر پڑا۔ ژوپین بولا کہ عمرو، خیر تو ہے؟ کچھ کہہ تو، ماجرا کیا ہے؟ عمرو نے بہ صد زار نالی کہا کہ کیا کہوں، میں بے وارث کا ہو گیا۔ پانچ دن ہوئے ہیں کہ پریزادوں نے آ کر یہ سنانی سنائی

کہ حمزہ قاف میں عفریت کے دیو کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چار دن تک تو یہ راز میں نے افشا نہ ہونے دیا، پر کل پانچویں دن سب پر کھل گیا۔ قلعے میں کہرام پڑا ہوا ہے۔ سو میں اس واسطے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ شاہزادوں کے روبرو جانے کا تو میرا منھ نہیں ہے، کہ بہ سبب حمزہ کی رفاقت کے کوئی ایسی بے ادبی نہیں ہے کہ مجھ سے نہیں ہوئی، مگر مہر نگار کو حضور میں پہنچا کر کوہستان کے پتھروں سے سر ٹکرا کے مر جاؤں۔ حمزہ سا قدر دان کہاں پاؤں گا کہ اس کی خدمت میں حاضر رہوں گا۔ ژوپین نے عمرو کا سر چھاتی سے لگا کر کہا کہ اے عمرو، کدھر تیرا خیال ہے؟ میں تجھ کو اپنے گلے کا تعویذ کر کے رکھوں گا۔ عمرو بولا کہ مجھ کو آپ سے اس سے زیادہ امید ہے، کہ آپ خاندانِ سلاطین سے ہیں، مگر بختک و بختیارک کے مفسدے کا خوف ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو ورغلا کر میری طرف سے برہم کریں۔ ژوپین بولا کہ وہ کیا ماسوچہ ہیں کہ تجھ کو نظرِ بد سے دیکھیں یا میرے اور تیرے درمیان میں دخل دیں، اور احیاناً اگر کچھ چڑ گیں تو ان کو اسی دم بے بال و پر کردوں۔ تو جا، مہر نگار کو لے آ۔ عمرو نے کہا کہ مہر نگار کو تو میں اسی وقت لے آؤں مگر سردارانِ لشکر کاہے کو آنے دیں گے؟ کہیں گے کہ ہم نے تیرے کہنے سے شاہزادوں کی خدمت میں بہت بے ادبی کی ہے۔ تو تو مہر نگار کو دے کر اچھا رہے گا، برے رہیں گے تو ہم رہیں گے۔ ژوپین نے کہا کہ میں ان سب کو حمزہ سے زیادہ توقیر و عزت سے رکھوں گا۔ تو ان کو سمجھا کر میرے پاس لے آ۔ عمرو نے کہا کہ وہ میرے کہنے کو سچ نہ جانیں گے۔ اگر حضور ایک نوشتہ ان کے نام لکھ دیں تو میں ان کو لا سکتا ہوں۔ ژوپین بولا کہ ایک نوشتہ نہیں بلکہ دس۔ اسی دم قلمدان منگا کر ایک تشفی نامہ تمام سرداروں کے نام سے لکھ کر عمرو کے حوالے کیا۔ عمرو نوشتہ لے کر قلعے میں داخل ہوا اور سردارانِ لشکر کو دکھلا کر کہا کہ زراعت تیار ہے، کاٹنے والا چاہیے۔ چلو پہلے تو ضیافت کھاؤ، بعد اس کے جیسا ہوگا ویسا سمجھا جائے گا۔ سب سردار عمرو کے ساتھ ہوئے، مگر مقبل وفادار چالیس ہزار سوار سے قلعے کی محافظت کے واسطے قلعے میں رہا۔

ژوپین کا حال سنیے کہ اس نے اس ماجرے کو ہرمز و فرامرز سے بیان کیا۔ بختیارک سن کر بولا کہ لات و منات اگر اپنا فضل کریں تو بڑی بات ہے۔ ایک دو بھی نہیں، تمام سردار مسلمانوں کے آتے ہیں، جو فتنہ برپا نہ ہو وہ تھوڑا ہے۔ یہ کہہ کر ژوپین کو سمجھانے لگا کہ اے ژوپین، وہ عیار ہے، اس کے فریب میں نہ آ۔ کیوں دیوانہ ہوتا ہے؟ یقین جان کہ قلعے میں غلہ ختم ہو چکا ہے، اس لیے یہ عیاری اس نے کی ہے۔ ژوپین سرکہ جبیں ہو کر بولا کہ او بختیارک، تو اس امر میں دخل نہ دے۔ میں جانوں اور عمرو جانے۔ وہ پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ میرے اور آپ کے درمیان میں بختیارک نیش زنی کرے گا۔ بختیارک بولا کہ یہ وہ کیوں نہ کہے گا! میرا اور اس کا تو ایک ہی دل ہے۔ خیر، بہتر ہے، میں کچھ نہ بولوں گا۔ تم جانو اور عمرو جانے۔ جب کچھ بے ڈھب دیکھوں گا، میں یہاں سے چلتا ہوں گا۔ ژوپین نے خیمے میں جا کر سامان دعوت کا تیار کیا اور عیاروں کو خبر کے واسطے بھیجا کہ

دیکھو تو، عمرو آتا ہے یا نہیں۔ عیار جو لشکر سے باہر نکلے دیکھیں تو عمرو، چار سو پہلوانِ گردن کش اپنے ہمراہ لیے ہوئے، چلا آتا ہے۔ عیار وہیں سے الٹے پاؤں پھرے اور ژوپین کو خبر دی کہ عمرو کے ساتھ چار سو پہلوان آتے ہیں۔ ژوپین نے شاہزادوں سے جا کر کہا کہ عمرو راست گو معلوم ہوتا ہے، عیاروں سے معلوم ہوا کہ چار سو پہلوانوں کو ہمراہ اپنے لیے آتا ہے۔ بختیارک تو سنتے ہی سن ہو گیا کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے، معاملہ بے ڈھب ہے۔ اس میں عمرو، مع سردارانِ لشکر، ژوپین کے خیمے تک آ پہنچا۔ ژوپین استقبال کر کے سرداروں کو خیمے میں لے آیا اور ہر ایک سے بغلگیر ہو کے، شاہزادوں کی ملازمت کروا کر، کرسی ہائے مرصع نگار پر بٹھلایا، اور عمرو کی کرسی اپنے پہلو میں بچھوائی۔ بعد گفتگوے دوستانہ ساقیانِ سیمیں وش کو بلانے کا حکم دیا کہ جام و صراحی کو گردش میں لاویں۔ عادی کرب بولا کہ اے شاہزادے، مثل مشہور ہے کہ اوّل طعام بعدہ کلام۔ پہلے کھانا کھانا چاہیے، پیچھے شراب پینا، کہ شراب بھی لذت دیوے۔ حکم ہوتے ہی سفرچی نے دسترخوان بچھایا اور بکاول کھانا چننے لگا۔ عادی کرب ہر قاب کو بکاول سے کہنے لگا کہ ادھر رکھ۔ سنتے سنتے بکاول ترش رو ہو کر بولا کہ حضرت، اور بھی کسی کے روبرو رکھوں یا اکیلا آپ ہی کے آگے چنوں؟ عادی کرب بولا کہ پہلے میں سیر ہو لوں، پھر جس کے روبرو تو چاہنا، رکھنا۔ بکاول نے عادی کے آگے قابیں رکھنی شروع کیں اور عادی کھانے لگا۔ حتیٰ کہ کسی قسم کا کھانا دسترخوان پر باقی نہ رہا، سب عادی چٹ کر گیا۔ ژوپین جو بیٹھا دیکھتا تھا، بولا کہ اور بھی کچھ آوے۔ عادی نے کہا کہ الموجود شفا۔ عادی کو فقیر کی دعا ہے کہ کتنا ہی کھائے، سیر نہ ہوئے۔ ژوپین نے اور دسترخوان منگوا کر عادی کو کھلا کے پوچھا کہ اب سیری حاصل ہوئی یا کچھ اور بھی آوے؟ عادی نے کہا کہ قلیہ اور روٹیاں ہوویں تو کیا مضائقہ ہے۔ فی الفور کئی من آٹے کی روٹیاں اور قلیہ منگوا کر کھلایا، اور چاہا کہ اور بھی منگوا وے، کہ بختیارک نے ژوپین سے کہا کہ اے ژوپین، بھلا تو اس پہلوان کا پیٹ بھر سکے گا! عمرو نے یہی تو ترکیب کی ہے کہ تمام لشکر کا آذوقہ اس کو کھلوا دیوے۔ جب کھانے کو نہ ملے گا تو آپ سے آپ لشکر بھوک کے مارے پریشان ہو کر اپنی اپنی راہ لیوے گا۔ ہرمز نے اس کو آنکھ دکھلائی اور عادی سے فرمایا کہ اے پہلوان، کھانا دیگوں میں چڑھا ہوا ہے۔ جب تک وہ تیار ہووے تب تک جو کہو سو بازار سے کھانا منگوا دیا جاوے۔ عادی بولا کہ حضرت، ایسا تو میں بڑ پیٹا بھی نہیں ہوں کہ آپ کو بازار سے کھانا منگوانے کی تکلیف دوں۔ یہ کہہ کر ہاتھ دھوئے اور دوبارہ دسترخوان بچھوا کر سب سرداروں کو کھانا کھلوایا گیا۔ جب سب کھا پی چکے، جامِ مئے گلگوں کا دور ہوا اور گانے ناچنے والے حاضر ہوئے۔ آواز ہوش باد و نوش باد کی محفل میں بلند ہوئی اور با یکدیگر خوشنودی کی باتیں ہونے لگیں۔ اس میں ژوپین نے عمرو سے کہا کہ اب مہر نگار کے لانے میں کیا تامل ہے؟ عمرو بولا کہ سردارانِ اسلام کہتے ہیں کہ اس طرح سے شاہزادی کو حوالے کر دینا مناسب نہیں۔ آپ بھی اپنے لشکر میں

شادی کی تیاری کریں اور قلعے میں بھی فوج کی دعوت کر کے بہ آئینِ شائستہ شادی کی جائے۔ ژوپین نے کہا کہ اس سے بہتر کیا ہے! عمرو نے کہا کہ پھر اس کے لیے کچھ خرچ بھی چاہیے۔ ژوپین بولا کہ اس کی کیا فکر ہے۔ جو کچھ درکار ہو، حاضر و مہیا ہے۔ سردارانِ لشکرِ اسلام تین شبانہ روز ژوپین کے مہمان رہے اور عمرو حسبِ دلخواہ ژوپین سے خزانہ اور اشیا لے کر قلعے میں آیا اور چھ مہینے کے لائق قلعے میں غلہ بھر کر ژوپین کے پاس گیا، کہ اب آپ اپنے لشکر میں بارات کی تیاری کیجیے اور میں بھی قلعے میں جا کر تیاری کرتا ہوں۔ ژوپین نے عمرو کو مع سردارانِ لشکرِ اسلام رخصت کیا۔

عمرو نے آگے سے چوگنا قلعے کو تیار کیا۔ ژوپین سات دن تک اپنے بدن میں بُٹنا ملوایا کیا اور ناچ رنگ میں مصروف رہا اور تمام فوج کو مہمان رکھا۔ جب سات دن گذر گئے اور عمرو ایک دن بھی ژوپین کے پاس نہ آیا، بختیارک نے ژوپین سے پوچھا کہ فرمایئے، ایک ہفتہ تو ہو چکا، اب بارات کب چڑھے گا؟ ژوپین نے کھسیانا ہو کر بختیارک کو گالیاں دیں اور عیاروں کو عمرو کے پاس بھیجا کہ سات دن تو گذر گئے، اب شادی میں کیا دیر ہے؟ عیاروں نے جا کر دیکھا کہ قلعہ پیشتر سے چوگنا تیار ہے اور عمرو بدستور فیل بند دروازے پر شامیانے کے نیچے کرسیِ جواہر نگار پر بیٹھا ہوا ہے۔ عیاروں نے دور سے باادب عمرو کو سلام کر کے پیام ژوپین کا ادا کیا۔ عمرو نے کہا کہ اس حرامزادے سے کہہ دینا کہ میرے پاس غلہ ختم ہو چکا تھا، سو اس تدبیر سے غلہ میں نے قلعے میں بھر لیا۔ اب چھ مہینے تک مجھ کو یا ہرمز و فرامرز کو کچھ مال نہیں گنتا ہوں۔ اگر جمشید بھی سرداب سے اٹھ کر آئے تو اس کو زمین میں گاڑ دوں۔ عیار الٹے پاؤں وہاں سے پھرے اور جو کچھ عمرو نے کہا تھا، ژوپین سے بیان کیا۔ ژوپین کے طائرِ حواس اڑ گئے، رنگ فق ہو گیا۔ ہونٹ چاٹنے اور پشتِ دست کاٹنے لگا کہ اس عیار نے مجھ کو بڑی زک دی، یہاں سے مدائن تک مجھ کو رسوا کیا۔ لیکن سوائے چپ رہنے کے چارہ کیا تھا کہ اس کی تلافی کرتا۔

عمرو کا حال سنیے کہ فیل بند دروازے پر بیٹھا ہوا، شہر بین لگائے، چہار طرف کی سیر کر رہا تھا۔ ناگاہ نگاہ جنگلستان کی طرف پڑی۔ دیکھے تو بڑا ہی جنگل ہے۔ داراب سے پوچھا کہ اس جنگل میں یقیناً جانورانِ درند بہت ہوں گے؟ اس نے کہا کہ البتہ، فقط شیر چھ سات ہزار سے کم نہ ہوگا، اور درند ہر قسم کا اس سے زیادہ ہوگا۔ یہ جنگل سیکڑوں منزل تک ہے۔ عمرو کو عیاری سوجھی۔ فوراً عیاروں کو بلا کر حکم دیا کہ اس جنگل سے درخت کاٹ کر تین طرف انبار کرو۔ راہ نکلنے کی ہرمز کے لشکر کی طرف رکھو۔ اور ان کٹے ہوئے درختوں میں جو تین طرف انبار کرو گے، خوب سا روغنِ نفط مل کر شام کو آگ لگا دو اور آ کر مجھ کو خبر کرو۔ عیار حکم عمرو کا بجا لائے۔ دو پہر رات گذری ہوگی کہ زبانۂ آتش بلند ہوا اور شعلہ اس کا کرۂ نار تک پہنچا۔ درندانِ صحرائی، مثل شیر، چیتا، ببر، ریچھ،

تیندوا، ارنا، گینڈا، بندر، لنگور، چرخ، بن مانس، حدتِ آتش سے گھبرائے۔ تین سمت گھوم کر چوتھی طرف نکلنے کی راہ پائی۔ غٹ کے غٹ، غول کے غول، ہرمز کے لشکر کی طرف دوڑے۔ جو سامنے آیا وہ درندوں کا شکار ہوا۔ مطلق فوج ہرمز کی گھبرا گئی۔ بدحواسی سے زرہ کی جا زیر جامہ اور زیر جامے کی جگہ زرہ پہننے لگے۔ گھوڑوں کو جو کسنے لگے تو دمچی اور دہانے میں کچھ فرق نہ کیا۔ تمام لشکر میں غل ہو گیا کہ عمرو نے شبخون مارا۔ لگی آپس میں تلوار چلنے۔ صبح تک ہزاروں آدمی طعمۂ نہنگِ شمشیرِ جاں گزا اور ہزاروں غذائے درندگانِ صحرا ہوئے۔ جب صبح ہوئی، ہرمز و فرامرز و ژوبین و بختیارک، مع سردارانِ لشکر کہ اس آفتِ ناگہانی سے بچے تھے، لاشوں کے دیکھنے کے واسطے گئے۔ اپنی فوج کتنی کام آئی اور طرف ثانی کے کتنے سپاہی مارے گئے۔ دیکھیں تو اپنے ہی سپاہیوں کی لاشوں سے پشتے بنے ہیں اور خال خال جانورانِ صحرائی مرے پڑے ہیں۔ ہرمز و فرامرز و ژوبین و دیگر سردار کمال متعجب ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ بختیارک نے کہا کہ یہ عمرو کی ادنیٰ عیاری ہے۔ لات و منات جھوٹ نہ بلوا دے جنگلستان میں تین طرف آگ لگا کر اسی جانب کو راہ نکلنے کی رکھی ہے، اور جب شعلۂ آتش بلند ہوا، درندگانِ صحرائی جنگل سے نکل کر بھاگے ہیں۔ اور جانب تو راہ بھاگنے کی پائی نہیں، لشکر کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ کہہ کر عیاروں کو خبر لانے کے واسطے جو بھیجا، قول اس کا درست معلوم ہوا۔

عمرو کا حال سنیے کہ اس نے جو دوربین لگا کر دیکھا، ہرمز کے لشکر کو کمال پریشان و بدحواس و ژولیدہ پایا۔ عادی کرب سے کہا کہ آج جی چاہتا ہے کہ اس گبر کے لشکر پر شبخون ماروں۔ عادی بولا کہ جو حکم ہوگا، بجا لائیں گے۔ عمرو نے کہا کہ تو لندھور کا نام لے کر نعرہ کرنا اور جمیع سردارانِ لشکر کو اپنے منصوبے کی اطلاع دی۔ سب اپنے کیل کانٹے سے ہوشیار ہو گئے۔ جب آدھی رات گذری، عمرو فوج لے کر قلعے سے نکلا اور حریفانِ خوابیدہ بخت پر جا پڑا۔ عادی کرب نے شمشیر کھینچ کر نعرہ مارا کہ ہر کہ داند داند و نداند بداند منم رستم زماں لندھور بن سعدان! کہاں ہیں ہرمز و فرامرز و ژوبین؟ میری ضرب کی چاشنی چکھیں۔ اکثر لوگ جو بزدل تھے، عادی کی تلوار کی چمک دیکھ کر، گھوڑوں کے آگے جو گھاس کے گٹھے پڑے ہوئے تھے، آنکھیں بند کر کے اسی میں جا چھپے۔ بعضوں نے نعرۂ عادی کو صدائے رعد سمجھ کر کانوں میں روئی دی۔ ہرمز و فرامرز و ژوبین و بختیارک بھی خوابِ غفلت سے چونکے۔ حیرت زدہ ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ لندھور کدھر سے آ پہنچا؟ بختیارک بولا کہ حضور، یہ بھی عمرو کا منصوبہ ہے کہ لندھور کا نام لے کر شبخون مارا۔ الحاصل، لشکرِ اسلام نے کفار کے کشتوں سے پشتے بنائے۔ چار گھڑی رات باقی ہو گی کہ عمرو کو عیاروں نے خبر دی کہ دو بھائی ژوبین کے، جہاندار کابلی و جہانگیر کابلی، مور و ملخ سے زیادہ لشکر لے کر، حسب الحکم نوشیرواں، ہرمز و فرامرز کی مدد کو آئے ہیں، چنانچہ سامنے نگاہ کر کے دیکھیے کہ کس قدر طوفان گرد کا معلوم ہوتا ہے۔ عمرو نے جو نگاہ کر کے دیکھا تو واقعی گرد کیسی،

ایک آندھی تیرہ وخیرہ چلی آتی ہے۔ دیکھتے ہی چھکّے چھوٹ گئے۔ لگا شش و پنج کرنے کہ بڑا ستم ہوا، آج لشکرِ اسلام بچتا نظر نہیں آتا۔ الٰہی، میں حمزہ کو کیا جواب دوں گا؟ چونکہ عمرو صاحبِ معجزہ ہے، کہ جب کوئی عیاری یاد نہ آئے تو اپنے پشتِ دست پر چالیس مرتبہ درود پڑھ کر استدعاے ادراکِ عیاری کرے، اسی دم تین سو ساٹھ عیاریاں، جو کبھی خیال میں نہ گذری ہوں گی، یاد آئیں گی۔ عمرو نے جو یہی عمل کیا، نئی نئی عیاریاں ذہن میں گذریں۔ فی الفور سفید مہرہ بجا کر پہلوانانِ لشکرِ اسلام کو آواز دی کہ اے رستمانِ زماں، قدم اپنا استوار رکھنا۔ آج چاہیے کہ لشکرِ کفار سے کوئی متنفس نہ بچے۔ بہرام گرد خاقانِ چین، بالشکرِ مور و ملخ، تمھاری مدد کو آ پہنچا۔ سامنے جو یہ غبارِ غلیظ نظر آتا ہے، اسی کی فوج کے قدموں کی بدولت ہے۔ لشکرِ کفار نے جو بہرام خاقانِ چین کی آمد سنی اور گرد و غبار کے تتق سامنے سے دیکھے، دل چھوٹ گیا کہ جو فوج کہ لڑ رہی ہے، اس سے تو عہدہ برآ ہو نہیں سکتے، بہرام کے لشکر سے کب سر بر ہوں گے۔ سر پر پاؤں رکھ کے بھاگے۔ ہر چند بختیارک نے منادی کروائی کہ یارو، صبح قریب ہے، اور تمھیں کیونکر ثابت ہوا کہ یہ فوج بہرام کی ہے؟ شاید تمھاری مدد پہنچی ہو۔ مگر اس دم بوڑھے کلانوت کی کون سنتا ہے، کہ وقت نفسا نفسی کا تھا۔ جتنا لشکر بقیۃ السیف تھا، شترِ بے مہار کی طرح بھاگا۔ ہرمز و فرامرز و ژوپین و بختیارک بھی فوج کے پھیرنے کے بہانے سے ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ عمرو نے لشکرِ کفار کو یہاں تک لوٹا کہ ایک پرِکاہ باقی نہ رہا، اور جھٹ پٹ مظفر و منصور مع لشکر قلعے میں داخل ہو کر سردارانِ لشکر کو حقیقتِ حال سے مطلع کیا اور قلعے کو بیشتر از پیشتر مستحکم کر کے بہ اطمینانِ تمام بیٹھا۔

آنا جہاندار کابلی و جہانگیر کابلی ژوپین کے بھائیوں کا ہرمز و فرامرز کی مدد کو نوشیرواں کے حکم سے

محررانِ خوش فکر لکھتے ہیں کہ لشکرِ کفار جو بدحواس بھاگا چلا جاتا تھا، دو تین فرسخ پر ہرکاروں نے خبر دی کہ جس کو عمرو نے بہرام کا لشکر قرار دیا تھا وہ جہاندار کابلی و جہانگیر کابلی کا لشکر ہے؛ بادشاہ نے فوجِ کثیر سے شاہزادوں کی مدد کے واسطے بھیجا ہے۔ اتنے میں جہاندار کابلی و جہانگیر کابلی بھی آ پہنچے۔ ژوپین سے مل کر شاہزادوں سے ملازمت کی اور کہنے لگے کہ حیف ہے، اتنی دیر آپ سے توقف نہ کیا گیا! بختیارک بولا کہ میں ہر چند سمجھاتا اور منع کرتا رہا مگر کسی نے میرا کہنا نہ مانا۔ مفت میں ہزیمت کی ہزیمت اٹھائی اور اسباب کا اسباب لٹوایا۔ جہانگیر کابلی و جہاندار کابلی بولے کہ خیر، جو ہونا تھا سو ہوا، اب ہم سرِسواری قلعہ لے لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر قلعے کی طرف پھرے۔ جب قلعے کی زد پر پہنچے، عمرو نے آگ کا مینھ برسانا شروع کیا۔ فوج کا تو قدم آگے کو نہ بڑھ سکا مگر جہاندار و جہانگیر سپروں کی پناہ میں خندق کے پار پہنچے۔ چاہتے ہیں کہ گرز قلعے کے دروازے پر ماریں کہ نقابدار نارنجی پوش اپنے چالیس ہزار سوار سے آ پہنچا۔ عمرو شادیانے بجوانے لگا کہ اب ان گبروں کا سزا دینے والا آ پہنچا۔ اس میں نقابدار گھوڑا چمکا کر خندق پر آ کے للکارا کہ خبردار او کافر، اگر گرز دروازے پر لگایا تو تم جانو گے۔ پہلے مجھ سے لڑلو، پیچھے قلعے کی طرف متوجہ ہونا۔ دونوں بھائی خندق کے پار آئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر دو طرف سے دونوں نے نقابدار پر حملہ کیا۔ نقابدار نے دونوں ہاتھوں سے دونوں کی تلواریں چھین کر، کمر بند میں ہاتھ ڈال کے دونوں کو اٹھا لیا۔ چونکہ اس وقت تک دونوں کی زندگی تھی، کمر بند ٹوٹ گئے اور وہ زمین پر گر پڑے۔ فوج گھوڑوں کی باگ لے کر اپنے دونوں سرداروں کو زمین سے اٹھا کر لے بھاگی۔ نقابدار مع لشکر فوجِ کفار پر جا گرا اور کشتوں سے پشتے باندھنے لگا۔ نزدیک تھا کہ فوجِ کفار کا اس دم خاتمہ ہووے کہ بختیارک نے

جھٹ پٹ طبلِ بازگشت بجوایا۔ نقابدار تو جدھر سے آیا تھا مظفر و منصور ادھر کو چلا گیا اور لشکرِ کفار بہ چشمِ گریاں و دلِ بریاں اپنی فرودگاہ پر مغموم و محزوں پہنچا۔ قلعے میں عمرو کو نذریں فتح کی گذریں۔ دوسرے دن بھنڈاری نے عادی سے اور عادی نے عمرو سے کہا کہ غلّہ قلعے میں ختم ہو چکا۔ عمرو نے کہا کہ اب اگر اور کوئی قلعہ مستحکم میسّر آئے تو پناہ ہو۔ داراب بولا کہ یہاں سے دو منزل پر ایک قلعۂ نیستاں ہے۔ اگر ہفت اقلیم کی سپاہ جمع ہو کر چاہے کہ اس قلعے کو لڑ کے لے، محض خلافِ امکان ہے۔ قفلِ نیستانی اس کے حاکم کو کہتے ہیں۔ عمرو نے سردارانِ لشکرِ اسلام اور سرہنگ مصری سے کہا کہ میں قلعۂ نیستاں کی فکر میں جاتا ہوں۔ جس روز تم کو خبر پہنچے کہ قلعہ میں نے لے لیا، اس شب کو چند محافوں میں لنگور، بندر، بھیڑیے، پلنگ باندھ کر ژوبین کے خیمے کے آگے سے نکلنا، اور مہرنگار کو اور عورتوں سمیت سوار کروا کے قلعے کی پشت پر جو دریچہ ہے، ادھر سے روانہ کرنا، اور جس قدر جلد راہ طے ہو سکے طے کر کے قلعۂ نیستاں میں اپنے کو پہنچانا۔ یہ کہہ کر، دو عیار اپنے ساتھ لے کے، قلعۂ نیستاں کی طرف روانہ ہوا۔ دو گھڑی دن باقی ہوگا کہ قلعے پر پہنچا۔ دیکھے تو واقعی قلعہ نہایت مستحکم ہے۔ حصار کے گرد پھر کے جو دیکھا، شاہ دروازے اور چور دروازوں کو بند اور خندق کو پُر آب پایا۔ حیران ہوا کہ قلعے کے اندر کیونکر جائے۔ اسی فکر میں دو پہر رات گذر گئی۔ ناگاہ پانچ چھ کتوں کو خندق سے نکل کر آتے دیکھا۔ عمرو نے پیٹ بھر کر ان کو نان و کباب کھلایا۔ کتے جو سیر ہوئے، اپنے مسکن کی طرف پھرے۔ عمرو بھی ان کے پیچھے پیچھے انھیں کی چال سے چلتا گیا۔ کتے خندق کے پار جا کر سرنگ میں گھسے۔ عمرو بھی سرنگ میں داخل ہو کر قلعے کے اندر پہنچا۔ سوائے چوکیداروں کے کسی کو جاگتا نہ پایا۔ عمرو چوکیداروں کی آنکھ بچا کر زیرِ قصرِ قفلِ نیستانی پہنچا۔ ایک درخت عالیشان دیوار کے متصل تھا۔ اس پر چڑھ کے سقفِ بالا خانہ پر گیا اور اس کی سیڑھیوں سے اتر کر بارہ دری میں جا کر دیکھا کہ قفلِ نیستانی چھپر کھٹ پر بے خبر سوتا ہے اور خدمتگار بھی جا بجا فرش پر پڑے خراٹے لے رہے ہیں، مگر موی جامی کافوری بتیاں روشن ہیں۔ عمرو نے چادرِ عیاری کو چرخ دیا اور شمعوں کو گل کیا۔ ایک فلیتہ عیاری کے واسطے روشن کر کے نئے ہفت بند کو جوڑ کر چار مثقال عبیرِ بے ہوشی اس میں دے کر قفلِ نیستانی کے پرّۂ بینی تک پہنچا کر جو پھونکا، عبیر اس کے دماغ میں پہنچا، وہ فوراً چھینک مار کے بے ہوش ہو گیا۔ عمرو نے اس کو زنبیل کے سپرد کیا اور آپ اس کی صورت بن کر چھپر کھٹ میں سو رہا۔ جب صبح ہوئی، منھ ہاتھ دھو کر تخت پر بیٹھا۔ ارکانِ دولت جو حاضر ہوئے، ان سے کہا کہ مہرنگار دخترِ نوشیرواں مجھ پر عاشق ہوئی ہے۔ کل اس نے ایک اشتیاق نامہ مجھ کو بھیجا تھا، سو میں نے اس کو طلب کیا ہے۔ خبردار، خبردار، جس وقت اس کی سواری آئے، داروغۂ شاہ دروازہ قلعے کے دروازے کو بے میرے کہے کھول کر اس کو ہمراہیوں سمیت قلعے میں آنے دے۔ بہتوں نے تو قبول کیا مگر بعضوں نے عذر کیا کہ اس کے ساتھ عمرو عیار ہے؛ وہ اسی طرح سے قلعے کو لے لیتا

ہے۔عمرو نے منکروں کو قید کیا اور داروغۂ شاہ درہ پر مکرر تاکید کی۔ واضح ہوئے کہ عمرو جو دو عیاروں کو دروازے کے باہر چھوڑ آیا تھا، انھوں نے اس حکم کی خبر پا کر معلوم کیا کہ عمرو حاکم قلعے کا ہوا۔ دربان سے کہلا بھیجا کہ خسرو سے عرض کرو کہ دو عیار مہر نگار کے پاس سے آئے ہیں، کچھ عرض کیا چاہتے ہیں۔ عمرو نے ان کو بلوالیا اور گوشے میں بیٹھ کر ان سے کہا کہ تم جاؤ، سر ہنگ مصری اور سرداروں سے کہنا کہ جس طرح میں سمجھا آیا ہوں، اسی طرح سے آج شب کو اس طرف روانہ ہوویں، مگر تیز قدمی سے آئیں۔ فضلِ الٰہی سے قلعے پر میں مسلط ہوا۔ وہ عیار رخصت ہو کر پہروں رہتے رہتے قلعۂ گرگستان میں پہنچے اور عمرو کا حکم سر ہنگ مصری اور سرداروں کو سنا دیا۔ وہ لوگ فوراً تیاری میں مصروف ہوئے۔ ڈیڑھ پہر رات گذرے چند محافوں میں چند درندے باندھ کر، اس دروازے سے جدھر ژوپین کا خیمہ ایستادہ تھا، ہمراہی چند عیار روانہ کیے اور مہر نگار وغیرہ کو سوار کروا کے جس دروازے سے عمرو کہہ گیا تھا لشکرِ اسلام کے ساتھ لے نکلے۔ محافوں کو قلعے سے نکلتے ایک عیار نے جو دیکھا، دوڑ کر ژوپین کو خبر دی۔ ژوپین ہشاش و بشاش اپنے خیمے سے نکلا، اور محافہ جو پرتکلف اور سب کے آگے تھا، اس کو دوڑ کے پکڑ کر پردہ جو اٹھایا تو اس میں ایک ریچھ خونیں چشم بندھا پایا۔ چیخ مار کر بھاگا، مگر رفیقوں کو حکم دیا کہ سارے محافوں کی تلاشی لو۔ جس نے جس محافے کا پردہ اٹھایا، اس میں سے ایک درندہ غرانے لگا۔ سب کے سب محافے چھوڑ کر بھاگے۔ اس میں ایک عیار نے ژوپین کو خبر دی کہ قلعے کا دروازہ کھلا ہوا ہے، کوئی آدمی نظر نہیں آتا۔ ژوپین نے یہ بات سنتے ہی گھوڑا طلب کیا اور سوار ہو کر بگٹٹ گھوڑے کو بھگایا۔

مہر نگار کا حال سنیے کہ اثنائے راہ میں محافے سے نکل کر، نقاب منہ پر ڈال کے، گھوڑے پر سوار ہوئی تھی۔ ژوپین جو اس کے متصل پہنچا، گھوڑے پر سے کود کر اس کے گھوڑے کا شکار بند پکڑ لیا، اور لگا گڑگڑا گڑگڑا کر خوشامد کرنے اور اپنا عشق جتانے۔ ہر چند وہ مانع ہوئی لیکن یہ بے حیا کب مانتا تھا۔ آخر مہر نگار نے دق ہو کر ایک نیمچہ غلاف سے نکال کر اس کے سر پر مارا کہ پیشانی میں دو انگل گھس گیا۔ تب تو وہ نامرد بھاگ کر دور جا کے کھڑا ہوا۔ مہر نگار نے ایک تیر کمان کی زہ میں جوڑ کر جو لگایا، ژوپین نے اپنی دانست میں خالی دینے کو پیٹھ پھیری۔ تیر زرہ کو توڑ، زیر جامے میں در آ کے بالشت بھر اس کی مقعد میں گھس گیا۔ تب تو چلّا کر بھاگا۔ اس عرصے میں لشکرِ اسلام بھی پہنچا۔ مہر نگار کو لے کر خوشی خوشی قلعۂ نیستاں میں داخل ہوا۔ جس نے اسلام قبول کیا اس نے جان کی امان پائی، جس نے انکار کیا، اپنی جان گنوائی۔ بارے ایک دو ساعت میں قلعۂ نیستاں میں اہلِ اسلام کا دخل و بندوبست ہو گیا۔ عمرو نے خسروِ نیستانی کو زنبیل سے نکالا اور کہا کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے پہچاننے میں کیا کہتا ہے؟ اس نے دیکھا کہ قلعہ تو جا چکا، جان بھی مفت میں جائے گی، کلمہ پڑھ کر صدقِ دل سے مسلمان ہوا۔ عمرو نے اسے گلے لگا کر کہا کہ بابا، تمھارا قلعہ تم کو مبارک رہے۔ میں چند روز تمھارا مہمان ہوں،

بعدازاں جہاں مقدر لے جائے گا وہاں جاؤں گا۔ یہ کہہ کر قلعے کو مثلِ طاؤسِ طناز تیار و آراستہ کر کے بدستور فیل بند دروازے پر شامیانہ اطلسِ چینی کا کھینچ کر اس کے نیچے کرسیِ جواہرنگار بچھا کے بہ خاطر جمعی تمام بیٹھا۔

ژوپین کا حال سنیے کہ دردِ زخم مقعد سے بے ہوش کر اثنائے راہ میں گھوڑے پر سے زمین پر گر پڑا اور گھوڑے نے جنگل کی راہ لی۔ ہرمز و فرامرز بھی قلعے کا خالی ہونا اور ژوپین کے پیچھا کرنے کا حال سن کر مع جہاندار کابلی و جہانگیر کابلی لشکرِ اسلام کے پیچھے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں ژوپین کو زخمی و بے ہوش پڑا دیکھ کر بہت متاسف ہوئے اور اس کو اٹھا کر محافے میں لٹا کے لے گئے۔ عیاروں سے معلوم ہوا کہ عمرو مع لشکرِ اسلام قلعۂ نیستاں میں داخل ہوا۔ چار ناچار قلعے کی زد سے بچ کر خیمہ زن ہوئے۔ جب عمرو نے دیکھا کہ لشکرِ کفر فرودکش ہوا، جراح کی صورت بن کر کسبتِ جراحی بغل میں دبا، ژوپین کے خیمے کی طرف سے نکلا۔ عیاروں نے ژوپین کو خبر دی کہ ایک جراح جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ جلد اس کو لاؤ۔ عیار عمرو کو بلا لے گئے۔ ژوپین نے اپنے زخموں کو دکھا کر کہا کہ اے جراح، جس قدر جلد ممکن ہو مجھ کو اچھا کر۔ میں بہت سا انعام تجھ کو دوں گا۔ عمرو بولا کہ پیشانی کا زخم تو ایسا نہیں ہے کہ جلد اچھا نہ ہو، لیکن مقعد کا زخم کاری ہے۔ اگر اذیت اپنے اوپر گوارا کرو تو پانچ پہر میں اچھا کر دوں۔ ژوپین نے کہا کہ مجھ کو اذیت قبول ہے۔ عمرو بولا کہ اگر ایسی مرضی ہے تو اپنے آدمیوں کو حکم دیجیے کہ ہر چند میں کسی کو پکاروں یا واویلا کروں، پانچ پہر تک کوئی میرے پاس نہ آئے۔ ژوپین نے اپنے شاگرد پیشہ اور رفقا کو بھی حکم دیا۔ جتنے تھے سب خیمے سے الگ ہو گئے اور خیمے کے پردے ڈال دیے۔ عمرو نے ژوپین کو چومیخا کر کے اوندھا باندھا اور مقعد کے زخم کو استرے سے چیر کر اور بھی گہرا کیا، اور ہرتال چونے میں ملا کر، بتیوں میں لپیٹ کے اس کے زخمِ مقعد میں وہ بتیاں رکھ دیں اور اوپر سے ہرتال اور چونے کا مرہم بھر دیا۔ ژوپین سوزش کے مارے لگا چلّانے اور ہائے وائے کرنے۔ باہر کے آدمیوں نے جانا کہ جراح اپنے کام میں مصروف ہے، کوئی اس کا فریادرس نہ ہوا۔ آخر ژوپین اس صدمے سے بے ہوش ہو گیا۔ عمرو نقد و جنس خیمے سے اٹھا، زنبیل میں رکھ، خیمے کا پائزہ نکال، اپنے قلعے میں آ دھمکا۔ جب بعد پانچ پہر کے لوگ خیمے میں گئے، ژوپین کو دیکھ کر کمال متاسف ہوئے۔ جھٹ پٹ اس کے ہاتھ پاؤں میخوں میں سے کھولے اور اس کے زخموں کو دھو کر کافور کے پھاہے رکھے۔ بارے دوسرے دن ژوپین کو ہوش آیا۔ بختیارک نے سن کر کہا کہ وہ جراح نہ تھا، عمرو تھا۔

اس میں خبر پہنچی کہ حکیم مجدک کو بادشاہ نے باخزانہ و تحائف بھیجا ہے، قریب پہنچتا ہے۔ ہرمز و فرامرز بہت خوش ہوئے اور اس کے استقبال کے واسطے جہانگیر کابلی و جہاندار کابلی کو بھیجا۔ یہ خبر عمرو کو پہنچی۔ ژوپین کے عیاروں میں سے ایک کی صورت بن کر آپ بھی روانہ ہوا۔ پانچ کوس کے قریب گیا ہوگا کہ سواری حکیم مجدک کی دکھائی دی۔ ادھر سے جہانگیر و جہاندار کابلی بھی پہنچے۔ تینوں آدمی سواریوں سے اتر کر بغلگیر ہوئے اور

کلماتِ دل خوش کن کرتے ہوئے خیمے کی طرف روانہ ہوئے۔ عمرو نے دیکھا کہ سوائے سواریوں کے کچھ بار برداری نظر نہیں آتی، شاید اسباب پیچھے ہی اسی جا ٹھہر رہا۔ چار گھڑی رات آئی ہوگی کہ اونٹ اور چھکڑے خزانے سے لدے ہوئے پانچ سو سواری کی محافظت میں پہنچے۔ ہرگاہ وہ لوگ عمرو کے قریب آئے۔ عمرو نے ایک سوار سے پوچھا کہ افسر تمھارا کون ہے؟ اس نے کہا کہ وہ کلاہِ نمد سر پر رکھے ہوئے چلا آتا ہے۔ عمرو نے جا کر اس کو سلام کیا اور کہا کہ میں بڑی دیر سے تمھارا منتظر تھا۔ شاہزادوں نے مجھے بھیجا ہے کہ تو جلد جا کر خزانہ اور اسباب جو آتا ہے، براہِ محفوظ لو الا؛ ایسا نہ ہو کہ عمرو خبر پا کر دستبرد کرے۔ اور اگر رات زیادہ جاوے تو رات کی رات اسی جگہ مقام کریں، صبح کو وہاں سے چلیں۔ سب لوگ بولے کہ اچھا تو ہے کہ اس وقت یہیں مقام کیا جائے، کہ تھکے ماندے بھی ہیں۔ صبح کو یہاں سے روانہ ہوں گے۔ افسر نے اسی مقام پر ڈیرہ کیا۔ عمرو نے کہا کہ میں جا کر شاہزادوں کو خبر کروں۔ سب بولے کہ بہتر ہے۔ عمرو نے چند عیار اپنے جنگل میں لگا رکھے تھے۔ آتے ہی ان کی صورت تبدیل کر، کہاروں کی صورت بنا، چند خوان نُقل کے، کہ شیرۂ بے ہوشی سے بنائے تھے، ان کے سروں پر رکھوا کے، آپ یساول کی صورت بن، محافظانِ خزانہ کے پاس آیا اور کہا کہ شاہزادوں نے یہ خوان تمھارے نُقل کرنے کے واسطے بھیجے ہیں۔ نگہبانوں کے افسر نے سب کو تقسیم کر کے اپنا حصہ آپ نوش کیا۔ خلاصہ، کوئی ایسا نہ تھا کہ اس نعمت سے محروم رہا۔ جب سب کے سب اٹیرن ہوئے، عمرو نے مطلق تحائف و خزانہ صندوقوں سے نکال کر زنبیل کے سپرد کیے، اور کنکر پتھر، مرے جانوروں کی ہڈیاں صندوقوں میں بھر کے بدستور قفل دے دیے اور قلعے میں آ کر چین سے سو رہا۔ جب صبح کو وہ غفلت زدہ ہوش میں آئے، وہاں سے روانہ ہو کر، دن چڑھتے چڑھتے لشکر میں داخل ہوئے۔ ہرمز و فرامرز نے صندوق منگوا کر حکیم مجدک سے کنجیاں لے کے قفل کھلوائے۔ دیکھیں تو کنکر پتھر، مرے جانوروں کی ہڈیاں بھری ہوئی ہیں۔ بختیارک بولا کہ نفس الامر میں عمرو سا چالاک عیار بھی دنیا میں کم ہوگا۔ ژوپین کی وہ صورت بنائی، خزانہ بالا بالا اس طرح سے لے گیا۔ شاہزادوں نے نگہبانِ خزانہ سے پوچھا کہ تم سے اور کسی شخص اجنبی سے رات کو ملاقات ہوئی تھی؟ ان لوگوں نے عرض کی، اور تو کسی سے نہیں ملاقات ہوئی، مگر پہلے جس عیار کو ژوپین نے رہنمائی کے واسطے بھیجا تھا، اس سے ملاقات ہوئی تھی، کہ ہم نے راہ کی ماندگی کا عذر کیا اور اسی جگہ پر مقیم ہوئے۔ بعد اس کے ایک یساول حضور سے نُقل کے خوان لے کر گیا تھا، اس کے ساتھ کئی کہار خوان بردار تھے۔ بختیارک بولا کہ پہلے جو عیار ملا تھا وہ بھی عمرو تھا، اور پیچھے اس کے جو یساول خوان نقل کے لے کر گیا تھا، وہ بھی عمرو تھا۔ شاہزادوں اور سرداروں کو بڑا رنج ہوا لیکن کیا کریں؛ سوائے اس کے چارہ نہ دیکھا، ایک عریضے میں یہ سب حال لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔

پناہ لینا عفریت دیو کا طلسمِ شہرستانِ زرّیں میں اپنی ماں ملعونہ جادو کی صلاح سے

اب جب تک اس داستان پر پھر آؤں، دو کلمہ داستانِ زلازل قاف کو چک سلیمان صاحبقرانِ گیتی ستاں امیر ابوالعلا حمزہ کے سناؤں۔ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ مقاتل اہرمن پدرِ عفریت جو صاحبقراں کے ہاتھ سے مارا گیا، عفریت اس کے سوگ میں بیٹھا اور شہپال نے صاحبقراں کے واسطے ایک ہفتہ محفل جشن کی گرم رکھی۔ آٹھویں دن صاحبقراں نے شہپال سے کہا کہ قبلۂ عالم، معلوم نہیں ہوتا کہ عفریت کا کیا ارادہ ہے؛ لڑے گا بھی کہ اسی طرح کان میں تیل ڈالے بیٹھا رہے گا۔ بہرحال، اگر وہ طبل جنگ نہیں بجواتا تو حضور ہی بجوا دیں۔ میں اٹھارہ دن کا وعدہ کر کے آیا تھا، سو اس کو اس قدر عرصہ ہو گیا۔ خدا جانے کہ میرے متعلقین و متوسلین کا کیا حال ہو گا۔ ایک تو میرے واسطے متردد ہوں گے، دوسرے نوشیرواں سا بادشاہِ ہفت اقلیم برسر کاوش و عداوت ہے۔ شہپال نے طبل جنگ بجنے کا حکم دیا۔ حکم ہوتے ہی نوبتیوں نے بارہ سو جوڑی سونے اور بارہ سو جوڑی چاندی کی نکال کر زیلوں کو سینک، بموں پر پچارے پانی کے دے، چوبیں لگانی شروع کیں۔ چونکہ یہ نقار خانۂ سلیمانی ہے، اس کی آواز تین منزل تک جاتی ہے۔ عفریت تو نزدیک ہی تھا، اس نے جو آوازِ طبلِ جنگ کی سنی، کان اس کے کھڑے ہو گئے۔ حواشیوں سے اپنے کہنے لگا کہ ہنوز میں نے اپنے باپ کے ماتم سے فراغت حاصل نہیں کی اور اس نے طبلِ جنگ بجوایا۔ یقیناً یہ آدمی میرا گشندہ ہے۔ یہ کہہ کر خوب رویا اور ایک دیو تیز پرواز کو اپنی ماں کے بلانے کے واسطے بھیجا۔ وہ ملعونہ، کہ نام بھی اس کا ملعونہ جادو ہے، ایک ہی جادوگر ہے، سحرِ سامری کو لڑکوں کا کھیل سمجھتی ہے۔ سنتے ہی آندھی کے مانند آ پہنچی۔ عفریت اس کے گلے لپٹ کر زار زار رویا اور احوال صاحبقراں کا بیان کیا۔ وہ بولی کہ حقیقت میں یہ آدمی جو شہپال کی مدد کو آیا ہے، تیری جان کا دشمن ہے۔

اس سے بہتر یہ ہے کہ شہرستانِ زرّیں میں جو میں نے طلسم بنایا ہے، اس میں چل کے رہ۔ جب یہ آدمی دنیا کو جا چکے گا اس وقت پھر شہپال سے سمجھ لیں گے۔ عفریت کو اپنی ماں کی رائے بہت پسند آئی۔ اسی دم اس ملعونہ کے ساتھ طلسم شہرستان زرّیں کی طرف روانہ ہوا اور لشکر اس کا تباہ و متفرق ہو گیا۔ کتنوں نے اپنی اپنی راہ لی اور اکثروں نے باہمدیگر صلاح کی کہ شہپال ہمارا خاوندِ قدیم ہے، چل کر قصور معاف کروا کے اس کے حضور میں حاضر رہیے۔ الآخر جب زنگیِ شب نے رومیِ روز سے شکست کھا کر فرار کو قرار پر ترجیح دی، شہپال و صاحبقراں تختوں پر سوار ہو کے مع فوج میدانِ مصاف کی طرف چلے۔ اثنائے راہ میں جنوں نے بادشاہ کو خبر دی کہ عفریت صاحبقرانِ زماں اور شہنشاہِ قاف کے خوف سے طبلِ جنگ کی آواز سن کر رات ہی کو بھاگ گیا اور لشکر اس کا مثلِ بنات النعش پریشان ہو کر اپنی اپنی راہ چلتا ہوا، اور چند گروہ داغِ انفعال اپنی جبیں پر نقش کر کے، بہ امیدِ عفوِ جرائمِ پارینہ، ازسرِنو اطاعت کے واسطے حاضر ہوئے ہیں۔ بادشاہ اس مژدہ کو سن کر خوش و خرم ہو کے، صاحبقراں پر سے زر و گوہر نثار کرتا ہوا قلعۂ گلستانِ ارم میں داخل ہوا۔ جہاں تک عمائدِ قاف تھے، سبھوں نے شہپال کو نذر دی اور صاحبقراں پر سے زر و جواہر تصدق کیا۔ کئی دن تک محفلِ جشنِ شاہانہ برپا رہی۔ بعدِ اختتامِ جشن امیر نے شہپال شاہ سے کہا کہ مجھ کو اب رخصت ملے، میرا بڑا حرج ہوتا ہے۔ شہپال شاہ نے کہا کہ یا صاحبقراں، میرا اور آپ کا اقرار یہ ہے کہ عفریت کو مار کر آپ تشریف لے جائیں گے۔ سو عفریت ہنوز مارا نہیں گیا، اور اگر آپ بے مارے عفریت کے تشریف لے جائیں گے تو بعد آپ کے جانے کے وہ پھر سر اٹھائے گا اور مجھ کو ضرورت ہوگی کہ آپ کو پھر تکلیف دوں۔ اس سے یہی بہتر ہے کہ آپ عفریت کا قلع قمع کر کے پردۂ دنیا کو تشریف لے جائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں بہت جلد آپ کو پہنچوادوں گا۔ امیر نے سر نیچے کر لیا۔ بعد ایک ساعت کے شہپال سے کہا کہ بہرحال، یہ بھی آپ کا فرمانا مجھے منظور ہے، مگر معلوم تو ہوئے کہ عفریت بھاگ کر کہاں گیا ہے۔ میں وہیں جا کر اسے ماروں۔ شہپال نے کہا کہ اس کا ٹھکانا بے قصرِ بلور گئے ہوئے معلوم نہ ہوگا۔ امیر بولے کہ پھر قصرِ بلور کی طرف چلنے میں توقف کیا ہے؟ شہپال نے اسی وقت پیش خیمہ روانہ کیا اور دوسرے دن امیر کو لے کر روانہ ہوا۔ جب قصرِ بلور میں پہنچا، وہاں کے رئیسوں نے حاضر ہو کر بادشاہ کو نذریں دیں اور عرض کی کہ عفریت اپنی ماں ملعونہ جادو کے ساتھ طلسماتِ شہرستانِ زریں میں، کہ اس ڈھڈّو نے بنایا ہے، جا کر چھپا ہے، اور اس طلسمات میں مطلق کارخانہ سحر کا ہے۔ امیر نے کہا کہ فدوی کو رخصت کیجیے کہ اس جہنمی کو اس کی ماں سمیت جہنم واصل کروں، اور چونکہ وہ وہاں اکیلا ہے، میں بھی وہاں اکیلا جاؤں گا۔ بادشاہ نے یہ تقریر امیر کی سن کر عبدالرحمٰن کی طرف دیکھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ آپ اپنے دل میں کچھ اندیشہ نہ کیجیے؛ میں ازروئے جفر و نجوم دریافت کر چکا ہوں، امیر عفریت پر فتحیاب ہوں گے، امیر کو جانے

دیکھیے۔ بادشاہ نے ایک تخت پر امیر کو بٹھلا کر پریزادانِ تیز پرواز سے کہا کہ صاحبقراں کو شہرستانِ زریں میں لے جاؤ۔ پریزاد فی الفور تخت لے کر اڑے۔ تین شبانہ روز کے بعد ایک پہاڑ پر اترے کہ رنگ اس کا سبز مینے کا سا تھا اور اس پہاڑ کو کوہِ زہرمہرہ کہتے تھے۔ امیر نے پریزادوں سے پوچھا کہ شہرستانِ زریں یہاں سے کتنی دور ہوگا؟ انھوں نے کہا کہ چھ کوس۔ امیر نے فرمایا کہ پھر یہاں کیوں ٹھہرے، ایک ہی مرتبہ وہاں جا کر کیوں نہ اترے؟ پریزادوں نے کہا کہ یا صاحبقراں، اس پہاڑ کے نیچے سے شہرِ زرّیں تک ملعونہ جادو کے طلسماتِ سحر ہیں۔ اگر ہم یہاں سے آگے کو قدم بڑھائیں تو جل جائیں۔ اور ملاحظہ فرمایئے کہ وہ جو چمک سی معلوم ہوتی ہے وہی شہرِ زرّیں ہے۔ آخر اس شب کو صاحبقراں اسی کوہ پر رہے۔ صبح کو نماز سے فراغت کر کے پریزادوں سے کہا کہ تم اسی جگہ توقف کرو اور گوش بر آواز رہو، میں شہرستانِ زرّیں کی طرف جاتا ہوں۔ تین نعرے کروں گا: پہلا نعرہ عند الملاقاتِ عفریت، دوسرا نعرہ ہنگامِ جنگ، تیسرا نعرہ بعدِ فتح۔ اور اگر تیسرا نعرہ نہ سنو تو جانیو کہ میں عفریت کے ہاتھ سے مارا گیا، شہپال شاہ کو میری مرگ کی خبر دینا۔ یہ کہہ کر زرہ کے دامن کو گردانا اور عقربِ سلیمانی کو ہاتھ میں لے آستینوں کو رومال کر، کوہ پر سے نیچے اترے۔ تاریکی سے قدم آگے کو نہ بڑھا سکے، پھر کوہ پر چڑھ گئے۔ وہاں سے دیکھا تو بخوبی روشنی معلوم ہوتی ہے۔ پھر نیچے اترے، وہی تاریکی دیکھی کہ اپنا ہاتھ اپنے کو نظر نہ آتا تھا۔ پھر کوہ پر چڑھ کے دیکھنے لگے۔ پانچ چھ دفعہ جو کوہ پر چڑھے اترے، پریزادوں نے جانا کہ صاحبقراں ورزش کرتے ہیں۔ امیر سے پوچھا کہ صاحبقراں، پردۂ دنیا پر اسی طرح لوگ ورزش کرتے ہیں؟ امیر نے فرمایا کہ میں ورزش نہیں کرتا۔ جب پہاڑ کے نیچے جاتا ہوں تو ایسی تاریکی دیکھتا ہوں کہ شبِ یلدا کو اس کے مقابلے میں روز روشن کہا چاہیے، اور جب پہاڑ کے اوپر آتا ہوں تو روشنی دیکھتا ہوں۔ سخت متعجب و متحیر ہوں کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ پریزادوں نے بیان کیا کہ ملعونہ جادو مادرِ عفریت نے جو طلسم بنایا ہے، یہ عجائبات اس کی بدولت ہے۔ امیر نے سن کر فرمایا کہ خیر بہرحال، جو ہو سو ہو، اب میں اسی تاریکی میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر پہاڑ پر سے اترے۔ تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ آسمان پر سے آواز آئی کہ یا صاحبقراں، آگے نہ جانا، مجھ کو آ لینے دو۔ امیر ٹھہر گئے۔ دیکھیں تو سلاسل پریزاد ہے۔ اس نے سلام کر کے ایک لوح زمرد کی، کہ اس میں اسمائے الٰہی لکھے ہوئے تھے، دے کر کہا کہ عبدالرحمٰن نے یہ لوح دی ہے اور کہا ہے کہ بے اس کے دیکھے کوئی کام نہ کرنا۔ سلاسل پریزاد لوح دے کر رخصت ہوا۔ امیر نے جو اس لوح کو دیکھا، بعد بسم اللہ کے تحریر پایا کہ اے شکنندۂ طلسم، خدائے عزّ و جل نے تجھ پر بڑا اپنا فضل کیا کہ یہ لوح تیرے ہاتھ آئی۔ حاشیے پر اس کے جو اسم لکھا ہوا ہے، اسے پڑھ کر فلک کی طرف دم کرنا، یہ ظلمت دور ہووے۔ صاحبقراں نے اس اسم کو پڑھ کر آسمان کی طرف دم کیا، مطلق تیرگی زائل ہوگئی۔ امیر نے سجدۂ شکر ادا کیا اور آگے کو روانہ

ہوئے۔ جب قلعے کے متصل پہنچے، دیکھیں تو ایک اژدہا، نیچے کا جبڑا زمین پر اور اوپر کا جبڑا دروازے کی چھت سے لگائے، بیٹھا ہوا ہے۔ امیر متحیر ہو کر دیکھنے لگے کہ ناگاہ اس اژدہے نے آواز دی کہ اے شکنندۂ طلسم، میرے منھ میں آ۔ صاحبقراں نے لوح کو دیکھا۔ لکھا تھا کہ بے وسواس اس اسم کو اپنے اوپر دم کر کے اس کے منھ میں کود پڑ۔ صاحبقراں کا اس کے منھ میں کودنا تھا کہ آواز دار و گیر کی بلند ہوئی۔ بعد ایک ساعت کے امیر نے آنکھیں کھولیں۔ اژدہا یا قلعہ، کچھ بھی نظر نہ آیا۔ ایک باغ دیکھا کہ جس میں ہر موسم کے پھول کھلے ہوئے تھے اور بے رُت کا میوہ درختوں میں لگا ہوا تھا۔ جانور جواہر کے درختوں پر بیٹھے چہچہا رہے تھے۔ امیر ایک نہر پر بیٹھ کر سیر کرنے لگے کہ دفعتاً اس باغ کی بارہ دری میں سے ایک آوازِ پرحزیں آئی کہ حیف ہے، کوئی ایسا خدا کا بندہ نہیں کہ مجھ کو اس قیدِ مصیبت سے چھڑوائے۔ امیر یہ صدا سن کر بارہ دری میں گئے۔ دیکھیں تو ایک معشوقہ، خورد سال، صاحب جمال، مقید ایک تخت پر بیٹھی ہوئی ہے۔ امیر کو رحم آیا۔ امیر نے بہ کمال دردمندی اس سے پوچھا کہ اے نازنین، تو کون ہے اور کس نے تجھ کو یہاں قید کیا ہے؟ وہ بولی کہ پہلے آپ اپنا نام و نشان بتائیے کہ آپ کون ہیں؟ امیر نے فرمایا کہ میں زلازل قاف کوچک سلیمان صاحبقرانِ گیتی ستاں کشندۂ عفریت ہوں۔ اس نے کہا کہ میں سوسن پری، سلیم کوہی کی بیٹی ہوں۔ عفریت نے مجھ پر عاشق ہو کر میرے باپ سے میری شادی کی تیاری کی۔ اس نے جو انکار کیا، عفریت فوج لے کر چڑھ آیا۔ جب باپ میرا اس سے لڑائی میں بر نہ آیا تو مجھ سے آ کر سب ماجرا کہا۔ میں نے کہا کہ تم میری شادی اس سے کر دو۔ میں اس کو غافل کر کے قید کروں گی، تم اس کو شہپال شاہ کے پاس بھیج دینا۔ وہ بہت تم سے خوش ہوگا اور سرفراز کرے گا۔ تب میرے باپ نے میری شادی عفریت کے ساتھ کر دی۔ اس نے کثرت سے جو شراب پی، شراب نے داروے بے ہوشی کا کام کیا کہ وہ از خود رفتہ ہو گیا۔ میں نے اسی وقت اس کے ہاتھ پاؤں باندھے، کہ ملعونہ جادو نے آ کر اس کو تو قید سے رہا کیا اور مجھ کو یہاں قید کر کے چلی گئی۔ بس جب سے میں یہاں قید ہوں۔ اب اگر آپ مجھ کو قید سے رہا کریں تو میں عفریت تک آپ کو بآسانی تمام پہنچا دوں۔ صاحبقراں نے اسے قید سے مخلصی بخشی۔ وہ صاحبقراں کو اپنے ساتھ لے کر ایک دوسرے باغ میں گئی۔ صاحبقراں نے دیکھا کہ وہاں بارہ سو دیو حربہ لیے ہوئے بیٹھا ہے۔ یکبارگی سوسن پری امیر کے سامنے زمین پر گر کے اسمِ سحر پڑھ کے فلک پر ہوا ہوئی اور بآوازِ بلند کہنے لگی کہ اے دیوو، بیٹھے کیا ہو، کشندۂ عفریت و خراب کنندۂ طلسمات تمھارے سامنے کھڑا ہوا ہے، جس طرح جانو اسے مارو۔ صاحبقراں اس کی اس حرکت پر کمال نادم و متحیر ہوئے، اور دیووں نے چار طرف سے امیر کو گھیر کر اپنے اپنے حربے سنبھالے۔ امیر نے عقربِ سلیمانی کو میان سے لے کر جس دیو کے ایک ہاتھ لگایا، وہ دو ٹکڑے ہو گیا، مگر جتنے قطرے خون کے ان کے بدن سے گرے وہ سب دیو بن گئے۔ امیر

کا ہاتھ اور بازو مارتے مارتے شل ہوگیا۔ تب تو لوح یاد آئی۔ دیکھیں تو لکھا ہے کہ اے شکنندۂ طلسم، سوسن جادو کو قید سے نہ چھڑانا، وہ تجھ سے دغا کرے گی؛ اور اگر احیاناً تجھ سے ایسی نادانی ہو تو جس وقت وہ قندیلِ فلک ہووے اور دیو تجھ سے لڑنا شروع کریں، اس اسم کو تیر کے پیکان پر دم کر کے اس کو مار، کہ وہ بلا دفع ہو۔ امیر نے حکمِ لوح پر عمل کیا۔ دفعتاً واحدتاً ایک شور وغل پیدا ہوا کہ ہاں لینا، جانے نہ پاوے، کشندۂ عفریت طلسم میں آ پہنچا ہے۔ بعد اس شور وغل کے امیر جو دیکھیں تو نہ سوسن ہے اور نہ کوئی دیو ہے، باغ کی دیوار کے پار سے آواز پریزادوں کی آتی ہے۔ امیر نے اس طرف جا کر دیکھا کہ ایک باغ اور ہے۔ بارہ دری میں اس کی ایک رشکِ ماہِ چاردہ کمسن مقید ہے اور ایک شخص پیر مرد، بادشاہانِ قاف کی وضع، اس کے برابر بیٹھا ہوا ہے اور قریب چار سو جن و پریزاد کے اور بھی پا بہ زنجیر ہیں۔ صاحبقراں کو دیکھ کر اس معشوقہ نے کہا کہ اے صاحبقراں، خدا کے واسطے ہم کو اس قید سے نجات بخش۔ صاحبقراں اس کو بھی پہلا سا معاملہ سمجھے، اور سچ ہے کہ دودھ کا جلا مٹھا بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے، تلوار کھینچ کر اس پر دوڑے۔ پیر مرد بہ زاری نالی کہنے لگا کہ اے عزیز، ہم مرے ہوؤں کو کیا مارتا ہے! پہلے ہمارا احوال سن لے، پھر جو جی چاہے سو کیجیو۔ میرا نام جنید شاہ سبز پوش ہے، شہپال کا بڑا بھائی ہوں۔ اور یہ میری بیٹی ہے، ریحان پری اس کا نام ہے۔ جب عفریت نے شہپال کو شکست دی، مجھ سے سوال کیا کہ اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دے اور میری اطاعت قبول کر۔ جب میں نے نہ مانا، مجھے شکست دے کر مع ریحان پری اور چار سو رفیق یہاں لا کر قید کیا۔ اب تجھ کو اختیار ہے، مار یا جلا۔ صاحبقراں نے لوح کو جو دیکھا، اس کا کلام لوح کے مطابق پایا، اور اسی دم ان سب کو قید سے رہا کر کے رخصت کیا اور کہا کہ شہپال سے بعد از سلام میری طرف سے کہہ دینا کہ یہاں تک کہ تو بفضلہٖ تعالیٰ پہنچا ہوں، خدا چاہتا ہے تو عنقریب عفریت کو مار کر مشرف ہوتا ہوں۔ تشویش و تردد کو اپنے دل میں راہ نہ دینا۔ لکھا ہے کہ ہرگاہ جنید سبز پوش امیر سے رخصت ہوا۔ امیر وہاں سے آگے کو چلے۔ ایک مکان عالیشان نظر آیا۔ صحن اس کا پُر آب دکھائی دیا۔ نافِ صحن میں دیکھا کہ ایک صندوق سرکشادہ رکھا ہوا ہے۔ امیر نے پاؤں بڑھایا کہ اس میں پانی کتنا ہے۔ قدم کے رکھنے سے معلوم ہوا کہ پانی نہیں، تختہ بلور کا ہے۔ امیر نے اپنے دل میں کہا کہ اس صندوق کو بھی دیکھنا چاہیے کہ اس میں کیا ہے۔ جوں ہی صندوق کے دیکھنے کو جھکے، اس میں ایک دیو چت لیٹا ہوا تھا، دونوں ہاتھ امیر کے گلے میں ڈال کر لپٹنے لگا۔ امیر نے ایک ہاتھ سے صندوق کا کنارہ پکڑا اور لنگر جما کر دوسرے ہاتھ سے لوح کو دیکھا۔ اس میں لکھا تھا کہ اے روندۂ طلسمات، خبردار، خبردار! اس صندوق کے اندر نہ جانا۔ اگر گیا تو جیتے جی تک اس طلسم سے نہ چھوٹے گا۔ اس دیو کے سینے میں مثل رسن گندہ ایک بال ہے۔ اس میں ایک لوح بندھی ہوئی ہے۔ اس لوح کو مع بال اس کے سینے سے توڑ لے اور لوحِ اوّلیں کو اسمِ اعظم دم کر کے اس کے سر پر

مار۔ قدرتِ خدا کا تماشا نظر آئے گا۔ امیر نے لوح کو مع بال اس دیو کی چھاتی سے توڑ کر لوحِ اوّلیں کو اسمِ اعظم پڑھ کے اس دیو کے سر پر مارا۔ لوح کے لگتے ہی ایک شعلۂ جوالہ اس کے سر سے نکلا اور وہ صندوق دھڑ دھڑ جلنے لگا۔ ایک شور بگیر و بکش کا بلند ہوا کہ ہاں کشندۂ رزّاق دیو جانے نہ پائے۔ جب وہ شور موقوف ہوا، امیر دیکھیں تو نہ وہ تختہ بلور کا ہے اور نہ کوئی مکان، اور نہ وہ دیو ہے۔ ایک لق و دق میدان ہے، اس میں ایک لہو سے لبریز تالاب ہے اور تالاب کے بیچ میں ایک چرخ ایستادہ ہے۔ لہو اس میں سے ہو کر ایک اندارے میں جاتا ہے۔ امیر اسے دیکھ کر متعجب ہوئے اور آگے بڑھے۔ تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ایک باغ نظر آیا۔ دروازے پر ایک لڑکا کھڑا ہوا تھا۔ امیر نے چند بار اس سے پوچھا کہ تو کون ہے، اس لڑکے نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب امیر اس باغ میں گئے اس لڑکے نے پکار کر کہا کہ اے دیواں، خبردار ہو جاؤ، شکنندۂ طلسم باغ میں داخل ہوا۔ امیر نے پھر کر ایک تلوار ایسی ماری کہ سر اس کا بھٹا سا پچاس قدم پر جا پڑا۔ ہرگاہ امیر نے آگے کو قدم بڑھایا، سر اس کا جست کر کے اس کے دھڑ میں جا لگا۔ امیر نے متحیر ہو کر لوح کو دیکھا۔ اس میں لکھا تھا کہ اے شکنندۂ طلسم، خبردار! خبردار! دربان جادو کو نہ مارنا کہ وہ قیامت تک بھی نہ مرے گا۔ اگر یہ اسم پیکانِ تیر پر دم کر کے اس کی چھاتی پر مارے گا تو مرے گا۔ اور مبارک ہو تجھ کو، تو عفریت تک آ پہنچا۔ امیر نے جو اسمِ اعظم دم کر کے اس کی چھاتی پر تیر مارا، ایک آندھی تیرہ و تاریک آئی اور صاعقہ و برق ہر طرف سے گرنے لگی اور رعد سے زیادہ تر شور و غل ہونے لگا۔ امیر لوح کو آنکھوں پر رکھ کے بیٹھ گئے۔ بعد موقوف ہونے شور و غل اور دفع ہونے آندھی کے، دیکھیں تو کوسوں تک لالہ زار ہے اور تختہ تختہ ہزار گل کھلا ہوا ہے اور درمیان میں اس کے ایک بنگلہ ہے، اس میں چند پریزادیں ساز ملائے ہوئے گا بجا رہی ہیں۔ امیر جو قریب اس بنگلے کے گئے، ایک پریزاد جامِ شراب لے کر دوڑی کہ اے صاحبقراں، تم بہت تھکے ماندے ہو، لو اس کو پیو کہ کلفت دور ہو، اور دو چار گھڑی بیٹھ کے ہم لوگوں کا گانا بجانا سنو کہ دل کو راحت ملے۔ امیر نے لوح کو دیکھ کر جامِ شراب کا اس کے ہاتھ سے لے کے اسمِ اعظم پڑھ کر اس کے سر پر ڈال دیا۔ فوراً اس کے بدن سے آگ کا شعلہ نکلا اور وہ بات کی بات میں جل گئی۔ پھر ایک شور و غل برپا ہوا کہ شکنندۂ طلسم نے اسرار جادو کو بھی مارا۔ بعد ایک ساعت کے امیر جو دیکھیں تو لبِ دریا ایک پہاڑ ہے، اس کے غار سے نوبت کی صدا آتی ہے۔ امیر اس غار کے اندر گئے۔ دیکھا کہ عفریت بے خبر پڑا سوتا ہے اور اس کے خراٹوں کی آواز مثل صدائے نوبت دور دور جاتی ہے۔ صاحبقراں نے دل میں کہا کہ سوتے کو مارنا کمال نامردی ہے۔ خنجرِ رستم کمر سے نکال کر اس زور سے اس کے پاؤں میں مارا کہ قبضے تک گھس گیا۔ عفریت نے پاؤں دے مار کے کہا کہ کیا مچھروں نے ستایا ہے، نیند بھر کے سونے بھی نہیں دیتے۔ صاحبقراں نے اپنے دل میں کہا کہ سبحان اللہ، ایسی ضرب کو مردک مچھر سمجھتا

ہے! امیر نے دونوں ہتھے اس کے گانٹھ کر زور سے اس کو دبا کے ایک نعرہ اللہ اکبر کا اس زور سے کیا کہ تمام کوہ و صحرا میں بھونچال سا آ گیا۔ عفریت گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ نیند کے خمار میں سمجھا کہ زمین پھٹ گئی یا آسمان زمین پر گر پڑا۔ آنکھیں مل کر جو دیکھا تو زلازلِ قاف کی صورت نظر آئی۔ بید سا کانپنے اور کہنے لگا کہ اے آدم زاد، میں جانتا ہوں کہ تو میرا ملک الموت ہے، اس لیے میں یہاں آ کر چھپا تھا، مگر تو یہاں بھی آیا۔ بہر حال اب مروں یا جیوں، مگر تجھ کو بھی جیتا نہ چھوڑوں گا۔ یہ کہہ کر دار شمشاد کہ جس میں چند آسیا سنگ جڑے ہوئے تھے، امیر پر لگایا۔ امیر نے عقربِ سلیمانی پر اس کو روک کے دو ٹکڑے کیا اور ایک ہاتھ عفریت کی کمر میں لگایا۔ عفریت دو ٹکڑے تو ہوا لیکن ایک تسمہ لگا رہا۔ عفریت نے کہا کہ اب تو آدم زاد، تو نے مجھ کو مارا۔ ایک ہاتھ اور لگا، کہ یہ تسمہ جو لگا ہے جدا ہو جائے۔ صاحبقراں نے ایک ہاتھ اور لگایا۔ تسمے کا جدا ہونا تھا کہ دونوں ٹکڑے فلک پر اڑے گئے اور وہاں سے دو عفریت ہو کر صاحبقراں کے سامنے آئے۔ غرض کہ دو پہر کے عرصے میں ہزاروں عفریت پیدا ہوئے۔ صاحبقراں کمال پریشان ہوئے کہ جس کو مارتا ہوں، ایک کے دو بن کر سامنے آتا ہے۔ اس میں داہنی طرف سے آواز سلام علیک کی آئی۔ صاحبقراں نے پھر کر جو دیکھا تو دیکھا، حضرت خضرؑ ہیں۔ صاحبقراں نے جواب سلام کا دے کر استغاثہ کیا کہ یا حضرت، مارتے مارتے میرے دونوں بازو شل ہو گئے لیکن عجب ماجرا ہے کہ جس کو مارتا ہوں ایک کا دو ہو کر مقابلے کو آتا ہے۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ اے صاحبقراں، یہ محنتِ شاقہ تو نے اپنے ہاتھ مول لی، نہیں تو ایسا نہ ہوتا۔ تو جانتا ہے کہ یہ طلسم ہے، اور بے دیکھے لوح کے جو جی چاہتا ہے سو کر بیٹھتا ہے۔ اب ایک کام کر کہ یہ اسم جو تجھ کو بتاتا ہوں، تیر پر دم کر کے ان دیووں میں سے جس کی پیشانی پر ایک خال عقیق سا چمک رہا ہے، اس پر مار، یہ بلا دفع ہو گی۔ صاحبقراں نے ارشادِ حضرت خضرؑ پر عمل کیا۔ دیکھا کہ کوئی دیو نہیں ہے، وہی عفریت دو ٹکڑے ہوا پڑا ہے، مگر سر عفریت کی گردن پر نہیں ہے۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ اے صاحبقراں، ان دیووں کے پیدا ہونے کا سبب سمجھے یا نہیں؟ صاحبقراں نے کہا کہ خدا جانے یا آپ، کہ پیغمبرِ خدا ہیں۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ عفریت کی ماں اسی غار میں عفریت کا سر لیے بیٹھی ہے۔ دھنیے کے پتے اس کے خون میں ڈبو کر سحر دم کر کے آسمان پر پھینکتی تھی۔ اس کا ایک عفریت دو بن کر تیرے مقابلے کو آتا تھا۔ غار میں چل کر اس کو بھی مار کہ طلسم فتح ہو۔ صاحبقراں حضرت خضرؑ کے ساتھ غار کے اندر گئے۔ ملعونہ جادو نے جو حضرت خضرؑ کو صاحبقراں کے ساتھ دیکھا، طیش کھا کر بولی کہ اے پیر مرد، معلوم ہوا کہ یہ سب فساد تیرا ہے۔ تو نے ہی اس آدم زاد کے ہاتھوں میرے بیٹے کو مروا ڈالا۔ بہر حال، میں تجھ کو بھی جیتا نہ چھوڑوں گی۔ یہ کہہ کر جادو کرنے لگی۔ حضرت خضرؑ نے ایک افسوں دم کر کے اس ملعونہ کے سر پر جو پھونکا، آناً فاناً میں وہ جہنم واصل ہوئی اور آثار طلسم کے دور ہو گئے۔ حضرت خضرؑ نے

صاحبقراں کو فتحِ طلسم کی مبارکباد دی اور فرمایا کہ خودِ طلائی اور گوہرِ شب چراغ عفریت کے سر پر سے لے لے، کہ ایسا ہی ایک گوہرِ شب چراغ سفید دیو سے ہاتھ آئے گا، دونوں کو تاج میں لگانا۔ اور ایک جامِ بزرگ تر، کہ جس میں ساڑھے تین من تبریزی شربت آئے، امیر کو دے کر فرمایا کہ یہ تمھاری مجلس کے کام آئے گا۔ امیر نے عرض کی کہ یا حضرت، میں بھوکا ہوں۔ حضرت نے ایک کلچہ عنایت کیا۔ امیر نے اس کلچے میں سے پیٹ بھر کے کھایا، مگر کلچہ جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ حضرت خضرؑ نے ایک مشکیزہ بھی پانی کا عطا کیا اور فرمایا کہ ان دونوں چیزوں کو اپنے پاس رکھو کہ قاف میں رہنے تک بھوکے پیاسے نہ رہو۔ اور جب یہ کلچہ و مشکیزہ تمھارے پاس سے غائب ہو جائے تب تم جانیو کہ عنقریب پردۂ دنیا میں تمھارا جانا ہوگا۔

یہ کہہ کر حضرت خضرؑ تو رخصت ہوئے، امیر نے جو کئی دن کے بعد سیر ہو کر کلچہ کھایا، ست ہو کر اسی چٹان پر کہ عفریت سوتا تھا، لیٹتے ہی سو گئے۔ تیسرا نعرہ کرنا یاد نہ رہا۔ پریزاد جو کوہِ زہرمہرہ پر تیسرے نعرے کی صدا کے منتظر تھے، بہ سبب نہ سننے نعرۂ سوم کے شہپال کو امیر کے مارے جانے کی خبر دینے گئے۔ ہرگاہ شہپال نے پریزادوں سے امیر کی سنانی سنی، بے اختیار رونے لگا اور عبدالرحمن سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے ناحق فرزندِ ابراہیم کا خون اپنی گردن پر لیا۔ عبدالرحمن نے اسی دم جفر و نجوم دیکھ کر بیان کیا کہ صاحبقراں ملعونہ جادو اور عفریت کو مار چکے، مگر تھوڑی سی ستارے کی نحوست باقی ہے، اس سبب سے تیسرا نعرہ کرنا بھول گئے۔ چلیے چل کر ان کو لے آئیں۔ شہپال نے اسی وقت شادیانے بجانے کا حکم دیا اور مع سردارانِ قاف سوار ہو کر شہرستانِ زرّیں کو چلا۔ آسمان پری نے جو مژدہ فتح کا سنا، بے اختیار خوش ہو کے صاحبقراں کے شوقِ دیدار میں بہ کمال تیز پری اڑی اور سب سے آگے پہنچی۔ دیکھے تو صاحبقراں ایک غار میں پڑے سوتے ہیں اور چہرے پر دھوپ آ گئی ہے۔ آسمان پری نے ایک پر سے امیر کے منھ پر سایہ کیا اور دوسرے پر سے ہوا دینے لگی۔ امیر کو جو آرام ملا، امیر نے آنکھیں کھول دیں۔ دیکھیں تو آسمان پری ایک پر سے تو سایہ کیے ہوئے ہے اور دوسرے پر سے ہوا دے رہی ہے۔ اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا اور اس کے رخسارۂ قمر طلعت پر بوسہ دیا اور یہ مروّت و محبت اس کی دیکھ کر نہایت شیدا ہوئے اور کہنے لگے کہ اے جانِ جہان وا ے زندگانیِ صاحبقراں، اس وقت تیرے یہاں آنے کا سبب کیا ہے؟ آسمان پری بولی کہ تمھاری فتح کی خبر سن کر آئی ہوں اور بادشاہ بھی پیچھے آتے ہیں۔ امیر نہایت خوش ہوئے اور اس نازنین کو اپنے پہلو میں بٹھلا لیا اور دل خوش کن باتیں کرنے لگے، کہ شہپال شاہ کی سواری پہنچی۔ امیر تخت دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بادشاہ نے بھی تخت سے اتر کر امیر کے دست و بازو کو بوسہ دیا اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھلا کے گلستانِ ارم میں لے آئے اور مجلسِ شاہانہ ترتیب دی۔ جہاں تک پریزاد و شہریار و سردار قاف کے حاضر تھے، سبھوں نے امیر پر سے زر و جواہر نثار کیا اور مبارکباد

دے کر نذریں فتح کی گذرانیں اور پریزادوں کا ناچ ہونے لگا۔ بادشاہ نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ تم کہتے تھے کہ جفت آسمان پری کا حمزہ ہے، پھر اس وقت سے بہتر کون وقت ہوگا، کہ تمام شہر یار و سردار قاف کے حاضر ہیں۔ آسمان پری کو صاحبقراں کے ساتھ نامزد کیوں نہیں کرتے؟ عبدالرحمٰن نے اٹھ کر ترنج خوشبو کا امیر کے سینے پر مار کے مبارکباد دی۔ صاحبقراں نے پوچھا کہ یہ ترنج کیسا مارا اور مبارکباد کیسی دی؟ عبدالرحمٰن نے عرض کی کہ بادشاہ نے آپ کو اپنی دامادی میں قبول کیا۔ امیر نے کہا کہ مجھ کو کسی طرح منظور نہیں ہے، کیونکہ ہرگاہ میں نے آسمان پری کے ساتھ شادی کی تو میرا پردۂ دنیا کا جانا رہا۔ دوسری قباحت یہ ہے کہ میں نے مہر نگار، دخترِ نوشیرواں بادشاہِ ہفت کشور، سے عہد کیا ہے کہ جب تک میں تم سے عقد نہ کرلوں گا، تب تک کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھوں گا، پس میں اپنے قول کے خلاف نہیں کرسکتا۔ عبدالرحمٰن بولا کہ یا صاحبقراں آپ نے وعدہ پردۂ دنیا پر کیا تھا اور یہ پردۂ قاف ہے۔ باقی آپ کو بھیجنا دنیا کی طرف میرا ذمہ ہے۔ امیر نے کہا کہ کب تک پردۂ دنیا میں مجھے پہنچا دو گے؟ عبدالرحمن بولا کہ یا صاحبقراں، یہ وعدۂ قاف ہے، اس میں تکرار نہ کیجیے، مگر ایک برس کے بعد آپ کو دنیا میں پہنچا دوں گا۔ امیر نے بجز اقبال کے چارہ نہ دیکھا کہ برخلاف ہوکر دنیا میں جا نہیں سکتے تھے۔ شہپال شاہ شادی کی تیاری میں مصروف ہوا اور تمام شاہان و سرداران پردۂ قاف کو نامہ لکھ کر طلب کیا۔ چنانچہ پردہ ہائے زمرد و یاقوت و زرطشت و زردشت و پکھراج و تاریکی و ظلمات وغیرہ کے بادشاہ اپنے اپنے ملک کے تحائف لے کر گلستانِ ارم میں داخل ہوئے۔

چونکہ عفریت و ملعونہ جادو کے قتل کی خبر تمام اقلیم قاف میں پہنچی تھی، دیو سمندون ہزار دست سن کر بہت خیرہ و دمغ ہوا کہ بادشاہ نے زلازلِ قاف کو چک سلیمان نامی ایک آدم زاد کو پردۂ دنیا سے بلا کر عفریت سے دیو اور اس کے باپ ماں کو قتل کروایا اور طلسمات شہرستان زرّیں کو تڑوایا اور خود آکر اس کو گلستانِ ارم میں لے گیا اور اپنی بیٹی سے نامزد کیا، بہت برا کیا۔ حال مجھ پر واجب ہوا کہ میں عفریت کے خون کا بدلہ لوں۔ یہ کہہ کر سفید دیو کو، کہ اس کا سپہ سالار ہے، چار سو دیو ساتھ کر کے بھیجا کہ جلد جا کر اس آدم زاد کو لے آؤ۔ اتفاقاً اس روز جشن شادی کا تھا۔ بادشاہ بارگاہِ سلیمانی میں تختِ طاؤس پر جلوہ افروز تھے اور صاحبقراں اس تخت پر کہ حضرت سلیمان نے برخیا نامی اپنے وزیر کے واسطے بنوایا تھا، بہ کمال شکوہ و شہامت رونق افزا تھے اور شاہان و سردارانِ قاف نیم تخت و صندلیوں پر اپنے اپنے موقعے سے بیٹھے ہوئے تھے، کہ سفید دیو چار سو دیو سے کہ بھالا، زنگالہ، دار شمشاد آسیا سنگ، ارہ پشت نہنگ ہاتھوں میں لیے تھے، بارگاہ میں در آیا اور بادشاہ سے ابتدا بہ ساکن کہنے لگا کہ اے شاہ، سمندون ہزار دست نے کہا ہے کہ شاہ نے قومِ دیواں پر بڑا ظلم کیا کہ پردۂ دنیا سے آدم زاد کو بلا کر عفریت سے سردار کو اس کے باپ ماں سمیت قتل کروایا، اچھا نہ کیا۔ اب بادشاہ کو مناسب ہے

کہ اس آدم زاد کو میرے پاس بھیج دیوے کہ میں عفریت کے عوض میں اس کی بوٹیاں اور ہڈیاں دیووں کو تقسیم کروں۔ صاحبقراں اس ناپاک کی تقریر سن کر دمغ ہوئے اور بولے کہ اے مردک، گردن زدنی، کیا بیہودہ بکتا ہے! اس الّو سے جا کر کہہ دے کہ اگر تجھ کو عفریت کی ملاقات کی تمنّا ہے تو میرے پاس آ، میں تجھ کو بھی اس کے پاس بھیج دوں۔ سفید دیو امیر کی گفتگو سن کر ناخوش ہو کے بولا کہ اے آدم زاد، سیاہ سر دنداں سفید، معلوم ہوا کہ تو ہی کشندۂ عفریت ہے۔ چل، تجھ کو میرے سردار نے بلایا ہے۔ یہ کہہ کر ہاتھ امیر کی طرف بڑھایا۔ صاحبقراں نے خدا کو یاد کر کے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایسا جھٹکا مارا کہ دونوں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اور کمر سے خنجر نکال کر اس کے سینے پر جو مارا، ایک آہ کے ساتھ دم اس کا نکل گیا۔ دیواں، ہمراہی اُس کے، سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ جتنے شاہان و سردارانِ قاف تھے صاحبقراں کے زور پر عش عش کرنے لگے۔ بادشاہ نے خوانچے زر و جواہر کے امیر پر سے نثار کیے اور سفید دیو کی لاش کو صحرا میں پھنکوا دیا۔ اور چونکہ وہ دن شادی کا تھا، کئی منزل تک دو رویہ ٹٹیاں روشنی کی اور سڑک درمیان میں دے کر آتش بازی کی باڑھ گاڑی تھی اور روشنی کے متصل آرائش سے چمن بندی کی تھی۔ جو کوئی دیکھتا تھا، سچ مچ کا باغ اس کو دکھائی دیتا تھا۔ جب صاحبقراں کو خلعتِ شاہانہ پہنا کر بارگاہِ سلیمانی سے سوار کر کے حرم سرائے شاہی کی طرف لے چلے۔ جتنے شاہان و سرداران و پریزادانِ قاف تھے، مثلِ قمر در حلقۂ انجم، صاحبقراں کو لیے جاتے تھے، اور نوبت خانہ سلیمانی تختوں پر بجتا جاتا تھا اور پریزاد سامنے تخت کے معلّق ہوا پر گاتے ناچتے جاتے تھے۔ اور حقّے آتش بازی کے فلک پر سے جو چھوٹتے تھے تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ ستارے جھڑتے ہیں۔ چونکہ طوالت کتاب کی منظور نہیں، اس واسطے بارات کے بیان کو قصہ خواں کے حوالے کیا، ضروری چند فقرے لکھے گئے۔ الغرض اس شکوہ و شوکت سے نوشاہ عروس کے گھر پہنچا۔ عبدالرحمٰن نے پہر رات باقی رہے امیر کا عقد آسمان پری کے ساتھ باندھا۔ بادشاہ نے کئی ملک قاف کے آسمان پری کو جہیز میں دیے۔ ہر گاہ صاحبقراں محل میں گئے۔ بعد از آں فراغِ رسومات، آسمان پری کو چھپر کھٹ پر بغل میں کھینچا اور دادِ عیش کی دی۔ خدا کی قدرت سے اسی شب کو آسمان پری کے بطن میں نطفے نے قرار پایا۔ صبح کو امیر غسل کر پوشاک بدل بارگاہ میں آئے۔ صحبت عیش و نشاط کی گرم ہوئی۔ خلاصہ، شبانہ روز امیر کے واسطے عیش مہیا تھا لیکن امیر روز و شب دن گنا کرتے تھے کہ کب سال تمام ہو اور میں پردۂ دنیا پر جاؤں۔

اب صاحبقراں کو ماہ و سال و روز و ساعت شماری میں چھوڑ کر چند کلمہ داستان دارائے ملکِ عظمت و جبروتی، رستمِ زماں، رکن السلطنتِ صاحبقراں، نبیرۂ شیث پیغمبر، خسروِ ہندوستاں، ملک لندھور بن سعدان کے بیان کروں۔ واضح ہو کہ جب ملک لندھور امیر سے رخصت ہو کر جہاز پر سوار ہوا اور لنگر جہاز کا اٹھایا گیا، دوسرے دن بہرام سے بھی ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ صاحبقراں نے اس کو بھی مدد کے واسطے بھیجا ہے۔ خسروِ

ہندوستان نہایت خوش ہوا۔ پانچویں دن ایک طوفان آیا۔ تین دن تک جہاز تہلکے میں رہے، چوتھے روز امان ہوئی۔ معلوم ہوا کہ جس جہاز پر بہرام تھا وہ جہاز نہیں ہے۔ لندھور کو نہایت رنج ہوا کہ صاحبقراں نے بہرام کو میری مدد کے واسطے بھیجا تھا، پوچھیں گے تو کیا جواب دوں گا۔ بہرام کا حال سنیے کہ جہاز جو طوفانی ہوا تھوڑی دور جا کر تختہ تختہ اس کا الگ ہو گیا۔ بہرام ایک تختے پر بہتا بہتا کنارے پہنچا۔ خشکی میں اتر کر سجدۂ شکرِ الٰہی بجالایا اور پیدل ایک سمت کو روانہ ہوا۔ دو تین فرسنگ گیا ہوگا کہ ایک قافلہ سوداگروں کا ایک مقام پر اترا دیکھا۔ دل میں کہا کہ ایسا نہ ہو اس قافلے میں کوئی جان پہچان نکلے۔ اس واسطے قافلے سے تفاوت پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ہر طرف نگاہ کرنے لگا۔ قضا کار قافلہ سالار سیر کرتا ہوا ادھر آ نکلا۔ بہرام سے پوچھا کہ اے جوان، تو کون ہے اور کہاں سے آتا ہے؟ بہرام نے کہا کہ تاجر ہوں، جہاز میرے تباہ ہو گئے، میں ایک تختے پر بچ کے کنارے آ لگا۔ اب دیکھیے کہ تقدیر کیا نیرنگ دکھاتی ہے۔ قافلہ سالار نے کہا کہ اے عزیز، دولت میرے پاس بے شمار ہے مگر اولاد نہیں ہے۔ میں نے تجھ کو اپنا فرزند کیا۔ چل میرے ساتھ کسی طرح کا رنج نہ دیکھے گا۔ بہرام اس کے ساتھ گیا۔ اس نے نہلوا کے پوشاکِ فاخرہ پہنائی اور اپنے ہمراہ لے کر وہاں سے کوچ کیا۔ بہرام نے سوداگر سے پوچھا کہ تم کس طرف جاؤ گے؟ اس نے کہا کہ ملک مانڈو میں، جو پایۂ تختِ ملک شعیب ہے اور وہاں سے سراندیب بھی نزدیک ہے۔ بہرام اپنے دل میں بہت خوش ہوا کہ خدا کرے گا تو بہت جلد لندھور سے ملاقات ہوگی۔ بارے کئی دن میں قافلہ شہر مانڈو میں پہنچ کر کارواں سرا میں اترا۔ دوسرے دن سوداگر نے بہرام کو لے کر حمام کیا اور پوشاک بدل کے بازار کی سیر کو گیا۔ چوراہے پر بازار کے ایک ہشت پہلو چبوترہ، اس پر ایک چوکی اور اس چوکی پر ایک کمان اور پہلو میں اس کے ایک بدرہ اشرفیوں کا رکھا ہوا دیکھا۔ بہرام نے نگہبانوں سے پوچھا کہ یہ کمان و بدرہ کیسا ہے؟ وہ بولے کہ ضیغم نامی ہمارے بادشاہ کا سپہ سالار ہے، یہ کمان اس کی ہے۔ چونکہ وہ اسے کھینچ نہیں سکتا ہے اس لیے اس نے مع بدرۂ زرِ سرخ یہاں رکھوا دی ہے کہ جو کوئی اس کمان کو کھینچے، وہ یہ توڑا اشرفیوں کا لے۔ بہرام نے پوچھا کہ میں اس کمان کو کھینچوں؟ وہ بولا کہ تو کر پاس فروش سا تو نہیں ہے، تو کمان کھینچنے کی قدر کیا جانے؟ بہرام نے کہا کہ اے عزیز، زور دادِ الٰہی ہے، کیسا کر پاس فروش اور کیسا کوئی! بہرام سے اور نگہبانوں سے تکرار ہو ہی رہی تھی کہ نیک رائے وزیرِ شعیب شاہ کی سواری ادھر سے نکلی۔ پوچھا کہ یہ کیا اجماع ہے؟ ہرکاروں نے کیفیت بیان کی۔ نیک رائے خود اس مجمعے میں گیا اور بہرام سے مخاطب ہو کر پوچھنے لگا کہ اے جوان، تو اس کمان کو کھینچے گا؟ بہرام بولا کہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے، آزما لیجیے۔ نیک رائے نے کہا کہ اچھا ہم بھی دیکھیں، کھینچو تو۔ بہرام نے بسم اللہ کر کمان کو اٹھا، قبضہ اس کا اپنے قبضے میں لے، چلّا کو تا بنا گوش پہنچا کر سات قلّاب دیے۔ حاضرین نے احسنت و آفرین کی، لیکن ضیغم کے نوکروں کو اس

کا کمان کا کھینچنا شاق ہوا۔ چلّا چلّا کے بیہودہ گفتگو کرنے لگے۔ بہرام نے جھنجھلا کے کئی آدمیوں کو گھونسوں سے مار ڈالا۔ نیک رائے نے ان کو دھمکایا اور بہرام کو لے کر اپنے مکان پر گیا۔ ضیغم نے جو سنا کہ ایک سوداگر نے میری کمان کو کھینچ کر بدرہ اشرفیوں کا بھی لیا اور کئی آدمی بھی میرے مار ڈالے، اور باوجود اس کی اس حرکت کے نیک رائے اس کو اپنے گھر لے گیا، طیش میں آ کر مسلّح ہو کے نیک رائے کے مکان میں گیا اور یہ سخن کہہ کر کہ اے گزی فروش، تو نے بھی یہ طاقت پائی کہ میری کمان کو کھینچا اور کئی آدمی میرے مار ڈالے! خنجر نکال کے بہرام پر دوڑا۔ بہرام نے اس کا ہاتھ پکڑ کے خنجر چھین لیا اور ایک گھونسا ایسا اس کے سر پر مارا کہ مغز اس کا ناک کی راہ سے نکل آیا۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی۔ فوراً نیک رائے وزیر کو مع بہرام طلب کیا۔ جب بہرام سامنے گیا، ملک شعیب نے ترشرو ہو کر کہا کہ اے خیرہ سر، تیری یہ قدرت کہ میرے سپہ سالار کو مارے! بہرام نے عرض کی کہ آپ کاہے کو ایسے بودے سپہ سالار رکھتے ہیں کہ ایک گھونسے میں مر جائیں۔ بادشاہ کو یہ بات بہرام کی بہت پسند آئی۔ اسی وقت بہرام کو خلعت سپہ سالاری کا عطا کر کے ضیغم کا دنگل بیٹھنے کو دیا۔ بہرام نے اس کمان کو چند بار بادشاہ کے روبرو کھینچ کر حکم دیا کہ اسی چبوترے پر اس کمان کو مع بدرۂ زرِ سرخ رکھ دو اور جو کوئی اسے کھینچے، ہم کو خبر کرو۔ بادشاہ کو اس حرکت سے لیاقت و آدمیت بہرام کی ثابت ہوئی۔ اسی دن اپنی بیٹی کا عقد بہرام کے ساتھ کر دیا اور کہا کہ میں نے نصف سلطنت تجھ کو دی۔ دو پہر تم تخت پر بیٹھ کے فرمانروائی کرو اور دو پہر میں حکومت کروں گا۔ اب دو کلمہ لندھور خسرِ و ہندوستان کے سنیے کہ لندھور جو بندرِ سراندیب میں پہنچا، جہازوں کو لنگر دے کر لشکر سمیت خشکی میں اترا اور چند روز وہاں توقف کر کے لشکر آراستہ کیا۔ بعد ازاں قلعۂ صابر و صبور کی طرف روانہ ہوا۔

پہنچنا خسروِ ہندوستان ملک لندھور بن سعدان کا قلعۂ صابر وصبور پر

راوی لکھتا ہے کہ جے پور شاہ، جس کو ملک لندھور خسروِ ہندوستان تخت پر بٹھلا کے صاحبقراں کے ساتھ مدائن کی طرف گئے تھے، مدت سے ملک سارج اور فیروز ترک اور اجروک خوارزمی اور مہلہل سگسار کے ہزیمت دینے سے قلعہ بند تھا۔ بالفعل فوج نے جے پور سے کہا کہ قلعہ بند کب تک رہیں گے؟ حکم ہو تو میدان میں نکل کر غنیموں سے لڑیں، ماریں یا مریں۔ جے پور نے کہا کہ جیسی تمھاری مرضی۔ اسی وقت ایک ایلچی بھیج کر غنیموں سے کہلا بھیجا کہ قلعے سے ہٹ کر میدان دو تو ہمارے تمھارے صفِ جنگ ہو۔ ملک سارج وغیرہ اس پیام سے بہت خوش ہوئے اور وہاں سے اٹھ کر فاصلے سے ڈیرے ڈالے اور طبلِ جنگ بجوایا۔ قلعے میں بھی تمام رات طبلِ جنگ بجا کیا۔ صبح کو طرفین کے لشکر نے صف آرائی کی۔ سب سے پہلے مہلہل سگسار اپنے کرگدن کو میدان میں نکال کر مبارز طلب ہوا۔ ادھر سے جے پور شاہ نے اپنا مرکب اٹھایا۔ ہنوز کسی کا حربہ نہ چلا تھا کہ سامنے سے ایک گردِ غلیظ، تیرہ تیرہ وخیرہ خیرہ اٹھی۔ جب گرد نے مارا باد کو، اور باد نے مارا گرد کو، ستر نشان علامت ستر ہزار فوج کی نمودار ہوئے اور آگے آگے لندھور بن سعدان فیلِ میمونہ پر سوار، گرز گراں بارِ عدو کوب، برادرِ کوچک ملک الموت، کہ عبارت خوردی و مُردی کی اس پر منقش تھی، ہاتھ میں لیے ہوئے چلا آتا تھا۔ جب رزمگاہ میں پہنچا، مہلہل سگسار کے سامنے آ کر للکارا کہ او اجل رسیدہ، تیرا ملک الموت میں ہوں۔ لا کیا ضرب رکھتا ہے؟ مہلہل نے گرز خسرو پر مارا۔ خسرو نے اس کے گرز کو اپنے گرز پر روک کر گرز اپنا اس کے حوالے کیا۔ مہلہل سگسار کی ہڈیاں سرمہ ہو کر خاک میں مل گئیں۔ اس کو مار کر خسرو نے نعرہ کیا کہ ہے کوئی ایسا کہ مجھ سے مقابلہ کرے؟ مہلہل کے مرتے ہی سب کے جی چھوٹ گئے، کسی نے کچھ جواب نہ دیا اور لشکرِ کفار منتشر ہو کے بھاگا۔ تب تو لندھور نے

فیلِ میمونہ کو فوجِ کفّار پر ہولا اور فوجِ ہند نے بھی گھوڑے اٹھائے۔ بہت سے لوگ لشکرِ کفار کے مارے گئے اور بقیۃ السیف جان لے کر بھاگے۔ لشکرِ ہند کے ہاتھ بڑی لوٹ آئی، ہر ایک امیر ہو گیا۔ خسروِ ہند ہشاش و بشاش قلعے میں داخل ہوا اور جشنِ شاہانہ ترتیب دیا۔ ملک سارج اور اجروک خوارزمی نے دو پہلوانِ نامی، کہ ہر ایک لاکھ سوار پیدل کا مقابلہ کرتا تھا، اپنی مدد کو بلائے۔ ایک کا تو نام ہراس فیل دنداں تھا اور دوسرے کو مغلوب فیل زور کہتے تھے۔ اور تین لاکھ سوار نئے سرے سے جمع کر کے قلعے کے مقابل خیمہ زن ہوا اور اسی دم طبلِ جنگ بجوایا۔ لندھور نے بھی طبلِ جنگ بجنے کا حکم دیا۔ صبح کو دونوں جانب سے لشکر صف آرا ہوئے۔ سب سے پہلے ہراس فیل زور میدان میں آ کر مبارز طلب ہوا۔ لندھور نے فیلِ میمونہ کو اس کے مقابل کیا اور برابر آ کر کہا کہ اے بہادر، لا کیا ضرب رکھتا ہے؟ ہراس نے تیغۂ زیر رکابی، کہ چار سو من تبریزی وزن میں تھا، میان سے لے کر لندھور کے سر پر مارا۔ خسرو نے بہ زورِ علمِ سپاہ گری و قوتِ بازو اس کو رد کیا، اور شمشیرِ الماس دم غلاف سے نکال کر کہا کہ خبردار ہو جا! یہ نہ کہنا کہ غفلت میں مجھ کو مارا۔ اس کے سر پر ماری۔ ہر چند اس نے بھی سپر کو سر کی پناہ کیا لیکن شمشیر و دستِ خسروِ ہند ایسا نہ تھا کہ وار خالی جاتا۔ سپر کو مثلِ گردہ پنیر کاٹ کر تلوار سینے میں جا اتری۔ ہراس فیل زور کتّے کی موت مارا گیا۔ بھائی نے اس کے جو اس کو گرتے دیکھا، خون اس کی آنکھوں میں اتر آیا۔ فوراً اپنے کرگدن کو دوڑا کر لندھور کے برابر آیا اور کہا کہ تو نے بڑا غضب کیا، میرے بھائی کو مارا۔ اب میں تجھ کو کب جیتا چھوڑتا ہوں۔ لندھور بولا کہ غمِ فرقت نہ کھا، میں تجھ کو بھی اس کے پاس بھیجتا ہوں۔ لا، کیا ضرب رکھتا ہے؟ اس نے ایک ہاتھ خسرو کے لگایا۔ خسرو نے اس کو خالی دے کے وہی تلوار خون بھری ہوئی اس کی کمر میں جو لگائی، مانندِ خیارِ تر دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اجروک و سارج نے اس کو موا دیکھ کر تین لاکھ سوار سے باگ اٹھائی، اور ادھر سے لشکرِ ہند نے بھی اپنے مرکب اٹھا دیے۔ دو پہر کامل تلوار چلی۔ اجروک و سارج نے دیکھا کہ فوج بہت لقمۂ نہنگِ اجل ہوئی اور لشکرِ ہند غالب ہے، ناچار طبلِ بازگشت بجوا کر، بادلِ گریان و جگرِ بریاں، اپنی فرودگاہ پر آئے۔ ملک لندھور شادیانے بجواتا ہوا اپنی بارگاہ میں داخل ہوا۔ ملک سارج مغموم و محزوں خیمۂ محل سرا میں جو گیا، زوجہ و دختر اس کی سبب دلگیری و حزن کا پوچھنے لگیں۔ بولا کہ لندھور کے ہاتھ سے جان بچتی نظر نہیں آتی۔ جنگِ اوّل میں اس طرح شکست دی۔ باوجودیکہ ہم چار بادشاہ ایک دل تھے، مگر کچھ بن نہ آئی۔ تمام فوج درہم و برہم ہوئی۔ اب جنگِ دوم میں ایسے دو پہلوان مارے کہ فوج کا جی چھوٹ گیا۔ ہر چند میں نے تین لاکھ سوار سے جنگِ مغلوبہ کی، مگر کچھ سود نہ ہوا۔ لاکھ آدمی سے زیادہ میرے لشکر کا مارا گیا اور گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا۔ سوائے اس کے کچھ چارہ نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنا جوہر کروں۔ اس کی دختر بولی کہ اگر کہو تو میں لندھور کو باندھ لاؤں۔ سارج نے پوچھا، کیونکر؟ اس نے کہا کہ اس سے تم کو کیا کام ہے؟ کام آم کھانے سے ہے یا پیڑ گننے سے؟ وہ بولا

کہ اس سے کیا بہتر ہے! اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ وہ خام پارہ ایک خیمۂ عالیشان مرغزار کے متصل ایستادہ کروا کے چار سو ماہرویانِ قمر طلعت کو ساتھ لے کر خیمے میں داخل ہوئی اور محفل راگ و رنگ کی برپا کی۔

ملک لندھور نے دیکھا کہ ہنوز غنیم ہزیمت اٹھا کر شکستہ دل گوشۂ حزن میں بیٹھا ہوا ہے، پس اوقات ضائع کرنا کیا ضروری ہے؛ جب تک طبلِ جنگ بجواوے، شکار کھیلنا چاہیے۔ سامانِ شکار ہمراہ لے کر مرغزار کی طرف روانہ ہوا۔ قریب مرغزار کے ایک خیمہ عالیشان ایستادہ اور اس میں پری رویانِ ماہ وش کا جمگھٹ بہ ناز آمادہ دیکھا۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ خیمہ کس کا ہے؟ معلوم ہوا کہ دخترِ ملک سارج سیر کو آئی ہے۔ لندھور اس کے دیدار کا مشتاق ہو کر ایک پتھر پر، کہ اس سنگدل کے خیمے کے متصل پڑا ہوا تھا، جا بیٹھا۔ اس مکارہ نے چلمن سے جو لندھور کو دیکھا، ایک نازنین کے ہاتھ جام شراب بھیجا۔ لندھور نے اس سے کہا کہ وہ مجھ کو کیا جانے؟ بولی کہ آپ کو جس دن سے رزمگاہ میں دیکھا ہے اس دن سے ملکہ زخم خوردۂ تیرِ عشق حضور ہے۔ لندھور اور بھی زیادہ فریفتہ ہوا۔ اس میں ایک نازنین دوسری آئی اور کہنے لگی کہ آپ کو ملکہ صاحبہ بلاتی ہیں۔ لندھور خوش خوش خیمے میں گیا۔ دیکھا کہ ایک معشوقہ چاردہ سالہ، رشکِ خورشید، زیب و زینت کیے ہوئے، تخت پر بیٹھی شراب پی رہی ہے اور کئی سو ماہرو، جس طرح سے ماہ کو انجم گھیرے رہتے ہیں، گرد اس کے حلقہ زن ہے اور رقاصانِ پری پیکر و سرائندگانِ داؤد الحان سرگرم رقص و سرود ہیں۔ لندھور یہ صحبت دیکھ کر کمال محظوظ ہوا اور تخت پر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس نے کئی جام مئے گلگوں کے اپنے ہاتھ سے لندھور کو پلائے اور ہر جام کے بعد بصد ناز و کرشمہ عنابِ لب لندھور کو کھلانے لگی۔ لندھور ایسا نشۂ عشق میں سرشار ہوا، مطلق ہوش و حواس دنیا و مافیہا کا نہ رہا۔ گلے میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگا کہ اے جانِ لندھور، میری بارگاہ میں چل۔ اس محتالہ نے کہا کہ اس وقت روزِ روشن ہے، شب کو آ کر مجھے لے جاؤ گے تو میں چلوں گی۔ لندھور نے قبول کیا۔ اگرچہ دل اٹھنے کو نہ چاہتا تھا مگر مجبور رخصت ہو کے اپنی بارگاہ میں آیا اور شب کا انتظار کرنے لگا۔ آخر جب دن آخر ہوا، شب کو لباسِ شبروی پہن کر اس مکارہ کے پاس گیا۔ اس نے چند جامِ مئے بے ہوشی آمیختہ ایسے پلائے کہ لندھور مطلق بے ہوش ہو گیا۔ پہلے تو چاہا کہ باندھ کر اپنے باپ کے پاس بھیج دے، لیکن مقلب القلوب نے اس کے قلب کو پھیرا کہ ایک صندوق میں لندھور کو بند کر کے دریائے شور میں کہ وہاں سے پر متصل تھا، ڈال دیا اور اپنے باپ سے جا کر کہا کہ میں نے تمھارے حریف کو مار کر دریا میں پھنکوا دیا۔ وہ ملعون اس ملعونہ سے بہت خوش ہوا اور اسی دم طبلِ جنگ بجوایا۔ صبح کو جب دونوں لشکر صف آرا ہوئے، لشکرِ ہند نے جو ملک لندھور کو نہ دیکھا، چھوٹے سے بڑے تک کی کمر ٹوٹ گئی۔ سارج نے جنگِ مغلوبہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو شہید کیا۔ جے پور نے دیکھا کہ فوج بہ سبب نہ ہونے لندھور کے شکستہ دل ہے اور حریف غالب ہے، طبلِ بازگشت بجوا کر پھر بدستور قلعہ بند ہوا۔

لندھور کا حال سنیے کہ صندوق موجوں کے طمانچے کھاتا ہوا بہتا چلا جاتا تھا کہ ایک سوداگر کا جہاز سندھ سے آتا تھا، اس کے متصل پہنچا۔ جہازیوں نے صندوق کو نکال کر بے کھولے تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس نے جو صندوق کو کھولا، دیکھا کہ ایک جوان قوی ہیکل بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ سوداگر کو کمال ترس و رحم آیا اور صندوق سے نکال کر اس کو پلنگ پر لٹایا اور بے ہوشی کا اتار دیا۔ لندھور نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو نہ وہ خیمہ ہے، نہ وہ معشوقہ ہے، جہاز میں پلنگ پر لیٹا ہوا ہوں۔ متحیر ہو کر پوچھا کہ تم کون ہو اور یہ کون جگہ ہے؟ سوداگر نے کہا کہ میں سوداگر ہوں، سندھ سے آتا ہوں۔ آپ صندوق میں بہتے چلے جاتے تھے۔ جہازیوں نے صندوق کو نکالا۔ ان سے میں نے لے کر کھولا تو آپ کو بے ہوش دیکھا۔ پلنگ پر لٹا کے اتار بے ہوشی کا دیا۔ الحمد للہ کہ آپ ہوش میں آئے۔ اب اپنا احوال فرمایئے کہ آپ کون ہیں؟ خسرو نے اپنا نام و نسب جو ظاہر کیا، تاجر بھی مسلمان تھا، لندھور کے پاؤں پر گر پڑا اور کہا کہ میں آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی تمام سراندیب پہنچا دوں گا۔ لندھور نے پوچھا کہ اب کہاں جاؤ گے؟ سوداگر نے کہا کہ میں ملک مانڈو کو جاؤں گا۔ بارے کئی دن میں جہاز ملک مانڈو میں پہنچا۔ سوداگر نے جہاز کو لنگر دیا اور شہر میں جا کر متوقف ہوا۔

ایک دن خسروِ ہند بازار کی سیر کو نکلا۔ ناگاہ اسی طرف کو گذر ہوا جہاں وہ کمان اور توڑا اشرفیوں کا رکھا تھا۔ نگہبانوں سے پوچھا، یہ کمان کس کی ہے؟ وہ بولے کہ یہ کمان بہرام کی ہے۔ جو کوئی اس کمان کو کھینچے گا وہ یہ توڑا اشرفیوں کا لے گا۔ لندھور بہرام کا نام سن کر بہت اپنے دل میں خوش ہوا، مگر نگہبانوں سے کہا کہ بہرام میرا غلام ہے، مدت سے بھاگا ہوا ہے، شکر ہے کہ آج اس کا پتا لگا۔ یہ کہہ کر کمان کو اٹھا کر چند قلاّب دیے اور اشرفیاں لے کر اسی جگہ پر غریبوں کو لٹا دیں۔ نگہبانوں نے من و عن یہ خبر بہرام کو پہنچائی۔ بہرام نے یہ تقریر سن کر کہ بہرام میرا غلام ہے، بہت خیرہ ہو کے حکم دیا کہ اس کو جلد میرے پاس لے آؤ۔ وہ لوگ چند قدم گئے ہوں گے کہ خسرو کو آتے دیکھ کر اسی جگہ سے پلٹ کے بہرام کو خبر دی کہ وہ شخص خود چلا آتا ہے۔ بہرام نے بارگاہ سے نکل کر جو دیکھا، بے اختیار دوڑ کر قدموں پر سر جھکایا۔ خسرو نے اس کے سر کو چھاتی سے لگا لیا اور دونوں خوشی کے مارے بے ہوش ہو گئے۔ ملک شعیب یہ خبر سن کر اپنی بارگاہ سے نکل آیا اور دونوں پر عرقِ بید مشک اور گلاب چھڑکا۔ جب وہ ہوش میں آئے، ملک شعیب مستفسرِ کیفیت ہوا۔ بہرام نے اس دن تک اپنا حسب و نسب ملک شعیب سے ظاہر نہ کیا تھا، مگر اس وقت اپنا اور خسرو کا حال مفصل بیان کیا۔ ملک شعیب نے خسرو کا نام سنتے ہی خسرو کے قدم چومے اور بارگاہ میں لا کر خسرو کو تخت پر بٹھلایا اور آپ باادب ایک کرسی پر بیٹھا اور اسی وقت جشنِ شاہانہ ترتیب دیا۔ ایک ہفتے تک لندھور جشن میں مشغول رہا۔ بعد ازاں لشکر جمع کر کے بہرام کو اپنے ساتھ لے کر بہ کمال فر و شوکت سراندیب کی طرف روانہ ہوا۔

داستان احوال میں صاحبقرانِ گیتی ستاں، زلازلِ قاف، کوچک سلیمان امیر حمزۂ عالیشان کے

داستاں سرایانِ افسانۂ کہن سخن سنج ہیں کہ جب سال تمامی پر آیا، آسمان پری کے بطن سے ایک لڑکی آفتاب کی سی صورت پیدا ہوئی۔ بادشاہ تو بہت خوش ہوا لیکن صاحبقراں لڑکی کے پیدا ہونے سے کمال دلگیر ہوئے۔ بادشاہ نے معلوم کیا کہ صاحبقراں دختر کے پیدا ہونے کے سبب سے ملول ہوئے۔ خلعتِ سلیمانی دے کر کہا کہ یا امیر، یہ خدا کی دَین ہے، آپ کے ملول ہونے کا مقام کون سا ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ یا صاحبقراں، یہ لڑکی ایسی زورآور و صاحب نصیب ہوگی کہ تمام دیوانِ سرکشِ قاف کو زیر کرے گی اور صاحبقرانِ قاف کہلائے گی۔ ملال امیر کا یہ بات سن کر مبدل بہ خوشی ہوا۔ بادشاہ نے کئی مہینے تک نواسی کے پیدا ہونے کا جشن کیا۔

جب وہ لڑکی ششماہہ ہوئی، صاحبقراں نے ایک دن بادشاہ سے کہا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا میں بجالایا، اب مجھ کو پردۂ دنیا پر پہنچوا دیجیے۔ بادشاہ نے کہا کہ یا صاحبقراں، نفس الامر میں بہت تمھارا احسان مند ہوں اور اب مجھ کو تمھارے رخصت کرنے میں کچھ عذر نہیں ہے۔ لیکن قلعۂ سیمیں میں، جو قاف کے شمال ہے، خرچال و خرپال نامی دو دیو دس دس ہزار دیووں کی جمعیت سے رہتے ہیں، اور وہ قلعہ میرا موروثی ہے۔ اگر مناسب جانیے تو ان کو مار کر قلعہ متخلص کرتے جایئے، اور نہیں تو آپ کی جیسی مرضی۔ امیر نے کہا کہ بہرحال میں آپ کا تابع فرمان ہوں۔ سواری منگوایئے کہ اس طرف جاؤں۔ بادشاہ نے تخت منگوا کر امیر کو سوار کروایا اور دس ہزار نرہ دیو ہمراہ کیا۔ جب پانچ کوس قلعۂ سیمیں باقی رہا، امیر ایک میدانِ وسیع دیکھ کر تخت پر سے اتر پڑے۔ یہ خبر خرپال و خرچال کو بھی پہنچی۔ بیس ہزار دیو ہمراہ لے کر امیر کے لشکر کے سامنے صف آرا ہوئے۔ امیر نے اپنی فوج کا پرا باندھا۔ دیکھا کہ دو دیو صف لشکر سے نکل کر علیحدہ کھڑے ہوئے ہیں۔ مگر عجیب الخلقت ہیں، ایک

کے تو کان گدھے کے سے ہیں اور دوسرے کی صورت گدھے کی سی ہے۔ معلوم کیا کہ یہی دونوں سردار ہیں۔ اس میں پہلے خر چال دار شمشاد لیے ہوئے امیر کے سامنے آ کر لکارا کہ کشندۂ عفریت و مقاتلِ اہرمن کہاں ہے؟ میرے سامنے آئے کہ میں دیوانِ قاف کا بدلا لوں۔ امیر نے اس کے سامنے جا کر فرمایا کہ لا، کیا ضرب رکھتا ہے؟ وہ دیو قہقہہ مار کے بولا کہ تیرا اتنا سا تو قد ہے، میں پہلے تجھ پر کیا حربہ کروں؟ امیر نے کہا کہ اسی کوتاہ قامت پر اہرمن و عفریت سے کشیدہ قامتوں کو میں نے پست کیا ہے، اور اگر پہلے تو حربہ نہ کرے گا تو تیرے دل کا ارمان تیرے دل ہی میں رہ جائے گا، کہ میں تیری جان کا ملک الموت ہوں۔ تب تو جھنجھلا کر اس نے دار شمشاد سے امیر پر حربہ کیا۔ امیر نے ایک ہاتھ عقربِ سلیمانی کا اس صفائی سے مارا کہ اس دیو کو مع دار شمشاد چار ٹکڑے کیا۔ خر پال اپنے بھائی کو مواد یکھ کر زنگالہ لے کے امیر پر دوڑا۔ امیر نے اس کے زنگالے کو رد کر کے اس کا کمر بند پکڑ دے مارا اور خنجر نکال کر چاہا کہ اس کو قتل کریں۔ خر پال نے کہا کہ یا صاحبقراں، اگر مجھ کو نہ مارو تو اپنی زندگی تک تمھاری اطاعت کروں گا۔ صاحبقراں قول لے کر اس کے سینے سے اتر پڑے۔ امیر نے اس سے کہا کہ اے خر پال، تو مجھ کو دنیا میں پہنچا دے گا؟ وہ بولا کہ بسر وچشم، لیکن چندے قلعۂ سیمیں میں چل کے استراحت کیجیے، پھر جہاں فرمائیے گا پہنچا دوں گا۔ امیر نے چار دیو فتح کی خبر دینے کو بادشاہ کے پاس بھیجے اور آپ قلعۂ سیمیں میں تشریف لے گئے۔ ایک باغ بہت دلکش و فرحت افزا دیکھا۔ امیر نے اس کی نہر میں غسل کیا اور تلوار میں جو خون لگا ہوا تھا، اسی نہر کے پانی سے دھویا اور بارہ دری میں جا کر تخت پر بیٹھے اور کسی قدر میوہ کھایا۔ سستی جو معلوم ہوئی، تخت پر پاؤں لمبے کر کے سو رہے۔ خر پال نے دیکھا کہ صاحبقراں خوابِ غفلت کے مہمان ہوئے، عقربِ سلیمانی کو امیر کے پہلو سے اٹھا لیا اور میان سے کھینچ کر امیر پر ایک ہاتھ لگایا۔ لیکن مثل مشہور ہے کہ جسے خدا نہ مارے اسے کون مارے، وہ تلوار محراب پر لگی، اور اتفاقاً امیر نے بھی اسی وقت کروٹ بدلی۔ خر پال نے جانا کہ صاحبقراں جاگے، تلوار میان میں کر کے امیر کی ہیبت سے بھاگا۔ امیر جب جاگے تو دیکھا کہ کوئی متنفّس نہیں اور عقربِ سلیمانی بھی نہیں ہے۔ کمال مشوش ہوئے۔ دیووں سے بلا کر پوچھا کہ خر پال کہاں ہے؟ عرض کی کہ بیابانِ مینا میں ہے لیکن وہاں کوئی دیو نہیں جا سکتا ہے۔ ہر چند امیر نے سب دیووں سے کہا کہ مجھ کو بیابانِ مینا میں پہنچا دو لیکن کسی نے قبول نہ کیا۔ تب تو امیر نے سب دیووں کو رخصت کیا اور آپ تنہا پیادہ پا چلے۔ ساتویں دن بیابانِ مینا میں پہنچے۔ دیکھیں تو ایک پہاڑ ہے، اس کے پتھروں کا رنگ پکھراج کے مانند زرد ہے اور اس پر سبزی قدرتی اس وضع سے قائم ہوئی ہے کہ گویا مینا کیا ہے۔ اور اس کوہ کے نیچے کوسوں تک زعفران زار ہے اور درمیان میں اس زعفران زار کے ایک چبوترہ بلور کا ہے۔ اس پر خر پال بے خبر مثل بخت اپنے سوتا ہے اور بغل میں عقربِ سلیمانی رکھی ہوئی ہے۔ پہلے تو صاحبقراں نے عقربِ سلیمانی کو اپنے قبضے

میں کیا۔ بعدازاں ایک نعرہ ایسا کیا کہ کوہ لرز گیا اور خرپال جاگ کر بید کی طرح کانپنے لگا اور چاہا کہ بھاگے۔ صاحبقراں نے قدم بڑھا کر ایک وار عقربِ سلیمانی کا اس کی کمر پر ایسا لگایا کہ چنارِ سالخوردہ کی طرح دو ٹکڑے ہو کر تڑپنے لگا۔ صاحبقراں اس کو مار کر اسی چبوترے پر تلوار کا تکیہ لگا کے بیٹھے۔ ادھر دیووں نے جو کیفیت دیکھی سنی تھی، جا کر بادشاہ سے بیان کی۔ بادشاہ نے بیتاب ہو کر خواجہ عبدالرحمٰن سے کہا کہ جلد صاحبقراں کی خبر لیا چاہیے۔ میں نے ایسا ایسا سنا ہے۔ خواجہ سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ کئی دن میں تلاش کر کے بیابانِ مینا میں پہنچے۔ دیکھیں تو لاش خرپال کی دو ٹکڑے پڑی ہے۔ امیر کو سلام کیا اور دست و بازو کو بوسہ دے کر تخت پر اپنے ساتھ بٹھلا کے گلستانِ ارم میں لے آئے۔ بادشاہ نے صاحبقراں کو چھاتی سے لگایا اور کہا کہ چھ مہینے کے بعد میں خواہ مخواہ تم کو پردۂ دنیا پر بھیج دوں گا۔ امیر محل سرا میں گئے اور دن گننے لگے۔

داستان شاہ عیاران روزگار خواجہ عمرو نامدار و ہرمزد فرامرز کی

راویانِ عیار پیشہ و حاکیانِ فطرت اندیشہ تقریر کرتے ہیں کہ ہرگاہ قلعۂ نیستان میں بھی آزوقہ ہو چکا، عمرو متردد ہوا کہ کیا کرنا چاہیے۔ خسروِ نیستانی سے پوچھا کہ یہاں سے نزدیک کوئی اور بھی قلعہ ہے کہ چندے ان کافروں کے ہاتھ سے اس میں امان لوں؟ خسرو نیستانی نے کہا کہ یہاں سے بارہ فرسنگ پر ایک قلعہ ہے۔ اس کو رہتاس گڑھ کہتے ہیں۔ نہایت مستحکم ہے۔ اس قلعے کو اگر کوئی لڑ کر لیا چاہے تو محض محال ہے۔ اور دو شخص وہاں کے حاکم ہیں۔ ایک کا نام طہمورث شاہ ہے اور دوسرے کو ثابت شاہ کہتے ہیں۔ عمرو نے مقبل وفادار سے کہا کہ تم قلعے سے خبردار رہنا، میں قلعۂ رہتاس کے لینے کی فکر میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر پوشاکِ شاہانہ اتار، لباسِ عیاری پہن، سلاح کمر سے لگا، قلعے سے نکل کر روانہ ہوا۔ ڈیڑھ پہر کے عرصے میں رہتاس گڑھ پہنچا۔ کئی بار حصار کے گرد گردآوری کی لیکن قلعے میں جانے کا کوئی لگاؤ نہ پایا۔ ناچار ہو کر وہاں سے پھر کے قلعے کے سامنے ایک ٹیکرے پر بیٹھ کر قلعے میں جانے کی فکر کرنے لگا۔ ایک ساعت کے بعد ایک گھسیارا، ٹٹو پر سوار، جالی کھرپا کمر میں کھونسے، قلعے سے نکلا۔ عمرو ایک درویش کی صورت بن کر پیچھے پیچھے اس کے چلا گیا۔ جب دو کوس کے قریب وہ جا کر ایک میدان میں ٹٹو سے اتر کے گھاس چھیلنے لگا۔ عمرو نے پیچھے سے اس سے عشق اللہ کہا۔ وہ سلام کر کے بولا کہ شاہ صاحب، کہاں سے آپ کا آنا ہوتا ہے؟ عمرو نے کہا کہ تجھ کو اس بات سے کیا کام ہے؟ جس کے پاس خدا کا حکم ہوتا ہے اس کے پاس ہم جاتے ہیں۔ چنانچہ تیرے اوپر خدا نے کرم کیا، ہم آ کر موجود ہوئے۔ یہ کہہ کر دو خرمے جھولی سے نکال کے اس کو دیے کہ بسم اللہ کر کے اس کو کھا جا۔ وہ سادہ لوح خرمے عمرو سے لے کر کھا گیا۔ دو گھڑی کے بعد پینک میں آیا۔ عمرو نے اور بھی داروے بے ہوشی اس کے دماغ میں پھونک دی کہ تین

چار دن تک بے ہوش پڑا رہے، اور گھاس کے ڈھیر میں اس کو چھپا دیا، اور اس کی صورت بن کر، جالی کھرپا کمر میں کھونس، ٹٹو پر سوار ہو کر قلعے کی طرف چلا۔ جب دروازے پر پہنچا، تھر تھر کانپنے لگا۔ دربان نے اس کو دیکھ کر قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ عمرو نے ٹٹو کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی کہ ٹٹو قدیم ہے، البتہ گھر پہچانتا ہوگا۔ چنانچہ وہ ٹٹو گھسیاروں کے محلّے میں جا کر ایک جھونپڑے کے آگے کھڑا ہو گیا۔ عمرو نے ٹٹو پر سے اپنے کو گرا دیا اور تھر تھر کانپنے لگا۔ جورو اس گھسیارے کی جھونپڑے سے نکل کر پوچھنے لگی کہ منوا کے باپ، خیر تو ہے، تجھکو کیا بھیا؟ عمرو بولا کہ جاڑا چڑھا ہے۔ وہ عمرو کو اٹھا کر اپنے جھونپڑے میں لے گئی اور بوریے پر لٹا کے ہاتھ پاؤں دبانے لگی۔

عمرو نے دن کو تو سو کے کاٹا، جب شام ہوئی، پیچ کا اوگرا بنوا کر کھایا۔ نصف شب گذرے لباسِ شبروی پہن کے اس جھونپڑے سے نکل کر، چوکیداروں سے بچتا بچاتا، زیرِ دیوارِ قصرِ طہمورث شاہ پہنچا اور کمند کے ذریعے سے محل میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ ایک پلنگ لاجوردی پر طہمورث شاہ دوشالہ اوڑھے پڑا سوتا ہے اور چند شمعیں روشن ہیں۔ عمرو نے شمعوں کو گل کر کے ایک بتّی عیاری کے واسطے روشن رکھی اور متصل اس کے جا کر دوشالہ کا آنچل جو منھ پر سے اٹھایا، طہمورث شاہ نے عمرو کا ہاتھ پکڑ لیا۔ چونکہ عمرو ہمیشہ بہیلہ مجرب ہاتھوں میں پہنے رہتا ہے، ہاتھ کھنچتے ہی بہلہ طہمورث شاہ کے ہاتھ میں رہا اور عمرو کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ عمرو دس قدم ہٹ کر کھڑا ہوا۔ طہمورث شاہ نے کہا کہ خواجہ عمرو، مجھ سے تم کچھ وسواس نہ کرو، شوق سے میرے پاس آؤ۔ مجھ کو ابھی خواب میں حضرت ابراہیم نے مسلمان کر کے تمھارے آنے کی خبر دی تھی، والّا میں کیا جانوں کہ تمھارا نام عمرو ہے؟ عمرو اس کے پاس گیا۔ اس نے بغلگیر ہو کر کہا کہ جو حکم ہو بجا لاؤں۔ عمرو نے ابتدا سے انتہا تک کیفیت اسے کہہ سنائی۔ اس نے کہا کہ اس قلعے کو تم اپنا جانو۔ بسم اللہ، مہر نگار اور لشکر کو اپنے لے آؤ۔ جس قدر رات باقی تھی باتوں میں کٹ گئی۔ صبح کو طہمورث شاہ نے اپنے توابعین سے کہا کہ میں مسلمان ہوا اور قلعہ میں نے خواجہ عمرو کو دیا۔ خبردار! خبردار! جس وقت لشکر عمرو کا آوے، بلا عذر دروازہ کھول دینا۔ عمرو تو رخصت ہو کر خوشی خوشی قلعۂ نیستاں میں آیا اور سواریوں میں ملکہ وغیرہ کو سوار کر کے مع لشکر سرنگ کی راہ سے قلعے کے باہر نکل کر قلعۂ رہتاس کی طرف روانہ ہوا۔ اور یہاں ثابت شاہ نے شمیم وزیر سے حقیقت حال سن کر طہمورث شاہ کو قتل کیا اور آپ مع شمیم دروازے پر جا کر عمرو کا منتظر بیٹھا۔

عمرو اس حال سے بے خبر، لشکر و سواریانِ زنانہ سمیت قلعے کے متصل پہنچا۔ دروازہ قلعے کا کھلوانے کے واسطے چند قدم سب سے پہلے گیا۔ جب قلعے کے خاک ریز پر پہنچا، فصیل پر سے مار پڑنے لگی۔ عمرو نے دربانوں سے کہا کہ میں عمرو ہوں۔ شمیم نے پکار کر کہا کہ او ساربان زادے، یہاں بھی فریب دینے کو آیا ہے؟ طہمورث شاہ تو تجھ سے فریب کھا کر جان سے مارا گیا۔ خبردار! اگر آگے قدم بڑھایا تو تو جانے گا۔ عمرو سخت

متردد ہوا کہ قلعۂ سابق بھی ہاتھ سے گیا اور یہ بھی ہاتھ نہ آیا۔ اگر ابھی ہرمزو فرامرز پیچھا کرتے ہیں تو اتنے دنوں کی محنت مفت برباد ہوتی ہے۔ مگر ناچار، سوائے اس کے کچھ بن نہ آیا، بیچ میں خیمہ مہر نگار کا ایستادہ کیا اور گرد لشکر کو اتارا۔ دوسرے دن شمیم نے ثابت شاہ سے کہا کہ ایک نامہ لکھ کر ہرمزو فرامرز کو اس حقیقت سے مطلع کیجیے۔ اگر ابھی وہ اپنا لشکر لے کر آتے ہیں تو عمرو مارا جاتا ہے اور مہر نگار ان کے ہاتھ آتی ہے۔ ثابت شاہ نے رائے شمیم کی بہت پسند کی اور اسی وقت نامہ لکھ کر مہتر صیاد نامی عیار کو دیا کہ جلد ہرمز کو دے کر اس کا جواب لا۔ اتفاقاً صیاد طہمورث شاہ کے عیاروں کا مہتر تھا اور طہمورث شاہ نے چھوٹا سا لے کر اس کو پالا اور تربیت کیا تھا۔ پس جس دن سے کہ طہمورث شاہ مارا گیا تھا، صیاد لہو کے گھونٹ پی پی کر رہتا تھا۔ وہ نامے کو عمرو کے پاس لیے چلا آیا۔ عمرو نے اس نامے کو پڑھ کے صیاد کو گلے سے لگایا اور کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں ثابت شاہ کو مار کے تجھ کو اس قلعے کا بادشاہ کروں گا۔ عمرو نے ہرمزو فرامرز کی طرف سے اس نامے کا جواب لکھا کہ اے ثابت شاہ، تو نے بڑا کام کیا کہ ایسی دلخواہ خبر دی۔ اس کے صلے میں نوشیرواں کے آگے مجرا ہوگا۔ اور چونکہ عمرو ایک ہی پرکار عیار ہے، اس واسطے کتارۂ کابلی کو ہم بھیجتے ہیں کہ تا پہنچنے ہمارے قلعے کی محافظت کرے۔ اور مہر شاہزادوں کی جعلی اس پر ثبت کی اور اپنی صورت کتارۂ کابلی کی سی بنا کر صیاد کے ساتھ قلعے میں گیا اور ثابت شاہ کو جواب نامے کا دیا۔ ثابت شاہ نے کتارۂ کابلی کو صیاد سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ صیاد نے کہا کہ یہ شاہزادوں کے عیاروں کا مہتر ہے اور شاہزادگانِ کابل کا بھانجا ہے اور کتارۂ کابلی اس کا نام ہے۔ ثابت شاہ نے اسے گلے سے لگایا اور بڑے تکلف سے اس کی ضیافت کی۔ جب رات ہوئی، عمرو نے کہا کہ مجھ سے شاہزادوں نے یہ تاکید فرمایا ہے کہ نگہبانی قلعے کی تو آپ کرنا۔ پس دروازے پر میں آپ جا کے بیٹھوں گا، رات کی رات نگہبانی کروں گا، باقی کل تو خود شاہزادے ہی آئیں گے۔ یہ کہہ کر صیاد کو ساتھ لیا اور قلعے کے دروازے پر جا کے بیٹھا۔ دو پہر رات گئی سب نگہبانوں کو طعمۂ نہنگِ تیغ بے دریغ کیا اور دروازے کو کھول کے اپنے لشکر کو قلعے کے اندر لایا۔ ساکنانِ قلعہ پر برقِ تیغ پڑنے لگی۔ جس نے اسلام قبول کیا اس کو امان ملی، جس نے عذر کیا اس نے جہنم کی راہ لی اور فصیلوں برجوں پر اپنا بندوبست کیا۔ ثابت شاہ و شمیم وزیر کو دار پر کھینچ کر صیاد کو قلعے کا بادشاہ کیا اور چہار طرف سے غلہ منگا کر قلعے میں بھر کے چین سے بہ اطمینانِ تمام بیٹھا۔

ہرمزو فرامرز نے جو عیاروں سے خبر پائی کہ قلعے کا دروازہ کھلا پڑا ہے کوئی متنفس قلعے میں نہیں ہے، عمرو سرنگ کی راہ سے مع لشکر قلعۂ رہتاس کی طرف گیا، شاہزادے پہلے تو قلعے میں گئے۔ بعد ازاں خیمہ گاہ پر آ کے ایک عرضی بادشاہ کو لکھی کہ ہم کو آٹھ برس ہوئے کہ عمرو کے پیچھے خراب ہیں۔ یا تو آپ خود تشریف لائیے یا کسی ایسے شخص کو بھیجیے کہ وہ آ کر اس مہم کو سر کرے۔ ہم تو اس عیار سے ہار مانے۔ عرضی تو کرگس ساسانی کے ہاتھ

بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی اور آپ لشکر لے کے قلعۂ رہتاس گئے۔ دیکھا کہ قلعہ مثلِ طاؤس تیار ہے، پرندے کی طاقت نہیں ہے کہ اڑ کر اس کے اندر جائے۔ ناچار قلعے کو چاروں طرف سے محاصرہ کر کے اتر پڑے۔ عمرو کے خوف سے کفار کے لشکر میں دن کو باری باری لوگ سوتے تھے اور رات کو مطلق بیدار رہتے تھے۔ ایک دن شب کو ہرمز و فرامرز و بختیارک سرداروں سمیت بیٹھے شراب پی رہے تھے کہ کتارہ طلایہ پھرتے پھرتے ادھر آ نکلا۔ بختیارک نے کتارہ سے کہا کہ کیوں کتارہ، عمرو بھی عیار ہے اور تو بھی عیار ہے۔ عمرو کو دیکھ کہ کیا کیا عیاریاں کرتا ہے، اور تجھ سے اتنا بھی نہیں ہوسکتا کہ عمرو کو باندھ لائے۔ کتارہ بہت اپنے دل میں خجل ہوکر کہنے لگا کہ آج اگر عمرو کو میں نہ باندھ لایا تو کتارہ نام نہ پایا۔ یہ کہہ کر قلعے کی طرف جا کر گرد اس کے پھرا۔ کسی طرف سے جانے کی راہ نہ پائی، مگر ایک برج کی طرف سے آدمیوں کی آواز سنائی نہ دی۔ معلوم کیا کہ اس برج کے نگہبان سوتے ہیں۔ کمند کو اٹکا کے برج پر گیا۔ دیکھا تو واقعی سب کے سب مثلِ بختِ خفتہ اپنے سو رہے ہیں۔ کتارہ سب کا سر کاٹ کر شاہ برج پر گیا۔ عمرو اس وقت محل میں مہرنگار کے ساتھ کھانا کھانے گیا تھا۔ کتارہ عمرو کے پلنگ کے نیچے لیٹ رہا۔ جب عمرو کھانا کھا کر محل سے برآمد ہوا، شاہ برج پر آ کے اپنے پلنگ پر لیٹا۔ چونکہ رات بہت ہوگئی تھی، لیٹتے ہی سو گیا اور کتارہ نے عمرو کے خراٹے کی آواز سنی۔ پلنگ کے نیچے سے نکل کر نئے ہفت بند کو جوڑا۔ اس میں عبیر بے ہوشی رکھ کر عمرو کے پرۂ بینی کے پاس لے جا کے جو پھونکا، عبیرِ بے ہوشی عمرو کے دماغ میں پہنچا، چھینک مارتے ہی بے ہوش ہوگیا۔ کتارہ نے چار حلقے کمند کے اس کے گلے میں ڈال کر گولا لاٹھی کیا اور چادرِ عیاری میں پشتارہ باندھ کر، جس برج پر سے آیا تھا اسی طرف سے نیچے اتر کر خندق سے پیر کر پار ہوا اور پشتارہ لے جا کر ہرمز و فرامرز کے روبرو رکھ دیا اور عرض کی کہ لیجیے عمرو کو۔ عجب طرح کی خوشی ہرمز و فرامرز و ژوپین و بختیارک کو ہوئی لگے تاج فلک پر اچھالنے اور کتارے کو چھاتی سے لگا کر بہت تعریف کی اور خلعتِ فاخرہ دیا اور اسی دم آہن گر کو بلوا کر عمرو کو قیدِ آہن میں جکڑا اور صبح تک خوشی کے مارے کوئی نہ سویا۔ ہرگاہ قریب بہ صبح عمرو ہوش میں آیا، اپنے کو قیدِ آہن میں جکڑا دیکھ کر کہنے لگا کہ لاحول ولاقوۃ! کیا برا خواب دیکھ رہا ہوں۔ ہرمز نے کہا کہ اے ساربان زادے، یہ خواب نہیں ہے، بیداری ہے۔ بہت تو نے سر اٹھایا تھا، دیکھ تو اب کیسی اس کی مکافات ملتی ہے۔ عمرو بولا کہ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں ولی ہوں، مجھے مرنے اور قید رہنے کی عادت نہیں، مگر اپنے حق میں مطلق آپ نے کانٹے بوئے۔ جس وقت چھوٹا، ایک ایک کو اگر سزا نہ دی تو عمرو نام نہ پایا۔ ہرمز نے کہا کہ اب بھی تجھے جینے اور چھوٹنے کی امید ہے؟ عمرو بولا کہ خدا میرا کریم ہے۔ میں ایسی قید سے ڈرتا نہیں۔ جو تم سے ہوسکے، تم کوتاہی نہ کرو۔ ہرمز عمرو کی تقریر سے بہت خیرہ ہوا اور اسی وقت عمرو کو جلاد کے حوالے کیا کہ لے جا کر اسے گردن مار۔

آنا نارنجی پوش کے عیار کا اور چھڑانا عمرو کو

راوی لکھتا ہے کہ جلاّد نے عمرو کو لے جا کر ریگ کے چبوترے پر بٹھلایا اور تلوار کھینچ کر اس کے سر پر کھڑا ہوا۔ عمرو نے دیکھا کہ اب کوئی صورت بچنے کی نہیں، لگا خدا اور رسولؐ کو یاد کرنے اور چپکے چپکے سے کہنے کہ یا حضرت خضر، مدد کیجیے۔ اگر جیتا بچوں گا تو جہاں سے جانوں گا پانچ کوڑی کا دلیہ دریا کے کنارے جا کر چڑھاؤں گا۔ بختیارک نے جو عمرو کے لب ہلتے دیکھے، ہرمز سے کہا، جلاّد کو حکم دیجیے کہ جلد عمرو کا کام تمام کرے، نہیں تو کوئی دم میں وہ چھوٹ جائے گا۔ دیکھیے وہ منتر پڑھ رہا ہے! ہرمز نے دوسرا حکم جلاّد کو دیا۔ جلاّد نے عمرو سے کہا کہ جو کچھ کھانا پینا ہو کھا پی لے، کوئی دم میں مارا جاتا ہے۔ عمرو نے کہا کہ ہم کھانے کے عوض غم و غصّہ کھا چکے اور پانی کے بدلے خونِ جگر پی چکے۔ کچھ ہم کو آرزو نہیں ہے، تو جلد اپنا کام کر۔ جلاّد تیسرا حکم پا کے عمرو کے سر پر آیا اور عمرو کے مارنے کو ہاتھ اٹھایا۔ عمرو یا تو سر بہ زانو بیٹھا تھا یا جلاّد کی طرف دیکھ کر بولا کہ اے عزیز، تیز تلوار سے مجھ کو مار کہ ایک وار میں سر تن سے جدا ہو جائے۔ پیپلا تو تیری تلوار کا ٹوٹا ہوا ہے، تو مجھے کیا مارے گا! جلاّد تلوار کو دیکھنے لگا۔ عمرو نے فرصت پا کے دونوں ہاتھ زمین میں ٹیک کر ایک دولتی اس زور سے جلاّد کے سینے پر ماری کہ تلوار تو جلاّد کے ہاتھ سے گر پڑی اور جلاّد لوٹن کبوتر کی طرح لوٹنے لگا۔ ایک مرتبہ چار طرف سے آواز بلند ہوئی کہ وہ مارا! ہرمز نے جانا کہ جلاّد نے عمرو کو مارا۔ بختیارک بولا کہ نہیں حضرت، عمرو نے جلاّد کو مارا۔ ہرمز نے کہا کہ نفس الامر میں کیا بد بلا عیار ہے کہ مرتے مرتے بھی ایک کو لے موا۔ ہرمز نے دوسرے جلاّد کو بھیجا۔ وہ تلوار کھینچ کر عمرو کے مارنے کو آیا۔ اس وقت عمرو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور زندگی سے ناامید ہوا، کہ اس میں ایک عیار بچّہ، کسوتِ عیاری بدن پر لگائے، بارگاہ میں آیا اور ہرمز کو بادب مجرا کر کے کہنے لگا کہ میں خانِ اعظم سلطان بن ذال شمامہ جادو بادشاہِ ترکستان کا عیار ہوں۔ مجھے نوشیرواں نے اطلاع کرنے کو بھیجا ہے کہ بادشاہِ ترکستان مع لشکرِ ترک و خاور آپ کی مدد کو آتے ہیں۔ ہرمز و فرامرز بہت خوش ہوئے۔ یہ کہہ کر اس

عیار بچّے نے عمرو کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے جو تلوار کے نیچے سر جھکائے ہوئے بیٹھا ہے؟ ہرمز بولا کہ عمرو عیار جو تم نے سنا ہو، یہی ہے۔ اس کے ہاتھ سے ہم لوگ بہت عاجز تھے۔ کل شب کو کتارۂ کابلی، ہمارے عیاروں کا مہتر باشی، اسے باندھ لایا ہے۔ اس عالم میں بھی ایک جلاّد کو مار چکا ہے۔ اب دوسرے جلاّد کو بھیجا ہے۔ اس عیار بچّے نے کہا کہ اس کا مارنا بھی کچھ کام رکھتا ہے! میں نے خانِ اعظم کے حکم سے ایسے ایسے پہلوانانِ سرکش کو گردن مارا ہے کہ جن کی صورت دیکھنے سے آدمی کے اوسان خطا ہو جائیں۔ مجھے فرمائیے تو اس کا سر کاٹوں۔ ہرمز نے کہا کہ بہت اچھا۔ جلاّد کو بلا کر اس کو بھیجا۔ عیار بچّے نے عمرو سے آ کر کہا کہ سر جھکا۔ عمرو بولا کہ سر جھکائے تو بیٹھا ہوں، میرے پاس آ کر تلوار مار۔ عیار بچّہ بولا کہ میں ایسا دیوانہ نہیں ہوں کہ تیرے پاس آؤں۔ تو مور چال کر کے مجھے بھی لاتیں مارے تو میں تیرا کیا کروں؟ عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بڑا ہی شریر و تیز معلوم ہوتا ہے، یہ مقرر تجھ کو مارے گا۔ عمرو آبدیدہ ہوا۔ عیار بچّے نے یونانی زبان میں کہا کہ اے خواجہ، آبدیدہ نہ ہو، میں نقابدار نارنجی پوش کا عیار ہوں، تیرے چھڑانے کو آیا ہوں۔ پہلے تو پاؤں پھیلا کہ تیرے پاؤں کی بیڑیاں کاٹ ڈالوں، پھر تجھے گردن پر سوار کر کے یہاں سے لے نکلوں۔ عمرو کی جان میں جان آئی اور پاؤں پھیلا دیے۔ عیار بچّے نے ایک تلوار ایسی لگائی کہ دونوں پاؤں کی بیڑیاں ایک ہی ہاتھ میں کٹ گئیں۔ عیار بچّہ عمرو کو گردن پر چڑھا کے لے نکلا۔ جلوخانے میں غل پڑ گیا۔ چاروں طرف سے لوگ کھینچ کھینچ کر تلوار دوڑے۔ اس عیار بچّے نے تلوار میان سے لی۔ جس کافر پر ایک ہاتھ لگایا دو ٹکڑے کیا، اور عمرو نے، جو اس کی گردن پر سوار تھا، ہر ایک کی پگڑی اتارنی شروع کی۔ الآخر وہ عیار بچّہ لڑتا بھڑتا عمرو کو لشکرِ کفار سے لے نکلا۔ کوئی اس کی گرد کو بھی نہ پہنچا۔ ہر گاہ جنگل میں پہنچا۔ عمرو کو گردن پر سے اتار کے کہا کہ لو، خدا حافظ ہے۔ اب تم اپنے قلعے میں جاؤ اور میں اپنے گھر کو جاتا ہوں۔ عمرو نے کہا، ذرا ٹھہرو، میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔ وہ بولا کہ میں ایسا احمق نہیں ہوں جو اب کھڑا رہوں۔ تم مجھے باندھ کر نقابدار کا نام پوچھو تو میں کیا کروں؟ یہ کہہ کر صحرا کی طرف چلا گیا۔

عمرو نے اپنے بدن سے قید دور کی اور قلعے میں داخل ہوا۔ دیکھے تو چھوٹے بڑے سب رو رو کر دعائیں مانگ رہے ہیں، الٰہی! عمرو کو ہمیں زندہ دکھلا۔ عمرو پر جو لوگوں کی نگاہ پڑی، لگے سجدۂ شکر کرنے، اور منتیں جو مانی تھیں ہر ایک نے ادا کیں۔ مہرنگار نے عمرو کے واسطے اپنا حال بہت ابتر کیا تھا۔ عمرو کے آنے کی خبر سن کر تن مردہ میں گویا جان آ گئی۔ عمرو کو بلا کر لپٹ کر رونے لگی اور اسی دم چند خوانچے جواہر کے عمرو پر سے تصدق کیے اور ایک ہفتے تک محفل جشن کی رہی۔ ہرمز نے بختیارک سے پوچھا کہ یہ کون تھا جو عمرو کو لے گیا؟ بختیارک نے کہا کہ عمرو سچ کہتا تھا، آسمان کے خدا کے بندے مارے نہیں جا سکتے اور قید میں بھی رہ نہیں سکتے۔ ان کے

واسطے ہر دم آسمان سے مدد پہنچتی ہے۔ ہرمز خاموش ہو رہا۔

قلعگیوں کا حال سنیے کہ علوفہ جو قلعے میں دو تین دن سے زیادہ کا نہ رہا، سبھوں نے عادی کے ساتھ جا کر عمرو کو اطلاع دی۔ عمرو نے کہا کہ اب کوئی اور قلعہ لیا چاہیے۔ صیاد نے کہا کہ یہاں سے پانچ منزل پر ایک قلعہ ہے، اس کو سلاسل حصار کہتے ہیں، اور وہاں کے بادشاہ کا نام سلاسل شاہ ہے۔ اگر جی چاہے تو اس کو مسخر کیجیے۔ عمرو نے کہا کہ اچھا، تم قلعے سے ہوشیار رہو، میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر پوشاکِ شاہانہ اتار، لباسِ عیاری پہن، قلعے سے نکلا اور برق کی چھل بل سے تیز قدمی کرتا ایک شبانہ روز میں سلاسل حصار جا پہنچا۔ دیکھے تو واقعی قلعہ مضبوط ہے۔ فکر کرنے لگا کہ کیونکر اس قلعے کو لیجیے۔ ایک ساعت کے بعد دیکھتا کیا ہے کہ ایک نوجوان، چودہ پندرہ برس کا سن و سال، لباسِ شاہانہ پہنے، گھوڑے پر سوار، ہاتھ پر باز بٹھلائے، قلعے سے نکلا، اور سو سوا سو سوار اور اسی قدر پیادے، سوائے قرول و بہلیے و باز بردار و خاص بردار و نقیب و چوبدار و یساول و ہر کارے و عہدہ دار کے، ہمراہ ہیں۔ عمرو بھی وہاں سے اٹھ کر پیچھے پیچھے اس کی سواری کے چلا اور عقلاً تجویز کیا کہ مقرر یہ یہاں کا شاہزادہ ہے۔ جب دیکھا کہ سواری دو کوس قلعے سے بڑھ گئی، عمرو نے الف آزادی کا پیشانی پر کھینچ، سوزنی کا تاجِ فقیرانہ سر پر رکھ، منکا ٹھنکا سیلی گلے میں ڈال، لنگ باندھ، پانچ چھ شاخ کی چھڑی کاندھے پر رکھ، رومال چھڑی رشیدہ کشتا بغدا ہاتھ میں لے، شاہزادے کے سامنے آ کر صدا کی: عشق اللہ! فقیر اللہ! آج تو صبح ہی صبح اللہ کے لوگوں کی صورت دکھائی دی ہے۔ کچھ فقیروں سے بھی واحد شاہد ہو گے؟ شاہزادہ فقیر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور گھوڑے کی باگ روک کر پوچھا کہ شاہ صاحب، کدھر سے آنا ہوا؟ جواب دیا کہ مانند گوزشتر، نہ زمین سے نہ آسمان سے۔ فقیر لا مکان ہے۔ فقیروں کے واسطے کوئی جا مقرر نہیں ہے۔ آج یہاں ہیں، کل وہاں ہیں، بتائیں تو کیا بتائیں۔ شاہزادہ بولا، شاہ صاحب، یہ جو کچھ تم نے کہا سب درست ہے، لیکن تب بھی دنیا میں آ کر نشان کے واسطے کوئی نہ کوئی جگہ چاہیے۔ شاہ صاحب عملی بولا کہ فقیر تو سدا بے نام و نشان ہوتے ہیں، پر ظاہرا مر شدوں کے ڈھیر بغداد میں ہیں۔ پوچھا کہ آپ کا اسم شریف؟ بولا کہ اسم کسیف مرشد کا بخشا ہوا شیدائی قلندر ہے۔ شاہزادہ فقیر عملی کی گفتگو سے بہت محظوظ ہوا اور کہا کہ شاہ صاحب، امیدوار ہوں کہ چندے میرے مکان میں چل کر کرم کیجیے اور کسی قدر اس نواح کی بھی سیر فرمایئے۔ فقیر عملی نے کہا کہ بابا، کیا مضائقہ ہے! فقیر بھی جہاں خلق دیکھتا ہے، وہاں بستر جماتا ہے۔ مگر بابا، اپنے نام سے تو نے فقیر کو آگاہ نہ کیا۔ وہ بولا کہ میرا نام بہمن ہے، سلاسل شاہ کا بیٹا ہوں۔ فقیر عملی نے کہا کہ اچھا بابا، تو سیر و شکار کر آ۔ فقیر قلعے کے سامنے ٹکرے پر تیرا انتظار کرے گا۔ بہمن اسی جگہ سے فقیر کو ساتھ لے کر پھرا اور قلعے میں جا کر اپنے دیوان خانے میں فقیر کا بستر کیا اور بہ انواع اخلاق پیش آیا۔ بہمن نے پہر بھر بیٹھ کے شاہ صاحب سے کہا کہ میں ایک ساعت کے واسطے جاتا

ہوں، آپ کو حقہ پانی کی ضرورت ہو تو خدمتگار میرے حاضر ہیں، ان سے طلب کرنا۔ فقیر بولا کہ اچھا بابا، مگر ایسی کیا ضرورت ہے؟ فقیر کے بھی سننے کے لائق ہے یا نہیں؟ بہمن نے کہا کہ مجھ کو اس وقت دو چار ساغر شراب کے پینے کی عادت ہے۔ پس آپ کے روبرو پینا بے ادبی ہے، اس واسطے جاتا ہوں۔ فقیر عملی بولا کہ بابا، یہیں منگا کر پی۔ فقیر بھی دو ایک جام پیے گا۔ انسان کسی حالت میں رہے مگر اُس کی یاد میں رہے۔ اور فقیروں کا تو وہ دودھا ہے۔ بہمن نے شراب و ساغر طلب کر کے چند ساغر پیے اور فقیر نے بھی نشے جمائے۔ فقیر عملی کو جب سرور ہوا، دوتارہ داؤدی کو زنبیل سے نکال کر بجانا اور گانا شروع کیا۔ مشہور ہے کہ عمرو کا گانا مُردے کو زندہ کرتا ہے۔ سامعین محو ہو گئے۔ ناگاہ منصور، عیار سلاسل شاہ کا، مع دو عیار ادھر آ نکلا۔ شاہزادے کو سلام کر کے پوچھا کہ یہ شاہ صاحب کہاں سے آئے ہیں؟ بہمن نے مفصل حال بیان کیا۔ پوچھا کہ ان کا نام کیا ہے؟ بہمن بولا کہ شیدائی قلندر ان کو کہتے ہیں۔ منصور دوڑ کر عمرو کو لپٹ گیا اور اپنے ساتھ کے عیاروں سے کہا، مشکیں اس کی باندھ لو۔ عیاروں نے فی الفور اپنے مہتر کے حکم کی تعمیل کی۔ فقیر عملی نے بہمن سے کہا کہ کیوں بابا، فقیروں کو گھر میں بلا کر ایسا ہی سلوک کرتے ہیں؟ بہمن منصور سے ناخوش ہو کر کہنے لگا کہ فقیر نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے اس کی ٹنڈیاں کسیں؟ منصور نے عرض کی کہ حضور، یہ وہ فقیر ہے کہ جس نے سیکڑوں بلکہ ہزاروں امیروں کو فقیر کر دیا ہے۔ اگر آپ نے نام عمرو عیار کا سنا ہو تو وہ یہی ہے۔ اس کے ہاتھ سے نوشیرواں شہنشاہِ ہفت اقلیم کا ناک میں دم آیا ہے۔ الغرض، اس کو سلاسل شاہ کے روبرو لے گیا اور کہا کہ عمرو عیار حاضر ہے۔ سلاسل شاہ نے کہا کہ اے عمرو، میں نے سنا ہے کہ تو گاتا خوب ہے۔ میرے سامنے بھی گا کہ میں مدت سے تیرا مشتاق ہوں۔ عمرو نے کہا کہ میرے ہاتھ تو بندھے ہیں، میں دوتارہ کیونکر بجاؤں اور گانا آپ کو کیونکر سناؤں؟ سلاسل شاہ نے ہاتھ اس کے کھلوا دیے۔ عمرو نے دوتارہ بجا کر ایسا گانا گایا کہ انسان تو درکنار، در و دیوار محو ہو گئے۔ سلاسل شاہ بہت خوش ہوا اور منصور سے کہا کہ ہاتھ اس کے باندھنا کچھ ضروری نہیں ہے، اس کو اپنے پاس قید رکھ۔ کل جب پھر میں بلاؤں گا اس کو حاضر کرنا۔ منصور نے عمرو کو لے جا کر ایک حجرے میں بند کیا۔ عمرو نے کہا کہ یا الٰہی، میں تو یہاں قید ہوا، لشکرِ اسلام پر کیسی بنے گی! اس فکر میں تھا کہ دو پہر رات گذرے منصور نے آ کر حجرے کا دروازہ کھول کر عمرو کو نکالا اور قدم بوس ہو کر کہا کہ مجھ کو معاف کیجیے گا، میں آپ کو پہچانتا تو تھا ہی نہیں۔ جس دن سے حضرت ابراہیمؑ نے عالمِ رویا میں مجھ کو مسلمان کیا اور فرمایا کہ عمرو یہاں آئے گا، تو اس کی مدد کرنا، آپ کی تلاش میں رہتا تھا۔ اس قدر جو میں نے بے ادبی کی، فقط اس واسطے کہ اچھی طرح سے تحقیق کر لیا جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ عمرو نہ ہو اور تو عمرو جان کر اپنا رازِ دل بیان کرے۔ اب آپ کا تابعدار ہوں، جو کچھ فرمایئے بجا لاؤں۔ عمرو نے اس کو چھاتی سے لگا کر کہا کہ کسی طرح اس قلعے کو لیا چاہیے،

کہ لشکرِ اسلام چند روز یہاں آ کر امن میں رہے۔ منصور بولا، بسم اللہ، اٹھیے۔ ابھی سلاسل شاہ کو پکڑ لیجیے، قلعہ آپ کا ہے۔ عمرو لباسِ عیاری پہن کر منصور کے ساتھ سلاسل شاہ کی خوابگاہ میں گیا اور اس کو بے ہوش کر کے منصور کے حوالے کیا کہ اس کو اپنے پاس مقید رکھ، اور خود اس کی صورت بن کر چھپر کھٹ پر سو رہا۔ جب صبح ہوئی، پہلے تو بہمن سے کہا کہ اے فرزند، مجھ کو عالمِ رویا میں حضرت ابراہیمؑ نے مسلمان کیا ہے، تو بھی اسلام قبول کر۔ اس گردن زدنی نے انکار کیا۔ عمرو نے اس کو دار پر کھینچا۔ بعدازاں خلوت میں سلاسل شاہ کو بلایا اور کہا کہ مسلمان ہونا تیرے حق میں بہتر ہے۔ وہ دیکھ کر متحیر ہوا کہ میری صورت کا آدمی تخت پر بیٹھا ہے اور مجھ کو میرے دین سے بے دین کیا چاہتا ہے۔ عمرو سے کہنے لگا کہ تو کون ہے کہ تخت پر بیٹھا ہے؟ عمرو نے کہا کہ تو تو میں جانتا نہیں ہوں، خدائے وحدہٗ لاشریک کے پہچاننے میں تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کچھ کلمات بیہودہ زبان سے نکالے۔ عمرو نے اس کو بھی دار پر کھینچا اور منصور کو اپنا نائب کر کے تخت پر بٹھلایا، اور چھوٹے بڑے سے نذریں دلوا کے کہا کہ جو کوئی منصور شاہ کی اطاعت نہ کرے گا وہ میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ کسی نے بجز فرمانبرداری کے سرتابی نہ کی۔ جب عمرو اپنا بندوبست کر چکا، منصور سے کہا کہ تم حکمرانی کرو، میں لشکرِ اسلام کو لے آؤں، اور میرے آتے آتے اس قدر غلّہ وغیرہ مول لے کر قلعے میں بھر رکھنا۔ عمرو تو ادھر گیا، منصور نے بموجبِ حکمِ عمرو غلّہ وغیرہ مول لے کر قلعے میں بھرا۔ عمرو نے قلعے میں جا کر تمام سرداروں کو قلعے کے لینے سے مطلع کیا اور سواریاں مہیا کر کے آدھی رات گئے مع لشکر و ملکہ وغیرہ قلعے سے نکل کر سلاسل حصار کی طرف روانہ ہوا۔ دو شبانہ روز میں پانچ دن کی راہ طے کی۔ جب سلاسل حصار میں داخل ہوا، بدستور قدیم قلعے کو آراستہ کر کے بہ اطمینانِ تمام بیٹھا۔ یہاں تیسرے دن عیاروں نے ہرمز و فرامرز کو خبر دی کہ عمرو نے یہ قلعہ چھوڑ دیا، سلاسل حصار میں مع لشکرِ اسلام و ملکہ مہرنگار داخل ہوا۔ ہرمز اس خبر کو سن کر سرکہ جبیں ہوا اور منشی کو بلا کر بادشاہ کے واسطے ایک عرضی مشتمل بر کیفیتِ حالِ خود اور سلاسل حصار میں عمرو کا جانا لکھوا کر ایک پیک کے ہاتھ بھیجی۔

داستان امیر کے احوال میں

پیشتر اس قدر بیان ہو چکا ہے کہ امیر خرپال دخرچال کو مار کر حسبِ استدعائے بادشاہ اور چھ مہینے رہے۔ ایک دن رات کو بارگاہِ سلیمانی میں پلنگِ مرصع نگار پر آسمان پری کے ساتھ سوتے تھے، ناگاہ خواب میں مہرنگار کو دیکھا کہ سوکھ کر کانٹا ہوگئی ہے اور امیر سے رو رو کر کہتی ہے کہ کیوں ابوالعلا، میں نے ایسا ہی قصور کیا ہے کہ مجھ کو آتشِ مفارقت میں جلاتے ہو اور آپ پردۂ قاف میں پریوں کے ساتھ عیش کرتے ہو؟ حیف صد حیف، زمین سخت اور آسمان دور ہے۔ بس ہوتا تو زمین کا پیوند ہو جاتی یا آسمان پر اڑ جاتی۔ امیر چیخ مار کے جاگ اٹھے۔ دیکھیں تو کہاں مہرنگار اور کہاں پردۂ دنیا! بے اختیار دھاڑیں مار مار کے رونے لگے۔ امیر کے رونے کی آواز سن کر آسمان پری چونک اٹھی اور امیر سے پوچھنے لگی کہ خیر تو ہے، ایسا کیا ملال دل پر گذرا کہ زار زار روتے ہو؟ امیر نے فرمایا کہ اے آسمان پری، خدا کے واسطے مجھے جلد پردۂ دنیا پر بھجوا دے۔ اس وقت میں نے مہرنگار کو بہت بے حال ابتر خواب میں دیکھا ہے۔ آسمان پری بولی کہ یا ابوالعلا، مہرنگار کون ہے؟ امیر نے کہا کہ نوشیرواں بادشاہِ ہفت کشور کی بیٹی اور میری معشوقہ ہے۔ آسمان پری سن کر بولی کہ یہ کہیے، اور جبھی آپ کو تعلق ہے تو کیوں نہ جانا جانا پکار رہے گا۔ سنو تو امیر، سچ کہنا کہ مہرنگار مجھ سے بھی زیادہ صاحبِ جمال ہے کہ تم میرے ہوتے اس کی ملاقات کے شائق ہو؟ امیر کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ مہرنگار کی لونڈی بھی تجھ سے لاکھ درجے زیادہ خوبصورت ہے۔ آسمان پری یہ سن کر خیرہ ہو کے کہنے لگی کہ اے حمزہ، تو مجھ کو مہرنگار کی لونڈی سے بھی کمتر جانتا ہے۔ بھلا دیکھوں تو، میرے جیتے جی تو دنیا میں کیونکر جاتا ہے! صاحبقراں تو جھنجھلائے ہوئے تھے ہی، بولے کہ اگر تو میری سدِراہ ہوگی تو میں تجھ کو مار کے جاؤں گا۔ آسمان پری نے جواب دیا کہ حمزہ، یہ گھمنڈ نہ کرنا کہ میں صاحبقراں اور اولاد میں حضرت ابراہیم پیغمبر کی ہوں۔ اگر تم صاحبقراں اور بزرگ زادے ہو تو میں بھی حضرت سلیمان کی اولاد میں ہوں، تم سے کسی طرح کمزور نہیں ہوں۔ جب مجھ کو مارنے کا ارادہ کرو گے تو

میں تمھیں کو مار ڈالوں گی۔ امیر کو اس کلمے سے طیش آیا اور تلوار کھینچ کر آسمان پری پر دوڑے۔ وہ بھی نیچہ کھینچ کر امیر کے سر پر آئی۔ پریزادیں دوڑ کر درمیان میں آ گئیں اور کسی نے جا کر یہ خبر بادشاہ کو دی۔ بادشاہ گھبرا کے دوڑے آئے اور اپنی بیٹی پر غصّہ کرنے لگے کہ او شوخ دیدہ، شوہر کا مقابلہ کرتی ہے! تجھے میرا بھی ڈر نہیں؟ جا میرے سامنے سے دور ہو۔ بیٹی کو ڈانٹ کر امیر کو اپنی بارگاہ میں لے گئے اور کہا کہ صبح ہونے دیجیے، میں آپ کو رخصت کرتا ہوں۔

القصہ، جب صبح ہوئی، بادشاہ نے امیر کو تخت پر سوار کیا اور چار دیو تیز پرواز سے فرمایا کہ جلد امیر کو پردۂ دنیا میں پہنچا آؤ۔ یہ خبر آسمان پری کو پہنچی کہ امیر کو بادشاہ نے رخصت کیا، فوراً قریشہ دخترِ امیر کو گودی میں لے کر آئی۔ دیکھا کہ امیر تخت پر سوار ہو چکے ہیں۔ رو رو کر کہنے لگی کہ یا صاحبقراں، اگر میری محبت نہیں ہے تو نہیں سہی، تم کو اس لڑکی پر بھی رحم نہیں آتا؟ اور برائے خدا، میرا قصور معاف کرو، آئندہ آپ سے کبھی مقابلہ نہ کروں گی۔ امیر نے فرمایا کہ میں تم سے بھی خفا نہیں اور لڑکی سے بھی محبت ہے۔ بالفعل میں پردۂ دنیا پر جاتا ہوں کہ اٹھارہ روز کا وعدہ فوج سے کر کے آیا تھا، اس کو اتنے برس گذر گئے۔ پھر جب بلاؤ گی تب آؤں گا۔ اور میرے بلانے کی کیا احتیاج ہے، تم خود جب جی چاہے میرے پاس آ سکتی ہو۔ اپنے ساتھ قریشہ کو بھی لیتی آنا۔ یہ کہہ کر کہا کہ اچھا، خدا حافظ ہے، اور دیووں سے تخت اٹھوا کر روانہ ہوئے۔

آسمان پری نے اپنے مکان پر جا کر بہت اپنا حال برا کیا۔ اتفاقاً اس وقت سلاسل پریزاد آسمان پری کے پاس آیا۔ آسمان پری کا حال پریشان دیکھ کر متاسف ہوا اور پوچھا کہ سبب اس پریشانی کا کیا ہے؟ آسمان پری نے رو رو کر کہا کہ آج بادشاہ نے حمزہ کو پردۂ دنیا پر بھیج دیا۔ اگر تم تکلیف کر کے دیووں سے دھمکا کر کہہ آؤ کہ حمزہ کو بیابانِ حیرت میں چھوڑ آئیں تو نہایت میں خوش ہوں گی۔ اور اگر حمزہ تمھارے جانے کا سبب پوچھے تو کہہ دینا کہ تم سے رخصت ہونے آیا تھا۔ سلاسل حکم آسمان پری کا بجا لایا۔ دیووں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر آسمان پری کا حکم ٹالیں تو پھر پردۂ قاف میں رہ نہیں سکتے۔ اس سے یہی بہتر ہے کہ صاحبقراں کو بیابانِ حیرت میں چھوڑ آئیں۔ یہ صلاح ٹھہرا کے شام کو بیابانِ حیرت کے قریب تخت کو اتارا۔ امیر نے کہا کہ یہاں کیوں اترے؟ بولے کہ بھوکے پیاسے ہیں، کچھ شکار کر کے کھاویں پیویں، پھر روانہ ہوویں۔ امیر نے کہا کہ بہتر ہے۔ تم کچھ کھا پی لو اور میں بھی نماز سے فراغت کر لوں۔ امیر نے نہر سے وضو کیا اور ایک چٹان پر نماز پڑھی۔ جب فراغت حاصل ہوئی، تخت پر بیٹھ کر دیووں کا انتظار کرنے لگے۔ رات بھر پلک سے پلک نہیں لگائی۔ جب صبح ہوئی، پھر نماز ادا کی اور دیووں کی راہ دیکھنے لگے۔ ہرگاہ پہر دن چڑھ گیا، تب تو امیر نے جانا کہ ہو نہ ہو، آسمان پری کے خوف سے دیو مجھے یہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ بہرحال، تن بہ تقدیر، پیدل ہی چلا

چاہیے۔ مثل مشہور ہے کہ برسرِ فرزندِ آدم ہرچہ آید بگذرد۔ یہ کہہ کر وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ دوپہر کے وقت اس بیابان میں پہنچے کہ درختوں کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ حتّیٰ کہ گیاہ تک کسی جا جمی نہ تھی اور آب مطلق نایاب تھا۔ جدھر دیکھو اُدھر ڈیہہ ریگ کے مانندِ سیماب چمکتے اور تھلکتے تھے۔ لو اس شدت سے چلتی تھی کہ اگر اس کی کیفیت لکھوں تو زبانِ قلم میں آبلے پڑ جائیں۔ تپشِ آفتاب سے وہ میدان کرۂ نار پر چشمک مارتا تھا۔ تمام سلاح امیر کے بدن کے ایسے گرم ہو گئے کہ چھونے سے ہاتھ میں چھالا پڑتا تھا۔ امیر نے ہتھیاروں کو میدان میں پھینک دیا۔ پیاس نے اس قدر شدت کی کہ دم ہونٹوں پر آرہا۔ قریب تھا کہ طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاوے، ناچار ایک ریگ کے تل کو کچھ کھودا۔ اس میں سے جو مٹّی نم و سرد نکلی، اس پر سینہ رکھ کر لیٹ گئے۔ جب وہ بھی گرم ہو گئی، اس کے اندر اور گہرا گڑھا کر کے بیٹھ رہے۔ ریگ کا تل جو نیچے سے خالی ہو گیا، ہوا کی شدت سے بھسبھسا کر بیٹھ گیا، امیر اس ریگ میں دب کر رہ گئے۔ اتفاقاً بادشاہ نے عبدالرحمٰن سے پوچھا کہ بتاؤ تو، حمزہ کہاں تک پہنچا؟ عبدالرحمٰن نے تختہ روبرو رکھ کے قرعہ ڈالا اور ہر شکل کو ضرب دے کے سولہ خانوں میں رمل کے بھرا اور زائچے کو کھینچ کر دیکھا تو حمزہ کو ریگ کے نیچے دبا پایا۔ بے اختیار آہ مار کے کہا کہ افسوس، حمزہ کی جوانی! بادشاہ سے کہا کہ اب کوئی آپ کا اعتبار نہ کرے گا۔ حمزہ سے شخص کے ساتھ، جس نے آپ کے اعدا کو مار کر نفس الامر میں نئے سرے سے آپ کو شہنشاہ بنایا، آپ نے بے سبب ایسی برائی کی کہ وہ اس نوبت کو پہنچا۔ بادشاہ نے جن دیووں پر تخت رکھوا کے حمزہ کو بھیجا تھا، ان کو بلا کر پوچھا کہ حمزہ کو تم کہاں پہنچا آئے؟ وہ بولے کہ آسمان پری کے حسب الحکم بیابانِ حیرت میں چھوڑ آئے ہیں، اور اگر دنیا میں پہنچاتے تو شاہزادی کے حکم سے مارے جاتے یا جلا وطن ہوتے۔ بادشاہ کا رنگ غصّے کے مارے سرخ ہو گیا۔ آسمان پری کی طرف دیکھ کر کہا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ وہ بولی کہ مجھ کو دنیا میں حمزہ کا بھیجنا منظور نہیں ہے۔ باقی میں آپ جا کر حمزہ کو ڈھونڈ لاتی ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا، اپنا سر ڈھونڈے گی! یہ کہہ کر بادشاہ خود سوار ہوا اور بیابانِ حیرت میں جا کر دیو جن پری کو حکم دیا کہ حمزہ کو اس بیابان میں ڈھونڈا چاہیے۔ جو کوئی ڈھونڈ لاوے گا اس کو جواہر کے پر دوں گا۔ لگے سب ڈھونڈنے۔ آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے حمزہ کے ہتھیار جا بجا پڑے پائے۔ وہ ہتھیار لے جا کر بادشاہ کو دیے۔ بادشاہ نے ہتھیار تو اپنے پاس رکھے اور پھر ان لوگوں پر حمزہ کی تلاش کے واسطے تاکید کی۔ ہرگاہ سب حیران ہو کر پھر آئے۔ آسمان پری تاسف کرنے اور رونے لگی۔ ناگاہ ایک پریزاد اس تل کی طرف جا نکلا جس کے نیچے امیر دبے ہوئے پڑے تھے، اور خدا کی قدرت سے ہوا نے بھی اس دم وہاں کی ریگ اڑا کر اور طرف کو ڈالی تھی۔ امیر کی کلاہ کا گوہرِ شب چراغ چمکتا نظر آیا۔ اس پریزاد نے ریت کو سرکا کے دیکھا کہ امیر غش میں آنکھیں بند کیے پڑے ہیں۔ اس نے پکار کے کہا کہ یہاں زلازلِ قاف ہیں۔ آواز اس کی

شہپال کے کان میں گئی۔ فوراً ننگے پاؤں وہاں سے دوڑ کر اس تل کے پاس آیا اور امیر کو تل سے نکال کر ہاتھوں ہاتھ لے جا کے اپنے تخت پر لٹایا اور خوشبوئیات دماغ کے برابر رکھوائی۔ دو ساعت کے بعد امیر کو ہوش آیا۔ دیکھا کہ تخت پر لیٹا ہوا ہوں اور بادشاہ میرے پاس بیٹھا ہے۔ جرأت کر کے اٹھے اور شہپال شاہ سے کہا کہ میں نے آپ سے کون سی ایسی برائی کی ہے کہ جس کا عوض یہ ہے؟ شہپال نے کہا کہ یا صاحبقراں، مجھ کو قسم ہے حضرت سلیمان کی، اگر میرا ذرا بھی اشارہ ہو۔ یہ جو کچھ کیا آسمان پری نے کیا۔ اس میں آسمان پری دوڑ کر امیر کے قدموں پر گر پڑی اور بولی کہ یا صاحبقراں، واقعی میں تقصیر وار ہوں۔ اب کے مرتبہ میرا قصور معاف کر کے شہرستانِ زریں میں چل کر کچھ روز آسائش کرو، اس واسطے کہ آپ نے صدمہ بڑا اٹھایا ہے۔ بعد چھ مہینے کے میں تم کو مقرر دنیا میں بھیج دوں گی۔ فرمایا کہ تیرے قول و فعل کا مجھ کو مطلق اعتبار نہیں ہے۔ آسمان پری نے قسم کھائی اور امیر کو شہرستانِ زریں میں لے آئی۔ چھ مہینے تک شہپال کا بھی لشکر وہاں رہا۔ جب مدت چھ مہینے کی گذر گئی، امیر نے ایک شب مہر نگار کو خواب میں دیکھا کہ رو رو کر کہتی ہے یا صاحبقراں! مطلع:

عجب رسمیست رسم آدمی زاد
کہ دور افتادہ را کم می کند یاد

اٹھارہ روز کا وعدہ کر کے گئے تھے، اس کے آٹھ برس ہو چکے۔ خدا کے واسطے جلدی آیئے، اب دیر نہ لگایئے، نہیں تو مجھ کو جیتا نہ پایئے گا۔ صاحبقراں جو یہ خواب دیکھ کر چونکے، دیکھا کہ نہ مہر نگار ہے اور نہ وہ مکان ہے۔ پردۂ قاف میں بدستور بیٹھا ہوں۔ لگے آہ و زاری کرنے۔ آسمان پری کی جو آنکھ کھلی، دیکھا کہ امیر رو رہے ہیں۔ اٹھ کر رومال سے امیر کے آنسو پونچھے اور بولی کہ خیر تو ہے، اس وقت کیا نصیبِ دشمناں ملال ہوا کہ آپ بے قرار ہیں؟ امیر نے کہا کہ کچھ نہیں۔ ہر چند آسمان پری نے مکرر سہ کرّر امیر سے سبب بے چینی اور رونے کا پوچھا، لیکن امیر نے کچھ جواب نہ دیا، صبح تک بیٹھے رومال پر رومال بھگویا کیے۔ جب بادشاہ خوابگاہ سے نکلا، امیر نے جا کر مجرا کیا اور کہا کہ یہ وعدہ بھی ہو چکا، اب تو بندے کو رخصت کیجیے۔ بادشاہ نے اسی وقت امیر کو تخت پر بٹھلا کے چار دیووں سے کہا کہ امیر کو پردۂ دنیا پر پہنچا کے، رسید مہری و دستخطی امیر کی لے آؤ۔ وہ تو تخت کاندھے پر رکھ کے ہوا ہوئے، آسمان پری نے پھر بہ صورتِ اولیں اپنا حال برا کیا اور سلاسل پریزاد سے کہا کہ جس طرح ہوئے تم جا کر دیوانِ تخت بردار کو سمجھا آؤ کہ خیر اسی میں ہے کہ تم جزیرۂ سرگرداں میں چھوڑ کر چلے آؤ کہ دو تین روز سرگرداں رہیں، نہیں تو تمھارے زن و بچے کو کولھو میں پلوا ڈالوں گی۔ سلاسل تیز پری کر کے امیر کے پاس پہنچا اور امیر کو سلام کیا۔ صاحبقراں نے فرمایا کہ سلاسل پریزاد، تمھارا آنا منحوس ہے، میرے پاس مت آؤ۔ بولا کہ غلام تو رخصت کے واسطے آیا ہے، پھر خدا جانے کب قدم دیکھوں گا۔ فرمایا کہ خیر، ملاقات

ہوئی، خدا حافظ ہے، اپنے مکان پر جاؤ۔ سلاسل نے پھرتے وقت ان دیووں سے شاہزادی کا حکم سنا دیا۔ تمام دن تو دیو اڑے چلے گئے، جب شام ہوئی، نیچے اترے۔ امیر نے کہا کہ اترے کاہے کو؟ بولے کہ اب رات ہوئی، شب کو چلنا خوب نہیں ہے۔ سوائے اس کے، کچھ کھائیں پئیں بھی یا نہیں؟ اس وقت کھا پی کر، استراحت کریں گے، صبح کو پھر چلیں گے۔ صاحبقراں نے فرمایا کہ اگلے دیووں کی سی حرکت نہ کرنا۔ بولے کہ کیا مقدور ہے۔ امیر چپ ہو رہے۔ دیووں نے امیر کے تخت کو وہاں پر رکھ دیا اور آپ شکار کے بہانے سے گلستانِ ارم کی طرف روانہ ہوئے۔ امیر تمام شب بدستورِ اوّل تخت پر بیٹھے جاگا کیے۔ جب صبح ہوئی اور دیو نہ آئے، دریافت کیا کہ انھوں نے بھی دغا کی۔ دل میں کہا کہ حمزہ، بادشاہِ قاف تجھ کو پردۂ دنیا پر نہ بھیجے گا۔ تو آپ چل۔ اگر خدا اپنے فضل سے پہنچا دے تو عجب کیا ہے۔ یہ سوچ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ جب ماندے ہو جاتے تھے تو کسی درخت کے نیچے ساعت دو ساعت بیٹھ کر ستاتے تھے، بعد ازاں پھر اٹھ کر چلتے تھے۔ الغرض، تمام دن چلے گئے۔ جب شام قریب ہوئی، دیکھے تو وہی دریا اور وہی میدان ہے جس جگہ دیو چھوڑ گئے تھے۔ امیر سخت متعجب و متحیر ہوئے کہ میں نے تمام دن مسافت کی سرگردانی کھینچی، اور پھر صبح کو جہاں سے گیا تھا وہیں شام کو پہنچا۔ مجبوراً وہ رات اسی جگہ گذاری، صبح کو پھر اٹھ کر چلے۔ ہر چند اب کے اور سمت روانہ ہوئے، مگر شام کو پھر اسی جگہ پہنچے جہاں دیو چھوڑ گئے تھے۔ خلاصہ، تین دن تک ہمیں آش در کاسہ رہا۔ چوتھے دن چوتھی طرف کو چلے، دوپہر تک مسافت طے کی۔ جب میدان تپنے لگا، ایک سمت چند درخت سرسبز دیکھے، اس طرف کو گئے۔ دیکھیں تو ایک سنگ مرمر کا چبوترہ ہشت پہلو بنا ہوا ہے اور ہوا بھی سرد آتی ہے۔ امیر اس پر جا کر بیٹھے۔ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ جنگل سے آواز شور و غل کی پیدا ہوئی۔ دیکھیں تو ایک دیو، مینار قامت، طاؤس سر، دار شمشاد ہاتھ میں لیے چلا آتا ہے۔ امیر کے روبرو آ کر کہنے لگا کہ او آدم زاد! تو کس ہوا میں اڑ کر یہاں آیا ہے؟ اب مجھ سے جیتا بچ کے کیونکر جائے گا؟ یہ کہہ کر دار شمشاد امیر کے حوالے کی۔ صاحبقراں نے اٹھ کر عقربِ سلیمانی سے اس دار شمشاد کو کاٹا اور ایک ہاتھ اس کی کمر پر لگایا، مگر اس کے بدن پر ایک خط بھی نہ پڑا اور وہ دیو بھاگا۔ بعد ایک ساعت کے اژدہا ہاتھ میں لے کر آیا اور لَلکارا کہ او آدم زاد، خبردار ہو جا! یہ کہہ کر اس اژدہے کو امیر پر مارا۔ امیر نے اس کو بھی تلوار سے کاٹ کر ایک ہاتھ پھر اس کی کمر پر مارا، مگر تلوار اس طرح اس کے بدن پر سے اچٹی کہ جیسے موگری گھڑیال پر سے اچٹتی ہے، اور وہ دیو پھر بھاگا۔ تیسری مرتبہ جب پھر آیا، امیر نے بہ قوتِ تمام اس پر تلوار ماری۔ اس دفعہ بھی تلوار نے نہ کاٹا۔ زاری خدا کی بارگاہ میں کرنے لگے، کہ ایک طرف سے حضرت خضرؑ پیدا ہوئے اور اسم اعظم پڑھ کر اس دیو کو مار کے، جدھر سے آئے تھے اُدھر چلے گئے۔

امیر اس دیو کے مارے جانے سے بہت خوش ہوئے اور اس چبوترے پر بہ اطمینانِ تمام بیٹھ کر دریا و

صحرا کی سیر کرنے لگے۔ ناگہاں ہوائے سرد نے امیر کو اس تختے پر سلا دیا۔ امیر نے مہرنگار کو خواب میں دیکھا کہ کھڑی روتی ہے۔ امیر نے اسی غفلت میں بے اختیار نعرہ آہ کا مارا اور جاگ اٹھے۔ دیکھیں تو وہی صحرائے بے پایاں اور دریائے موجزن ہے۔ دل میں کہنے لگے کہ دیکھیے، خدا کیونکر دنیا میں پہنچاتا ہے۔ بعدازاں خیال میں آیا کہ تن بہ تقدیر، اس دریا کی راہ سے چلا چاہیے۔ یہ سوچ کر درختوں کی لکڑیاں توڑ کے ایک بیڑا بنایا اور اس پر سوار ہو بیٹھے۔ جب نصف دریا میں بیڑا گیا، ایک تلاطمِ عظیم پیدا ہوا اور وہ بیڑا کنارے جا لگا۔ امیر نے دوبارہ اس بیڑے کو دریا میں چھوڑا، پھر طوفان آیا اور وہ بیڑا کنارے پر پہنچا۔ راوی روایت کرتا ہے کہ امیر نے بہتر بار بیڑے کو دریا میں چھوڑا، مگر بیڑا جب نصف دریا میں پہنچتا تھا یا تو تلاطم پیدا ہوتا تھا یا طوفان آتا تھا اور بیڑا کنارے سے جا لگتا تھا۔ ایک ہفتے تک امیر محنت کیا کیے، لیکن بیڑا کنارے کا کنارے ہی پر رہا۔ امیر دریا کے کنارے اترے اور نماز پڑھ کے ناخدائے جہازِ حقیقت کے حضور میں زار نالی کرنے لگے۔ اتفاقاً اسی حالت میں آنکھ امیر کی لگ گئی۔ دیکھا کہ ایک بزرگ سبز پوش کھڑے کہتے ہیں کہ اے فرزند، میں نوح پیغمبرؑ ہوں۔ اس دریا میں میرا نیزہ ہے، اس واسطے اس کے اوپر سے پانی جانے نہیں دیتا۔ تو نصف دریا میں جا کر اس اسم کو پڑھ، وہ نیزہ تیرے ہاتھ آئے گا۔ امیر نہایت خوش ہوئے اور اسی عالمِ رویا میں حضرت نوحؑ کے قدم چومے۔ ہرگاہ بیدار ہوئے، مشک و عنبر کی خوشبو سے دماغ معطر ہوگیا۔ بسم اللہ کر کے بیڑے پر پھر سوار ہوئے اور اسم تعلیم کردۂ حضرت نوحؑ پڑھتے چلے۔ جب نصف دریا تک پہنچے، پہلے تو پانی نے جوش کھایا، بعدازاں ایک چھوٹا سا صندوق تہِ آب سے اٹھ کر بیڑے کے نزدیک آیا۔ امیر نے اس صندوق کو اٹھا کر بیڑے پر رکھ لیا اور کھول کر دیکھا تو ایک نیزہ شاخِ نہنگ کا ناگدون بنا ہوا حلقہ کیا رکھا ہے۔ امیر نے جو اسے صندوق سے نکال کر حلقوں سے بند کاٹے، مثلِ کاہکشاں سیدھا ہوگیا۔ امیر نہایت خوش ہوئے اور اس نیزے سے بیڑے کو کھیتے ہوئے چلے۔ ہرگاہ بھوک لگتی تو وہی کلچہ عنایت کردۂ حضرت خضرؑ نکال کر کھاتے، اور نماز کا وقت آتا تو بیڑے کو کنارے باندھ کر نماز ادا کرتے، اور پھر اس بیڑے پر چڑھ کے روانہ ہوتے۔

الغرض، اسی طرح بیس روز کامل چلے گئے۔ اکیسویں دن ایک صحرائے خوش فضا ملا۔ امیر بیڑے سے اتر کر خشکی میں قدم زن ہوئے۔ دو تین کوس نہ گئے تھے کہ سات بھیڑیے نمود ہوئے، نہایت بزرگ اور زور آور۔ منجملہ ان کے ایک بھیڑیا سفید رنگ اور سب سے بڑا تھا اور پشم اس کی زمین تک لٹکتی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ ہفت گرگِ سلیمانی کہلاتے تھے۔ ان ساتوں بھیڑیوں کو حضرت سلیمان نے پال کر وہاں چھوڑا تھا۔ بھیڑیوں نے جو صاحبقراں کو دیکھا، چاروں طرف سے امیر کو گھیر لیا۔ صاحبقراں نے درخت کو پشت پردے کے عقربِ سلیمانی کو میان سے لیا۔ جو بھیڑیا آگے بڑھا وہ مارا گیا۔ جب امیر ساتوں بھیڑیوں کو مار چکے، کھال ان کی خنجر

سے جدا کی اور دل میں کہا کہ حمزہ، تجھے سفرِ قاف کا درپیش ہوا ہے، یہ پوست بہت جگہ کام آوے گا۔ مرگ چھالے کی طرح گلے میں ڈال کر راہی ہوئے۔ تمام دن چلے گئے۔ شب کو ایک پہاڑ کی کھوہ میں ایک پتھر کی چٹان پر بیٹھ رہے۔ جب صبح ہوئی، نماز پڑھ کے وہاں سے روانہ ہوئے۔ گرمی کے دن تھے، دوپہر کے وقت امیر تپشِ آفتاب سے گھبرا کر لگے سایہ ڈھونڈنے۔ اتفاقاً ایک چاردیواری باغ کی نظر آئی۔ قدم بڑھا کر جو گئے، دیکھیں تو دروازہ باغ کا بند ہے۔ امیر نے خنجر سے قفل کو کاٹ کر دروازہ کھولا اور باغ کے اندر گئے۔ دیکھا کہ باغ نہایت آراستہ ہے، اقسام اقسام کے درخت گل ہائے خوشبو و میوے کے لگے ہوئے ہیں اور نہر جاری ہے، مکانات طلائی ونقرئی تعمیر کیے ہوئے ہیں۔ امیر ایک مکان کے اندر گئے۔ دیکھیں تو ایک تخت زمرد کا بچھا ہوا ہے۔ امیر اس پر جا بیٹھے اور دل میں کہا کہ یہ سب مکان حضرت سلیمان کے ہیں۔ جس نے بعد اُن کے پایا اس نے دخل کرلیا۔ امیر چین سے تخت پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ساعت کے بعد رعد دوسر گرجتا ہوا پہنچا۔ اس کے شور کی آواز امیر کے کان میں آئی۔ امیر اس مکان سے باہر نکل آئے۔ دیکھا کہ ایک دیو دوسر رعد کی طرح غل مچا رہا ہے کہ جس نے میرے بے حکم میرے باغ کا دروازہ کھولا ہے میں اس کو دیکھوں تو پلپلا کر نگل جاؤں۔ امیر نے لکار کر اس سے کہا کہ او خیرہ سر، دراز قامت، کیا بیہودہ بکتا ہے! تو نہیں جانتا کہ میں زلازلِ قاف، کوچک سلیمان، قاتل اہرمن وعفریت ہوں؟ رعد دوسر بولا کہ او آدمی، گلدستۂ قاف برباد کر کے تو میرے باغ میں آیا ہے۔ اب اگر لاکھ پاؤں رکھتا ہو تو یہاں سے قدم اٹھا نہیں سکتا۔ یہ کہہ کر ایک چوب فولادی جو اس کے ہاتھ میں تھی، امیر کے سر پر ماری۔ امیر نے وہ چوب اس کے ہاتھ سے چھین لی۔ رعد دوسر نے دیکھا کہ یہ آدمی بڑا ہی زور آور ہے۔ بے تحاشا سر پر پاؤں رکھ کے امیر کے آگے سے بھاگا۔ امیر نے اس کا پیچھا کیا۔ اس نے دیکھا کہ اس آدمی کی دوڑ بھی مجھ سے زیادہ ہے۔ اثنائے راہ میں ایک کنواں تھا، اس میں گھس گیا۔ صاحبقراں اس کنویں کی جگت پر بیٹھ گئے کہ کبھی تو نکلے گا۔ تین پہر کامل بیٹھے رہے مگر وہ نہ نکلا۔ بیٹھے بیٹھے امیر کی آنکھ لگ گئی۔ عمرو نے خواب میں آ کر کہا کہ حمزہ، اگر حشر تک تو یہاں بیٹھا رہے گا تو وہ اس کنویں سے نہ نکلے گا۔ اس کنویں کے پاس جو تالاب ہے، اس کا پانی کاٹ کر اس کنویں میں لا کہ کنواں پانی سے بھر جاوے۔ البتہ اُس دم گھبرا کر وہ نکلے گا۔ یہ خواب دیکھ کر امیر کی آنکھ کھل گئی۔ خنجر سے ایک نالی کھود کر تالاب کے پانی سے کنویں کو بھرا۔ تب تو وہ گھبرا کر کنویں سے باہر نکل کے چاہتا تھا کہ بھاگے، امیر نے دوڑ کر ایک تلوار ایسی اس کی کمر پر ماری کہ مانندِ خیارِ تر دو ٹکڑے ہو گیا۔

ایک ساعت نہ گذری تھی کہ ایک دیونی بڑھیا پھوس روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ او آدم زاد، تو نے میرے بیٹے کو، کہ کل اس کا تین سو برس کا سن تھا، ابھی اس کے دودھ کے دانت بھی نہ ٹوٹے تھے، عبث مارا۔ یہ

خیال نہ کیا کہ اس کا کوئی وارث بھی ہوگا۔ دیکھ، میں اس کی ماں اس کا بدلہ لینے کو آ پہنچی۔ شرارہ جادو میرا نام ہے۔ میرے شعلۂ غضب سے بچ کر اب تو کہاں جا سکتا ہے؟ یہ کہہ کر جادو کرنے لگی۔ امیر نے جو اسمِ باطل السحر پڑھا، شرارہ جادو اپنا جادو بھول گئی۔ امیر نے قدم بڑھا کے ایک ہاتھ لگا کر اس کو بھی دو ٹکڑے کیا اور غسل کر کے دو رکعت نمازِ شکرانے کی ادا کی اور دل میں کہا کہ سفرِ دور و دراز درپیش ہے، آج اسی جگہ استراحت کیا جانا چاہیے۔ وہ شب اسی جگہ پر سحر کی۔ صبح کو وہاں سے روانہ ہوئے۔

تیرھویں دن امیر کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ ناچار ایک جگہ بیٹھ گئے۔ دل میں کہا کہ ہنوز دلّی دور ہے اور ہم تھک گئے اور آبلے بھی پاؤں میں پڑ گئے۔ دیکھیے، کیونکر پردۂ دنیا پر پہنچتے ہیں۔ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ ایک گرد سامنے سے اٹھی۔ جب وہ گرد زمین پر بیٹھ گئی، دیکھیں تو ایک گھوڑا، مشکی رنگ، ساز و یراق سے مزین چلا آتا ہے۔ جب امیر کے پاس آ کر وہ ٹھہر گیا، امیر نے اپنے دل میں کہا کہ یہ سواری خدا نے غیب سے تجھ کو بھیجی ہے۔ اٹھ کر اس پر سوار ہوئے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر جانا تھا، وہ گھوڑا برق کے مانند وہاں سے چمک کر ہوا ہوا۔ ہر چند امیر نے روکا مگر نہ رکا، تین شبانہ روز تک چلا گیا۔ چوتھے دن امیر نے دیکھا کہ ایک چاردیواری باغ کی ہے۔ وہ گھوڑا اس کے اندر گیا۔ وہاں بہت سے گھوڑے اس رنگ کے پھرتے دیکھے اور وہ گھوڑا بھی ان گھوڑوں میں مل کر چرنے لگا۔ امیر اس کیفیت کو دیکھ کر بہت اپنے دل میں حیران ہوئے۔ غور کر کے جو دیکھا تو ایک معشوقہ، چاردہ سالہ، رشکِ خورشید، ایک گھوڑے پر سوار، طلائی جواہرنگار چھڑی ہاتھ میں لیے ہوئے، ان گھوڑوں کو چَراتی پھرتی ہے اور کبھی ہنستی ہے اور کبھی روتی ہے۔ امیر کو دیکھ کر بولی کہ اے عزیز، تو کیا ماندہ تھا کہ اس گھوڑے کو پا کر غنیمت جان کے سوار ہو بیٹھا؟ امیر نے فرمایا کہ اے جانِ جہاں، نفس الامر میں میں تھکا ماندہ تھا، اس گھوڑے کو دیکھ کر تائیدِ الٰہی سمجھ کے سوار ہو بیٹھا۔ یہ گھوڑا جو مجھ کو لے کر بھاگا، یہاں آ کر ٹھہرا۔ اب تو بتا کہ کون ہے اور اس جگہ کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ یہ طلسمِ شطرنج سلیمانی ہے۔ آج تک یہاں آ کر کوئی جیتا نہیں نکلا۔ اتنا ہی کہنے پائی تھی کہ گھوڑا اس کا دوسری جانب کو اسے لے گیا۔ دستِ راست کو جو امیر دیکھیں تو حضرت خضرؑ کھڑے ہیں۔ امیر نے سلام علیک کی۔ حضرت خضرؑ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ یا صاحبقراں، جس گھوڑے پر تم سوار ہو اس کے گلے میں ایک لوح زمرد کی ہے۔ اس کو لے کر اپنے پاس رکھو اور بے دیکھے لوح کے کوئی کام نہ کرنا کہ یہ طلسم ہے۔ حضرت خضرؑ تو یہ کہہ کے چلے گئے، امیر نے گھوڑے کے گلے سے لوح کو لے کر دیکھا۔ اس میں لکھا تھا کہ اے روندہ و سیر کنندۂ طلسمات، خدا نے اپنا فضل کیا کہ لوح اس طلسم کی تیرے ہاتھ آئی۔ یہ عورت جو گھوڑے پر سوار ہے، کبھی ہنستی ہے اور کبھی روتی ہے۔ جس وقت یہ ہنسے، ایک تیر یہ اسم پڑھ کر اس کے منہ پر مار۔ دیکھ، کیا تماشا نظر آتا ہے۔ امیر نے جو ہنستے وقت اس کے منہ پر تیر مارا، وہ تیر گُدّی کے

پار نکل گیا۔ اس کے روزن سے ایک شعلہ آگ کا نکلا اور گھوڑوں کی ایال ودم میں آگ لگی۔ جتنے گھوڑے تھے شعلۂ جوالہ کی طرح سے کاوے کھا کھا کر جل گئے۔ فقط وہ گھوڑا جس پر امیر سوار تھے اس آگ سے بچا رہا۔ امیر دیکھیں تو نہ وہ باغ ہے نہ گھوڑے ہیں، ہر طرف سے آواز شور وغل کی آتی ہے اور ایک صحرائے وسیع ہے۔

گھوڑا امیر کو وہاں سے لے کر چند قدم ایک طرف کو گیا تھا کہ ایک چار دیواری باغ کی نظر آئی۔ امیر جو اس کے اندر گئے، باغ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ باغ کیا تھا نمونۂ بہشت تھا۔ درمیان میں اس باغ کے ایسا ایک درخت عظیم الشان دیکھا کہ ہر ٹہنی اس کی جنت میں بجائے ایک درخت کے تھی اور اس پر رنگ برنگ کے جانور بیٹھے ہوئے اپنی اپنی بولی بول رہے تھے، اور درمیان میں ان جانوروں کے ایک ہمائے تاجدار مالائے مروارید گلے میں ڈالے ہوئے تھا۔ امیر کو جو اس نے دیکھا، تمام جانوروں سمیت پانچ سو گز درخت سے بلند اڑ کر جانوروں کے حلقے میں مع جانورانِ حلقہ زن آدمی کی طرح سے اس آوازِ دردناک سے آہ وزاری کی کہ آدمی کیا پتھر بھی پگھل جاوے۔ امیر نے ان جانوروں کی زار نالی سن کر رو دیا۔ مگر مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا مٹھا پھونک کر پیتا ہے، لوح کو نکال کر دیکھا۔ لکھا تھا کہ خبردار! خبردار! اس درخت کے نیچے نہ کھڑا ہونا، نہیں تو طلسم میں گرفتار ہو جائے گا۔ اس اسم کو تیر پر دم کر کے ہما جادو کو مار ڈال۔ امیر تیر کو کمان میں جوڑ کر کھڑے ہوئے کہ ہما درخت پر بیٹھا۔ چاہتا تھا کہ پھر پرواز کرے، امیر نے بسم اللہ کر کے ہما کے سینے میں تیر مارا۔ تیر کے لگتے ہی ہما کے سینے سے ایک شعلہ آگ کا نکلا اور وہ باغ تمام جانوروں سمیت جل گیا۔

بعد شور وغل کے امیر نے اپنے کو ایک اور باغ میں دیکھا۔ اس باغ میں ایک غول سونے کا بیلچہ لیے ہوئے کھڑا تھا۔ امیر کو دیکھ کر بولا کہ او آدم زاد، سیاہ سر، دنداں سفید، ضعیف الجثہ، تو یہاں کس طرح آیا؟ یہ کہہ کے دوڑ کر بیلچہ امیر کو مارا۔ امیر نے اس کی ضرب کو خالی دے کر ایک ہاتھ تلوار کا ایسا لگایا کہ مثل کدو دو ٹکڑے ہو گیا۔ ٹکڑے اس کے جو زمین پر گرے ایک کے دو غول ہو گئے اور دونوں امیر پر دوڑے۔ خلاصہ، دو پہر کے عرصے میں تمام باغ غولوں سے بھر گیا۔ مگر یہ خیر تھی کہ کسی غول کی ضرب امیر کو اثر نہ کرتی تھی اور غول بھی عجیب الہیئت نظر آتے تھے کہ سر تو ان کا سینے میں اور دونوں ہاتھ دو سینگوں کی طرح سے سر کے برابر نکلے ہوئے تھے۔ آخر امیر کو لوح یاد آئی۔ دیکھا تو معلوم ہوا، یہ غول تلوار سے نہ مارا جائے گا۔ غول سفید کے ماتھے میں ایک خال برنگِ عقیق سرخ ہے، اس خال میں تیر لگے گا تو یہ طلسم فتح ہوگا۔ امیر دیکھیں تو واقعی ان غولوں میں ایک غولِ سفید ہے اور اس کی پیشانی پر ایک خالِ سرخ ہے۔ بسم اللہ کر کے ایک تیر اس کے خال میں مارا۔ چاروں طرف سے شور وغل پیدا ہوا اور فلک پر سے اولے گرنے لگے اور بادل گرجنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ سب فساد دور ہوا۔ دیکھیں تو ایک اور ہی مکان ہے۔ امیر اس مکان کے اندر

گئے۔ باغِ خوش فضا نظر آیا۔ دیکھا کہ نافِ باغ میں ایک حوض پانی سے لبریز ہے اور لبِ حوض ایک تخت خوش قطع بچھا ہے۔ اس پر ایک دیو تکیہ زن ہے اور سامنے اس کے ایک عورت بندھی ہوئی پڑی ہے، اور اس کے سینے پر ایک جن خنجر ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے۔ امیر کو دیکھ کر وہ عورت پکارنے لگی کہ اے شکنندۂ طلسم، مجھے اس کے ہاتھ سے بچا۔ اس کے اس بات کہنے سے جن نے اس کا سر کاٹ کر دیو کی گودی میں ڈال دیا اور اس نے حوض میں پھینک دیا۔ حوض سے وہ سر اچھل کر پھر اس عورت کے دھڑ میں لگ گیا اور اس عورت نے بدستورِ اوّل پھر صاحبقراں سے مدد چاہی۔ جن نے پھر سر اس کا کاٹ کر دیو کی گودی میں ڈالا اور اس نے بدستور حوض میں پھینک دیا۔ سر پھر اچھل کر عورت کے بدن میں آلگا۔ امیر اس کیفیت کو دیکھ کر بہت متعجب ہوئے۔ لوح کو نکال کر جو پڑھا، لکھا تھا کہ جس وقت وہ جن سر اس عورت کا کاٹ کر دیو کی گود میں دے، اس وقت تو اسمِ اعظم پڑھ کے تیر اس دیو کے کنٹھے میں مار۔ امیر نے وہی عمل کیا۔ دیو کے مرتے ہی ایک شور وغل پیدا ہوا۔ شور وغل موقوف ہونے کے بعد امیر نے دیکھا کہ ایک صحرائے بے پایاں ہے۔ امیر اس طرف کو چلے۔

تھوڑی دور جا کر ایک قلعہ سنگِ سیاہ کا دیکھا۔ امیر جو اس قلعے کے دروازے پر گئے، دروازہ قلعے کا کھلا پایا اور آبادی اس قلعے میں نظر آئی۔ امیر قلعے کے اندر گئے۔ دیکھیں تو قلعہ خوب آباد ہے۔ دو رویہ دکاندار اپنی اپنی دکانوں پر بیٹھے ہوئے ہیں مگر کسی میں حس و حرکت نہیں ہے۔ ہر چند امیر نے ان لوگوں سے بات کی لیکن کسی نے لب تک نہ ہلائے۔ چار بازار کی سیر کرتے نقار خانے کی طرف گئے۔ کثرت سے خلقت نظر آئی مگر وہی بے حس و حرکت۔ آگے بڑھ کر مکانات پر تکلف دیکھے اور نقیب، چوبدار، یساول، دربان، خدمتگار دروازے پر بیٹھے پائے۔ مگر جس سے امیر نے پوچھا کہ یہ قلعہ کس کا ہے، کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ چند قدم پر دیوانِ خاص ملا۔ اس میں ایک مکان مرصع دیکھا۔ اس کے اندر جو گئے، ایک تخت جواہر نگار پر بادشاہ کو بہ لباسِ شاہانہ بیٹھے دیکھا اور گرد اس کے سردار و پہلوان اپنے اپنے قرینے سے دنگلوں پر بیٹھے پائے۔ امیر نے بادشاہ کے متصل جا کر سلام علیک کی۔ جب جواب نہ پایا تب تو برہم ہو کر کہا کہ تمھارے یہاں کا یہی رسم ہے کہ جو کوئی سلام علیک کرے اس کو جواب نہ دیں؟ اس کا بھی جواب نہ ملا۔ امیر ناخوش ہو کر باہر کو پھرے۔ نگاہ کریں تو جس دروازے سے آئے تھے وہ دروازہ نظر نہیں آتا۔ ناچار ہو کر پھر بادشاہ کے پاس آئے۔ بادشاہ کے ہاتھ میں ایک کاغذ لکھا ہوا تھا۔ امیر نے ہاتھ بڑھا کے وہ کاغذ بادشاہ کے ہاتھ سے لیا۔ بادشاہ تب بھی نہ بولا۔ امیر نے اس کاغذ کو پڑھا۔ لکھا تھا کہ اے آیندۂ طلسمات، یہ سلیمانؑ کے دربار کی نقل ہے۔ جو لوگ کہ دربار میں حاضر ہوتے تھے، ان کی صورتیں بنائی ہیں، اور جو جو صورت تو نے اس قلعے میں دیکھی ہے یہ سب لوگ سلیمانؑ کے وقت میں اس قلعے میں تھے۔ پس پتلے کیونکر جواب دیں۔ امیر اس فکر میں غلطاں و پیچاں تھے کہ حضرت سلیمانؑ کے تخت کے

برابر ایک اور تخت دکھائی دیا۔ دیکھیں تو اس پر ایک معشوقہ چاردہ سالہ، مغرّق بہ جواہر، بہ کمال ناز و ادا بیٹھی ہے اور چار سو پریزادیاں اس کے تخت کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑی ہیں۔ امیر نے اس کے برابر آ کے سلام علیک کی۔ اس نے جواب سلام کا دے کر کہا کہ اے عزیز، اس طلسمات میں تو کیونکر آیا؟ امیر نے کہا کہ میرا حال بہت طول ہے، کیونکر سناؤں! مگر تم اپنا حال بیان کرو کہ کون ہو؟ اس معشوقہ نے کہا کہ اے بندۂ خدا، میں بھی حضرت سلیمانؑ کی حرم ہوں۔ نام میرا سلیم شاعراں ہے۔ جب حضرت سلیمانؑ نے اس جہانِ گذار کو رخصت کیا اور شہپال بادشاہ ہوا، اس نے پردۂ ظلمات کی حکومت مجھ کو دی۔ چند روز کے بعد عفریت بن مقاتل اہرمن نے سر اٹھایا اور قاف کے ملکوں کو از راہِ نمک بحرامی شہپال سے چھین لیا۔ شدہ شدہ ظلمات میں بھی گیا اور مجھ سے پیغام کیا کہ تو مجھ کو قبول کر۔ میں نے دیکھا کہ جب شہپال اس سے نہ لڑ سکا تو میری کیا حقیقت ہے، ناحق حرمت میں خلل آئے گا، یہاں سے بھاگنا ہی صلاح ہے۔ اس خیال سے اپنے کو دیدہ و دانستہ اس طلسم میں ڈال کر قیدی بنی کہ یہاں تو وہ نہ آ سکے گا۔ باقی اس مکان میں فقط بہ لحاظِ زیارتِ تصویرِ حضرت سلیمانؑ زندگی کے دن بھرتی ہوں۔ اور یہ چار سو پریزادیاں میری کنیزیں ہیں، ان کو اپنے ساتھ لیتی آئی تھی۔ اب تم اپنا احوال بیان کرو۔ صاحبقراں نے کہا کہ میں زلازلِ قاف، کوچک سلیمان، فرزندِ ابراہیم پیغمبر ہوں۔ حمزہ میرا نام ہے۔ شہپال نے اپنی مدد کو مجھے دنیا سے بلایا تھا۔ میں نے آ کر اوّل مقاتل اہرمن کو، بعد ازاں عفریت اور اس کی ماں ملعونہ کو مار کر بادشاہ کا ملک گیا ہوا بادشاہ کے قبضے میں بدستور کر دیا، اور اکثر طلسموں کو توڑا اور دیوانِ سرکش کو مارا۔ اب تو خوف نہ کر، شوق سے اپنے ملک میں جا۔ ملکۂ سلیم شاعراں نے جواب دیا کہ طلسم میں تو اپنی خوشی سے آئی تھی، لیکن یہاں سے نکلنا میرے اختیار کے باہر ہے، کیونکہ جو یہاں آتا ہے وہ نکل نہیں سکتا۔ فرمایا کہ میں اس طلسم کو توڑ کر تجھ کو یہاں سے نکال دیتا ہوں، بشرطیکہ ایک بات کا مجھ سے اقرار کر۔ ملکہ سلیم شاعراں نے پوچھا کہ وہ کیا بات ہے؟ پہلے میں سن لوں تو اقرار کروں۔ امیر نے کہا کہ یہاں سے چھوٹنے کے بعد پردۂ دنیا میں مجھے پہنچا دے۔ سلیم شاعراں نے بسر و چشم کہہ کر قول دیا کہ میں خود لے جا کر پہنچا دوں گی۔

امیر نے لوح کو بغل سے نکال کر دیکھا۔ ہر چند غور کیا، ایک حرف نظر نہ آیا۔ امیر کے حواس اڑ گئے۔ جانا کہ اب جیتے جی اس طلسم میں رہے۔ لوح کو رکھ کے وضو کیا اور تہہ آسمان بعد از ادائے نماز، سر کھول کر مناجات کر کے سجدۂ آخر میں گئے۔ ایک غفلت سی طاری ہوئی۔ اس غفلت میں حضرت سلیمانؑ کو دیکھا کہ میرا سر چھاتی سے لگا کر فرماتے ہیں، اے فرزند، ملول نہ ہو، بدیع الملک نامی تیرا فرزند اس طلسم کو توڑے گا۔ باقی رہا اس طلسم سے نکلنا، تو اس اسم کو پڑھتا ہوا دروازے کی طرف جا، دروازہ پیدا ہوگا۔ جب دروازے کے باہر قدم رکھنا، اسم کو پڑھتا رہنا۔ ایک ہرن تیرے سامنے آ کر بھاگے گا۔ تو بھی یہی اسم پڑھتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے

دوڑنا۔ جب وہ ہرن غائب ہو جائے، جاننا کہ طلسم کی سرحد سے باہر آیا۔

امیر جو ہوشیار ہوئے، سجدے سے سر اٹھا کر پھر سجدۂ شکر کیا اور ملکہ سلیم شاعراں سے خواب بیان کر کے کہا کہ جب میں یہاں سے نکلوں، تو میرے پیچھے دوڑی چلی آ۔ امیر اسمِ تعلیم کردۂ حضرت سلیمانؑ کو پڑھتے ہوئے دروازے کی طرف گئے۔ دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جب دروازے سے نکلے، ایک ہرن، سینگوں پر سنگوٹیاں جڑاؤ چڑھائے، نوکوں پر سینگوں کی دو لعل جڑے ہوئے، زربفت کی جھول پشت پر، پیجنیاں مرصع پاؤں میں، کودتا پھاندتا، چھم چھم کرتا، چوکڑیاں بھرتا، امیر کے برابر سے نکل کر میدان کی طرف بھاگا۔ امیر وہ اسم پڑھتے ہوئے اس ہرن کے پیچھے دوڑے اور ملکہ سلیم شاعراں بھی اپنے پریزادوں سمیت امیر کے پیچھے چلی۔ قلعے سے ایک شور وغل پیدا ہوا کہ لیجیو، پکڑیو، دربند سے قیدی بھاگے جاتے ہیں۔ کون سنتا ہے، یہاں پھر کے بھی کسی نے نہ دیکھا۔ آگے جا کر دو پہاڑ ملے۔ ہرن ان پہاڑوں میں جا کر امیر کی نگاہ سے ہرن ہو گیا۔ امیر نے جانا کہ طلسم کی سرحد سے باہر آیا۔ سجدۂ شکر بجا لائے اور اس پہاڑ سے نکل کر دوسرے پہاڑ کی تلی میں مقام کیا۔ ملکہ سلیم شاعراں بھی اسی جا مقیم ہوئی۔ چار سو پریزادوں سے سامانِ عیش وطرب مہیا کر کے امیر کی ضیافت کی۔ سات دن تک امیر اسی مقام پر ناچ دیکھا کیے۔

آٹھویں دن ملکہ سلیم شاعراں نے اپنے ہم نشینوں سے مشورہ کیا کہ حمزہ جفتِ آسمان پری ہے، اس دہشت سے کوئی اس کو دنیا میں نہیں پہنچاتا، اور میں نے حمزہ سے عہد کیا ہے کہ میں تم کو دنیا میں پہنچا دوں گی، پس تم لوگوں کی اس امر میں کیا صلاح ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ سمجھ لو، اگر آسمان پری کو معلوم ہوگا کہ تم نے اس کے شوہر کو دنیا میں پہنچا دیا ہے تو وہ تمھاری جان وحرمت کی دشمن ہو جائے گی۔ وہ اپنے باپ ماں سے تو ڈرتی نہیں، دوسرا کوئی کیا مال ہے۔ اس حرکت سے وہ تم کو بے حرمت بھی کرے گی اور ظلمات کو بھی چھین لے گی۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ اس آدمی کو اسی جا پر سوتا چھوڑ کر مع چار سو پریزاد، یہاں سے چل دو۔ سلیم شاعراں کو بھی یہی صلاح پسند آئی۔ امیر کو سوتا چھوڑ کر مع پریزادانِ ہمراہی ظلمات کو اڑ کے چلی گئی۔

امیر صبح کو جو جاگے دیکھیں تو سلیم شاعراں نہیں ہے۔ دریافت کیا کہ آسمان پری کے خوف سے اس نے بھی مجھ کو دنیا میں نہ پہنچایا۔ دل میں سوچے کہ خدا مددگار چاہیے، وہ چاہے گا تو دنیا میں پہنچنا کچھ دشوار نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اسی پہاڑ کے نیچے نیچے روانہ ہوئے۔ راوی لکھتا ہے کہ امیر نو شبانہ روز تک چلے گئے۔ جب بھوک لگتی تو کلیچہ عنایتِ خضر کھاتے۔ بعد ازاں کبھی خشکی میں، کبھی دریا میں، کبھی پہاڑ میں، جہاں ہوتے کلیچے کو پھینک دیتے۔ لیکن جب امیر کو بھوک لگتی، وہ کلیچہ امیر کے پاس آ کر موجود ہوتا۔ دسویں دن ایک جگہ شمشاد کے درختوں کے نیچے شب باش ہوئے۔ انھیں ساتوں بھیڑیوں کی کھال بچھا کر سو رہے۔ صبح کو اٹھ کر نماز پڑھ جنگل سے نکل

میدان کی راہ لی۔ تھوڑی دور جا کر دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شعلہ پہاڑ کے دامن سے رہ رہ کر اٹھتا ہے۔ امیر نزدیک جا کر دیکھیں تو وہ پہاڑ نہایت خوش رنگ ہے۔ چادریں پانی کی ہر طرف جھرنوں سے پڑ رہی ہیں، سبزے سے صحرا میں فرشِ مخمل زمردی بچھا ہوا ہے اور قلۂ کوہ پر ایک چار دیواری عالیشان سونے روپے کی اینٹوں کی، جواہرات کی دار بیل سے درزیں بند کی ہوئیں، نظر آتی ہے، اور جانور رنگ برنگ کے جابجا پہاڑ پر پھر رہے ہیں۔ اور نیچے پہاڑ کے ایک غار ہے، اس کے منھ پر ایک دیو بیٹھا ہوا ارنے اور فیل وشتر کے کباب لگا رہا ہے۔ وہ شعلہ جو پہاڑ سے نکلتا ہوا نظر آتا تھا، اسی الاؤ کا تھا، اور یہ وہ دیو ہے کہ قاف کی راہ میں خدائی کرتا ہے۔ اس ملعون نے اپنے کو خدا مشہور کیا ہے اور یہ غار اور الاؤ اس کا دوزخ ہے، اور چار سو دیو دوزخ کے موکل ہیں۔

امیر نے ارادہ کیا کہ پاس جا کر کچھ ان سے احوال پوچھیں۔ ناگاہ ان میں سے ایک دیو کی نگاہ امیر پر پڑی۔ بولا کہ میری سیخ میں کباب ہو چکا تھا، سو خداوندِ قاف نے اس شکار کو بھیجا ہے۔ یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ کر امیر کو اشارے سے بلا کے کہا کہ او آدم زاد، پاؤں دبائے چلا آ۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اور دیو تجھ کو دیکھ لے اور اٹھا کر لقمہ کر جاوے تو میں محروم رہ جاؤں۔ امیر اس کے اس کلام پر ہنسنے لگے۔ اس دیو کو جو برا معلوم ہوا، سیخ لے کر امیر پر دوڑا۔ امیر نے عقربِ سلیمانی میان سے لے کر جو لگائی، مع سیخ کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس دیو کو مرتے دیکھ کر جتنے دیو تھے، حربہ لے لے کر امیر پر دوڑے۔ امیر سپر گرشاسپ یل کی بائیں ہاتھ میں لے کر، داہنے ہاتھ سے عقربِ سلیمانی کو کھینچ کر، دیووں کے بیچ میں پٹے کے ہاتھ لگانے لگے۔ جس کے ایک ہاتھ لگایا دو ٹکڑے کیا۔ بہت سے تو مارے گئے، تھوڑے سے بھاگ کر بچے۔ جب امیر نے دیکھا کہ اب کوئی دیو نہ رہا، پہاڑ پر جا کر بہشت جو اس نے بنایا تھا اس کے اندر گئے۔ دیکھیں تو واقعی مکان نمونۂ فردوس ہے اور اس میں ایک تخت زمرد کا بچھا ہے۔ امیر اس تخت پر بیٹھ گئے اور ارادہ کیا کہ دو گھڑی سو رہیے۔ پھر دل میں خیال کیا کہ دیو جو بھاگے ہیں وہ البتہ اپنے سردار سے اطلاع کریں گے اور وہ بھی یقیناً سنتے ہی آوے گا، پس ایسے مقام پر غافل ہونا خوب نہیں ہے۔ چنانچہ دیو جو جان لے کر بھاگے تھے، انھوں نے بالاتفاق اپنے خداوند کو خبر دی کہ ایک آدم زاد نے آن کر اتنے موکلوں کو تو مار ڈالا، اور ہم اگر جان لے کر نہ بھاگتے تو ہم بھی مارے جاتے۔ پوچھا کہ اب وہ کہاں ہے؟ دیو بولے کہ بہشت کی سیر کر رہا ہے۔ ارنائیس سنتے ہی آگ ہو گیا اور کہنے لگا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ جس نے میرے بندوں سے ایسی حرکت کی ہے، ذرا میں بھی تو اس کو دیکھوں۔ یہ کہہ کر کئی ہزار دیو ساتھ لے کر قلعۂ زرد عقیق سے اڑا اور جاتے ہی مکان کو گھیر کر دیووں سے کہا کہ اندر جا کر اس سیاہ سر، دنداں سپید کو پکڑ لاؤ۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا مقدور نہیں کہ اندر جانے کا قصد کریں۔ آپ خداوند ہیں، اپنی کسی تقدیر سے اسے ماریے۔ دیووں کے اس کلام سے ارنائیس کو اور بھی غصہ آیا۔ دار شمشاد

لے کر اندر گھسا اور جا کر امیر سے کہا کہ او آدم زاد، تو نے میرے فرشتوں کو کیوں مارا؟ کیا تجھ کو میرا خوف نہ تھا؟ یہ کہہ کر دار شمشاد امیر پر لگائی۔ امیر نے جست کر کے اس ضرب کو ٹالا اور کمر بند اس دیو کا پکڑ کر زمین پر دے مارا۔ چاہتا تھا کہ تڑپ کر بھاگے، امیر کود کر اس کی چھاتی پر سوار ہوئے اور کمر سے خنجر نکال کر اس کے گلے پر رکھ دیا۔ ارنائیس آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور کہنے لگا کہ اے زلازلِ قاف، مجھے امان دے۔ فرمایا کہ ایک طرح، پہلے اپنا احوال ظاہر کر، دوسرے مسلمان ہو۔ ارنائیس بہ صدقِ دل مسلمان ہوا اور عرض کی کہ یا امیر، میں سلیمانؑ کے وقت میں یساولوں میں نوکر تھا۔ جب سلیمانؑ نے دنیا سے رحلت کی، جس کے جو مکان ہاتھ لگا اس نے اپنا عمل کر لیا۔ میں نے بھی اس مکان میں اپنا دخل کیا اور اپنے کو خدا دیووں کا مشہور کیا۔ آپ نے آن کر مجھ کو ہدایت کی۔ الحمد للہ میں شرک سے محفوظ ہوا۔ اب آپ کا تابعدار ہوں، جو فرمائیے گا بجا لاؤں گا۔ یہ کہہ کر مکان کے باہر آیا اور اپنے تمام دیووں سے کہا کہ میں مسلمان ہوا، تم میں سے جو مسلمان ہو وہ میرے پاس رہے، اور جس کو اسلام قبول نہ ہو وہ اپنی راہ لے۔ بعضوں نے ایمان قبول کیا اور اکثر انکار کر کے وہاں سے چلتے ہوئے۔

ارنائیس پھر امیر کے پاس آیا اور عرض کی کہ جو دیو مسلمان ہوئے ان کو تو میں نے رہنے دیا ہے، اور جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا ان کو میں نے اپنے پاس سے دور کیا۔ فرمایا کہ بہت اچھا کیا، مگر بڑی اطاعت میری یہ ہے کہ مجھ کو تو دنیا میں پہنچا دے۔ ارنائیس بولا کہ دنیا میں آپ کا پہنچانا مشکل کیا ہے مگر آسمان پری کے خوف سے آپ کو کوئی نہیں پہنچاتا ہے، کہ وہ بڑی ظالم ہے۔ لیکن میں سب ظلم اس کے اپنے اوپر قبول کر کے آپ کو دنیا میں پہنچا دوں گا، بشرطیکہ میری مراد بر آوے۔ امیر نے فرمایا کہ وہ مراد کیا ہے۔ ارنائیس نے کہا کہ میں جس قلعے میں رہتا ہوں، عقیق نگار اس قلعے کا نام ہے، کہ وہ عقیقِ زرد سے بنا ہوا ہے۔ اس کے نزدیک ایک اور قلعہ ہے، اسے زمرد حصار کہتے ہیں۔ وہاں کا بادشاہ لاہوت شاہ ہے۔ لانیسہ نامی اس کی بیٹی ہے۔ میں اس پر عاشق ہوں، وہ کسی طرح میرے ہاتھ نہیں لگتی۔ اگر اس معشوقہ کو مجھے دلا دیجیے تو میں آپ کو دنیا میں پہنچا دینے کا ذمہ کرتا ہوں۔ فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے۔ مجھے اس جا لے چل، جس طرح بنے گا میں تیری معشوقہ کو تجھے دلوا دوں گا۔ ارنائیس نے کہا کہ آیئے میری گردن پر سوار ہو جایئے۔ امیر زرہ کے دامن کو گردان کے اس کی گردن پر سوار ہوئے۔ ارنائیس طرارہ بھر کر زمرد حصار کو چلا۔

تمام ہوا دفترِ دوم امیر حمزہ صاحبقراں گیتی ستاں کے قصے کا۔ باقی حال تیسرے دفتر میں لکھا جاوے گا، انشاء اللہ المستعان۔

داستانِ امیر حمزہ

دفترِ سوم

داستان صاحبقراں گیتی ستان عم کبار پیغمبر آخر الزماں امیر ابو العلا المعروف حمزہ زلازل قاف کو چک سلیمان کا

واضح ہو کہ جب ارنائیس دیو امیر کو زمرد حصار کی طرف لے کر چلا، شام کے وقت ایک مکان پر اترا۔ امیر نے مغرب کی نماز سے فراغت کر کے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ زمرد حصار یہاں سے بہت نزدیک ہے۔ رات کی رات یہاں آرام کیجیے، صبح کو تشریف لے چلیے۔ امیر نے فرمایا کہ مجھ کو حضرت خضرؑ نے نصیحت کی ہے کہ دیوانِ قاف کا کبھی اعتبار نہ کرنا، اس لیے میں تجھ کو درخت سے باندھ کر سوؤں گا۔ اس نے عرض کی کہ یا امیر، میں آپ سے دغا نہیں کرنے کا۔ اور اگر آپ کو میرا اعتبار نہیں ہے تو بہتر ہے، درخت سے باندھ دیجیے۔ امیر نے سوتے وقت اس کو ایک درخت عظیم الشان سے باندھ دیا اور آپ پوستِ گرگ بچھا کر سو رہے۔ ارنائیس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ تو پردۂ قاف پر خدائی کرتا تھا۔ جس کے کہنے سے اپنی خدائی سے دستبردار ہوا وہ ایسا بے اعتبار ہے کہ تجھ کو درخت سے باندھ کر آپ چین سے سو رہا۔ پس ایسے شخص کی رفاقت میں رہنا دانائی سے دور ہے۔ یہ سوچ کر مع درخت وہاں سے اڑ گیا۔ صبح کو جو صاحبقراں جاگے، درخت و دیو کا نشان نہ پایا۔ تجویز کیا کہ شاید درخت میں باندھنے سے ناخوش ہو کر چلا گیا؛ اگر باندھا نہ جاتا تو نہ جاتا۔ بہر حال، اس میں خیر تھی جو ہوا۔ نماز پڑھ کے ایک طرف کو روانہ ہوئے۔ جب آفتاب خط استوا پر پہنچا، صحرا میں لو چلنے لگی۔ ایک طرف کو بہت سے درخت گنجان نظر آئے۔ امیر ان درختوں کی طرف قدم زن ہوئے۔ دیکھیں تو ایک باغیچہ ہے اور ہوا سرد و خوش آئند آتی ہے۔ پوستِ گرگ بچھا کر بیٹھ گئے۔ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ ایک دیو آسیا سنگ لیے ہوئے آن کر امیر سے کہنے لگا کہ اے آدم زاد، میرا خوف کیا تجھ کو نہ تھا کہ میرے باغ میں آن کر بیٹھا؟ امیر نے فرمایا کہ میں دیوانِ قاف سے نہیں ڈرتا۔ اس نے آسیا سنگ کو امیر پر

مارا۔ امیر نے عقربِ سلیمانی سے اس کو رد کر کے ایک ہاتھ جو اس کے لگایا، وہ دیو دو ٹکڑے ہو گیا۔ جب تمازت آفتاب کی کم ہوئی، وہاں سے اٹھ کر آگے چلے۔

چار گھڑی دن باقی ہو گا کہ جنگل کی طرف سے بزن بزن اور توبہ توبہ کی صدا بلند ہوئی۔ امیر متعجب ہو کر ٹھہر گئے۔ دیکھا کہ قریب چار سو جن ارنائیس کو مارتے لیے آتے ہیں۔ ارنائیس نے امیر کو دیکھ کر پکارا کہ یا صاحقراں، برائے خدا مجھے بچاؤ۔ امیر نے بہ اجازتِ رحم ارنائیس کو ان جنوں سے چھڑوایا اور پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ لاہوت شاہ شکار کھیل رہا تھا۔ میں جو اس طرف سے نکلا اور اس نے مجھ کو پکڑوا کر جنوں کے حوالے کیا کہ اس کو میدان میں لے جا کر قتل کرو۔ چونکہ میری زندگی تھی، آپ سے ملاقات ہوگئی، نہیں تو آج میں مارا جاتا۔ امیر نے فرمایا کہ تو میرے پاس سے کیوں بھاگا تھا؟ ارنائیس نے کہا کہ جیسا میں نے کیا، ویسی سزا پائی۔ اب ایسا کبھی نہ ہوگا۔ امیر پھر اس کی گردن پر سوار ہو کر زمرد حصار کی طرف چلے۔ شام کو ایک مقام پر توقف کیا۔ امیر بدستور سوتے وقت اس کو ایک درخت سے باندھ کر سوئے۔ ارنائیس اس شب کو بھی بھاگا۔ صبح کو امیر نے جو اس کو نہ پایا، فرمایا کہ معلوم ہوا، دیو کی خلقت میں دغا بازی ہے۔ یہ کہہ کر بعدِ ادائے نماز ایک سمت کو روانہ ہوئے۔

سات دن تک منزل بہ منزل چلے گئے، آٹھویں دن ایک قلعہ نظر آیا۔ جب متصل اس کے گئے، دیکھا کہ قلعے کی فصیلوں پر قریب چار سو جن کے ہیں اور دو جن سر کھولے مناجات کر رہے ہیں، اور قلعے کے گرد چار سو دیو دار شمشاد، چقماق، آسیا سنگ، چادر زنگالہ، ارّہ پشت نہنگ ہاتھوں میں لیے ہوئے کھڑا ہے اور ایک دیو قلعے کے دروازے کو توڑا چاہتا ہے۔ صاحقراں نے اس کو للکارا کہ خبردار اگر قلعے کے دروازے کا قصد کیا۔ پہلے مجھ سے لڑ لے، پیچھے قلعے کو توڑنا۔ اس دیو نے کہا کہ اے آدمی، تو تو میری خوراک ہے، مجھ سے کیا لڑے گا! صاحقراں نے کہا کہ اے مردک، کیا بکتا ہے! ذرا میرے سامنے تو آ۔ دیکھ تو، میں تیری خوراک ہوں یا تو نہنگِ تیغ کا طعمہ ہوتا ہے۔ تو مجھے نہیں جانتا کہ میں زلازل قاف، کوچک سلیمان، کشندۂ عفریت و مقاتل اہرمن ہوں۔ وہ دیو بولا کہ یہ کہہ، تو ہی نے گلدستۂ قاف کو برباد کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ خونِ دیوانِ قاف کا بہرِ قصاص تجھ کو میرے پاس لے آیا ہے۔ یہ کہہ کر ایک زنگالہ امیر پر مارا۔ امیر نے اس کو رد کیا اور عقربِ سلیمانی سے اس دیو کے دو ٹکڑے کیے۔ اور دیو جو قلعے کو گھیرے ہوئے کھڑے تھے، امیر پر آ گرے۔ امیر نے جب بہت سے دیو قتل کیے، بقیۃ السیف سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ جب کوئی دیو اس میدان میں نہ رہا، لاہوت شاہ قلعے کے باہر نکلا اور امیر کو بصد تعظیم و تکریم قلعے کے اندر لے گیا۔ امیر نے نام پوچھا۔ اس نے عرض کی کہ لاہوت شاہ مجھ کو کہتے ہیں۔ امیر نے فرمایا، میری ایک غرض تم سے لاحق ہے۔ بولا کہ فرمائیے تو بجا لاؤں۔ امیر نے کہا

کہ لانیسہ جو تیری بیٹی ہے، اس کا عقد ارنائیس سے کردے کہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ لاہوت شاہ نے ظاہر میں تو کہا کہ وہ تو قاف کا بادشاہ ہے، اگر آپ ایک غلام سے فرماویں تو لانیسہ کا عقد کردوں، مگر اپنے دل میں بہت خیرہ ہوا اور کہنے لگا کہ اس نے ایسا سخت کلمہ مجھ کو کہا ہے کہ سوائے مار ڈالنے کے دوسری سزا اس کے لیے نہیں ہے۔ امیر کا ہاتھ پکڑ کے لے گیا اور تخت پر، کہ حجرے میں سرِ چاہ معلق تھا، بہ اصرارِ تمام بٹھایا۔ امیر بیٹھتے ہی مع تخت کنویں میں دھنس گئے۔ اس احسان فراموش نے ایک پتھر اس کنویں کے منہ پر رکھ کے دو سو جن چوکی پہرے کے واسطے تعینات کیے۔ یہ خبر لانیسہ کو پہنچی، غصے سے کانپتی ہوئی اپنے باپ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ جو شخص اپنے ساتھ نیکی کرے، اس کے ساتھ بدی کرتے ہیں؟ صاحبقراں نے تو تمھاری جان وحرمت بچائی اور تم نے اس کے مار ڈالنے کی فکر کی۔ لاہوت شاہ بولا کہ مجھ سے کہتا تھا کہ لانیسہ کی شادی ارنائیس دیو سے کردو، اس لیے میں نے اس کو قید کیا۔ اس وقت تو لانیسہ چپ ہو رہی، شب کو لباسِ شبروی پہن، سلاح بدن پر لگا، کنویں پر آئی اور پتھر ہٹا کر کنویں کے اندر اتر گئی۔ امیر نے دیکھا کہ ایک معشوقہ چاردہ سالہ، رشکِ ماہ، لباسِ شب روی پہنے سر پر میرے کھڑی ہے۔ پوچھا کہ تو کون ہے؟ بولی کہ لانیسہ میرا نام ہے، آپ کے چھڑانے کو آئی ہوں۔ امیر نے سجدۂ شکر کیا اور کمند پکڑ کر کنویں سے نکلے۔ نگہبان مزاحم ہونے لگے۔ لانیسہ تلوار کھینچ کر جوان پر گری، بہت سے جن مارے گئے اور کتنے ہی بھاگ کر لاہوت شاہ کے پاس پہنچے اور مفصل حال بیان کیا۔ لاہوت شاہ کیفیت سن کر سن ہو گیا۔ یہاں امیر لانیسہ سے رخصت ہونے لگے۔ لانیسہ نے عرض کی کہ میں آپ کی کنیزِ ناخریدہ ہوں، آپ کو چھوڑ کر کہاں رہوں؟ جہاں آپ جائیے گا میں ہمراہِ رکاب ہوں۔ ہر چند امیر نے اس کو سمجھایا لیکن اس نے کچھ نہ سنا اور امیر کے ہمراہ ہوئی۔ کئی منزل تک تو پیدل چلی، آخر تھک گئی۔ امیر سخت مشکل میں پڑے۔ ناچار ایک منزل کو چار چار پانچ پانچ روز میں طے کرنے لگے۔

کئی دن کے بعد دور سے ایک پہاڑ مثلِ برق درخشندہ نظر آیا۔ جب قریب اس کے گئے، دیکھا کہ بلور کا پہاڑ ہے اور اس کی ترائی میں صدہا کوس تک زعفران زار ہے اور درمیان میں اس کے ایک نہر جاری ہے، پانی اس کا صفائی میں آبِ گوہر سے پانی بھرواتا ہے، اور چار طرف سے ہوا سرد آتی ہے۔ امیر اس نہر کے کنارے پر بیٹھ کر سیر کرنے لگے۔ سامنے سے ایک ارنا نمودار ہوا اور سیدھا امیر کے پاس چلا آیا۔ جب امیر اسے پکڑنے لگے، جنگل کی طرف بھاگا۔ امیر نے دوڑ کر اس کو پکڑ لیا اور لانیسہ سے کہا کہ لے، تیری سواری کے واسطے خدا نے اس کو بھیجا ہے۔ ہرگاہ وہاں سے آگے کو چلے۔ لانیسہ کو اس ارنے پر سوار کیا اور ناک اس کی ناتھ کر رسی لانیسہ کے ہاتھ میں دی۔ ارنا تھوڑی دور جا کر جنگل کی طرف بھاگا۔ ہر چند لانیسہ نے زور زور سے اس کی ناتھ پکڑ کے جھٹکے دیے لیکن وہ کب رکتا تھا! امیر نے لانیسہ کے واسطے بہت تاسف کیا اور جس طرف کو وہ ارنا

گیا تھا اس طرف کو روانہ ہوئے۔

دوپہر کے بعد ایک پہاڑ کی ترائی میں پہنچے۔ ایک باغ دیکھا، دلکشا و فرحت افزا۔ اس باغ میں ایک گنبدِ طلائی بنا ہوا تھا اور گرد اس کے زربفتی سائبان جڑاؤ استادوں پر کھینچے ہوئے تھے۔ امیر جو اس گنبد کے دروازے پر گئے۔ دروازہ اس کا اندر سے بند پایا۔ سنتے کیا ہیں کہ ایک شخص تو بہ التجا کہتا ہے کہ تو مجھ کو قبول کر، اور دوسرا شخص کہتا ہے کہ گوہ کھانا قبول ہے مگر تیری رفاقت منظور نہیں ہے۔ امیر نے پکار کر کہا کہ اندر کون ہے، دروازہ کھول دے! جب کسی نے نہ سنا، امیر نے ایک لات مار کے دروازے کو توڑ ڈالا۔ اندر جا کر دیکھیں تو واہ واہ! لانیسہ تو تخت پر بیٹھی ہوئی ہے اور سامنے اس کے ارنائیس ہاتھ باندھے کھڑا ہوا منتیں کر رہا ہے۔ ارنائیس نے جو صاحبقراں کو دیکھا، پاؤں پر گر کے کہنے لگا کہ دیکھیے، لانیسہ کی میں لاکھ منت کرتا ہوں لیکن مجھ کو قبول نہیں کرتی۔ اگر آپ اس کو سمجھا کر میرا عقد کر دیجیے تو جیتے جی تک فرمانبرداری سے سر نہ پھیروں گا اور جہاں فرمایئے گا وہاں پہنچا دوں گا۔ صاحبقراں نے فرمایا کہ تو دوبار بھاگا کیوں؟ وہ بولا کہ آپ مجھے باندھ کر سورہے، مجھ کو اذیت ہوئی، میں بھاگ گیا۔ صاحبقراں کو اس کی زارنالی پر رحم آیا۔ لانیسہ سے فرمایا کہ اے لانیسہ، ارنائیس مجھے دنیا میں پہنچا دینے کو کہتا ہے، پس میری خاطر سے اس کو قبول کر۔ لانیسہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ یہ تو دیو ہے، اگر آپ مجھے گدھے کے حوالے کریں تو مجھ کو بہ دل و جان قبول ہے، لیکن میری بھی اسے یہی شرط ہے کہ یہ آپ کو دنیا میں پہنچا دے۔ اس نے قبول کیا۔ امیر نے بعد عقد کر دینے کے لانیسہ کا ہاتھ ارنائیس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ ارنائیس نے آداب بجالا کر کہا کہ اب مجھ کو حکم ہو کہ اپنے قلعۂ عقیق نگار میں اس کو لے جا کر رسوماتِ شادی ادا کروں کہ کسی طرح کی حسرت میرے اور اس کے دل میں باقی نہ رہے۔ کیونکہ میں جب آپ کو دنیا میں پہنچاؤں گا، آسمان پری سے یہ خبر چھپی نہیں رہے گی اور وہ بلاشبہ مجھے مار ڈالے گی۔ میں آرزو تو اپنے جی کی نکال لوں۔ تیسرے دن میں آپ کے پاس حاضر ہوں گا۔ امیر نے اس کو رخصت کر کے فرمایا کہ میں تین دن تک تیرا منتظر رہوں گا۔ اگر اپنے قول پر تو قائم رہا تو بہتر ہے، نہیں تو اپنے کیے کی سزا پاوے گا۔

ارنائیس لانیسہ کو گردن پر سوار کر کے قلعۂ عقیق نگار کی طرف چلا۔ آدھی دور گیا ہوگا کہ اثنائے راہ میں ایک سبزہ زار خوشنما نظر آیا۔ تالاب کے کنارے ناشپاتی کے درختوں کے سائے میں لانیسہ کو اتار کر بولا کہ اے جان، تم یہاں ذرا ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں۔ عقیق بنگلے میں یوں تمہارا لے جانا سبکی ہے، سواری تمہارے واسطے لے آؤں۔ یہ کہہ کر عقیق نگار کی طرف چلا۔ لانیسہ کو جو گرمی معلوم ہوئی کپڑے اتار کر تالاب میں غسل کرنے لگی۔ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ میدان کی طرف سے ایک گھوڑا، ارنے بھینسے سے مشابہ، آ کر اس تالاب کے کنارے پر کھڑا ہوا۔ لانیسہ نے جو گھوڑے کو دیکھا، گھبرا کر تالاب سے نکل آئی اور کپڑے اپنے لینے کو

چلی۔ گھوڑا لانیسہ کی طرف دوڑا۔ لانیسہ خوف سے چاروں شانے چت زمین پر گری۔ گھوڑے نے اپنے دل کا مقصد حاصل کیا۔ اللہ کی قدرت سے اسی دم لانیسہ کے شکم میں نطفے نے قرار پایا۔ واضح ہو کہ لانیسہ کے بطن سے ایک گھوڑا پیدا ہوگا، نام اس کا اشقر دیوزاد رکھا جائے گا اور وہ مدت العمر امیر کی سواری میں رہے گا۔ الغرض، جب وہ دیو فراغت کر چکا، زمین پر لوٹ کے اصلی صورت بن گیا۔ لانیسہ نے کہا کہ اے ارنائیس، یہ کیا حرکت تھی؟ ارنائیس بولا کہ کل خدا جانے کیا ہو، اس واسطے آج میں نے اپنا مقصدِ دل حاصل کر لیا۔ یہ کہہ کر اس کو بدستور کاندھے پر چڑھا کے قلعۂ عقیق نگار میں لے گیا اور جشن ترتیب دیا۔ دن بھر تو عیش و نشاط میں مصروف رہتا اور شب کو لانیسہ کو بغل میں لے کر چین سے سوتا۔

اب جب تک اس کی داستان پر آؤں، چند کلمے آسمان پری کے حال میں بیان کروں۔ ایک دن صبح سرخ پوشاک پہن کر، پیشانی پر تیوری کا بل دے کے تخت پر بیٹھی اور ارکانِ دولت کو، جو ہمیشہ دربار میں حاضر ہوتے تھے، طلب کیا۔ جس نے اس کو اس برزخ سے دیکھا، رنگ اس کا زرد ہو گیا۔ ہر شخص کو خوف تھا کہ کہیں ہم غضبی میں نہ پڑیں۔ بیٹھے بیٹھے عبدالرحمٰن کی طرف مخاطب ہوئی کہ خواجہ، امیر کو میں نے بیابانِ سرگرداں میں چھڑوایا تھا۔ دیکھو تو، آج کل کہاں ہیں اور کس فکر میں ہیں؟ عبدالرحمٰن نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ اے ملکۂ آفاق، از روے رمل تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امیر بیابانِ سرگرداں میں آج تک پریشان ہیں، مگر ارنائیس دیو نے امیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میری معشوقہ لانیسہ کو مجھے دلوا دیجیے تو میں آپ کو دنیا میں پہنچا دوں گا۔ سو امیر نے لانیسہ کو اسے دلوا دیا۔ آج دوسرا دن ہے کہ وہ قلعۂ عقیق نگار میں مصروف بہ جشن ہے، آج کے دوسرے دن وہ امیر کو لے کر دنیا کی طرف روانہ ہوگا۔ یہ سنتے ہی آتش کا پرکالہ ہوگئی اور کہنے لگی کہ ارنائیس نے بھی یہ دل و گردہ پایا کہ میرے شوہر کو مجھ سے جدا کرنے کا قصد کیا! دیکھو تو، میں اس کو کیسی سزا دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر فوراً تخت پر سوار ہوئی اور کئی ہزار دیو جن پریزاد کو ساتھ لے کر قلعۂ عقیق نگار کی طرف چلی۔ جب متصل پہنچی، خبرداروں نے خبر دی کہ ارنائیس لانیسہ کو لیے ہوئے پلنگ پر سوتا ہے۔ جاتے ہی دونوں کی مشکیں باندھ کر گلستانِ ارم میں لے آئی اور ہڈیاں نرم کر کے زندانِ سلیمان میں، کہ جہاں کا قیدی جیتے جی چھوٹتا نہیں ہے، قید کیا اور تمام شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جو کوئی صاحبقراں کو بے حکم میرے دنیا میں پہنچانے کا قصد کرے گا، اس کی ایسی ہی سزا ہوگی۔

اب امیر کا حال سنیے کہ جب تین روز گذر گئے اور ارنائیس نہ آیا، فرمانے لگے کہ دیو کی قوم حقیقت میں کمال بدعہد و احسان فراموش ہے۔ حمزہ، کوئی تجھ کو دنیا میں نہ پہنچائے گا مگر خداے عز و جل، کہ اس میں سب طاقت ہے۔ یہ سوچ کر مہر نگار کو یاد کر کے زار زار روئے۔ ناگاہ ایک طرف سے آواز سلام علیک کی آئی۔ امیر

دیکھیں تو حضرت خضرؑ ہیں۔ اٹھ کر تعظیم دی اور کہا کہ یا پیغمبرِ خدا، کیا میں اسی طرح سے قاف میں سرگرداں رہوں گا؟ جو شخص مجھ سے وعدہ لے جانے کا کرتا ہے، وفا نہیں کرتا۔ ارنائیس دیو نے کس کس طرح کی غلیظ قسمیں کھائی تھیں لیکن ایفائے وعدہ نہ کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یا ابو العلا، وقت پر موقوف ہے۔ انشاء اللہ المستعان تم دنیا میں جاؤ گے، مگر چندے کسالہ اور ہے۔ بہت گئی ہے، تھوڑی رہی ہے۔ اور ارنائیس دیو کا کچھ قصور نہیں ہے۔ اس کا ارادہ ایفائے وعدہ کا تھا لیکن آسمان پری عبدالرحمٰن سے حال تمھارا دریافت کر کے عقیق نگار سے اس کو قید کر کے لے گئی اور گلستانِ ارم میں جا کر قرار واقعی سزا دے کر زندانِ سلیمانی میں دونوں کو قید کیا۔ یہ کہہ کر حضرت خضرؑ تو جدھر سے آئے تھے ادھر چلے گئے اور امیر وہاں سے آگے کو روانہ ہوئے۔

سترہ دن کی منزلیں طے کیں، اٹھارھویں دن ایک پہاڑ کے نیچے پہنچے۔ چوٹی پر اس کوہ کے ایک گنبد بلور کا بہت بلند نظر آیا اور اس کے کلس کو دیکھا کہ اگر آفتاب اس سے آنکھ ملاوے تو چکا چوندھی آوے۔ امیر نے کہا کہ اس کو نزدیک سے دیکھا چاہیے۔ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ چار دیواری باغ کی دیکھی مگر دروازہ اس کا باہر سے مقفل پایا۔ امیر اس قفل کو توڑ کر باغ کے اندر گئے۔ دیکھا تو واقع میں باغِ ارم سے پہلو مارتا ہے۔ فرمایا کہ جس دن سے میں قاف میں آیا ہوں، ایسا باغ اور ایسا مکان کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اور کلس کو جو غور سے دیکھا معلوم ہوا کہ گوہرِ شب چراغ تعبیہ کیا ہوا ہے۔ امیر نے حضرت آدمؑ کے معجزے سے ہاتھ بڑھا کر گوہرِ شب چراغ کو کلس پر سے اتار کر اپنے تاج کے گوہرِ شب چراغ سے جو ملایا تو سر مو کچھ فرق نہ پایا۔ امیر بہت اپنے دل میں خوش ہوئے کہ یہ بھی سوغات قاف کی ہے، دنیا میں کاہے کو ایسے گوہرِ شب چراغ کسی بادشاہ یا شہنشاہ کے دیکھنے میں آئے ہوں گے۔ امیر گنبد کے اندر جو گئے تو ایک تخت جواہر نگار بچھا دیکھا۔ چاہا کہ اس پر ساعت دو ساعت استراحت کریں، پر دل میں خیال آیا کہ عجب نہیں ہے اگر یہ مکان بھی کسی دیو کے قبضے میں ہو۔ یہ سوچ کر گنبد سے باہر نکل کر ایک روش پر پوستِ گرگ بچھا کے بیٹھے۔ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ جنگل کی طرف سے اس زور کی ہوا آئی کہ باغ کے بڑے بڑے عظیم الشان درخت قریب تھا کہ گر جاویں، بعد ازاں ایک دیو، سفید رنگ، پانچ سوگز کا قد و قامت، چلاتا ہوا باغ میں آیا کہ وہ کون چور ہے جس نے گوہرِ شب چراغ، تبرکِ حضرت سلیمانؑ گنبد کے کلس سے اتار لیا؟ امیر نے سامنے آ کر نعرہ مارا اور کہا کہ او لمبو، بدقطع، چربی کے پتلے، کسے ڈھونڈتا ہے؟ تو مجھ کو بھی جانتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جانتا ہے تو جان، میں زلازلِ قاف، کوچک سلیمان، کشندۂ مقاتل عفریت ہوں۔ وہ بولا کہ آج معلوم ہوا، گلدستہ قاف آپ ہی کا برباد کیا ہوا ہے۔ اے آدم زاد، دیکھ ان سب کا بدلہ میں تجھ سے لیتا ہوں۔ اگر ہزار جان رکھتا ہوگا تو ایک بھی تو میرے سامنے سے لے کر نہ جاسکے گا۔ امیر نے کہا، بڑبڑاتا کس واسطے ہے؟ اگر دیوانِ مقتول کا مشتاق ہے تو میں تجھ کو بھی ان کے

پاس بھیج دوں۔ لا، کیا ضرب رکھتا ہے؟ اس نے دار شمشاد، کہ جس میں چند آسیا سنگ لگے ہوئے تھے، بہ قوتِ تمام امیر کے سر پر ماری۔ صاحقِراں نے عقربِ سلیمانی سے اس کو دو ٹکڑے کر کے دیو کے کمر بند میں ہاتھ ڈالا اور لنگر اس کا اٹھا کر زمین پر دے مارا، اور چھاتی پر اس کی سوار ہو کے خنجرِ رستم اس کے گلے پر رکھ دیا۔ تب تو وہ دیو آنسو بھر لایا۔ کہنے لگا کہ اے زلازلِ قاف، مجھ کو نہ مار، میں تیرے بڑے کام آؤں گا۔ امیر نے فرمایا کہ اگر مسلمان ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ دیو بولا کہ اس پہاڑ کی تلی میں چند میرے دشمن ہیں۔ اگر تو ان کو مار ڈالے تو میں مسلمان ہوتا ہوں۔ صاحقِراں نے فرمایا کہ وہ کون ہیں؟ دیو نے کہا کہ اس پہاڑ کی تلی میں حضرت سلیمانؑ کی سیر گاہ ہے۔ آخر روز وہاں بیٹھ کر زعفران زار کی سیر کیا کرتے تھے۔ اس زعفران زار میں سات نسناسِ سلیمانی رہتے ہیں۔ یا صاحقِراں، مجھ پر موقوف نہیں ہے، ان سے سب دیو ڈرتے ہیں۔ اگر ان کو ماریے تو مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔ امیر نے فرمایا کہ تو مجھ کو وہاں لے چل۔

وہ دیو امیر کو پہاڑ کے نیچے لے آیا۔ امیر نے دیکھا کہ کوسوں تک زعفران زار ہے اور اس کے درمیان میں ایک نہر ہے کہ جس کا عرض دو سو گز کا ہے اور طول کوئی کہہ نہیں سکتا، اور آبِ مصفا و خوشگوار سے لبریز ہے، اور درمیان میں اس نہر کے ایک چبوترہ بلور کا پچاس گز کا مربع اور پچاس ہی گز بلند ہے، اور کٹہرے پکھراج کے اس کے گرد لگے ہوئے ہیں، اور اوسط میں اس چبوترے کے ایک تختِ الماس نگار بچھا ہوا ہے، اور کوہ زعفران زار کا عکس اس چبوترے میں جھلکتا ہے۔ امیر جست کر کے اس چبوترے پر جا کھڑے ہوئے اور چاروں طرف کی سیر کر کے دیو سفید سے پوچھا کہ وہ تیرے دشمن کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ اسی زعفران زار میں ہیں۔ آپ پکار کر کہیے کہ اے ہفت نسناس، تم کیا کھاتے ہو؟ وہ آپ کو جواب دیں گے اور آپ کے روبرو آویں گے۔ امیر نے پکار کر کہا کہ اے نسناسو، تم کیا کھاتے ہو اور کہاں ہو؟ میں تمھارا مشتاق آیا ہوں۔ آواز آئی کہ ہم زعفران کھاتے ہیں۔ بعد ازاں ساتوں نسناس امیر کے سامنے آئے۔ امیر نے دیکھا کہ عجب ہیئت ہے۔ جسم تو ان کا مشابہ بہ آدمی ہے اور دانت سامنے کے نیزے کے برابر ایسے تیز ہیں کہ اگر مکھی بیٹھے تو چھد جائے۔ امیر عقربِ سلیمانی کو کھینچ کر ان کے درمیان میں کود ے اور ساتوں کو مار کر سفید دیو سے کہا کہ اب تو تیرے دشمن مارے گئے۔ وہ دیو اس قدر خوش ہوا کہ ایک ہاتھ سر پر اور دوسرا چوتڑوں پر رکھ کر ناچنے لگا اور بولا کہ اے آدم زاد، تو نے میرے دشمنوں کو تو مارا، مگر میں تیرا دشمن موجود ہوں۔ ہماری قوم کا دستور ہے کہ نیکی کے بدلے بدی کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر ایک تختۂ سنگ گراں کا اٹھا کے امیر کے اوپر پھینکا۔ امیر نے اس کو خالی دیا اور تلوار کھینچ کر اس پر دوڑے۔ وہ بے اختیار بھاگا۔ ہر چند امیر نے اس کو بلایا مگر وہ امیر کے پاس نہ آیا اور کہنے لگا کہ میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں کہ تیرے پاس آن کر اپنی جان دوں۔ جب کبھی تجھ کو غافل پاؤں گا، اس

وقت سمجھ لوں گا۔ یہ کہتے اڑ کر چلا گیا۔

صاحبقراں نے اپنے دل میں کہا کہ اب یہاں رہنا اچھا نہیں ہے۔ سفید دیو تیرا دشمن ہوا ہے، خدا جانے کس وقت قابو پا کر ایذا دیوے۔ اسی دم وہاں سے روانہ ہوئے۔ راوی لکھتا ہے کہ پیہم سات شبانہ روز امیر سفید دیو کے ڈر سے چلے گئے، کہیں ایک دم ستائے تک نہیں۔ آٹھویں دن ایک آبادی نظر آئی۔ خلقت وہاں کی آدھا جسم رکھتی تھی۔ جب دو شخص مل کر کھڑے ہوویں تو ایک آدمی پورا ہووے۔ چنانچہ ان لوگوں کو نیم تنا کہتے ہیں اور ان کے بادشاہ کا فتوح نیم تن نام تھا۔ ہرگاہ اس بادشاہ کو صاحبقراں کے آنے کی خبر پہنچی۔ استقبال کر کے بہ اعزازِ تمام اپنے شہر میں لے گیا اور تخت پر اصرار کر کے بٹھلایا اور قدم بوس ہو کر عرض کرنے لگا کہ میں نے جب سے حضرت سلیمانؑ سے سنا تھا کہ ایک آدم زاد یہاں آ کر دیوانِ قاف کو مارے گا اور وہ سلیمانِ ثانی ہوگا، تب سے میں آپ کا مشتاق تھا۔ شکر ہے کہ خدائے عزوجل نے آپ کے قدم دکھلائے۔ الغرض، اس بادشاہ نے کئی دن تک امیر کی دعوت کی۔ امیر نے اس بادشاہ سے کہا کہ تجھ سے ہو سکتا ہے کہ مجھ کو دنیا میں پہنچوا دیوے؟ اس نے عرض کی کہ ہم نیم تن ہیں، اپنی سرحد سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے۔ امیر ان سے رخصت ہو کر آگے کو روانہ ہوئے۔

راوی لکھتا ہے کہ صاحبقراں نے اس بیابان کو دس روز میں طے کیا۔ گیارھویں دن ایک دریا کے کنارے پہنچے۔ دیکھا کہ دریا لہریں مار رہا ہے اور جہاز یا کشتی کا نام ونشان نہیں ہے۔ حیران ہو کر کہنے لگے کہ حمزہ، قاف میں ایسے ایسے دریا بہتے ہیں، دنیا میں تمھارا جانا معلوم! ایک پتھر پر بیٹھ کر مہرنگار کے فراق اور یاروں کے اشتیاق میں زار زار رونے لگے۔ اسی رونے کی حالت میں آنکھ لگ گئی۔ سفید دیو تو اپنی گھات میں لگا ہی ہوا تھا، امیر کو غافل دیکھ کر پتھر سمیت وہاں سے اٹھا کر ہوا ہوا۔ دو سو کوس زمین سے بلند ہوا ہوگا کہ اس وقت ہوا کی شدت سے امیر کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو دیو سفید اڑائے لیے جاتا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ اے دیو سفید، میں نے تجھ سے نیکی کی اور تو مجھ سے بدی کرتا ہے۔ بولا کہ میں تجھ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہم لوگ نیکی کے بدلے بدی کرتے ہیں۔ اب یہ بتا کہ تجھ کو پہاڑ پر پھینکوں کہ دریا میں؟ امیر سوچے کہ دیو کی مت الٹی ہوتی ہے، جو کہوں گا اس کے برعکس کرے گا۔ امیر نے کہا کہ مجھ کو پہاڑ پر پھینک دے۔ سفید دیو بولا کہ اے آدم زاد، میں تجھ کو دریا میں پھینکوں گا کہ تو ڈوب مرے۔ یہ کہہ کر اس سنگ سمیت دریا میں پھینک کر چلتا ہوا۔ خواجہ خضرؑ و الیاسؑ نے حکمِ خدا سے ہاتھوں ہاتھ امیر کو لے کر دریا کے کنارے کھڑا کر دیا۔ امیر نے دونوں پیغمبروںؑ کو سلام کیا اور بصد زار نالی کہا کہ یا حضرت، آسمان پری نے سخت مجھ کو تنگ کیا ہے، دنیا میں مجھ کو جانے نہیں دیتی۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ یا امیر، گھبرانے کا مقام نہیں ہے، آب و دانے کے ہاتھ ہے۔ جب آب

ودانہ اٹھے گا تب تم یہاں سے جاؤ گے۔ چند روز اور سخت ہیں، یہ بھی خدا چاہتا ہے تو نکلے جاتے ہیں۔

اب تھوڑا سا حال شہپال شاہ و آسمان پری کا سنیے کہ ایک دن شہپال شاہ دربار میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ آسمان پری سرخ پوشاک پہن کر آئی اور اپنے تخت پر بیٹھ کر خواجہ عبدالرحمٰن کو طلب کیا۔ اس وقت اٹھارہ لاکھ سردار دیو و پریزادوں کا بادشاہ کے دربار میں حاضر تھا۔ جس نے اس سج دھج سے آسمان پری کو دیکھا، کانپنے لگا کہ آج آسمان پری بصورتِ مریخ دربار میں آئی ہے، دیکھیے کس کے سر پر قضا کھیلتی ہے۔ اس میں عبدالرحمٰن نے آ کر بادشاہ اور ملکہ کو مجرا کیا۔ ملکہ نے مخاطب ہو کر پوچھا کہ خواجہ، دیکھو تو، امیر اس وقت کہاں ہیں؟ خواجہ نے زائچہ دیکھ کر سر اپنا پیٹا اور شہپال سے کہا کہ آپ کے ساتھ حمزہ نے کیا بدی کی ہے کہ جس کا بدلہ آپ لیتے ہیں؟ بادشاہ نے گھبرا کر پوچھا کہ خواجہ، خیر تو ہے؟ عرض کی کہ جہاں شر ہو وہاں خیر کا کیا ذکر ہے! سفید دیو نے حمزہ کو دریائے اخضر میں پھینک دیا ہے۔ دیکھا چاہیے کہ جیتا بھی رہتا ہے یا نہیں۔ بادشاہ نے یہ خبرِ بداثر سن کر تاج سر پر سے اتار کر زمین پر پھینک دیا اور آسمان پری نے بھی بال اپنے سر کے نوچ ڈالے۔ اسی دم بادشاہ مع خورد و کلاں دریائے اخضر کی طرف روانہ ہوئے۔ صاحبقراں خواجہ خضر و مہتر الیاس کے ساتھ نماز پڑھ کے فارغ ہوئے تھے کہ بادشاہ مع آسمان پری پہنچا۔ امیر نے سلام پھیرنے کو داہنی طرف جو رخ کیا، شہپال کو کھڑا دیکھا۔ تیوری چڑھا کے بائیں طرف متوجہ ہوئے۔ اس طرف آسمان پری کھڑی تھی۔ امیر نے اس کی طرف سے بھی منھ پھیر لیا۔ آسمان پری و بادشاہ حضرت خضرؑ کے پاؤں پر گر پڑے اور کہنے لگے کہ یا حضرت، ہم آپ سے اقرار کرتے ہیں کہ بعد چھ مہینے کے امیر کو دنیا میں پہنچوا دیں گے۔ اگر خلاف اس کے ہو تو آپ کے اور خدا کے گناہگار ہوں۔ اب کی بار ہمارا قصور آپ صاحبقراں سے معاف کروا دیجیے۔ حضرت خضرؑ نے امیر کو سمجھایا کہ جہاں نو برس رہے ہو، وہاں اور بھی چھ مہینے میری خاطر سے رہو۔ آسمان پری اور شہپال قسمیں کھاتے ہیں، ان کی قسموں کو بھی دیکھ لو۔ مثل مشہور ہے کہ دروغ گو را تا بہ خانہ پہنچایا چاہیے۔ امیر نے سر جھکا کر کہا کہ یا حضرت، آپ پیغمبرِ خدا ہیں، مجھ کو غیر از اطاعت و فرمانبرداری کیا چارہ ہے۔ بہت اچھا، چھ مہینے اور رہوں گا۔

آسمان پری اور شہپال شاہ دونوں امیر کے قدموں پر گر کے عذر خواہ ہوئے۔ امیر مجبور ہو کے حضرت خضرؑ و الیاسؑ سے رخصت ہو کر شہپال شاہ و آسمان پری کے ساتھ تخت پر بیٹھ کر گلستانِ ارم کو روانہ ہوئے۔

داستانِ خسروِ بلادِ ہندوستان ملک لندھور بن سعدان

[راوی لکھتا ہے کہ جب ملک لندھور اور بہرام گرد خاقان چین اس راستے پر پہنچے کہ جہاں سے ملک چین کو راہ گئی تھی ملک لندھور نے باصرار تمام خاقان کو رخصت کیا چنانچہ بہرام گرد چین کی طرف راہی ہوا اور لندھور ادھر کو متوجہ ہوا۔]

مہلہل سگسار اور ملک اجروک بہت دنوں سے قلعۂ سراندیب کو گھیرے ہوئے پڑے تھے۔ ایک دن طبلِ جنگ بجا کر قلعے پر بلّہ کیا۔ مسلمان دستِ مناجات بلند کر کے جنابِ احدیت کی بارگاہ میں زار نالی کرنے لگے۔ یکا یک جنگل کی طرف سے گرد اٹھی۔ ہرگاہ باد نے دامنِ گرد کو چاک کیا، علم ہائے شیر پیکر و نشان ہائے ہزبر چہر نمودار ہوئے۔ قلعگیوں نے دوربینیں لگا کر دیکھا کہ دارائے اعظم، رکن السلطنت، کوچک سلیمان، قائم مقام صاحبقراں نبیرۂ شیث پیغمبر، خسروِ ہندوستان لندھور بن سعدان گرو زرہ جوشن پہنے، گرزِ گرانبار نائبِ منائبِ ملک الموت کاندھے پر رکھے، فیلِ میمونہ پر سوار باکمال شوکت و اقتدار چلا آتا ہے۔ قلعے میں شادیانے بجنے لگے۔ ملک اجروک و مہلہل سگسار شادیانے کی آواز سن کر کمال متعجب ہوئے کہ اس عالمِ ضیق میں محصورانِ حصار شادیانے بجاتے ہیں، کہ دفعتاً خسروِ ہندوستان ملک لندھور سگساروں کی فوج پر آ گرے۔ جے پور نے دیکھا کہ خسروِ ہندوستان لڑ رہا ہے، دروازہ قلعے کا کھول کر مع فوج آپ بھی شریک ہوا۔ ملک اجروک نے اپنے ہاتھی کو فیلِ میمونہ کے برابر لا کر ایک گرز خسرو پر مارا۔ خسرو نے تو اس کو رد کیا مگر وہ گرز فیل میمونہ کے مستک پر لگا۔ فوراً مغز اس کا خرطوم کی راہ سے نکل پڑا۔ خسرو کود کر ہاتھی سے الگ ہوا۔ ملک اجروک نے دوسرا وار خسرو پر کیا۔ خسرو نے خالی دے کر اس کے ہاتھی کی سونڈ پکڑ کر ایک جھٹکا جو مارا، ہاتھی منہ کے بل آ رہا۔ ملک اجروک

ہاتھی سے جدا ہو کر خسرو کے مقابل ہوا۔ خسرو نے اس کا کمر بند پکڑ کر اٹھا لیا اور سر گردان کر کے اس زور سے زمین پر دے مارا کہ اس کے ہونٹ چھٹی کے دودھ سے تر ہو گئے۔ چاہتا تھا کہ اٹھ کر بھاگے، خسرو نے اس کو پکڑ کے ایک پاؤں اس کا اپنے پاؤں کے نیچے دبایا اور دوسرا پاؤں ہاتھ سے پکڑ کر مثلِ پارچۂ کہنہ چیر کے پھینک دیا اور سنگساروں کی طرف متوجہ ہوا۔ ناگاہ ایک لکّہ ابر کا فلک پر پیدا ہوا اور اس زور سے بادل کڑکا کہ لوگوں نے جانا آسمان زمین پر گر پڑا، اور برق کے چمکنے سے ہر ایک کو چکا چوندھی آ گئی۔ بعد ازاں فلک سے ایک پنجہ پیدا ہو کر لندھور کو اٹھا لے گیا۔ سنگساروں نے یہ ماجرا دیکھ کر شیر کی طرح سے فوجِ ہند پر حملہ کیا۔ فوجِ ہند پھر قلعہ بند ہوئی اور سنگسار حصار کو محاصرہ کر کے اتر پڑے۔

اب جب تک پھر اس داستان پر آؤں، دو کلمے داستانِ ملک لندھور کے بیان کروں۔ لندھور کو جو پنجہ رزم گاہ سے اٹھا لے گیا، وہ راشدہ پری، راشد جنی بادشاہِ ملکِ ابیض من مضافاتِ پردۂ قاف، کی بیٹی تھی۔ اس نے جو قوت و زور ملک لندھور کا دیکھا، تجویز کیا کہ اس کو لے جا کر سفید دیو کو مارا چاہیے کہ اس روسیاہ نے راشدہ پری پر عاشق ہو کر راشد جنی سے پیغام شادی کا کیا تھا۔ ہرگاہ راشد جنی نے قبول نہ کیا اور کچھ کلمات سخت سست کہے تو اس کو پکڑ کر ایک غار میں، کہ اس کے مکان کے متصل تھا، قید کیا اور درپئے گرفتاریِ راشدہ پری ہوا۔ راشدہ پری اس خبر کو سن کر گلستانِ ارم کی طرف گئی کہ آسمان پری کو اپنا معین و مددگار کر کے اس سے نجات حاصل کیجیے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ آسمان پری کسی ملک کی طرف گئی ہے۔ راشدہ پری وہاں سے پھر کر دل بہلانے کو پردۂ دنیا کی طرف گئی۔ پھرتے وقت سراندیب میں قوت و زور لندھور کا دیکھ کر لندھور کو اٹھا لائی اور اپنے باغ میں اتار کر آرائش و ہر ہفت کر کے خسرو کے سامنے آئی۔ لندھور نے جو راشدہ پری کو دیکھا، کہ ایک جان چھوڑ ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ پوچھا کہ مجھ کو اس باغ میں کون لایا اور یہ کون ملک ہے؟ راشدہ پری بولی کہ لونڈی آپ کو اٹھا کر لائی ہے اور یہ ملک پرستان ہے۔ ایک دیو نے میرے باپ کو قید کیا ہے اور مجھ کو چاہتا ہے کہ اپنی زوجیت میں لاوے، اور وہ مجھ کو کسی طرح سے قبول نہیں ہے۔ چونکہ ہم لوگوں کے بادشاہ نے بھی ایک آدم زاد کو پردۂ دنیا سے بلا کر ہزاروں دیو قتل کروا کے ملکِ از دست رفتہ کو نئے سرے سے اپنے قبضے میں کیا ہے اور اپنی بیٹی سے اس آدم زاد کی شادی بھی کی ہے، میں بھی اپنی اعانت کے واسطے آپ کو لے آئی ہوں۔ اگر آپ اس دیو کو مار سکیں تو میں تا حیاتِ مستعار لونڈی گری میں حاضر ہوں۔ لندھور نے کہا کہ وہ دیو کہاں ہے؟ راشدہ پری نے خسرو کو سفید دیو کے مکان پر بھجوا دیا۔ جو دیو سفید دیو کے مکان کے نگہبان تھے، خسرو کو دیکھ کر اپنے سردار کے پاس، کہ نام اس کا سقرائے برہمن تھا، دوڑے گئے اور کہا کہ ایک آدم زاد آیا ہے۔ سقرائے برہمن نے لندھور کو دیکھ کر چاہا کہ اسے پکڑ کے سفید دیو کو بطریق تحفہ نذر دیوے۔ لندھور کے

پکڑنے کو ہاتھ جو بڑھایا، لندھور نے اس کا ہاتھ پکڑ کے ایسا جھٹکا دیا کہ سقرائے برہمن کا ہاتھ شانے سے اکھڑ گیا۔ دیووں نے جو اپنے سردار کا یہ حال دیکھا، حربے لے لے کر لندھور پر آ گرے۔ لندھور نے بہت سے دیووں کو تہِ تیغ کیا، بقیۃ السیف بیتاب ہوکر بھاگے۔

ہرگاہ لندھور راشد جنی کو ہمراہ لے کر قصرِ ابیض میں آیا۔ راشد جنی نہایت خسرو کا ممنون ہوا اور خسرو کے لیے جشنِ شاہانہ ترتیب دیا۔ خسرو نے عین جشن میں خواجہ عبدالرحیم سے، کہ راشد جنی کا وزیر ہے، فرمایا کہ اپنے بادشاہ کو خبر دو کہ میں راشدہ پری پر عاشق ہوں، میرا عقد اس کے ساتھ کر دیوے۔ خواجہ نے خسرو کا پیغام اپنے بادشاہ سے ادا کیا۔ راشد جنی نے کہا کہ تم میری طرف سے کہہ دو کہ مجھ کو اپنی بیٹی تم کو دینا فخر ہے، مگر شرط ہے کہ پہلے سفید دیو کو، کہ میرا دشمنِ جانی ہے، قتل کیجیے اور قصرِ مرمر کو دیووں سے مستخلص کر دیجیے، پھر شوق سے راشدہ پری کے ساتھ شادی کیجیے۔ لندھور نے قبول کیا۔ رات کی رات تو سو رہا صبح کو سفید دیو کے مارنے کو روانہ ہوا۔

سفید دیو کا حال سنیے کہ دیو پلنگ سر نے جا کر اس کو خبر دی کہ ایک آدم زاد تمھارے دیووں کو، جو چوکی پر تھے، قتل کر کے راشد جنی کو چھڑا لے گیا اور تمھاری تلاش میں تھا۔ وہ مردود سنتے ہی آپ میں نہ رہا۔ بولا کہ زلازلِ قاف کو تو میں نے دریائے اخضر میں ڈبو دیا ہے، اب یہ دوسرا آدمی کہاں سے پیدا ہوا؟ گھر میں آ کر دیکھے تو ایک جوان قوی ہیکل راشدہ پری کو گود میں لیے ہوئے بوسہ لے رہا ہے۔ سفید دیو یہ کیفیت دیکھ کر بے اختیار دارِ شمشاد لے کے لندھور پر دوڑا۔ لندھور نے دارِ شمشاد چھین کر ایک گھونسا اس زور سے اس کے سر پر مارا کہ سفید دیو فرشِ زمین ہو گیا۔ خسرو نے اس کی مشکیں باندھ لیں اور جہاں تک دیو اس کے مکان میں تھے، ان کو نکال کے مکان پر اپنا قبضہ کیا اور سفید دیو کو لا کر راشد جنی کے حوالے کیا۔ راشد جنی نے خسرو کو گلے سے لگا لیا اور بہت سا زر و جواہر خسرو پر سے نثار کیا، اور سفید دیو کو ایک غار میں، کہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا، قید کر کے کئی ہزار دیو اس کی محافظت کے واسطے تعینات کیے، اور لندھور کے واسطے جشن ترتیب دے کر راشدہ پری کو نامزد کیا اور خواجہ عبدالرحیم کو شادی کا سامان تیار کرنے کے واسطے حکم دیا۔ خواجہ نے کئی دن کے عرصے میں شادی کا سامان مہیا کیا۔ راشد جنی نے بڑی دھوم دھام سے اپنی بیٹی کی شادی خسرو کے ساتھ کر دی۔ واضح ہو کہ بہ لحاظِ طوالت شادی کا بیان قصہ خواں پر موقوف رکھ کے یہاں اختصار کیا گیا۔

القصہ بعدِ انفراغِ شادی لندھور نے دیووں کو مار کر قصرِ مرمر اپنے قبضے میں کیا اور راشدہ پری کے ساتھ شب و روز عیش کرنے لگا۔ ناگہاں ایک دن لندھور گرمی کے موسم میں سنگِ مرمر کے چبوترے پر درختوں کے سائے میں بے خبر سوتا تھا، دیو پلنگ سر نے، کہ دن رات اپنا قابو ڈھونڈا کرتا تھا، سفید دیو کو غار سے نکال کر خبر دی کہ اس وقت وہ آدمی فلانے مقام پر بے خبر پڑا سوتا ہے۔ سفید دیو لندھور کو الگ تھگ اٹھا کر اپنے مکان

میں لے گیا اور طوق و زنجیر پہنا کر غار میں ڈال دیا۔ بعدازاں راشدہ پری کے پکڑنے کو گیا۔ راشدہ پری نے اس کے خوف سے اپنے کو طلسم املجبال میں، کہ دیو سہ چشمی اس طلسم کا بانی ہے، ڈال دیا۔ سفید دیو نے یہ خبر سن کر چاہا کہ اس طلسم میں جاوے۔ ہمراہیوں نے منع کیا کہ اس طلسم میں جا کر آج تک کوئی جیتا نہیں نکلا۔ سفید دیو مع دیوانِ ہمراہی اس طلسم کے گرد محاصرہ کر کے بیٹھا۔

اب کچھ حال سگساروں کا بیان کروں۔ ہرگاہ لندھور کو پنجہ اٹھالے گیا اور جے پور قلعہ بند ہوا، سگساروں نے قلعگیوں پر عرصہ تنگ کیا۔ جے پور نے ناچار ہو کر مہلہل سگسار سے ایک مہینے کی مہلت مانگی اور ایک نامہ بہرام گرد خاقانِ چین کو لکھا کہ ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں، خبر لینی ہو تو جلد لیجیے، ورنہ اپنا کام تمام ہوتا ہے۔ خاقانِ چین لشکر لے کر سراندیب کی طرف روانہ ہوا۔ ہرگاہ بنگالہ میں پہنچا۔ زاد خان و سمندر خان نامی دو بھائی فن آتش بازی میں کمال رکھتے تھے۔ خاقان سے آ کر ملے اور کہا کہ اگر ہم کو اپنے ہمراہ لے چلیے تو سگساروں کو یک قلم پھونک دیویں۔ خاقان ان کے اس کلام سے بہت خوش ہوا اور ان کو خلعت سرفرازی کا دے کر اپنے ہمراہ لیا۔ سگساروں کا حال سنیے کہ جب مدتِ مہلت تمام ہوئی، قلعے پر ہلہ کیا۔ مسلمان دست پاچہ ہو کر دعا مانگنے لگے کہ الٰہی، اس آفت سے تو ہم کو بچا۔ ہنوز قلعے پر ہلہ نہ کیا تھا کہ خاقانِ چین پہنچا۔ زاد خان و سمندر خان کی آتش کاری کی فوج سگسار تاب نہ لا سکی۔ بہتیرے جل بھن کر واصلِ جہنم ہوئے اور بعض بعض جو بچے، جان لے کر شترِ بے مہار بھاگے۔ ایسا خوف آتش بازی کا ان کے دل میں سمایا تھا کہ اگر شبِ تیرہ میں شہابِ ثاقب کو دیکھتے تو آتش بازی سمجھ کر ہوائی کی طرح سے ہوا ہوتے۔ بہرام خوش خوش قلعۂ سراندیب میں داخل ہوا۔ مگر لندھور کے واسطے کمال متردد و متفکر تھا، چنانچہ ہر چہار طرف عیار لندھور کی تلاش کے واسطے بھیجے۔

راشدہ پری کا حال سنیے کہ اس نے جب سفید دیو کی دہشت سے اپنے کو طلسم املجبال میں ڈالا تھا، وہ حاملہ تھی۔ بعد نو مہینے کے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ راشدہ نے نام اس کا ارشیون پریزاد رکھا اور احوال اس کے پیدا ہونے کا مع نام ایک کاغذ پر لکھ کر، تیر کی پیکان میں باندھ کر، طلسم کے باہر پھینک دیا۔ اتفاقاً ایک پریزاد نے اس تیر کو پایا۔ وہ بجنسہٖ اس تیر کو راشد جنی کے پاس لے گیا۔ راشد جنی نے اس پریزاد سے کہا کہ اس خط کو سراندیب میں لے جا کر جو کوئی ارشیون پریزاد کا بزرگ ہو، اس کے حوالے کر آ۔ پریزاد نے قلعۂ سراندیب میں جا کر خاقانِ چین کی گود میں خط کو ڈال دیا۔ بہرام نے ہرچند چاہا کہ وہ خط پڑھا جائے لیکن چونکہ خطِ جنی تھا، کسی سے پڑھا نہ گیا۔ ناچار ہو کر اس خط کو محافظت سے اپنے پاس رکھا۔

ارشیون پریزاد کا حال سنیے۔ جب وہ آٹھ برس کا ہوا، اپنی ماں کو محزون و ملول دیکھ کر پوچھنے لگا کہ تم محزون و ملول کیوں ہو؟ راشدہ نے تمام سرگذشت اپنی کہہ سنائی اور کہا کہ اے فرزند، میں نے اپنی عزت

بچانے کو اس طلسم میں اپنے کو ڈالا تھا مگر اب جیتے جی اس سے نکلنا دشوار ہے، اور باپ بھی تیرا سفید دیو کی قید میں ہے۔ کاش کہ وہ چھوٹا ہوتا تو امید پڑتی کہ وہ کسی فکر سے اس طلسم سے نکالے گا۔ ارشیون نے کہا کہ آخر اس طلسم کی لوح بھی کسی کے پاس ہوگی، اس کو تلاش کیا چاہیے۔ راشدہ نے ایک خط لوح کی تلاش کرنے کے واسطے اپنے باپ کے نام لکھ کر بدستور تیر میں باندھ کر طلسم کے باہر پھینک دیا۔ جن جو راشد جنی کی طرف سے طلسم کے باہر تعینات تھے، منجملہ ان کے ایک نے اس خط کو راشد جنی کے پاس پہنچایا۔ راشد جنی نے جہاں تک ڈھنڈوانے کا حق تھا، لوح کو ڈھنڈوایا۔ جب کہیں ٹھکانا نہ لگا تو ایک خط راشدہ پری کے نام لکھ کر ایک پریزاد کو دیا کہ اس کو طلسم کے اندر پھینک آ۔ چنانچہ فوراً اس نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ راشدہ نے اس خط کو پڑھ کر ارشیون سے کہا کہ تیرے نانا نے لکھا ہے کہ میں نے خوب ڈھنڈوایا لیکن کہیں لوح کا پتا نہ ملا، لوح طلسم کے اندر ہی ہے۔ ارشیون مایوس ہو کر زار زار رویا۔ ناگہاں اسی عالمِ گریہ میں آنکھ جھپک گئی۔ دیکھا کہ ایک پیر مرد کہتا ہے کہ اے فرزند، کس واسطے مغموم ہے؟ تیرے مکان کے سامنے جو گنبد ہے، اس کے دروازے کو کھول۔ اس میں ایک دیو بند ہے اور گلے میں اس کے ایک لوح یاقوت کی بہ خطِ جلی لکھی ہوئی ہے۔ تو اس لوح کے حسب الحکم عمل کر، وہ دیو اپنے ہاتھ سے لوح تیرے حوالے کر کے چلا جائے گا اور اس طلسم کو بفضلہٖ تعالیٰ تو فتح کرے گا۔

ارشیون نے جاگ کر اس خواب کو اپنی ماں سے کہا اور گنبد کا دروازہ جا کے کھولا۔ دیکھا کہ واقعی ایک دیو ہے اور اس کے گلے میں ایک لوح یاقوت کی ہے۔ ارشیون نے لوح کو جو غور کر کے دیکھا، اس میں لکھا تھا کہ اے شکنندۂ طلسم، یہ اسم پڑھ کر اس دیو پر دم کر، وہ لوح تجھ کو دے کر چلا جائے گا۔ مگر جس وقت وہ پھرے، لوح کو اس کے سر پر مار۔ وہ دیو تو جہنم واصل ہوگا، لیکن دو ہاتھی مست لڑتے ہوئے تیرے سامنے آویں گے۔ تو لوح کو دونوں کے درمیان میں ڈال دینا۔ وہ دونوں لوح کے واسطے آپس میں ایسا لڑیں گے کہ دانتوں کے رگڑوں سے آگ نکلے گی اور اسی آگ سے وہ دونوں جل کر خاک سیاہ ہو جاویں گے۔ ارشیون حکمِ لوح تعمیل کر کے آگے بڑھا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک میدان لق و دق ہے اور نافِ میدان میں ایک درخت دیو سار کا ہے۔ اس کی پھننگ پر ایک ہڑگلّہ بیٹھا ہوا ہے۔ جثہ اس کا فیل کے برابر ہے، اور چونچ کو شہتیر کہا چاہیے، اور تھیلی کو زنبیل خواجہ عمرو کی تجویز کیا چاہیے۔ ارشیون نے لوح کو دیکھ کر پیکانِ تیر پر اسمِ اعظم دم کر کے اس کی تھیلی کو نشانہ کیا۔ تیر کا لگنا تھا اور اس کا زمین پر گرنا تھا۔ اس کے گرتے ہی ایک آندھی سیاہ ایسی اٹھی کہ روزِ روشن شبِ یلدا سے زیادہ تاریک ہو گیا اور شور و غل برپا ہوا کہ ہاں لینا، جانے نہ پاوے! شکنندۂ طلسم دیودار دیو کو مار کر جاتا ہے۔ ارشیون بموجبِ حکمِ لوح آیتِ ستر پکار پکار کے قرأت کرنے لگا۔

جب پر چھا ہوا، دیکھا کہ ایک کوچۂ سیاہ ہے۔ ارشیون آگے بڑھا۔ ایک تالابِ وسیع دیکھا، گرد اس کے سیڑھیاں سنگِ مرمر کی ہیں اور برابر برابر سیڑھیوں پر عورتیں دوازدہ سیزدہ سالہ، کہ ہر ایک ماہ و خورشید کو رشک دیتی تھی، جامِ مئے گلنار ہاتھوں میں لیے کھڑی ہیں۔ ارشیون کو دیکھتے ہی ہر ایک کہنے لگی کہ اے طلسم کشا، بڑا انتظار کروایا۔ ہم کس مدت سے تیرے منتظر ہیں۔ ارشیون نے اپنے دل میں کہا کہ عجب ماجرا ہے، ہزاروں عورتیں ساغرِ شراب ہاتھ میں لیے میری طالب ہیں۔ میں اکیلا اتنی شراب کب پی سکتا ہوں! پس کس کی دل شکنی اور کس کی خوشی کروں۔ لوح کو جو دیکھا، لکھا تھا کہ خبردار! خبردار! اے سیر کنندۂ طلسمات، ان میں سے کسی کو ہاتھ نہ لگانا۔ وہ جو ایک عورت گھاٹ پر سرخ جوڑا پہنے کھڑی ہے، وہی ان سب کی سردار ہے اور نام اس کا صہبا جادو ہے۔ اس کے ہاتھ سے جامِ مے لے کر اسمِ اعظم دم کر کے ساغر اس کے منہ پر مار، قدرت خدا کی معائنہ ہوگی۔ مگر دیکھنا، تجھ پر اس شراب کی چھینٹ نہ پڑنے پاوے، نہیں تو تو بھی ان کے شریکِ حال ہوگا۔ ارشیون نے صہبا جادو کے ہاتھ سے جامِ مے لے کر اسمِ اعظم دم کیا اور اس کے منہ پر مار کے، پچھلے پاؤں پچاس قدم جست کی۔ شراب کا اس کے منہ پر پڑنا تھا اور شعلۂ آتش کا بھبک کر اٹھنا تھا۔ صہبا جادو شعلۂ جوالہ کی طرح گھومنے لگی۔ وہ آگ ایسی مشتعل ہوئی کہ جتنی عورتیں تالاب کے گرد کھڑی تھیں، برنگِ سروِ چراغاں جلنے لگیں۔ دو گھڑی کے عرصے میں سب جل کر خاک ہو گئیں۔ پھر جو ارشیون نے لوح کو دیکھا، لکھا پایا کہ اے شکنندۂ طلسم، اب تیرے سامنے چند پریزاد گاتے بجاتے آویں گے۔ منجملہ ان کے ایک پیر مرد تجھ سے صاحب سلامت کرے گا لیکن تو اس کو جواب نہ دینا، لوح کو آئینے کی طرح سے دکھلانا۔ لوح کے دیکھتے ہی وہ سب کے سب بھاگ جائیں گے، طلسم فتح ہو جائے گا۔ ارشیون نے یہی عمل کر کے طلسم کو توڑا۔ راشدہ پری بہت خوش ہوئی اور ارشیون کو گلے سے لگا کر طلسم کے باہر نکلی۔ پریزاد جو راشد جنی کی طرف سے تعینات تھے، راشدہ پری کو دیکھ کر بہت متعجب ہوئے اور فوراً راشد جنی کو خبر دی۔ راشد جنی اسی دم تخت پر سوار ہو کے آیا اور ارشیون کو اپنے گلے سے لگا کر، تخت پر دونوں ماں بیٹوں کو سوار کر کے، زر و جواہر نثار کرتا ہوا قصرِ ابیض میں لے گیا۔ ارشیون نے اپنے نانا سے پوچھا کہ سفید دیو نے میرے باپ کو کہاں قید کر کے رکھا ہے؟ مجھ کو چل کر بتا دیجیے۔ راشد جنی ارشیون کو سفید دیو کے مکان پر اپنے ساتھ لے گیا۔

رستمِ دوراں ملک لندھور بن سعدان گرد کا حال سنیے کہ اس دن اپنی بے کسی پر بہت سا رویا۔ اسی عالمِ گریہ میں سلام علیک کی آواز اس کے کان میں آئی۔ جواب دے کر دیکھا تو حضرت خضرؑ کھڑے ہیں۔ ملک لندھور نے بہت ہی زار نالی کر کے عرض کی کہ یا حضرت، میں کب تک اس مصیبت میں گرفتار رہوں گا؟ فرمایا کہ میں تیری رہائی کے واسطے آیا ہوں۔ یہ کہہ کر قید کو خسروِ ہند کے دست و پا سے جدا کر کے غائب ہو گئے۔

ملک لندھور نے غار سے نکل کر دیکھا کہ راشد جنی اور راشدہ پری تخت پر سوار کھڑے ہیں، اور راشد جنی کی گود میں ایک لڑکا بیٹھا ہے۔ خسرو راشد جنی کے قدم بوس اور راشدہ پری سے بغلگیر ہو کر پوچھنے لگا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ راشدہ نے اس کا حال کہہ کر خسرو کا قدم بوس کروایا۔ خسرو نے ارشیون کو چھاتی سے لگایا اور راشد جنی کے ہمراہ قصرِ ابیض کی طرف روانہ ہوا۔

عطفِ خامہ بہ ذکرِ داستانِ شاہِ عیاران عیار پیک خنجر گذار خواجہ عمرو عیار

راویانِ خوش تقریر لکھتے ہیں کہ ایک برس کے بعد سرداروں نے خواجہ عمرو سے کہا کہ قلعے میں علوفہ ہو چکا۔ خواجہ نے صیاد سے پوچھا کہ اس گرد و نواح میں کوئی اور بھی ایسا قلعہ ہے کہ جس میں جا کر چندے بسر کیجیے؟ صیاد نے کہا کہ یہاں سے دو منزل پر دیودو نامی ایک قلعہ جمشید کا بنایا ہوا ہے۔ مضبوطی میں کوئی قلعہ اس کی برابری نہیں کر سکتا ہے۔ چار پہاڑ قدرتی مقابل میں واقع ہوئے ہیں، جمشید نے ان پہاڑوں میں بھاری بھاری قلابے آہنی دے کر موٹی موٹی زنجیریں لگائی ہیں اور آہنی تختوں سے اس کو تختہ بند کیا ہے، اور چار ہاتھ کا فاصلہ دے کر دو دیواریں آہنی بنا کے اس میں ریت بھری ہے، اور قلعے میں اس قدر وسعت ہے کہ اس میں زراعت ہوتی ہے، باہر سے غلہ منگانے کی احتیاج نہیں۔ مگر راہ اس قلعے کی ایک ہی ہے اور ایسا تنگ کوچہ ہے کہ سوائے ایک آدمی کے دو آدمی برابر نہیں جا سکتے۔ عمرو قلعے کا بیان سن کر بہت خوش ہوا اور سرداروں کو بلا کر تاکید کی کہ تم اس قلعے سے بہت ہوشیار رہنا، میں دوسرے قلعے کی فکر میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر پوشاکِ شاہی اتار، لباسِ عیاری پہن، قلعے کے باہر نکل کر چھلانگیں پھلانگیں مارتا قلعۂ دیودو پر جا پہنچا۔

قلعے کو دیکھ کر عش عش کرنے لگا کہ کبھی ایسا قلعہ دیکھنے سننے میں نہیں آیا تھا۔ چند بار قلعے کے گرد اس تاک میں پھرا کہ کہیں لگاؤ پاوے مگر نہ پایا۔ ایک ٹیکرے پر بیٹھ کر قلعے کے اندر جانے کے واسطے دریائے فکر میں غوطہ مار کے منصوبہ کرنے لگا۔ دیکھتا کیا ہے کہ قلعے کے ایک دریچے میں لوہے کے تختے کا چھجہ ہے۔ اس پر ایک سقہ کھڑا ہوا نیچے سے پانی بھر رہا ہے۔ دل میں سوچا کہ قلعے میں جانے کے لیے اس سے بہتر سیڑھی نہیں ہے۔ سقے کی آنکھ بچا کر پانی میں کود کے ڈول میں جا بیٹھا۔ سقے نے جو ڈول کو بھاری پایا، جھانک کر دیکھا کہ

ایک آدمی عجیب الہیئت ڈول میں بیٹھا ہوا ہے۔ حماقت سے سمجھا کہ میری تقدیر کی یاوری سے جل مانس ڈول میں آ بیٹھا ہے۔ ڈول کو آہستہ آہستہ کھینچنے لگا کہ کہیں نکل نہ جائے۔ جب ڈول چرخی تک پہنچا، پکڑنے کے واسطے ہاتھ بڑھایا۔ عمرو جست کر کے اس کے پاس جا رہا اور گردن اس کی پکڑ کے اسے پانی میں پھینک دیا۔ نہر میں پانی عمیق تھا اور سقے کا جامِ عمر معمور ہو چکا تھا، دو چار غوطے کھا کر غریقِ بحرِ اجل ہوا۔ عمرو اس کی صورت بن کر پانی بھرنے لگا۔ جب مشک بھر چکا، سوچا کہ معلوم نہیں وہ پانی کس جگہ بھرتا تھا۔ مشک کا دہانہ باندھ کے لنگی اوڑھ کے لیٹ رہا۔ دوسرے سقے جو پانی بھرنے کو آئے، ہاتھ ہلا کر بولے کہ میاں فتو، خیر تو ہے، اس طرح سے لیٹے کیوں ہو؟ عمرو بولا کہ بھائی، مجھ کو اس وقت تپ آئی ہے۔ اگر مہربانی سے میرے گھر میں خبر کر دو تو نہایت احسان کرو۔ ایک سقے نے اس کے لڑکے بالوں کو خبر کر دی کہ فتو قلعے کی فصیل پر تپ میں پڑا کانپ رہا ہے۔ جورو اور لڑکے اس کے سنتے ہی دوڑے گئے اور اس کو وہاں سے گھر میں اٹھا لائے۔ عمرو چین سے پڑا سویا کیا۔ آدھی رات گئی ہوگی کہ فتو کی جورو نے جگا کر پوچھا کہ کچھ کھاؤ گے؟ عمرو بولا کہ بھوک تو نہیں ہے۔ وہ بولی کہ میں نے کُلتھی پکائی ہے، تھوڑی سی تو کھا لو کہ قوت سلب نہ ہو۔ عمرو بولا کہ اچھا لاؤ۔

عمرو کُلتھی کھا کے ہاتھ منھ دھو کر حقہ پینے لگا کہ ایک مرتبہ باہر سے کسی نے پکارا کہ میاں فتو، جاگتے ہو یا سوتے ہو؟ ذرا باہر تو آؤ، کچھ تم سے کہنا ہے۔ عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ خدا خیر کرے، اس وقت دو پہر رات گذرے کون خریدار آیا۔ فتو کی جورو سے کہا کہ پوچھ تو، کون ہے؟ وہ عورت بولی کہ صاحب، آپ کا کیا نام ہے؟ اور یہ تو بہت بیمار ہیں، باہر نہیں نکل سکتے۔ وہ بولا کہ بادشاہ کے عیاروں کا مہتر ہوں، مجھے ایک بات بہت ضرور کہنی ہے۔ عمرو نے نام عیار کا سن کر بہت اپنے دل میں شش و پنج کیا۔ عورت سے پوچھا کہ یہ کبھی اور بھی آیا تھا؟ اس نے کہا کہ کبھی نہیں۔ تب تو اور بھی حواس اڑ گئے کہ پہلے پہل عیار سے ملاقات ہوئی، خدا خیر کرے۔ مجبور کانکھتا ہوا باہر نکلا۔ مہتر نے دیکھ کر کہا کہ اے شاہ عیارانِ عیار، السلام علیک۔ عمرو بولا کہ صاحب، یہ گھر تو فتو سقے کا ہے، شاہِ عیارانِ عیار کا گھر آ گئے ہوگا۔ ہام دیودوی بولا کہ اے خواجہ، تم اپنے کو مجھ سے چھپاتے کیوں ہو؟ میں بھی مسلمان ہوں، دو مہینے سے آپ کا منتظر ہوں۔ یہ کہہ کر عمرو کا قدم بوس ہوا۔ عمرو سر اس کا چھاتی سے لگا کر کلماتِ آشتی کرنے لگا۔ ہام دیودوی نے کہا کہ چلیے، بادشاہ کو پکڑ لیجیے، پھر جو کچھ ہوگا سمجھا جائے گا۔ بندہ آپ کا شریک ہے۔ یہ دونوں چوکیداروں کی نگاہ سے اپنے کو بچاتے ہوئے عنتر دیودوی کی محل سرا میں کمند لگا کر پہنچے۔ عمرو نے دیکھا کہ بادشاہ شامیانۂ اطلس خطائی کے نیچے دوشالہ تانے پلنگ پر پڑا سوتا ہے۔ عمرو نے بادشاہ کے منھ پر سے دوشالے کا آنچل جدا کیا اور چاہا کہ عبیرِ بے ہوشی بادشاہ کے دماغ میں پھونکے۔ بادشاہ نے عمرو کا ہاتھ جو پکڑا، عمرو نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ بادشاہ کے ہاتھ میں بہلہ رہ گیا۔ عمرو نے چاہا

کہ چل دیوے، بادشاہ نے پکار کر کہا کہ اے خواجہ، مجھ سے نہ بھاگو، مجھ کو خواب میں اسی دم حضرت ابراہیمؑ نے مسلمان کر کے تمھارے آنے کی خبر دی ہے، والاً کچھ علم غیب نہیں رکھتا ہوں کہ تم کو پہچانتا۔ عمرو یہ کلام سن کر کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے اٹھ کر عمرو کو گلے سے لگایا اور کہا کہ صبح کو تم اپنے تمام لوگوں کو لے آؤ، یہ قلعہ تمھارا ہی ہے۔ ہرمز و فرامرز کیا مال ہیں، اگر جمشید جم آوے تو اس قلعے کو لے نہیں سکتا۔

عمرو اسی دم بادشاہ سے رخصت ہو کر قلعۂ سابق میں آیا اور سرداروں کو قلعۂ دیودو کے لینے کی خبر سنا کر دن کو تو آرام کیا، دو پہر رات گئے مہرنگار کو محافۂ زرنگار میں سوار کر کے فوج کے ہمراہ قلعۂ دیودو کی طرف روانہ کیا اور آپ کاغذ کے پتلے جا بجا قائم کر کے پیچھے سے روانہ ہوا دو روز میں قلعۂ دیودو پر پہنچا۔ بادشاہ نے پہلے ہی سے سب کو مسلمان کر کے دربانوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جس وقت عمرو آوے، فوراً قلعے کا دروازہ کھول دینا۔ دربانوں نے عمرو کی آواز سنتے ہی قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ عمرو مع لشکر قلعے میں داخل ہوا اور اپنی وضع پر قلعے میں بندوبست کر کے چین سے بیٹھا۔

لشکرِ کفار کا حال سنیے کہ تیسرے دن عیاروں نے ہرمز و فرامرز کو خبر دی کہ قلعہ خالی معلوم ہوتا ہے۔ بختیارک نے کہا کہ اور قلعہ یہاں سے متصل کون ہے؟ مگر دیودو کو عمرو نے لیا ہو تو عجب نہیں ہے۔ بادشاہزادے اسی وقت سوار ہو کر قلعے میں گئے۔ دیکھیں تو واقعی قلعہ خالی ہے، جا بجا کاغذ کے آدمی کھڑے ہیں اور دروازے میں گدھا اور کتا بندھا ہوا ہے اور چند مرغ قلعے میں پھر رہے ہیں۔ شاہزادوں نے بادشاہِ ہفت کشور کی خدمت میں عرضی لکھی کہ عمرو اس قلعے سے نکل کر قلعۂ دیودو میں گیا، اور یہ مہم بے آپ کے تشریف لائے، یا کوئی ایسا صاحب منصوبہ ہو کہ اس کو سر کرے، سر نہ ہو گی۔ ایک عیار کے ہاتھ کرگس ساسانی اسے کہتے ہیں، عرضی بھیج کر مع لشکر کوچ کیا۔ تین دن کے عرصے میں پہنچ کر قلعۂ دیودو کے سامنے ڈیرہ کیا۔ نوشیرواں عرضی کو پڑھ کر نہایت آشفتہ ہوا اور بختک کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ سخت متردد ہوں، اس ساربان زادے کا کیا علاج کروں۔ وہ بولا کہ آپ کا تشریف لے جانا عین مناسب ہے۔ بے آپ کے گئے کبھی یہ لڑائی فتح نہ ہو گی۔ نوشیرواں نے بزرجمہر سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ بزرجمہر نے کہا کہ فدوی کا وہی کلام ہے جو سابق میں تھا۔ اگر آپ تشریف لے گئے اور اس نے کسی طرح کی کوئی بے ادبی کی تو اس وقت بڑی قباحت ہو گی۔ آئندہ رائے حضور کی سب کی رائے پر افضل ہے۔ نوشیرواں کو جو عمرو کی حرکتیں یاد آئیں، کانپ گیا اور بختک سے کہنے لگا کہ اے مردود، تو سخت نمک حرام ہے۔ ہمیشہ تو مجھ کو مغالطہ دیتا ہے۔ اتفاقاً اسی وقت بادشاہ کو خبر پہنچی کہ بیجن کامران، ژوپین کا بھائی، دو لاکھ سوار ہمراہ لے کر حضور کی ملازمت کے واسطے آتا ہے۔ نوشیرواں یہ مژدہ سن کر بہت خوش ہوا اور کئی سردار اس کے استقبال کو پہنچے۔ جب اس نے حاضر ہو کر تخت کو بوسہ دیا، بادشاہ نے آستین مرحمت اس کی

پشت پر جھاڑی اور اسی دم خلعتِ جمشیدی سے اس کو سرفراز کر کے مجلسِ جشن کا حکم دیا۔ تین شبانہ روز تک جشن رہا۔ جشن کی صبح کو بادشاہ سے اس نے پوچھا کہ پیر و مرشد، ژوپین اور جہاندار و جہانگیر کہاں ہیں؟ نوشیرواں نے آہِ سرد بھر کر کہا کہ کیا کہوں، وہ تینوں بھائی ہرمز و فرامرز کے ساتھ درپئے گرفتاریِ عمرو عیار ملازمِ حمزہ ہیں۔ نو برس کا عرصہ گذر گیا، وہ عیار کسی کے ہاتھ نہیں آتا ہے۔ آج اس قلعے میں ہے تو کل اس قلعے میں ہے۔ بیجن کامران بولا کہ غلام کو اگر ارشاد ہووے تو جس قلعے میں وہ ہو، حضور کے اقبال سے کھڑی سواری، قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا کر، عمرو کو مع ملکہ مہر نگار حاضر کر دوں۔ بادشاہ اس بات سے اور بھی خوش ہوا۔ فرمایا کہ نفس الامر میں تم ایسے ہی ہو۔ اسی دم خلعتِ رخصت عنایت کیا۔

بیجن کامران نے مع دو لاکھ سوار قلعۂ دیودو کی طرف کوچ کیا۔ چند روز میں مسافت طے کر کے قلعۂ دیودو کے قریب پہنچا۔ ہرمز و فرامرز نے بیجن کامران کے پہنچنے کی خبر سن کر جہاندار کابلی و جہانگیر کابلی کو اس کے استقبال کے واسطے بھیجا۔ جس وقت وہ لشکر میں داخل ہوا، شاہزادوں نے بڑے تکلف سے اس کی ضیافت اور شرطِ مہمانداری ادا کی۔ بیجن نے ژوپین سے سرِ مجلس کہا کہ کیوں ژوپین، تجھ سے آج تک ایک پیادے کی لڑائی سر نہ ہو سکی۔ اسی برتے پر بادشاہ کی دامادی کا ارادہ رکھتا ہے؟ ژوپین نے کہا کہ بھائی صاحب، تم سچ کہتے ہو لیکن اس پیادے سے واقف نہیں ہو۔ اب آئے ہو، واقف ہو جاؤ گے۔ وہ پیادہ ایسا بد بلا ہے کہ اس پر لاکھوں سوار کی فوج لے کر فتحیاب ہونا دشوار ہے۔ بیجن بولا کہ یہ کیا بات ہے! ایک پیادہ بھی ایسا ہے کہ جس پر لاکھوں سوار کی فوج فتحیاب نہ ہو؟ ہاں میرے نام سے ابھی طبلِ جنگ بجوایا جائے۔ ہرمز نے طبلِ جنگ بجنے کا حکم دیا۔ جس دم نقار خانے سے طبلِ جنگ کی صدا بلند ہوئی، یہ خبر عمرو کو پہنچی کہ لشکرِ کفار میں طبلِ جنگ بج رہا ہے۔ حکم کیا کہ ہمارے لشکر میں بھی کوسِ سکندری پر ڈنکا پڑے۔ القصہ، رات بھر طرفین سے طبلِ جنگ بجا کیے۔ صبح کو ہرمز و فرامرز تختِ رواں پر سوار ہوئے اور جہاں تک سردار تھے، اپنی اپنی فوج لے کر شاہزادوں کے ہمراہ میدان میں آئے۔ بیجن کامران بھی اپنے دو لاکھ سوار کو لے کر ایک طرف صف آرا ہوا۔ فوجِ قدیم تو عمرو کی لڑائی سے واقف تھی، کسی نے آگے کو قدم نہ بڑھایا، لیکن بیجن کامران کے ساتھ جو لشکر تھا، بہ سببِ ناواقفیت قلعے کے اوپر ہلہ کرنے کو چلا۔ جب زد پر پہنچا، قلعے پر سے آگ کا مینھ برسنے لگا تب تو ہر ایک بدحواس ہو کر بھاگا۔ بیجن نے فوج کا رنگ دیکھ کر ژوپین سے کہا کہ معلوم ہوا، اس فوج سے کام نہ نکلے گا۔ چلو ہم تم چل کر قلعے کا دروازہ توڑیں۔ ژوپین بولا کہ چلیے۔ بارے دونوں بھائیوں نے گھوڑے اٹھائے۔ آتش بازی کے دھویں سے تمام رزم گاہ میں روزِ روشن کو مثلِ شبِ یلدا اندھیرا ہو رہا تھا، اپنا ہاتھ کسی کو نہ سوجھتا تھا۔ ہر گاہ قلعگیوں نے اپنا ہاتھ روکا اور ہوا نے دھواں کرۂ نار کو پہنچایا۔ مطلع صاف ہوا، آدمی کو آدمی نظر آنے لگا۔ اہلِ

قلعہ دیکھیں تو ژوپین وبیجن خندق کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ عمروان کے مارنے کی فکر میں تھا کہ نقابدار نارنجی پوش چالیس ہزار سوار سے آ پہنچا اور برابر آ کے ژوپین وبیجن سے کہا کہ او نامردو، تم کون ہو جو مسلمانوں سے لڑنے آئے ہو؟ وہ بولے کہ تو کون ہے جو ہمارے اور اہلِ قلعہ کے درمیان میں دخل دیتا ہے؟ نقابدار بولا کہ میں تمھاری جان کا ملک الموت ہوں۔ نقابدار کی گفتگو سے دونوں بھائیوں نے تلواریں کھینچ کر نقابدار پر وار کیے۔ نقابدار نے تلواریں تو ان کی چھین لیں اور دونوں کے کمربندوں میں ہاتھ ڈال کر سر سے اونچا اٹھا لیا اور پوچھا کہ دریا میں پھینکوں کہ خشکی پر؟ ہرمزوفرامرز یہ حال دیکھ کر مع لشکر آ گرے۔ نقابدار کے چالیس ہزار سوار نے تلواریں میان سے لے کر جیسا چاہیے، ویسی دادمردی ومردانگی کی دی۔ عمرو نے بھی مع فوج قلعے سے نکل کر تیغ زنی کرنی شروع کی۔ اس دھاوے میں دونوں بھائیوں کے کمربند ٹوٹ گئے۔ گھوڑے کے نیچے گر کے بے تحاشا بھاگے۔ الغرض اس دن کی جنگِ مغلوبہ میں قریب اسی ہزار کے لشکرِ کفار کا سپاہی مارا گیا اور لشکرِ نقابدار و عمرو میں سے کسی کی نکسیر بھی نہ پھوٹی۔ لاانتہا مال وخزانہ لشکرِ اسلام کے ہاتھ آیا۔ عمرو نے دوڑ کے نقابدار کی رکاب کو بوسہ دے کر کہا کہ اے جوانمرد، آج تو نے وہ کام کیا ہے کہ رستم سے بھی کبھی نہ ہوا ہوگا۔ یہ کہہ کر کہا کہ برائے خدا اپنا نام بتا اور چہرے سے نقاب اٹھا کر دیدۂ مشتاق کو ہمارے منور کر۔ نقابدار بولا کہ اے عمرو، آج تک مجھ سے کوئی کام ایسا نمایاں نہیں ہوا کہ نام اپنا بتاؤں یا صورت اپنی دکھاؤں۔ جب امیر آویں گے، نام بھی میرا سن لینا اور صورت بھی دیکھ لینا۔ جاؤ، قلعے میں چین سے آرام کرو اور مجھ کو ہر وقت اپنا مددگار سمجھو۔ یہ کہہ کر عمرو کو تو قلعے میں داخل کیا اور آپ جدھر سے آیا تھا ادھر چلا گیا۔

ہرمزوفرامرز نے بذریعہ عرضی اس لڑائی کی کیفیت وشکست سے بادشاہ کو اطلاع دی اور لکھا کہ جلد خیمہ و خرگاہ وخزانہ بھیجیے، نہیں تو بغیر خیمے کے دن کی دھوپ، رات کی شبنم سے گرمی سردی اٹھا کر بیمار پڑ جائیں گے، اور خزانے کے پہنچنے میں اگر دیر ہوگی تو فاقوں کے مارے مر جائیں گے۔ راوی لکھتا ہے کہ جب ہرمزوفرامرز کی عرضی نوشیروان کے پاس پہنچی، بادشاہ نے بختک سے کہا کہ تو جو ہمیشہ کہا کرتا ہے اگر حضور چلیں تو میں وہ مفسد ہوں کہ عمرو سے ہزار عیار کو فریب دے کر خاک سیاہ کر ڈالوں، پس وہ تیرا بیٹا بختیارک جو نو برس سے ہرمزوفرامرز کے ساتھ ہے، اس حرام زادے سے کیا کام بن آیا کہ تجھ سے بن آوے گا؟ تیرے کہنے پر میں نے عمل کر کے اپنے ہاتھوں اپنے کو برباد کیا۔ خبردار! آج سے میرے دربار میں نہ آنا، نہیں تو بہت بری طرح سے پیش آؤں گا۔ بختک گریاں ونالاں اپنے مکان پر گیا اور اپنے بیٹے کو ایک خط لکھ کر روانہ کیا کہ او حرام زادے، تو نو برس سے شاہزادوں کے ہمراہ ہے مگر آج تک تجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ کسی تدبیر سے عمرو کا کام تمام کرتا۔ تو نے سب بزرگوں حرام زادوں کا نام ڈبویا اور مجھ کو بادشاہ کے دربار سے بھی نکلوایا۔ بہتر تیرے حق میں

یہی ہے کہ جس طرح ہو سکے اس معاملے کو طے کر، نہیں تو اپنی فرزندی سے تجھ کو عاق کروں گا۔ مجھ سے فتنہ انگیز کا بیٹا مکار و مفتری نہ ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تو میرا نطفہ نہیں ہے، کسی ساہوکار کا نطفہ ہے۔ بختیارک خط پڑھ کر نہایت مشوش ہوا کہ کیا کیا چاہیے۔ دن کو تو فکر میں غلطاں پیچاں رہا، ہر طرح کے منصوبے کیا کیا، جب رات ہوئی، ایک منصوبہ خیال میں آیا۔ لباس شبروی کا پہن کر قلعے کے گرد پھرنے لگا۔ کسی النگ کے چوکیداروں کو غافل نہ پایا۔ اتفاقاً خواجہ ارباب نامی عنتر دیودوی کا بیٹا ایک برج میں بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا اور چوکیدار اس برج کے سو گئے تھے۔ اس نے بختیارک کی آہٹ پا کے للکارا کہ کون ہے؟ بختیارک بولا کہ میں ہوں بختیارک۔ خیر خواہانہ آپ سے کچھ عرض کرنے آیا ہوں۔ اس نے نشے کی ترنگ میں بختیارک کو بذریعۂ کمند قلعے پر چڑھا لیا۔ بختیارک نے ایک خطِ عملی اس کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ آپ کو نوشیرواں نے لکھا ہے۔ اس نے لفافے پر نوشیرواں کی مہر ثبت دیکھ کر یقین کیا کہ خط نوشیرواں کا ہے۔ لفافہ چاک کر کے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا کہ اے خواجہ ارباب، تیرے باپ نے مجھ سے نمک حرامی کی کہ میرے عدو کا معین ہوا، مگر تجھ سے مجھ کو امید خیر خواہی کی ہے۔ اگر تو اس قلعے کو چند روز کے واسطے میرے آدمیوں کے حوالے کر دے اور عمرو کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دے تو قسم ہے مجھے آتش کدۂ نمرود کی، یہ قلعہ بھی میں تجھے دوں گا اور جو استدعا تیری ہو گی اسے منظور کروں گا اور اپنے مقربوں میں تجھے سرفراز کروں گا۔ خواجہ ارباب خط کے مضمون سے بہت خوش ہوا۔ بختیارک سے کہنے لگا کہ تو بھی اس پر گواہی کر دے۔ بختیارک نے کہا کہ مجھ پر کیا موقوف ہے، تم چلو تو میں شاہزادوں کی گواہی کرا دوں۔ الغرض بختیارک اسی وقت اس کو اٹھا کر ہرمز و فرامرز کے پاس لے آیا اور کہا کہ اس خط پر جو بادشاہ نے ان کو بھیجا ہے، آپ دونوں صاحب بھی اپنی اپنی مہر کر دیں۔ ہرمز و فرامرز نے جانا کہ بختیارک کی کچھ فطرت ہے، بہ کشادہ پیشانی فرمایا کہ بسر و چشم ہم اس خط پر مہریں کر دیتے ہیں، اور سوائے اس کے جو تم کہو گے ہم بادشاہ سے منظور کروا دیں گے۔ بارے ہرمز و فرامرز نے اس خط پر مہریں اپنی کر دیں۔ خواجہ ارباب نے کہا کہ آپ کے خیمے کے اندر سرنگ کا منھ ہے، اسے کھدوایئے، اور دوسرا منھ سرنگ کا میری حویلی میں ہے، میں جا کر اسے کھدواتا ہوں۔ اتنی رات اور تمام دن میں گرمی بھی اس کی دور ہو جائے گی، آپ کل سرِ شام سرنگ کی راہ سے تشریف لا کر غریب خانے کو سرفراز کیجیے۔ دعوت بھی کھایئے اور دو پہر رات گئے مسلمانوں کو قتل کر کے عمرو کو بھی پکڑ لیجیے اور مہر نگار کو بھی لے آیئے، مگر پہلوان اچھے اچھے چن کر ہمراہ لایئے گا۔ ہرمز و فرامرز نے خواجہ ارباب کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ وہ جس طرح سے قلعے سے آیا تھا اسی طرح قلعے میں پہنچا اور اسی دم بیلداروں کو اپنے گھر میں لے جا کر سرنگ کا منھ کھدوانا شروع کیا، چنانچہ صبح ہوتے ہوتے سرنگ کا منھ کھل گیا، اور شاہزادوں کی دعوت کے واسطے کھانے کی تیاری کی۔

اتفاقاً دلآویز نامی اس کی بیٹی نے اس سے پوچھا کہ آج یہ دھوم دھام کیسی ہے؟ خواجہ ارباب نے اپنی بیٹی جان کر شب کا احوال مفصل بیان کیا۔ دلآویز اپنے دل میں بہت متاسف ہوئی کہ یہ کمبخت بہ طمع خام اتنے مسلمانوں کا خون اپنی گردن پر لیتا ہے۔ فی الفور ایک رقعے میں مفصل حال لکھ کر اپنی دایہ کے ہاتھ عمرو کے پاس بھیجا اور دایہ پر تاکید کی کہ تم جلد جا کر اس رقعے کو عمرو کے ہاتھ میں دے آؤ، وہ تم کو بہت سا انعام دے گا۔ دایہ نے فی الفور وہ رقعہ عمرو کے ہاتھ میں جا کر دیا۔ عمرو نے دایہ کو بہت کچھ انعام دیا اور دلآویز کو شاباشی دی اور آپ تخت پر بیٹھ کر اپنے لشکر کے سرداروں کو طلب کیا۔ پہلے عادی سے کہا کہ آج ایک جگہ نیاز ہے، بہت سا کھانا کھلواؤں گا، لیکن محنت بھی کرنی ہوگی، اور اگر محنت کرنے میں بچر مچر کرو گے تو ایک ایک دانہ تمھاری ناک سے نکالوں گا۔ عادی بولا کہ ہم کو تو ہر طرح تمھاری اطاعت منظور ہے۔ دیکھو، جب سے امیر گئے ہیں، کلہم اکیس من آنا چاول دونوں وقت میں ملتا ہے، چنانچہ ایک ہی وقت میں اس کو کھاتا ہوں اور آدھا پیٹ بھی میرا نہیں بھرتا ہے، بہر حال تا آنے امیر کے، قوت لایموت سے اپنی جان بچاتا ہوں۔ اور اگر پیٹ بھر کر مجھ کو کھلاؤ گے تو محنت کرنے میں مجھ کو کیا عذر ہے! مثل مشہور ہے کہ پیٹ بھر اور پیٹھ لاد۔ عمرو چار گھڑی دن باقی رہے سرداروں کو ساتھ لے کر خواجہ ارباب کے گھر کی طرف چلا۔ خواجہ ارباب نے سنا کہ شاہ عمرو کی سواری میرے گھر کی طرف آتی ہے، رنگ چہرے کا اڑ گیا، منھ پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ اس میں عمرو کی سواری آ پہنچی۔ خواجہ ارباب نے گھر سے باہر نکل کر عمرو کو سلام کیا اور نذر گذرانی۔ عمرو نے نذر لے کر کہا کہ میں نے سنا ہے تم نے آج حضرت ابراہیمؑ کی نیاز کے واسطے کھانا پکوایا ہے۔ اس واسطے میں بھی تمھارے گھر میں آیا ہوں کہ تبرک کھانے کو ملے گا۔ خواجہ ارباب یہ بات سن کر اور بھی حیران ہوا، مگر کرے کیا، مکر بھی نہیں سکتا۔ بولا کہ نفس الامر میں حضور ولی ہیں۔ سچ ہے کہ میں کھانا پکوانے کی تیاری میں صبح سے مصروف ہوں اور اسی سبب سے آپ کی خدمت میں اطلاع کے واسطے آ نہ سکا۔ ارادہ تھا کہ بعدِ تیاریِ طعام حضور کو خبر دوں۔ خوب ہوا کہ آپ ہی تشریف لائے، مجھ کو جانا بھی نہ پڑا۔ یہ کہہ کر اسی مکان میں جہاں فرش مکلف کیا تھا اور شاہزادوں کے واسطے تخت بچھوایا تھا، عمرو کو تخت پر لا کے بٹھلایا اور سرداروں کو کرسیاں دنگل بیٹھنے کو دیے۔ عمرو نے کھانا طلب کر کے پہلے پہلوان عادی کو ناکوں ناک کھلوایا، بعد ازاں اور سرداروں کو کھلایا۔ جب وقت شام کا نزدیک ہوا، عمرو نے حکم دیا کہ خواجہ ارباب کی مشکیں باندھ لو۔ حکم ہوتے ہی خواجہ ارباب کی ٹنڈیاں کس گئیں۔ خواجہ ارباب نے کہا کہ ایسا میں نے کیا قصور کیا ہے کہ مجھ کو آپ نے باندھا ہے؟ خواجہ عمرو نے کہا کہ قصور تو آپ کا کچھ نہیں ہے، مگر ہم نے حق نمک خواری کا ادا کیا ہے۔ الغرض اس کو تو اسی صورت سے ایک حجرے میں بند کیا اور عادی سے کہا کہ وہ محنت کا وقت آ پہنچا، ایسا نہ ہو کہ محنت کرنے میں قصور واقع ہو۔ عادی بولا کہ میں دل و جان سے

محنت کرنے کو حاضر ہوں۔ جو ارشاد کیجیے سو بجا لاؤں۔ عمرو نے نقب کا منھ تلاش کر کے، عادی کو بٹھلا کر کہا کہ جو کوئی اس سے سر نکالے، دونوں ہاتھوں سے ایسا اس کا گلا دبا کر اوپر کو کھینچنا کہ آواز اس کے منھ سے نہ نکلے۔ اور سب پہلوان تیرے پاس کھڑے رہیں گے، تو پکڑ پکڑ کر ان کے حوالے کرتا جانا۔ وہ بھی تیری ہی طرح منھ ان کا بند کر کے زندان خانے تک پہنچاتے جائیں گے۔ اور خبردار! اگر کوئی تیرے ہاتھ سے چھوٹا تو جیسا کھانا کھلایا ہے، ویسا ہی تیرا پیٹ بھی پھاڑوں گا۔ عادی نانبائیوں کی طرح دوزانو سرنگ کے منھ پر بیٹھا کہ جو کوئی سر نکالے، روٹی کی طرح سے ہلکا پھلکا اس کو کھینچ لوں۔

اب ذرا حال ہرمز و فرامرز کا سنیے کہ دو گھڑی دن رہے دس ہزار سوار اور چار سو پہلوان نامدار ہمراہ لے کر، جس طرح سے کوئی اپنے گھر میں جاتا ہے، بے خطر نقب میں داخل ہوئے۔ جب قریب پہنچے، عادی نے عمرو سے کہا کہ آدمیوں کے پاؤں کی آواز آتی ہے۔ عمرو بولا کہ خبردار! کوئی چھوٹنے نہ پاوے۔ اس میں ایک شخص نے نقب کے باہر سر نکالا۔ عادی تو عزرائیل کی طرح گلا گھونٹنے کو بیٹھا ہی ہوا تھا، اس کا گلا پکڑ کے اوپر کو کھینچ لیا اور دوسرے سردار کے حوالے کیا۔ وہ اس کو اسی طرح سے زندان تک پہنچا آیا۔ دوسرے نے سر نکالا، اس کا بھی یہی حال ہوا۔ القصہ، آناً فاناً میں چار سو پہلوان عادی نے پکڑ کر اپنے سرداروں کے حوالے کیے اور انھوں نے زندان خانے میں پابہ زنجیر کر کے بہ کمال محافظت اپنے لوگوں کے پہرے میں رکھا۔ ژوپین ان سب کے پیچھے تھا۔ دل میں سوچا کہ چار سو پہلوان نقب کے باہر گئے اور ایک بھی خبر دینے کو نہ پھرا، اس کا کیا سبب ہے؟ ذرا سا سر نقب سے نکال کر دیکھنے لگا کہ عادی نے اس کا سر پکڑا۔ چونکہ گردن اس نے نہ نکالی تھی کہ عادی گردن پکڑتا، اور سر بھی ہاتھ میں آیا تو گُدّی کی طرف سے۔ ژوپین نے اپنے دل میں کہا کہ یہ کیا آفت ہے، دعوت ہے یا عداوت ہے؟ اچھی ضیافت خواجہ ارباب نے کھلائی کہ کھانے کی امید میں جان گنوائی۔ اس نے دیوارِ نقب سے پاؤں اڑا کر پکارنا شروع کیا کہ اے بھائی، دوڑو! میرا سر پکڑ کے کوئی اوپر کو کھینچتا ہے۔ بیجن نے دونوں پاؤں ژوپین کے پکڑ کر اس زور سے نیچے کو کھینچا کہ ژوپین کا سر عادی کے ہاتھ سے چھوٹ گیا لیکن کان ژوپین کے اکھڑ کر عادی کے ہاتھ میں رہ گئے۔ سب آنے والے اس ماجرے سے مطلع ہو کر الٹے پاؤں پھرے۔ عادی نے وہ کان عمرو کو دیے۔ عمرو نے دیکھا کہ سب ہوشیار ہو گئے، اب کوئی نہ آوے گا۔ نقب میں قارورے آتش بازی کے مارنے شروع کیے۔ دس ہزار سپاہی جوان کے ساتھ گھسے تھے سب کے سب جھلس کر نقب میں رہ گئے۔ ہرمز و فرامرز چند آدمیوں سے بچ کر بھاگے۔ عمرو نے صبح کو چار سو سردار حریف کے لشکر کے جو پکڑے گئے تھے، مع خواجہ ارباب دار پر کھینچے اور نقب کے منھ کو سُرب سے بند کر دیا۔ ہرمز و فرامرز نے یہ احوال بھی عرضی میں لکھ کر صابر نمدوش کے ہاتھ نوشیرواں کے پاس روانہ کیا۔

اب ذرا احوال صاحبقراں کا سنیے کہ آسمان پری نے خواجہ خضر ومہتر الیاس کے روبرو قسم کھائی تھی کہ بعد چھ مہینے کے میں صاحبقراں کو پردۂ دنیا پر بھجوادوں گی۔ جب چھ مہینے گذر گئے، امیر نے آسمان پری سے کہا کہ لو، یہ بھی وعدہ تمھارا تمام ہوا، اب میرے ملک میں مجھ کو بھجوا دو۔ آسمان پری نے کہا کہ ایک برس کے بعد میں تم کو بھجوادوں گی۔ امیر نے برہم ہو کر فرمایا کہ آسمان پری، کچھ تجھ کو خدا کا بھی خوف ہے؟ تو نے دو پیغمبروں کے روبرو قسم کھائی تھی کہ میں بعد چھ مہینے کے ضرور بالضرور آپ کو آپ کے ملک میں بھجوادوں گی۔ آج تو پھر مجھ سے وعدہ وعید کرتی ہے۔ آسمان پری بولی کہ اگر قسم جھوٹی کھانے کا خمیازہ اٹھاؤں گی تو میں اٹھاؤں گی، آپ کو کیا؟ امیر ناخوش ہو کر بادشاہ کے پاس گئے اور کہا کہ اے شہنشاہِ پردۂ قاف، میں نے آپ سے کون سی بدی کی ہے کہ جس کے عوض میں آپ میری خانہ خرابی کے درپے ہیں؟ اٹھارہ دن کا وعدہ کر کے آیا تھا، سو اس کو اتنا عرصہ ہو گیا، اور شہنشاہِ ہفت اقلیم سا دشمن میرے سر پر وہاں موجود ہے۔ سوا اس کے، دو پیغمبروں کے روبرو آپ نے اور آسمان پری نے قسمیہ وعدہ کیا تھا کہ چھ مہینے کے بعد ہم ضرور بالضرور تمھارے ملک میں تم کو بھیج دیں گے۔ الحمدللہ وہ بھی دن گذر گئے۔ اب آسمان پری کہتی ہے کہ ایک برس اور رہیے۔ کیوں آپ میری جان کے پیچھے پڑے ہیں؟ بادشاہ نے بہت سی امیر کی خاطرداری کی۔ اسی وقت امیر کو تخت پر بٹھلا کے چار دیووں کو بلا کر تاکید کی کہ صاحبقراں کو پردۂ دنیا پر پہنچا آؤ۔ یہ خبر آسمان پری کو پہنچی۔ قریشہ کو لے کر موجود ہوئی۔ امیر سے کہنے لگی کہ یا ابوالعلا، تم کو اپنی بیٹی سے بھی محبت نہیں ہے۔ اگر میں تقصیروار ہوں تو اس نے تو کچھ قصور آپ کا نہیں کیا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ جب تم آنا، قریشہ کو لیتی آنا۔ تمھارے نزدیک آنا جانا سہل ہے۔ اور مجھ کو بلاؤ گی تو میں بھی آؤں گا، مگر بالفعل میرا جانا مناسب ہے، مجھ کو جانے دو۔ یہ کہہ کر دیووں سے تخت اٹھوا کر روانہ ہوئے۔ آسمان پری روتی ہوئی اپنے مکان پر گئی اور رضوان پریزاد کو بلا کر کہا کہ تو صاحبقراں کے پاس رخصت کے بہانے سے جا کر دیوانِ تخت بردار سے کہہ آ کہ امیر کو دشتِ عجائب میں چھوڑ کر چلے آویں، اور نہیں تو بہت بری طرح سے پیش آؤں گی۔ رضوان تیز پروازی کر کے امیر کے پاس جا پہنچا۔ امیر نے رضوان کو دیکھ کر کہا کہ خالی از علت اس کا آنا نہیں ہے، خواہ مخواہ کچھ اس میں راز ہے۔ دیوانِ تخت بردار سے کہا کہ شہپال کے پاس پھر چلو۔ دیو عذر کرنے لگے۔ امیر نے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اگر تم نہ چلو گے تو میں ایک کو تم میں سے جیتا نہ چھوڑوں گا۔ دیو ناچار ہو کر امیر کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ شہپال شاہ نے امیر کو دیکھ کر کہا کہ یا امیر، خیر تو ہے، پھر آنے کا موجب کیا ہوا؟ صاحبقراں بولے کہ میں آپ سے یہ پوچھنے کو آیا ہوں کہ آپ کو مجھے میرے گھر بھیجنا منظور ہے یا پھر کسی بیاباں میں حیران کرنا ہے؟ بادشاہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں بخوشی آپ کو دنیا میں بھیجتا ہوں۔ امیر بولے کہ اگر یہی بات ہے تو دیوانِ حمال سے حضرت

سلیمانؑ کی قسم لے کر مجھ کو رخصت کیجیے۔ بادشاہ نے جو دیووں سے قسم کھانے کو کہا، انھوں نے عذر کیا کہ ہم قسم نہیں کھانے کے، کیونکہ آسمان پری کا حکم نہیں ہے کہ ہم امیر کو دنیا میں پہنچاویں، اور ملکہ کی حکم عدولی ہم تب کریں جب اپنی جان ہم کو دوبھر ہو۔ بادشاہ نے آسمان پری کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیا بدذاتی ہے؟ آسمان پری بولی کہ آپ کو اس بات سے کیا کام ہے؟ میرا خاوند ہے، میں نہیں جانے دیتی۔ امیر نے تخت پر سے اتر کر ایک آہ کا نعرہ اس زور سے مارا کہ قلعہ کانپ گیا اور کہا کہ اے آسمان پری، تو نے پیغمبروں کو گواہ کر کے قسم کھائی تھی اور پھر مجھ سے دغا کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ خدا کا غضب تجھ پر گرے گا، اور میں تو سر بہ صحرا ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر روتے ہوئے دیوانہ وار صحرا کی طرف روانہ ہوئے۔ شہپال شاہ نے آسمان پری سے کہا کہ اے آسمان پری، تو نے زلازلِ قاف سے بدسلوکی کر کے تمام قاف میں مجھ کو رسوا اور بے اعتبار کیا۔ آسمان پری بولی کہ آپ کا بے اعتبار و رسوا ہونا مجھے منظور ہے مگر اپنی خانہ بربادی منظور نہیں ہے۔ یہ کہہ کر منادی کرا دی کہ زلازلِ قاف گلستانِ ارم سے باہر گیا ہے۔ جو کوئی اس کو اپنے گھر میں جگہ دے گا یا اس کے گھر پہنچا جائے گا وہ میرے ہاتھ سے زن و بچے سمیت مارا جائے گا۔

صاحبقراں کا حال سنیے کہ گلستانِ ارم سے نکل کر ہفت شبانہ روز جنگل میں چلے گئے، آٹھویں دن بہ سبب نہ کھانے غذا کے ایک باغ میں غش کھا کر گر پڑے۔ دوسرے روز ہوش میں آ کر کلچۂ عنایتی حضرت خضرؑ کا کھا کر میدان کی طرف دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھتے کیا ہیں کہ ایک دیو قوی الجثہ طویل القامت چلا آتا ہے۔ جب قریب آیا، امیر کو پہچان کر سلام کیا۔ امیر نے اس سے پوچھا کہ اے دیو، دنیا یہاں سے کتنی دور ہے؟ اس نے کہا کہ یا زلازلِ قاف، کوچک سلیمان، دنیا کو اگر آدمی اپنی پامردی سے جایا چاہے تو پانچ سو برس میں پہنچے، اور دیوانِ عام چھ مہینے میں پہنچا دیں گے، اور جو دیو کہ پیک ہے وہ چالیس دن میں لے جاوے گا، اور مجھ سا دیو سات دن میں۔ امیر نے فرمایا کہ اگر تو مجھ کو میرے گھر پہنچا دیوے تو بڑا احسان کرے۔ وہ بولا کہ اگر پھر مجھ کو اس ملک میں آنا نہ ہو تو البتہ آپ کو دنیا میں پہنچا دوں۔ آسمان پری نے تمام ملکِ قاف میں منادی کی ہے کہ جو کوئی صاحبقراں کو دنیا میں پہنچائے گا، اس کو زن و بچے سمیت جیتا نہ چھوڑوں گی۔ امیر نے اس کو اپنے پاس بلایا۔ دیو بولا کہ میں ایسا احمق نہیں ہوں جو آپ کے نزدیک آؤں۔ آپ میری گردن پر سوار ہو بیٹھیں اور کہیں کہ مجھے دنیا کی طرف لے چل تو اس وقت میں کیا کروں؟ یہ کہہ کر سلام کر کے اڑ گیا۔ امیر نے مایوس ہو کر دل میں کہا کہ حمزہ، تجھ کو کوئی دیو یا پریزاد تیرے ملک میں نہ پہنچائے گا۔ اس سے تن بہ تقدیر، تو اپنے پاؤں سے چل۔ خدا کریم ہے، وہ چاہے گا تو پہنچا دے گا۔ یہ کہہ کر صحرا کی طرف روانہ ہوئے۔

جنگل بہ جنگل، دشت بہ دشت، صحرا بہ صحرا، کبھی روتے کبھی ہنستے، چلے جاتے تھے کہ پندرھویں دن ایک

قلعہ نظر آیا۔ دیکھا کہ اس پر جن سر کھولے جنابِ احدیت سے دعا مانگ رہے ہیں اور ایک دیو، دراز قد، فیل گوش نام، چار سو دیو فیل گوش سے قلعے کو محاصرہ کیے ہوئے کھڑا ہے۔ امیر کو محصورانِ قلعہ پر ترس و رحم جو آیا، اس دیو کو للکارا کہ او کافر، قلعے کو کیا گھیرے ہوئے ہے؟ خبردار ہو جا کہ میں تیری جان کا ملک الموت آن پہنچا۔ اس نے جو امیر کی صورت دیکھی، جانا کہ زلازلِ قاف، کوچک سلیمان یہی ہے۔ دار شمشاد لے کر دوڑا۔ امیر نے عقربِ سلیمانی سے اس کو دو ٹکڑے کیا اور اس کی فوج میں گھس کر تیغ زنی کرنے لگے۔ آدھے سے زیادہ دیو مارے گئے، بقیۃ السیف سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ بادشاہ قلعے سے باہر نکل کر امیر سے بغلگیر ہوا اور امیر کا ہاتھ پکڑ کے قلعے میں لے جا کر تخت پر بٹھلایا اور کہا کہ میں وہی جنی سبز قبا، برادرِ کلاں شہپال شاہ ہوں کہ جس کو آپ نے طلسمِ شطرنجِ سلیمانی سے چھڑوایا تھا۔ یہ کہہ کر امیر کو قلعۂ سبز نگار میں لے گیا اور چھوٹے بڑوں کی ملازمت کروائی اور جشنِ شاہانہ ترتیب دے کر امیر کے حال کا مستفسر ہوا۔ امیر نے تمام سرگذشت بیان کر کے کہا کہ اے جنی سبز قبا، مجھ کو تم سے بھی خوف معلوم ہوتا ہے کہ شہپال شاہ کے بڑے بھائی ہو۔ وہ بولا کہ یہ کیا آپ فرماتے ہیں؟ میں آپ کا غلام و فرمانبردار ہوں۔ اگر میری جان آپ کے کام آوے تو حاضر ہے۔ امیر نے فرمایا کہ تم کو خدا سلامت رکھے، البتہ دوستوں سے بڑی بڑی توقع ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر فرمایا کہ جان دینے کے بدلے اتنا ہی سلوک مجھ سے کرو کہ مجھ کو میرے ملک میں پہنچا دو تو تمام عمر تمھارا ممنون رہوں گا۔ بادشاہ نے تامل کر کے خواجہ رؤف جنی کو بلا کر کہا کہ تم امیر سے کہو کہ اگر تم ریحان پری کو، کہ میری بیٹی اور تمھاری عاشق ہے، اپنے عقد میں لاؤ تو تم کو آج کے نویں دن تمھارے گھر میں پہنچا دیتا ہوں۔ امیر نے بعد از انکار اقرار کیا۔ جنی سبز قبا نے بہت دھوم دھام سے ریحان پری کا عقد امیر کے ساتھ کر دیا۔ مگر شب کو جو امیر ریحان پری کے ساتھ جا کر سوئے تو تلوار درمیان میں رکھ کر۔ اس نے جانا کہ شاید امیر کے ملک کا یہی دستور ہوگا کہ آج کی رات تلوار درمیان میں رکھ کر سوویں۔ دونوں پیٹھ پھیر کر اپنی اپنی کروٹ سو رہے۔ ناگاہ امیر نے اس شب کو بھی مہر نگار کو خواب میں دیکھا۔ چونک کر دیوانہ وار صحرا کی طرف روانہ ہوئے۔ صبح کو دردانہ پری، مادرِ ریحان پری، جو آئی، اپنی بیٹی کو تنہا سوتے دیکھ کر جگا کے پوچھا کہ صاحبقراں کہاں ہیں؟ وہ بولی کہ مجھ کو معلوم نہیں۔ رات کو تلوار درمیان میں رکھ کر سوئے تھے، پھر مجھ کو خبر نہیں کہ میں بھی سو رہی تھی۔ دردانہ پری نے سر کہ جبیں ہو کر جنی سبز قبا سے یہ احوال کہا۔ وہ بھی آزردہ ہوا کہ اگر ایسا ہی تھا تو عقد کرنا امیر کو کیا ضرور تھا۔ مفت تمام قاف میں میں رسوا ہوا کہ امیر جنی سبز قبا کی بیٹی کو بعد شادی کے چھوڑ کر چلے گئے، کچھ تو عیب ہوگا، نہیں تو کوئی بھی ایک دن کی بیاہی دلہن کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے؟ فی الفور دیووں اور پریزادوں کو حکم دیا کہ دیکھو تو، صاحبقراں کدھر گئے ہیں۔ جہاں ملیں ان کو لے آؤ۔

اب ذرا حال آسمان پری کا سنیے کہ ایک دن سرخ جوڑا پہن کر بادشاہ کے دربار میں گئی۔ عبدالرحمٰن کی طرف دیکھ کر کہا کہ دیکھو تو، آج کل امیر کہاں ہیں؟ عبدالرحمٰن نے رمل دیکھ کر اور تو کچھ نہ کہا، مگر اتنا کہا کہ امیر تمھاری بدولت پریشان پھرتے ہیں۔ چونکہ آسمان پری متصل بیٹھی ہوئی تھی اور خود بھی رمل میں دخل رکھتی تھی، زائچہ کو دیکھ کر بولی کہ اللہ اللہ، جنی سبز قبا میرا چچا ہو کر میرے خاوند سے اپنی بیٹی کی شادی کرے! معلوم ہوا کہ وہ میرا عموں نہیں ہے رقیب ہے، کہ ریحان پری کو دیدہ دانستہ میری سوت بنایا۔ اگر میں اس کے ملک کو خاکِ سیاہ کر کے اس کو سزا نہ دوں تو آسمان پری اپنا نام نہ رکھوں۔ یہ کہہ کر فوجِ قہار اپنے ساتھ لے، تخت پر بیٹھ، قلعۂ سبز نگار کی طرف روانہ ہوئی۔

جانا آسمان پری کا مع فوج جرار قلعۂ سبز نگار کی طرف اور تاراج کرنا شہر کو اور گرفتار کر کے لانا جنی سبز قبا و ریحان پری کو اور جنی سبز قبا کو سزا دے کر قید کرنا زندانِ سلیمانی میں ریحان پری کو

راوی لکھتا ہے کہ ہرگاہ آسمان پری قلعۂ سبز نگار کے متصل پہنچی، جنی سبز قبا کچھ تحائف اپنے ساتھ لے کر آسمان پری کے استقبال کے واسطے گیا اور بہ کمال عزت وتوقیر اپنے شہر میں لے آیا۔ آسمان پری نے اس کی بارگاہ میں پہنچ کر حکم دیا کہ جنی سبز قبا اور ریحان پری کی مشکیں باندھ لو۔ تابعداروں نے ان دونوں کو باندھ کر حاضر کیا۔ آسمان پری شہر کو تاراج کر کے گلستانِ ارم میں گئی اور کئی دن تک ہزار ہزار کوڑے جنی سبز قبا اور ریحان پری کو لگوا کر ریحان پری کو زندانِ سلیمان میں قید کیا۔ یہ خبر شہپال کو پہنچی کہ آسمان پری نے اس طرح سے جنی سبز قبا کو بے حرمت کیا، گریبان چاک کر کے بے اختیار سر و پا برہنہ روتا ہوا دوڑا۔ آسمان پری اپنے مکان پر جا چکی تھی۔ جنی سبز قبا کو وہاں سے لے کر اپنے مکان میں آیا اور اس کے پاؤں پر گر کر خوب رویا اور کہا کہ اس کمبخت شوخ دیدہ نے آپ کو کیا، مجھ کو بے حرمت کیا۔ ہر چند شہپال شاہ نے یہ سب کچھ کہا، اس کی تشفی نہ ہوئی۔ دیوانہ وار وہاں سے اٹھ کر قلعۂ گلستانِ ارم کے دروازے پر ایک دوہتڑ مار کے بولا کہ یا بارالٰہی، آسمان پری نے جیسا مجھ سے سلوک کیا ہے، اس کے بدلے تو اپنا غضب اس پر نازل کر۔ یہ کہہ کے روتا ہوا اپنے شہر کو چلا گیا۔

آسمان پری بے ایمان کا حال سنیے کہ پردۂ ہفتم قاف میں رعد شاطر نامی ایک دیو، کہ حضرت سلیمانؑ

کے وقت میں پیک تھا، رہتا تھا اور حضرت سلیمانؑ کے ہفت دریاے سحر مشہور ہیں، کہ ان کے پار کوئی دیو یا جن جا نہ سکتا تھا۔ ہرگاہ حضرت سلیمانؑ نے دنیا سے مفارقت کی، رعد شاطر نے، کہ بھانجا عفریت دیو کا ہے، ان ساتوں دریا کے پار دو قلعے بنائے، ایک کا تو نام سیاہ بوم رکھا اور دوسرے کا نام سفید بوم؛ اور طلسم بھی تیار کیا۔ بالفعل اس کو عفریت کے مارے جانے کی خبر پہنچی کہ شہپال شاہ نے ایک آدم زاد، کہ جس کا نام زلازلِ قاف، کوچک سلیمان ہے، پردۂ دنیا سے بلا کر عفریت و اہرمن و ملعونہ جادو کو قتل کروایا اور بہت سے دیوانِ زبردستِ قاف کو اس آدم زاد نے بے جان کر کے گلدستۂ قاف کو برباد کیا۔ سنتے ہی آگ ہو گیا۔ فی الفور حضرت سلیمانؑ کا جال، کہ بعد آنحضرتؑ کے اس کے ہاتھ آیا تھا، لے کر قلعۂ سیاہ بوم سے اڑا اور گلستانِ ارم میں پہنچ کر شہپال شاہ و آسمان پری و قریشہ کو مع دیو و جن کہ اس وقت حاضر تھے، جال میں گرفتار کر کے لے گیا اور قلعۂ سفید بوم میں سب کو قید کیا۔ ایک عبدالرحمٰن، کہ رخصت لے کر اپنے مکان پر گیا تھا، بچ رہا، اور کوئی رئیس و ندیم جو بادشاہ کے پاس حاضر رہتے تھے، اس کے ہاتھ سے نہیں بچا۔ یہ خبر عبدالرحمٰن جنی کو پہنچی۔ اس کو نہایت غم و الم ہوا۔ قرعہ پھینک کر دریافت کیا کہ امیر میرے شہر کے جانبِ شمال ہیں۔ تخت پر سوار ہو کر ڈھونڈنے کو نکلا۔

صاحبقراں کا حال سنیے۔ وہ جو شہرِ سبز نگار سے نکلے، کئی دن میں صحرا کو طے کر کے ایک پہاڑ کے دامن میں، کہ عبدالرحمن کے مکان کے متصل واقع تھا، آ کر بیٹھے۔ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ عبدالرحمٰن کو تخت پر سوار دیکھا۔ چار آنکھیں ہوتے ہی عبدالرحمٰن تخت پر سے اتر کر امیر کے قدم بوس ہوا۔ امیر نے سر اس کا اٹھا کر چھاتی سے لگایا۔ صاحبقراں نے پوچھا کہ تم شہپال شاہ سے کیونکر جدا ہوئے؟ اس نے اپنے رخصت ہو کے آنے اور شہپال شاہ و آسمان پری و قریشہ و دیگر سردارانِ اقوامِ دیو و جن کی گرفتاری اور قلعۂ سفید بوم میں قید ہونے کا احوال مفصل بیان کیا۔ امیر نے کہا کہ یہ جھوٹی قسم کھانے اور میرے ستانے کا ثمرہ شہپال شاہ و آسمان پری کو ملا۔ عبدالرحمٰن نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ جو کچھ حضرت فرماتے ہیں سب بجا ہے، لیکن آسمان پری آپ کا ناموس ہے، اگر وہ قید وہاں پڑی رہے تو یہ بدنامی کس کے واسطے ہے؟ سوائے اس کے، اگر تقصیروار ہے تو آسمان پری ہے، قریشہ تو بے قصور ہے۔ اس کے صدقے میں سب کو چھڑائیے۔ اول تو امیر نے انکار کیا، بعد ازاں اس کی منت و عاجزی سے مجبور ہو کر بولے کہ پھر وہ قلعۂ سفید بوم کہاں ہے اور وہاں تک جانا کیونکر ہو؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ قلعۂ سفید بوم ہفت دریاے سحر کے پار ہے اور وہاں شاہ سیمرغ کے سوا کوئی پہنچا نہ سکے گا۔ امیر نے پوچھا کہ شاہ سیمرغ کہاں رہتا ہے؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ شاہ سیمرغ تک میں آپ کو پہنچا دے سکتا ہوں۔ بارے امیر کو طوعاً و کرہاً راضی کیا اور اپنے قلعے میں لا کر مجلس جشن کی برپا کی اور کئی شبانہ روز تک امیر کی ضیافت میں سرگرم رہا۔ امیر نے قلعے کو دیکھ کر فرمایا کہ میں اس قلعے میں ایک بار اور بھی آیا ہوں۔ اُن دنوں میں

یہ قلعہ لاہوت شاہ، پدرِ لانیسہ، کے پاس تھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ بجا ہے، وہ میرا نائب تھا۔ الحاصل، بعد از انفراغِ جشن عبدالرحمٰن نے امیر کو تخت پر بٹھلا کے چار جنوں سے کہا کہ امیر کو شاہ سیمرغ کے مکان پر پہنچا دو۔

چاروں جن تخت کو لے کر قندیلِ فلک ہوئے۔ سوائے پانی کے زمین کا سواد تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ سات شبانہ روز تخت کو لیے چلے گئے، آٹھویں دن چار گھڑی دن آیا ہوگا، دریا کے کنارے امیر کے تخت کو رکھ دیا۔ امیر نے دریا کو دیکھا کہ ہر موجہ اس کا دریائے اخضرِ فلک تک بلند ہوتا ہے اور دریا کے کنارے ایسے بڑے بڑے درخت لگے ہوئے ہیں کہ شاخیں ان کی طوبیٰ سے باتیں کرتی ہیں، اور ہر درخت پانچ فرسنگ تک سایہ زن ہے، اور ان درختوں کے اوپر ایک قلعۂ چوبی بہ کمال وسعت وفسحت بنا ہوا ہے۔ امیر نے ان جنوں سے پوچھا کہ یہ قلعہ کس نے بنایا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یا امیر، یہ قلعہ نہیں ہے، شاہ سیمرغ کا آشیانہ ہے۔ امیر یہ سن کر بہت متعجب ہوئے۔ حمالاتِ تخت تو رخصت ہو کر اپنے گھر کو گئے اور امیر ایک درخت کے سائے کے نیچے بیٹھ کر صحرا کی فضا دیکھنے لگے۔ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ ایک درخت پر سے شور وغل پیدا ہوا۔ امیر اس درخت کے نیچے جا کر غور سے دیکھنے لگے۔ معلوم ہوا کہ سیمرغ کے بچے شور وغل کرتے ہیں۔ سیمرغ کے بچوں کو جو دیکھا تو باوجود گوشت کے لوتھڑے ہونے کے ہر ایک ہاتھی سے زیادہ قد آور ہے اور بے تحاشا چیختے ہیں۔ امیر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ انھوں نے کس چیز کو دیکھا ہے کہ جس کے خوف سے پھڑکتے ہیں۔ دیکھتے دیکھتے نگاہ امیر کی ایک اژدہے پر پڑی کہ اس درخت پر چڑھا چلا جاتا تھا۔ امیر نے تیروں سے اس اژدہے کو مارا اور ٹکڑے کر کے برچھے کی نوک سے سیمرغ کے بچوں کو کھلایا۔ ان بچوں کا جو پیٹ بھرا، آشیانے میں گھس کر سو رہے۔ دو گھڑی کے بعد سیمرغ کا جوڑا بچوں کے واسطے طعمہ لے کر آیا۔ معمول تھا کہ بچے اپنے باپ ماں کی آہٹ پا کر آشیانے سے سر نکالتے تھے اور اپنی زبان میں اشتہا جتاتے تھے۔ اس وقت بچوں نے جو آشیانے سے سر نہ نکالا اور امیر کو اس درخت کے نیچے سوتے دیکھا، سیمرغ بایکدیگر کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے یہی شخص جو زیرِ درخت سوتا ہے، ہمارے بچے کھا جاتا ہے، اور آج بھی کھا گیا، تب تو کسی بچے کی آواز نہیں آتی ہے۔ اس کو مار ڈالا چاہیے۔ بچوں کے کان میں جو یہ آواز پڑی، پھڑ پھڑا کر آشیانے کے باہر نکل آئے اور اپنی زبان میں حقیقتِ حال بیان کی۔ سیمرغ امیر سے بہت خوش ہوا۔ امیر پر جو دھوپ آ گئی تھی، ایک بازو سے امیر پر سایہ کیا اور دوسرے بازو سے ہوا دینے لگا۔ امیر کو جو راحت معلوم ہوئی، امیر کی آنکھ کھل گئی۔ امیر نے ان کو دیکھ کر تیر وکمان کو سنبھالا۔ سیمرغ بولا کہ یا زلازلِ قاف، آپ نے تو مجھ کو اپنا بندۂ احسان کیا ہے اور پھر میرے ہی مارنے کا ارادہ کرتے ہو؟ یہ میرے ہی بچے ہیں جن کو آپ نے اژدہے سے بچایا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ تو میرا نام کیا جانے؟ سیمرغ نے کہا کہ میں نے حضرت سلیمانؑ سے سنا تھا کہ ایک آدمی

کسی زمانے میں یہاں آوے گا۔ عادلِ قاف اس کا نام ہوگا، اور تمام قاف میں اس سے زلزلہ جو پڑ جائے گا تو لوگ اس کو زلازلِ قاف کہیں گے۔ امیر یہ سخن سن کر بہت اپنے دل میں خوش ہوئے اور پوچھا کہ اس سرحد کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ اس کو بیشۂ قضا و قدر کہتے ہیں۔ قاف کی سرحد سے یہ باہر ہے۔ امیر نے فرمایا کہ میں ایک ضرورت لے کر تیرے پاس آیا ہوں۔ اس نے التماس کیا کہ میں تابعدار و فرمانبردار ہوں، جو کچھ حکم ہو اس کو بجا لاؤں۔ امیر نے کہا کہ رعد شاطر دیو نے شہپال شاہ و آسمان پری کو ان کے ارکانِ دولت سمیت قلعۂ سفید بوم میں قید کیا ہے۔ تو مجھ کو وہاں پہنچا دے۔ اس نے کہا کہ ہر چند اس حرکت سے دیوانِ قاف میرے دشمن ہو جائیں گے، لیکن میں آپ کو پہنچا دوں گا۔ آپ سات لقمے طعمے کے اور سات گھونٹ پانی کے میری پیٹھ پر رکھ لیجیے۔ جب مجھ کو اشتہا معلوم ہوگی، ایک لقمہ اور ایک گھونٹ پانی کا کھلا پلا دیجیے گا۔ امیر نے صحرا میں سے سات نیل گائیں شکار کر کے پوست ان کا کھینچ کر مشکیں بنائیں اور اس میں آبِ شیریں بھر کے ساتوں نیل گائیں لے کر سیمرغ کی پشت پر سوار ہوئے۔ سیمرغ نے عرض کی کہ یا صاحبقراں، لوہے کی قسم سے کوئی ہتھیار اپنے پاس نہ رکھیے گا کیونکہ راہ میں کوہِ مقناطیس عین اوسط میں دریا کے واقع ہے، کہیں کشش کر کے کھینچ نہ لیوے۔ امیر نے فرمایا کہ پھر میں سلاح کیا کروں؟ اس نے کہا کہ یہیں چھوڑ چلیے۔ اگر کوئی سلاح ایسا چھوٹا ہو کہ موزے میں چھپ سکے، اسے رکھ لیجیے۔ امیر نے نیمچہ سہراب یل کا تو موزے میں رکھ لیا، باقی سلاح سیمرغ کو سونپ دیے۔

سیمرغ امیر کو لے کر اوج گیرائے فلک ہوا۔ امیر نے زمین کی طرف جو غور کر کے دیکھا تو چھوٹی سی انگشتری کے نگینے کے برابر معلوم ہوئی۔ باقی مطلق پانی نظر آتا تھا۔ امیر نے سیمرغ سے پوچھا کہ اس دریا کا کیا نام ہے؟ بولا کہ ہفت دریائے جادو کا یہ پہلا دریا ہے۔ المختصر، سیمرغ تیز پری کرتا ہوا اڑا جاتا تھا۔ جب نصف دریا میں پہنچا، سیمرغ کو اشتہا معلوم ہوئی۔ امیر سے کہا کہ یا امیر، بہت جلد ایک لقمہ میرے منھ میں دے دو کہ میرا زور گھٹتا چلا۔ امیر نے ایک مشک پانی کی اور ایک نیل گائے اس کے منھ میں دے دی۔ بارے ایک شبانہ روز میں دریائے اول کو اس نے طے کیا۔ دوسرے دن دوسرے دریا کے اوپر سے چلا۔ امیر نے اس دریا میں تاریکی دیکھ کر سیمرغ سے پوچھا کہ یہ تیرگی کیسی ہے؟ سیمرغ نے التماس کیا کہ یہ دریا خاک کا ہے۔ جب نصف دریا پر پہنچا، امیر سے طعمہ طلب کیا۔ امیر نے دوسری نیل گائے اور مشک پانی کی اس کے منھ میں ڈال دی۔ ہر گاہ اس دریا سے بھی پار ہوا۔ تیسرے اور چوتھے دن بدستور طعمہ کھا کے دریائے سیماب و دریائے خون کو بھی طے کیا۔ قصہ کوتاہ، جب دریائے مقناطیس کے اوپر پہنچا، مقناطیس بہ سبب اس نیمچے کے جو امیر نے اپنے موزے میں رکھ لیا تھا، سیمرغ کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ سیمرغ نے دیکھا کہ ہر چند بالا پروازی کے واسطے زور کرتا

ہوں مگر نیچے کو چلا جاتا ہوں۔ یاد آیا کہ یہ بدولت اس نیمچے کے ہے جس کو امیر نے اپنے موزے میں رکھا ہے۔ امیر سے ملتمس ہوا کہ یا صاحبقراں، بہت جلد نیمچے کو موزے سے نکال کر پھینک دیجیے، نہیں تو کوئی دم میں کوہِ مقناطیس مجھ کو کھینچ لے گا۔ امیر نے نیمچے کو تو موزے سے نکال کر پھینک دیا لیکن نیمچے کے واسطے بہت تاسف کیا۔ جب سیمرغ اس سے گذر کر دریائے ہفتم کے اوپر سے، کہ آتش کا تھا، چلا، باوجود بلند پروازی کے شعلہ اس دریائے آتش کا، کہ کرۂ نار سے باتیں کرتا تھا، سیمرغ کو بیتاب کیے ڈالتا تھا۔ بارے سیمرغ وہ سب تپش انگیز کر کے نصفِ دریائے آتش پر پہنچا اور امیر سے کہنے لگا کہ یا زلازلِ قاف، بہت جلد مجھ کو طعمہ دو کہ مقام زور آوری و تیز پروازی کا ہے۔ امیر نے نیل گائے اس کے منہ میں دے کر تپشِ آتش سے ہاتھ کو جو جلدی کھینچا، وہ نیل گائے سیمرغ کے منہ میں تو نہ پڑی، دریائے آتش میں گر کر جل گئی۔ پھر چند قدم پر سیمرغ نے جا کر طعمہ طلب کیا۔ امیر نے کہا کہ نوالۂ ہفتم جو باقی تھا ابھی میں تجھ کو دے چکا ہوں، اب طعمہ کہاں ہے کہ تجھ کو دوں؟ اس نے کہا کہ میں نے نہیں پایا، اور زور اس کا گھٹنے لگا۔ امیر نے دیکھا کہ بڑا غضب ہوا، کوئی دم میں یہ مجھ کو دریائے آتش میں لے گرے گا۔ فی الفور کلیچۂ خضر اس کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کلیچے کی برکت سے بہ قوتِ تمام اس دریا سے وہ پار ہوا۔ سیمرغ نے خشکی میں اتر کر امیر کو مبارکباد دی۔

لیکن امیر سلاح کے واسطے کمال متردد تھے، کہ داہنی طرف سے حضرت خضرؑ نے سلام علیک کی اور تمام ہتھیار امیر کے، کہ جو سیمرغ کے گھر پر چھوڑے تھے، اس نیمچے سمیت کہ دریائے مقناطیس میں پھینک دیا تھا، امیر کو دیے۔ امیر سلاح لے کر بہت خوش ہوئے اور حضرت خضرؑ کے قدم چومے۔ حضرت خضرؑ تو اسی جا سے تشریف لے گئے، امیر نے سلاح اپنے بدن پر سجا کر میدان کی طرف جو نظر کی تو دو کوہچے، ایک سفید مثلِ صبح صادق اور دوسرا سیاہ مانندِ شامِ غریباں، نظر آئے۔ امیر نے سیمرغ سے پوچھا کہ یہ سفید و سیاہ پہاڑ ہیں یا کچھ اور ہے؟ اس نے عرض کی کہ یہی قلعۂ سیاہ بوم و سفید بوم ہیں۔ امیر نے سیمرغ سے فرمایا کہ لو، خدا حافظ ہے، مجھ پر تم نے بڑا احسان کیا کہ یہاں تک پہنچایا۔ سیمرغ نے تین پر اپنے بازو سے اکھیڑ کر امیر کو دیے اور کہا کہ ہرگاہ خدانکردہ کسی مشکل کا سامنا ہو تو آپ ایک پر کو آگ پر رکھیے گا، اسی دم میں آن کر حاضر ہوں گا۔ اور دوسرا پر دنیا میں جا کے اپنے گھوڑے کی گردن میں لگائیے گا، اور تیسرا پر خواجہ عمرو عیار کو میری طرف سے دیجیے گا۔ یہ کہہ کر سیمرغ تو رخصت ہو کر اپنے آشیانے کی طرف اڑ کر گیا، اور امیر ان قلعوں کی طرف قدم زن ہوئے۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک شیر ببر نے امیر کے برابر آ کے امیر پر حملہ کیا۔ امیر نے ایک ہاتھ عقربِ سلیمانی کا لگا کے اس کے دو ٹکڑے کیے اور کھال اس کی کھینچ کر اپنے کاندھے پر رکھ لی کہ دنیا میں جا کر اس کی قبا پہنوں گا۔ کہیں سنا تھا کہ رستم بن زال کے گلے میں شیر کی کھال کی قبا تھی۔ القصہ، جب امیر قلعۂ سیاہ بوم کے

دروازے پر پہنچے، دیکھیں تو دروازہ کھلا ہوا ہے مگر چار سو دیو دروازے پر بیٹھا ہے۔ ناگاہ ان دیووں کے سردار کی نگاہ امیر پر پڑی۔ اس نے ایک نعرہ آہ کا مار کر کہا کہ یارو، بڑا غضب ہوا! زلازلِ قاف، کوچک سلیمان یہاں بھی آن پہنچا۔ بے تحاشا دوڑ کر ایک وار شمشاد امیر کے سر پر ماری۔ امیر نے اس کو رد کر کے ایک ہاتھ اس زور سے اس کی کمر پر لگایا کہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ دیووں نے جو اپنے سردار کو کتے کی موت مارے جاتے دیکھا، شترِ بے مہار کی طرح بھاگے۔ اس وقت رعد شاطر شکار کھیلنے کو گیا تھا۔ فراریوں نے شکار گاہ کی راہ لی کہ رعد شاطر کو اس حادثے کی خبر دیویں۔ امیر دروازے پر کھڑے ہو کر فکر کرنے لگے کہ دیکھا چاہیے، شہپال شاہ اور آسمان پری وغیرہ قلعۂ سیاہ بوم میں ہیں یا قلعۂ سفید بوم میں۔ غیب سے آواز آئی یا امیر، شہپال شاہ و آسمان پری قلعۂ سفید بوم میں قید ہیں۔ امیر اس قلعے کی طرف چلے۔ جب دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ اس قلعے کے سو برج اور ہر برج پر کوئی دیو شیر سر، کوئی اسپ سر، کوئی طاؤس سر، کوئی مار سر، کوئی زاغ سر، کوئی گرگ سر، حربہ لیے سحر خوانی کر رہا ہے۔ اور دروازے میں ایک اژدہا آتش فشاں ہے اور اس قدر اس کا منھ وسیع ہے کہ دروازہ اس کے منھ سے بند ہے۔ امیر متردد ہوئے کہ اس کے اندر کیونکر جایئے، کہ پھر غیب سے آواز آئی: حمزہ، اس طلسم کی فتح تیرے نام نہیں ہے۔ ایک پوتا تیرا رستم ثانی نامی ہوگا، وہ اس کو فتح کرے گا۔ امیر نے اپنے دل میں کہا کہ ابھی میں آپ لڑکا ہوں، واللہ اعلم کہ لڑکا کب پیدا ہوگا اور پوتا کب تولد ہوگا۔ پس یہ لوگ جو اس میں قید ہیں تب تک یونہی گرفتار رہیں گے؟ دوسری مرتبہ پھر صدا آئی کہ تو سوائے قیدیوں کے چھڑانے کے طلسم توڑنے کا قصد نہ کر۔ قیدیوں کو چھڑا کر شوق سے لے جا۔ اس اسمِ اعظم کو پڑھ کر اژدہے پر دم کر، وہ چلا جائے گا۔ صاحبقراں نے جو اسمِ اعظم اژدہے پر دم کیا، اژدہا دروازے پر سے چلا گیا۔ صاحبقراں اندر جا کر دیکھیں تو قلعے کے اندر باغ ہے اور اس باغ میں شہپال مع رفقا بیٹھا رو رہا ہے۔ صاحبقراں کو دیکھ کر خجالت سے سر نیچے کر لیا۔ صاحبقراں نے سب کے دست و پا کی قید دور کی اور شہپال شاہ سے پوچھا کہ آسمان پری کہاں ہے؟ شہپال شاہ نے کہا کہ وہ سامنے جو گنبد ہے اس میں مقید ہے۔ امیر گنبد کے دروازے کو توڑ کر اندر گئے۔ دیکھیں تو آسمان پری، سر نیچے پاؤں اوپر، لٹکی ہوئی ہے اور قریشہ بیٹھی رو رہی ہے۔ صاحبقراں نے بندِ قید کاٹ کر مع قریشہ شہپال شاہ کے پاس اس کو لا کر بٹھا دیا۔ آسمان پری کمال منفعل ہوئی اور امیر کے قدموں پر گر کے کہنے لگی کہ یا امیر، اب تو میرا قصور معاف ہو، چھ مہینے کے بعد آپ کو ضرور دنیا میں بھیج دوں گی۔ امیر نے کچھ جواب نہ دیا اور سب کو ہمراہ لے کے قلعے کے باہر نکلے۔

دیکھا کہ رعد شاطر کئی ہزار دیو ہمراہ لیے ہوئے چلا آتا ہے۔ امیر کے پاس آ کر کہنے لگا کہ او آدم زاد، تو نے تمام گلدستۂ قاف کو برباد کیا اور یہاں بھی آ کے میرے قیدی چھڑا لیے جاتا ہے، مگر میں تجھ کو اس دم جیتا

نہ چھوڑوں گا۔ یہ کہہ کر ایک بہت بھاری پتھر امیر کے سر پر مارا۔ امیر نے وار خالی دے کر ایک ہاتھ اس زور سے لگایا کہ مثلِ چنارِ کرم خوردہ قلم ہو گیا۔ دیو جو اس کے ساتھ تھے، لاش اس کی اٹھا کر دیو سمندون ہزار دست کے پاس لے گئے۔ امیر شہپال وغیرہ کو لے کر گلستانِ ارم میں آئے۔ جب چھ مہینے گذر گئے، امیر نے پھر ایک خوابِ پریشاں دیکھا۔ سوتے سے چونک کر رونے لگے۔ آسمان پری امیر کی آواز سے جاگ کر پوچھنے لگی کہ خیر تو ہے یا امیر، روتے کیوں ہو؟ امیر نے کہا کہ اے آسمان پری، خدا کو مان کے مجھ کو میرے ملک میں بھیج دے۔ آسمان پری بولی کہ یا صاحبقراں، ایک برس کے بعد۔ صاحبقراں آسمان پری کے اس کلام سے ناخوش ہو کر بادشاہ کے پاس گئے اور آسمان پری کی شکایت کرنے لگے۔ شہپال نے امیر کی دلدہی کر کے اسی دم تخت پر سوار کیا اور دیووں کو حکم دیا کہ صاحبقراں کو دنیا میں پہنچا آؤ۔ جب صاحبقراں روانہ ہوئے، آسمان پری نے ایک پریزاد سے کہا کہ تو جا کر دیوانِ حمال سے کہہ آ کہ امیر کو شکار گاہِ سلیمان میں چھوڑ آویں اور دنیا میں خبردار، خبردار، نہ پہنچاویں۔ وہ پریزاد جو اثنائے راہ میں امیر کے پاس پہنچا، امیر نے اس کو دیکھ کر معلوم کیا کہ یہ دیووں کو منع کرنے آیا ہے۔ امیر شہپال کے پاس پھر آئے۔ آسمان پری بھی اس وقت وہیں حاضر تھی۔ شہپال نے غصہ کر کے کہا کہ او آسمان پری، تو اپنی شیطنت سے باز نہیں آتی! آسمان پری بولی کہ آپ اس امر میں دخل نہ دیجیے۔ میں کیا آپ کے کہنے سے اپنا بسا بسایا گھر اجاڑوں؟ امیر یہ کلام سن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آسمان پری کو بددعائیں دیتے ہوئے صحرا کی طرف روانہ ہوئے۔ بعضے لکھتے ہیں کہ امیر نے اس دن آسمان پری کو طلاق دی اور بعضوں کا یہ قول نہیں ہے۔

راوی لکھتا ہے کہ امیر کے جانے کے بعد شہپال بھی آسمان پری کی گفتگوے نالائق سے فقیر ہو کر ایک پہاڑ پر جا بیٹھا اور آسمان پری تخت پر بیٹھ کر حکمرانی کرنے لگی اور تمام قاف میں منادی پھروائی کہ جو کوئی صاحبقراں کو دنیا میں پہنچاوے گا، میں بہت بری طرح سے اس سے پیش آؤں گی۔ پس ازاں خواجہ عبدالرحمٰن بولی کہ دیکھو تو، وہ عورت کہ جس پر حمزہ عاشق ہے کیسی ہے اور کہاں ہے؟ عبدالرحمٰن نے رمل دیکھ کر عرض کی کہ نفس الامر میں حمزہ کے حق بجانب ہے۔ اس کی لونڈیاں بھی آپ سے زیادہ حسین ہیں اور وہ قلعۂ دیودو میں ہے۔ آسمان پری نے اس قلعے کا نقشہ کھینچ کر کئی پریزادوں کو دیا اور کہا کہ تم دنیا میں جا کر اس صورت کا جو قلعہ ہو اس میں سے مہرنگار کو اٹھا لاؤ۔ پریزاد حکم ہوتے ہی نقشہ قلعے کا لے کر روانہ ہوئے۔

اب جب تک پھر اس داستان پر آؤں، دو کلمے داستانِ ملک لندھور بن سعدان گرد کے سناؤں۔ واضح ہووے کہ ملک لندھور جب قید سے چھوٹ کر شہر میں آئے، جشن میں مشغول ہوئے۔ ایک پریزاد نے دیو سفید کے آنے کے حال سے خبر دی۔ لندھور جشن میں سے اٹھ کر سفید دیو کی طرف گئے اور اس کو قتل کیا۔ راوی لکھتا

ہے کہ اسی جنگ میں لندھور نے جو نعرہ مارا، آواز اس نعرے کی امیر کے کان میں گئی، اور امیر اس وقت دیو شاطر سے لڑ رہے تھے، اور امیر نے جو دیو شاطر کی جنگ میں نعرہ کیا، اس کی صدا لندھور کے کان میں پہنچی، مگر دونوں حیران تھے۔ صاحبقراں کہتے تھے کہ پردۂ قاف میں لندھور کہاں، اور لندھور کہتا تھا کہ قاف سے صاحبقراں کو کیا علاقہ! الغرض جب لندھور سفید دیو کو مار چکا، بادشاہ سے کہا کہ میں نے آپ کے دشمن کو قتل کیا، اب مجھ کو میرے گھر بھیج دیجیے۔ بادشاہ نے اسی دم ایک تخت پر لندھور کو مع ارشیون پریزاد کے سوار کر کے دنیا کی طرف رخصت کیا۔

بہرام خاقان گرد چین کا حال سنیے کہ سگساروں پر فتح یاب ہو کے شبانہ روز اسی فکر میں غلطاں پیچاں رہتا تھا کہ لندھور کو کون لے گیا۔ چنانچہ اس دن بھی جے پور و سردارانِ لشکر سے سرِ مجلس یہی ذکر تھا کہ یارو، حیف ہے، آج تک خسرو کا حال نہ معلوم ہوا کہ کدھر گئے اور کون لے گیا، کہ اس میں تختِ خسروِ ہند کا فلک پر سے قلعے میں اترا۔ بہرام دوڑ کر لپٹ گیا اور ہر شخص آن کر قدم بوس ہوا۔ قلعے میں شادیانے بجنے لگے، خسروِ ہند تخت پر جلوہ افروز ہوا اور محفلِ جشن کی برپا ہوئی۔ بہرام نے عین جشن میں خسرو سے کہا کہ سگساروں سے لڑ رہا تھا کہ ایک خط میرے روبرو کسی نے پھینک دیا۔ اس خط میں ایک پنجہ بنا ہوا ہے۔ ہر چند چاہا کہ اس خط کا مضمون دریافت کروں، مگر کسی سے پڑھا نہ گیا۔ لندھور نے کہا کہ لاؤ تو دیکھیں۔ بہرام نے اس خط کو منگا کر خسرو کے حوالے کیا۔ خسرو بھی اس کو دیکھ کر متعجب ہوا، مگر ارشیون نے پڑھ کر کہا کہ یہ پنجہ میرا ہے اور خط میری ماں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ طلسم سے لکھ کر باہر پھینک دیا تھا۔ بہرام نے ارشیون کو چھاتی سے لگایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور جس نے ارشیون کو دیکھا وہ باغ باغ ہو گیا اور ہر طرف سے صدا بلند ہوئی کہ سراندیب نئے سرے سے آباد ہوئی۔

غائب ہونا زہرہ مصری کا بالائے قصر سے اور پہنچنا آسمان پری کے پاس

اب دو کلمے داستانِ مصیبت زدۂ فراق، سراپا دیدۂ اشتیاق، سحر کن شبِ فرقت بہ ہزار نالہ و آہ، شام کن روز ہجراں بہ صد دمِ سردِ جاں کاہ، دل گریاں جگر بریاں، سپندِ مجمرِ غم، مجروحِ خنجرِ الم، مرگ خواہ، از زندگی بیزار ملکۂ مہرنگار کے سنیے۔ شبانہ روز امیر کے فراق میں گریہ وزاری سے سروکار رکھتی تھی، غیر از لختِ جگر و خونِ دل کچھ کھاتی پیتی نہ تھی، میلی کچیلی چھپر کھٹ میں پڑی رہتی تھی۔ اگر زہرۂ مصری یا طرار خوباں یا اور کوئی ندیم منھ دھونے کو کہتی تو اشکِ خوں سے منھ دھوتی اور اگر کوئی سنگار کو کہتا تو گوہرِ اشک پلکوں میں پروتی اور یہ شعر مترجم کا پڑھتی:

زندگی مرگ ہے مجھ کو شبِ تنہائی کی
اے اجل آ کے ذرا تو ہی مسیحائی کر

مصاحبوں نے دیکھا کہ ایسا نہ ہو، رفتہ رفتہ کہیں سودا ہو جائے۔ ہر ایک چاہتی تھی کہ کسی طرح سے اس کے دل مغموم کو بہلائے۔ جب تب اس کو سمجھاتی رہتی تھیں اور قسمیں کھا کھا کر کہتی تھیں کہ ملکہ، بہت گئی، تھوڑی رہی ہے۔ اب کوئی دن میں امیر آتے ہیں۔ پوشاک بدلیے، کھانا کھائیے، دل بہلائیے۔ اگر آپ نے اپنے کو تج دیا تو کیا کیا! امیر آئے تو کس کو دیکھیں گے اور امیر کو کون دیکھے گا؟ چلیے ذرا کوٹھے پر ٹہلیے، کسبِ ہوا کیجیے، برائے خدا ہم لوگوں کو زیادہ رنج نہ دیجیے۔ الغرض، کہہ سن کر مہرنگار کو سقفِ محل پر لے گئیں اور سبزہ زارِ صحرا کا تماشا دکھلانے لگیں۔ تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ ایک لکّہ ابر کا نمودار ہوا اور آہستہ آہستہ وہ ابر اس قصر پر آیا۔ برقِ درخشندہ چمکنے لگی، بادل گرجنے لگا۔ دفعتاً واحدتاً اس ابر سے ایک پنجہ پیدا ہوا، زہرہ مصری کو کہ مہرنگار کے برابر کھڑی تھی، اٹھا لے گیا۔ کوئی تو دہشت کے مارے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی اور کوئی دوڑ کر سیڑھیوں پر منھ

کے بل جا گری۔ عجب طرح کا تہلکہ ہوا کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ جب حواس لوگوں کے بجا ہوئے، دیکھیں تو زہرۂ مصری نہیں ہے۔ عجب طرح کا کہرام پڑا، محل میں آثارِ قیامت نمودار ہوا۔

اب ذرا حال زہرہ مصری کا سنیے۔ اس نے جو دیکھا کہ میں تخت پر بیٹھی ہوں اور تخت فلک پر اڑا چلا جاتا ہے، حمالانِ تخت سے پوچھا کہ تم کون ہو اور مجھ کو کہاں لیے جاتے ہو؟ وہ بولے کہ آسمان پری زوجۂ حمزہ نے ہم کو حکم دیا تھا کہ مہر نگار دخترِ نوشیرواں کو لے آؤ، سو ہم تم کو اس کے پاس لیے جاتے ہیں۔ زہرہ مصری اپنے دل میں سمجھی کہ حمزہ نے قاف میں بیاہ کیا ہے، سو اس واسطے اس کی زوجہ نے مہر نگار کو بلایا ہے کہ مار ڈالے۔ یہ لوگ تو اس کو کچھ پہچانتے تھے نہیں، مہر نگار سمجھ کر مجھ کو لیے جاتے ہیں۔ خوب ہوا کہ مہر نگار کے سر تصدق میں ہی ہوئی، اس کو خدا نے اس آفت سے بچایا۔ الحاصل، جب زہرہ مصری گلستانِ ارم میں پہنچی، سرمۂ سلیمانی اس کی آنکھوں میں دے دیا تاکہ ہر ایک کو دیکھے۔ ہرگاہ آسمان پری کے سامنے اس کو لے گئے۔ آسمان پری اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر بھچک رہ گئی اور کہنے لگی کہ حمزہ کے حق بجانب ہے، کیونکر نہ اس کے فراق میں بیتاب ہووے۔ پھر زہرہ مصری کی طرف مخاطب ہو کر پوچھنے لگی کہ مہر نگار دخترِ نوشیرواں تو ہی ہے؟ زہرہ مصری نے باادب تسلیم کر کے کہا کہ میں عبدالعزیز شاہِ مصر کی بیٹی اور زوجۂ مقبل وفادار نامی غلامِ حمزہ کی ہوں۔ زہرہ مصری میرا نام ہے۔ مجھ سے بہتر بہتر چار سو بیٹیاں بادشاہانِ عرب و عجم، چین و ماچین وغیرہ کی مہر نگار کی لونڈیاں ہیں۔ آسمان پری زہرہ مصری کا ادب قاعدہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور پوچھنے لگی کہ سچ کہنا زہرہ مصری، تجھے حمزہ کے سر کی قسم ہے، میں خوبصورت ہوں یا مہر نگار خوبصورت ہے؟ زہرہ مصری نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ بے ادبی ہوتی ہے، مہر نگار کی لونڈیوں کے پاؤں کے تلوے کے برابر بھی آپ میں حسن نہیں ہے۔ کہاں آفتاب اور کہاں ذرۂ بیتاب! آسمان پری نے زہرہ مصری کی تقریر سن کر برہم ہو کے حکم دیا کہ ہاں، اس کو جلادوں کے حوالے کرو کہ اس کی گردن ماریں۔ یہ کمال شریر و بے ادب ہے۔ جلاد زہرہ مصری کو قتل گاہ میں لے گئے۔

اتفاقاً قریشہ، کہ ان دنوں میں ہفت سالہ تھی مگر جلوۂ حسن میں ماہِ چاردہ کو رشک سے گھٹاتی تھی، نیچہ ہاتھ میں لیے ہوئے بارگاہ میں جاتی تھی۔ لوگوں کا اجماع دیکھ کر زہرہ مصری کی طرف گئی۔ جلاد سے پوچھا کہ یہ کون ہے اور اس نے کیا قصور کیا ہے کہ اس کو قتل کرتا ہے؟ جلاد نے عرض کی کہ میں کچھ نہیں جانتا کہ یہ کون ہے، مگر شاہ پریوں کے حکم سے قتل کرتا ہوں۔ قریشہ نے زہرہ مصری سے اس کا حال پوچھا۔ اس نے مفصل بیان کیا۔ قریشہ غصے کے مارے تھر تھر کانپنے لگی اور زہرہ مصری کو اپنے ساتھ بارگاہ میں لے جا کر آسمان پری سے کہنے لگی کہ اس نے تمھارا کیا قصور کیا ہے کہ اس کو پردۂ دنیا سے بلا کر قتل کرنے کا حکم دیا ہے؟ معلوم ہوا کہ اگر مہر نگار آتی تو اس کو بھی تم قتل کرتیں۔ سنو، وہ بھی ناموسِ صاحبقراں ہے، اور تم سے لاکھ درجے عزت و حرمت

میں بہتر ہے کہ صاحبقراں کی زوجۂ اول ہے۔ کیا کروں کہ تم میری ماں ہو، نہیں تو اس حرکت پر ایک نیمچہ مار کے دو ٹکڑے کرتی۔ آسمان پری قریشہ کا غیظ دیکھ کر لرز گئی۔ بارے قریشہ نے اسی دم زہرہ مصری کو تخت پر سوار کروا کے جو حمال لائے تھے ان کو حکم دیا کہ جہاں سے اس کو لائے ہو وہاں پہنچا آؤ۔ حمالانِ تخت تخت کو اٹھا کر روانہ ہوئے۔ ہر گاہ دیو سمندون ہزار دست کے مکان کے اوپر، کہ اثنائے راہ میں اس کا مکان تھا، وہ تخت پہنچا۔ اتفاقاً دیو سمندون اس وقت اپنے رفیقوں کو لیے ہوئے شراب پی رہا تھا۔ اس کی نگاہ جو تخت پر گئی، دیووں کو حکم دیا کہ اس تخت کو لے آؤ۔ دیو جو تخت کو لے آئے، زہرہ مصری سے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں جاتی ہے؟ اس نے مفصل حال بیان کیا۔ دیو سمندون نے پریزادوں کو تو مروا ڈالا اور زہرہ مصری سے کہا کہ میرے بیٹے کا پالنا ہلایا کر۔ زہرہ مصری ناچار اس کے بیٹے کا پالنا جھلانے لگی۔

خواجہ عمرو کا حال سنیے۔ ہر گاہ شور و غل سن کر محل میں گیا۔ معلوم ہوا کہ ایک پنجہ فلک پر سے پیدا ہوا اور زہرہ مصری کو اٹھا لے گیا۔ غصے کے مارے کانپ کر مہرنگار سے کہنے لگا کہ میں نے لاکھ دفعہ سمجھایا ہے کہ بے میرے پوچھے کوئی امر نہ کرنا، مگر میرا کہنا کچھ موثر نہ ہوا۔ اگر وہ پنجہ تم کو اٹھا لے جاتا تو میں حمزہ کو کیا جواب دیتا؟ بارہ برس کی محنت میری اکارت ہوتی۔ یہ کہہ کر تین کوڑے اس زور سے مہرنگار کی پیٹھ پر مارے کہ وہ تلملا گئی اور لوٹن کبوتر کی طرح بیتاب ہو کر زمین پر لوٹنے لگی۔ یہ حرکت عمرو کی مہرنگار کو نہایت ناگوار ہوئی۔ دل میں کہنے لگی کہ اگر حمزہ سے محبت نہ کی ہوتی تو ادنیٰ ساربان زادے کے ہاتھ سے کوڑے نہ کھاتی۔ اس سے بہتر بہتر میرے گھر میں غلام پڑے ہیں۔ اس وقت تو کچھ نہ بولی مگر جب آدھی رات گئی، کمند لگا کر قلعے سے نیچے اتری اور اپنے بھائیوں کے خیمے کی طرف گئی۔ پھر دل میں سوچی کہ بھائیوں کے پاس نہ جایا چاہیے۔ ایک گھوڑا ہرمز کا چوکی میں لگا ہوا تھا اور سائیس خفتہ بخت سو گیا تھا۔ مردانہ بھیس بدل کر، نقاب چہرے پر ڈال، گھوڑے پر سوار، جنگل کی طرف روانہ ہوئی۔

عمرو کا حال سنیے۔ ملکہ کو کوڑے مار کر جو محل سے باہر نکلا، خجالت سے شب کو محل میں نہ گیا۔ سوچا کہ صبح کو عذر کر کے مہرنگار کو سمجھا لوں گا۔ آخر شب کو امیر نے اس کے خواب میں آ کر کہا کہ کیوں عمرو، ایسا ہی کرتے ہیں جیسا تو نے مہرنگار کے ساتھ کیا؟ تیری اس حرکت سے آخر وہ سر بہ صحرا ہوئی۔ عمرو جو اس خواب پریشاں کو دیکھ کر گھبرا کے محل میں گیا، دیکھے تو واقعی مہرنگار پلنگ پر نہیں ہے۔ ادھر ڈھونڈا، اُدھر ڈھونڈا، کہیں پتا نہ لگا۔ قلعے کی فصیل پر جو چڑھا، ایک طرف کو کمند لگی نظر آئی۔ معلوم کیا کہ اس طرف سے مہرنگار اتر گئی۔ عمرو بھی اسی کمند پر سے اترا اور مہرنگار کے پاؤں کے نشان پر چلا۔ جاتے جاتے خیمۂ ہرمز تک پہنچا۔ دیکھا کہ ایک سائیس باگ ڈور ہاتھ میں لیے سوتا ہے۔ اس کو جگا کر پوچھا کہ گھوڑا کہاں ہے؟ وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ عمرو نے جانا

کہ مہر نگار یہاں تک آئی اور گھوڑے پر سوار ہو کے چلی گئی۔ گھوڑے کے قدم کے نشان پر چلا۔

مہر نگار کا حال سنیے کہ وہ صبح تک پچاس کوس پہنچی۔ ناگہاں بادشاہ الیاس ترسا، لات پرست، باز ہاتھ میں لیے اس طرف سے نکلا۔ مہر نگار ایک تنہ دُرخت کی آڑ میں آ گئی۔ اس نے دور سے دیکھا کہ ایک نقاب پوش مجھ کو دیکھ کر درخت کی آڑ میں ہو گیا، قریب جا کر پوچھا کہ اے شخص، تو کون ہے؟ مہر نگار نے کہا کہ مسافر ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ ہماری نوکری کرے گا؟ جواب دیا کہ ہم کو احتیاج نوکری کی نہیں ہے۔ بادشاہ کو آواز سے شبہ عورت کا ہوا۔ ہاتھ بڑھا کر نقاب کو جو چہرے سے کھینچا تو دیکھا کہ ایک عورت ہے کہ اگر آفتاب اس سے نگاہ چار کرے تو چکاچوندھی آوے۔ اسی دم گھوڑے پر سے اتار کے محافے میں سوار کیا اور اپنے مکان پر لے جا کے ایک نفیس مکان میں اتارا۔ جس وقت آپ جانے کا قصد کیا، مہر نگار نے کہا کہ خبردار! اگر آگے کو قدم بڑھائے گا تو ابھی اپنا جوہر کروں گی۔ بادشاہ ڈر کر اپنے مکان میں چلا آیا اور افسوس کرنے لگا کہ ایسی پری ہاتھ آوے اور کامِ دل اس سے حاصل نہ ہووے۔ اتفاقاً اس دن خواجہ نہال سوداگر، کہ کسی زمانے میں نوشیرواں کا رفیق تھا اور مہر نگار کو اس نے گود میں کھلایا تھا، مع تحائف و سوغات اس بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ کو ملول دیکھ کر سبب ملال کا پوچھا۔ اس نے رازِ دل اپنا بیان کیا کہ ایک پری جنگل سے میرے ہاتھ لگی ہے لیکن مجھ سے راضی نہیں ہوتی۔ خواجہ نہال نے کہا کہ اگر میں اس کو دیکھوں تو افسوں پڑھ کر راضی کر دوں۔ بادشاہ نے اسی وقت خواجہ نہال کو اپنے ساتھ لے جا کر دور سے وہ مکان دکھا کر کہا کہ اسی مکان میں ہے۔ خواجہ نہال نے دروازے کی درز سے جو دیکھا تو پہچان کر بے اختیار نام لے کر پکارا۔ مہر نگار نے بھی خواجہ نہال کو پہچان کے دروازہ کھول دیا۔ خواجہ نے بعدِ دریافتِ حال چپکے سے ملکہ کو سمجھا دیا کہ اب تم خاطر جمع رکھو، میں تم کو یہاں سے نکال لے جاتا ہوں۔ ملکہ کو تشفی دے کے بادشاہ کے پاس آیا اور عرض کی کہ نگہبانوں کو حکم ہو جاوے کہ میں دن رات میں جس وقت اس عورت کے پاس جاؤں، کوئی مجھ سے مزاحمت نہ ہووے۔ آپ کے اقبال سے آج کے تیسرے دن میں اس کو راضی کر دوں گا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اس کو خلعت دیا۔ خواجہ جو وہاں سے اٹھا، سوداگروں کی کمندیں جو شہر میں بندھی ہوئی تھیں، دیکھنی شروع کیں۔ آخر دو گھوڑے دھاوے دار پسند کر کے مول لیے، اور اسی رات کو ایک پر ملکہ کو سوار کیا اور دوسرے پر آپ سوار ہو کے شہر سے نکلا۔ شبا شب چلا ہی گیا۔ صبح کو بادشاہ نے خواجہ کو طلب کیا، فرودگاہ پر نہ پایا۔ ادھر نگہبانوں نے آ کر خبر دی کہ وہ عورت جو حضور نے اس مکان میں رکھی تھی، نظر نہیں آتی، مکان خالی پڑا ہے۔ بادشاہ نے معلوم کیا کہ خواجہ نہال اسے لے بھاگا۔ اسی دم فوجِ جرار لے کر اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ دو پہر کے قریب دن آیا ہو گا کہ ملکہ نے گرد و غبار دیکھ کر خواجہ نہال سے کہا کہ اے خواجہ، گھوڑے کی باگ اٹھاؤ، دیکھو بادشاہ آ پہنچا۔ خواجہ تو اس گرد و غبار کو دیکھنے

لگا، مگر مہر نگار جنگل میں گھس گئی۔ اتنے میں سواری بادشاہ کی خواجہ نہال کے متصل پہنچی۔ خواجہ نہال جس طرح کھڑا تھا اسی طرح ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ بادشاہ نے خواجہ کو قتل کیا اور مہر نگار کو تلاش کرنے لگا مگر مہر نگار کا سراغ مثل عنقا نہ پایا۔ ناچار ڈھونڈ ڈھانڈ کے مایوس اپنے گھر کو گیا، اور مہر نگار دوسرے دن تک وہاں سے کئی دن کی راہ پر پہنچی۔ بھوک کے مارے بے چین تھی کہ ایک فالیز نظر آئی۔ فالیز بان سے ایک سردہ طلب کیا۔ اس نے بہت سے سردے لا کر سامنے رکھ دیے۔ مہر نگار سردوں کو کھانے لگی اور وہ بھکوا قرمساق، کہ کم از نود سالہ نہ ہوگا، مہر نگار سے کہنے لگا کہ اے جانِ جہاں، اگر میرے پاس تو رہے تو میں بہت اچھی طرح سے تجھ کو رکھوں۔ مہر نگار حیران ہوئی کہ یہ مسخرہ بکتا کیا ہے! جب خوب سیر ہو کے سردے کھا چکی، اس سے پوچھا کہ تیرے کوئی اور بھی ہے یا نہیں؟ وہ بولا کہ میرے دس بیٹے، گیارہ بیٹیاں، ایک جورو ہے۔ مہر نگار نے کہا کہ جب جورو تیرے پاس موجود ہے تو میں تیرے پاس رہ کر کیا کروں گی؟ قرمساق بولا کہ میں اس کو طلاق دوں گا۔ مہر نگار نے کہا کہ اچھا تو اس کو طلاق دے آ، میں یہاں بیٹھی ہوں۔ وہ سادہ لوح اپنی جورو کو طلاق دینے گیا اور مہر نگار اس کے سردوں کی قیمت وہاں رکھ کر گھوڑے پر سوار ہو کے چلتی ہوئی۔ فالیز بان جو اپنی جورو کو طلاق دے کر فالیز پر آیا۔ دیکھے تو وہ پری نہیں ہے۔ لگا چلّا چلّا کے کہنے کہ ہائے پری وائے پری، کدھر گئی۔ جورو اس کی زمیندار کو لے کر کھیت پر آئی کہ اس کو معقول کرے۔ یہاں آ کر اس کو جو دیکھا تو وہ ہائے پری وائے پری کہتا ہے اور روتا ہے، سبھوں نے جانا کہ اس کو سایہ ہو گیا ہے۔ اس کی جورو نے لڑکوں سے کہا کہ اس کا کچھ علاج کرو، یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔

اور مہر نگار جو وہاں سے چلی، شام اس کو ایک جنگل میں ہوئی۔ جدھر دیکھے ادھر جانورانِ درند، مثل شیر، چیتا، چرخ، بھیڑیا، ارنا، گینڈا، ریچھ، لنگور، بندر، نظر آتے ہیں۔ گھوڑے کو چھوڑ کر ایک درخت پر چڑھ کے بیٹھ رہی۔ صبح کو ایک شیر پیدا ہوا اور مہر نگار کے گھوڑے کو مار کر جدھر سے آیا تھا اُدھر کو چلا گیا۔ مہر نگار نے درخت سے اتر کر گھوڑے کے ساز کو تو درخت سے باندھ دیا اور آپ پیادہ پا وہاں سے روانہ ہوئی۔ شام کو ایک بستی سے چند کھیت اِدھر ایک تالاب بہت وسیع نظر آیا۔ اس کے کنارے پر ایک درخت عظیم الشان تھا۔ ملکہ اس پر چڑھ کے بیٹھ رہی۔ صبح کو اس بستی کے چودھری نے بہ ارادۂ غسل اپنی لونڈی کو پانی لانے کے واسطے تالاب پر بھیجا۔ اس نے اس تالاب میں مہر نگار کے چہرے کا عکس دیکھ کر جانا کہ میری صورت کا پرتو ہے، گھمنڈ کے مارے خالی ٹھلیا لے کر گھر کو پھر گئی۔ چودھری نے پوچھا کہ پانی لائی؟ بولی کہ واہ واہ، میں ایسے حسن و جمال پر پانی بھروں گی؟ چودھری نے پاپوش کاری معقول کر کے کہا کہ جا قحبہ، جلد پانی لا کہ غسل کروں۔ وہ پھر گھڑا لے کر تالاب پر گئی۔ مہر نگار ہنوز وہاں موجود تھی۔ وہ پھر اس کا عکس دیکھ کر چراغ پاؤں ہوئی، بے پانی بھرے گھر کو پھر گئی اور

اسی گفتگوے اول کا اعادہ کیا۔ چودھری نے پھر اسے تنبیہ کر کے پانی لانے کے واسطے بھیجا۔ تیسری مرتبہ بھی وہ مہرنگار کا پرتو دیکھ کر خالی گھڑا لے کر گھر کو پھر گئی۔ مہرنگار نے سوچا کہ اب کے یہ لونڈی تالاب پر آئی اور فساد پیدا ہوا، درخت سے اتر کر ایک طرف کو راہی ہوئی۔ اور لونڈی نے جو پھر وہی گفتگو اپنے میاں سے کی، اس نے ناچار ہو کر آئینہ اس کو دکھلا کر کہا کہ دیکھ تو مردار اپنی صورت کو، اسی صورت پر گھمنڈ کرتی ہے؟ اس نے جو آئینے میں دیکھا تو صورت کریہہ دکھلائی دی۔ بولی کہ تالاب پر چل کے میری صورت کو پانی میں دیکھو تو معلوم کرو کہ میں سچ کہتی ہوں یا جھوٹ۔ مجبور چودھری جی اور چند آدمیوں کو ساتھ لے کر اس کے ہمراہ تالاب پر گئے۔ اگرچہ لونڈی نے اپنی صورت پانی میں بھی ویسی ہی دیکھی کہ جیسی آئینے میں دیکھی تھی، لیکن بے حیائی سے یہی کہے گئی کہ میں اس حسن و جمال پر پانی نہیں بھروں گی۔ لوگوں نے کہا کہ شاید کسی پری کا اس کو سایہ ہوا ہے، اس کا علاج کیا چاہیے، اور مہرنگار جو اس درخت پر سے اتر کر روانہ ہوئی۔

دوسرے دن ایک فقیر کے تکیے پر پہنچی۔ وہ فقیر چار سو گروہ کا افسر تھا۔ مہرنگار کو دیکھ کر مستفسرِ حال ہوا۔ مہرنگار نے کہا کہ جولاہا زادی ہوں۔ میرے باپ نے اس عالمِ پیری میں ایک نکاح کیا ہے، سوسوتیلی ماں نے مجھ کو نکال دیا ہے۔ تباہ و سرگرداں پھرتی ہوں۔ فقیر از بس کہ رحم دل تھا، مہرنگار کا حال سن کر بولا کہ میں نے تجھ کو اپنا فرزند کیا، فقیروں کو چھاندا بانٹ دیا کر، اور سب گھر کرنا اس کے حوالے کیا۔ مہرنگار شکرِ الٰہی بجالا کر وہاں رہنے لگی۔

اب شاہِ عیارانِ عیار کا حال سنیے۔ مہرنگار کے ڈھونڈنے کو جو نکلا، کئی دن میں اس بادشاہ کے شہر میں پہنچا جو مہرنگار کو جنگل سے لے گیا تھا۔ وہاں سے بھی سن گن لے کر روانہ ہوا۔ فالیز بان کی کشت پر پہنچ کے ہائے پری وائے پری جو اس کی زبان سے سنا، جانا کہ یہاں بھی وہی آئی تھی۔ وہاں سے اس جنگل میں پہنچا جہاں گھوڑے کو شیر نے مارا تھا اور مہرنگار نے ساز کو درخت سے باندھ دیا تھا۔ عمرو نے ساز کو درخت سے کھول کر زنبیل کے سپرد کیا اور وہاں سے اس بستی میں پہنچا جہاں چودھری کی لونڈی خبطی رہتی تھی۔ وہاں سے فقیر سرگروہ کے تکیے پر آیا۔ دور سے دیکھا کہ مہرنگار فقیروں کو چھاندا بانٹ رہی ہے۔ آپ بھی بوڑھا بن کے نزدیک گیا۔ مہرنگار اس کو بھی کھانا دینے لگی۔ خواجہ نے آبدیدہ ہو کر کہا کہ اے ملکہ، میں فقیر نہیں ہوں، تمھارا غلام ہوں عمرو۔ اپنے قصور پر نادم ہوں، اور کہاں کہاں کی خاک تمھاری تلاش میں نہیں چھانی۔ ملکہ نے جو عمرو کو دیکھا، لپٹ کر رونے لگی۔ فقیر رونے کی آواز سن کر کہتا ہوا دوڑا کہ بیٹا، خیر تو ہے؟ مہرنگار بولی کہ خیریت ہے۔ یہی میرا باپ ہے۔ فقیر اس کو سمجھانے لگا کہ اے عزیز، جوان بیٹی کو کوئی اس طرح رکھتا ہے؟ عمرو بولا کہ کیا کروں، محتاج ہوں، شادی کہاں سے کردوں۔ فقیر نے پانچ سو روپے عمرو کو دیے اور کہا کہ جلد اس کی شادی کر دے۔ عمرو روپے اور مہرنگار کو لے کر وہاں سے چلتا ہوا۔ اثنائے راہ میں روپے زنبیل میں رکھے اور مہرنگار کو بے ہوش کر کے پشتارہ

باندھا اور پیٹھ پر لاد کر قلعے کی طرف چلا۔

ہرمز و فرامرز نے بھی عیاروں سے خبر پائی تھی کہ رات کو مہر نگار خیمے تک آئی اور چوکی کے گھوڑے پر سوار ہو کر معلوم نہیں کہ کدھر کو چلی گئی، اور عمرو مہر نگار کی تلاش کو گیا ہے۔ با یکدیگر صلاح کی کہ سوائے اس پہاڑ کے درے کے اور کوئی راہ اس طرف آنے کی نہیں ہے۔ عیار ہمارے کمین گاہ میں لگے رہیں، جس وقت عمرو آوے مہر نگار کو اس سے چھین لیں، اور قابو پڑے تو اس کو بھی مار ڈالیں۔ اور اگر جیتا ہاتھ آوے تو کیا کہنا ہے! چار سو عیار دامنِ کوہ میں چھپ کر بیٹھے اور عیاروں کی ڈاک بھی بٹھالی کہ جس وقت عمرو آوے اور عیار کمین گاہ سے نکل کر اس کو گھیریں، فوراً ہم کو خبر ہووے کہ ہم بھی کچھ لوگ منتخب ساتھ لے کر عیاروں کی مدد کو پہنچیں۔ اور جن لوگوں کو ساتھ لے جانے کے لیے تجویز کیا تھا، ان کو حکم دیا کہ کسی وقت کمر نہ کھولیں اور گھوڑوں کی بدلی رہے۔

چنانچہ عمرو جب پشتارہ لادے ہوئے دامنِ کوہ کے نزدیک پہنچا، چار سو عیاروں نے کمین گاہ سے نکل کر عمرو کو گھیر لیا۔ عمرو نے بھی اس پر تلوار اپنی سنبھالی۔ ہرمز و فرامرز نے جو عمرو کے گھرنے کی خبر پائی، فی الفور مع اشخاصِ معین چڑھ دوڑے۔ عمرو شاہزادوں کو دیکھ کر بہت گھبرایا کہ ان کے ساتھ آدمیوں کی کثرت ہے اور میں اکیلا، وہ بھی بار بردار ہوں۔ لگا دعائیں مانگنے۔ آناً فاناً میں نقابدار نارنجی پوش چالیس ہزار سوار سے آ پہنچا اور جہاندار کابلی اور جہانگیر کابلی برادرانِ ژوبین کابلی کو قتل کر کے ہرمز و فرامرز کی تمام جمعیت کو پریشان کیا۔ بہت سے کافر مارے گئے۔ جنھوں نے فرار کو قرار پر ترجیح دی، وہی جانبر ہوئے۔ ہرمز و فرامرز شکست کھا کر شکستہ خاطر، جہاندار کابلی و جہانگیر کابلی کا ماتم کرتے ہوئے، اپنے لشکر میں آئے، اور نقابدار عمرو کو قلعے تک پہنچا کر اپنے مسکن کی طرف راہی ہوا۔ عمرو نے قلعے میں جا کر ملکہ کو محل میں داخل کیا اور مکرر عذر کر کے اپنا قصور معاف کروایا۔

اب جب تک ان کی داستان پر آؤں، دو کلمے داستانِ صاحبقراں گیتی ستاں کے سناؤں۔ قلعۂ گلستانِ ارم سے نکل کر چالیس دن تک دیوانہ وار سر بہ صحرا چلے گئے، اکتالیسویں دن ہوش میں آئے۔ دیکھیں تو سامنے ایک قلعہ ہے مگر دروازہ اس کا بند ہے اور دیو اس کو گھیرے ہوئے کھڑے ہیں۔ امیر نے ایک نعرہ اس زور سے کیا کہ قلعہ تک ہل گیا اور اکثر دیووں کے کان کے پردے پھٹ گئے۔ لشکرِ دیو کا جو سردار تھا، اس نے امیر کو دیکھ کر پہچانا۔ روبرو آ کر کہنے لگا کہ یا صاحبقراں، تم نے تمام گلدستۂ قاف کو برباد کیا ہے، میں خوب تم کو پہچانتا ہوں۔ آج تم میرے قابو میں آئے ہو، اب جیتے نہیں بچتے۔ یہ کہہ کر ایک دار شمشاد امیر کے سر پر ماری۔ امیر نے اس کو خالی دے کر ایک ہاتھ حمائل کا ایسا لگایا کہ ایک طرف کا ہاتھ اور سر و گردن نصف کمر تک کٹ گئی۔ فوج اس کی امیر کی ضرب دیکھ کر بھاگی۔ قلعے میں جو گاد پاؤں کی قوم رہتی تھی بادشاہ ان کا، طلوع نام، قلعے سے برآمد ہوا اور امیر سے بغلگیر ہو کر بہ کمال عزت و توقیر امیر کو قلعے میں لے گیا اور بڑے کر و فر سے امیر کی دعوت

کی۔ امیر نے بعدِ انفراغِ دعوت اس سے پوچھا کہ تو مجھ کو دنیا میں پہنچا سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ پہنچا کیوں نہیں سکتا، مگر آسمان پری نے منادی کروادی ہے جو آپ کو دنیا میں پہنچاوے گا وہ روز بد دیکھے گا۔ لیکن یہ جوکھوں بھی مجھ کو قبول ہے اگر آپ میری بیٹی کو قبول کریں۔ امیر نے فرمایا کہ حاشا، عقد کرنا مجھ کو منظور نہیں ہے۔ وہ بولا کہ اگر میری بیٹی سے عقد نہیں کرتے تو رخ نامی ایک جانور میرا حریف ہے، اس کو مار ڈالیے۔ ان دونوں شرطوں میں سے ایک کو بھی اگر آپ پورا کریں تو میں آپ کو دنیا میں پہنچوا دیتا ہوں۔ امیر نے کہا کہ شرطِ ثانی مجھے قبول ہے۔ اس جانور کو جو تیرا حریف ہے، چل کر مجھے دکھلا دے۔ طلوع نے اپنے آدمی امیر کے ہمراہ کیے کہ اس جانور کو دور سے جا کر دکھا دو۔ صاحبقراں نے جا کر ایک کوبچۂ سفید دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون مکان ہے؟ ہمراہیوں نے کہا کہ یہ کوبچہ نہیں ہے، یہ اسی جانور کا انڈا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ اس وقت کسی طرف چرنے کو گیا ہے۔ امیر جا کر اس انڈے کے متصل بیٹھ رہے۔ جب وہ جانور اپنے انڈے پر آ کے بیٹھا، امیر نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بہت قوی ہیکل ہے اور یقیناً دنیا کی طرف بھی جاتا ہوگا۔ چلو اس کا پاؤں پکڑ کر نعرہ مارو۔ یہ گھبرا کر یہاں سے اڑے گا تو دنیا ہی کی طرف جائے گا۔ یہ منصوبہ کر کے امیر نے اس کے پاؤں کو پکڑ کر اس زور سے نعرہ مارا کہ وہ گھبرا کر اڑا، مگر جب بحرِ اخضر کے درمیان میں پہنچا، اس زور سے امیر کے ہاتھ میں چونچ ماری کہ امیر کا ہاتھ کمزور ہو گیا اور اس جانور کا پاؤں ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ امیر کا نیچے پہنچنا تھا کہ خواجہ خضرؑ و الیاسؑ نے ہاتھوں ہاتھ امیر کو لے کے خشکی میں لٹا دیا، مگر امیر اس صدمے سے بے ہوش ہو گئے۔

آسمان پری کا حال سنیے کہ ایک دن عبدالرحمٰن سے کہا کہ دیکھو تو، امیر کہاں ہیں اور کیونکر ہیں؟ عبدالرحمٰن نے زائچہ کھینچ کر حکم لکھ کے سنایا کہ امیر گاوپاؤں کے قلعے تک پہنچے ہیں، اور طلوع گاوپا کو دیو گھیرے ہوئے کھڑے تھے، امیر نے دیووں کو مار کر طلوع کی جان بچائی۔ اس نے امیر کی دعوت کی، امیر نے اس کو دنیا میں پہنچانے کا پیغام دیا۔ اس نے آپ کی منادی پھروانا بیان کر کے کہا کہ یہ جوکھوں میں تب اٹھاتا ہوں کہ آپ میری بیٹی سے عقد کریں۔ امیر نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ حاشا، یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ تب اس نے کہا کہ اگر عقد نہیں کرتے تو رخ جانور میرا دشمن ہے، اس کو مار ڈالیے، میں آپ کو دنیا میں پہنچوا دوں گا۔ امیر نے کہا کہ اس جانور تک پہنچوا دے۔ چنانچہ اس نے امیر کو اس جانور تک پہنچوا دیا۔ امیر نے بجائے خود تجویز کیا کہ عجب کیا ہے اگر یہ جانور دنیا کی طرف جاتا ہو، اس کے پاؤں پکڑ کر نعرہ مار کر لٹک گئے۔ وہ جو وہاں سے اڑا، بحرِ اخضر پر آ کے امیر کے ہاتھ کو زخمی کر کے اپنا پاؤں چھڑوا لیا، امیر نیچے گرے۔ آسمان پری اس تقریر کو سن کر بہت روئی اور قریشہ کو مع لشکرِ قہار طلوع گاوپا کے اوپر بھیجا کہ گاوپا تو کیا جانور ہے، جانور تک اس شہر کا جیتا بچنے نہ پاوے، اور آپ بحرِ اخضر کی طرف گئی، لیکن حضرت خضرؑ و الیاسؑ کو دیکھ کر شرم کے مارے سامنے نہ گئی۔

ہر گاہ امیر کو ہوش آیا، امیر نے خواجہ خضرؑ والیاسؑ سے آسمان پری کی نالش کی۔ انھوں نے فرمایا کہ یا امیر، بہت گئی، تھوڑی رہی ہے۔ گھبرانے کا مقام نہیں ہے۔ آسمان پری ابھی آئی تھی مگر ہم کو دیکھ کر خجالت سے الٹی پھر گئی۔ امیر نے عرض کی کہ یا حضرت، مجھ کو قلعۂ گاو پا میں پہنچا دیجیے کہ اس مردود سے میں اپنا عوض لوں۔ حضرت خضرؑ نے امیر کو قلعۂ گاو پا میں پہنچا دیا۔ امیر دیکھیں تو مطلق شہر ویران ہے کہ چڑیا تک نہیں دکھائی دیتی۔ امیر نے حضرت خضرؑ سے پوچھا کہ یا حضرت، اس قلعے کے رہنے والے کہاں گئے؟ خواجہ خضرؑ نے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم پر بالفعل گذری ہے، عبدالرحمٰن سے آسمان پری کو معلوم ہوا، اس نے قریشہ کو بھیج کر اس شہر کو بے چراغ کروایا۔ یہ کہہ کر خضر تو وہاں سے غائب ہوئے اور امیر تین دن تک اس شہر میں تنہا رہے۔

چوتھے دن صحرا کی طرف چلے۔ آٹھویں دن ایک قلعہ نظر آیا۔ قریب جا کر دیکھیں تو قلعہ مدائن کا معلوم ہوتا ہے۔ برج وفصیلیں اور تلِ شادکام موجود ہے۔ قلعے کے اندر جو گئے تو وہی مکانات جو قلعۂ مدائن میں تھے دکھائی دیے، مگر آدمی کوئی نظر نہیں آتا۔ سخت متحیر ہوئے کہ آدمی اس کے کہاں گئے۔ مہرنگار کی محل سرا کی طرف گئے۔ شعر تک امیر کے لکھے ہوئے اس کی محراب پر موجود تھے۔ وہاں سے چہل ستون کو دیکھتے ہوئے باغِ داد میں گئے۔ جب باغِ داد سے ہفت بہشت میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک دیو طویل القامت قوی الجثہ کھڑا ہوا ہے۔ امیر کو دیکھ کر کلقاریاں مارنے اور کہنے لگا کہ اے آدم زاد، اس قلعے کے آباد کرنے کی مجھ کو بہت آرزو ہے، کہ دنیا میں مدائن نامی ایک شہر ہے، یہ نقل اس کی میں نے بنوائی ہے۔ دو آدمی لایا بھی ہوں، اور آدمی بھی لایا چاہتا ہوں۔ چونکہ تو آپ سے آیا ہے، اس واسطے تجھ کو اس قلعے کا بادشاہ کروں گا۔ امیر نے پوچھا کہ یہ کون اقلیم ہے؟ وہ بولا کہ قاف ہے۔ امیر نے فرمایا کہ تو مجھ کو بھی پہچانتا ہے؟ وہ بولا کہ میں نے آج کے سوا تجھ کو کبھی دیکھا بھی نہیں، پہچانوں کیونکر؟ امیر نے کہا کہ زلازلِ قاف میرا ہی نام ہے۔ اس نے پوچھا کہ عفریت واہرمن کو تو نے ہی مارا ہے؟ امیر بولے کہ ان پر کیا موقوف ہے، بہت سے دیو میں نے مارے ہیں۔ وہ بولا کہ تو تو اس قلعے کو برباد کرے گا۔ میں تجھ سے دیوانِ قاف کے خون کا بدلہ لوں گا۔ یہ کہہ کر ایک آسیا سنگ امیر پر اس نے مارا۔ امیر نے بہ قوتِ بازو اس کو رد کر کے ایک ہی ہاتھ میں کام اس ناکام کا تمام کیا۔ امیر اس کو مار کے ایک دالان میں گئے۔ وہاں دو لڑکے صاحبِ حسن و جمال بیٹھے ہوئے تھے۔ امیر نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ بولے کہ ہم ایک سوداگر کے بیٹے ہیں۔ باپ ہمارا مر گیا تھا۔ ایک دیو جس کا یہ مکان ہے، ہم کو اٹھا لایا ہے۔ آپ بتلایئے کہ کون ہیں؟ امیر نے فرمایا کہ مجھ کو قدرت اللہ، سیف اللہ، قدرت الرحمٰن، زلازلِ قاف، کوچک سلیمان کہتے ہیں۔ دنیا سے آ کر تمام دیوانِ قاف کو مارا ہے اور اس دیو کو بھی جو تمھیں اٹھا لایا تھا، ابھی قتل کیا ہے۔ اب تم خاطر جمع رکھو، تم کو دنیا میں میں پہنچا دوں گا۔ تب تو وہ لڑکے امیر کے قدموں پر گر پڑے اور بہت خوش ہوئے۔

صاحبقراں نے پوچھا کہ تمھارا نام کیا ہے؟ ایک بولا کہ مجھ کو خواجہ آشوب کہتے ہیں دوسرے نے کہا کہ میرا نام خواجہ بہلول ہے۔ امیر نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں دنیا میں چل کر ایک کو تم میں سے اپنا وزیر کروں گا اور دوسرے کو بخشی۔ وہ بولے کہ جب جیتے جی دنیا میں پہنچیں گے تب تو وزیر و بخشی کہلاویں گے۔ امیر نے ان کی تشفی کی کہ خدا چاہتا ہے تو عنقریب دنیا کو چلتے ہیں۔ یہ کہہ کر ان کو ہمراہ لے کے قلعے سے باہر نکلے اور ایک درخت سایہ دار کے نیچے بیٹھ کر کلیچہ خضر نکالا، آپ بھی کھایا اور ان کو بھی کھلایا۔

گھڑی دو ایک کے بعد ایک دیو دار شمشاد کاندھے پر رکھے ہوئے دکھائی دیا۔ امیر سے آ کر کہنے لگا کہ اے آدم زاد، سیاہ سر، دنداں سفید، ضعیف الجثہ، تو میرے دربان کو مار کے ان لڑکوں کو لے کر کہاں جاتا ہے؟ تو نہیں جانتا کہ میرا نام معمار دیو ہے؟ امیر نے پوچھا کہ یہ قلعہ مدائن کی نقل تو ہی نے بنایا ہے؟ وہ بولا کہ اس کو بھی میں نے ہی بنایا ہے اور جہاں تک مکاناتِ حضرت سلیمانؑ پردہ ہائے قاف میں واقع ہیں، سب میرے ہی ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں۔ اب تو بتلا کہ تیرا کیا نام ہے؟ امیر نے فرمایا کہ آسمان پری، جو پریزادوں کے بادشاہ کی بیٹی ہے، اس کا شوہر ہوں۔ نام میرا زلازلِ قاف، کوچک سلیمان ہے۔ وہ بولا کہ یہ کہو، گلدستۂ قاف آپ ہی کا برباد کیا ہوا ہے۔ مگر آج آپ کی قضا یہاں لائی ہے۔ یہ کہہ کر دار شمشاد امیر کے سر پر ماری۔ امیر نے اس کو خالی دے کر ایک ہاتھ عقربِ سلیمانی کا ایسا ستواں مارا کہ مانندِ خیارِ تر دو ٹکڑے ہو گیا۔ لڑکوں نے جو امیر کی قوت و شجاعت دیکھی، بہت خوش ہوئے اور خوش طبعی سے کہنے لگے کہ واہ میاں ہیبت اللہ! تم تو بڑے ہی زور آور ہو۔ ہم تمھارے ساتھ ضرور رہیں گے اور جہاں جاؤ گے وہاں چلیں گے۔ معلوم ہوا کہ تم اپنے ناموں کی برکت سے ایسے ایسے زبردست دیووں کو مارتے ہو، نہیں تو آدمی میں یہ کہاں قدرت و طاقت ہے کہ دیو کو اس آسانی سے مارے! ہم اپنا بھی نام یہی رکھیں گے۔ الغرض امیر بھی ان لڑکوں سے خوش طبعی کرتے ہوئے چلے۔ قلعۂ سیاہ بوم میں جو شیر مارا تھا، اس کی کھال کو دو ٹکڑے کر کے نصف بہلول اور نصف آشوب کو دی اور ایک کا نام جہاندار قلندر اور دوسرے کا نام جہانگیر قلندر رکھا۔

جب آفتاب خطِ استوا پر پہنچا، امیر ایک درخت کے سائے میں پوست گرگ بچھا کر لیٹے۔ ہوا تھی سرد، لیٹتے ہی سو گئے۔ لڑکے اٹھ کر دریا میں، کہ متصل اس درخت کے جاری تھا، نہانے لگے۔ ناگہاں جنگل کی طرف سے ایک دیو نمودار ہوا۔ بہلول نے اپنے بھائی سے کہا کہ کیوں بھائی، وہ نسخہ یاد ہے؟ چلو ہم تم مل کر اس دیو کو مار لیں۔ دونوں بایکدیگر صلاح کر کے اس دیو کو للکارے: او مردار خوار، کہاں آتا ہے؟ نہیں جانتا کہ ہم قدرت اللہ و سیف اللہ ہیں! یہ کہتے ہوئے اس دیو کی طرف چلے۔ جب دیکھا کہ دیو ڈرتا نہیں، چلا ہی آتا ہے، تب تو ڈر کے صاحبقراں کو جگا دیا۔ امیر نے دیکھا کہ ایک دیو عظیم الجثہ ہاں ہاں کرتا چلا آتا ہے۔ جب نزدیک آیا،

امیر نے نعرہ اللہ اکبر کر کے اس کو زمین پر دے مارا اور چھاتی پر چڑھ کے خنجر سے اس کا گلا کاٹ کر پھینک دیا، اور لڑکوں سے کہا کہ خبردار! خبردار! پھر کبھی ایسی جرأت نہ کرنا، نہیں تو مفت میں مارے جاؤ گے۔ یہ کہہ کر ایک سمت کو چلے۔

پانچویں دن دریا کے کنارے ایک جہاز عظیم الشان دیکھا۔ مال اس پر بھجائی ہو رہا تھا۔ متصل جا کر اس کے خلاصیوں سے پوچھا کہ یہ جہاز کس کا ہے اور کہاں جائے گا؟ وہ بولے کہ یہ جہاز خواجہ سعید بازرگاں کا ہے اور دنیا کی طرف جائے گا۔ امیر نے فرمایا کہ ہم تین آدمی بھی دنیا کی طرف جانے والے ہیں۔ جو کچھ نول فرما دیجیے ہم یہیں دے دیویں اور جہاز پر بیٹھ لیں۔ لوگوں نے کہا کہ ہم کو یہ اختیار نہیں ہے، آپ جہاز کے مالک سے گفتگو کیجیے۔ امیر نے خواجہ سعید سے ملاقات کر کے کہا کہ ہم بھی دنیا کو جانے والے ہیں۔ جو کچھ نول فرما دیجیے، دینے کو حاضر ہیں۔ خواجہ سعید نے بہت سا اخلاق کر کے امیر سے کہا کہ نول اس کا یہ ہے کہ آپ میری بیٹی سے عقد کر لیں۔ امیر نے کانوں پر ہاتھ رکھا کہ یہ نہ ہوگا۔ سوداگر امیر کے انکار سے ناخوش ہوا۔ امیر تو اٹھ کر چلے آئے مگر لڑکوں نے سوداگر سے کہا کہ اگر ہماری بھی شادیاں کر دو تو ہم امیر کو راضی کر دیتے ہیں۔ سوداگر نے کہا کہ میں نے قبول کیا۔ لڑکوں نے امیر سے آ کر کہا کہ میاں قدرت اللہ، شادی کیوں نہیں کرتے؟ دنیا میں بھی پہنچو گے اور مفت میں جورو بھی پاؤ گے۔ امیر نے فرمایا کہ شادی میں نہیں کرنے کا۔ لڑکے بولے کہ میاں قدرت اللہ، شادی تو تمھیں کرنی ہوگی۔ امیر نے کہا کہ کیا تمھاری زبردستی سے میں شادی کروں گا؟ لڑکوں نے کہا کہ البتہ ہماری زبردستی سے شادی کرنی ہوگی۔ امیر ان کی اس گفتگو سے ہنس پڑے اور کہا کہ اچھا، اگر تمھاری ایسی ہی زبردستی ہے تو میں شادی کروں گا۔ لڑکے خوشی خوشی سوداگر کے پاس دوڑے آئے اور کہنے لگے کہ لو صاحب، ہم نے ان کو راضی کیا، اب آپ اپنی بیٹی سے عقد کر دیجیے۔ سوداگر نے جھٹ پٹ امیر کا نکاح اپنی بیٹی سے اور ان لڑکوں کا نکاح ایک دوسرے شخص کی لڑکیوں سے کر دیا۔ رات کو تینوں آدمی اپنی اپنی جوروؤں کے ساتھ سوئے۔ صبح کو امیر جو دیکھیں تو آسمان پری امیر کے ساتھ سوتی ہے اور وہ سوداگر عبدالرحمن ہے۔ چونکہ امیر نے آسمان پری کو غیظ میں طلاق دی تھی، لہٰذا اس تدبیر سے عبدالرحمٰن نے دوبارہ امیر کا عقد آسمان پری کے ساتھ کر دیا۔ آسمان پری امیر کے قدموں پر گر کر گڑگڑانے لگی اور عبدالرحمن نے بھی امیر کے قدموں کو ہاتھ لگایا کہ آج تک جو قصور ہوا ہے معاف فرمائیے۔ بارِ دگر اگر کوئی قصور ہو تو معاف نہ کیجیے گا۔ آسمان پری بولی کہ یا امیر، نفس الامر میں اب آپ کو دنیا کی طرف بھیج دوں گی۔ ناچار امیر ان دونوں لڑکوں سمیت آسمان پری کے ہمراہ گلستانِ ارم میں گئے۔ آسمان پری نے چھ مہینے تک جشن کیا۔ امیر نے ایک دن پھر آسمان پری سے کہا کہ اے آسمان پری، مجھ کو اب رخصت کر۔ آسمان پری بولی کہ یا امیر، انشاء اللہ تعالی

کل صبح کو آپ کو رخصت کروں گی، لیکن یہ تو فرمائیے کہ پھر بھی کبھی یہاں آؤ گے؟ امیر نے کہا کہ اے ملکۂ قاف، جس طرح مہرنگار کا مجھ کو یہاں اشتیاق ہے، اسی طرح وہاں تمھارا اشتیاق ہوگا۔ آسمان پری امیر کی اس بات سے بہت خوش ہوئی اور صبح کو بارگاہ میں تختِ سلطنت پر بیٹھ کر ان چاروں دیووں کو، کہ ہمیشہ امیر کو لے جاتے تھے، طلب کیا اور ایک تختِ بزرگ منگوا کر اس پر تحفے قاف کے رکھوائے اور امیر سے کہا کہ بسم اللہ، سوار ہو جائیے۔ امیر چاہتے تھے کہ تخت پر سوار ہوویں کہ ایک مرتبہ سامنے سے شور وغل پیدا ہوا۔ دیکھیں تو چار سو جن دیو، جو شہپال کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، گریباں چاک، سر پر خاک، زار زار روتے چلے آتے ہیں۔ آسمان پری یہ حالت ان کی دیکھ کر گھبرا گئی۔ پوچھا کہ خیر تو ہے؟ التماس کیا کہ بادشاہ نے اس جہانِ فانی سے ملکِ جاودانی کی طرف رحلت کی۔ آسمان پری یہ خبر سنتے ہی تخت پر سے نیچے گر پڑی اور اپنا حال زبوں کیا، اور تمام گلستانِ ارم ماتم سرا ہوگیا۔ چھوٹے سے بڑے تک سیاہ پوش ہوئے۔ آسمان پری نے ہاتھ باندھ کر امیر سے کہا کہ یا امیر، جہاں آپ سترہ برس رہے، وہاں اب چالیس دن اور رہیے کہ میں شہپال کی لاش کو شہرستانِ زریں میں جا کر دفن کر آؤں اور چہلم تک اس کا ماتم برپا رکھوں۔ وہاں سے آ کر آپ کو دنیا کی طرف رخصت کروں گی۔ صاحبقراں نے فرمایا کہ اچھا تم جاؤ، میں یہاں رہوں گا۔ آسمان پری نے کہا کہ ایسا نہ ہو تم اداس ہو کر کسی طرف چلے جاؤ، میں سلاسل پری کو تمھارے پاس چھوڑے جاتی ہوں۔ اگر دل گھبراوے تو اس سے کنجیاں لے کر چہل عجائباتِ سلیمانی کی سیر کرنا۔ یہ کہہ کر شہپال کی لاش ہمراہ لے کر شہرستانِ زریں کی طرف روانہ ہوئی۔ جب وہاں پہنچی، تمام پردہ ہائے قاف و تاریکی و زبرجد و یاقوت و بیاباں مینا و زمرد وغیرہ کے شاہانِ نامدار حاضر ہوئے اور سبھوں نے مل کر شہپال کی تجہیز و تکفین کی اور چالیس دن تک چھوٹا بڑا سیاہ پوش ہو کر ماتم داری میں مصروف رہا۔

صاحبقراں کا حال سنیے۔ دو روز تو جس تس طرح کاٹے، تیسرے دن گھبرا کر باہر جانے کا قصد کیا۔ سلاسل پری نے عرض کی کہ جب تک ملکۂ آفاق آویں، تب تک آپ چہل عجائباتِ سلیمان کی سیر فرماویں۔ یہ کہہ کر ایک کنجی امیر کے ہاتھ میں دی اور دروازہ ان کا بتا دیا۔ صاحبقراں قفل کھول کر اس کے اندر گئے۔ اندر جانا تھا کہ اس حجرۂ تاریک کا دروازہ بند ہوگیا۔ ایک ساعت کے بعد تیرگی دفع ہوئی، ایک میدانِ وسیع دکھائی دیا۔ اس میدان کی طرف جو گئے، ایک تختِ مرصع بچھا ہوا نظر آیا۔ اس پر ایک سیب، نصف سبز و نصف سرخ، رکھا ہوا تھا۔ اس سیب کو جو اٹھا کر سونگھا، بے ہوش ہو کر تخت پر گر پڑے۔ خواب میں دیکھا کہ ایک قلعۂ عالیشان ہے، اور اس قلعے میں جو گئے ایک باغِ دلکش دیکھا۔ روشوں پر اس کی خوبرویانِ ماہرو بہ صد تجمل و ناز خراماں ہیں اور ایک نازنین مہ جبیں، مکلف لباس پہنے ہوئے، اس تخت پر جلوہ افروز ہے۔ امیر اس کو دیکھتے ہی شیفتہ ہو گئے۔

اس مہ جبیں نے امیر کے واسطے محفل جشن کی ترتیب دی۔ چار سو ماہرو ساز درست کر کے گانے بجانے لگے۔ اس میں آمد آمد اس نازنین کے باپ کی ہوئی۔ وہ گھبرا کر کہنے لگی کہ میں کدھر جا کے چھپوں۔ صاحبقراں نے کہا کہ چھپنے کی کیا ضرورت ہے! جس طرح بیٹھی ہو بیٹھی رہو۔ باپ تمھارا آتا ہے تو آنے دو، اندیشہ کیا ہے؟ اس میں اس کا باپ آیا اور اپنی بیٹی کو امیر کے پاس بیٹھا دیکھا۔ سلام علیک کر کے امیر کا قدم بوس ہوا۔ صاحبقراں نے اس کو چھاتی سے لگا کر کہا کہ اے عزیز، تو مجھ کو کیا جانے؟ وہ بولا کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ زلازلِ قاف کسی زمانے میں عجائباتِ سلیمانی کی سیر کرنے کو آوے گا، والّا آدمی کی کہاں طاقت ہے کہ یہاں آوے۔ امیر بہت اس سے خوش ہوئے۔ اس نے اپنی بیٹی کا عقد امیر کے ساتھ کر دیا۔ صاحبقراں سات برس وہاں رہے اور اس عرصے میں دو لڑکے بھی پیدا ہوئے۔ ایک دن امیر اس معشوقہ کو لیے ہوئے حوض کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے اس نے کہا کہ یا زلازلِ قاف، میری خلخال اس حوض میں گر گئی ہے، تم نکال دو۔ صاحبقراں جو اس حوض میں غوطہ لگا کر نکلے، چونک پڑے۔ دیکھا کہ وہی کوٹھڑی ہے جس میں پہلے آئے تھے اور سلاسل پری سامنے کھڑی ہے۔ امیر نے متحیر ہو کر سلاسل پری سے کہا کہ میں پھر اس کوٹھڑی میں جاؤں گا کہ میرا جی لڑکوں میں لگا ہوا ہے۔ سات برس تک میں وہاں رہا، مگر حوض میں غوطہ کیا لگایا کہ پھر یہاں آ پہنچا۔ سلاسل پری نے عرض کی کہ جنابِ عالی، یہ عجائباتِ سلیمانی ہے۔ کیسے لڑکے اور کیسی جورو! ایک پہر سے زیادہ عرصہ آپ کو گئے ہوئے نہیں ہوا۔ چلیے، اب شام ہوئی، خاصہ تناول فرما کے آرام کیجیے۔ کل دوسری کوٹھڑی کی سیر کیجیے گا۔ سلاسل پری کوٹھڑی میں قفل لگا کے امیر کو محل سرا میں لے آئی۔ امیر نے خاصہ کھا کر آرام فرمایا۔

صبح کو بعدِ فراغتِ ضروریاتِ ستہ دوسری کوٹھڑی کو کھول کر اس کے اندر گئے۔ تھوڑی دور جا کر میدان میں ایک تخت پر تصویر رکھی ہوئی دیکھی۔ امیر نے تصویر کو جو اٹھا کر دیکھا، غش کھا کر تخت پر گر پڑے۔ اس غفلت میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک باغ ہے، اس میں بہت سی عورتیں جمیلہ جمع ہیں اور وہ نازنین جس کی تصویر کو دیکھ کر امیر نے غش کیا تھا، ان عورتوں کے حلقے میں ناچ رہی ہے، اور وہ عورتیں ساز بجا رہی ہیں اور بہت سے غول ایک طرف کو کھڑے ہیں۔ امیر کو دیکھ کر گرز لے کے دوڑے۔ امیر بھی عقربِ سلیمانی نکال کر ان پر حملہ زن ہوئے۔ اس صدمے سے امیر کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھیں تو نہ غول ہیں اور نہ وہ باغ ہے، سلاسل پری اسی حجرے میں کھڑی ہے۔ متعجب ہو کر محل سرا کی طرف متوجہ ہوئے۔ سلاسل پری بھی اس حجرے کو مقفل کر کے حاضر ہوئی۔ امیر نے خاصہ تناول فرما کے آرام کیا۔

تیسرے دن تیسری کوٹھڑی کی سیر کو تشریف لے گئے۔ تھوڑی دور جا کے راہ بھول کے ریگستان میں جا پڑے اور تپشِ آفتاب سے نہایت حیران و پریشان ہوئے۔ سات شبانہ روز تک اس ریگستان میں سرگرداں

رہے۔ آٹھویں دن ایک دیو نظر آیا اور امیر کا کمر بند پکڑ کر آسمان کی طرف لے اڑا۔ کہکشاں کے برابر جا کے امیر کو زمین پر دے مارا۔ امیر کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ نہ وہ ریگستان ہے اور نہ دیو ہے، وہی حجرہ ہے اور سلاسل پری کھڑی ہوئی ہے۔ امیر نے سلاسل پری سے اس حجرے کا حال بیان کیا۔ سلاسل پری ملتمس ہوئی کہ ان حجروں میں اسی طرح کے عجائبات ہیں، مگر خطرہ کچھ نہیں ہے۔ القصہ، امیر نے انتالیس دن میں انتالیس حجروں کی سیر کی۔ چالیسویں دن سلاسل پری سے کہا کہ اس چالیسویں حجرے کو بھی کھول۔ اس نے کہا کہ اس حجرے کا دروازہ میں نہیں کھول سکتی۔ یہ زندانِ سلیمانی ہے۔ امیر نے اصرار کیا۔ وہ بولی کہ اس کی کنجی میرے پاس نہیں ہے۔ امیر نے اس کے ہاتھ سے سب کنجیاں چھین کر اس حجرے کو کھولا اور اس کے اندر گئے۔ سلاسل پری آسمان پری سے کہنے کو دوڑی گئی۔

راوی لکھتا ہے کہ جب امیر چالیسویں حجرے میں تشریف لے گئے، دیکھا کہ ہزاروں دیو و جن و پریزاد قید ہیں۔ سبھوں نے آ کر امیر کو مجرا کر کے عرض کی کہ یا زلازلِ قاف، ہم کو اس قید سے چھڑائیے۔ امیر نے کہا کہ تم نے کیونکر جانا کہ میں زلازلِ قاف ہوں؟ انھوں نے کہا کہ یا امیر، اس زندان میں بہت سے لوگ حضرت سلیمانؑ کے قید کیے ہوئے ہیں اور یہاں کا قیدی جیتے جی چھوٹتا نہیں ہے۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا تھا کہ زلازلِ قاف آ کر اس زندان کے قیدیوں کو چھڑائے گا۔ اس سے ہم نے جانا کہ آپ زلازلِ قاف ہیں۔ پس خدا کے واسطے ہم کو اس قید سے نجات دیجیے۔ امیر کو ان سب پر رحم آیا اور ایک سرے سے بیڑیاں کاٹ کاٹ کر چھوڑنا شروع کیا۔ ہر ایک صاحبقراں کے قدم بوس اور رخصت ہو کر اپنے گھر کو روانہ ہوا۔ ناگاہ ایک طرف سے امیر کے کان میں گھوڑے کے ٹاپ کی آواز آئی۔ امیر جو اس طرف کو گئے، دیکھا کہ ایک بچھیرا نا کند گلگوں رنگ پھر رہا ہے اور سر سے پا تک مرقعے کا حال ہے۔ چار سو گل کے قریب اس کے بدن پر ہیں اور ایک ایک گل ہزار ہزار گل کی موج مار رہا ہے۔ امیر اس بچھیرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور وہ بچھیرا بھی امیر کو دیکھ کر کلیلیں کرنے لگا اور امیر کی طرف دوڑ کر ایک ٹاپ امیر کے پاؤں پر ماری۔ باوجودیکہ امیر زرہ کا زیر جامہ پہنے ہوئے تھے، اس پر بھی بیتاب ہو گئے۔ امیر کو غصہ جو آیا اس کے پیچھے دوڑے۔ وہ بھاگ کر ایک مکان میں گھس گیا۔ امیر بھی اس کے پیچھے پیچھے چلے گئے۔ وہ مکان از بسکہ تاریک تھا، امیر گوہرِ شب چراغ کو ہاتھ میں لے کر اس کی روشنی میں روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک آواز کان میں آئی: آقا میرے، اب حال بہت تنگ ہے، جلد آ کر چھڑاؤ۔ امیر آگے جو گئے، دیکھا لانیسہ اور ارنائیس بیٹھے ہوئے بکا و زاری کر رہے ہیں۔ امیر نے فرمایا، ٹھہر جاؤ، یہ بچھیرا مجھے لات مار کر بھاگا ہے، اس کو مار لوں تو تمھیں چھڑاؤں۔ ارنائیس اور لانیسہ نے عرض کی کہ یا صاحبقراں، یہ ہمارا فرزند ہے۔ اس سے تقصیر ہوئی، معاف کرو۔

امیر یہ بات سن کر متعجب ہوئے اور پوچھنے لگے کہ تو دیو اور جورو تیری پری، بچہ کیونکر گھوڑا ہوا؟ انھوں نے تمام کیفیت بیان کر کے کہا کہ نام اس کا ہم نے اشقر رکھا ہے۔ ارنائیس نے اسے بلا کر امیر کے قدموں پر گروایا۔ امیر نے ان کو قید سے نجات دی اور فرمایا کہ تم بیٹھو، میں آگے کی سیر کر کے آتا ہوں۔

امیر وہاں سے آگے کو گئے۔ دیکھیں تو ایک مکان میں دو پریزادیاں، سر کے بال بندھے ہوئے، الٹی لٹک رہی ہیں۔ امیر نے ترس کھا کر ان کو بھی کھولا۔ آگے جو گئے تو دیکھا کہ ریحان پری وقمر چہرہ، جن سے امیر نے عقد کیا تھا، پا بہ زنجیر بیٹھی ہوئی ہیں۔ امیر ان کو دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ وہ بھی امیر کو دیکھ کر رونے لگیں۔ امیر ان کو اپنے ہمراہ لے کر ارنائیس ولانیسہ کے ہمراہ لیتے ہوئے حجرے کے باہر آئے اور اس شب کو آسمان پری کے پلنگ پر ریحان پری وقمر چہرہ سے ہم بستر ہوئے۔ قدرتِ خدا سے دونوں اسی شب کو حاملہ ہوئیں۔ راوی لکھتا ہے کہ ریحان پری سے جو لڑکا ہوگا اس کا نام دُردُر پوش رکھا جائے گا اور قمر چہرہ کے بیٹے کا نام قمر زاد ہوگا، اور ان دونوں شاہزادوں کی داستان بالا باختر کے دفتر میں لکھی جائے گی۔ القصہ، صبح کو امیر نے ان دونوں پریزادیوں کو رخصت کیا اور وہ اپنے اپنے گھر گئیں۔

امیر نے ارنائیس سے کہا کہ اب تو مجھے دنیا میں پہنچا سکتا ہے؟ اس نے عرض کی کہ حاضر ہوں۔ امیر لڑکوں کو لے کر تخت پر بیٹھے اور ارنائیس ولانیسہ تخت کو کاندھے پر رکھ کر قندیلِ فلک ہوئے۔ چار گھڑی دن باقی ہوگا کہ ایک دریا کے کنارے اترے۔ امیر نے ایک عمارت مجلّا ومصفا دیکھی۔ اس کے اندر گئے۔ ہر دیوار و در کو دیکھ کر عش عش کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ کا یہ شیش محل ہے۔ شام کو خود بخود اس قدر روشنی اس مکان میں ہوئی کہ اگر لاکھوں چراغ روشن ہوتے تو ایسی روشنی نہ ہوتی۔ چار گھڑی رات باقی ہوگی کہ امیر لڑکوں کو لے کر سو رہے، اور ارنائیس بھی لانیسہ کو لے کر ایک حجرے میں سویا، مگر اشقر جنگل کی سیر کو چلا گیا۔

دو کلمے داستانِ آسمان پری کے سنیے۔ جب چالیسواں اپنے باپ کا کر چکی، شاہان وشہریارانِ پردہ ہائے قاف کو رخصت کیا اور آپ بھی گلستانِ ارم کی راہی ہوئی۔ سلاسل پری نے اثنائے راہ میں مجرا کر کے التماس کیا کہ زلازلِ قاف نے قیدیانِ زندانِ سلیمان کو رہا کیا۔ آسمان پری نے کہا کہ اچھا کیا، حضرت سلیمانؑ کا ارشاد ظہور میں آیا۔ سلاسل پری نے کہا کہ ارنائیس ولانیسہ کو بھی مخلصی دی۔ بولی کہ خیر، خوب کیا۔ اس نے کہا کہ ریحان پری وقمر چہرہ کو بھی چھوڑ دیا۔ بولی کہ یہ برا کیا۔ میرے رقیبوں کو چھوڑنا نہ تھا۔ پوچھا کہ پھر کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میرے روبرو تو یہیں تک نوبت پہنچی تھی، پیچھے کا حال معلوم نہیں۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دوسری پری نے آ کر خبر دی کہ صاحبقراں نے آپ کے پلنگ پر ریحان پری وقمر چہرہ کو تمام رات اپنے ساتھ سلایا اور صبح کو ان کو رخصت کر کے تخت پر سوار ہوئے اور لانیسہ وارنائیس ان کو لے کر دنیا کی طرف روانہ ہوئے۔ غضب

ناک ہو کر کہنے لگی کہ میں نے تو خود ہی صاحبقراں کو رخصت کرنے کو چاہا تھا، لیکن میری سیج پر میری سوتوں کو لے کر سونا کیا ضروری تھا! اس کے عوض میں دیکھو تو، میں بھی صاحبقراں کے ساتھ کیسا سلوک کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر تخت پر سوار ہو کے مع فوجِ جرار صاحبقراں کی تلاش کو روانہ ہوئی۔ جاتے جاتے جب شیش محل میں پہنچی، معلوم ہوا کہ صاحبقراں شیش محل میں ہیں۔ قضا کار پہلے اسی حجرے میں گئی جہاں ارنائیس و لانیسہ سوتے تھے۔ تلوار کھینچ کر دونوں کے سر ایک ہی ہاتھ میں تن سے جدا کیے اور وہی لہو بھری تلوار امیر کے سر پر جا کے تولنے لگی۔ قریشہ جو ساتھ تھی، اس نے تلوار چھین کر کہا کہ کیا کروں، تو میری ماں ہے، نہیں تو اسی وقت خنجر مار کر تیری انتڑیوں کا ڈھیر کر دیتی۔ تیرا یہ مقدور کہ میرے جیتے جی کیسا، میرے روبرو میرے باپ پر ہاتھ اٹھاوے! آسمان پری دم کو لے رہی اور ایک رقعہ لکھ کر صاحبقراں کے پلنگ پر رکھ کے گلستانِ ارم کو چلی گئی۔

صبح جو ہوئی، اشقر جنگل سے آ کر اپنے ماں باپ کو موا دیکھ کے چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ اس کے رونے سے امیر کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھیں تو ارنائیس و لانیسہ دونوں بے سر پڑے ہیں۔ بہت سا افسوس کیا اور اشقر سے سمجھا کر کہا کہ شدنی سے کسی کو چارہ نہیں ہے۔ اگر مجھ کو معلوم ہو تو میں ان کے قاتل کو ابھی قتل کروں۔ تو نہ رو، اپنا ماں باپ مجھ کو سمجھ۔ میں فرزندوں کی طرح سے تجھ کو رکھوں گا۔ بعد ازاں دیکھیں تو ایک رقعہ پلنگ پر پڑا ہے اور لکھا ہے کہ میں نے اب کی بار خود چاہا تھا کہ تم کو دنیا کی طرف بھیج دوں، مگر معلوم ہوا کہ آپ کا آب و دانہ قاف سے نہ اٹھا ہے نہ اٹھے گا۔ یہ دو حرکتیں آپ کی مجھ کو بہت ناپسند ہوئیں۔ ایک تو میری سیج پر میری سوتن کو لے کر سونا، دوسرے مجھ سے بھاگ کر دنیا کی طرف عازم ہونا۔ پہلی حرکت کے عوض میں تو میں نے چاہا تھا کہ آپ کو بھی ارنائیس و لانیسہ کی طرح سے قتل کروں، لیکن قریشہ سے ناچار ہوئی کہ اس نے میرے ہاتھ سے تلوار چھین لی، اور دوسری حرکت کی سزا میں ارنائیس و لانیسہ کو میں نے قتل کیا، اور اب دیکھوں گی کہ تم دنیا کی طرف کیونکر جاتے ہو اور کون لے جاتا ہے۔ امیر رقعے کو پڑھ کر سن ہو گئے۔ ارنائیس و لانیسہ کو تجہیز و تکفین کر کے سات دن تک وہیں رہے۔ آٹھویں دن آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگے کہ اب میں دنیا کو کیونکر جاؤں گا! معلوم ہوا کہ اسی قاف میں سرگرداں رہوں گا۔ اشقر نے سن کر امیر سے عرض کی کہ آپ کس لیے ملول ہوتے ہیں؟ میں آپ کو دنیا میں پہنچا دوں گا۔ میری پیٹھ پر سوار ہو جائیے۔ امیر نے فرمایا، ان دونوں لڑکوں کو کیا کروں؟ وہ بولا کہ ان کو بھی سوار کر لیجیے۔ امیر نے دو چھینکے بنا کر ان دونوں لڑکوں کو اس میں بٹھلایا اور رکابوں کی طرح سے اِدھر اُدھر دونوں کو لٹکا لیا اور آپ اس کی پشت پر بیٹھے۔ اشقر امیر کو لے کر وہاں سے اڑا۔

کہتے ہیں کہ اشقر تمام دن میں ہزار فرسنگ جاتا تھا۔ القصہ، دریا پر سے تو اشقر اڑا چلا گیا، جب خشکی میں پہنچا، زمین کو قدم لگائے۔ ہوا اس سے پیچھے رہتی تھی۔ چار گھڑی دن باقی رہتے کوہِ نور کی ترائی میں پہنچا۔ امیر

لڑکوں کو لے کر اتر پڑے۔ دیکھا تو اس پہاڑ کے دامن سے حضرت خضر و الیاس چلے آتے ہیں۔ امیر دوڑ کر قدم بوس ہوئے اور عرض کی کہ یا حضرت، آسمان پری کے ہاتھ سے عاجز آ گیا۔ انھوں نے فرمایا کہ یا امیر، گھبراؤ نہیں، اس مرتبہ مقرر دنیا میں جاؤ گے۔ چلو ہماری والدہ صاحب نے، کہ بی بی آصفہ باصفا ان کا نام ہے، آپ کو رخصت کرنے کے واسطے بلایا ہے۔ امیر دونوں لڑکوں سمیت پہاڑ کے اوپر گئے۔ دیکھا کہ ایک گنبد ہے، بقعۂ نور کے فلک پر سے اس میں آتے جاتے ہیں۔ گنبد کے اندر جو گئے تو ایک پیر زال نورانی صورت کو مصلّے پر بیٹھے، ہاتھ میں تسبیح لیے، عبادتِ الٰہی میں مصروف پایا۔ امیر نے باادب ہو کر تسلیم کی۔ بی بی آصفہ نے سر چھاتی سے لگا کر فرمایا، اے فرزند، میں تیرے دیکھنے کی بہت مشتاق تھی۔ خوب ہوا جو تو یہاں آیا۔ اب خدا کے فضل سے جلد دنیا میں پہنچے گا۔ یہ کہہ کر ایک سو اگز کی کمند دے کر فرمایا کہ یہ کمند میری طرف سے عمرو کو دینا اور کہہ دینا کہ یہ کمند میرے ہاتھ کی بنی ہوئی ہے، اس کو محافظت سے اپنے پاس رکھنا، یہ تیرے بڑے کام آوے گی۔ جب چاہے گا اس سے دیو کو باندھ لے گا، اور جب اس پر درود پڑھ کر دم کرے گا یہ ہزار گز کی ہو جائے گی۔ بعد ازاں فرمایا کہ آج کی رات تم ہمارے مہمان ہو۔ امیر نے کہا کہ حضور میں حاضر رہنا میرا فخر ہے۔ صبح کو جب امیر نماز سے فارغ ہوئے، حضرت خضر نے کہا کہ یا امیر، اس گھوڑے کی نعلبندی ضرور ہے، نہیں تو یہ بیابانِ قاف طے نہ کر سکے گا۔ یہ فرما کر اشقر کے دونوں پر کاٹ کر اس کے نعل لگائے اور میخیں جڑیں۔ امیر نے کہا کہ یا حضرت، یہ پر کے نعل کب تک رہیں گے؟ فرمایا کہ تمھاری زندگی تک۔ جب اس کے چوتھے پاؤں کا نعل گرے تب جانیو کہ جامِ زندگی تمھارا معمور ہوا۔ اور ایک زین امیر کو دے کر کہا کہ یہ زین اس کی پیٹھ پر رکھو، سکندر نے ہفت اقلیم کا خراج خرچ کر کے اس زین کو تیار کروایا تھا۔ امیر اس زین کو اشقر پر باندھ کر چلنے کو تیار ہوئے۔

اب دو کلمے آسمان پری کے احوال میں بیان کروں۔ آسمان پری جب شیش محل سلیمانی سے گلستانِ ارم کو گئی، اس کے کئی دن کے بعد سرخ پوشاک پہن کر تخت پر بیٹھی اور عبدالرحمٰن سے سوال کیا کہ کچھ حمزہ کا حال تو بیان کرو کہ کس طرح ہے اور کہاں ہے۔ خواجہ نے رمل دیکھ کر کہا کہ امیر کوہِ نور پر پہنچے اور بی بی آصفہ باصفا والدۂ حضرت خضر دنیا کی طرف ان کو روانہ کیا چاہتی ہیں۔ یہ سن کر غصے سے لال ہو گئی اور بولی کہ بی بی آصفہ باصفا میری رعیت ہو کر بے اجازت میری میرے شوہر کو دنیا میں بھیجا چاہتی ہیں۔ ہاں، لاؤ سواری! تختِ ہوادار آن کر موجود ہوا۔ فی الفور سوار ہوئی اور ہوا کی طرح پہنچ کر کوہِ نور کو گھیر لیا اور تلوار پکڑ کے بی بی آصفہ باصفا کے روبرو گئی اور کہا کہ کیوں بی بی، کچھ تم کو میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے میرے شوہر کو اس کے ملک کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا؟ تم نہیں جانتی ہو کہ میرا غصہ بے ڈول ہے۔ میں نے اپنے بزرگوں کو ذرا سی بات پر بے حرمت کر ڈالا

ہے، تم تو کیا مال ہو۔ بی بی آصفہ باصفا نے اس کی گفتگوے نالائم سن کر کہا، او مردار، کیا بیہودہ بکتی ہے! تیرے بدن میں آگ لگے، خدا سے نہیں ڈرتی کہ مجھ سے ایسی گفتگو کرتی ہے؟ بی بی آصفہ باصفا کا یہ کہنا تھا کہ آسمان پری کے بدن سے شعلہ آگ کا نمودار ہوا اور وہ جلنے اور توبہ توبہ کرنے لگی۔ عبدالرحمٰن نے دوڑ کر قریشہ سے کہا کہ اب کوئی دم میں آسمان پری جل کر خاک ہوجائے گی۔ جلد امیر سے منت کر کے بی بی آصفہ باصفا سے تقصیر اس کی معاف کروادیں۔ قریشہ دوڑ کر امیر کے پاؤں پر گر پڑی اور کہنے لگی کہ بابا جان، خدا کے واسطے ان کی تقصیر معاف کرو اور میرے سر پر یہ بارِ احسان دھرو۔ امیر نے اٹھ کر بی بی آصفہ باصفا سے اس کی شفاعت کی۔ بی بی نے امیر کے کہنے سے اپنے وضو کا پانی آسمان پری کے اوپر چھڑکا، فوراً آگ بجھ گئی۔ آسمان پری غش کھا کر زمین پر گر پڑی۔ پریزاد اس کو تخت پر ڈال کر گلستانِ ارم کو لے گئے۔

بی بی نے اس شب کو بھی امیر کو مہمان رکھا۔ صبح کو حضرت خضر سے کہا کہ تم جا کر حمزہ کو دریاے خونخوار کے پار اتار آؤ۔ امیر نے بی بی کو تسلیم کر کے لڑکوں کو چھینکوں میں لٹکایا اور آپ سوار ہو کر حضرت خضر کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ چودہ پندرہ کوس گئے ہوں گے کہ ایک دریا نمودار ہوا جس کا دوسرا کنارہ چشم وہم کو بھی نظر نہیں آتا تھا۔ حضرت خضر نے کہا کہ یا امیر، دریاے خونخوار یہی ہے۔ تم سب اپنی آنکھیں بند کرلو۔ امیر نے اور لڑکوں نے آنکھیں بند کرلیں۔ حضرت خضر نے سات قدم جا کر فرمایا کہ اب آنکھیں کھول دو۔ امیر نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ دریا پشت کے پیچھے بہتا ہے اور حضرت خضر علیہ السلام نہیں ہیں۔ راوی لکھتا ہے کہ امیر چالیس دن منزل بہ منزل چلے گئے۔ اکتالیسویں دن دریاے اخضر پر پہنچے۔ دیکھیں تو عجب طرح کا دریا بے پایاں ہے کہ جس کا دوسرا کنارہ معلوم نہیں دیتا۔ کنارے کنارے اس دریا کے چلے۔ دسویں دن ایک قلعہ دکھائی دیا۔ امیر اس قلعے کو نیچے سے دیکھنے لگے۔ وہ شہر گاؤسروں کا تھا۔ کسی نے امیر کو دیکھ کر پہچانا، اپنے بادشاہ کو خبر دی۔ نام اس بادشاہ کا سمرات گاؤسر تھا۔ وہ زلازلِ قاف کے آنے کی خبر سن کر بہت خوش ہوا اور قلعے سے باہر آ کر امیر کے قدم آنکھوں سے لگائے اور قلعے میں لے جا کر بڑی دھوم سے امیر کی ضیافت کی اور کئی دن جشن رکھا۔ امیر نے سمرات شاہ سے کہا کہ اس دریا کے پار ہم کو اتار سکتے ہو؟ اس نے کہا کہ اگر میری بیٹی کو، کہ اروانہ اس کا نام ہے، اپنے عقد میں لاؤ تو کیا مضائقہ ہے، میں دریا کے پار آپ کو اتار دوں۔ امیر نے تو انکار کیا مگر لڑکوں نے سمرات شاہ سے کہا کہ تم شادی کی تیاری کرو، امیر کو ہم راضی کرلیں گے۔ بادشاہ نے اپنے دستور کے موافق شادی کی تیاری کی۔ لڑکوں نے امیر کو سمجھا کر عقد کروادیا۔ شب کو جو امیر اس کے ساتھ سوئے، اس نے چاہا کہ امیر کے گلے میں ہاتھ ڈال کے بوسہ لے۔ امیر نے ایک طمانچہ اس زور سے اس کے منھ پر مارا کہ اس کے آگے کے دانت جھڑ گئے۔ وہ روتی ہوئی اپنے باپ کے پاس گئی اور تمام احوال ظاہر کیا۔ اس نے دونوں لڑکوں

کو بلا کر پوچھا کہ زلازلِ قاف نے یہ کیا حرکت کی؟ لڑکوں نے کہا کہ ہمارے ملک کا دستور ہے، شبِ اول جورو کے دانت توڑ ڈالتے ہیں کہ ہمیشہ یادگاری رہے، اور اول بار آدم زاد سوائے نصفِ دریا کے جورو سے ہم بستر نہیں ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ دیو کی ذات تھا، اس نے جانا کہ سچ ہوگا۔ اسی وقت ایک جہاز منگوا کر اپنی بیٹی کو سوار کیا اور لڑکوں سے کہا کہ امیر کو خبر دو تا کہ وہ بھی سوار ہوں۔ دونوں لڑکے خوش خوش صاحبقراں کے پاس آئے اور جو کچھ گفتگو ہوئی تھی بیان کر کے بولے کہ چلیے، جہاز پر سوار ہو جائیے۔ امیر لڑکوں کی تقریر سن کر بے اختیار ہنس پڑے اور ان کے ساتھ جا کر جہاز پر سوار ہوئے۔ جب وہ جہاز نصفِ دریا پر پہنچا، اردانہ نے امیر سے ہم بستر ہونے کی خواہش کی۔ امیر نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں ڈال دیا اور ناخدا سے کہا کہ جلد جہاز کو پار پہنچاؤ، نہیں تو تم میں سے ایک کو جیتا نہ چھوڑوں گا۔ ناخدا نے خوف کے مارے چار پانچ پالیں مستول پر اُڑھا کے فوراً پار پہنچا دیا۔ امیر لڑکوں کو لے کر کنارے پر اترے اور پوستِ گرگ پر بیٹھ کر کلچۂ خضر نکال کے آپ بھی کھایا اور خواجہ آشوب و بہلول کو بھی کھلایا اور وہاں سے آگے کو چلے۔ دوسرے دن جو بھوک لگی، فرمانے لگے کہ اب تو کلچہ کھاتے کھاتے جی گھبرا گیا، بے اختیار جی نمکین کھانے کو چاہتا ہے۔ یہ کہتے ہی تھے کہ سامنے سے ایک ہرن نکلا۔ امیر نے اس کو شکار کر کے کباب لگائے، آپ بھی کھائے اور دونوں لڑکوں کو بھی کھلائے اور اسی جگہ پتھر کی چٹان پر آرام کیا۔ صبح کو اٹھ کر بدستور سوار ہو کے روانہ ہوئے۔

داستان شاہِ عیارانِ عیار پیکِ خنجر گذار خواجہ عمرو عیار

راویانِ شیریں سخن بیان کرتے ہیں کہ جب عمرو کو قلعۂ دیودو میں رہتے ڈیڑھ برس کا عرصہ ہوا، عنتر دیودوی بادشاہِ قلعۂ دیودو سے پوچھا کہ یہاں سے نزدیک کوئی اور بھی ایسا قلعہ ہے کہ جہاں چند روز امن سے رہیے؟ اس نے کہا کہ یہاں سے بیس کوس کے فاصلے پر تلوا بحر نامی قلعہ کوہ پر واقع ہے۔ تین طرف اس قلعے کے دریائے عظیم الشان جاری ہے اور ایک طرف خشکی ہے، اور اس قلعے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ بھی ایسا تنگ ہے کہ دو آدمی برابر جا نہیں سکتے، اور اگر ایک آدمی اوپر سے پتھر لڑھکا دے تو ہزار آدمی نیچے دب جاویں۔ بادشاہِ ہفت کشور اگر اس قلعے کو لینا چاہے تو سوائے ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آوے۔ عمرو نے کہا کہ اس قلعے کا لینا بہت آسان ہے مگر یہاں سے نکلنا مشکل ہے۔ عنتر دیودوی نے کہا کہ اس قلعے میں ایک سرنگ ہے، اس میں ہو کر کیوں نہ چلیے۔ عمرو نے اسی دم حرمِ امیر کو سواریوں پر سوار کیا اور اپنی فوج کو ہمراہ لیا اور سرنگ کی راہ سے نکل کر قلعۂ تلوا بحر کی راہ لی۔

دوسرے دن چار گھڑی رات گئے قلعۂ تلوا بحر کے متصل پہنچا۔ لیکن عمرو جانے کو تو گیا مگر حیران ہوا کہ قلعہ کیونکر لیجیے۔ لڑنے سے تو یہ قلعہ ہاتھ نہ آئے گا۔ عمرو تو نے بڑی نادانی کی کہ بے قلعہ لیے کوچک و بزرگ کو اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔ اگر ابھی ہرمز و فرامرز فوج لے کر آ پہنچتے ہیں تو بڑی قباحت ہوتی ہے۔ بہرحال، کچھ عیاری کیا چاہیے۔ فکر کرتے کرتے یہ عیاری خیال میں آئی، چار سو صندوقوں میں چار سو پہلوان مسلح کر کے بند کیے اور آپ سوداگر بن کے دو عیار بچیوں کو لونڈیوں کی صورت بنا کر صندوقوں کے اونٹوں پر لاد کے قلعے کے نیچے جا اترا۔ قلعے والوں نے فصیلوں پر سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ بولا کہ میں سوداگر ہوں، نوشیرواں نے مجھ کو اسباب خریدنے کے واسطے ظلمات کی طرف بھیجا تھا، سو میں لے کر آیا ہوں۔ یہ خبر جمشید شاہِ تلوا بحر کو پہنچی۔ اس نے ہامان نامی اپنے وزیر کو بھیجا کہ دیکھو تو، کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ ہامان نے عمرو کے خیمے پر آ کے

لوگوں سے کہا کہ اپنے مالک کو خبر دو کہ بادشاہ کا وزیر آپ کی ملاقات کو آیا ہے۔ عمرو نے سن کر کہا کہ کہہ دو، آرام میں ہیں۔ وزیر بیچارہ دو گھڑی تک کھڑا رہا، آخر ناچار ہو کر کہا، اچھا اس وقت میں جاتا ہوں، پھر آؤں گا۔ جب عمرو نے سنا کہ وہ جاتا ہے، تب کہلا بھیجا کہ ٹھہریے، آپ جاگے ہیں۔ بارے ایک ساعت کے بعد عمرو نے اس کو خیمے میں بلایا۔ ہامان نے دیکھا کہ ایک پیر مرد نورانی صورت مسند پر بیٹھا ہوا ہے اور مومی کافوری بتیاں روبرو روشن ہیں۔ ہامان نے سلام کیا۔ چونکہ عمرو پہلے سے وزیر کا حسب و نسب دریافت کر چکا تھا، عمرو نے سلام کا جواب دے کر پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کیا نام ہے؟ ہامان نے کہا کہ میں جمشید کا وزیر ہوں اور نام میرا ہامان ہے۔ عمرو نے پوچھا کہ کیا تو رحمان کا بیٹا ہے۔ ہامان بولا کہ جی، میں رحمان کا بیٹا ہوں۔ پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ ہامان نے کہا کہ انھوں نے انتقال کیا اور والدہ صاحبہ نے بھی رحلت کی۔ عمرو نے ہائے بھائی وائے بھائی کہہ کر عمامہ سر کا زمین پر پھینک دیا اور کہنے لگا کہ حیف صد حیف، پھر بھائی کا دیدار میسر نہ ہوا۔ خنجر کو کھینچ کر بولا کہ میں بھی اب جی کر کیا کروں گا، اپنا جوہر کروں گا۔ ہامان نے عمرو کا ہاتھ پکڑ لیا اور تسکین دے کر پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ عمرو بولا کہ خواجہ شبپال بن کربل بن طویل ظلماتی میرا نام ہے، اور فرزند میرے، تو انھیں دنوں میں پیدا ہوا تھا کہ نوشیرواں نے مجھے اسباب خریدنے کو ظلمات بھیجا۔ اب جو پھرا تو بھائی کی سنائی سنی۔ ہامان نے کہا کہ قضا سے کس کو چارہ ہے، شدنی جو تھی سو ہوئی۔ صبر کیجیے اور قلعے میں چل کر استراحت فرمائیے۔ عمرو اس کے ہمراہ ہوا اور آدمیوں سے کہا کہ مال و اثقال کو قلعے میں لے آؤ۔ اثنائے راہ میں ہامان نے پوچھا کہ آپ کیا کیا ظلمات سے لائے ہیں؟ عمرو نے کہا کہ اکثر وہاں کا تحائف ہے، مگر دو لونڈیاں ایسی خوبصورت لایا ہوں کہ جوت ان کے رخساروں کی ماہ و خورشید کو شرمندہ کرتی ہے۔ ہامان نے کہا کہ ہمارا بادشاہ بھی بہت عاشق مزاج ہے۔ اگر ان لونڈیوں کو اسے دیجیے تو کمال خوش ہوگا۔ عمرو نے قلعے میں اتر کے دونوں عیار بچیوں کو محافے میں بٹھلا کے ہامان کے پاس بھیج دیا۔ ہامان ان کو خوشی خوشی اپنے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ ان کو دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ اسی وقت شراب طلب کی اور انھیں عیار بچیوں کے ہاتھ سے پینے لگا۔ انھوں نے دوائے بیہوشی ملا کر چند جام پلائے تھے کہ جمشید بیہوش ہوگیا۔ عمرو نے اس طرف صندوقوں کو کھول کر پہلوانوں کو نکالا اور اسی وقت ہامان کو زندہ پکڑ کے قلعگیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ قلعگیوں نے امان چاہی۔ عمرو نے کہا کہ جو کوئی مسلمان ہو جائے اس کو امان دو۔ سب ہی نے اسلام قبول کیا۔ جمشید کو بھی ہوش میں لا کر عمرو نے مسلمان کیا۔ ہامان نے دیکھا کہ بادشاہ تک تو مسلمان ہوا، اس نے بھی اسلام قبول کیا۔ عمرو صبح ہوتے ہی اپنی وضع پر قلعے کو آراستہ کر کے بہ اطمینانِ تمام، حسبِ دستور فیل بند، دروازے پر نمگیرہ کھینچ کر بیٹھا۔ عمرو کے آنے کے بعد ہرمز و فرامرز کو معلوم ہوا کہ عمرو قلعۂ دیو دو سے قلعۂ تلوابجر میں گیا۔ بادشاہ کو اطلاعی عرضی بھیج کر مع لشکر تلوابجر

پرآئے اور قلعے کی زد سے بچ کر اتر پڑے۔

اب ذرا نوشیرواں کا حال سنیے۔ دربارِ عام میں بیٹھا ہوا تھا کہ ہرمزو فرامرز کی عرضی پہنچی۔ عرضی کے مضمون سے مطلع ہو کر سر دھننے لگا اور کہا کہ یارو، کوئی تدبیر ایسی نہیں ہوتی کہ یہ ساربان زادہ گرفتار ہو یا مارا جائے۔ بختک نے کہا کہ میرا کہنا تو آپ مانتے نہیں، بزرجمہر کے سخن پر عمل کرتے ہیں، اور وہ مذہب کے تعصب سے آپ کو خراب کرے گا۔ حمزہ قاف میں کب کا مارا گیا مگر بزرجمہر کے جلانے سے جیتا ہے۔ اچھا آپ کے روبرو بزرجمہر بھی قرعہ پھینکے اور میں بھی قرعہ پھینکوں، دیکھیے تو کون سچا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ بات تو اچھی کہی۔ اسی وقت بزرجمہر اور بختک سے اپنے روبرو قرعہ پھنکوا کر دونوں سے حکم لکھوایا۔ قضا کار جس وقت یہاں قرعہ پھینکا گیا اس وقت رخ نامی جانور نے امیر کو دو سو کوس کی اونچائی سے بحرِ اخضر میں پھینکا تھا۔ بختک نے احکام میں یہی لکھا کہ امیر کو ایک جانور نے دو سو کوس کی اونچائی سے دریا میں پھینک دیا ہے، اور بزرجمہر نے احکام میں لکھا کہ امیر کوئی دن میں آ پہنچتے ہیں۔ پہلے بختک کا احکام پڑھا گیا۔ بادشاہ نے بزرجمہر کی طرف دیکھا۔ بزرجمہر نے کہا کہ فی الحقیقت ہی جانور نے امیر کو بحرِ اخضر میں پھینک دیا تھا لیکن خواجہ خضر و مہتر الیاس نے اپنے ہاتھوں پر لے لیا۔ بزرجمہر کا جو احکام پڑھا گیا، بادشاہ نے بختک کی طرف دیکھا۔ وہ بولا کہ حمزہ ہے کہاں کہ اس ملک میں آوے گا؟ حضور کا قیاس چاہتا ہے کہ آدمی دو سو کوس کی بلندی سے گر کے جیتا رہے؟ یہ کہہ کر بولا کہ قاف تو دور ہے، حضور ایک گابھن مادہ گاؤ منگواویں، میں بھی قرعہ پھینک کر اس کا رنگ بتلاؤں اور خواجہ بزرجمہر بھی بتلاویں۔ بعدازاں اس کا پیٹ چاک کر کے بچے کو دیکھا جائے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ اگر بزرجمہر کا حکم درست نکلے تو مجھ کو بزرجمہر کے حوالے کیجیے اور جو ان کا جی چاہے سو مجھ کو کریں، اور اگر میرا حکم صحیح ہو تو بزرجمہر میرے حوالے ہوں، میں جو چاہوں سو ان کے حق میں کروں۔ بادشاہ نے بزرجمہر سے کہا کہ یہ کیا کہتا ہے؟ بزرجمہر نے کہا کہ اچھا کہتا ہے۔ اسی دم گابھن گائے منگوائی گئی۔ بختک نے قرعہ پھینک کر کہا کہ اس کے بچے کا رنگ سیاہ اور پیشانی سفید ہے، اور بزرجمہر نے کہا کہ فی الحقیقت رنگ اس کا سیاہ ہے مگر پیشانی بھی کالی ہے، چاروں پاؤں البتہ سفید ہیں۔ گائے کا پیٹ چاک کر کے بچہ جو نکالا گیا، اتفاقاً اس کی پیشانی پر جھلّی آ گئی تھی، اس کو سبھوں نے سفیدی سمجھ کر کہا کہ شرط بختک جیتا۔ بختک نے بزرجمہر کو اپنے گھر لے جا کر چاہا کہ قتل کرے۔ جورو نے اس کی منع کیا کہ ہرگز ہرگز بزرجمہر کو نہ مارنا، نہیں تو بہت پچھتائے گا۔ بختک بھی کچھ سوچ کر بزرجمہر کے قتل کرنے سے باز رہا، لیکن کور باطن نے ازراہِ بدذاتی نیل کی سلائیاں بزرجمہر کی آنکھوں میں پھیر دیں۔ اتفاقاً اسی دن سعد زریں ترکش و اسعد زریں ترکش نوشیرواں کے بھانجے ملازمت کے واسطے آئے۔ اس گائے کے بچے کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بادشاہ نے تمام کیفیت بیان کی۔ سعد زریں ترکش نے خنجر کی

نوک سے اس کی پیشانی کی جھلی جو دور کی، سبھوں نے دیکھا کہ پیشانی اس کی سیاہ ہے، سفیدی کا ایک نقطہ بھی نہیں ہے۔ بادشاہ نے اسی دم بختک کو بلا کر اس بچے کو دکھلا کے فرمایا کہ شرط تو ہارا اور بزرجمہر جیتا۔ ہاں، بزرجمہر کو بلواؤ۔ بختک بولا کہ میں نے تو بزرجمہر کو اندھا کر دیا ہے۔ بادشاہ نے ہاتھ پر ہاتھ مار کے کہا کہ اے کور باطن، یہ کیا غضب کیا! بختک کو تو ستونِ بارگاہ میں بندھوا کر اتنی جوتیاں لگوائیں کہ تمام بدن اس کا کوٹ کانگڑے والوں کے کام کا ہو گیا، اور خود سوار ہو کر بختک کے گھر سے بزرجمہر کو لے آئے اور کہا کہ خواجہ، تم ہی جیتے مگر شدنی یوں تھی، اس واسطے اُس وقت دھوکا ہوا۔ اب جو سزا کہو وہ بختک کو دی جائے۔ خواجہ نے کہا کہ اس کو سزا دینا کچھ ضرور نہیں ہے، میری قسمت میں یہی لکھا تھا جو ہوا۔ صاحبقراں جب آویں گے، ایک درخت کے دو پتے لیتے آئیں گے، ان پتوں کے عرق سے آنکھیں میری اچھی ہو جائیں گی۔ بالفعل مجھ کو رخصت ملے کہ میں بصرے میں تا آنے حمزہ کے بسر کروں گا۔ اور یاد رہے کہ سترہ برس تک آپ کی حرمت بچائی، اب دیکھیے کہ کیا ہوتا ہے۔ یقیناً ان نمک بہ حرامانِ کج فہم کے شورے سے عمرو کے ہاتھوں آپ ذلیل و خوار ہوں گے۔ اور حمزہ جس دن آوے گا، پہلے سر شاہانِ مشرق کے آپ کے پاس آویں گے اور اس کے دوسرے دن ایک گھوڑا آپ کے لشکر پر شبخون مارے گا اور اس کی صبح کو حمزہ آپ کو شکستِ فاش دے گا۔ بزرجمہر یہ کہہ کر بادشاہ سے رخصت ہو کے اپنے گھر آئے اور گھر سے بصرے کی طرف روانہ ہوئے۔ بختک جو جوتیاں کھا کر بیہوش ہو گیا تھا، بادشاہ نے اس کو جلوخانے میں پھنکوا دیا۔ ہرگاہ اس گبر کو ہوش آیا۔ جلوخانے سے اٹھ کر اپنے گھر گیا۔ دس بارہ دن تک ہلدی کی پوٹلیوں سے بدن کو سنکوایا کیا، ہرگاہ تندرست ہوا، پھر دربار میں حاضر ہوا۔

نوشیرواں نے بختک کو دیکھ کر کہا کہ اس بے حیا کو کس نے دربار میں بار دیا؟ حاضرین نے شفاعت کروائی۔ چند روز تک تو وہ بے خرد ناعاقبت اندیش چپ رہا، بعد ازاں پھر بادشاہ کو عمرو کی مہم پر جانے کی ترغیب دی۔ آخر شدہ شدہ بادشاہ کے بھی دل میں آیا کہ بختک سچ کہتا ہے، میرے بغیر گئے یہ مہم سر نہ ہو گی۔ کئی لاکھ سوار و پیدل ساتھ لے کر قلعۂ تلوابحر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب متصل پہنچے ہرمز و فرامرز و ژوبین و بیجن و بختیارک نے استقبال کر کے بادشاہ کو خیمہ گاہ میں داخل کیا۔ شب کو سرِ محفل بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ اتنے دنوں سے یہ لوگ یہاں ہیں مگر اب تک ایک پیادے کو پکڑ نہ سکے۔ اب دیکھو کہ میں کس طرح سے اس کو گرفتار اور مسلمانوں کو قتل کرتا ہوں۔ سب ایک منھ ہو کر بولے کہ ہم لوگوں میں اور حضور میں پانچا بیسی کا تفاوت ہے۔ بارے رات کی رات تو بادشاہ نے آرام کیا، صبح کو اٹھ کر بعدِ فراغِ ضرورت فوج لے کر سوار ہوئے اور قلعے کو تنہا جا کر دیکھنے لگے۔ عمرو شامیانۂ اطلس چینی کے نیچے کرسیٔ جواہر نگار پر بیٹھا ہوا تھا اور سرداران و شہریاران و پہلوانانِ گردن کش پشت پر ہاتھ باندھے کھڑے تھے اور مورچوں پر جابجا سردار قائم تھے۔ عمرو نے کمان

ہاتھ میں اٹھ کر بادشاہ کی طرف کئی قلاب دے کر کہا کہ او آتش پرست، تو آیا تو اپنے پاؤں سے ہے مگر بھاگے گا کس کے پاؤں سے؟ دیکھ تو تیری کیسی گت بناتا ہوں۔ تو تو، میں عمرو، کہ تجھ کو چھٹی کا دودھ یاد دلاؤں۔ بادشاہ عمرو کی تقریر سن کر کانپ گیا اور بختک سے کہنے لگا کہ سنتا ہے، عمرو کیا کہتا ہے۔ اس بے حیا نے کہا کہ دور سے جو چاہے سو کہہ لے کہ زبان اس کی اس کے منہ میں ہے، مگر کر کچھ بھی نہیں سکتا۔ فوج کو حکم دیجیے کہ قلعے پر ہلّہ کرے۔ بادشاہ نے لشکر کو حکم دیا کہ ہاں ہلّہ کر کے قلعہ لے لو۔ فوج نے گھوڑوں کی باگ لی۔ ہرگاہ قلعے کی زد پر پہنچے۔ قلعے پر سے ضربیں چلنے لگیں۔ آناً فاناً میں ہزار جوان بادشاہ کے لشکر کا مارا گیا اور فوج نے گھونگھٹ کیا۔ بادشاہ اکیلے کیا کرتے، آپ بھی فوج کے پیچھے پیچھے خیمہ گاہ پر آئے۔ بختک نے کہا کہ حضور، کہیں اس طرح سے بھی قلعے ہاتھ آتے ہیں! ناحق ناحق ہزار جوان بھی قتل کروائے اور آپ بھی شکست کی بدنامی لی۔ نوشیرواں نے کہا کہ اے مردک بدذات، تو ہی نے تو کہا تھا کہ فوج سے ہلّہ کرنے کو فرمائیے۔ بولا کہ سچ ہے، میں بھول گیا تھا۔ بہرحال، جو ہوا اچھا ہوا۔ اگر ہزار آدمی مارے گئے تو مارے گئے، عمرو کو تو معلوم ہوا کہ حضور لڑنے کے ارادے پر آئے ہیں۔ نوشیرواں نے کہا کہ کیا حرامزادہ ہے! کبھی کچھ کہتا ہے، کبھی کچھ کہتا ہے۔

اب ذرا عمرو کا حال سنیے۔ اپنے سردارانِ لشکر سے کہا کہ قلعے سے تم خبردار رہنا، میں ذرا نوشیرواں کو گوشمالی دے آؤں۔ یہ کہہ کر لباسِ شاہانہ اتار کسوتِ عیاری اپنے بدن پر درست کر کے، ایک نٹ کی صورت بن، ابوسعید لنگری اور ابا سعید خرقہ پوش کو، کہ فنِ عیاری میں عمرو کے شاگردِ رشید ہیں، خوبصورت خوبصورت عورتیں بنا، قلعے سے باہر نکل، ایک پھٹا ڈھول اپنے گلے میں ڈال، نوشیراوں کے خیمے کے متصل ایک کملی تان کر لگا ڈھول بجانے اور یہ یہ کہہ کر عیار بچیوں کو نچوانے گوانے۔ تھوڑی سی دیر میں بہت سی خلقت جمع ہوگئی۔ اتفاقاً ژوپین و بیجن سوار چلے آتے تھے۔ وہ بھی بھیڑ دیکھ کر اس طرف کو گئے۔ عیار بچیوں نے جو اُن سے آنکھیں لڑا کر جھانولیاں لے لے کے ناز و غمزہ کرنا اور اپنی چھب تختی دکھانا شروع کیا، دونوں کے دونوں لٹو ہوئے۔ ژوپین نے سرخ پوش کو پسند کیا اور بیجن نے سبز پوش کو۔ پھر بایکدیگر صلاح کر کے بادشاہ سے ان کے گانے بجانے کی تعریف اور حسن و جمال کا حال بیان کیا کہ بے اختیار بادشاہ نے مشتاق ہو کر ان کو طلب کیا۔ عمرو نے اس دن ایسا ڈھول بجایا اور عیار بچیوں نے اس لطف سے گایا کہ چھوٹا بڑا محو ہوگیا۔ نوشیرواں نے اس محویت کے عالم میں انھیں عیار بچیوں کو ساقی گری کا حکم دیا۔ دو ساعت کے بعد ایک سرے سے سب کی آنکھوں میں سرسوں پھولی۔ لگے عجائبِ بیہوشی دیکھنے۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ سب کے سب بالاتفاق یہ کہہ کر اپنی اپنی نشست گاہ سے کودے کہ یارو، غوطہ لگاؤ، دریا جوش پر ہے۔ پھر تو خموشی کے قفل ان کے بابِ دہن میں لگ گئے۔ عمرو نے باہر نکل کے شاگرد پیشے کو بھی بیہوش کیا اور لگا دست درازی کرنے۔ جہاں تک اسباب خیموں میں تھا، فرش

تک اٹھا کے نذرِ زنبیل کیا اور نوشیرواں کی ڈاڑھی مونچھیں پیشاب سے مونڈ کے، ہمہ تن برہنہ کرکے ہاتھ پاؤں تو نیل سے رنگے اور منھ کالا کرکے چونے کے ٹیکے دیے، اور بختک و بختیارک کی ڈاڑھی مونچھیں مونڈ کر سات سات چوٹیاں سر پر رکھیں، اور بختیارک کے سر میں سیندور بھر کے، ٹانگیں اس کی بختک کی کمر سے باندھ دیں اور آلۂ تناسل بختک کا تیل سے چکنا کرکے بختیارک کی مقعد میں کسی قدر دخول کیا، اور ژوپین وبیجن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا، اور شاہزادوں کو بھی برہنہ کرکے ہفت رنگی ٹیکے دیے، اور جتنے سردار کرسی نشین تھے سب کی ایسی گت بنائی، اور ایک کاغذ اس مضمون کا کہ اے گبر، ڈاڑھی مونچھوں کا خراج مہینے کے مہینے میرے پاس بھیج دیا کر، نہیں تو ایک بال رکھنے نہیں پائے گا، اور معلوم ہو تجھ کو کہ میں نے صاحبقراں کی خاطر سے، کہ اس کا تو سسرا ہے، تجھ کو جان سے نہیں مارا، اسی قدر خدمت گذاری کی، لکھ کر نوشیرواں کے گلے میں باندھ دیا اور آپ مع ہردو عیار قلعے میں داخل ہوا۔

جب صبح ہوئی، بیہوشوں کو ہوش آیا، اور بختک کو جو نعوظ ہوا، آنکھیں تو خمار سے بند تھیں، عورت سمجھ کر دھکے دینے لگا۔ جب بختیارک کی مقعد پھٹی، غل مچانے اور کہنے لگا کہ ہیں ہیں! باپ ہو کر کیا کرتے ہو۔ لوگ یہ تکرار سن کر چاروں طرف سے دوڑے۔ دیکھیں تو واہ واہ! باپ بیٹے سے اغلام کر رہا ہے اور بے تکلف ایک دوسرے کی صورت دیکھ کر ہنستا تھا اور اپنی خبر ہی نہ تھی۔ نوشیرواں جو جاگا، آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر نہایت پشیمان ہوا۔ رقعہ گلے سے نکال کر جو پڑھا تو معلوم ہوا کہ عمرو نے یہ گت بنائی۔ حمام جا کر پوشاک بدل، تخت پر بیٹھ، بختک کو طلب فرمایا، سرِ دربار مشکیں بندھوائیں اور یہاں تک جوتیاں لگوائیں کہ بیہوش ہو گیا۔ شاہزادے اور سردارِ فوج جو شفاعت کرنے لگے، نوشیرواں نے ایک کا کہنا نہ مانا۔ فرمایا کہ میری بے حرمتی اور ذلت عمرو کے ہاتھوں اس گردن زدنی نے کروائی۔ حیف صد حیف کہ بزرجمہر کا کہنا میں نے نہ مانا، نہیں تو آج یہ خواری میری نہ ہوتی۔ آخر لوگوں کے کہنے سننے سے اس کو جلوخانے میں ڈلوا دیا اور ایک نامہ صابر نمد پوش کے ہاتھ ہامان کے پاس بھیجا کہ اے ہامان، شاہ عمرو بڑا ہی مفتری ہے، اس سے غافل نہ رہنا اور قلعے کو اپنے کسی رفیق کو، کہ بہت ہوشیار ہو، بخوبی اونچ نیچ سمجھا کر سونپ کے، جلد میرے پاس آ۔ اور دوسرا نامہ ساوا عیار کے ہاتھ شیر شاہ بادشاہِ قیروانِ مغرب کے نام روانہ کیا۔ مضمون دونوں ناموں کا ایک ہی تھا۔

خلاصہ، پہلے صابر نمد پوش ہامان شاہ کے پاس پہنچا اور نامے کا جواب لے کر جلد تر نوشیرواں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہامان شاہ نے جواب میں لکھا تھا کہ عمرو تو کیا مال ہے، فرشتہ بھی اگر آوے تو قلعے میں نہ آنے پاوے، اور میں بھی عنقریب شاہنشاہ کی خدمت میں مع فوج پہنچتا ہوں۔ ساوا جو شیر شاہ کے پاس نامہ لے کر گیا، اس نے بھی ایسا ہی کچھ نوشیرواں کو جواب لکھا اور چلتے وقت ساوا سے کہنے لگا کہ میں ایک بات تجھ سے کہوں اگر تو کسی

کے روبرو نہ دہرائے، بشرطیکہ تدبیر بھی اس امر کی کرے۔ سماوا نے قبول کیا۔ شیر شاہ نے کہا کہ مدت ہوئی میں نے مہر نگار کی تصویر دیکھی تھی، جب سے میں اس پر عاشق ہوں۔ اگر کسی تدبیر سے مہر نگار کو مجھے لادے تو میں نصف سلطنت اپنی تجھ کو دوں۔ سماوا نے کہا کہ میں زبانی نہیں مانتا، آپ مجھے لکھ دیجیے تو البتہ میں جان جوکھوں کروں۔ شیر شاہ نے اسی دم ایک اقرار نامہ لکھ کر سماوا کے ہاتھ میں دیا۔ سماوا وہاں سے آتے ہی قلعے کے گرد پھر کر جانے کا راستہ تاکنے لگا۔ خشکی کی النگ سے تو ٹھکانا نہ لگا، ایک کشتی پر سوار ہو کے پہاڑ پر گیا۔ برجوں پر مورچے والوں کو ہوشیار پایا۔ پھرتے پھرتے ایک برج سنسان معلوم ہوا۔ سماوا نے ایک ڈھیلا اس برج پر پھینکا۔ جواب نہ پایا۔ سمجھا کہ اس برج پر یا تو کوئی ہے نہیں، یا سب سوتے ہیں۔ کمند پھینک کر برج پر گیا اور اسی برج کی سیڑھیوں سے نیچے اترا۔ رات تو ایک گوشے میں بیٹھ کر کاٹی، صبح اِدھر اُدھر رہنے کا ٹھکانا ڈھونڈنے لگا۔ جب کہیں ٹھہرنے کا موقع نہ دیکھا، حمام میں گیا اور ایک کونے میں بیٹھ کر نہانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ بلبل مطبخی مہر نگار کا پہنچا۔ چونکہ یہ مردود ظاہر میں مسلمان اور باطن میں بت پرست تھا، اسی حمام میں جا کر ہر روز بت پرستی کیا کرتا تھا۔ اس دن جو غسل کر کے پرستش کرنے لگا، سماوا نے سامنے آ کر صاحب سلامت کی۔ خلیفہ بلبل کے طائرِ ہوش اڑ گئے کہ اگر یہ شخص عمرو سے کہے گا تو عمرو گردن مروڑ دے گا۔ اس سے بہ آشتی و تملّق باتیں کرنے لگا۔ سماوا نے پوچھا کہ تمھارا کیا نام ہے اور اس سرکار میں کس خدمت پر مامور ہو؟ اس نے کہا کہ میں مہر نگار کا خاص پُز ہوں، لیکن بھائی، برائے خدا میری پرستش کا حال کسی سے نہ کہنا۔ سماوا بولا کہ تم خاطر جمع رکھو، میں تمھاری سرکار سے متعلق نہیں ہوں، میں تو نوشیرواں کا عیار ہوں، مہر نگار کے لے جانے کے واسطے آیا ہوں۔ اگر خلیفہ صاحب، آپ مدد کریں تو یہ مشکل آسان ہوتی ہے۔ خلیفہ بلبل نے کہا کہ میں ہمیشہ لات و منات سے عرض کیا کرتا ہوں کہ کسی طرح مہر نگار نوشیرواں تک پہنچے، سو لات و منات نے میری دعا کو مستجاب کیا کہ تم کو اس ارادے سے بھیجا۔ آؤ باورچی خانے میں میرے ساتھ چلو۔ سماوا خوش خوش باورچی خانے میں گیا اور ہر قسم کے کھانے میں داروے بیہوشی ملائی۔ جب مہر نگار نے خاصہ تناول کیا، ہر کس و ناکس نے بھی حسبِ معمول محل میں کھایا۔ مگر اس دن حسنِ اتفاق سے عمرو نے کھانا نہیں کھایا اور محل میں بھی نہیں گیا۔ دو گھڑی کے بعد محل میں سب بیہوش ہو گئے۔ سماوا نے مہر نگار کا پشتارہ باندھ کر خلیفہ بلبل کو اپنے ساتھ لیا، اور جس راہ سے آیا تھا اسی راہ سے روانہ ہوا۔ جب نوشیرواں کے خیمے کو چھوڑ کر صحرا کی طرف چلا، خلیفہ بلبل نے پوچھا کہ اِدھر کہاں جاتا ہے؟ سماوا نے کہا کہ شیر شاہ نے مجھ سے مہر نگار کو طلب کیا تھا، اس کے لیے جاتا ہوں۔ خلیفہ بلبل بولا کہ یہ تو کبھی نہ ہوگا۔ تو نے مجھ سے کہا تھا کہ میں نوشیرواں کے پاس لے جاؤں گا اور اب غیر شخص کے پاس لے جاتا ہے۔ دونوں کے بایکدیگر تکرار ہونے لگی۔ سماوا نے ایک خنجر خلیفہ بلبل کے گردے میں ایسا مارا کہ

روح اس کی قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، اور آپ قیروانِ مغرب کی طرف چلتا ہوا۔

عمرو کا حال سنیے۔ بے خبر پڑا سوتا تھا کہ امیر نے خواب میں فرمایا، کیوں عمرو، ایسی ہی نگہبانی کرتے ہیں؟ مہر نگار کو تو بتاؤ کہ کہاں ہے؟ عمرو خواب سے چونک پڑا۔ ہڑبڑا کے محل میں گیا۔ دیکھے تو مہر نگار کا پلنگ خالی ہے۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈ کر فصیلوں برجوں پر دیکھا۔ ایک برج کی طرف کمند نظر آئی۔ جھٹ پٹ سلاحِ عیاری بدن سے لگا کر، اسی کمند پر سے نیچے اتر کے، قدم پر قدم رکھتا ہوا چلا۔ اثنائے راہ میں خلیفہ بلبل کو مقتول پایا۔ معلوم ہوا کہ حریف اس سے مل کر مہر نگار کو لے گیا۔ وہ راہ چھوڑ کے دوسرے راستے سے آگے جا کر ایک درخت کے سائے میں ہرگ چھالا بچھا کر بیٹھا اور ایک گھڑا پانی کا رکھ کے، الاؤ سلگا کر مداریا حقہ اپنے سامنے رکھ لیا۔ ایک ساعت نہ گذری تھی کہ ساوا پشتارہ لے کر پہنچا۔ فقیر کا تکیہ سمجھ کر ستانے کو بیٹھ گیا۔ عمرو سے کہنے لگا کہ شاہ صاحب، پیاسا ہوں، تھوڑا پانی پلاؤ۔ عمرو نے کہا کہ بابا، گھڑا پانی کا سامنے رکھا ہوا ہے، انڈیل کر پی لو۔ ساوا نے چاہا کہ گھڑے سے پانی انڈیلے کہ دفعتاً اس کا دل کانپا۔ پانی کو جو دیکھا، داروے بیہوشی اس میں ملی پائی۔ پینترا بدل کر بولا کہ اوسار بان زادے، مجھ سے دغا بازی کرتا ہے! میں تیرے دم میں کب آتا ہوں۔ آخر میں بھی عیار ہوں۔ یہ کہہ کر عمرو کے سامنے سے بھاگا۔ عمرو خنجر نکال کر اس کے پیچھے دوڑا اور ایک پھلانگ مار کے اس سے آگے نکل گیا۔ اس نے بھی پشتارے کو زمین پر رکھ کر، خنجر نکال کے سامنے کیا۔ دونوں میں خنجر بازی ہونے لگی۔ عمرو نے کمند کمر سے نکال کر حلقے کمند کے کشادہ کیے اور للکارا کہ یارو، دیکھتے کیا ہو، اس کو مارلو۔ ساوا نے جانا کہ اس کے شاگرد آپہنچے ہیں۔ پھر کر دیکھا تھا کہ عمرو نے کمند کے حلقے اس کی گردن میں ڈال کر کھینچا۔ منھ کے بل آرہا۔ عمرو نے پشتارے کو تو کاندھے پر رکھا اور اس کو مشکیں باندھ کر اپنے ہمراہ لیا، اور آناً فاناً قلعے میں پہنچ کر ساوا کو تو قید کیا اور مہر نگار کو محل میں لے جا کر ہوش میں لایا۔ مہر نگار نے دیکھا کہ میں بندھی ہوئی پڑی ہوں۔ عمرو سے پوچھا کہ بابا، مجھے کاہے کو باندھا ہے؟ عمرو نے تمام کیفیت بیان کر کے مہر نگار کو کھول دیا اور باہر آ کر ساوا کو دار پر کھینچ کے تیر باراں کیا۔ یہ خبر نوشیرواں کو پہنچی۔ نوشیرواں سن کر عمرو کی اس حرکت سے بہت خوش ہوا۔ ہرگاہ اس ماجرے کو شیر شاہ قیروانی نے سنا۔ سرِ مجلس کہنے لگا کہ نفس الامرا میں عمرو بڑا صاحب اقبال ہے، تب تو ایک مدت سے شاہنشاہِ ہفت کشور سے لڑ کر ہمیشہ فتحیاب ہوتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ میں بھی عمرو سے ملاقات کروں۔ پیران نامی سپہ سالار شیر شاہ کا بولا کہ عمرو کی لڑائی فتح کرنا میرا ذمہ ہے، آپ شاہنشاہِ ہفت کشور کو لکھیں کہ میرے نام سے طبلِ جنگ بجوادیں، کھڑے کھڑے قلعے کو لے لوں گا۔ شیر شاہ قیروانی نے فی الفور ایک عرضی قطران مغربی نامی عیار کے ہاتھ نوشیرواں کی خدمت میں روانہ کی۔

پہنچنا امیر کا دیو سمندون ہزار دست کے مکان پر اور چھڑانا زہرہ مصری کو اس کی قید سے

راوی لکھتا ہے کہ صاحبقراں آہو کے کباب کھا کر لبِ دریاے اخضر سے روانہ ہوئے۔ دسویں دن ایک قلعے کے متصل پہنچے۔ خواجہ آشوب سے کہا کہ تم اس قلعے میں جا کر خبر تو لاؤ کہ آباد ہے یا ویران۔ خواجہ آشوب اپنا نیچہ ہاتھ میں لے کر قلعے کے اندر جو گیا، قلعے کو آباد پایا۔ دو رویہ دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایک دُکانی سے پوچھا کہ یہ قلعہ کس کا ہے؟ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ دوبارہ اس سے کہا کہ اے عزیز، تو بہرا ہے یا گونگا ہے؟ بتاتا کیوں نہیں کہ یہ قلعہ فلانے شخص کا ہے؟ وہ پھر بھی نہ بولا۔ تیسری مرتبہ گالی دے کر پوچھا، تب بھی جواب نہ پایا۔ چوتھی بار کھسیانا ہو کر ایک ہاتھ نیچے کا مارا کہ دکانی دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کا مرنا تھا کہ چاروں طرف سے دکاندار دوڑے اور خواجہ آشوب کو گھیر لیا۔ خواجہ آشوب نے امیر کو پکارا کہ میاں ہیبت اللہ، دوڑو۔ امیر اس کی آواز سن کر قلعے میں آئے اور ان لوگوں سے لڑنے لگے، حتیٰ کہ لڑتے لڑتے بادشاہی قلعے کے دروازے تک پہنچے، مگر خواجہ آشوب و بہلول واشقر اس ہجوم میں غائب ہو گئے۔

امیر اس قلعے کے اندر گئے، مگر وہ لوگ جو لڑتے تھے ادب سے قلعے کے اندر نہ گئے، باہر ہی سے غل مچاتے رہے۔ ہرگاہ امیر دیوان خانے میں تختِ بادشاہی پر بیٹھے۔ دفعتاً واحدتاً ایک طرف سے آواز آئی کہ حیف صد حیف، معلوم نہیں امیر کی کیا حالت ہوئی۔ صاحبقراں جو اس طرف کو گئے، دیکھیں تو اشقر و خواجہ آشوب و بہلول اس مکان میں قید ہیں، اور ایک شخص اور بھی لباسِ شاہانہ پہنے ہوئے مقید ہے۔ امیر نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہاں کا بادشاہ ہوں۔ خلخال نامی دیو نے مجھے قید کر کے قلعے پر اپنا دخل کیا ہے۔ امیر نے اس کو قید سے رہا کر کے تخت پر بٹھلایا۔ جنوں نے جو امیر کا یہ سلوک دیکھا تو شورش موقوف

کر کے امیر کے قدم بوس ہوئے۔ دیو اس وقت شکار کھیلنے کو گیا تھا۔ اس نے سنا کہ ایک آدم زاد نے بادشاہ کو قید سے چھڑا کر تخت پر بٹھلایا ہے۔ طیش کھاتا ہوا وہاں سے چلا اور آتے ہی امیر پر ارّۂ پشتِ نہنگ چلایا۔ امیر نے اس کو رد کر کے ایک ہاتھ عقربِ سلیمانی کا جو لگایا، مثلِ چنارِ کرم خوردہ دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ دیو جو اس کے ہمراہ تھے، امیر کی قوت دیکھ کر بھاگے۔ بادشاہ نے سات دن تک امیر کے واسطے جشن کیا۔ آٹھویں دن امیر ان سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے۔

اکتیسویں دن ایک چاردیواری اژدہات کی نظر آئی، مگر دروازہ مقفل تھا۔ امیر دروازے کو گرز سے توڑ کر اندر گئے۔ دیکھا کہ ایک میدان ہے اور اس میں چاردیواری سنگِ مرمر کی ہے۔ اس چاردیواری کے اندر جو گئے تو ایک باغِ خوش فضا نظر آیا کہ تمام قاف میں نہ دیکھا تھا۔ امیر تو ایک درخت کے سائے کے نیچے پوستِ گرگ بچھا کر بیٹھ گئے، مگر لڑکے کھیلنے اور باغ میں اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ ناگاہ ایک بارہ دری نظر آئی۔ خواجہ آشوب و بہلول بے دھڑک اس میں چلے گئے۔ دیکھیں تو سونے کے گہوارے پر ایک دیو بچہ، تین سو گز کا قدو قامت، سوتا ہے اور ایک عورت خورشید صورت بیٹھی ہوئی گہوارے کی ڈوری کھینچ رہی ہے۔ لڑکوں کو دیکھ کر بولی کہ اے لڑکو، تم یہاں کیونکر آئے؟ جلد بھاگو، ابھی یہ بھوک سے روتے روتے سو گیا ہے، اگر جاگ پڑے گا تو مفت میں تم کو کھا جائے گا۔ لڑکے بولے کہ ہم ہیبت اللہ کے ساتھ ہیں۔ یہ تو کیا مال ہے، اس کے باپ سے بھی ہم نہیں ڈرتے۔ زہرہ مصری اپنے دل میں سوچی کہ جس کو یہ لڑکے ہیبت اللہ کہتے ہیں شاید صاحبقراں ہوں۔ لڑکوں سے کہنے لگی کہ اے لڑکو، تم اس آدمی سے جا کر کہہ دو کہ زہرہ مصری یہاں قید ہے۔ خواجہ آشوب و بہلول نے امیر سے آ کر کہا کہ اس باغ میں ایک بارہ دری ہے۔ ہم جو اس میں گئے تو ایک دیو بچے کو، کہ تین سو گز سے قد اس کا کم نہ ہوگا، مہدِ طلائی میں سوتے دیکھا اور ایک عورت آدم زاد، کہ اس کو رشکِ خورشید کہنا چاہیے، گہوارے کی ڈوری کھینچ رہی ہے۔ ہمیں دیکھ کر کمال دلسوزی و محبت سے کہنے لگی کہ یہاں سے بھاگو، اگر ابھی یہ جاگ پڑے گا تو تم کو کھا جائے گا۔ ہم نے کہا کہ ہمارے ساتھ میاں ہیبت اللہ ہیں، یہ تو کیا مال ہے، ہم اس کے باپ سے بھی نہیں ڈرتے۔ تب وہ عورت بولی کہ جس آدمی کے ساتھ تم ہو، اس سے اتنا کہہ دینا کہ زہرہ مصری یہاں قید ہے۔ امیر زہرہ مصری کا نام سنتے ہی گھبرا کر اپنے دل میں کہتے ہوئے دوڑے کہ ہرگاہ زہرہ مصری کی یہاں تک نوبت پہنچی، دیکھا چاہیے کہ مہرنگار پر کیسی گذری۔ بارہ دری کے اندر جو گئے، دیکھا تو واقعی زہرہ مصری ہے۔ امیر نے زہرہ مصری کا حال پوچھا۔ اس نے تمام سرگذشت بیان کر کے کہا کہ اب اس دیوِ پلید کی قید میں ہوں۔ اگر صاحبقراں یہاں پہنچے تو رہائی میری بہت آسان ہے، ورنہ یا تو یہ یا اس کا باپ مجھے کسی دن کھا جائے گا، یا کوفت اٹھاتے اٹھاتے میں خود مر جاؤں گی۔ صاحبقراں نے کہا کہ صاحبقراں کو تم پہچانتی ہو؟

بولی کہ پہچانوں گی کیوں نہیں؟ میں قدیم ان کی لونڈی ہوں۔ امیر نے کلاہ کو سر کا کے کلالۂ ابراہیمی جو دکھایا، زہرہ مصری دوڑ کر صاحبقراں کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگی۔ دیو بچہ رونے کی آواز سن کر سوتے سے چونک پڑا۔ دیکھا تو کوئی آدم زاد کھڑے ہیں۔ بھوک کی جھانجھ میں بے اختیار امیر کے پکڑنے کو دوڑا۔ امیر نے اس کو پکڑ کے مثل پارچۂ کہنہ چیر ڈالا اور روش پر بیٹھ کر زہرہ مصری سے فرمانے لگے کہ تو نے مجھ کو نہیں پہچانا۔ اس نے کہا کہ جب آپ کا شباب تھا، اب نامِ خدا جوان ہوئے، اس پر فقیری بھیس ہے، لونڈی کیونکر پہچانتی؟ امیر زہرہ مصری سے باتیں کر رہے تھے کہ دیو سمندون ہزار دست آندھی کی طرح آ پہنچا۔ دروازہ ٹوٹا دیکھ کر تو ناخوش ہوا ہی تھا، اپنے بیٹے کو مرا دیکھ کر اور بھی آگ کا پرکالہ ہو گیا۔ امیر سے کہنے لگا کہ اے آدم زاد، سیاہ سر، دنداں سفید، ضعیف الجثہ، تو کس آندھی میں اُڑ کر یہاں آیا ہے؟ امیر نے فرمایا کہ میں تو آندھی میں اُڑ کر نہیں آیا، اپنی خوشی سے تجھے جہنم کی طرف بھیجنے آیا ہوں، اور ضعیف الجثہ ایسا ہوں کہ انھیں ہاتھ پاؤں پر عفریت واہرمن وغیرہ بہت سے دیوانِ سرکش کو مارا ہے، اور تجھ کو بھی کوئی دم میں ان کے پاس بھیجتا ہوں۔ تب تو وہ اپنے ہزار ہاتھ میں ہزار پتھر اٹھا لایا اور ایک بار امیر کے اوپر پھینکے۔ امیر جست کر کے اس کی پشت پر گئے اور نعرۂ اللہ اکبر کر کے ایک وار عقربِ سلیمانی کا اس کے شانے پر لگایا کہ پانچ سو ہاتھ شانے سمیت کٹ کے زمین پر گر پڑے۔ وہ ہاتھوں کو زمین سے اٹھا کر بھاگا اور بعد ایک ساعت کے صحیح و سالم امیر کے سامنے آ کر بدستورِ اول حربہ کیا۔ امیر نے بھی بدستورِ اول اس کا دوسرا شانہ پانچ سو ہاتھ سمیت کاٹا۔ وہ پھر کٹے ہوئے ہاتھوں کو اٹھا کر چلتا ہوا اور ایک ساعت کے بعد آ کر امیر پر حربہ کیا۔ امیر کمال متحیر و پریشان خاطر ہوئے، مناجات کرنے لگے۔ ہنوز مناجات تمام نہ ہوئی تھی کہ حضرت خضرؑ نے پیدا ہو کر سلام علیک کی۔ امیر نے جواب دے کر کہا کہ یا حضرت، اس دیو کے ہاتھ سے سخت تنگ آیا ہوں۔ اِدھر میں اس کے ہاتھوں کو کاٹتا ہوں، اُدھر پھر یہ صحیح ہو کر میرے سامنے آتا ہے۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ یا صاحبقراں، ایک چشمہ ہے، اس کے پانی کو خدا نے یہ تاثیر دی ہے کہ جس زخم پر پڑے، فوراً زخم بھر جائے۔ چلو میں تمھیں اس چشمے کو دکھلا کر غائب کر دوں تا کہ یہ دیو مارا جائے۔ امیر حضرت کے ساتھ اس چشمے پر گئے۔ دیکھیں تو واقعی پانی اس کا ایسا مصفا ہے کہ آبِ گوہر اس کے روبرو میلا ہوتا ہے۔ حضرت خضر نے قدم مار کر اس چشمے کو غائب کر دیا اور دو پتے ایک درخت کے، کہ لبِ چشمہ سایہ افگن تھا، توڑ کر امیر کو دیے اور فرمایا کہ ان پتوں کو حفاظت سے لے جا کر عرق ان کا بزرجمہر کی آنکھوں میں، کہ اس کو بختک نے نیل کی سلائیاں پھیر کر اندھا کیا ہے، ٹپکا دینا تا کہ اس کی آنکھیں روشن ہو جاویں۔

امیر نے ان پتوں کو اپنی کلاہ کے اندر رکھ کر عرض کی کہ یا حضرت، مجھے اسی باغ کے اندر پہنچا دیجیے۔

حضرت خضر امیر کو باغ میں پہنچا کر غائب ہو گئے۔ اب کے بار جو سمندون بعد حضرت خضر کے آنے کے اس چشمے پر پہنچا، دیکھا تو چشمہ نہیں ہے۔ آہ کا نعرہ مار کر سر اپنا پٹک پٹک کے مر گیا۔ امیر نے اس باغ میں چند کوٹھڑیاں دیکھیں۔ ان کو جو کھولا تو انواع و اقسام طرح کے جواہر بیش قیمت نظر آئے۔ لڑکوں نے کہا کہ تھوڑا سا جواہر یہاں سے لے چلا چاہیے۔ امیر نے ہنس کر فرمایا کہ اگر دنیا میں لے جاؤ گے تو عمرو نامی میرا ایک بھائی ہے، وہ تم سے چھین لے گا۔ القصہ، امیر نے دو مقام اس باغ میں کیے اور تیسرے دن بدستور لڑکوں کو تو چھینکوں میں بٹھلایا اور زہرہ مصری کو اشقر کی پیٹھ پر سوار کیا اور آپ سائیسوں کی طرح سے اس کی باگ پکڑ کے چلے۔

گیارھویں دن دریاے محیط پر پہنچے۔ حیرت میں تھے کہ کیونکر اس کے پار اتریں، نہ کشتی ہے نہ بیڑا ہے فکر میں کھڑے تھے کہ حضرت خضرؑ نے آ کر پار اتار دیا۔ امیر دوسرے دن اس لوہے کی چاردیواری کے پاس پہنچے جہاں راہدار دیو کو مارا تھا۔ دروازہ اس کا کھلا دیکھ کر معلوم کیا کہ آج روزِ جمعہ ہے، کیونکہ دروازہ اس کا سوائے جمعے کے دن کے اور کسی دن نہیں کھلتا ہے۔ سالم کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھا اور وہاں سے روانہ ہو کر فرمایا کہ الحمد للہ آج سرحد قاف کی تمام ہوئی۔ کوہستان کے نیچے نیچے سائے میں خوش خوش چلے جاتے تھے اور میوے درختانِ خودرو سے توڑ توڑ کر لڑکوں اور زہرہ مصری کو کھلاتے تھے۔

شام کو اس پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہو کر رات کے رہنے کے واسطے مقام تجویز کر رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز سلام علیک کی آئی۔ امیر اِدھر اُدھر دیکھیں تو کوئی نظر نہیں آتا۔ سامنے ایک درخت تھا۔ اس پر نگاہ جو پڑی، دیکھا کہ اس درخت میں تمام پھل آدمی کے سر کی صورت لگے ہوئے ہیں اور اسی درخت سے آواز آتی ہے۔ امیر نے خدا کی قدرت پر عش عش کر کے سلام علیک کا جواب دیا۔ پھر آواز آئی کہ یا صاحقراں، میرا نام واق ہے۔ ایک روز سکندر بھی میرے سائے میں شب باش ہوا تھا۔ میں نے اس کی دعوت کی تھی، آج آپ کی بھی دعوت کرتا ہوں۔ شب کی شب اس جگہ آرام کیجیے۔ اس گفتگو کے بعد ایک پھل درخت پر سے امیر کی گود میں گرا۔ امیر نے اس کو تراش کے آپ بھی کھایا اور زہرہ مصری کو اور ان دونوں لڑکوں کو بھی کھلایا۔ ایسی لذت حاصل ہوئی کہ کسی پھل میں کبھی حاصل نہ ہوئی تھی اور مطلق آسودہ ہو گئے۔ پھر اسی درخت کے نیچے بستر کیا۔ تمام شب وہ درخت امیر سے باتیں کیا کیا اور کہا کہ یا صاحقراں، اسی مقام پر جہاں تم بیٹھے ہو، سکندر نے بھی اپنا بستر بچھایا تھا۔ مجھ سے پوچھا کہ میں کب مروں گا؟ میں نے کہا کہ جب لوہے کی زمین اور سونے کا آسمان ہوگا۔ اس کے دو تین دن کے بعد بیابانِ ہفت گردشِ سلیمانی میں، کہ یہاں سے تھوڑی دور آگے ہے اور اس میں درخت کا نام تک نہیں ہے، پہنچا اور تپشِ آفتاب سے بیتاب ہوا۔ رفیقوں نے اس کے زرہیں بچھا دیں اور سپروں کا اس پر سایہ کیا۔ اسی دم سکندر کی روح قبض ہوئی۔ امیر نے پوچھا کہ اے درخت، مجھ کو بھی بتا کہ

میں کب مروں گا؟ جواب دیا کہ جب اشقر کے کسی پاؤں میں نعل باقی نہ رہے تو تم جاننا دنیا سے میرا کوچ ہے، مگر ابھی بہت عرصہ ہے۔ اسی طرح سے تمام رات وہ درخت امیر سے باتیں کیا کیا۔ جب صبح ہوئی امیر اس درخت سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے۔

جب دوپہر کا وقت ہوا، ریگستان تپنے لگا اور لو چاروں طرف سے چلنے لگی۔ ہر ایک کا سیمابِ دل اس گرمی سے بے قرار تھا۔ اگر صاحبقراں کے پاس مشکیزۂ خضرؑ نہ ہوتا تو ہر شخص کی روح بدن سے مفارقت کر جاتی۔ صاحبقراں دم بہ دم مشکیزے سے پانی لے کر کبھی پیتے اور ہمراہیوں کو پلاتے تھے، اور کبھی منہ دھوتے اور دھلاتے تھے۔ شام کو اسی بیاباں کی ریت پر آرام کیا، صبح کو پھر وہاں سے روانہ ہوئے۔ خلاصہ، سات دن تک اس بیابان میں پہلے روز کی طرح تکلیف اٹھائی، بارے آٹھویں دن ایک شہر کے قریب پہنچے۔ وہاں کی حاکم شیریں نامی ایک عورت تھی۔ صاحبقراں کو استقبال کر کے شہر میں لے گئی اور بڑے تکلف سے ضیافت کی۔ صاحبقراں نے دیکھا کہ سوائے عورت کے مرد کا نام نہیں ہے۔ اس عورت سے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے؟ مرد یہاں دکھائی نہیں دیتا۔ اس نے عرض کی کہ اس شہر میں سوائے عورت کے مرد نہیں پیدا ہوتا۔ صاحبقراں نے فرمایا کہ حمل کیونکر رہتا ہے؟ بولی کہ جب عورت حدِ بلوغ کو پہنچتی ہے، شہر کے باہر ایک درخت ہے کہ وہ کبھی پھلتا پھولتا نہیں ہے، زنِ بالغہ اس سے جا کر لپٹتی ہے اور ساتھ ہی لپٹنے کے ایک چیخ مار کے بیہوش ہو جاتی ہے۔ بعد ایک ساعت کے ہوش میں آتی ہے۔ اسی وقت سے اس کو حمل رہتا ہے اور لڑکی جنتی ہے۔ امیر نے خدا کی قدرت پر وجد کیا اور جس عورت کو دیکھا، حسین و جمیل پایا۔ لڑکوں نے امیر سے کہا کہ یہاں عورتیں بہت صاحبِ جمال ہیں، تھوڑی سی لے چلا چاہیے۔ شیریں نے کہا کہ یہاں کی عورت کہیں نہیں جا سکتی۔ ان پر خدا کی طرف سے موکل تعینات ہیں، اگر جاوے ہے تو لے آتا ہے۔ لڑکے بولے کہ یہ کیا آپ کہتی ہیں؟ بھلا ہمارے ساتھ کر دیجیے، دیکھیں تو کون لے آتا ہے۔ ہر چند شیریں نے تکرار کی مگر لڑکوں نے نہ مانا۔ پچاس عورتیں بہ اجازتِ شیریں اپنے ہمراہ لے کر چلے۔ جب امیر شام کو منزل پر پہنچے اور شب کو آرام کیا، صبح کو اٹھ کر دیکھیں تو آدھی عورتیں غائب ہیں۔ لڑکوں نے تاسف کیا کہ ناحق شیریں کا احسان لیا۔ اس روز شب کو لڑکوں نے سب عورتوں کی کمر میں رسی لگا کر اپنی کمر میں باندھی اور پاؤں پھیلا کر سو رہے۔ سیمرغ کی مادہ نے، کہ ان پر موکل تھی، ان عورتوں کو اٹھا لیا اور لڑکے بھی لٹکتے ہوئے چلے۔ امیر جو جاگے تو دیکھتے کیا ہیں کہ کوئی ان عورتوں کو لیے جاتا ہے اور لڑکے بھی لٹکے جاتے ہیں۔ امیر نے اپنے دل میں سمجھا کہ شاید کوئی دیو ہے، ایک تیر ایسا مارا کہ مادہ سیمرغ کے بازو میں ترازو ہو گیا۔ ان عورتوں سمیت وہ اتر پڑی اور بولی کہ یا صاحبقراں، میں نے آپ کا کیا قصور کیا تھا کہ مجھ کو تیر مارا؟ میرے خاوند نے جو آپ کے ساتھ نیکی کی تھی یہ اس کا عوض ہے؟ میں خدا کی طرف سے

مامور ہوں کہ ان عورتوں کو ان کے شہر سے باہر نہ جانے دوں۔ صاحبقراں سیمرغ مادہ کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے اور عذر کرنے لگے کہ میں نے تجھ کو نہیں جانا تھا، برائے خدا اپنے شوہر سے اس کا ذکر نہ کرنا، کہ اس کا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ اور امیر نے اسی دم بارگاہِ الٰہی میں بہ خشوع وخضوع اس کے بازو کے اچھے ہونے کے واسطے دعا مانگی۔ چنانچہ امیر کی دعا مستجاب ہوئی کہ فوراً اس کے بازو کا زخم بھر گیا اور درد باقی نہ رہا۔ وہ امیر سے رخصت ہو کر عورتوں کو اپنے ساتھ لے کے روانہ ہوگئی۔

داستانِ شاہ عیارانِ عیار خواجہ عمرو بن امیّہ ضمیری

نوشیرواں جو قیروان مغربی کے لکھنے سے بنامِ پیران مغربی طبلِ جنگ بجوا کر قلعۂ تکوابحر کے سامنے فوجِ قاہرہ لے کے کھڑا ہوا، یکا یک سامنے سے گرد اٹھی۔ جب گریبان مقراضِ باد نے چاک کیا دو سو علم نمود ہوئے۔ عمرو نے جانا کہ دو لاکھ سواروں کی جمعیت ہے۔ جب قلعے کے متصل پہنچا، معلوم ہوا کہ قیروان مغربی اپنے سپہ سالار مسمّیٰ پیران مغربی کو لیے آتا ہے۔ نوشیرواں نے بیجن وژو پین کو استقبال کے واسطے بھیجا اور اس نے حاضر ہو کر بادشاہ کے پایۂ تخت کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے اس پر بہت سی مہربانی کی اور پیران مغربی کو قلعے پر جانے کی اجازت دی۔ ہرگاہ پیران مغربی اپنے دو لاکھ سوار لے کر قلعے کی طرف چلا۔ عمرو نے اپنی فوجِ قلیل کو دیکھ کر خدا کو یاد کیا اور مناجات کرنا شروع کیا۔ دفعتاً واحدتاً جنگل کی طرف سے گرد اٹھی اور نقابدار نارنجی پوش اپنے چالیس ہزار سوار سمیت آ کر موجود ہوا۔ بختیارک نے اس کو دیکھ کر نوشیرواں سے کہا کہ یہی نقابدار ہمیشہ مسلمانوں کی مدد کو آتا ہے۔ اس میں نقابدار نے پیران مغربی کے برابر میں آ کے ایک تکا و رسپر کی ایسی دی کہ چند قدم پیران مغربی کا گھوڑا پسپا ہو گیا۔ اس نے طیش کھا کر ایک تلوار نقابدار کے سر پر ماری۔ نقابدار نے گھوڑا آسن سے دبا کر تلوار تو اس کی ہاتھ بڑھا کر چھین لی اور دوسرا ہاتھ کمر میں دے کر الگ تھلگ گھوڑے سے اٹھا کر اوپر کو اچھالا اور آتے ہوئے ایک ہاتھ ایسا لگایا کہ کدّوے تر کی طرح سے دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا۔ اس کی فوج نقابدار پر آ کے گری اور نوشیرواں کی فوج بھی اس کی معین و یاور ہوئی۔ نقابدار اپنے چالیس ہزار سوار سے مارتا ہوا جنگل کو نکل گیا۔ عمرو نے قلعے پر فتح کے شادیانے بجوائے اور بادشاہ نے بہ چشمِ گریاں و جگرِ بریاں اپنے لشکر میں جا کر قیروان شاہ کو ماتم پرسی کا خلعت دیا۔ حسنِ اتفاق سے اسی دن مشتاق شاہ نے، کہ بادشاہ قلعۂ تیغ مغرب کا ہے، حاضر ہو کر نوشیرواں کی ملازمت کی اور بہت سی تشفی دی کہ کل میں اس قلعے کو لیے دیتا ہوں، مگر آج شب کو میری دعوت قبول کیجیے۔ نوشیرواں نے اقبال کیا۔ اس نے نوشیرواں کے لشکر کے برابر اپنا لشکر اتارا اور دعوت کی

تیاری میں مصروف ہوا۔
عمرو کی سنیے۔ ہرگاہ اس نے سنا کہ مثقال شاہ نے نوشیرواں کی دعوت کی ہے، سردارانِ لشکر کو مع فوج بلا کر کہا کہ اگر آج تھوڑی سی محنت کرو تو مفت مفت ہر طرح کے کھانے کھانے میں آتے ہیں، کہ مثقال شاہ نے نوشیرواں کی ضیافت کی ہے۔ رات کو قلعے سے نکل کر امیر و لندھور و بہرام کا نام لے کے اس کے لشکر پر شبخون مارو۔ سب نے قبول کیا اور عیاروں سے عمرو نے کہا کہ آج دن بھر میں پانچ سو دیو کاغذ کے تیار کرو، کہ قد ان کا چار چار پانچ پانچ سو گز کا ہو اور پہیے ان کے پاؤں میں لگانا۔ جس وقت میں سفید مہرہ بجاؤں، تم ان کو لے کر آنا۔ الحاصل، عیاروں نے تمام دن میں کاغذ کے دیو تیار کیے۔ جب رات کا وقت ہوا، نوشیرواں مثقال شاہ کے لشکر میں گیا۔ اتفاقاً وہ شب شبِ ماہ تھی اور ہر چار طرف روشنی بھی ہوئی تھی اور آتش بازی بھی چھوٹتی تھی۔ بادشاہ ناچ دیکھنے لگے۔ جب پہر رات گئی، عمرو نے مقبل کو سیاہ قیطاس پر سوار کیا اور کہا کہ تو امیر کا نام لینا، اور عادی سے کہا کہ تو اپنے کو لندھور کہنا، اور سلطان بخت مغربی سے کہا کہ تو بہرام کا نام سے نعرہ کرنا۔ الغرض، فوج کو یہ سمجھا کر قلعے کے باہر نکل کے مثقال شاہ و نوشیرواں کے لشکر پر جا گرا۔ مقبل وفادار نے نعرہ کیا کہ منم سلطان صاحبقراں حمزۂ نامدار، اور عادی نے کہا کہ منم رستمِ زماں ملک لندھور بن سعدان، اور سلطان بخت مغربی نے نعرہ مارا کہ منم بہرام گرد خاقانِ چین۔ تینوں لشکروں سے تلوار چلنے لگی۔ عمرو نے دیکھا کہ یہ تو لڑ کھڑے ہوئے اور فوج میری تھوڑی ہے، ایسا نہ ہو کہ شکست اٹھاؤں۔ سفید مہرہ بجا کر منھ سے نکال لیا اور حریفوں کے لشکریوں کو سنا کر للکارا کہ صاحبقراں فرماتے ہیں کہ اے زرّہ دیوانِ قاف، جلد آؤ اور کافروں کو کھا جاؤ۔ عیار عمرو کی آواز سن کر دیووں کو لائے اور ان کے منھ کے اندر سے قارورۂ آتشیں مارنے لگے۔ کل لشکر کو یقین ہوا کہ فوج دیوانِ قاف کی امیر کے ساتھ آئی ہے، بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہر چند بختک نے کہا کہ یارو، یہ سب عمرو کی عیاری ہے، لیکن کون سنتا ہے! سر پر پاؤں رکھ کر جو بھاگے تو بارہ کوس پر جا کے دم لیا۔ بادشاہوں نے دیکھا کہ اگر بے فوج کے ہو کے ہم یہاں رہے تو حریف کے ہاتھوں کیا، بلکہ اپنے پاؤں سے قید ہوئے۔ وہ بھی اپنے اپنے لشکر کے ساتھ بھاگے۔ عمرو نے مثقال شاہ و نوشیرواں کے لشکر کا جہاں تک مال و اسباب پایا، لوٹ کر زنبیل کے حوالے کیا اور تمام فوج کو اچھی طرح سے پیٹ بھر کر کھانا کھلوایا، اور مقبل سے کہا کہ قلعے میں جا کر زنانی سواریاں سوار کروا کے شترِ بار بردار پر اسباب لاد کر جلد آؤ کہ قلعۂ تنج مغرب کی طرف چلیں۔ وہاں تو حکم کی دیر تھی، مقبل فی الفور زنانی سواریاں مع مال و اسباب قلعے سے لے کر باہر آیا۔ عمرو جمیع خورد و بزرگ کو ساتھ لے کر قلعۂ تنج مغرب کی طرف روانہ ہوا۔ ہرگاہ قلعے کے دروازے پر پہنچا، مثقال شاہ کا خطِ جعلی وزیر کو دکھلا کر قلعے میں داخل ہوا اور کافروں کو تہِ تیغ کیا۔ اکثر لوگ مسلمان ہوئے، عمرو نے ان کو امان دی اور قلعے کو اپنی وضع پر تیار کر کے

چین سے فیل بند دروازے پر زرد اطلس چینی کے شامیانے کے نیچے کرسیِ مرصع نگار بچھا کے بیٹھا۔

نوشیرواں کا حال سنیے کہ اس نے صبح کو عیاروں کو فوجِ دیوانِ قاف کی خبر لانے کے واسطے بھیجا۔ یہاں عمرو ان کاغذ کے دیووں کو پہاڑ کے نیچے صف بندی کر کے کھڑا کر گیا تھا۔ عیاروں نے دور سے دیکھ کر بادشاہ کو خبر دی کہ لشکرِ دیوانِ قاف پہاڑ تلے میں صف باندھے کھڑا ہے۔ بختک بولا کہ یہ گوہ کھاتے ہیں، اصلی دیو ہوتے تو انھیں یہاں آنے کو کس نے منع کیا تھا؟ یہ بھی عمرو کی عیاری تھی، اس نے اس فریب سے شکست دی۔ اس میں مثقال شاہ کے عیار پہنچے۔ انھوں نے مفصل خبر دی کہ وہ دیو مقوے کے ہیں، اور عمرو مع ہمراہیاں قلعۂ تنج مغرب میں داخل ہوا۔ نوشیرواں نے بہت افسوس کیا۔ خیمہ گاہ پر جو پھر کے آئے تو دیکھا کہ مطلق نقد و جنسِ شاہی، مال و اسبابِ لشکریانِ بیچارہ عمرو لوٹ کر لے گیا۔ مثقال شاہ کے لشکر میں بھی جھاڑو تک نہیں ہے۔ بھیر و بنگاہ کے لوگ جدا روتے ہیں کہ بستر تک نہیں ہے جو شب کو سوویں، دانے کا تو کیا ذکر ہی کیا کہ دن کو قوتِ لایموت کریں۔ بادشاہ نے مع فوج کوچ کیا اور قلعۂ تنج مغرب کو گھیر کے اتر پڑے۔

اب عمرو کا حال سنیے۔ اپنے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ یارو، اٹھارھواں برس تمام ہونے پر آیا، امیر قاف سے نہ پھرے۔ پس اب نصف خوراک قوتِ لایموت کے واسطے ملے گی، جس کا جی چاہے رہے، جس کا جی چاہے جائے۔ سبھوں نے قبول کیا مگر عادی کرب نے کہا کہ اپنا تو گذارہ نہ ہوگا۔ جب سے امیر گئے ہیں ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھانے میں نہیں آیا، اب اس کا نصف ہوگا تو کاہے کو جیتا بچوں گا۔ عمرو بولا کہ تجھ کو اختیار ہے، رہ یا نہ رہ۔ عادی کرب قلعے کے باہر نکلا۔ عمرو نے کہا کہ عادی کرب، جاتا تو ہے، اگر جیتا نہ گاڑا جائے تو عمرو میں اپنا نام نہ رکھوں۔ عادی کرب بولا کہ اگر تجھ کو دیو نہ لپیٹے تو عادی کرب نہ کہلاؤں۔ یہ کہہ کر سیدھا نوشیرواں کے پاس گیا اور کہا کہ اگر حضور مجھ کو نوکر رکھیں تو نوکری کروں۔ نوشیرواں نے پوچھا کہ عمرو سے تجھ سے کیوں بگڑی؟ اس نے مفصل حال بیان کیا۔ بادشاہ نے باورچی خانے کے داروغہ کو بلا کر فرمایا کہ عادی کرب جس قدر کھا سکے اس کو کھانے کو دو، اور عادی کرب سے کہا کہ تجھ کو ہم نے دربانی کی خدمت دی۔ بغیر ہمارے پوچھے کسی غیر کو آنے نہ دینا۔ عادی کرب اسی دم درِ خیمہ پر جا کر بیٹھا۔ شب کو ایک عورت جمیلہ بادشاہ کی چوکی کے واسطے آئی۔ عادی کرب کا دل اسے دیکھ کر بھر بھرایا۔ جھٹ پٹ اس کو پکڑ کے اس کے ساتھ مجامعت کی۔ کہاں عادی کرب کا عمود، کہاں اس نازنین کا جسم! تاب نہ لا سکی، آخر کو مر گئی۔ عادی کرب نے اپنے دل میں سوچا کہ صبح کو تم بھی مارے جاؤ گے۔ بادشاہ کی سواری کا گھوڑا چوکی میں کھڑا تھا، اس پر سوار ہو کر جنگل کی راہ لی۔ رات بھر تو چلا گیا، صبح کو بھوکا ہوا۔ وہاں جنگل میں کیا دھرا تھا کہ کھاتا۔ جنگل سے لکڑیاں توڑ کر الاؤ لگایا اور گھوڑے کو ذبح کر کے کباب لگا کر چکھ گیا۔ وہاں سے ایک فقیر کے تکیے پر گیا۔ سرگروہ فقیروں کا فقیروں کو

چھاندا بانٹ رہا تھا۔ آپ بھی فقیروں میں مل کر بیٹھا۔ سرگروہ نے ایک چھاندا اس کو بھی دیا۔ بولا کہ مرشد، اتنے سے کھانے میں فقیروں کا کیا ہوگا! سرگروہ نے ایک چھاندا اور دیا۔ اگلا پچھلا کھا کر بولا کہ مرشد، آتشِ دوزخ تو بجھی ہی نہیں۔ سرگروہ نے کئی چھاندے اور اس کو دیے۔ وہ اس کو بھی چٹ کر کے کہنے لگا کہ تعجب ہے، ایک مرتبہ اس قدر نہیں دیتے کہ فقیر کی آتشِ دوزخ بجھے۔ قریب پان سو فقیر کہ اس جماعت میں ہوگا، سبھوں نے بایکدیگر کہا کہ یارو، تم سب اپنا اپنا چھاندا اس کو دو، دیکھو تو کہاں تک کھاتا ہے۔ عادی کرب سب کا بخرہ کھا گیا۔ فقیروں نے پوچھا کہ اب تو دوزخ بھرا؟ بولا کہ دوزخ کیا بھرے گا، مگر پانی پینے کا سہارا تو ہوگیا۔ تب تو سبھوں نے سرگروہ سے کہا کہ یہ آدمی نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے یہ دیو ہے یا غول ہے۔ اس کو جلد رومال چھڑی دے کر یہاں سے نکالو۔ سرگروہ نے ایک رومال چھڑی بانوائی کی دے کر کہا کہ بابا، ملک خدا کا پڑا ہے، چل پھر کر مانگ کھاؤ۔ عادی شب کی شب تو اس تکیے پر سو رہا، صبح کو شہر کی طرف کہ وہاں سے نزدیک تھا، چلا۔ دیکھا کہ شہر آباد ہے، بھیک مانگنے لگا۔ ایک نانبائی نے، کہ رحم دل تھا، دو روٹیوں پر کچھ کباب رکھ کر عادی کو دیے۔ عادی اور مانگنے لگا۔ وہ بولا کہ اب پھر مانگو۔ اس ڈیل ڈول پر فقیری زیب نہیں دیتی۔ محنت کر کے کیوں نہیں کھاتے ہو؟ عادی نے کہا کہ محنت کرنے کو میں حاضر ہوں، اگر پیٹ میرا کوئی بھر دے۔ نانبائی بولا کہ اچھا لکڑیاں چیرا کر، کھانے کو میں تجھے دوں گا۔ عادی نے ایک ساعت میں کندے چیر کر ڈال دیے۔ نانبائی نے پانچ روٹیاں خمیری اور سالن اس کو دیا۔ عادی نے اس سے کہا کہ پیٹ تو میرا بھرا ہی نہیں، تو نے کہا تھا کہ پیٹ بھر دوں گا۔ اس نے اور پانچ روٹیاں دیں۔ عادی نے اس کو بھی کھا کر کہا کہ بھائی، خوش طبعی کیوں کرتے ہو، ایک مرتبہ کیوں نہیں دیتے؟ سسکا سسکا کے دینے میں نہ پیٹ بھرتا ہے نہ روح بھرتی ہے۔ روٹیوں کے پاس سے تم ہٹ کھڑے ہو، جتنی میری بھوک ہے اتنا کھا لوں گا، ایسا تو میں بڑ پیٹا بھی نہیں ہوں۔ نانبائی نے انکار کیا۔ عادی نے اس کی گردن پکڑ کر دکان سے نیچے اتار دیا اور آپ بیٹھ کر کھانے لگا۔ ہرگاہ تمام روٹیاں اور سالن کھا چکا اور پیٹ نہ بھرا۔ دوسری دکان جو اس کے متصل تھی، اس میں جا کر مالک کو اس کے نکال کر جتنی روٹیاں اور سالن دکان میں تھا، چکھ کے تیسری دکان پر جھکا۔ عجب طرح کا بازار میں شور و غل ہوا کہ کوتوال سن کر دوڑا، مگر عادی کے زور و قوت کو دیکھ کر الٹا پھر گیا اور بادشاہ سے جا کر حقیقتِ حال کہی۔

میعاد شاہ مغربی وہاں کا بادشاہ تھا۔ خود سوار ہو کر آیا۔ عادی کی صورت و وضع دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ ایسا آدمی اس نے کبھی دیکھا نہ تھا۔ چار طرف سے فریادی دوڑے کہ اس نے دکانوں کی دکانیں لوٹ کھائی ہیں اور کئی آدمیوں کا خون بھی کیا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اس سے کوئی مزاحم نہ ہووے۔ عادی کو بلا کر مستفسر ہوا۔ اس نے مفصل سچ سچ جو سرگذشت تھی سو کہی۔ بادشاہ نے کہا کہ کہیں پہلوان بھی غریب آزاری کرتے ہیں؟ عادی

نے کہا کہ مثل مشہور ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر تم مسلمانوں سے لڑنا قبول کرو تو میں تم کو پاس رکھوں اور اپنی بیٹی کی شادی تمھارے ساتھ کردوں۔ لیکن یہاں کی رسم ہے کہ اگر خاوند مرجائے تو جورو اس کی جیتی اس کے ساتھ گڑے، اور اگر زوجہ مرجائے تو شوہر اس کے ساتھ زندہ گاڑا جائے۔ عادی نے قبول کیا۔ بادشاہ نے اسی دن اپنی بیٹی کا عقد اس کے ساتھ کردیا۔ عادی جو شب کو اس کے ساتھ ہم بستر ہوا، وہ عادی کے عمود کی تاب نہ لاسکی، ایک ہی دھکے میں جان نکل گئی۔ صبح کو اسے کفنا کے دفن کرنے کو لے گئے اور عادی کو بھی پکڑ دھکڑ کر ہمراہ لیا۔ جب اس عورت کی لاش کو قبر میں اتارا، عادی سے کہا کہ تو بھی قبر میں جا۔ عادی نے انکار کیا۔ لوگوں نے چاہا کہ اس کو پکڑ کے قبر میں ڈال دیویں۔ عادی قوت کے بل سے قبر کے کنارے پر کھڑا ہوا تھا۔ اتفاقاً صاحبقراں اسی دن اس شہر میں داخل ہوئے۔ ایک درخت کے سائے کے نیچے پوستِ گرگ بچھا کر بیٹھے تھے۔ آدمیوں کا ہجوم دیکھ کر خواجہ آشوب اور بہلول سے فرمایا کہ دیکھو تو، یہ کیا ہجوم ہے؟ وہ وہاں گئے تو دیکھا کہ ایک آدمی کو زبردستی قبر میں گاڑتے ہیں اور وہ گڑتا نہیں۔ امیر سے آن کر کہا کہ ایسا حال ہے۔ صاحبقراں بھی دیکھنے کو گئے۔ غور سے دیکھیں تو عادی کو زبردستی لوگ قبر میں ڈھکیلتے ہیں۔ امیر حیران ہوئے کہ ایسا اس نے کیا گناہ کیا ہے جو اسے زندہ گاڑتے ہیں؟ امیر نے اس سے پوچھا کہ اے پہلوان، تو کون ہے اور یہ ماجرا کیا ہے۔ عادی بولا کہ عادی کرب میرا نام ہے۔ حمزہ نامی عرب کے پاس نوکر تھا۔ وہ عمرو نامی عیار کو اپنا نائب کرکے مجھ کو اور اپنے رفیقوں کو اس کے پاس چھوڑ کے پردۂ قاف پر گیا۔ اب تک وہ عیار قوتِ لایموت دیتا تھا، میں اس کو کھا کے حمزہ کے انتظار میں جیتا تھا۔ بالفعل اس عیار نے کہا کہ حمزہ کو گئے ہوئے اٹھارہ برس پورے ہونے آئے، میں کہاں تک سرکھپی کروں؛ جس قدر لوگوں کو علوفہ ملتا ہے اب اس کا نصف ملے گا۔ میں نے دیکھا کہ اٹھارہ برس تک نصف پیٹ کھا کر مردہ ہوگیا، اب چوتھائی پیٹ جو ملے گا تو کاہے کو زندگی ہوگی۔ اس سے بھیک مانگ کھانا بہتر ہے۔ اس طرف نکل آیا۔ یہاں کے بادشاہ نے اپنی بیٹی کا عقد مجھ سے کردیا۔ وہ قضائے الٰہی سے مرگئی۔ اب چاہتے ہیں کہ اس کے ساتھ مجھ کو بھی گاڑیں۔ امیر نے فرمایا کہ تو حمزہ کو دیکھے تو پہچانے؟ عادی نے کہا کہ پہچانوں کیوں نہیں؟ ہر چند اسے اٹھارہ برس ہوئے ہیں گئے ہوئے، ہیئت بدل گئی ہوگی، لیکن تو بھی خالِ سبز ورگِ ہاشمی وکلالۂ ابراہیمی سے پہچانوں گا۔ امیر نے پیشانی کھجانے کے بہانے سے تاج کو سر سے سرکایا۔ عادی کی نگاہ جو پڑی، قید کو توڑ کے امیر کے پاؤں پر گر پڑا۔ امیر نے اس کو چھاتی سے لگا کر کہا کہ اب کس کی طاقت ہے جو تجھ پر دست اندازی کرے۔ عادی کو اپنے پہلو میں کھڑا کرکے ایک نعرہ کیا کہ ہر کہ داند داند و نداند بداند، منم صاحبقراں حمزۂ نامدار! میعاد شاہ نعرے کی آواز سن کر اپنی بارگاہ سے نکلا اور امیر کے پاس آکر بولا کہ حمزہ، میں نے جانا تھا کہ تو دیوانِ قاف کے ہاتھ سے مارا گیا، مگر جیتا پھرا۔ خیر، وہاں

سے جیتا پھرا تو پھر میرے ہاتھ سے آج نہیں بچنے کا۔ یہ کہہ کر اپنے نوکروں سے کہا کہ اس عرب کو مارلو، اور آپ بھی تلوار نکال کے ایک وار کیا۔ امیر نے ہاتھ بڑھا کے قبضہ اس کی تلوار کا پکڑ کے تلوار چھین لی اور اس کو اٹھا کے اس زور سے زمین پر مارا کہ سر اس کا اس کے سینے میں گھس کر گوشت کا چبوترہ معلوم ہونے لگا۔ امیر اس کو مار کے اس کی سپاہ کے اوپر گرے۔ عادی نے بھی وہی تلوار جو امیر نے میعاد شاہ سے چھین لی تھی، لے کر کافروں کو مارنا شروع کیا۔ ہرگاہ بہت سے کافر جہنم واصل ہوئے۔ عاقل خان نے، کہ میعاد شاہ کا وزیر، دانائی میں اسم بامسمیٰ تھا، امیر سے مشرف ہو کر امان مانگی اور بخوشی مسلمان ہو کر امیر کو اپنے مکان میں لے گیا۔ امیر نے زہرہ مصری کے رہنے کے واسطے ایک مکان خلوت کا دیا اور سات دن پیہم عاقل خان کے گھر میں ضیافت کھائی۔ چلتے وقت عاقل خان کو تختِ سلطنت پر بٹھلایا۔ ہرچند کہ اس نے چاہا کہ امیر کے ہمراہ جاوے، امیر نے فرمایا کہ ابھی نہیں، پیچھے سے تم آنا۔ امیر نے دونوں لڑکوں اور زہرہ مصری کو بدستور گھوڑے پر سوار کیا اور آپ مع عادی پیادہ پا روانہ ہوئے۔ عاقل خان نے تمام شہر کو مشرف بہ اسلام کیا اور ایک عرضی میں امیر کے آنے کا حال لکھ کر مع سرِ میعاد شاہ مغربی نوشیرواں کے پاس روانہ کیا۔

راوی لکھتا ہے کہ امیر تیسرے دن ایک ریگستان میں پہنچے اور دوپہر کے وقت تمازتِ آفتاب سے بیتاب ہو کر ایک درختِ سایہ دار کے نیچے، کہ لبِ دریا واقع تھا، پوستِ گرگ بچھا کر بیٹھے۔ عادی نے کہا کہ گرمی سے پگھلا جاتا ہوں، اگر حکم ہو تو دریا میں چار غوطے لگالوں۔ امیر نے فرمایا کہ اس سے کیا بہتر ہے۔ عادی نے کپڑے اتار کے دریا کے کنارے پر رکھے اور آپ نہانے لگا۔ ناگہاں ایک صندوق بہا چلا آتا تھا، عادی نے اسے روک کر کھولا تو اس میں سے دیو نکل کے عادی کو لپٹ گیا۔ عادی نے صاحبقراں کو پکارا۔ صاحبقراں نے جا کر اس دیو کو پکڑ کے پھر صندوق میں بند کیا اور عادی کو دے دیا۔ عادی نے اپنے دل میں کہا کہ عمرو کا کہنا تو ہوا کہ میں زندہ زمین میں گاڑا جاتا تھا، مگر خدا نے مجھ کو بھی سچا کیا کہ یہ دیو مجھ کو ملا۔ اس صندوق کو لے جا کر عمرو کو دوں گا۔ جب وہ کھولے گا تو یہ اس کو لپٹ جائے گا۔ عادی نے اس صندوق کو محافظت سے اپنے پاس رکھا۔ امیر ٹھنڈے وقت وہاں سے چلے۔ چند منزلوں کے بعد ایک دن عادی سے معلوم ہوا کہ عمرو مع لشکرِ اسلام و ملکہ مہرنگار قلعۂ تنگ مغرب میں ہے۔ امیر نے زہرہ مصری و خواجہ آشوب و بہلول کو عادی کے سپرد کر کے فرمایا کہ تم ان کو لے کے آہستہ آہستہ آؤ، میں آگے جا کر قلعے کا حال دریافت کروں۔

یہ کہہ کر اشقر پر سوار ہوئے۔ تھوڑی سی دیر میں قلعے کے متصل پہنچے۔ قلعے کے سامنے ایک ٹیکرا تھا۔ اس پر کھڑے ہو کر قلعے کو دیکھنے لگے۔ دیکھا کہ قلعہ تو چھوٹا سا ہے لیکن برج و بارہ و فصیل پر ایسی تیاری ہے کہ پرندہ اگر چاہے اس کے اوپر سے اڑ کے جاوے تو صید ہووے، اور قلعے کے ایک طرف پہاڑ ہے اور دوسری طرف

دریا، تیسری طرف صحرا ہے، کوسوں تک ہزار گلہ کھلا نظر آتا ہے اور جا بجا میوہ دار درخت خوش اسلوب نظر آتے ہیں اور چوتھی طرف، کہ شاہدرہ ہے، خشکی ہے اور زد سے بچا ہوا نوشیرواں بالشکرِ غدار پڑا ہوا ہے، اور عمرو فیل بند دروازے پر زرد اطلسِ چینی کے شامیانے کے نیچے کرسی جواہر نگار پر اس دماغ سے بیٹھا ہوا ہے کہ بادشاہانِ ہفت اقلیم اس کے آگے کیا مال ہیں۔ داہنی طرف تو شاہان و شہریارانِ ہمراہی دست بر کمر بستہ کھڑے ہوئے ہیں اور بائیں طرف مقبل وفادار بارہ ہزار تیر انداز لیے کھڑا ہے۔ امیر عمرو کو اس سج دھج سے دیکھ کر بہت ہنسے اور قلعے کی دیوار کے نیچے پوستِ گرگ بچھا کر بیٹھ گئے اور اشقر دیوزاد سے زبانِ جنّی میں فرمایا کہ تو بھی اس صحرا میں کہ قلعے کے پیچھے ہے، جا کر کچھ کھا پی آ، لیکن کسی کے ہاتھ نہ آنا۔ اشقر نے صحرا کی راہ لی۔

اب شاہِ عیارانِ عیار کا حال سنیے کہ اس دن جا کر مہر نگار کو جو امیر کے غم میں بہت بدحال پایا، بیٹھ کر آپ بھی خوب رویا اور کہنے لگا کہ ملکہ، خدا کو یاد کرو، دیکھو تو وہ کیا کرتا ہے۔ جامع المتفرقین اس کا نام ہے، البتہ حمزہ کو تم سے ملاوے گا۔ مہر نگار نے کہا کہ اے خواجہ، صبر کی بھی کچھ آخر انتہا ہے! صبر کہاں تک کروں؟ آج امیر کو گئے اٹھارہ برس پورے ہوئے۔ عمرو بولا کہ ابھی تو شام کو بڑا عرصہ باقی ہے، اگر شام تک امیر پہنچ جاویں تو خدا کی قدرت سے کیا دور ہے۔ ملکہ ذرا قلعے کے بالا خانے پر جا کے صحرا کی سیر دیکھو۔ دیکھو تو، کیسا ہزار گلہ کھلا ہوا ہے اور گیاہ سے کوسوں تک مخملِ سبز کا فرش بچھا ہوا ہے، کسی طرح تو دل کو بہلاؤ۔ مہر نگار کے بھی اس وقت کچھ جی میں آ گیا۔ سقفِ قلعہ پر جا کے صحرا کی طرف قدرت کا تماشا دیکھنے لگی۔ اتفاقاً تین قازیں اڑی چلی جاتی تھیں۔ مہر نگار نے یہ کہہ کر تیر مارا کہ میں فال دیکھتی ہوں کہ اگر بیچ کی قاز کو میں نے مارا تو آج امیر سے ملاقات ضرور ہوگی۔ تیر بیچ ہی کی قاز کے بازو میں ترازو ہو گیا اور وہ قاز امیر کے روبرو گری۔ امیر نے قاز کو تو ذبح کر کے اپنے روبرو رکھا اور پیکانِ تیر پر مہر نگار کا نام دیکھ کر بوسہ لینے لگے۔ سامنے سے عمرو نے دیکھا۔ طیش کھاتا ہوا امیر کے پاس آ کر کہنے لگا کہ او قلندر بے پیر، تو نہیں جانتا کہ اس تیر پر کس کے ناموس کا نام ہے؟ تو بوسہ لیتا ہے؟ لا تیر مجھ کو دے۔ اب کی مرتبہ تو فقیر سمجھ کر معاف کیا، مگر بارِ دیگر ایسی بے ادبی کرے گا تو اپنی سزا کو پہنچے گا۔ امیر بولے کہ ابے جا، میں نے تجھ سے عیار بہت دیکھے ہیں۔ اس کو جا کر دھمکا کہ جو تجھ سے ڈر جائے۔ میں بادشاہِ ہفت کشور کو پشم برابر نہیں سمجھتا ہوں، تو تو ادنیٰ عیار ہے۔ عمرو کو جو غیظ آیا، فلاخن سر سے کھول کر ایک سنگ تراشیدہ آفتاب دیدہ کفۂ فلاخن میں رکھ کر امیر کے اوپر مارا۔ امیر نے اس پتھر کو نگاہ میں رکھا، جب سینے کے نزدیک پہنچا، دونوں ہاتھوں کے بیچ میں روکا اور للکار کر کہا کہ او عیار، کہاں جاتا ہے! وہی پتھر عمرو کے مارا۔ عمرو نے دیکھا کہ پتھر بڑے زور سے آتا ہے، اچھل کر الگ ہوا اور دوسرا پتھر امیر پر مارا۔ امیر نے اس کو بھی رد کیا اور وہی پتھر عمرو پر مارا۔ عمرو فوراً لیٹ گیا، پتھر اوپر سے نکل گیا۔ عمرو نے دیکھا کہ یہ فقیر

صاحبِ کمال معلوم ہوتا ہے، اس سے یوں سر بر نہ ہوگا۔ چل کر لالچ دیجیے اور تیر کو اس سے لیجیے۔ عمرو نے نزدیک آ کر کہا کہ اے قلندر، پانچ سو روپیہ دیتا ہوں، تیر مجھ کو دے۔ امیر نے نہ مانا۔ پھر مکرر عمرو نے کہا کہ ہزار روپیہ لے اور تیر دے۔ امیر نے کہا کہ میں نے قاف میں حمزہ کی بدولت ایسے ایسے روپے ادنیٰ ادنیٰ کو دے ڈالے ہیں، سو تو مجھ کو لالچ دکھاتا ہے؟ عمرو یہ بات سن کر بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا کہ حمزہ کو دیکھے ہوئے کتنا عرصہ ہوا؟ امیر نے کہا کہ ابھی چھ مہینے ہوئے کہ میں اور وہ ایک جا پر تھے۔ عمرو نے کہا کہ کچھ تم سے امیر کہتے بھی تھے؟ امیر بولے کہ چلتے وقت اتنا کہا تھا کہ جب مکہ پہنچنا تو میرے باپ سے سلام میرا کہہ کر خیریت میری کہہ دینا۔ عمرو نے کہا کہ کچھ اور بھی کہا تھا؟ بولے کہ یہ بھی کہا تھا کہ اگر ہمارے رفیقوں سے ملاقات ہو تو ہماری طرف سے ان کو پوچھ دینا۔ عمرو بولا کہ اور بھی کسی کو پیغام دیا ہے؟ امیر نے فرمایا کہ ایک بات بتا کر تمام مہر نگار سے کہنے کو کہی۔ عمرو نے پوچھا کہ وہ کیا بات ہے؟ امیر بولے کہ میں تجھ سے نہیں کہوں گا، مہر نگار کے کان میں کہوں گا۔ عمرو نے کہا کہ یا حضرت، آپ کیا فرماتے ہیں! مہر نگار آپ کے سامنے کیونکر ہوگی؟ امیر نے کہا کہ نہ ہووے، میں کہوں گا بھی نہیں۔ عمرو نے کہا کہ اے قلندر، پانچ سو تمن لے اور امیر کے پیغام کو کہہ دے۔ امیر نے کہا کہ میں نے ایک دفعہ کہہ دیا کہ اگر مہر نگار کو سننا منظور ہو تو مجھے بلا کر اپنے کان میں سنے، اور نہیں تو حجت کرنے سے کیا کام ہے؟ عمرو ناچار ہو کر محل میں گیا۔ دیکھے تو عجب طرح کی خوشی محل میں مچ رہی ہے، کوئی پھولوں نہیں سماتا ہے، اس میں نوکر کیا اور لونڈی کیا، بی بی کیا۔ عمرو نے پوچھا کہ یہ خوشی کس بات کی ہے؟ ملکہ مہر نگار نے کہا کہ میں نے فالِ گوش کے طور پر ایک قاز پر تیر لگایا تھا، وہ تیر قاز کے بازو میں لگ کے ترازو ہو گیا، مگر تیر مع صید قلعے کی دیوار کے نیچے گرا ہے۔ ذرا اس کو وہاں سے لا دو، اور خواجہ، یہ فال بہت آزمائی ہوئی ہے۔ ابھی تو دن بہت ہے، ہزار بسوہ، شام نہ ہونے پائے گی کہ امیر آئیں گے۔ عمرو نے دیکھا کہ عجب طرح کا ہنگامہ ہے۔ کوئی آسمان پر اگر لکۂ ابر کو دیکھتی ہے تو کہتی ہے کہ امیر کا تخت اس ابر میں ضرور ہے، کوئی کوٹھے پر چڑھی ہوئی صحرا کی طرف تک رہی ہے کہ اگر امیر خشکی کی راہ آئیں گے تو اِدھر ہی سے آئیں گے۔ عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ غنیمت ہے، مہر نگار کوٹھے پر جا کے بہلی تو۔ اس میں پھر مہر نگار نے کہا کہ خواجہ، میرا تیر و صید قلعے کے دیوار کے نیچے گرا ہے، اٹھوا کر منگا دو۔ خواجہ نے کہا کہ آج دیوار کے نیچے ایک فقیر قلندر آن کر بیٹھا ہے۔ قاز و تیر اسی کے آگے گرا تھا، اس نے قاز کو تو ذبح کر کے روبرو رکھ لیا ہے اور تیر اس کے ہاتھ میں ہے۔ کہتا ہے کہ میں قاف سے آیا ہوں، حمزہ نے کچھ پیغام ملکہ مہر نگار کو دیا ہے سو میں اس کے کان میں کہوں گا۔ ہر چند میں نے اس کو لالچ دیا، بولا کہ بہت کچھ حمزہ کی بدولت قاف میں خرچ کیا ہے، چشم و دل سیر ہے، اب مجھ کو کسی چیز کی خواہش نہیں۔ نہ تو وہ تیر دیتا ہے اور نہ حمزہ کا پیام۔ کہتا ہے، مثل مشہور ہے کہ

لمترجمہ

جبکہ روزِ وصال آتا ہے
بے قراری دوچند ہوتی ہے

مہر نگار نے بے قرار ہو کر عمرو سے کہا کہ خواجہ، برائے خدا اس فقیر کو جلدی بلا لاؤ۔ عمرو نے پھر آ کر امیر سے کہا کہ اے قلندر، میں تجھ کو ہزار تمن دیتا ہوں اگر حمزہ کا پیغام مجھ سے کہہ دے۔ امیر نے کہا کہ گفتگوے لغو کرنا کیا ضرور ہے؟ ایک دفعہ کیا، ہزار دفعہ کہہ دیا کہ میں سوائے مہر نگار کے کسی سے نہ کہوں گا۔ عمرو نے ناچار ہو کر کہا کہ اچھا چلیے۔ امیر نے قاز کو تو عمرو کے ہاتھ میں دیا اور تیر دپوستِ گرگ اپنے ہاتھ میں لے کر چلے۔ عمرو نے امیر کو محل میں لے جا کر پردے کے پاس بٹھا کر کہا کہ اے قلندر، پردے سے لگی ہوئی مہر نگار بیٹھی ہے، حمزہ کا پیغام ادا کر۔ امیر نے کہا کہ حمزہ نے مجھ کو اپنے سر کی قسم دی تھی کہ مہر نگار کے کان میں کہنا، پس میں کیونکر قسم کے خلاف کروں؟ اگر سننا ہو تو مہر نگار میرے سامنے آوے، اور نہیں تو میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کے امیر وہاں سے اٹھ کر چلے۔ ناچار عمرو نے پردے کے اندر جا کے فتنہ دخترِ دایۂ مہر نگار کو ایک چادر اڑھا کر بٹھلایا اور کہا کہ لے اے درویش، مہر نگار حاضر ہے، جو کچھ کہنا ہے کہہ۔ امیر نے کہا کہ منھ کھولو، میں دیکھوں کہ مہر نگار ہے یا کوئی اور ہے۔ عمرو نے فتنہ کے منھ سے چادر جو ہٹائی، امیر نے کہا کہ یہ مہر نگار نہیں ہے، یہ فتنہ ہے۔ حمزہ نے اس کی صورت کا بھی نشان مجھ کو دیا تھا۔ تب تو ناچار ہو کر خود مہر نگار امیر کے سامنے آئی۔ امیر نے دیکھا کہ عجب حالت ہے، رنگ زرد، لب خشک، چشم تر، میلے کپڑے پہنے ہوئے۔ امیر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر آنکھ بچا کر ان آنسوؤں کو پی گئے۔ عمرو نے کہا کہ اے درویش، یہ تو مہر نگار ہے، اب تو کہہ۔ امیر نے کہا کہ وہی میری ایک ہی بات ہے، حمزہ کا پیغام مہر نگار کے کان میں کہوں گا۔ عمرو نے طیش کھا کر مقبل وغیرہ چند سرداروں کو بلا کر کہا کہ تم لوگ تلوار کھینچ کر کھڑے رہو، جس وقت یہ فقیر باہر نکلے اسے مارلو۔ اس میں مہر نگار نے کان اپنا جھکا دیا۔ امیر نے چپکے سے کہا کہ اے جانِ حمزہ، میں فقیر نہیں ہوں، حمزہ ہوں۔ یہ کہہ کر تاج کو جو سر سے ہٹایا، خالِ سبز ورگِ ہاشمی وکلالۂ ابراہیمی مہر نگار کو نظر آیا۔ دیکھتے ہی مہر نگار نے ایک چیخ ماری اور اِدھر امیر نے ایک آہ کا نعرہ مارا اور دونوں بیہوش ہو گئے۔ عمرو نے جو غور سے امیر کی پیشانی کو دیکھا، پہچانا کہ یہ خود حمزہ ہے۔ دوڑ کے قدموں پر گر پڑا۔ سب کو امیر کا آنا معلوم ہوا۔ گلاب و بیدمشک مہر نگار اور امیر کے منھ پر چھڑکا اور چار طرف سے پنکھا جھلنے لگے۔ دونوں خود رفتہ آپ میں آئے۔ امیر نے عمرو اور مقبل کو چھاتی سے لگایا اور بے اختیار رونے لگے۔ اندر سے باہر تک اس دن عید ہو گئی۔ اسی دم ملکہ مہر نگار نے جشن کی تیاری کا حکم دے کر حمام کیا اور پوشاکِ عروسانہ پہن کر اپنے کو ہر ہفت کیا۔ امیر نے باہر جا کر ایک ایک سردار کو گلے سے لگایا اور

خلعتِ فاخرہ سے سرفراز کیا۔ کوئی ایسا نہ تھا کہ جس نے اس دن صاحبقراں پر سے زر و جواہر نثار نہیں کیا، حتیٰ کہ عمرو تک نے دو پیسے تصدق کیے۔ فوراً عمرو نے نقار خانے میں نوبت بجانے کا حکم بھیجا۔ لگی جھڑ جھڑ نوبت بجنے۔

راوی لکھتا ہے کہ ہرگاہ آوازِ مبارک و سلامت اور صدائے شادیانہ نوشیرواں کے کان میں پہنچی، عیاروں سے پوچھا کہ یہ کیا ہنگامہ ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ یہ صدا قلعے کے شور و غل کی ہے۔ سنتے ہیں کہ حمزہ قاف سے آیا۔ بختک بولا کہ حضور، پھر کوئی عیاری عمرو کو سوجھی ہوگی۔ بادشاہ نے بزرجمہر سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ بزرجمہر نے کہا کہ از روے حساب کے تو معلوم ہوتا ہے کہ حمزہ آیا ہو، اور میں بھی یہی سوچ کر بصرے سے آیا ہوں۔

اشقر دیوزاد کا حال سنیے۔ وہ جو جنگل میں چرنے کو گیا، وہاں نوشیرواں کے بھی گھوڑے چر رہے تھے۔ اشقر کو برا معلوم ہوا۔ بہت سے گھوڑوں کو ٹاپوں سے مار ڈالا، باقی جو بچ رہے قریبِ شام وہ اپنے لشکر کی طرف بھاگے۔ اشقر نے ان کا پیچھا کیا۔ گھوڑے جو بدحواس لشکر میں داخل ہوئے، اکثر خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ لوگ اشقر کے اوپر دوڑے۔ اشقر نے جس پر منھ مارا اس کو چیر کر پھینک دیا۔ جس کے سر پر ٹاپ ماری، کاسہ اس کے سر کا چھن سے الگ جا رہا۔ جس کی گردن پکڑ کر جھٹکا مارا، سر اس کا دھڑ سے الگ ہوگیا۔ اسی طرح ہزاروں کافر اشقر نے مارے۔ نوشیرواں کے لشکر نے جانا کہ مسلمانوں نے سرِ شام شبخون مارا۔ تیار ہو کر اپنی ہی فوج کو غنیم کی فوج سمجھ کر صبح تک بایکدیگر کٹا مرا کیے۔ صبح کو جو دیکھا تو سوائے اپنی فوج کے دوسرے کا کشتہ نظر نہ آیا۔ نوشیرواں اشقر کو دیکھ کر عاشق ہوگیا۔ حکم کیا کہ اس گھوڑے کو کسی طرح سے پکڑا جائے۔ جو اس کو پکڑنے جاتا تھا، مارا جاتا تھا۔ امیر نے عمرو سے کہا کہ رات سے اس وقت تک نوشیرواں کے لشکر میں شور و غل برپا ہے، دریافت تو کرو کہ ماجرا کیا ہے۔ اس میں ایک عیار نے حاضر ہو کر مفصل حال بیان کیا۔ صاحبقراں نے عمرو سے کہا کہ وہ گھوڑا میرا ہے۔ جاؤ، تم جاؤ۔ اس سے کہنا کہ اے فرزندِ ارنائیس ولانیسہ، تجھ کو صاحبقراں نے بلایا ہے۔ وہ اسی دم تمھارے ساتھ ہوگا۔ تم اس کو یہاں لے آنا۔ عمرو نے جو حسب الحکم امیر کے گھوڑے کو پیغام دیا، اشقر عمرو کے ساتھ ہوا۔ امیر قلعے سے نیچے اتر آئے اور اشقر کو گلے سے لگایا اور عمرو کی تعریف کر کے فرمایا کہ اے اشقر، عمرو تمھاری خدمت کیا کرے گا، اور عمرو کو حکم دیا کہ اشقر کو سب گھوڑوں کے آگے باندھ کر اس کے کھانے پینے کی تم خود خبر رکھنا۔

اس کے دوسرے دن عادی مع زہرہ مصری و خواجہ آشوب و بہلول پہنچا۔ زہرہ مصری کو تو امیر نے مہرنگار کے پاس محل میں بھجوا دیا اور خواجہ آشوب و بہلول کو بلا کر اپنے پاس رکھا۔ عادی کرب چپکے سے عمرو کو بلا لے گیا اور وہ صندوق دے کر کہا کہ اس میں بہت سا جواہر ہے، مجھے جس طرح سے ملا ہے، اسی طرح سے میں نے

تمھارے واسطے امانت رکھا ہے۔ عمرو صندوق لے کر عادی سے بہت خوش ہوا۔ ایک کوٹھڑی میں لے جا کر کنڈی اس کی اندر سے دے دی، اور اس صندوق کو کھولنا تھا کہ اس میں سے ایک دیو نکل کر عمرو سے لپٹ گیا۔ عمرو نے سفید مہرہ بجایا اور غل مچانا شروع کیا۔ امیر اس وقت مہر نگار کے پاس لیٹے ہوئے اس کے لبِ لعل کے بوسے لے رہے تھے، ناگاہ سفید مہرے کی آواز جو کان میں آئی، ہڑبڑا کے دوڑے کہ عمرو پر کیا حادثہ ہوا جو وہ سفید مہرہ بجاتا ہے۔ مہر نگار کو لیے ہوئے صحن میں نکل آئے اور مقبل بھی زہرہ مصری سے اختلاط کر رہا تھا، امیر کی آہٹ پا کر نکل آیا۔ امیر نے کان رکھ کر جو سنا، معلوم ہوا کہ فلانے حجرے سے سفید مہرے کی آواز آتی ہے۔ امیر اس حجرے کی طرف گئے۔ دروازہ اس کا اندر سے بند تھا۔ ایک لات ماری، دروازہ ٹوٹ گیا۔ دیکھیں تو وہی دیو جس کو پکڑ کے عادی کے حوالے کیا تھا، کونے سے لگا ہوا کھڑا ہے اور ایک کونے میں عمرو کھڑا ہوا سفید مہرہ بجا رہا ہے۔ امیر کمر بند اس کا پکڑ کے ملکہ کے سامنے لے گئے اوز بوسیدہ کپڑے کی طرح سے ملکہ کے روبرو اس کو چیر ڈالا۔ سبھوں نے امیر کی قوت پر آفرین کی اور مہر نگار نے بہت کچھ امیر پر سے نثار کیا۔ چونکہ عمرو اس صدمے سے بیہوش ہو گیا تھا، جب لوگ گلاب چھڑک کر اس کو ہوش میں لائے، عادی سے کہنے لگا کہ بھلا اے شکم بزرگ، تو نے مجھ سے یہ حرکت کی! لیکن دیکھ تو، میں بھی کیسا عوض لیتا ہوں۔ عادی نے ہنس کر کہا کہ خواجہ، میں تمھارے کہنے سے زندہ قبر میں گاڑا گیا تھا، کسی طرح میرا بھی کہنا ہوتا یا نہیں؟ بارے امیر نے دونوں کو ملوا دیا اور فرمایا کہ عمرو خاطر جمع رکھو، آسمان پری تیرے واسطے بہت سے تحفے قاف کے لاوے گی۔ عمرو بہت خوش ہوا اور امیر کو دعائیں دینے لگا۔ فقط۔

تمام ہوا دفتر تیسرا۔ باقی حال چوتھے دفتر میں لکھا جائے گا، انشاءاللہ تعالیٰ۔

داستانِ امیر حمزہ

دفترِ چہارم

معرکہ آرایانِ میدانِ حکایات و جنگجویانِ عرصۂ روایات کمیتِ خامہ کو صفحۂ قرطاس پر اس طرح جولاں کرتے ہیں کہ جب نوشیرواں اور بختک وغیرہ امرایانِ نوشیرواں پر آنا صاحبقراں کا پردۂ قاف سے ظاہر ہوا، بختک نے نوشیرواں سے کہا کہ حمزہ اٹھارہ برس کے بعد قاف سے آیا اور حضور سے مشرف بہ ملازمت نہ ہوا، پس بادشاہِ ہفت کشور کی بیٹی زبردستی لیا چاہتا ہے۔ ایسے میں طبل جنگ بجوایئے کہ وہ تھکا ماندا ہے اور حضور کی رکاب میں فوجِ قہار ہے، بہت آسانی سے اس کو مار لیتے ہیں۔ نوشیرواں بھی اس کے فقرے میں آ گیا، طبلِ جنگ بجنے کا حکم دیا۔ نفیر و سرنا و کج نفیر و شتردم و بوق و قرنا و جھانجھ و ترئی کی آواز بلند ہوئی۔ صاحبقراں گیتی ستاں نے بھی یہ خبر سن کر طبلِ جنگ بجوایا۔ جھانجھِ افراسیاب و بوقِ ترک و نفیرِ جمشیدی نے صداے صور کو یاد دلایا۔ کبابہ چینی و قلابہ چینی نے اٹھارہ من تبریزی کی چوب اٹھا کر اس زور سے طبلِ سکندر پر ماری کہ چونسٹھ کوس تک آواز اس کی گئی اور لشکریانِ نوشیرواں میں سے اکثروں کے کان کے پردے پھٹ گئے اور بہت آدمی بہرے ہو گئے۔

دونوں لشکروں میں رات بھر تیاری رہی۔ جو بہادر کہ ہمیشہ مشتاقِ دیدارِ شاہدِ جنگ تھے، انھوں نے غسل کر کے پوشاک بدلی، عطر سہاگ کا لگایا، سرمہ آنکھوں میں دیا، پان چبا کر منھ کو لال کیا، ہر دم دعا مانگنے لگے کہ الٰہی، سرخرو کیجیو اور زرد روئی حریفِ سیاہ رو کو دیجیو۔ تلواروں اور چار آئینوں میں صیقل کرنے لگے۔ ترکش میں سلامت تیر ٹوٹے تیروں کے عوض میں بھرے، جس کمان نے رخ بدلا تھا اس کو آتشِ غضب دکھائی، خنجر کے جوہر نکالے، نیزوں کے پھل صاف کرنے لگے، گھوڑوں کے چار جامے میں دوہرے تنگ و زیر بند لگائے۔ یار سے یار، دوست سے دوست، آشنا سے آشنا، بھائی سے بھائی، باپ بیٹے سے، بیٹا باپ سے، جمعدار تمندار سے، تمندار جمعدار سے، کمیدان یکے سے، یکا کمیدان سے بایکدیگر بغلگیر ہو کر ایک دوسرے کی ظفر کے واسطے دعا مانگنے لگا۔ بعض ہنس کر جن سے ہمیشہ آنکھ لڑا کرتی تھی ان پر تڑاوا مارنے لگے کہ کل سپاہیوں کی سپاہ گری، بنکیتیوں کی بنکیتی دیکھیں گے، کس کی کھوپڑی گھوڑے کے سموں کی ٹھوکریں کھاتی ہے اور کون شملہ چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ کوئی بولا کہ یارو، خدا نے یہ دن دکھائے کہ کل بہ مشاطگیِ شجاعت عروسِ فتح سے بغلگیر ہوں

گے۔ برسوں سے آج ہی کے دن کا انتظار کرتے تھے۔ اور بزدلے، حیز وائی، وذا چنبیلی کے مرزا موگرا، جو ہمیشہ ماما پختیاں کھایا کرتے تھے، کوسِ جنگ کی آواز سن کر عارضۂ اسہال میں مبتلا ہوئے۔ رنگ زرد، لب خشک، چشم تر، آہ برزباں، اپنے اپنے سائیسوں سے کہنے لگے کہ آج پچھلی رات سے گھوڑے کو تیار کرنا کہ ہم اپنے گھر کی راہ لیں۔ آج سامان جنگ بے طرح ہوتا ہے، کل بڑا گھمسان ہوگا، لاکھوں ہی مارے جائیں گے۔ سائیسوں نے کہا کہ میاں ایسا کیا ہے، جس کی قضا ہوگی وہی مرے گا، بے قضا تو کوئی مرنے کا نہیں۔ دیکھیے ہم چنے جو دلتے ہیں، اکثر اس میں ثابت رہ جاتے ہیں۔ اور اگر ایسا دل رکھتے تھے تو سپاہ گری میں نوکری کیوں کی؟ کنچنیوں کے پیچھے طبلہ سارنگی بجایا کرتے۔ تو جھنجھلا کر بولے کہ ابے الو، ہم کو تو دلے ہوؤں میں سمجھ، بڑا نصیحت کا کرنے والا پیدا ہوا ہے! ابے کیا ہم نے اپنی خوشی سے سپاہیوں میں چہرہ لکھوایا ہے؟ خدا اتاں رائے بیل، خالہ چنبیلی کو آتشِ دوزخ سے قبر میں جلاوے، خرچیاں جمع کر کے گھوڑا مول لیا، بخشی سے مفت مروا کے گھوڑے کو داغ کروایا۔ ہم راضی کب تھے کہ سپاہ گری کے دفتر میں اپنا نام لکھوائیں! ایک روز وذا نے اپنی فصد کھلوائی تھی، ہم کو خون دیکھ کر غش آ گیا تھا۔ سارا گھر رونے پیٹنے لگا۔ بارے پہروں کے بعد ہم کو ہوش آیا، تب سب کی جان میں جان آئی۔ ہم سے تلوار مارنے اور زخم کھانے سے کیا علاقہ ہے؟ اگر کہیں ذرا سی پھانس چبھ گئی ہے تو ہم نے آہ میتا، اوہی دیا کہہ کر ہمسایوں کو تمام رات سونے نہیں دیا ہے۔ جب پیسے کی بھنگ کھائی ہے تب کہیں اس کے نشے میں پھانس نکالی گئی ہے۔ اور جب سے اس فوج میں نوکر ہیں، ہمیشہ بھاگتوں کے اگاڑی، مارتوں کے پچھاڑی ہی رہے ہیں۔ تو چند روز کا نوکر ہے، تجھ کو ہمارا حال کیا معلوم ہے! آج سنتے ہیں کہ بادشاہ صفِ جنگ میں جائزہ لے گا۔ اس لیے ہم نے اپنے دل میں ٹھہرایا ہے کہ پہلے ہی سے چل دیجیے۔ یہی نا، پندرہ روز کی تنخواہ پر اوس پڑے گی یا یہ کہ نوکری جاتی رہے گی؟ بلا سے، جان بچے گی تو دیا سلائی بیچ کھائیں گے۔

القصہ، نوشیرواں کو اس دن ایسی حرارت تھی کہ ہنوز صبح نہ ہونے پائی تھی، پچھلی رات کی چاندنی میں شاہان و شہر یارانِ ساسانی و کیانی ولہراسپی وکیخسروی کو مع فوجِ غدار لے کر چورمہتاب جلاتا ہوا معرکۂ کارزار میں آیا۔ امیر نے بھی یہ خبر سن کر مقبل سے صندوق سلاح کا طلب کر کے سلاح نبیوں کا اپنے بدن پر لگایا اور اشقر دیوزاد پر سوار ہوئے۔ جتنے شاہ و شہر یار امیر کے ہمراہ تھے، اپنی اپنی فوج سمیت امیر کے ہم رکاب چلے۔ اور کئی ہزار چہار شاخہ پنجشاخہ بردار، نقرئی و طلائی چہار شاخے و پنج شاخے روشن کیے ہوئے، لشکر کے آگے آگے رواں ہوئے اور قدم قدم پر مہتابیاں چھوٹنے لگیں۔ اور دو ہزار عیار قنطورۂ زربفتی، پیتاوۂ سقرلاتی، گوپھن عیاری، جال حریف کی جان کا جنجال، لچھۂ کمند و خنجر کمر میں لگائے امیر کے گھوڑے کے آگے ہوئے، اور شاہِ عیارانِ عیار، خنجر گذار، پیکِ نامدار، تراشندۂ ریشِ کافراں، سزا دہندۂ شہر یارانِ سرکشاں، خواجہ عمرو عیار بن امیہ ضمیری کسوتِ

عیاری لگائے، نیم تاج مرصع سر پر دھرے، اس پر سیمرغ کے پر کی کلغی لگائے، چار سو عیاروں سے، زیل کے مقام کا زمزمہ کرتا ہوا، امیر کے گھوڑے کا شکار بند پکڑ کے ہمراہِ رکاب چلا۔ اس وقت وہ چاند کا آخرِ شب نکلنا اور دونوں لشکروں میں روشنی کا ہونا اور بان ونشان کا چمکنا اور پھریروں کا ہوا سے پھرانا، سپر قبضوں کا کھڑکنا، گھوڑوں کا ہنہنانا، کڑکیتوں کا کڑکا بول کر سپاہیوں کو باڑھ دینا عجب لطف دکھاتا تھا، اور سرداران وشاہان و شہریار اس طرح صاحبقراں کو گھیرے ہوئے چلے جاتے تھے کہ جیسے ماہ کو انجم اپنے حلقے میں رکھتے ہیں۔ بے تکلف صاحبقراں نوشاہ معلوم ہوتے تھے اور اہل لشکر براتی نظر آتے تھے۔

ہرگاہ دونوں طرف کے لشکروں نے میمنہ، میسرہ، قلب وجناح، ساقہ، کمین گاہ، اگلا ہراول، پچھلا چنڈول وغیرہ، چودہ صفیں آراستہ کیں۔ بادشاہِ فلکِ چہارم امیر کا تجمل دیکھنے کو تختِ روز پر جلوہ افروز ہوا اور مخالفوں کے سینے میں انی نیزہ کرن کی چبھونے لگا۔ طبل داروں نے جھاڑ بوٹا میدان کا صاف کیا، بیلداروں نے پست و بلندِ زمین کو ہموار کیا، سقوں نے ہزارے مشکوں کے منہ میں باندھ کر آبپاشی کی۔ خیمہ ملک الموت کا نافِ میدان میں استادہ ہوا۔ مریخ ہر ایک کی پیشانی پر چمکنے لگا۔ نقیب بآوازِ بلند پکارنے لگا کہ کہاں ہے علاقہ اور کہاں ہے الامان! کہاں ہے سام ونریمان اور کہاں ہے سہراب یل و رستم پہلوان! آج میدان میں آکر اپنا جوہر دکھلائیں۔ لشکروں میں حشر برپا ہوگیا۔ میدانِ کارزار، گویا میدانِ رستخیز سب کی آنکھوں میں نظر آنے لگا۔ بازار موت کا گرم دیکھ کر زرہیں گلوں میں موم ہوگئیں۔ نوشیرواں کی طرف سے ایک جوان ساسانی، کوہ پیکر نام، گھوڑا چمکا کر اپنی صف سے نکلا اور بادشاہ کے تخت کو بوسہ دے کر رخصت طلب ہوا۔ نوشیرواں نے جام شراب کا اپنے ہاتھ سے دے کر ان کی اجازت دی۔ اس کا تو جامِ عمر معمور ہی ہو چکا تھا، اس نے اس جام کو پی لیا اور میدان میں آکر للکار للکار کر لن ترانی کرنے لگا کہ اے مسلمانو، تم میں سے جس کو آرزوے مرگ ہو وہ میرے سامنے آئے۔ صاحبقراں نے فاتحۂ خیر پڑھ کے اشقر دیوزاد کو اس کے گھوڑے کے برابر لا کر ایک اوجھڑ سپر کی اس کے گھوڑے کی پیشانی پر ایسی ماری کہ گھوڑا اس کا چند قدم پسپا ہوگیا۔ صاحبقراں سے کہنے لگا کہ حمزہ، تو از بسکہ زور آور و جوانِ جمیل ہے، بادشاہ سے باغی نہ ہو، قصور اپنا معاف کروا کے رکابِ سعادت انتسابِ شہنشاہِ ہفت کشور میں حاضر رہ۔ صاحبقراں نے فرمایا کہ تو لڑنے آیا ہے یا پند و وعظ کرنے؟ اگر لڑنا ہے تو سیدھی طرح سے لڑ، نہیں تو اپنے لشکر کی راہ لے۔ اس نے اپنے عیار سے نیزہ لے کر گھوڑے کو دونوں باگوں پر لگایا۔ صاحبقراں نے بھی شاہِ عیارانِ عیار کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اشقر دیوزاد کو چھچکارا۔ اس نے برابر آکر صاحبقراں پر نیزے کا وار کیا۔ صاحبقراں نے اپنے نیزے سے اس کو رد کیا۔ دو دو طعن نیزے کی چلی تھی کہ امیر نے اس کے داہنے پہلو کو خالی دیکھ کر گھوڑے کو کاوا دیا اور اس کے خالی پہلو کی طرف جا کے نیزہ مارنے کا ارادہ کیا۔ وہ بھی نیزہ

بازی میں مشاق تھا، امیر کی یہ حرکت دیکھ کر امیر کے بائیں پہلو میں، کہ اس وقت مرکب کی گردش سے خالی ہو گیا تھا، نیزہ مارا۔ امیر کاٹھی کو خالی کر کے گھوڑے کے پٹھے پر جا رہے۔ نیزے کی انی پہلو کے برابر ہاتھ بھر چھاتی کے آگے سے نکل گئی۔ امیر نے فوراً زین پر قائم ہو کے اس کے نیزے کو بغل میں دبا کر گھوڑے کو جو پھیرا، اس کا نیزہ بیچ سے ٹوٹ کر نصف زمین پر گر پڑا اور نصف اس کے ہاتھ میں رہا۔ عمرو نے دیکھا کہ نیزے میں جواہرات جڑا ہے، گرے ہوئے ٹکڑے کو دوڑ کر اٹھا لیا اور چوم کر زنبیل کے حوالے کیا اور کوہ پیکر سے کہنے لگا کہ لا، وہ بھی ٹکڑا میرے حوالے کر، کہ تیرے کس کام کا ہے۔ اس نے جواہر کی طمع سے کہا کہ او ساربان زادے، تجھ کو کیا سودا ہوا ہے؟ ایک تو میرے نیزے کا ٹکڑا اٹھا کر زنبیل میں رکھ لیا، دوسرے دوسرا ٹکڑا بھی مانگتا ہے۔ عمرو نے کہا کہ تو جانتا نہیں، میں گرے پڑے کا مالک اور رزم گاہ کا کوتوال ہوں۔ تو خوشی سے دے گا تو بہتر ہے، نہیں تو میں زبردستی لوں گا۔ وہ خفا ہو کر بولا کہ تو کیونکر لے گا، میں بھی دیکھتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ ٹکڑا جو اس کے پاس تھا اس کی بوڑی کو عمرو کی طرف کر کے چاہا کہ ہولا دے۔ عمرو نے فلاخن کے ڈورے کو نیم تاج سے کھول کر، ایک پتھر اس میں رکھ کے اس کے ہاتھ پر اس زور سے مارا کہ ہاتھ اس کا سن ہو گیا اور وہ ٹکڑا نیزے کا زمین پر گر پڑا۔ عمرو نے دوڑ کے اس کو اٹھا لیا اور کہا کہ دیکھا، یوں لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر اپنی صف میں جا کھڑا ہوا۔ اس نے کھسیانا ہو کر امیر سے کہا کہ او عرب، ہر چند کہ نیزہ بازی خلال بازی اور گرز بازی حمال بازی ہے۔ مگر معلوم ہوا کہ نیزہ بازی میں تو یگانۂ روزگار ہے۔ ہرگز میں تجھ سے نیزہ بازی و گرز بازی نہ کروں گا۔ میرے تیرے تلوار چلے کہ تیغ بازی راست بازی ہے۔ امیر نے فرمایا کہ اس سے کیا بہتر ہے! یہ تو میری عین آرزو ہے۔ دیکھوں تو کہ تیری تلوار میں کیسا جوہر ہے۔ اس نے تلوارِ آبدار، مانندِ تختۂ دُکانِ عطار، میان سے لے کر امیر کے سر پر وار کیا۔ امیر نے اس کو سپر پر روک کے رد کیا اور اپنی تیغ صمصام کو کھینچ کر نعرہ کیا کہ او گبر، خبردار ہو جا! یہ نہ کہنا کہ مجھ کو غفلت میں مارا۔ دیکھ تلوار اور وار اس کو کہتے ہیں۔ یہ کہہ کر ایک ہاتھ اس کے سر پر لگایا۔ ہر چند اس نے سپر کو پناہِ سر کیا، لیکن وہ تلوار کیا تھی کہ برق تھی۔ سپر و خود و کاسۂ سر کو کاٹ کر زین کی کاٹھی میں جا بیٹھی۔ اس کا زمین پر گرنا تھا کہ نوشیرواں نے ایک آہ مار کر فوج سے کہا کہ ہاں یہ عرب جانے نہ پاوے! اس کو ہاتھوں ہاتھ مار لو۔ فوج حکم پاتے ہی امیر پر آ گری۔ فوجِ اسلام بھی سپر و شمشیر گرز و خنجر و نیزہ و تیرِ ششں پر لے کر اللہ اکبر کہہ کے ٹوٹ پڑی۔ لگی شپاشپ تلوار چلنے۔ ایک ساعت کے عرصے میں چالیس ہزار سوار نوشیرواں کے لشکر کا مارا گیا اور فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ امیر نے خلافِ معمول اس دن فوجِ مفرور کا تعاقب کیا۔ چار کوس تک کشتوں کے پشتے باندھتے چلے گئے اور وہاں سے فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے پھرے۔ اس قدر غنیمت لشکرِ اسلام کے ہاتھ اس دن لگی کہ امیرانِ لشکرِ نوشیرواں فقیر اور فقیرانِ فوجِ اسلام امیر

ہوگئے۔ امیر بارگاہِ جمشیدی میں آکر دنگلِ رستم پر جلوہ افروز ہوئے اور جہاں تک سردارانِ لشکرِ اسلام تھے، دورویہ امیر کے پہلو میں کرسیوں پر بیٹھے اور جشن کی تیاری ہونے لگی۔

راوی لکھتا ہے کہ امیر نے بعدِ انفراغِ جشن عمرو سے پوچھا کہ ہمارے پیچھے تم پر کیا گذری؟ اس نے مفصل سرگذشت بیان کی۔ اس میں خواجہ آشوب و بہلول کو امیر نے بلاکر فرمایا کہ تمھارا کیا ارادہ ہے؟ وہ بولے کہ ہم چاہتے ہیں کہ تجارت کریں۔ امیر نے کئی لاکھ اشرفیاں ان کو دے کر رخصت کیا اور پروانہ راہداری کا لکھ دیا کہ ان سے کبھی کوئی شخص مزاحم نہ ہو۔ بعدازاں امیر نے عمرو سے پوچھا کہ ہمارے پیچھے کبھی لندھور و بہرام بھی تمھاری مدد کرنے کو آئے تھے؟ عمرو نے کہا کہ میں نے بارہا ان کو اپنا حالِ خستہ مال لکھ کر بلایا مگر کسی نے جواب تک نہ لکھا۔ مگر جب مجھ پر حریف کی چڑھائی ہوتی تھی، ایک نقابدار نارنجی پوش چالیس ہزار سوار سے آکر میری مدد کرتا تھا۔ ہر چند میں نے چاہا کہ دریافت کروں کہ یہ کون شخص ہے، اس نے یہی جواب دیا کہ مجھ سے آج تک کوئی کارِ نمایاں نہیں ہوا کہ میں اپنے کو ظاہر کروں۔ جب زیادہ میں نے اصرار کیا تو بولا کہ جب خدا امیر کو لادے گا اس وقت تجھ کو میرا حال معلوم ہو جائے گا۔ امیر نے برہم ہو کر فرمایا کہ اگر آج سے کسی نے ہمارے لشکر میں لندھور و بہرام کا نام لیا تو زبان اس کی گدی کے پیچھے سے نکلوا ڈالوں گا۔

چونکہ امیر کے آنے کی خبر جابجا ملکوں میں پہنچ گئی تھی بڑے بڑے بادشاہِ گردن کش مبارکباد دینے کے واسطے امیر کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور جو حاضر نہ ہو سکے انھوں نے زر و جواہر بطریق نثار تہنیت ناموں کے ساتھ بھیجا۔ لندھور و بہرام سن کر بہت خوش ہوئے۔ لندھور نے بہرام سے کہا کہ ہم کو تم کو بیس بائیس برس کا عرصہ اس ملک میں آئے ہوئے ہوا اور حیف ہے کہ اب تک یہ ملک خس و خاشاک سے پاک نہ ہوا، اور اس عرصے میں کیا کیا نہ کفاروں نے عمرو پر چڑھائی کی اور ہم میں تم میں سے ایک بھی اس کی مدد کو نہ پہنچا۔ صاحبقراں نے جو یہ حال سنا ہوگا بلاشبہ رنجیدہ ہوئے ہوں گے۔ بہرحال، جو ہونی سو ہوئی، صاحبقراں کی قدم بوسی کے لیے جانا ضرور ہے، نہیں تو لوگ نمک بہ حرام کہیں گے۔ بہرام نے کہا، بہتر ہے، تم آگے چلو، میں بھی پیچھے سے حاضر ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر بہرام تو چین کی طرف گیا اور لندھور فوجِ جرار غنیم پر تعین کر کے امیر کے پاس روانہ ہوا۔ چند روز میں امیر کے در دولت پر پہنچا۔ امیر نے اپنے روبرو بلا کر بہ کمال غیظ شکوہ کیا۔ لندھور نے سرگذشت اپنی بیان کر کے بہت سا عذر کیا اور بہرام کا بھی حال عرض کیا۔ بارے امیر نے قصور اس کا معاف فرما کر اپنے پاس بٹھلایا۔ اور عمرو سے پوچھا کہ کچھ معلوم ہوا کہ نوشیرواں کہاں گیا؟ عمرو نے دستِ ادب باندھ کر عرض کی کہ مغرب کی طرف گیا ہے۔ وہاں کے بادشاہ نے ایک پہلوان کو پانچ لاکھ سوار کا افسر کر کے نوشیرواں کی مدد کو بھیجا ہے۔ سو کچھ لوگ تو لشکرِ نوشیرواں اور شاہِ مغرب کی فوج کے دریا کے اُس طرف پڑے

ہوئے ہیں اور کچھ اِس طرف ہیں۔ فرمایا کہ ہماری بارگاہ بھی زیرِ کوہ عین سبزہ زار میں لبِ دریا استادہ ہو اور سامانِ جشن وہاں مرتب کیا جائے۔ اور ہمارے لشکر کو حکم دو کہ نوشیرواں کے لشکر پر متصرف ہوں۔ فوراً بارگاہ کیخسروی جس جگہ امیر نے فرمایا تھا نصب کی گئی اور سامان جشن کا مہیا کیا گیا۔ صاحبقراں مع سردارانِ نامدار و گردانِ باوقار بارگاہ میں داخل ہوئے اور ساقیانِ گلعذار و مطربانِ ناہید وثار شیشہ ہائے زرنگار و جام ہائے مرصع کار لے کر باساز ہائے رنگارنگ مجلس میں حاضر ہوئے۔

صاحبقراں سرگرمِ صحبتِ بزم تھے کہ عیاروں نے آ کر خبر دی کہ مقبل وفادار ہرمز تاجدار و بختک نابکار کو اسیر کیے لیے آتا ہے۔ امیر یہ خبر سن کر نہایت خوش ہوئے۔ واضح ہو کہ جس دن جنگِ مغلوبہ ہوئی تھی، عین جنگ میں ہرمز تاجدار و بختک سیہ کار اپنی دانست میں قلعے کو خالی جان کر پانچ ہزار سوار ہمراہ لے کے مہرنگار کے لانے کے واسطے قلعے میں گئے تھے۔ وہاں مقبل چالیس ہزار سوار سے موجود و مستعد تھا۔ اس نے سواروں کو مار کر ہرمز و بختک کی مشکیں باندھ لیں اور امیر کے پاس لے آیا۔ صاحبقراں نے ہرمز سے کہا کہ آپ مسلمان ہو جائیں تو یہ تخت آپ ہی کے واسطے ہے۔ بختک نے دیکھا کہ ہرمز تو جیسا تیسا، مگر میں آج جانبر ہوتا نظر نہیں آتا، ہرمز کو قبول کرنے کے لیے اشارہ کیا۔ ہرگاہ ہرمز و بختک خوفِ جان سے، کینہ دل میں رکھ کر، مسلمان ہوئے۔ صاحبقراں نے ہرمز کو تختِ کیخسروی پر بٹھا کر اپنے لشکر کا بادشاہ کیا اور آپ نذر دے کر سب شاہان و شہریاران و سردارانِ لشکر سے نذر دلوائی، اور بختک کو اس کا وزیر کیا اور شادیانہ بجنے کا حکم دیا۔

الغرض صاحبقراں کو ایسی خوشی ہوئی کہ برنگِ گل پیراہن میں نہ سماتے تھے۔ تیسرے دن چار گھڑی دن آیا ہوگا کہ امیر خوش و خرم بیٹھے ہوئے سبزہ زار کی سیر کر رہے تھے کہ فلک پر سے تین طاؤس خوش رنگ اس سبزہ زار میں اترے۔ امیر نے مقبل وفادار اور عمرو عیار کو ان کے دیکھنے کے لیے بھیجا۔ وہ ان کو دیکھ کر غائب ہو گئے۔ ناظرین یہ حال دیکھ کر متحیر ہوئے۔ راوی لکھتا ہے کہ وہ طاؤس نہ تھے، آسمان پری مع لشکرِ جرار وہاں سے دو کوس کے فاصلے پر ایک کوہ کے دامن میں وارد ہوئی تھی، اس نے عبدالرحمٰن جنی و سلاسل پریزاد و اکوانہ پری کو امیر کی خبر لانے کے واسطے بھیجا تھا، وہ طاؤس بن کر امیر کے دیکھنے کو آئے تھے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد بہ صورتِ اصلی بارگاہ میں حاضر ہو کر امیر کو مجرا کیا اور آسمان پری کے آنے کی خبر دی۔ امیر نہایت خوش ہوئے اور بغلگیر ہو کر انھیں اپنے پہلو میں کرسیوں پر بٹھلایا اور ہرمز تاجدار اور اپنے لشکر کے سرداروں کو آسمان پری کے آنے کا مژدہ سنایا اور عمرو سے فرمایا کہ لو مبارک ہو، آسمان پری تمھارے واسطے قاف کی سوغات لائی ہے۔ عمرو بھی یہ مژدہ سن کر بہت خوش ہوا۔ تمام رات صحبت عیش و نشاط کی گرم رہی۔

صبح ہوتے ہی امیر سوار ہوئے۔ جہاں تک کہ شاہ و شہریار و سردار و سپہ سالار تھے، سوائے ہرمز تاجدار، مرصع

پوش ہو کر صاحبقراں کی جلو میں چلے۔ خواجہ عبدالرحمٰن جنی وسلاسل پریزاد واکوانہ پری نے پہلے سے جا کر آسمان پری کو خبر دی کہ صاحبقراں تشریف لاتے ہیں۔ آسمان پری بہت خوش ہوئی اور اپنی بارگاہ سے امیر کے لشکر تک مخمل وقاقم وزربفت وکمخواب کا پانداز بچھوایا۔ جس وقت امیر بارگاہِ سلطانی پر پہنچے، سب کو دروازے پر چھوڑ کے آپ خیمے کے اندر گئے۔ آسمان پری قریشہ کو لے کر بارگاہ کے دروازے تک امیر کے استقبال کے لیے آئی اور ہنس کے امیر سے کہا کہ آپ تو ہم کو چھوڑ آئے تھے، لیکن آخر ہم آپ ہی آئے، اور ملکہ مہرنگار کی عروسی کا سامان بھی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ امیر نے پوچھا کہ کیا کیا لائی ہو؟ آسمان پری نے کہا کہ بارگاہِ سلیمانی، نقار خانہ سلیمانی، چارطاق بازارِ بلقیس اور ہر قسم کا جواہر وتحائفِ قاف وقاقم وسنجاب ومخمل واطلسِ زرنگار۔ امیر بہت محظوظ ہوئے اور قریشہ کی پیشانی پر بوسہ دے کر گلے سے لگالیا اور آسمان پری کو بھی سینے سے لگا کر بہت سا پیار کیا۔ آسمان پری نے کہا کہ آپ تخت پر بیٹھیں۔ امیر نے قبول نہ کیا، آصف برخیا کی کرسی پر بیٹھے۔ جہاں تک دیو، پری، جن آسمان پری کے ساتھ آئے تھے، سبھوں کے سرداروں نے امیر کو آ کر مجرا کیا۔ امیر نے سب کو بہ نگاہِ سرفرازی دیکھا اور ہر ایک سے خیر وعافیت پوچھی اور آسمان پری سے کہا کہ ہم جو اکثر عمرو عیار کی تعریف تم سے کیا کرتے تھے، وہ بھی تمھاری ملاقات کا مشتاق ہو کر آیا ہے۔ آسمان پری نے کہا کہ اس کو بلوالو۔ عمرو جو بارگاہ کے اندر آیا، بارگاہ کو دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ دیکھے تو سوائے امیر کے کوئی نظر نہیں آتا ہے۔ امیر سے پوچھنے لگا کہ ملکۂ آفاق کہاں رونق افروز ہیں جن کی آپ ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے؟ آخر میں بھی تو دیکھوں کہ وہ کیسی ہیں جنھوں نے اٹھارہ برس تک قاف میں آپ کو لبھا رکھا تھا۔ امیر نے فرمایا کہ اے عمرو، ملکہ آسمان پری تخت پر جلوہ افگن ہیں، تو سلام کیوں نہیں کرتا؟ عمرو نے کہا کہ مجھ کو تو دکھائی دیتی نہیں، میں سلام کس کو کروں؟ ایسا کیا میرا اسلام مفت کا ہے کہ میں تخت وکرسیوں کو سلام کیا کروں؟ ملکہ نے حکم کیا کہ سرمۂ سلیمانی عمرو کی داہنی آنکھ میں لگا دو۔ واضح ہو کہ سرمۂ سلیمانی داہنی آنکھ میں لگانے سے دیو نظر آتے ہیں اور بائیں آنکھ میں دینے سے پریزاد وپریاں نظر آتی ہیں۔ عمرو کی داہنی آنکھ میں جو سرمہ لگایا، عمرو کو دیووں کی صورت دکھائی دینے لگی۔ بہت سی توبہ واستغفار کر کے امیر سے پوچھنے لگا کہ ان میں آپ کی حرمِ خاص ملکہ صاحب کون سی ہیں؟ امیر عمرو کے اس کلام پر بہت ہنسے اور ملکہ بھی ہنستے ہنستے تخت پر لوٹ لوٹ گئی۔ حکم کیا کہ اس کی بائیں آنکھ میں بھی سرمہ لگا دو۔ ہرگاہ بائیں آنکھ میں سرمہ لگایا گیا، عمرو کو پریوں اور پریزادوں کی صورت دکھائی دینے لگی۔ دیکھا کہ تخت پر ایک ملکہ صاحبِ جمال خورشید تمثال بیٹھی ہوئی ہے اور ایک لڑکی رشکِ ماہِ چاردہ، مطلق امیر کی شباہت، ملکہ کے پہلو میں جلوہ افگن ہے۔ دل میں کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی امیر کی ہے۔ تخت کے نزدیک جا کے ملکہ کو سلام کیا اور صاحبقراں سے کہنے لگا کہ ملکہ آسمان پری یہی ہیں؟ اے صاحبقراں، اسی

صورت کے واسطے تو نے اٹھارہ برس قاف میں اوقات ضائع کی؟ لاحول ولاقوۃ! میں تو ایسی صورت کے واسطے ایک دن بھی نہ رہتا، اور ایسی عورت سے جائے ضرور کا لوٹا بھی نہ اٹھواؤں۔ ملکہ کھسیانی ہو کر آبدیدہ ہوگئی۔ امیر نے زبانِ جنی میں آسمان پری سے کہا کہ تم آزردہ کیوں ہوتی ہو؟ یہ ایک مسخرہ ہے، یہ اس کی ایک ادائے خوش طبعی ہے۔ ابھی ہوا کیا ہے، تم دیکھو گی کہ کیا کیا سوانگ لاتا ہے۔ اور میں نے تم سے قاف میں جب اس کا ذکر کیا تھا، کہا نہیں تھا کہ ایسا فیلیا ہے۔ ایک کام کرو، تم اس وقت کچھ اس کو دو، پھر کیفیت دیکھو۔ آسمان پری نے آنسو پونچھ کر ایک خلعتِ مرصع با چند جواہر عمرو کو عنایت کیا۔ عمرو نے خلعت پہن کر تسلیم کی اور چٹکی بجا بجا کر اس شعر کو مکرر سہ کرّر گانے لگا:

کیا ترے حسن کی تصویر ہے اللہ اللہ
سورۂ نور کی تفسیر ہے اللہ اللہ

اور امیر کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ اے صاحبقراں، میں پہلے ہی سمجھا تھا کہ صاحبقراں کے ہاتھ کوئی ماہ پیکر ایسی لگی ہے کہ جس کو چھوڑ کے آنے کو جی نہیں چاہتا۔ نفس الامر میں جس کو ایسی معشوقۂ جمیلہ میسر آوے وہ دنیا و مافیہا سے کیوں نہ بے خبر ہو جاوے۔ پہلے میں جانتا تھا کہ مہر نگار ہی دنیا میں صاحبِ جمال ہے، مگر اس ملکۂ خورشید تمثال کے روبرو تو ذرہ کے موافق بھی وہ چمک دمک نہیں رکھتی۔ آخر کیوں نہ ہو، کہاں آدم زاد اور کہاں پریزاد! آسمان پری عمرو کی اس گفتگو سے بہت خوش ہوئی اور بے اختیار یہ کہہ کر ہنسی کہ پھر بے گھوڑے یہیں سے۔ پھر تو اس قدر جواہر اور قاف کا تحفہ عمرو کو دیا کہ عمرو نہال ہو گیا۔

بعد ازاں آسمان پری نے امیر کے لشکر کے امیروں اور سرداروشہر یارو پہلوانوں کو بلا کر ہر ایک کے مرتبے کے موافق مخلّع کیا اور امیر پر تاکید کی کہ مہر نگار سے عقد کرنے کی جلد تیاری کرو۔ اگرچہ میں اسبابِ عروسی قاف سے اپنے ساتھ لائی ہوں، لیکن اس اقلیم کی رسم سے تو آگاہ نہیں ہوں، یہاں کے دستور کے موافق بھی تیاری ضروری ہے۔ امیر تین دن آسمان پری کے پاس رہ کر چوتھے دن اپنے لشکر میں آئے اور مہر نگار سے جا کر فرمایا کہ آسمان پری تمھارے واسطے سامانِ عروسی قاف سے لے کر آئی ہے اور تاکید پر تاکید کرتی ہے کہ جلد شادی کرو۔ مہر نگار تو سر نیچے کر کے چپکی ہو رہی۔ امیر نے باہر آ کر یہی تقریر ہرمز تاجدار سے کی اور طبلِ عروسی بجنے کا حکم دیا اور ایک عرضی اس مضمون کی نوشیرواں کو لکھی کہ نفس الامر میں مہر نگار کو تو آپ مجھ کو دے چکے تھے، مگر گردشِ فلک سے اکثر حوادثاتِ مکروہ واقع ہوئے۔ بہر حال، گذشتہ راصلوٰۃ، عرض یہ ہے کہ بالفعل فدوی مہر نگار سے عقد کرتا ہے۔ امیدوار ہوں کہ حسبِ دستورِ روزگار مکرر اجازت دیجیے کہ خوشی خوشی اس کارِ خیر کو انجام دوں اور مجلسِ بہشت آئین و بزمِ بہجت قرین میں حضور کا بھی قدم رنجہ فرمانا ضرور ہے۔ عمرو نے بادشاہِ ہفت کشور کی

خدمت میں جا کر عرضی گذرانی۔ بادشاہ نے اس کو پڑھ کر عمرو سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آسمان پری سامانِ عروسی وتحائفِ قاف مہرنگار کے واسطے لائی ہے۔ یہ خبر سچ ہے یا جھوٹ؟ عمرو نے عرض کی کہ راست ہے، اس میں ایک سرِ موفرق نہیں۔ اس عرصے میں ایک عرضی ہرمز وبختک کی بھی پہنچی۔ اس میں لکھا تھا کہ آپ امیر کو شادی کی اجازت دیجیے گا کہ بات میں فرق نہ آوے، کیونکہ اگر حکم بھی نہ دیجیے گا تو بھی حمزہ مہرنگار سے شادی کرے گا، اس وقت موجب سبکی کا ہوگا۔ بادشاہ نے رفیقوں اور سرداروں کو بلا کر ہرمز کی عرضی دکھلائی۔ سبھوں نے بالاتفاق شاہزادے کی رائے کو پسند کیا۔ نوشیرواں نے قلمدان منگا کر امیر کی عرضی کا جواب لکھا اور شادی کی اجازتِ تامہ دی، مگر محفل میں جانے کا انکار کیا۔ اکثر رفقا نے کہا کہ ہم نے تو ایسی شادی فقیر کی بھی نہیں دیکھی، نہ کہ امیر کی شادی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ امرا شادی آپ ہی آپ کر لیا کرتے ہیں۔ بزرجمہر نے کہا کہ اگر آپ لوگ جائیں گے تو امیر بہ عزت وتوقیر بٹھلائیں گے اور تماشا دکھلائیں گے، دو چار دن کیفیت دیکھ کر چلے آیئے گا، اور نوشیرواں سے کہا کہ اگر حضور علانیہ اپنا جانا مناسب نہیں جانتے تو عمرو کو کچھ انعام دیجیے کہ وہ اپنے مکان میں بٹھلا کر تماشا دکھا دے گا۔ بادشاہ نے کہا، اس کا مضائقہ نہیں ہے۔ عمرو سے فرمایا کہ ہم آزاد کی صورت بن کر آئیں گے۔ عمرو نے قبول کیا۔ بادشاہ نے عمرو کو خلعت دے کر رخصت کیا اور بزرجمہر عمرو کے ساتھ ہوئے۔

راوی لکھتا ہے کہ جب امیر نے اپنے خط کا جوابِ باصواب پایا بہت خوش ہوئے اور بزرجمہر سے بغلگیر ہو کر ان دونوں پتوں کا عرق جو حضرت خضر نے دیے تھے، اپنے ہاتھ سے بزرجمہر کی آنکھوں میں ٹپکایا۔ بزرجمہر کی آنکھیں تارا سی روشن ہوگئیں۔ بزرجمہر نے امیر کو مبارکباد دی۔ لگی نوبت عروسی کی جھڑ جھڑ بجنے۔ دیو و پریزادوں نے ملکہ آسمان پری کے حکم سے بارگاہِ سلیمانی کو ایک بلند ٹیکرے پر استادہ کیا اور چار طاق بازارِ بلقیس اس کے متصل قائم ہوا۔ چار سو دیو اس بارگاہ میں فرش بچھانے اور جاروب کشی کے لیے متعین ہوئے۔ نقار خانۂ سلیمانی میں نوبتِ شادیانۂ عروسی بجنے لگی۔ چپے چپے پر رنگارنگ جواہر کے انبار لگ گئے۔ ملکہ آسمان پری مہرنگار کو خلوت خانۂ سلیمانی میں لے گئی اور بزمِ جشنِ عروسی مرتب ہوئی۔ بارات کے دن امیر خلعتِ شاہانہ پہن کر اشقر دیوزاد پر سوار ہوئے اور شاہ وشہریارانِ روزگار امیر پر سے زر و جواہر نثار کرتے ہوئے گرد گھوڑے کے چلے۔ بارہ ہزار جن بچے، حسین وجمیل، جھاڑہائے بلوریں اور رنگارنگ جواہر کی لالٹینوں میں مومی کافوری جامی بتیاں روشن کیے ہوئے، امیر کے گھوڑے کے آگے جاتے تھے، اور چالیس ہزار جن قاف کی آتش بازی ہوا پر چھوڑتے، بایکدیگر کلقاریاں مارتے جاتے تھے، اور بیس ہزار تختِ رواں پر پریزاد، سواری کے دو رویہ، اپنا گانا بجانا ناچنا سناتے دکھاتے تھے، اور شترہائے پرندہ پر نوبت خانۂ سلیمانی برسرِ ہوا بجتا جاتا

تھا، اور شاہِ عیارانِ عیار، دشمن شکار، خواجہ عمرو بن امیہ ضمیری، چار ہزار چار سو چوالیس عیار بہ لباسِ مرصع کار ہمراہ لیے، امیر کی سواری کا اہتمام کرتا جاتا تھا، اور اشقر دیوزاد اس طرح سے قدم بہ قدم شاہ گام کلائیاں مارتا، طاؤسِ رقاص کی صورت اپنے کو بناتا، خوش رفتار تھا کہ ہر قدم پر اس کے کبکِ دری وجد کرتا تھا:

خوشی سے وہ گھوڑے کا چلنا سنبھل
ہما کے وہ دونوں طرف مورچھل
طرق کے طرق اور پرے کے پرے
اِدھر اور اُدھر، کچھ ورے، کچھ پرے
غرض اس طرح سے سواری چلی
کہے تو کہ بادِ بہاری چلی

القصہ، جب اس شان وشوکت سے امیر کی سواری بارگاہِ سلیمانی میں داخل ہوئی، امیر مرکب پر سے اتر کے ہرمز تاجدار کے پہلو میں تخت پر جا بیٹھے۔ پریوں کا ناچ ہونے لگا۔ ملکہ آسمان پری نے قریشہ اور اپنی مصاحبوں سمیت چار طاقِ بلقیس میں مہرنگار کے پاس جا کر مہرنگار کو زر وجواہر قاف، کہ سوائے شاہنشاہِ قاف کے حرم کے چشمِ فلک نے نہ دیکھا تھا، پہنا کر ہر ہفت کیا اور مہرنگار کو بنی بنا کر طبق طبق خوانچے جواہر کے مہرنگار پر سے نثار کیے، اور اس وقت کا عالم مہرنگار کا دیکھ کر آسمان پری خود شیفتہ ہوگئی اور خوش خوش محفلِ شادی کی ترتیب میں مصروف ہوئی۔

نوشیرواں کا حال سنیے کہ سات آدمیوں سے، الف آزادی کا ماتھے پر کھینچ، منکا ٹھنکا سمرن سیلی پہن، رومال چھڑی اُداسے کی ہاتھ میں لے، کلاہِ سوزنی سر پر رکھ، مجلسِ شادی کا تماشا دیکھنے کے واسطے گیا۔ عمرو نے نوشیرواں کو پہچان کر کہا کہ آپ چل کر مجلس میں بیٹھیے اور تماشا دیکھیے۔ نوشیرواں نے قبول نہ کیا۔ تب عمرو نے کہا کہ آیئے میں آپ کو ایسی جگہ بٹھلا دوں کہ آپ سب کو دیکھیں اور آپ کو کوئی نہ دیکھے۔ یہ بات نوشیرواں نے قبول کی۔ عمرو نوشیرواں کو بارگاہِ سلیمانی میں لے آیا اور کرسی ہائے جواہر نگار بچھوا کر بہ صد تعظیم وتکریم بٹھلایا اور ساقیانِ گلعذار سیمیں اندام کو حکم دیا کہ جامِ مئے رنگا رنگ کو گردش میں لائیں۔ نوشیرواں چار گھڑی بیٹھ کے اٹھ کھڑا ہوا اور امیر کو دعا دے کر کہا کہ بابا ہم فقیر ہیں، سیر کے واسطے آئے تھے، اب رخصت ہوتے ہیں۔ امیر نے زبانِ عیاری میں عمرو سے کہا کہ ان کو چار طاق کے بالاخانے پر لے جا کر بٹھلا دو کہ یہ چین سے الگ تھلگ تماشا دیکھیں، اور اسبابِ عیش وطرب ان کے روبرو مہیا کردو کہ ان کی طبیعت اداس نہ ہو۔ عمرو نے نوشیرواں کو چار طاق کے بالاخانے پر بٹھلا کر جو سامان کہ چاہیے تھا روبرو اس کے موجود کردیا۔

ہرگاہ چار گھڑی پچھلی رات باقی رہے خواجہ بزرجمہر نے حسبِ شرعِ شریف امیر کا عقد مہر نگار سے باندھا۔ صبح ہوتے ہوتے محل میں نوشے کی پکار ہوئی۔ امیر محل کے دروازۂ اول پر جو پہنچے، ملکہ آسمان پری نے دروازہ بند کیا اور کہا کہ دروازہ اس وقت کھلے گا جس دم مہر نگار کا مہر دے لوگے۔ امیر نے مقبل وفادار کو چالیس ہزار سوار، غلامِ زریں کمر سمیت، مہر نگار کے مہر میں دیا۔ ملکہ آسمان پری نے دروازہ کھول دیا۔ پھر دوسرے دوازے کو بند کر کے مہر نگار کی رونمائی چاہی۔ امیر نے شمشیر عقربِ سلیمانی کو مع مرکبِ سیاہ قیطاس دیا۔ الغرض، اسی طرح سات دروازے پر سات چیزیں مہر نگار کے واسطے آسمان پری نے امیر سے لیں، تب خلوت خانے میں قدم رکھنے دیا۔ امیر مہر نگار کو بہ لباسِ عروسی حلقۂ ماہرویانِ پری تمثال میں مسند پر بیٹھے دیکھ کر برنگِ گل پیرہن میں نہ سمائے۔ بعدِ رسم نبات و آرسی مصحف امیر عروس کو گودی میں اٹھا کر چھپر کھٹ پر لے گئے اور مجنوں وار اس لیلی وش پر نثار ہو کے، چھاتی سے چھاتی ملا کر عنابِ لب کو چوسنے لگے۔ ایک گھڑی کے بعد حسبِ دستور عروس و نوشاہ میں ہاتھا پائی ہونے لگی۔ امیر نے دم دلاسا دے کر اس دریائے خوبی سے گوہرِ مقصود حاصل کیا، اور خدا کی قدرت سے اسی شب کو صدفِ دریائے محبوبی حاملِ دُرِ نایاب ہوئی۔

صبح کو امیر نے حمام کیا اور پوشاک بدل کر شگفتہ و خنداں بارگاہِ سلیمانی میں آئے۔ دن بھر جشن میں رہے۔ رات کو ملکہ آسمان پری کی سیج پر گئے، اور اس کے دوسرے دن ملکہ ریحان پری کو لے کر بغل گرم کی، اور تیسرے دن سمن سیما پریزاد سے ہم بستر ہوئے۔ اسی طرح سے امیر ہر روز ایک حرم کے ساتھ دادِ عیش کی دیتے رہے۔

چالیس دن تک شاہانِ قاف و شہر یارانِ دنیا امیر کے ساتھ جشن میں مصروف رہے۔ ایک دن بعدِ انفراغِ جشن امیر چار طاق بازار کی سیر کو سوار ہوئے۔ نقار خانے سے باہر گئے تھے کہ دفعتاً آسمان پر سے ایک دیو، رعد شاطر کا بھائی کہ جس کو امیر نے مارا تھا، زمین پر اترا اور امیر کو نہتا دیکھ کر ایک چوبدست امیر کے سر پر ماری۔ امیر نے گھوڑے سے الگ ہو کر اس کے حربے کو خالی دیا اور اس کی کمر میں ہاتھ دے کے تین چرخ سر پر دے کر اس زور سے زمین پر پٹخا کہ لب اس کے چھٹی کے دودھ سے تر ہو گئے۔ چاہتا تھا کہ اٹھ کر بھاگے، امیر نے اس کا ایک پاؤں اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر، دوسرے پاؤں کو ہاتھ میں لے کے پارچۂ بوسیدہ کی طرح سے [بسہولت] چیر کر پھینک دیا۔ دیکھنے والوں کو سکتہ ہو گیا۔ نوشیرواں بھی اس زور و قوت کو دیکھ کر بیہوش ہو گیا۔ بعد ازاں امیر پھر پھرا کر بارگاہ میں داخل ہوئے۔ عمرو گلاب و بید مشک چھڑک کر نوشیرواں کو ہوش میں لایا اور امیر کے پاس رخصت کے واسطے لے آیا۔ امیر نے نوشیرواں کو جامۂ آزادی پہنے دیکھ کر نصیحتاً کہا کہ اے شاہِ شہر یارانِ ہفت کشور، بت پرستی سے توبہ کر، خدا کو واحد جان، میں تیرے کمترین نوکروں کی اطاعت کروں گا۔ نوشیرواں نے قبول نہ کیا۔ مجبور ہو کر بہت زر و جواہر و تحائفِ قاف نوشیرواں کے روبرو پیشکش

کیا اور اس کے رفیقوں کو خلعتِ سلیمانی دیا۔ نوشیرواں رخصت ہو کر اپنے لشکر میں آیا اور اس کے دوسرے دن مدائن کی طرف کوچ کیا۔ ملکہ آسمان پری خاص امیر کے لیے جو تحفہ لائی تھی، پیشکش کر کے رخصت طلب ہوئی۔ امیر نے اس کو گلے سے لگا کر کہا کہ جیسا تو میں تم سے ملول ہوا تھا، ویسا ہی خوش و ممنون ہوا۔ جس وقت تم مجھ کو یاد کرو گی، اگر کسی جنگ میں پھنسا نہ ہوں گا، تو میں اسی دم تمھارے پاس روانہ ہوں گا۔ اور تمھارا تو گھر ہی ہے، جس وقت چاہو رونق افروز ہو۔ اور قریشہ کو گلے سے لگا کر اس کی پیشانی کے بوسے لیے اور رخصت کیا۔ ریحان پری و سمن سیما پری بھی امیر سے رخصت ہو کر ملکہ کے ہمراہ ہوئیں۔

صاحبقراں نے تمام ملکِ مغرب شاہ تیغ مغرب کو دیا مگر وہ اپنا نائب چھوڑ کر امیر کے ہم رکاب ہوا۔ امیر نے دوسرے دن پیش خیمہ مکہ معظّمہ کی طرف روانہ کیا، اور عمرو بن حمزہ نامی اپنے بیٹے کو، کہ ملکہ ناہید مریم دخترِ فریدون شاہ والیِ یونان کے بطن سے تھا، اپنے قائم مقام کر کے مہر نگار کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہوئے۔ ایک دن عمرو بن حمزہ محفل میں بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا، ناگاہ معدی کرب نے تیوری چڑھا کر لندھور سے کہا کہ اے دراز قد، تو نے بھی یہ حوصلہ پایا کہ میری کرسی پر متکی ہوا! لندھور بولا کہ او شکم بزرگ، تو نے یہی یہ چک و چانہ پایا کہ مجھ سے ترش رو ہو کر گفتگو کرتا ہے! میں جو اس کرسی پر بیٹھا ہوں، بہ اجازت امیر کے بیٹھا ہوں۔ معدی نے پھر بآوازِ بلند کہا کہ ہرگز امیر نے تجھ کو میری جا گرم کرنے کو نہیں کہا ہے۔ لندھور بولا کہ اے معدی، تو دو چار ہی پیالوں میں بدمست ہو کر فیل لایا؟ معدی نے اٹھ کر لندھور کو ایک مکا مارا۔ لندھور نے ہنس کر کہا کہ معدی، کیوں دیوانہ ہوا ہے! عمرو بن حمزہ نے یہ کیفیت دیکھ کر معدی کو للکارا کہ کیوں بدمستی کرتا ہے؟ معدی نشے کے عالم میں تو تھا ہی، بے تحاشا بولا کہ تم کو ان باتوں سے کیا کام ہے؟ میں جانوں اور لندھور جانے۔ امیرزادے نے اٹھ کر ایسا گھونسا معدی کے مارا کہ معدی زمین پر گر پڑا۔ معدی سر اپنا پیٹنے اور کہنے لگا کہ جب امیرزادہ اس طرح سے ہماری بے حرمتی چاہے گا تو ہم اس دربار میں رہ چکے! چونکہ یہ حرکت امیرزادے کی تمام سرداران اور پہلوانوں کو بری معلوم ہوئی تھی، عجب طرح کا شور و غل مجلس میں برپا ہوا۔ امیر گھبرا کر باہر نکل آئے اور کم و کیف سے مطلع ہو کر بیٹے سے فرمانے لگے کہ خبردار اگر پھر کسی سے ایسی حرکت کی۔ لندھور و معدی بایکدیگر سمجھ لیتے، تم کو ان کے بیچ میں دخل دینے سے کیا علاقہ تھا؟ امیرزادہ طیش میں آکر بولا کہ اگر پھر کبھی معدی نے ایسی بے ادبی مجھ سے کی تو میں معدی کے کان کاٹ ڈالوں گا۔ امیر نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ ایسی زبان درازی خوب نہیں ہے۔ بارِ دیگر ایسی گفتگو کرو گے تو اٹھا کر ایسا زمین پر دے ماروں گا کہ کان سے مغز نکل آئے گا۔ امیرزادے کا شباب تھا، باپ کا یہ نصیحت کرنا اس کو برا معلوم ہوا۔ بے تحاشا بولا کہ مجھ کو کون مار سکتا ہے! امیر غیظ میں آکر عمرو کا ہاتھ پکڑ کے میدان میں لے آئے۔ دونوں باپ بیٹے گھوڑوں پر سوار

ہوئے۔ حاضرین باپ بیٹے کی لڑائی دیکھنے لگے۔ امیر نے عمرو کو آگے بلایا۔ اس نے ہر چند گھوڑے کو تازیانہ کیا، لیکن گھوڑے نے آگے کو قدم نہ بڑھایا۔ امیر نے فرمایا کہ اے نادان، سفیہ حیوان سے ادب سیکھ! عمرو گھوڑے سے کود پڑا۔ امیر بھی پیادہ ہوئے۔ عمرو نے امیر کا کمر بند پکڑ کے جہاں تک زور کرنے کا حق تھا کیا، مگر امیر کا لنگر نہ اٹھ سکا۔ ناچار ہو کر چھوڑ دیا۔ مگر امیر نے عمرو کی کمر میں ہاتھ ڈال کر سر پر اٹھا کے آہستہ سے زمین پر رکھ دیا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ امیر زادے نے بھی باپ کے قدم پر سر جھکا دیا۔ امیر نے اس کو چھاتی سے لگا کر فرمایا کہ جانِ بابا، پہلوانوں سے ہی سرداری ہے۔ ہر عالم میں ان کی خاطر داری اور لحاظِ حرمت ضرور ہے۔ امیر زادہ منفعل ہو کر پھر مجلس میں آ کے ناچ دیکھنے لگا۔

مخبرانِ اخبار لکھتے ہیں کہ نویں مہینے زوجۂ امیر زادہ اور مہر نگار کے بطن سے بیٹے پیدا ہوئے۔ امیر اس مژدے کو سن کر بہت خوش ہوئے۔ پوتے کا نام تو سعد رکھا، مگر اپنے بیٹے کا نام آپ نہ رکھا، عمرو عیار سے فرمایا کہ تم نوشیرواں کو خبر دو اور کہنا کہ نام بھی اس کا آپ ہی رکھیں۔ عمرو چند روز میں مدائن پہنچا اور نوشیرواں سے بعد تسلیم کے عرض کی کہ نواسا مبارک ہو، اور امیر نے التماس کیا ہے کہ نام اس کا حضور رکھیں۔ نوشیرواں اس تہنیت سے بہت خوش ہوا اور عمرو کو خلعتِ فاخرہ عطا کر کے چالیس دن کے جشن کا حکم دیا، اور نام اس کا قباد رکھا۔ مہر انگیز بانو نے یہ خبرِ فرحت اثر سن کر عمرو کو اپنے روبرو بلا کے مہر نگار اور امیر کی خیریت دریافت کی، نواسے کی صورت و شکل پوچھ کر عمرو کو خلعت با جواہرِ گرانمایہ دیا۔ عمرو رخصت ہو کر جلد از جلد امیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ نوشیرواں و مہر انگیز بانو نے کہا تھا، بیان کیا۔

جب قباد و سعد چار چار برس کے ہوئے، امیر نے دونوں لڑکوں کو ادب سکھانے کے واسطے عمرو کے تفویض کیا۔ ہر گاہ پانچ برس کا سن ہوا، دیکھنے والے ایڑی دیکھ کر کہتے تھے کہ ایسے حسین و صاحبِ جمال اہلِ تمیز لڑکے کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آئے۔ ابھی سے شجاعت ان کے چہروں پر برستی ہے۔ امیر صبح و شام سورۂ اَن یکاد ان پر دم کیا کرتے تھے۔

راوی لکھتا ہے کہ ژوپین نے قباد کے پیدا ہونے کی خبر سن کے نوشیرواں کو عرضی لکھ کر بھیجی کہ حمزہ نے اب تک جو آپ کو تخت پر بیٹھنے دیا، کوئی فرزند اس کے نہ تھا۔ اب اس کے آپ کی بیٹی سے بیٹا پیدا ہوا، خلافِ قیاس ہے کہ آپ کو سلطنت کرنے دے۔ بلا شک و ریب آپ کو مار کر اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھلاوے گا۔ لہٰذا میرے نزدیک مناسب ہے کہ آپ فی الفور بہمن جاسیب کے پاس جا کر اعانت چاہیں۔ اطلاع شرط تھی، کی گئی، آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ نوشیرواں نے ژوپین کی عرضی کو پڑھ کر کہا کہ حمزہ مجھ سے کبھی بدی نہیں کرے گا۔ بزرجمہر نے کہا کہ راست درست ہے، مگر بختک اور دوسرے سردارانِ ساسانی نے بادشاہ کو بہکا کر مدائن

سے نکالا۔ جب نوشیرواں بہمن کے شہر میں داخل ہوا اور بہمن نے سنا کہ نوشیرواں متصل پہنچا، بہمن بڑی دھوم دھام سے سوار ہوا اور بادشاہِ ہفت کشور کو استقبال کر کے قلعے میں لایا اور تخت پر بٹھلا کے کہا کہ آپ مطمئن رہیں، حمزہ اگر یہاں آئے گا تو مارا جائے گا، یہ میرا ذمہ ہے۔ اور اسی دم حمزہ کو ایک خط لکھا کہ تیرے ظلم وستم سے نوشیرواں وژوپین نے میرے پاس آ کر پناہ لی ہے، اس واسطے مجھ کو لازم ہوا کہ تجھ کو باندھ کر نوشیرواں کے حوالے کروں۔ پس نشۂ مردمی اگر رکھتا ہے تو جلد یہاں آ کر مجھ سے مصاف کر۔ امیر خط پڑھ کر بہت ہنسے اور فرمایا کہ افسوس، خدا جانتا ہے کہ میں کبھی اس امر کا خواہاں نہ تھا کہ نوشیرواں کو تخت پر سے اتار کر قباد کو بٹھلاؤں، مگر ہرگاہ اس نے بہمن کے پاس جا کر پناہ لی اور میری شکایت اس سے کی، مجھ پر واجب ہوا کہ میں قباد کو تخت پر بٹھلا کے اس کا استیصال کروں۔ اہالی وموالی وارکانِ دولت نے کہا کہ یا صاحبقراں، اس سے بہتر کوئی صلاح نہیں ہے۔ پہلے آپ قباد شاہزادے کو تخت پر بٹھلاویں، بعد اس کے کوئی اور کام کریں۔ امیر نے ساعتِ سعید دیکھ کر شاہزادہ قباد کو تخت پر بٹھلایا اور لاانتہا زر وجواہر اس کے اوپر سے نثار کیا۔ چالیس دن تک جشن کر کے بہمن کے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

جب کوہستان کے متصل پہنچ کے خیمہ زن ہوئے، بہمن جاسیب نے ہومان نامی اپنے بیٹے کو مع فوجِ جرار بھیجا کہ تم جا کے پہاڑ پر اپنا بندوبست کرو، حمزہ کا لشکر پہاڑ کے اوپر چڑھنے نہ پاوے۔ اور معدی کرب نے چاہا کہ کوہ کے اوپر جاوے، ہومان نے پہنچ کر اوپر سے پتھر مارنے شروع کیے، معدی کرب کا قدم آگے نہ بڑھ سکا۔ اس میں عمرو بن حمزہ وملک لندھور مع فوج پہنچے۔ دیکھا کہ پہاڑ پر سے پتھر پڑ رہے ہیں اور معدی کرب پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہے۔ عمرو بن حمزہ وملک لندھور واستفنانوس پہاڑ کی طرف چلے۔ ہرچند ہومان نے پتھر مارے لیکن یہ تینوں شخص سپروں کی پناہ کر کے پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے اور تلواریں کھینچ کھینچ کر کفار پر گرے اور ہزاروں گبروں کو جہنم واصل کیا۔ آخر ہومان بیتاب ہو کر بھاگا اور بہمن سے جا کر تمام ماجرا بیان کیا۔ بہمن نے خفا ہو کر ہومان سے کہا کہ معلوم ہوا تو میرا نطفہ نہیں ہے۔ واللہ تو تلوار سے منھ نہ موڑتا، اور تکلف یہ ہے کہ خوشی خوشی اپنی ہزیمت وبزدلی بیان کرتا ہے! اس میں سامنے سے ایک گردِ غلیظ اٹھی اور گرد کے گریبان سے ہزاروں علم نکلے۔ معلوم ہوا کہ صاحبقراں آتے ہیں۔ بہمن نے بختک سے کہا کہ کسی طرح سے صاحبقراں کو میں بھی دیکھوں۔ نام تو بہت بڑا سنتا ہوں، دیکھنا چاہیے کہ صورت کیسی ہے۔ بختک نے کہا کہ سوار ہو کر سرِ راہ کھڑے ہو جائیے، میں آپ کو دکھلا دوں گا۔ بہمن سوار ہو کر بختک کے ہمراہ ہوا۔ پہلے علم اژدہا پیکر کے سائے کے نیچے معدی کرب نکلا۔ بہمن نے پوچھا کہ یہی صاحبقراں ہے؟ بختک نے کہا کہ یہ پہلوان اس کی فوج کا ہراول ہے۔ المختصر، جو پہلوان نکلتا تھا، بختک اس کا نام ونشان بہمن کو بتاتا تھا۔ پہلوانوں کے پیچھے خواجہ عمرو عیار بن

امیہ ضمیری کی سواری نکلی۔ بہمن نے پوچھا کہ یہ عجیب الہیئت کون ہے؟ بختک بولا کہ عمرو عیار یہی ہے، اسی سے شاہانِ ہفت اقلیم لرزتے ہیں۔ بعد ازاں شاہزادہ قباد کا تخت نمودار ہوا۔ بختک نے بہمن سے کہا کہ شاہزادہ قباد، فرزندِ حمزہ و نبیرۂ نوشیرواں، یہی ہے۔ اس کے بعد امیر اشقر دیوزاد پر سوار بہ کمال شان و شوکت نکلے۔ بختک نے کہا کہ حمزہ یہی ہے۔ بہمن امیر کو دیکھ کر ششدر ہو گیا اور کہنے لگا کہ اس نے اسی قد و قامت پر دیوانِ قاف کو مارا اور ایسے ایسے پہلوانوں کو زیر کیا ہے؟ بختک بولا کہ جب مقابلہ ہوگا تب معلوم ہوگا کہ یہ کیسا کوتاہ قامت و ضعیف الجثہ ہے۔ اے بہمن، اس کے تلوار کی پناہ نہیں ہے اور بازو میں اس کے وہ قوت ہے کہ اگر رستم بھی ہوتا تو اس سے امان مانگتا۔ بہمن بولا کہ خیر، آج تو کچھ بولنا مناسب نہیں کہ تھکا ماندا آیا ہے، مگر کل صبح کو حمزہ ہے اور میں ہوں۔

امیر نے دوسرے دن بہمن کو خط لکھا۔ پہلے اس میں سوانحاتِ پردۂ قاف ثبت کیے، بعد ازاں مسخر کرنا پہلوانانِ پردۂ دنیا کا تحریر کیا۔ اس کے بعد لکھا کہ میں حسب الطلب تیرے آیا ہوں۔ تجھ کو مناسب ہے کہ نوشیروان و بختک وژوپین کو باندھ کر میرے پاس بھیج دے اور خود مع خزانہ میرے حضور میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو، نہیں تو روزِ بد دیکھے گا۔ امیر نے یہ خط اس واسطے عمرو کے ہاتھ نہ بھیجا کہ عمرو اس کو حیران و پریشان و ذلیل کرے گا۔ امیرزادے کے ہاتھ بھیجا۔ ہرگاہ عمرو بن حمزہ سوار ہوا۔ اثنائے راہ میں دیکھا کہ امیر کے لشکر کے گھوڑوں کا گلہ بان امیر کا نام لے کر دہائی دے رہا ہے۔ عمرو بن حمزہ نے اس سے پوچھا کہ کیوں دہائی دیتا ہے؟ اس نے کہا کہ حضور کا گلہ بان ہوں۔ گھوڑے سبزہ زار میں چرا رہا تھا کہ بہمن کے لوگ کہی کر کے گھوڑوں کو ہنکا کر لے گئے۔ امیرزادے نے پوچھا کہ وہ کتنی دور گئے ہوں گے؟ بولا کہ وہ سامنے لیے جاتے ہیں۔ گرد و غبار جو نظر آتا ہے انھیں کی ٹاپوں کا ہے۔ امیرزادے نے تعاقب کیا۔ جب قریب پہنچے، اس زور سے ڈانٹا کہ ان لوگوں کا زہرہ آب ہو گیا۔ ہومان عمرو بن حمزہ کو تنہا دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ جب قریب پہنچے تو پوچھنے لگا کہ تو کون ہے؟ امیرزادے نے فرمایا کہ پسرِ حمزہ اور تیری جان کا ملک الموت۔ ہومان یہ سخن سن کر امیرزادے پر تلوار کھینچ کر دوڑا۔ امیرزادے نے بھی گھوڑا ملا کر قاشِ زین سے معلق اس کو اٹھالیا اور بلا گردانِ سر کر کے زمین سے پشت آشنا کیا، اور خنجر اس کی ذبح گاہ پر رکھ کے فرمایا کہ خدائے وحدہ لاشریک کو واحد جان اور دینِ ابراہیم کو برحق پہچان، نہیں تو ابھی ذبح کرتا ہوں۔ ہومان جگی جگی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ اے امیرزادے، اس وقت تو میری جاں بخشی کر۔ ہرگاہ باپ میرا مسلمان ہوگا، مجھ کو کیا عذر ہے، میں بھی بے حجت ایمان لاؤں گا۔ عمرو بن حمزہ اس کی چھاتی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے قدم بوس ہو کر پوچھا کہ آپ کہاں جاتے ہیں؟ امیرزادے نے کہا کہ تیرے باپ کے پاس۔ ہومان نے کہا کہ ایک استدعا میری یہ ہے کہ اس وقت کی

سرگذشت کسی کے گوش گذار نہ کیجیے گا۔ امیرزادے نے منظور کیا۔ وہ تو اپنے باپ کے پاس گیا اور امیرزادہ گھوڑے کا گلّہ رکھوالے کے حوالے کر کے بہمن کی طرف گیا۔

بہمن دربار میں بیٹھا ہوا تھا اور نوشیرواں و ژوبین و بختک و بزرجمہر بھی موجود تھے۔ عمرو بن حمزہ نے بزرجمہر سے سلام علیک کر کے امیر کا نامہ بہمن کے آگے پھینک دیا۔ بہمن نے پڑھ کر نامے کو چاک کر ڈالا۔ امیرزادے نے کہا کہ افسوس صد افسوس، دست درازی کو میرے باپ نے منع کیا ہے، نہیں تو نامے کی طرح سے تجھ کو بھی چیر ڈالتا۔ بہمن نے ہومان کو اشارہ کیا وہ تلوار کھینچ کر امیرزادے پر دوڑا۔ امیرزادے نے تلوار تو ہاتھ مروڑ کر چھین لی اور اس کو اٹھا کر چرخی کی طرح چرخ دے کر زمین پر دے مارا۔ چھوٹا بھائی اس کا تلوار میان سے لے کر دوڑا۔ اس کا بھی یہی حال ہوا۔ بہمن نے عمرو بن حمزہ کی شجاعت و طاقت دیکھ کر عش عش کیا اور بے ساختہ بولا کہ کیوں نہ ہو، شیر کے بچے شیر ہی ہوتے ہیں۔ یہ کہہ کر اپنے ہاتھ سے امیرزادے کو خلعت پہنا کر رخصت کیا۔ امیرزادے نے تمام سرگذشت امیر سے آکر بیان کی۔ امیر نے اپنے جگر بند کو سینے سے لگا کر بہت سا زر و جواہر نثار کیا۔

دوسرے دن بہمن لشکر لے کر میدان میں نکلا۔ امیر بھی اپنی فوج لے کر صف آرا ہوئے۔ امیرزادے نے پایۂ تخت کو بوسہ دے کر گھوڑے کو میدان کی طرف چھچکارا۔ بہمن نے ہومان کو اشارہ کیا۔ وہ گرز اٹھا کر امیرزادے کے سر پر آیا۔ امیرزادے نے گرز کی ضرب کو رد کر کے، اس کا کمر بند پکڑ کے، معلق قاشِ زین سے اٹھالیا اور سات چرخ دے کر زمین پر دے مارا اور مشکیں باندھ کر امیر کے پاس لے گیا۔ امیر نے اس کو عمرو کے حوالے کیا۔ بہمن نے اپنے دوسرے بیٹے کو میدان میں بھیجا۔ اس کا بھی یہی حال ہوا۔ بہمن طبلِ بازگشت بجوا کر مغموم اپنے گھر کو گیا اور امیر مظفر و منصور شادیانے بجاتے ہوئے اپنے لشکر میں آئے، اور شب کو محفل میں بہمن کے بیٹوں کو طلب کر کے فرمایا کہ دینِ اسلام قبول کرو۔ وہ بولے کہ یا امیر، جب ہمارا باپ مسلمان ہوگا، ہم بھی مسلمان ہوں گے، اس وقت ہم کو معاف رکھو۔ امیر نے اسی وقت ان کو مخلّع کر کے رخصت کیا۔ وہ دونوں اپنے باپ کے پاس آکر قدم بوس ہوئے اور جو گذری تھی اس کو بیان کیا۔ بہمن نے امیر پر آفرین کی اور دوسرے دن پھر طبلِ جنگ بجوا کر میدان میں نکلا۔ امیر بھی بدستور صف آرا ہوئے۔ امیرزادے نے گھوڑا رزم گاہ میں نکالا۔ اس دن بہمن خود مقابل ہوا اور حربہ طلب کیا۔ امیرزادے نے کہا کہ یہ ہمارا دستور نہیں ہے کہ پیش دستی کریں، اول تو حربہ کر۔ بہمن نے بہ قوتِ تمام امیرزادے کے سر پر گرز مارا۔ امیرزادے نے خالی دے کر بہمن سے کہا کہ اور دو حربے کر لے، پھر میری باری ہوگی۔ بہمن نے تواتر دو حملے اور کیے۔ امیرزادے نے بہ ہزار محنت و دقت اس کے حملوں کو رد کیا اور خنگِ اسحاق کو کاوہ دے کر کہا کہ اے بہمن، خبردار ہو

جا، اب باری میری ہے۔ یہ کہہ کر اس زور سے گرز بہمن کے سر پر مارا کہ بہمن کے ہر بنِ مو سے عرق ٹپکنے لگا۔ بارے تا شام ایسی دونوں کے گرز بازی ہوئی کہ گرز ٹوٹ گئے مگر کوئی کسی پر مظفر و منصور نہ ہوا۔ دونوں پھر کر اپنے اپنے مقام پر گئے۔ امیر نے بیٹے کو گلے سے لگا کر بہت کچھ اس کے اوپر سے تصدق کیا اور پوچھا کہ بہمن کیسا پہلوان ہے؟ امیر زادے نے کہا کہ بعد آپ کے اگر پہلوان ہے تو بہمن ہے۔

صبح کو پھر دونوں لشکروں میں نقارہ جنگ کا بجا اور بہمن جنگاہ میں آ کر مبارز طلب ہوا۔ لندھور رخصت ہو کر اس کے سامنے گیا۔ بہمن نے پوچھا کہ اے پہلوان، اپنا نام و نشان بتا۔ لندھور بولا کہ خسروِ ہند ملک لندھور بن سعدان گرد میرا نام ہے۔ بہمن نے کہا کہ میں نے تعریف تو تیری بہت سی سنی ہے، مگر آج راویوں کا راست و دروغ معلوم ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر اس زور سے لندھور پر گرز مارا کہ گرز سے شعلہ بلند ہوا اور دونوں لشکروں کے کانوں تک اس کی آواز گئی۔ لندھور نے بھی اس کو رد کر کے ایسا جواب اس کا دیا کہ شعلے آگ کے کرۂ نار تک پہنچے۔ بہمن نے کہا کہ فی الحقیقت جیسا میں نے سنا تھا ویسا ہی دیکھا۔ بارے شاموں شام تک ہر حربے سے دونوں پہلوان لڑا کیے مگر ایک دوسرے سے بازی لے جا نہ سکے۔ جب طبلِ بازگشت بجوا کر اپنے اپنے مقام پر گئے، امیر نے لندھور سے پوچھا کہ کہو، بہمن کیسا پہلوان ہے؟ لندھور نے عرض کی کہ قول امیر زادے کا سچ ہے۔

صبح کو پھر دونوں لشکروں نے صفِ جنگ آراستہ کی۔ بہمن میدان میں نکل کر مبارز طلب ہوا۔ معدی کرب نے گھوڑے کی باگ لے کر اس کا مقابلہ کیا۔ بہمن نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ معدی کرب بولا کہ میں سرلشکرِ صاحبقراں ہوں اور نام میرا عمرو معدی کرب ہے۔ بہمن نے کہا کہ اے شکم بزرگ، تجھ کو کھانا کھانا چاہیے یا پہلوانوں سے مقابلہ کرنا؟ آؤ میرے باورچی خانے میں تو آج مہمان ہو۔ معدی کرب نے کہا کہ یہ تیرا خیالِ خام ہے۔ بیہودہ دماغ کیوں پکاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جو دیگ میں ہوگا وہ ڈوئی میں نکل آئے گا، ذرا ذائقہ تو میری تلوار کے پھل کا چکھ۔ دیکھ تو کیسا زندگی سے سیر ہوتا ہے۔ اور اگر جیتا بچے گا تو میری مہمانی کر لینا۔ لا، کیا حربہ رکھتا ہے؟ پہلے تو دونوں کے گرز بازی ہوئی، آخر بہمن نے کمر بند پکڑ کے عمرو معدی کرب کو بہ زورِ تمام زمین سے زانو تک اٹھایا، لیکن معدی کرب اس کے سر پر اس زور سے گھونسے مارنے لگا کہ آخر بہمن نے عاجز ہو کے چھوڑ دیا اور طبلِ بازگشت بجا کر اپنے مکان میں آیا۔

الغرض، دوسرے دن چھ بھائی معدی کرب کے بہمن نے باندھے۔ امیر کو اپنے پہلوانوں کے لیے کمال ملال ہوا۔ عمرو بن امیہ ضمیری نے کہا کہ اگر حکم ہو تو میں پہلوانوں کو چھڑا لاؤں۔ امیر نے کہا کہ اس سے کیا بہتر ہے۔ عمرو کوہستانی لباس پہن کر بہمن کی محفل میں درآمد ہوا۔ اس شب کو بہمن کمال مسرور تھا۔ حکم کیا کہ حمزہ کے پہلوانوں کو لاؤ۔ اول نوشیرواں سے پوچھا کہ ان کے مقدمے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ نوشیرواں بولا کہ مار ڈالنا

ان کا صلاح ہے، جس قدر حمزہ کے لشکر سے پہلوان کم ہوں غنیمت ہے۔ بختک نے کہا کہ ان کو سولی دی جائے تو بہتر ہے۔ ژوبین بولا کہ ان کا پوست نکالا جائے اور گوشت ان کا بہت مجرب ہے، شکاری کتوں کو کھلایا جائے۔ بزرجمہر نے کہا کہ حکم حاکم مرگِ مفاجات۔ جو مردانگی کے مناسب ہو وہ کیجیے۔ بہمن نے اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ وہ بولے کہ ان کے سر کاٹ کر قلعے کے کنگروں پر چڑھا دیے جائیں تاکہ لشکریانِ حریف کو دیکھ کر عبرت ہو۔ بہمن نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ پھٹے منھ تمھاری عقل پر! حمزہ نے تم کو چھوڑ دیا اور تم اس کے پہلوانوں کو مارنے کو کہتے ہو! کچھ بھی تم کو شرم نہ آئی؟ بہمن نے ان سب پہلوانوں کو مخلع کر کے رخصت کیا۔ اس وقت عمرو نے اپنے کو ظاہر کر کے بہمن سے کہا کہ آفرین صد آفرین تیری عقل و گیاست پر! آخر بہادر ہے، کیوں نہ ہو۔ مگر میں بھی آ ہی پہنچا تھا، اگر تو آپ سے ان کو نہ چھوڑتا تو میں بہ زور ان کو چھڑا لے جاتا۔ یہ کہہ کر بختک سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو صاحبقراں کے پہلوانوں کو سولی دینے کی صلاح دیتا تھا؟ بھلا مردک، اگر کسی دن سولی ہی کی انی تیری مقعد میں نہ کی تو کچھ نہ کیا۔ وہ کانپ گیا اور لگا جھک جھک کر سلام کرنے اور کہنے کہ میں نے اس سبب سے یہ کلمہ کہا کہ بہمن ناخوش نہ ہو، نہیں تو میری عین صلاح یہ تھی جو بہمن نے کیا۔ عمرو نے چلتے وقت بختک کے سر کا تاج اتار لیا اور دھول مار کے کہا کہ ڈاڑھی کا خراج ابھی تک نہیں پہنچا ہے، جلد بھیج دے کہ مجھ کو تیرے خیمے میں آنا نہ پڑے۔

پہلوانوں نے امیر کے پاس حاضر ہو کر تمام کیفیت بیان کی۔ امیر بہمن کی تعریف کر کے فرمانے لگے کہ خدا کرے یہ مسلمان ہو جائے، پہلوان اچھا ہے۔ الغرض، صبح کو پھر دونوں لشکر دریاے جوش میں آئے اور نہنگانِ شجاعت مستعد بہ شناوریِ دریاے جنگ ہوئے۔ بہمن نے میدان میں آ کر کہا کہ حمزہ، تو آپ میدان میں کیوں نہیں آتا کہ پہلوانوں کو بھیجتا ہے؟ امیر نے یہ کلمہ سنتے ہی اشقر دیوزاد کی باگ لی۔ بہمن نے حربہ طلب کیا۔ امیر نے فرمایا کہ خدا پرستوں کا ایسا دستور نہیں ہے کہ پیش دستی کریں۔ مگر جس حربے میں تو مشاق ہو، وہ کر۔ بہمن امیر کے اس کلام سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ حمزہ، میں جانتا ہوں کہ تو بڑا سپاہی ہے اور ہر حربے کا مشاق ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ تو میرا لنگر اٹھا اور میں تیرا لنگر اٹھاؤں۔ جو زیر دست ہو وہ زبردست کی اطاعت کرے۔ امیر نے خوش ہو کر قبول کیا اور کہا کہ پہلے تو میرا لنگر اٹھا۔ بہمن نے امیر کا کمر بند پکڑ کے جہاں تک زور تھا کیا، مگر امیر کو جنبش تک نہ ہوئی۔ امیر نے عمرو عیار سے زبانِ عیاری میں فرمایا کہ ہمارے لشکریوں سے کہہ دو کہ اپنے کانوں میں روئی دے لیویں۔ عمرو نے فی الفور تعمیلِ حکم کی۔ امیر نے ایک نعرہ اللہ اکبر کا کیا کہ اکثر لشکریانِ بہمن میں سے لوگوں کے کان کے پردے پھٹ گئے، اور اگر بہمن اپنے کانوں میں انگلیاں نہ دے لیتا تو اس کے بھی کان کے پردے پھٹ کر لہو نکل آتا اور بہرا ہو جاتا۔ امیر نے نعرہ کر کے بہمن کی کمر میں

ہاتھ ڈال کر اٹھالیا اور سات مرتبہ بلاگردانِ سر کیا، بعد ازاں مشکیں باندھ کے عمرو کے حوالے کیا۔ بہمن کی فوج نے چاہا کہ امیر پر آگریں، بہمن نے اشارے سے منع کیا۔ امیر طبلِ بازگشت بجوا کر، شادیانے بجاتے ہوئے، اپنے خیمے میں آئے اور بہمن کو طلب کر کے کرسیِ مرصع نگارِ پہلوانی پر بٹھلایا اور کہا کہ اے بہمن، مشہور ہے کہ مرد باش یا پاے مرد باش۔ ہاں کہہ کہ خدا وحدہ لاشریک ہے اور دینِ ابراہیم حق ہے۔ بہمن نے کہا کہ یا امیر، ظاہر ہے کہ نوشیروان و ژوپین نے میرے پاس آکر پناہ لی ہے، پس اب آپ ان کا بھی قصور معاف کریں۔ امیر نے فرمایا کہ بشرطیکہ وہ مسلمان ہوویں، نہیں تو اپنے ہاتھوں سے ان کو قتل کروں گا۔ بہمن نے کہا کہ اگر مجھ کو حکم ہو تو میں ان کو سمجھا کر لے آؤں، ایک ہی جلسے میں سب مسلمان ہوں۔ امیر نے بہمن کو خلعتِ جمشیدی پہنا کر رخصت کیا۔ بہمن نے نوشیروان و ژوپین سے جا کر تمام حقیقت کہی اور کہا کہ جب میں حمزہ سے سر بر نہ ہوسکا تو میں جانتا ہوں کہ دنیا میں کوئی اس پر مظفر و منصور نہ ہوگا۔ نوشیروان و ژوپین نے قبول کیا اور بہمن کے ساتھ امیر کے پاس آئے۔ امیر نے نوشیرواں کا استقبال کر کے تخت پر لا کے بٹھلایا اور بہمن کو کرسیِ جہانِ پہلوانی بیٹھنے کو دی اور بختک و ژوپین کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بہمن نے امیر سے کہا کہ فرمائیے، کیا حکم ہوتا ہے؟ امیر نے نوشیروان و بہمن و ژوپین و بختک کو کلمہ تلقین کیا اور شادیانے بجنے کا حکم دیا اور دو ہفتے کامل نوشیرواں اور بہمن کے واسطے محفلِ جشن برپا رکھی۔

روانہ ہونا امیر کا مکہ کی طرف اور گرفتار کرنا شداد بوعمرو حبشی کو اور اسلام قبول کرنا اس کا

راوی لکھتا ہے کہ بعد جشن کے عمرو معدی کرب نے امیر سے عرض کی کہ اس نواح میں چارا بہت کم ہے، جانور بھوکے رہتے ہیں، یہاں سے اور کسی طرف ڈیرہ کیجیے۔ امیر نے فرمایا کہ بہتر ہے، کاؤس حصار کی طرف پیش خیمہ روانہ ہو۔ نوشیرواں نے امیر سے کہا کہ یا ابوالعلا، اب میں ضعیف ہوا، چاہتا ہوں کہ گوشے میں بیٹھ کر یادِ الٰہی میں بقیہ حیاتِ مستعار بسر کروں اور تخت قباد کو دوں۔ امیر نے التماس کیا کہ جیسی آپ کی مرضی، میں تابعدار آپ کی رضا کا ہوں۔ نوشیرواں نے قباد کو تخت پر بٹھلایا اور خود رخصت ہو کر مع بزرجمہر مدائن کی طرف روانہ ہوا، اور امیر نے کاؤس حصار کی جانب کوچ کیا۔

چند مدت تک امیر کاؤس حصار میں رہ کر دن کو شکار کھیلا کیے اور شب کو جشن کرتے۔ ایک دن خبر ہوئی کہ مکہ سے قاصد آیا ہے۔ امیر نے طلب کیا اور خواجہ عبدالمطلب کا خط لے کر پڑھا۔ لکھا تھا کہ اے فرزندِ سعادت مند، جس دن سے تم نے ہوش سنبھالا ہے، کبھی کسی کافر نے تمھارے خوف سے اس طرف کو رخ نہیں کیا، مگر بالفعل شداد بوعمرو حبشی نے ہمارے شہر کو بھی لوٹ لیا اور مکہ کے بھی خراب کرنے کا قصد رکھتا ہے۔ اگر جلد پہنچو تو بہتر ہے، نہیں تو کوئی مسلمان نہ بچے گا۔ اطلاع شرط تھی، کی گئی۔ امیر نے وہ خط تمام سرداران و پہلوانان کو دکھلا کر بہمن سے فرمایا کہ جب تک میں آؤں، تم میری کرسی پر بیٹھ کر حکمرانی کرو اور میرے یاروں کو اپنا رفیق اور فرزندوں کو اپنا فرزند سمجھ کر ان کی پرداشت کرو، میں بالفعل مکہ کی مہم پر جاتا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد آؤں گا۔ بہمن نے دست بستہ ہو کر عذر کیا کہ خادم کا کیا مقدور ہے کہ مخدوم کی جگہ کو گرم کرے۔ امیر نے اس کو سمجھا کر فوج و فرزند سب اس کے پاس چھوڑے اور آپ عمرو کو ہمراہ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

جب منازل بہ مراحل طے کر کے مکہ کے متصل پہنچے، عمرو سے فرمایا کہ اب کیا کیا چاہیے؟ عمرو نے کہا کہ اشقر دیوزاد کو تو اسی جنگل میں بلہ کیجیے اور آپ پیدل چلیے۔ امیر نے اشقر دیوزاد سے زبانِ جنّی میں فرمایا کہ تو یہاں چُر، جب میرے نعرے کی آواز سننا، میرے پاس حاضر ہونا۔ اور آپ عمرو کو ساتھ لے کر پیدل روانہ ہوئے۔ ہر گاہ لشکرِ حبش میں پہنچے۔ ناگہاں عمرو سے اور ایک بازیگر سے ملاقات ہوئی۔ عمرو نے چرب زبانی کر کے اس سے آشتی پیدا کی۔ امیر سے کہا کہ میں بارگاہِ شاہِ حبش میں جاتا ہوں، جب فولاد پہلوان کہہ کر بلاؤں تب تم جلدی سے میرے نزدیک آنا۔ امیر کو سمجھا کے آپ بازیگروں کے گروہ کا افسر بنا اور اس قافلہ کو لے کر آستانہ شاہِ حبش پر آیا اور دربانوں سے کہا کہ میری خبر کر دو، میں بھی بھلا شاہ سے کامیاب ہوں، دور سے نام سن کر آیا ہوں۔ عرض بیگی نے آ کر اطلاع کی۔ اس نے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ عمرو نے بادشاہِ حبش کے دربار میں جا کر تماشا بازیگری کا شروع کیا۔ شداد نے محظوظ ہو کر عمرو کو انعام دلوایا۔ عمرو نے نہ لیا اور شداد کے روبرو جا کر کھڑا ہوا۔ شداد بولا کہ انعام تجھ کو دلوایا تھا، سو تو لیتا نہیں، آخر مانگتا کیا ہے؟ عمرو نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ میرے چچا کا ایک غلام ہے، فنِ موروثی کو چھوڑ کر پہلوان بنا ہے اور شب و روز مجھ کو ستاتا ہے۔ ذرا اس کو آپ تنبیہ کر دیویں تو درست ہو جاوے۔ شداد بولا کہ پھر وہ کہاں ہے؟ اس کو بلا۔ عمرو نے پکارا کہ فولاد پہلوان، ادھر آؤ۔ امیر موجود ہوئے۔ شداد کو سلام جو نہ کیا تو شداد نے ترش رو ہو کر کہا کہ اے غلام بازیگر، تو کیوں اپنے مالک کو ستاتا ہے؟ امیر نے فرمایا کہ میں تو غلام نہیں ہوں، مگر تو غلام ہوگا۔ عمرو بولا کہ دیکھو صاحب، آپ تک سے بے ادبی کرتا ہے۔ شداد نے ایک زنگی سے کہا کہ اس کا سر کاٹ ڈال۔ شداد کا حکم سنتے ہی شمشیر زن نامی ایک پہلوان تھا تلوار کھینچ کر امیر کے سر پر آیا۔ امیر نے ایک ہاتھ سے اس کو اٹھا کر تصدقِ سر کرنا شروع کیا۔ یہاں تک چکر دیے کہ وہ سست و نرم ہو گیا۔ بعد ازاں دوسرے ہاتھ سے اسی سرگردانی کے عالم میں ایک گھونسا مارا کہ وہ زمین پر گر کے دو زانو بیٹھ گیا اور دم اس کا نتھنوں کی راہ سے نکل گیا۔ شداد نے دوسرے زنگی کو بھیجا۔ امیر نے اس کو بھی اسی راہ سے جہنم کو روانہ کیا۔ اسی طرح چالیس حبشی اس نے بھیجے اور امیر نے سب کو ایک ہی جام کا شربت پلایا۔ اب ہر چند شداد اپنے پہلوانوں سے کہتا ہے کہ اس غلام کا سر کاٹ لاؤ، کوئی قدم آگے نہیں بڑھاتا۔ اب تو خود شداد تلوار کھینچ کر امیر پر دوڑا۔ امیر نے نعرہ کر کے اس کے کمر بند کو پکڑا اور سرگردان کر کے زمین پر دے مارا اور خنجر نکال کے اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے اور فرمایا کہ تو نہیں جانتا کہ میں حمزہ ہوں؟ شداد نے کہا کہ یا امیر، میں نوشیرواں کے لکھنے سے یہاں آیا تھا، اگر میری جاں بخشی کرو تو میں پھر کبھی نہیں آنے کا۔ امیر نے فرمایا کہ جب تک تو مسلمان نہیں ہوگا میں کبھی تجھ کو جیتا نہیں چھوڑوں گا۔ شداد مجبوراً مسلمان ہوا۔ امیر نے اس کی چھاتی پر سے اتر کر اس کو سینے سے لگایا۔ مکہ کے لوگوں نے جو امیر کے نعرے کی آواز سنی، سب

خواجہ عبدالمطلب کو لے کر موجود ہوئے۔ امیر دوڑ کر اپنے باپ کے قدموں پر گرے۔ خواجہ عبدالمطلب نے امیر کو گلے سے لگایا اور سر و چشم پر بوسے دیے اور امیر کو لے کر مکہ میں آئے۔ امیر نے شاہ حبش کو خلعتِ فاخرہ سے مخلّع کر کے مکہ کی مرمت کے واسطے حکم دیا اور مکہ کے کوچک و بزرگ کو اس قدر انعام دیا کہ فقیر غنی ہو گئے۔ خواجہ عمرو بھی اپنے والد کی خدمت میں آ کر مشرف ہوا۔

راوی لکھتا ہے کہ جب شاہِ حبش مکہ کے قلعے کی مرمت کر چکا، امیر سے عرض کی کہ یا امیر، اگر مجھ کو حکم ہو تو میں اپنے گھر جا کر مع اہل وعیال و مال واثقال حاضر ہوں۔ امیر نے خلعتِ رخصتانہ دے کر فرمایا کہ کہیں رہو، مسلمان رہو۔ شداد رخصت ہو کر اپنے ملک کی طرف گیا۔ جب مدائن کے قریب پہنچا، دل میں سوچا کہ اگر نوشیروان و بختک مجھ کو مکہ پر نہ بھیجتا تو میں کاہے کو ایسا ذلیل وخوار ہوتا۔ ان سے بدلہ لینا ضروری ہے۔ نوشیرواں کے آستانے پر جا کے دربانوں سے کہا کہ بادشاہ کو خبر دو، شداد بو عمرو حبشی اپنے ملک کو جاتا ہے، رخصت ہونے آیا ہے۔ نوشیرواں نے سن کر اسے بلالیا۔ شداد نے پایہ تخت کو بوسہ دے کر کہا کہ حضور نے مجھ کو حمزہ کے ہاتھوں بے عزت کروایا۔ یہ کہہ کر بادشاہ کا کمر بند پکڑ کے بارگاہ سے باہر کیا۔ غلامانِ شاہی دست بہ قبضہ ہوئے۔ شداد نے کہا کہ اگر کسی نے مجھ پر ہاتھ ڈالا تو میں نے بادشاہ کو زمین پر دے پٹکا۔ کوئی اس خوف سے مزاحم نہ ہوا۔ شداد نوشیرواں کو لے کر اپنے ملک چلا گیا اور ایک پنجرہ آہنی بنوا کر اس میں نوشیرواں کو پابہ زنجیر رکھ کے سرِ دربار لٹکا دیا، اور شام وصبح ایک روٹی جو کی اور ایک پیالہ پانی کا بادشاہ کے کھانے پینے کو مقرر کیا۔ نوشیرواں نے پوچھا کہ اے شداد، میں نے تیرے ساتھ کیا بدی کی جس کے عوض میں تو مجھ سے ایسا سلوک کرتا ہے؟ شداد بولا کہ اگر تو مجھ کو نہ بلاتا اور مکہ کے خراب کرنے کو نہ بھیجتا تو میں ایسا فضیحت کاہے کو ہوتا؟ نوشیرواں نے کہا کہ حاشا، مجھ کو خبر بھی نہیں ہے۔ اگر بلایا ہوگا تو بختک نے بلایا ہوگا۔ شداد بولا کہ ہرگاہ ایسا ہے تو بختک کو بلا کر میرے حوالے کر، میں تجھ کو چھوڑ دوں اور اس کو اسی پنجرے میں مقید کروں۔ نوشیرواں قہرِ درویش برجانِ درویش سمجھ کر خاموش ہو رہا۔

امیر کا حال سنیے۔ چند روز رہ کر اپنے والد سے رخصت مانگی۔ خواجہ عبدالمطلب نے کہا کہ اے فرزندِ دلبند، مدت کے بعد جو دیکھا ہے اس سے ہنوز دل کو سیری نہیں ہوئی۔ ایک برس اور رہتے تو اچھا ہوتا۔ امیر نے قبول کیا۔ یہ خبر بختک کو پہنچی کہ خواجہ عبدالمطب نے امیر کو رخصت نہیں کیا، ایک برس اور باپ کی خدمت میں رہیں گے۔ سوچا کہ میدان خالی ہے، کچھ کام کیا چاہیے۔ نوشیرواں کی طرف سے ایک خط جعلی ژوپین و ہرمز کے نام لکھ کر ایک قاصد کے ہاتھ میں دیا۔ اسے سمجھا دیا کہ تو کہنا کہ میں مدائن سے آتا ہوں، اور خط میں لکھا کہ معلوم ہو تم کو کہ میں نے شداد بو عمرو حبشی کو بھیج کر مکہ کو خراب اور تمام مسلمانوں کو قتل کروایا اور شداد نے حمزہ اور عمرو کو

گرفتار کر کے اپنے ملک میں لے جا کر سولی پر چڑھایا۔ پس تم حمزہ کی فوج کے مسلمانوں کو بے وسواس قتل کرو اور مہر نگار کو بہمن کو دے دو۔ اتفاقاً اثنائے راہ میں قاصد و ژوپین سے، کہ سیر کے واسطے سوار ہوا تھا، ملاقات ہوئی۔ قاصد نے وہ خط ژوپین کے حوالے کیا۔ وہ پڑھ کر سیدھا بہمن کے پاس چلا گیا۔ بہمن نے خط دیکھ کر ژوپین سے کہا، یہ تیرا فریب ہے۔ ژوپین قسمیں کھانے لگا کہ میں کچھ نہیں جانتا، مگر یہ خط قاصد کے ہاتھ سے میں نے پایا ہے، آئندہ سچ یا جھوٹ۔ ہرگاہ بہمن پر امیر کا مرنا ثابت ہوا، بولا کہ افسوس ہزار افسوس، حمزہ اپنے ساتھ مجھ کو نہ لے گیا۔ بعد ازاں کہنے لگا کہ خیر، جو مرضی اللہ کی تھی سو ہوا، اب امیر کی جا پر میں اس کے دو بیٹوں اور تیسرے پوتے کو سمجھوں گا۔ یہ کہہ کر قاصد سے پوچھا کہ سچ کہہ، ماجرا کیا ہے؟ قاصد تو بختک کا سکھایا پڑھایا تھا، اس نے یہ سوگند کہا کہ میرے روبرو حمزہ کو سولی دی گئی ہے۔ بختک نے بہمن سے کہا کہ حمزہ کی تابعداری اگر آپ نے اختیار کی تو زیبا بھی تھا، مگر ان لڑکوں کی اطاعت آپ سے پہلوان و زور آور کے واسطے مزیب نہیں ہے۔ سوائے اس کے، نوشیرواں نے آپ کو اپنی دامادی میں قبول کیا ہے، پس نوشیرواں کا داماد کہلانا بہتر ہے کہ لڑکوں کی اطاعت کرنا؟ بارے نوشیرواں کی دامادی کے نام سے بہمن کا دل کچھ ڈانواڈول ہوا۔ بختک سے بولا کہ اگر تمھاری یہی صلاح ہے تو تدبیر اس کی کیا ہے؟ بختک نے کہا کہ ابھی اس بات کو مخفی رکھیے، تا مہر نگار آسانی سے ہاتھ آوے۔ ژوپین نے کہا کہ میں آج دربار میں جا کر ہرمز اور قباد شہریار سے کہوں گا کہ کل میرے باپ کا عرس ہے۔ اگر امیرزادے سمیت پہلوانوں کو میرے مکان پر لے آؤ تو میری سرفرازی ہوتی ہے۔ بختک بولا کہ صلاح تو نیک ہے۔ ژوپین جو رات کو محفل میں گیا، ہرمز و قباد شہریار و عمرو بن حمزہ سے مستدعیِ دعوت ہوا۔ سبھوں نے قبول کیا۔ چنانچہ دوسرے دن ہرمز تاجدار و قباد شہریار و عمرو بن حمزہ مع پہلوانانِ گردن کش ژوپین کے مکان پر گئے۔ ژوپین نے سب کو کھانا کھلایا، پھر شراب طلب کی۔ جب سب کو سرور ہوا، ژوپین نے اٹھ کر امیرزادے اور قباد شہریار سے عرض کی کہ جس طرح مجھ کو حضور نے سرفراز کیا ہے، اگر ملکہ مہر نگار بھی قدم رنجہ فرماویں تو میری عزت بڑھتی ہے۔ دونوں امیرزادوں نے ملکہ مہر نگار سے کہلا بھیجا کہ اگر آپ تشریف لائیے گا تو آپ کے لیے موجب سبکی کا نہیں ہے اور ژوپین کی عزت افزائی ہے۔ مہر نگار سوار ہو کر ژوپین کے گھر میں آئیں۔ ناگاہ کسی کے منھ سے نکل گیا کہ اس وقت تو ملکہ خوش خوش تخت پر بیٹھی ہیں، دو گھڑی کے بعد معلوم ہوگا کہ کیا ہوا۔ مہر نگار کے کانوں میں جو اس بات کی بھنک پڑی، فی الفور محلی کی معرفت قباد شہریار سے بلا کر کہا کہ جلد سواری لگوا دو، میں یہاں کا رنگ اچھا نہیں دیکھتی ہوں۔ قباد شہریار نے سواری طلب کی۔ ملکہ سوار ہو کر قلعے میں پہنچی۔ یہ خبر ژوپین و بہمن کو پہنچی کہ مہر نگار آئی بھی اور چلی بھی گئی۔ وہ دونوں دستِ تاسف ملنے لگے کہ آئی ہوئی دولت ہاتھ سے نکل گئی۔ بختک نے سن کر بہمن کی تشفی کی کہ بے پروا رہو، کہاں جائے گی۔ بہمن نے حسبِ

شورۂ بختک ہاتھ مل کر کہا کہ افسوس ہے، ہرمز تاجدار کہ مستحق سلطنت ہے، وہ تو تخت پر نہ بیٹھے اور قباد نواسا ہو کر فرمانروائی کرے۔ عمرو بن حمزہ نے سن کر کہا کہ اے بہمن، تیرا کیا نقصان ہے؟ بہمن بولا کہ سچ کہتا ہوں یہ عرب زادہ تخت پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔ ملک لندھور نے جو یہ تقریر بہمن کی سنی، جھنجھلا کر کہنے لگا کہ اے کوہستانی، حیف ہے! تجھ کو امیر نے اپنی کرسی پر بٹھلایا، تجھ کو اپنے مرتبے پر نہ رکھا، نہیں تو آج تو ایسا بیہودہ کلمہ زبان پر نہ لاتا۔ بہمن نے طیش میں آ کر ایک وار تلوار کا لندھور پر مارا۔ لندھور نے اس زور سے گرز اٹھا کر بہمن پر لگایا کہ ہاتھ بہمن کا بیکار ہو گیا۔ مجلس میں تلوار چلنے لگی۔ بہت سے عرب و بہمنی زخمی ہوئے اور بہمن کے لوگ بہمن کو اٹھا کر لے گئے۔

اتفاقاً یہ خبر نور بانو، بہمن کی بہن کو، کہ عمرو بن حمزہ پر عاشق تھی، پہنچی کہ کفار نے مسلمانوں کو فریب و دغا سے قید و زخمی کیا ہے۔ گھر سے نکل کر اس قدر شمشیر زنی کی کہ کفاروں سے کشتوں کے پشتے باندھ دیے۔ ہومان نے اس کے پاس جا کر کہا کہ تو کیا دیوانی ہوئی ہے؟ جا گھر میں بیٹھ۔ اس نے ایک تلوار ایسی ہومان کے لگائی کہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے چھوٹے بھائی نے جو ہومان کو دو ٹکڑے دیکھا، تلوار کھینچ کر نور بانو پر دوڑا۔ نور بانو نے اس کے وار کو خالی دے کر ایک تلوار اس کو بھی ایسی ماری کہ اپنے بڑے بھائی کے پاس وہ بھی پہنچا۔ ہرگاہ نور بانو ان دونوں کو مار چکی، پہلوانانِ عرب کو ہمراہ لے کر قلعے میں آئی اور خندق کو پانی سے لبریز کروایا۔ فوجِ کفار نے قلعے کو محاصرہ کیا۔ ہرگاہ پہلوانانِ عرب کے زخم اچھے ہوئے، قلعے کی دیوار پر چڑھ کے کفار کو مارنے لگے۔ کفار قلعے کے زد سے ہٹ کر اتر پڑے۔ ایک دن کفاروں نے قلعے پر حملہ کیا۔ قباد شہریار نے اپنی ماں سے کہا کہ کفار کا غلبہ ہے، اگر فرمائیے تو میں جا کر ان کو ماروں۔ مہر نگار نے کہا کہ صدقے گئی، تو ابھی بچہ ہے، کیونکر تجھے لڑنے کی اجازت دوں؟ قباد بولا کہ ہمارے باپ نے کمسنی میں کیسے کیسے پہلوان زیر کیے ہیں، آخر ہم بھی تو اسی کے بیٹے ہیں، اور اگر آپ نہ جانے دیں گی تو میں اپنا جوہر کروں گا۔ نور بانو نے مہر نگار سے کہا کہ کیا مضائقہ ہے، آپ قباد کو جانے دیجیے، میں اس کے ساتھ ہوں۔ مجبوراً مہر نگار نے قباد کو لڑنے کی اجازت دی۔ قباد ہتھیار لگا کر کفار کے روبرو گیا اور للکارا کہ اے کافرو، تم میں سے کون مرگ خواہ ہے؟ میرے سامنے آوے۔ بہمن نے قباد کو دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ خوب ہوا، قباد لڑنے کو آیا، میں اس کو گرفتار کر کے اپنے پاس رکھوں گا تو ضرور مہر نگار دردِ فرزندی سے میرے پاس آئے گی۔ یہ سوچ کر قباد کے روبرو گیا اور کہنے لگا کہ او عرب بچے، لا، کیا حربہ رکھتا ہے؟ قباد بولا کہ میرا باپ کبھی پیش دستی نہیں کرتا ہے، پس میں بھی پیش دستی نہیں کروں گا۔ پہلے تو حربہ کر، اگر میں جیتا بچوں گا تو تجھ کو ماروں گا۔ بہمن نے گرز قباد کے سر پر مارا۔ قباد نے اس کو ڈھال پر روک کے ایک ہاتھ تلوار کا لگایا کہ بہمن زخمِ کاری کھا کر بھاگا۔ امیر زادہ چار کوس تک

اس کے لشکر کو مارتا چلا گیا۔ جب دیکھا کہ کفار اس کو ہوا کی طرح لے اڑے، مجبوراً پھر کر اپنی ماں کے پاس آیا۔ مہرنگار نے بہت سا زر و جواہر اپنے بیٹے پر سے نثار کیا۔

چند روز کے بعد عمرو بن حمزہ و لندھور مہرنگار کی خدمت میں گئے اور عرض کہ اس میں کچھ قصور بہمن کا نہیں ہے، یہ بختک و ژوپین کی بدذاتی ہے۔ امیرزادے نے کہا کہ آخر اب کیا کیا جائے؟ کفار قلعے کو گھیرے ہوئے پڑے ہیں اور ہم لوگ زخمی ہیں۔ قباد نے کہا کہ دروازہ قلعے کا کھول دو اور میدان میں نکل کر صف آرائی کرو۔ سردار مع فوج حاضر ہوئے اور طبلِ جنگ بجنے لگا۔ بہمن نے سرِ میدان پکار کر کہا کہ اے عربو، کس واسطے اپنی جان دیتے ہو؟ حمزہ تو مدت کا مارا گیا۔ خیر اس میں ہے کہ مہرنگار کو میرے حوالے کر کے اپنی راہ لو، نہیں تو ایک ایک کا مغز سر سے نکالوں گا۔ لندھور نے بہمن کی بیہودہ گوئی سن کر عمرو بن حمزہ سے رخصتِ رزم طلب کی۔ امیرزادے نے کہا، خدا حافظ ہے۔ لندھور میدان میں جا کر بہمن سے یہاں تک گرز بہ گرز لڑا کہ زخم اس کے بدن کے آلے ہوگئے۔ اس میں آفتاب نے نقابِ شب کو منہ پر ڈالا۔ دونوں لشکروں میں طبلِ بازگشت بجا۔ فوجوں نے لشکرگاہ میں آکر استراحت کی۔ صبح کو پھر صف آرائی ہوئی۔ ہنوز کوئی میدان سے نہ نکلا تھا کہ جنگل کی طرف سے گرد اٹھی۔ دونوں طرف کے عیار خبر لانے کو دوڑے۔ معلوم ہوا کہ فرہد عکہ ژوپین کی مدد کو آیا ہے، سات سو من کا گرز باندھتا ہے۔ امیرزادے نے فرمایا کہ ہماری مدد کو خدا ہے۔ ژوپین فرہد عکہ کو پیشوائی کر کے اپنے لشکر میں لے آیا۔ فرہاد بن لندھور امیرزادے سے رخصت لے کر فرہد عکہ سے رزم طلب ہوا۔ فرہد عکّہ نے نام پوچھا۔ اس نے کہا کہ میرا نام فرہاد بن خسروِ ہند ملک لندھور بن سعدان شاہ ہے۔ فرہد عکہ بولا کہ تیرا باپ کہاں ہے؟ فرہاد نے کہا کہ لشکر میں ہے۔ فرہد عکہ نے کہا کہ تیرے باپ نے تجھ سے خوردسال کو مرنے کو بھیجا اور آپ نہ آیا۔ فرہاد بولا کہ او مردکِ بیہودہ، کیا بکتا ہے؟ حربہ کر۔ فرہد نے جھنجھلا کر سات سو منی گرز اپنا اس کے سر پر مارا۔ فرہاد نے اس کی ضرب کو رد کر کے کہا کہ اور دو حربے کر لے، پھر میری باری ہے۔ فرہد نے دو حربے اور اسی گرز سے کیے، مگر فرہاد نے جہاں کھڑا تھا وہاں سے جنبش نہ کی اور اس کے حربوں کو رد کر کے کہا کہ دیکھ، سنبھل جانا، اب میں گرز مارتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس زور سے گرز مارا کہ گرز سے شرارے اڑنے لگے۔ فرہد نے خالی دے کر کہا کہ حقیقت میں تو بڑے باپ کا بیٹا ہے، اور دونوں میں گرزبازی ہونے لگی۔ جب روزِ روشن نے نقابِ سیاہ شب چہرے پر ڈالا، دونوں طرف طبلِ بازگشت بجا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر گئے۔ صبح کو شروانی نامی پہلوان فرہد عکہ سے مبارزطلب ہوا۔ تا شام دونوں نے دادِ جنگ کی دی، بعد ازاں اپنے اپنے خیموں میں گئے۔

اب ان فوجوں کو تو لڑنے دو، تھوڑا حال صاحبقراں کا سنو۔ اتفاقاً ایک شب کو عالمِ رویا میں دیکھا کہ کفاروں

نے اہلِ اسلام پر شبخون مارا ہے اور اکثر پہلوان میرے زخمی ہوئے ہیں۔ چونک کر عمرو سے خواب بیان کیا۔عمرو نے کہا کہ یا امیر، آپ کا خواب کبھی غلط نہیں ہوتا ہے، اگر حکم ہو تو خبر لاؤں۔ امیر نے عمرو کو رخصت کیا۔ جنگاہ کا حال سنیے کہ فرہد عکہ اور استفتانوس سے مقابلہ ہوا۔ عین جنگ میں عمرو پہنچا۔ عمرو کو دیکھ کر فوجِ اہلِ اسلام میں شادیانے بجنے لگے۔ بہمن نے بختک سے کہا کہ او بدذات، تو نے نہ کہا تھا کہ عمرو اور حمزہ مارے گئے؟ بختک بولا کہ میں کیا جانوں، نوشیرواں کے لکھنے سے میں نے بھی کہا تھا۔ بہمن نے بختک کو اٹھا کر ژوپین کے سر پر دے مارا۔ چونکہ حیات دونوں کی باقی تھی، بختک زمین پر گرا۔ بہمن اپنی اس حرکت سے بہت پچھتانے لگا۔ عمرو کیفیت دریافت کر کے قباد شہریار اور عمرو بن حمزہ کو تشفی دے کر اور زخموں پر پہلوانوں کے نوشدارو کی پٹی رکھ کر امیر کے پاس روانہ ہوا۔ شبانہ روز چلا ہی گیا، کہیں اثنائے راہ میں نہ ٹھہرا۔ ہرگاہ امیر کے پاس پہنچا، امیر نے کم وکیف دریافت کر کے والد سے رخصت لی اور اشقر دیوزاد پر سوار ہو کر مع عمرو کاؤس حصار کی طرف روانہ ہوئے۔

رزمگاہ کا حال سنیے کہ دونوں طرف کے لشکر صفیں باندھے کھڑے ہوئے تھے کہ جنگل کی طرف سے ایک غبار اٹھا۔ دونوں لشکر کے ہرکارے خبر لینے کو دوڑے۔ معلوم ہوا کہ سرکوب ترک نامی مع فوجِ جرار نوشیرواں کی مدد کو آیا ہے۔ کفار خوشی خوشی سرکوب کو استقبال کر کے اپنے لشکر میں لے آئے۔ سرکوب نے پوچھا کہ حمزہ کہاں ہے؟ ژوپین بولا کہ حمزہ تو نہیں ہے، مگر اس کے دو بیٹے لڑ رہے ہیں۔ سرکوب نے کہا کہ آج تو لشکر میرا تھکا ماندا ہے مگر کل سمجھ لوں گا۔ اس میں فرہد عکہ میدان میں گھوڑا نکال کر مبارز طلب ہوا۔ سعد بن عمرو بن حمزہ نے باپ سے رخصت مانگی۔ عمرو نے کہا کہ جانِ پدر، ابھی تمھارا سن لڑنے کا نہیں ہے۔ اس نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ میرا اور قباد چچا کا ایک ہی سن و سال ہے۔ حیف ہے کہ وہ تو لڑیں اور میں تماشا دیکھا کروں۔ عمرو بن حمزہ نے مجبوراً سعد کو رخصتِ رزم دی۔ سعد بسم اللہ کر کے میدان میں آیا اور حریف سے مبارز طلب ہوا۔ کفار اس کو دیکھ کر کہنے لگے کہ عجیب یہ قوم ہے جس کے ایسے ایسے کمسن لڑکے بے خوف و خطر صفِ جنگ میں لڑتے ہیں۔ سرکوب نے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے کہ میدان میں آیا ہے؟ بہمن نے کہا کہ حمزہ کا پوتا ہے، فرہد عکہ سے لڑنے کو آیا ہے۔ سرکوب بولا کہ یہ بچہ کیونکر فرہد عکہ سے لڑے گا؟ بہمن بولا کہ تماشا دیکھیے، کیا ہوتا ہے۔ یہ گفتگو ہی تھی کہ سعد نے للکارا، اے کافرو، جس کو شربتِ مرگ پینا ہے وہ میرے سامنے آوے۔ فرہد عکہ نے گھوڑے کی باگ لے کر سعد پر ایک گرز مار کر کہا کہ مارا اور پست کیا۔ سعد نے گرد سے نکل کر کہا، او گبر، جھوٹ کیوں بولتا ہے؟ کس کو مارا اور کس کو پست کیا؟ میں تو تیری جان کا ملک الموت موجود ہوں۔ یہ کہہ کر گھوڑا دبا کے ایک ہاتھ تلوار کا ایسا لگایا کہ ہاتھ فرہد عکہ کا بازو سے مع گرز زمین پر جا رہا۔ فرہد عکہ نے چاہا کہ اپنے لشکر کی راہ لیوے، سعد

نے گھوڑے کو چمکا کر دوسرا ہاتھ بھی فرہد عکہ کا قلم کیا۔ سعد کے عیاروں نے چالاکی کر کے فرہد عکہ کا سر کاٹ لیا۔ امیر کے لشکر میں شادیانے بجنے لگے اور کفار کے لشکر سے صدائے گریہ وزاری بلند ہوئی۔ لشکرِ کفار حیرت میں تھا کہ ایسا کمسن بچہ فرہد عکہ سے پہلوان کو اس آسانی سے مارے۔ سرکوب نے بہمن سے کہا کہ آفرین ہے اس کے پدر و مادر کو جس کے گھر میں ایسا بہادر شہ زور فرزند پیدا ہوا۔ یہ کہہ کر طبل بازگشت بجوا کے دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر گئے۔ ہرمز نے پہلوانوں اور سرداروں کو لے کر کھانا کھایا، بعد ازاں بزمِ شراب و کباب قائم ہوئی۔ جب نشے نے دماغ کو گرم کیا، سرکوب نے بہمن کو ہرمز کے پہلو میں بیٹھا دیکھ کر کہا کہ او کوہستانی، تو نے بھی یہ حوصلہ پیدا کیا کہ مجھ سے بالادست ہو کر بیٹھا ہے! بہمن بولا کہ سرکوب، تجھ کو کیا خبط نے لیا ہے کہ مجھ سے گفتگو نا ملائم کرتا ہے؟ سرکوب نے اٹھ کر ایک گھونسا بہمن کے مارا۔ بہمن نے اس کی کمر میں ہاتھ دے کر اٹھا لیا اور زمین پر دے پٹکا۔ ہرمز نے بیچ بچاؤ کر کے قضیہ فیصل کر دیا اور مجلس برخاست کی۔

صبح کو پھر بدستور دونوں لشکروں کی صفیں آراستہ ہوئیں کہ ناگاہ ایک گرد بلند ہوئی۔ دونوں لشکر کے عیار خبر لانے کو دوڑے۔ معلوم ہوا کہ حمزہ وعمرو آتے ہیں۔ لشکرِ اسلام میں عجب طرح کی خوشی ہوئی۔ اسی دم شادیانے بجنے لگے۔ ہر ایک سردار و پہلوان امیر کے قدم بوس ہوا۔ امیر نے ان کو چھاتی سے لگایا اور اشقر کی باگ لے کر جنگ گاہ میں گئے اور پکار کے بہمن سے کہا کہ او کوہستانی، میں نے تیرے حق میں کیا برائی کی تھی کہ تو نے اس کے عوض میں ایسا مجھ سے کیا؟ اب مرد ہے تو میرے سامنے آ۔ بہمن نے ہرمز سے کہا کہ میری تو حمزہ سے چار آنکھیں ہو نہیں سکتی ہیں، میں تو حمزہ سے مقابلہ نہیں کروں گا، اب تم جانو اور تمھارا کام جانے۔ ہرمز نے کہا کہ میں کیا جانوں، بختک جانے۔ آخرش سرکوب نے امیر کے مقابل ہو کر گرز امیر کے اوپر مارا۔ امیر نے اسے خالی دے کر فرمایا کہ اے پہلوان، دو حربے تیرے اور باقی ہیں وہ بھی کر لے۔ سرکوب نے دوسری مرتبہ گرز چلایا۔ امیر نے اس کو بھی رد کیا۔ تیسری مرتبہ ایسا جھنجھلا کر اس نے گرز مارا کہ گرز سے شعلہ آگ کا نکلا اور اس سے صدمے سے اس قدر گرد و غبار اٹھا کہ دونوں لشکروں کو سُجھائی دینے سے رہ گیا۔ سرکوب نے نعرہ کر کے کہا کہ مارا میں نے حمزہ کو! خاک اس کی خاک میں مل گئی۔ یہ تو آدمی تھا، اگر پہاڑ پر گرز مارتا تو پہاڑ سے گرد اٹھتی۔ امیر نے گھوڑے کو کاوہ دے کر گرد سے نکال کے کہا کہ او گبر، کس کو تو نے مارا؟ ہاں سنبھل جا، کہ اب باری میری ہے، اور دیکھ ضرب اس کو کہتے ہیں۔ اگر بچے بھی تو چھٹی کے دودھ سے لبِ خشک تیرے تر ہو جاویں۔ یہ کہہ کر گرز جو اس کے سر پر لگایا، وہ زمین سے جدا ہو کر گھوڑے کے پٹھے پر جا رہا۔ گرز گھوڑے پر پڑا، گھوڑا خاک میں پست ہو گیا۔ سرکوب نے چاہا کہ امیر کے گھوڑے کو بھی پے کرے، امیر جھٹ مرکب کی پیٹھ سے الگ ہو کر اس کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ نصف النہار تک گرز بازی ہوا کی، بعد ازاں نوبت تلوار کی پہنچی۔ دو

ساعت کامل تلوار چلی مگر کسی کو کسی کے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچا۔ امیر نے فرمایا کہ اے سرکوب، حربے سب ہو چکے، اب ایک بات یہ باقی ہے کہ اگر تو میرے لنگر کو اٹھا لیوے تو میں تیری اطاعت کروں اور گر میں تیرا لنگر اٹھا لوں تو تو میری فرمانبرداری کر۔ سرکوب نے خوشی خوشی قبول کیا اور امیر کی کمر میں ہاتھ ڈال کے اس قدر زور کیا کہ ٹخنوں تک زمین میں گڑ گیا اور نتھنوں سے خون ٹپکنے لگا۔ امیر کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ بعدازاں امیر نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کے اس زور سے نعرہ کیا کہ اکثر لشکرِ کفار میں سے لوگوں کے کان کے پردے پھٹ گئے۔ سرکوب نے جانا کہ اسرافیل نے صور پھونکا اور فلکِ ہفتم زمین پر گر پڑا۔ آسمان کو دیکھنے لگا۔ امیر نے اس کو معلق زمین سے اٹھا کر سات مرتبہ بلاگردانِ سر کر کے زمین پر دے مارا اور باندھ کر عمرو کے حوالے کیا۔ چونکہ تاریکی آسمان پر دوڑ گئی تھی، کوسِ بازگشت بجوا کر امیر مظفر و منصور قلعے میں گئے اور کفار بھی گریاں و نالاں اپنے خیموں میں داخل ہوئے۔

شب کو شراب و کباب کی محفل مرتب ہوئی۔ امیر نے سرکوب کو طلب کر کے پوچھا کہ میں نے کس طرح تجھ کو زیر کیا؟ اس نے سر قدم پر رکھ کر کہا کہ یا امیر، آپ کو دنیا میں کوئی زیر نہیں کر سکے گا۔ ننانوے حصہ قوت آپ کو خدا نے عطا کی ہے اور ایک حصہ تمام دنیا پر تقسیم کی ہے۔ ارکانِ اسلام مجھ کو تلقین کیجیے، میں نے بت پرستی اور بتوں پر تبرّا کیا۔ امیر نے اسے کلمہ پڑھا کر اپنے گلے سے لگا لیا اور خلعتِ مرصع پہنا کر سونے کی کرسی پر بٹھلایا اور تین شبانہ روز تک جشن کیا۔

چوتھے دن امیر نے طبلِ جنگ بجنے کا حکم دیا اور چودہ صفیں میدان میں جا کر آراستہ کیں۔ لشکرِ کفار بھی صف آرا ہوا۔ امیر نے اس دن پھر للکار کر کہا کہ اے بہمن، تو نے سلوک کے عوض مجھ سے بدسلوکی کی، اب مرد ہے تو میرے سامنے آ۔ بہمن نے ہرمز سے کہا کہ میں ہرگز حمزہ کے سامنے نہ جاؤں گا، فوج کو حکم دیجیے کہ ایک بار حمزہ پر جا گرے۔ ہرمز کے اشارہ کرتے ہی تمام فوج نے گھوڑے اٹھائے۔ امیر صمصام و قمقام کھینچ کر لشکرِ کفار کے بیچ میں جا پڑے اور دودستی تلوار مارنے لگے۔ دوپہر کامل امیر نے یکہ و تنہا فوج کفار سے تلوار کی۔ ہزارہا کافر مارے گئے، حتیٰ کہ اشقر دریائے خون میں تیرنے لگا۔ بہمن نے ژوپین سے کہا کہ امیر اس وقت لڑتے لڑتے تھک گئے ہیں اور منہ سے کف جاری ہے اور شمشیر زنی میں مصروف ہیں۔ مطلق اپنے بدن کی خبر نہیں ہے، بیہوشی میں تلوار کر رہے ہیں۔ خود تک سر پر سے ڈھل گیا ہے مگر عمرو قارورۂ نفط مار مار کر پشت پر کسی کو آنے نہیں دیتا ہے۔ اگر تو عمرو کو امیر سے جدا کر تو میں اس وقت امیر کو مار لیتا ہوں۔ ژوپین نے سات سو ہاتھی عمرو پر ٹلوا دیے۔ عمرو قارورہ ہائے نفط ان کو مارنے لگا۔ بہمن نے پیچھے سے جا کر ایک دودستی تلوار اس زور سے امیر کے سر پر لگائی کہ چار انگل تلوار امیر کے سر میں درآئی اور اسی دم یہ کہتا ہوا امیر کے آگے سے بھاگا کہ یارو، میں

نے حمزہ کا کام تمام کیا! ایسی تلوار لگائی ہے کہ حلق تک پہنچی ہے۔ امیر کے یاروں نے جو یہ سخن سنا، کمال مغموم و پریشاں خاطر ہوئے۔ امیر نے دیکھا کہ زخم میں نے کاری کھایا اور غش پر غش چلا آتا ہے، اشقر سے زبانِ جنی میں کہا کہ مجھ کو لشکر سے باہر لے چل۔ یہ کہہ کر اشقر کے گلے سے لپٹ گئے۔ اشقر امیر کو وہاں سے لے چلا۔ جو کوئی آگے آیا اس کو دانت سے اور پیچھے آنے والے کو لاتوں سے مارتا ہوا لشکر سے نکل کر جنگل کی طرف قدم زن ہوا۔

کئی کوس نکل کے ایک دریا دیکھا۔ اشقر ازبسکہ پیاسا تھا، دریا سے پانی پی کر جو نکلا، امیر لبِ دریا پانی میں گر پڑے۔ پانی خون سے لال ہو گیا۔ اشقر امیر کو کھینچ کر کنارے پر لے آیا۔ اتفاقاً سیہ شیر نامی شبان اپنی بکریوں کے گلے کو پانی پلانے اس طرف لایا۔ دیکھا کہ پانی دریا کا لال ہو رہا ہے اور ایک شخص زخمی لبِ دریا پڑا ہے، گھوڑا اس کا اس کے پہلو میں لیٹا ہوا دانتوں سے اس کو کھینچتا ہے۔ چاہتا ہے کہ اپنی پیٹھ پر سوار کرے مگر وہ جوان بے ہوش ہے۔ سیہ شیر نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص مقرر کسی ملک کا بادشاہ ہے، لڑائی میں کہیں زخمی ہوا ہے، گھوڑا اس کو یہاں لے آیا ہے۔ اگر میں اس وقت اس کی خدمت کروں گا تو صحت کے بعد انعام پاؤں گا۔ یہ سوچ کر امیر کے پاس آیا اور بہ ہزار خرابی بصرہ امیر کو گھوڑے کی پیٹھ پر لادا اور ایک رسی سے امیر کو زین سے باندھ کر اپنے گھر لے گیا۔ ماں نے اس کی کہا کہ بیٹا، یہ تو کس کو لایا ہے؟ اس نے کیفیت بیان کر کے کہا کہ اگر یہ اچھا ہوا تو یقیناً میرے ساتھ بہت سلوک کرے گا، اور اگر مرے گا تو گھوڑا اور سلاح اس کا میرے ہاتھ آوے گا۔ یہ کہہ کر ہتھیار امیر کے بدن سے کھولے اور ایک پٹی زخم پر باندھی۔ اشقر سرہانے کھڑا ہوا دیکھتا تھا، ایک قدم امیر کے پاس سے سرکتا نہ تھا۔ اگر سیہ شیر اس کو باہر لے جانے کو چاہتا تھا تو گھوڑا اس پر آنکھیں نکالتا تھا، سیہ شیر ڈر کے مارے جدا ہو جاتا تھا۔ المختصر، ساتویں دن امیر نے آنکھیں کھولیں۔ دیکھا کہ اشقر اور ایک شخص غیر میرے سرہانے کھڑا ہے۔ امیر نے سیہ شیر سے پوچھا کہ تو کون ہے اور یہ کس کا مکان ہے؟ وہ بولا کہ سیہ شیر میرا نام ہے، چوپانی کرتا ہوں۔ آپ کو دریا کے کنارے پر پڑے ہوئے دیکھ کر ترس آیا، اس لیے اپنے گھر میں اٹھا لایا۔ خدا آپ کو اچھا کر دیوے تو میرے بھی دن پھریں۔ امیر نے فرمایا کہ گھوڑے پر سے زین اتار لے، اور اشقر سے کہا کہ تو اس نواح کے سبزہ زار میں جا کے چرائی کر، اور سیہ شیر سے ارشاد کیا کہ تو نے جو محنت کی ہے وہ اکارت نہ جائے گی۔ میں اچھا ہو جاؤں گا تو بہت تجھ کو خوش کروں گا۔ ایک بکری اپنے گلے سے لا کہ میں اس کو ذبح کر دوں۔ تو اس کا شوربہ میرے واسطے پکالا۔ ایک بکری کے عوض دہ چند دوں گا۔ سیہ شیر نے بکری امیر سے ذبح کرا کے شوربہ اس کا پکایا اور امیر کو کھلایا۔ دوسرے دن اور ایک بکری کا شوربہ تیار کر کے امیر کو دیا۔ تیسرے دن بھی ایسا ہی کیا۔ چوتھے دن اپنی ماں سے پوچھنے لگا کہ یہ زخمی

تین دن میں تین بکریوں کا شوربہ پی چکا، آج چوتھا دن ہے، اب تو کیا کہتی ہے؟ ماں اس کی امیر کے پاس آئی اور پوچھنے لگی کہ اے شخص، تو کون ہے اور تیرا کیا نام ہے؟ امیر نے فرمایا کہ میرا نام سعد شامی ہے اور میں حمزہ کا چچیرا بھائی ہوں۔ تو میری خدمت کر، میں بہت تیرے ساتھ سلوک کروں گا۔ اور میرے اچھے ہونے تک ایک بکری کا شوربہ روز مجھ کو دیا کر، تیری ایک ایک بکری کے عوض دس دس بکریاں دوں گا۔ اس پیرزالہ نے حمزہ کا نام سن کر کہا کہ صدقے گئی، بکریاں بھی میری حاضر ہیں اور میں بھی خدمت کرنے کو موجود ہوں۔ ہر روز ایک بکری کا شوربہ امیر کو پلانے لگی۔

امیر کے لشکر کا حال سنیے۔ عمرو نے جو امیر کو لشکر میں نہ دیکھا، تمام گنجِ شہیداں میں ڈھونڈ کر لشکر سے باہر نکلا۔ اثنائے راہ میں خون جو امیر کے سر سے ٹپکتا گیا تھا، اس نشان پر دریا کے کنارے پر پہنچا۔ دیکھا کہ پانی دریا کا سرخ ہے۔ سمجھا کہ گھوڑا امیر کو یہاں لے آیا ہے اور یہ پانی اسی کے لہو سے لال ہو گیا ہے۔ لگا اِدھر اُدھر ڈھونڈنے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اشقر تک پہنچا۔ اشقر عمرو کو سیہ شیر کے مکان پر لے آیا۔ عمرو امیر کو دیکھ کر قدم بوس ہوا اور سجدۂ شکر بجا لا کر کہا کہ یا امیر، آپ لشکر میں چلیے کہ تمام لشکر اور ملکہ مہرنگار آپ کے واسطے گریاں ہیں۔ امیر نے فرمایا کہ خواجہ، تم جا کر سب کو اس جگہ لے آؤ۔ عمرو نے فی الفور لشکر میں جا کر امیر کی سلامتی کی مبارکباد دی اور ملکہ مہرنگار کو مع لشکر کے امیر کے پاس لے آیا۔ ہر ایک یار امیر کے قدم بوس ہوا اور ملکہ گلے سے لپٹ کر زار زار رونے لگی۔ امیر نے ہر ایک کو تسلی دے کر فرمایا کہ اس چوپان نے میری بڑی خدمت کی ہے، ہر ایک اپنے حوصلے کے موافق اس سے سلوک کرو۔ جتنے سردار تھے سبھوں نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق چوپان سے سلوک کیا اور ملکہ مہرنگار سے بھی امیر نے بہت ساز و زر و جواہر و خلعت چوپان کو اور اس کی ماں کو دلوایا۔ اور امیر نے حساب کر کے ایک ایک بکری کے بدلے دس دس بکریاں اس کو منگا دیں اور فرمایا کہ تو میرا دینی بھائی ہے۔ چوپان امیر کبیر ہو گیا اور خوش گذران کرنے لگا۔

ہر گاہ امیر کے سر کا زخم اچھا ہوا، امیر وہاں سے کوچ کر کے جنگاہ میں آئے اور طبل جنگ بجنے کا حکم دیا۔ فوجِ کفار نے بھی اپنی صفیں قائم کیں۔ امیر نے یاروں سے فرمایا کہ فوجِ کفار کو حلقے میں لے کر چار طرف سے ان پر ٹوٹ پڑو۔ عمرو بن حمزہ نے کہا کہ بہمن جانے اور میں جانوں۔ لندھور بولا کہ ژوپین کا مقابلہ مجھ سے متعلق ہے۔ الغرض لشکرِ اسلام کفار پر اس طرح سے گرا جیسے شیر بکریوں کے گلے پر۔ دوپہر کے عرصے میں بے شمار کفار جہنم واصل ہوئے۔ آخر جس نے جس طرف رستا پایا، سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ مگر مسلمانوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا، ایک منزل تک مارتے چلے گئے۔ جزوی لوگ فوجِ کفار میں سے بھاگ کر بچے۔ اتفاقاً بہمن امیرزادے کی طرف سے جو بھاگا، امیرزادے نے اس کا تعاقب کیا۔ تھوڑی دور جا کر بہمن، بہ خیال اس کے

کہ یہ میرا مقابلہ کب کر سکے گا، عمرو بن حمزہ پر پھرا۔ امیر زادے نے ایک ہاتھ تلوار کا اس پر لگایا، اس نے خالی دیا، گھوڑا اس کا مارا گیا۔ بہمن نے بھی خنگِ اسحاق کو پے کیا۔ امیر زادہ بھی پیادہ ہوا اور پینترا بدل کر ایسا ہاتھ ستواں لگایا کہ بہمن دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ عمرو بن حمزہ اس کا سر کاٹ کر امیر کے سامنے لے آیا اور خنگِ اسحاق کے پے ہونے کا حال التماس کیا۔ امیر نے خنگِ اسحاق اور بہمن کے واسطے تاسف کر کے فرمایا کہ ایسا گھوڑا اور ایسا پہلوان کم میسر آتا ہے۔ بعد ازاں جتنے سردار تھے انھوں نے بھی سردارانِ کفار کے سر امیر کے قدم پر لا کر رکھ دیے۔ امیر کوسِ ظفر بجاتے ہوئے اپنے مقام پر آئے۔

جس وقت امیر بہمن کے ہاتھ سے زخمی ہوئے تھے، قضا کار اس وقت ایک پریزاد کا گذر اس طرف سے ہوا تھا۔ اس نے یہ کیفیت ملکہ آسمان پری سے جا کر کہی۔ ملکہ آسمان پری دست پاچہ ہو کر، قریشہ اور پریزادوں اور خواجہ عبدالرحمٰن جنی کو لے کر، مع فوجِ جرارِ دیوان و جنات، قاف سے روانہ ہوئی۔ ہرگاہ متصل پہنچی، دو کوس کے فاصلے پر خیمہ زن ہو کر عبدالرحمٰن کو امیر کے پاس بھیجا۔ خواجہ جو یکا یک آ کر قدم بوس ہوا، امیر بہت متعجب ہوا اور ملکہ اور قریشہ کی خیر و عافیت پوچھی۔ خواجہ نے کہا کہ ملکہ و قریشہ مع فوجِ جرار یہاں سے دو کوس کے فاصلے پر پڑی ہوئی ہیں۔ ایک پریزاد نے آپ کے زخمی ہونے کا حال ملکہ سے جا کر کہا تھا، ملکہ اسی دم اس طرف کو روانہ ہوئیں۔ امیر سوار ہو کر مع سرداران و پہلوانان بڑے تزک سے ملکہ کے پاس گئے اور آسمان پری کو گلے سے لگایا اور قریشہ کی پیشانی کا بوسہ لے کے گود میں بٹھا کر بہت سا پیار کیا۔ پریاں امیر کی سواری کی شان و شوکت دیکھ کر دنگ ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ یہی سبب تھا جو امیر پردۂ قاف پر پریشاں خاطر رہتے تھے۔ امیر سے استدعا کی کہ آپ کے یاروں اور رفیقوں کو تو دیکھا، مگر ملکہ مہر نگار کے دیکھنے کے شائق ہیں۔ امیر نے فرمایا کہ جس طرح سے تم مہر نگار کے دیکھنے کی مشتاق ہو، اسی طرح سے میرے یار تمھارے طالبِ دیدار ہیں۔ پس تم پردہ حجاب کا ان کے سامنے سے اٹھا لو کہ وہ تم کو دیکھیں۔ پریزادوں نے کہا کہ یا امیر، ایسا نہ ہو تمھارے رفیق ہم کو دیکھ کر پاؤں پھیلائیں، دست درازی کرنی شروع کریں۔ امیر نے فرمایا کہ کیا مقدور ہے! پریوں نے پردہ حجاب کا اپنے منھ سے اٹھا لیا۔ پہلوانوں نے جوان کو دیکھا، ہر ایک کو سکتہ سا ہو گیا۔ جب حواس درست ہوئے، امیر کا شکریہ ادا کرنے لگے کہ آپ کی بدولت ہم خاکیوں نے ناریوں کو دیکھا۔ امیر مع ملکہ آسمان پری و قریشہ و پریزادانِ ہمراہی سوار ہو کر مہر نگار کے محل میں داخل ہوئے۔ اول تو مہر نگار ملکہ سے بغلگیر ہوئی اور قریشہ کے لب و جبیں پر بوسے دیے، بعد ازاں سب پریوں سے ملاقات کر کے شرطِ مہمانداری بجا لائی۔ تین شبانہ روز تک ملکہ آسمان پری مع ہمراہیاں جشن میں مصروف رہی، چوتھے دن تحائف و سوغاتِ قاف جو اپنے ساتھ لائی تھی، مہر نگار کو دے کر رخصت ہوئی۔

بعد جانے ملکہ آسمان پری کے امیر نے یاروں سے سرِ دربار پوچھا کہ معلوم نہیں یہ کفار کدھر کو گئے۔ عمرو نے عرض کی کہ سننے میں آیا ہے کہ کشمیر کی طرف گئے ہیں اور جعفر نامی حاکمِ کشمیر سے پناہ لی ہے۔ عمرو بن حمزہ بول اٹھا کہ مجھ کو اگر حکم ہو تو میں کشمیر میں جا کر ان کا قلع قمع کروں۔ امیر نے فرمایا کہ بہتر ہے۔ امیر زادہ عمرو معدی کرب و فرہاد بن لندھور و استقفانوس وغیرہ سات پہلوانوں کو ان کی فوج سمیت ساتھ لے کر کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ ہرگاہ امیر زادہ کشمیر میں داخل ہوا، کفار دہشت سے قلعہ بند ہوئے۔ امیر زادے نے چاروں طرف سے قلعے کو گھیر لیا۔ اتفاقاً ایک دن جنگل کی طرف سے ایک گورخر لشکرِ اسلام میں آیا اور بہتوں کو دندان و پا سے زخمی کیا۔ یہ خبر امیر زادے کو پہنچی۔ امیر زادے نے سوار ہو کر اس کا تعاقب کیا۔ گورخر جب پہاڑ کے متصل پہنچا، دوڑ کے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ امیر زادہ بھی پہاڑ پر گیا۔ دیکھے تو گورخر نہیں ہے۔ اِدھر اُدھر جھاڑیوں میں ڈھونڈنے لگا، حتیٰ کہ شام ہوگئی۔ امیر زادہ درخت کے نیچے اتر پڑا اور شکار کر کے کباب لگا، کھا پی، اسی دم درخت کے نیچے سو رہا۔ جب فجر ہوئی، پھر وہ گورخر نمودار ہوا۔ امیر زادہ اس کی گرفتاری کے درپے ہوا۔ ہرگاہ آفتابِ عالمتاب نصف النہار پر پہنچا، پھر وہ گورخر وہاں سے غائب ہوگیا۔ ہر چند امیر زادے نے ڈھونڈا لیکن نہ پایا۔ ناچار وہاں سے معاودت کی۔ اثنائے راہ میں ایک شہر آباد نظر آیا۔ لوگوں سے اس شہر کا نام پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ اس کو فرخار کہتے ہیں، اور گل چہرہ نام، ژوپین کی بہن یہاں رہتی ہے۔ ناگاہ اس نے بھی جھروکوں سے امیر زادے کو دیکھا۔ دیکھتے ہی خود رفتہ ہوگئی۔ محلی کو بھیجا کہ اس جوان کو بلا۔ خواجہ سرا نے امیر زادے کو مجرا کیا اور کہا کہ آپ کو غلام کی بی بی بلاتی ہے۔ امیر زادے نے انکار کیا۔ خواجہ سرا دوبارہ آیا اور زمینِ ادب چوم کر لجاجت کرنے لگا کہ حضور، بات کی بات کے واسطے قدم رنجہ فرماویں۔ آخر کہہ سن کر امیر زادے کو لے گیا۔ گل چہرہ نے بہت سی امیر زادے کی خاطرداری کی اور پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ امیر زادہ بولا کہ عمرو بن حمزہ۔ بولی، مدت سے تمھارے اشتیاق میں شب و روز گریاں و نالاں و جویاں رہتی تھی، سو آج خدا نے گھر بیٹھے مراد دی۔ یہ کہہ کر خاصہ طلب کیا۔ آپ بھی کھایا اور امیر زادے کو بھی کھلایا۔ بعد ازاں دورِ ساغر چلا۔ جب امیر زادہ نشے میں سرشار ہوا اور خود بھی وہ بدمست ہوئی، طالبِ مباشرت ہوئی۔ امیر زادے نے کہا کہ تمھاری ایک بہن میرے پاس ہے، تم سے ملوث نہیں ہوں گا۔ اس نے مبالغہ کیا۔ ناچار امیر زادے نے کہا کہ اچھا، پہلوان میرے قلعۂ کشمیر کو محاصرہ کیے ہوئے ہیں، میں ان کو بلا کر پوچھوں، دیکھوں کہ اس امر میں ان کی کیا رائے ہے۔ اگر وہ رضا دیں گے تو میں تجھ سے ہم بستر ہوں گا۔ گل چہرہ خانہ خراب نے اسی وقت قاصد بھیج کر ان کو بلوایا۔

قضا کارا اسی شہر میں ایک بوڑھا فرخار سرشباں نامی رہتا تھا۔ اس نے سنا کہ حمزہ کا بیٹا یہاں آیا ہے۔ اپنے دونوں بیٹوں سے بلا کر کہا کہ حمزہ کا بیٹا ژوپین کی بہن کے ساتھ شراب پی رہا ہے، جا کر اسے پکڑ لاؤ، اور زندہ

نہ لاسکو تو سر اس کا کاٹ لاؤ۔ دونوں بیٹے اس کے، ایک کا نام مہر دار سر شباں تھا اور دوسرے کو دینار سر شباں کہتے تھے، لٹھ ہاتھ میں لے کر ژوپین کی بہن کے گھر میں گئے اور عمرو بن حمزہ سے کہنے لگے کہ او چور، تیرا یہ مقدور ہے کہ ہماری سرحد میں آ کر شکار کرے! امیرزادے نے کچھ جواب نہ دیا۔ ایک نے ان دونوں میں سے امیرزادے کو لٹھ مارا۔ امیرزادے نے لٹھ پکڑ کر جو گھسیٹا تو وہ منہ کے بل آ رہا۔ اوپر سے ایک سیلی اس زور سے اس کی گردن پر ماری کہ وہ زمین پر لیٹ گیا۔ دوسرے بھائی نے بھی لٹھ چلایا۔ اس کا بھی یہی حال ہوا۔ جب غش سے افاقہ ہوا، دونوں نے جا کر سرگذشت اپنی اپنے باپ سے کہی۔ فرخار سر شباں ان کی تقریر سن کر ہنس دیا کہ مجھے کام حمزہ سے ہے، اس کے بیٹے سے کیا کام ہے۔ دوسرے دن معدی کرب وغیرہ امیرزادے کے پاس حاضر ہوئے۔ گل چہرہ بہ تعظیم و تکریم پیش آئی اور بہ تکلف ان کی ضیافت کی اور اپنا تعشق امیرزادے سے ظاہر کیا۔ معدی کرب نے امیرزادے سے کہا، کیوں اس بیچاری کو بن موت مارے ڈالتا ہے؟ امیرزادہ یہ جملہ سن کر ہنسا اور بولا کہ اے عمرو معدی کرب، جو کام نہیں کرنے کا ہے اسے کیونکر کروں؟ معدی کرب نے کہا کہ کرنا نہ کرنا تیرا اختیار ہے، مجھ کو اس کی زار نالی پر ترس آیا، اس واسطے میں نے تجھ کو کہا۔ الغرض، شب کو جو امیرزادہ نشۂ شراب سے بیہوش ہو گیا، گل چہرہ بدمست ہو کر امیرزادے سے لپٹ گئی۔ امیرزادے نے تیوری چڑھا کر کہا کہ او بے حیا، یہ کیا بے حیائی ہے؟ مجھ سے ایسا فعل بد نہ ہوگا، اور ایک دھول بھی اختلاطاً ماری۔ گل چہرہ اپنے عیش سے مایوس ہوئی، دل میں سوچی کہ یہ میری بہن پر عاشق ہے اور میں اس کے آتشِ محبت میں جلتی ہوں۔ اس سے یہی بہتر ہے کہ بقول شخصے نہ توہ کو نہ موہ کو، چولھے میں جھونکو۔ دفعتاً واحدتاً تلوار کھینچ کر ایک ہاتھ جو امیرزادے کی گردن پر لگایا، سر امیرزادے کا تن سے جدا ہو گیا۔ دیکھا کہ پہلوان امیرزادے کے مجھ کو مار ڈالیں گے، شور و غل مچانے لگی کہ ہائے ہائے، امیرزادے کو کون بیری مار گیا! یار دوڑے۔ امیرزادے کو مرا دیکھ کر گریباں چاک سر بر خاک ہوئے۔ عادی نے کہا کہ یہاں غیر تو کوئی آیا ہی نہیں کہ امیرزادے کو مار گیا۔ ہو نہ ہو، اسی خانہ خراب نے کامِ دل حاصل نہ ہونے سے غیظ میں آ کر نشے کی جھونک میں مارا ہے۔ دوسرے یاروں نے بھی معدی کرب کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا اور اس قحبہ کی مشکیں باندھ کر پوچھا کہ تو نے امیرزادے کو کیوں مارا؟ بولی کہ غلبۂ عشق سے برداشت نہ ہوئی، مجبوراً ایسی خطا کر بیٹھی، اب جو تم چاہو سو مجھ کو سزا دو۔ یاروں نے بایکدیگر کہا کہ عورت پر ہاتھ اٹھانا مرد کو لازم نہیں ہے، اسے ماریں تو کیونکر ماریں؟

ناگاہ امیر نے خواب میں دیکھا کہ عمرو خون کے دریا میں تڑپ رہا ہے۔ گھبرا کے چونک پڑے اور عمرو سے خواب کو دہرایا۔ عمرو اسی دم وہاں سے کشمیر کی طرف چلا۔ ہر گاہ کشمیر میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ امیرزادہ شہرِ فرخار میں ژوپین کی بہن کے پاس ہے۔ فی الفور وہاں سے ہوا ہو کر اس ناکارہ کے محل میں پہنچا۔ عمرو معدی کرب

وغیرہ اس کے قدموں پر گرے اور مشرح حال اس سے بیان کیا۔ عمرو خاک اڑاتا، سر پیٹتا، وہاں سے امیر کے پاس آیا اور کہا کہ شاہزادہ فرخار میں ژوپین کے گھر میں ہے، مگر زخمی ہے، اور آپ کو بہت جلد بلایا ہے۔

امیر فی الفور اشقر دیوزاد پر سوار ہو کر فرخار میں جا پہنچے۔ عمرو نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یکا یک امیر پر مرنا امیرزادہ کا ظاہر ہوا تو خدا جانے امیر کا کیا حالِ زبوں ہوگا، اس سے کچھ کھلا پلا کر لے چلا چاہیے۔ عمرو نے امیر سے کہا کہ تھوڑی دیر کسی باغ میں توقف کیجیے، پھر گل چہرہ کے مکان میں تشریف لے چلیے۔ امیر عمرو کے کہنے سے ایک باغ میں اتر پڑے۔ اس باغ میں ایک گلہ بکریوں کا چرتا تھا۔ عمرو ایک بکری کو ذبح کر کے کباب لگانے لگا۔ گلہ بان نے جو باغ کے اندر دھواں اٹھتے دیکھا، دوڑ کر امیر و عمرو کے سر پر پہنچا۔ دیکھا کہ دو جوان سرکاری بکری کا کباب بھون رہے ہیں۔ جلد دوڑ کر فرخار سرشباں کو، کہ وہ باغ و گلہ اسی کا تھا، خبر کی کہ دو شخص باغ میں کسی طرف سے وارد ہوئے ہیں، سرکاری بکری کو ذبح کر کے کباب بھون رہے ہیں۔ فرخار سرشباں یہ سنتے ہی وہاں سے ہرن ہوا۔ باغ میں آ کر دیکھا تو واقعی دو شخص بیٹھے ہوئے کباب بھون بھون کر کھا رہے ہیں۔ بیٹوں کو حکم دیا کہ ان وحشیوں کو پکڑ لاؤ۔ ان دونوں نے امیر کے سر پر پہنچ کے لٹھ مارے۔ امیر نے بیٹھے بیٹھے لٹھ ان کے چھین کر ایسا زمین پر دے پٹکا کہ بیہوش ہو گئے۔ فرخاری آتشِ غضب سے جل بھن کر کباب ہو گیا۔ فی الفور سات سومنی گرز لے کر امیر پر دوڑا اور کہنے لگا کہ اے وحشیو، معلوم ہوا کہ تم دونوں کی قضا یہاں لے آئی ہے، تب تو ملک الموت کی بکری ذبح کر کے کھائی ہے۔ یہ کہہ کر امیر پر گرز مارا۔ امیر نے گرز کو پکڑ لیا۔ ہر چند اس نے زور کیا پر چھڑا نہ سکا۔ ناچار گرز کو چھوڑ کے امیر کا کمر بند پکڑ کے زور کرنے لگا۔ امیر نے بیٹھے بیٹھے فرخار کو اٹھا کر سرگردان کر کے زمین پر دے پٹکا۔ تب تو فرخاری نے پوچھا کہ اے مرد، تو کون ہے اور تیرا کیا نام ہے؟ امیر نے فرمایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب میرا نام ہے۔ فرخاری بولا کہ سوائے حمزہ کے اور کس کی طاقت ہے کہ میری پیٹھ زمین کو لگا دے۔ امیر نے اس کو مسلمان کیا۔ چاہتا تھا کہ امیرزادے کی مرنے کی خبر سنا دے، عمرو نے اشارے سے منع کیا۔ امیر وہاں سے اٹھ کر آگے کو چلے۔ فرخاری بھی اپنے دونوں بیٹوں سمیت امیر کے ہم رکاب ہوا۔ جب شہر کے اندر یاروں نے امیر کو دیکھ کر واویلا و وامصیبتا کرنا شروع کیا، امیر نے پوچھا کہ خیر تو ہے؟ عرض کی کہ امیرزادہ ژوپین کی بہن کے ہاتھ سے مارا گیا۔ فرمایا کہ اس کو اس مغفور کی ماں کے پاس لے جاؤ اور کہہ دو کہ اسی نے تمھارے بیٹے کو مارا ہے۔ عمرو نے گل چہرہ کو لے جا کر امیرزادے کی ماں کے حوالے کیا اور کہا کہ آپ کے فرزندِ جگر بند کی قاتل یہی ہے۔ وہ یہ سخن سنتے ہی ہائے پسر کہہ کے مر گئی۔ امیر کو دونا غم و الم پیدا ہوا۔ چالیس دن تک بیٹے کا ماتم کیا اور امیرزادے کی لاش کو مع گل چہرہ کاؤس حصار میں سعدان کے پاس بھیجا۔ اس نے اپنی بہن کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ امیر نے فرمایا کہ اس جائے منحوس کو ویران کرنا چاہیے کہ

یہاں میرا بیٹا مارا گیا۔ اس کو ضرور خراب کروں گا۔ یہ کہہ کر گرز سے دروازے کو پاش پاش کیا اور قلعے میں گھس کر قتلِ عام شروع کیا۔ ہرمز تو چور دروازے سے بھاگ کر مدائن کی طرف روانہ ہوا اور ہمراہیانِ ہرمز اکثر امیر کے ہاتھ سے مارے گئے اور بعضے مسلمان ہوئے۔ آخر کشمیریوں پر امیر نے تیغ سنبھالی۔ حاکم نے وہاں کے امیر سے پناہ مانگی۔ امیر نے اس کو امان دی اور کاؤس حصار کی طرف راہی ہوئے۔

پہنچنا ہرمز کا مدائن میں اور دریافت کرنا حال گرفتاریِ نوشیرواں کا اور جانا امیر کا نوشیرواں کی رہائی کے واسطے

راوی لکھتا ہے کہ جب ہرمز قلعۂ کشمیر سے بھاگ کر مدائن میں گیا، معلوم ہوا کہ شداد حبشی نوشیرواں کو پکڑ کے لے گیا ہے۔ بزرجمہر سے جو تدبیر پوچھی، بزرجمہر نے کہا کہ بے حمزہ کے گئے مخلصی نوشیرواں کی غیر ممکن ہے۔ ہرمز نے کہا کہ حمزہ کاہے کو جائے گا؟ بزرجمہر نے کہا کہ اگر تم اپنی ماں سے خط لکھوا کر بھیجو تو حمزہ شرما کر خواہ مخواہ نوشیرواں کو اس موذی کے پنجے سے نجات دے گا۔ ہرمز نے اپنی ماں سے جا کے کہا کہ بزرجمہر اس طرح کہتے ہیں۔ ملکہ مہرانگیز بانو نے خط حمزہ کو لکھا کہ اے فرزندِ دلبند، شداد حبشی نے نوشیرواں کو اتنی مدت سے قید کر کے رکھا ہے اور ہر روز ایک نئی سزا دیتا ہے۔ پس حیف ہے کہ تمھارے ہوتے ہوئے غیر شخص نوشیرواں کو تکلیف دے۔ امیر نے خط پڑھ کر فرمایا کہ ہر چند نوشیرواں نے سوائے بدی کے کچھ میرے ساتھ نہیں کیا مگر میں اس کے ساتھ نیکی ہی کیے جاؤں گا۔ اگر وہ اپنی بدی سے ہاتھ نہیں اٹھاتا تو میں اپنی نیکی سے کاہے کو دستبردار ہوں؟ امیر مقبل کو ساتھ لے کر حبش کی طرف روانہ ہوئے۔ ہر چند عمرو نے منع کیا لیکن نہ مانا۔ ہرگاہ حبش میں پہنچے۔ متصل شہر کے ایک باغ میں اتر کر گھوڑے کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ شب کو مقبل سے کہا کہ عیار بن کر شداد کے دربار میں جائیے اور نوشیرواں کو چھڑا لائیے۔ مقبل نے کہا کہ جیسی صلاحِ دولت ہو ویسا کیجیے۔ امیر نے لباس شبروی کا پہنا اور کمند خضر کی قلعے کے کنگرے پر اٹکا کے اوپر چڑھے۔ دیکھا کہ شداد تخت پر سوتا ہے اور شراب و کباب و نُقل میوہ تخت کے نیچے خوانوں میں دھرا ہے اور نوشیرواں تخت کے سامنے پنجرۂ آہنی میں قید ہے۔ نگاہبان جو غرائے، امیر نے ان کو قتل کیا اور کباب و شباب و میوہ نوش جان فرما کے ایک پارچۂ کاغذ پر لکھا کہ میں آیا اور کباب و شراب و میوہ کھا کر نوشیرواں کو چھڑا لے گیا، اور اس کاغذ کو شداد کے پہلو میں رکھ کر

نوشیرواں کو پنجرے سمیت مقبل کے پاس لائے اور فرمایا کہ تم اس سے خبردار رہنا، میں گھوڑے کو ڈھونڈنے جاتا ہوں۔ امیر تو گھوڑے کو ڈھونڈنے کو گئے، ادھر شداد جاگا۔ دیکھے تو نوشیرواں پنجرے سمیت غائب ہے اور نگہبان گردن کٹے پڑے ہیں۔ متحیر ہوا کہ یہ کس کا کام ہے۔ ناگاہ نگاہ اس پرچۂ کاغذ پر پڑی۔ اس کو پڑھ کر آگ بگولہ ہوگیا۔ فوراً چار ہزار سوار لے کے امیر کی تلاش میں نکلا۔ پھرتے پھرتے باغ میں جو، گیا دیکھا کہ نوشیرواں کا پنجرہ رکھا ہوا ہے۔ نوشیرواں سے پوچھا کہ حمزہ کہاں ہے؟ نوشیرواں نے کہا کہ مجھ کو نہیں معلوم، اتنا جانتا ہوں کہ وہ اپنا گھوڑا ڈھونڈنے کو گیا ہے۔ شداد نوشیرواں کو قید سے مخلصی دے کر امیر کے ڈھونڈنے کو نکلا۔ اثنائے راہ میں مقبل کو دیکھا کہ گھوڑا لیے چلا آتا ہے۔ بولا کہ اے چور، اب تو مجھ سے کب بچ کے جاسکتا ہے! مقبل گھوڑے کو ریلا کر کے بھاگا۔ شداد کے سواروں نے سات سو حلقے کمند کے پھینک کر گھوڑے کو مع مقبل اسیر کیا اور مقبل کو حمزہ سمجھ کر اشقر کے ساتھ مضبوط باندھا۔ مقبل نے کہا کہ میرا نام مقبل ہے، حمزہ میں نہیں ہوں۔ شداد نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے حمزہ ریگستان میں جاکر پھنسا، یقیناً پیاس کے مارے مرگیا ہوگا۔ اس میں شام ہوگئی۔ شداد اپنے مکان میں جاکر شراب پی کے سو رہا۔ صبح کو نوشیرواں کو لے کر کاؤس حصار کی طرف روانہ ہوا، بدیں خیال کہ حمزہ تو ریگستان میں مرگیا ہوگا، میں حمزہ کے فرزندوں کو مار کے مہرنگار کو اپنے مصرف میں لاؤں۔ اس نے تو ایسا ارادۂ فاسد کیا اور امیر واقع میں بقول شداد بھول کر ریگستان میں جارہے تھے۔ جدھر دیکھتے تھے سوائے ویرانے کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

شب کو عمرو بن امیہ ضمیری نے امیر کو خواب میں سراسیمہ و حیران ریگستان میں پھرتے دیکھا۔ صبح کو یاروں سے خواب بیان کرکے کہا کہ تم لوگ ہوشیار رہنا، میں امیر کی خبر کو جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر چلتا ہوا۔ اثنائے راہ میں لشکر دیکھا۔ معلوم ہوا کہ شداد حبشی نوشیرواں کو لے کے بہ طمعِ مہرنگار کاؤس حصار کی طرف جاتا ہے، اور حمزہ ریگستان میں سراسیمہ ہے اور غلام اس کا مع مرکب شداد کی قید میں ہے۔ عمرو یہ خبرِ بد سن کر اور بھی پریشان ہوا۔ جلد ریگستان میں پہنچا۔ سات شبانہ روز عمرو امیر کو ڈھونڈا کیا، آٹھویں دن ہتھیار امیر کے پڑے پائے۔ اسی نواح میں پکار پکار کر کہنے لگا کہ حمزہ، کدھر ہو؟ اگر زندہ ہو تو جلد جواب دو۔ امیر عمرو کی آواز سنتے تھے مگر شدتِ تشنگی سے بآوازِ بلند عمرو کو جواب نہ دے سکتے تھے۔ آخر رفتہ رفتہ عمرو ہی امیر کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ تشنگی سے آنکھیں امیر کی نکل آئی ہیں، زبان میں کانٹے پڑ گئے ہیں، شدتِ ضعف سے غش میں پڑے ہیں۔ عمرو امیر کو دیکھ کر بہت رویا اور جلد ایک جام شربت کا زنبیل سے نکال کر امیر کے حلق میں قطرہ قطرہ چوایا۔ بارے امیر نے آنکھیں کھولیں، عمرو سے شکایت تشنگی کی کی۔ عمرو نے اور ایک جام شربت کا پلایا۔ امیر کے حواس درست ہوئے۔ سلاح بدن میں لگا کے وہاں سے حبش میں آئے۔ دیکھا کہ مقبل و اشقر بندھے ہوئے ہیں۔ اشقر نے

امیر کو دیکھ کر اپنے دست و پا کے بند توڑ ڈالے۔ امیر اشقر پر سوار ہوئے اور مقبل و عمرو کو ساتھ لے کر شہر میں گھسے۔ چوکیداروں نے شداد کے بیٹے کو خبر دی۔ وہ ہزار سوار لے کر امیر کے سر پر پہنچا۔ امیر نے کہا کہ او ناخلف، ایک مرتبہ تو تو جانتا ہے کہ تیرے باپ کو میں حلقہ بگوش کر چکا ہوں، تو اس پر مجھ سے بے ادبی کرتا ہے! اس نے کچھ نہ سنا، تلوار کمر سے کھینچ کر امیر کے سر پر چلائی۔ امیر نے تلوار اس کی چھین کر ایک مکا اس زور سے مارا کہ وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ عمرو نے امیر کے حکم سے اس کو باندھ لیا۔ اس نے امیر سے کہا کہ آپ نے مجھے کیوں باندھا؟ مجھے آپ کی اطاعت منظور ہے۔ امیر نے اسے کلمہ پڑھایا۔ وہ بہ صدقِ دل مسلمان ہوا اور امیر کو قلعے میں لے جا کر جشن کیا۔ تین دن تک امیر وہاں رہے، چوتھے دن کاؤس حصار کی طرف روانہ ہوئے۔

شداد جو نوشیرواں کو لے کر کاؤس حصار کو گیا تھا، اس نے اثنائے راہ سے ہرمز کو لکھا کہ میں حمزہ کو مار کر نوشیرواں کو ساتھ لیے ہوئے کاؤس حصار کی طرف جاتا ہوں، تم بھی ژوبین کو ہمراہ لے کر مع فوج جلد اپنے کو پہنچاؤ کہ مسلمانوں کو قتل کر کے مہر نگار کو اپنے قبضے میں لاؤں۔ ہرمز اس نوشتے کو دیکھ کر فوراً مع ژوبین و فوج روانہ ہو کے چند روز میں کاؤس حصار پر پہنچ کر نوشیرواں سے مشرف ہوا۔ شداد نے اسی دم نقارہ جنگ کا بجوا کر شبرنگ کو، کہ ایک سو بیس من کا نعل اس کے پاؤں میں باندھا جاتا تھا اور وہ نفس الامر میں گھوڑا بے مثل و بے مانند تھا، میدان میں کودا کر کہا کہ اے عربو، میں شداد بو عمرو حبشی ہوں، حمزہ کو مار کر بہ رضا مندیِ نوشیرواں مہر نگار کو لینے کو آیا ہوں۔ تم کیوں ناحق اپنی جان دو گے؟ اولیٰ یہی ہے کہ تم جیتی جان اپنے گھر کا رستہ لو، اور اگر قضا تمھارے سر پر کھیلتی ہو تو مجھ سے مقابلہ کرو۔ لندھور اس کے سامنے آیا۔ شداد نے ایک گرز تول کر لندھور کے سر پر مارا۔ لندھور نے اس کے گرز کو رد کر کے اس زور سے گرز مارا کہ گھوڑا اس کا چاروں پاؤں سے زمین میں دھنس گیا۔ شداد گھوڑے سے کود کے لندھور سے گرز بازی کرنے لگا۔ جب گرز بازی میں سر بر نہ ہوا، تلوار کھینچ کر ایسا ہاتھ لندھور کے شانے پر لگایا کہ لندھور نے زخم کاری کھایا۔ لیکن لندھور نے باوجود زخمی ہونے کے شام تک لڑائی سے ہاتھ نہ کھینچا۔ آخر شداد نے طبلِ بازگشت بجوایا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں میں گئے۔ دوسرے دن فرہاد بن لندھور نے شداد کا مقابلہ کیا۔ وہ بھی زخمی ہوا۔ اسی طرح کئی پہلوان اس دن شداد کے ہاتھ سے مجروح ہوئے۔ فرخاری نے دیکھا کہ شداد چند پہلوانوں کو زخمی کر کے پھولا نہیں سماتا ہے، اپنے گھوڑے کو میدان میں نکالا۔ شداد نے پوچھا کہ اے شخص، تو کون ہے اور تیرا کیا نام ہے؟ فرخار بولا کہ نام میرا فرخار سرشاں ہے۔ رہنے والا شہرِ فرخار کا ہوں۔ لا، کیا حربہ رکھتا ہے؟ شداد نے فرخاری پر گرز کا وار کیا۔ اس نے رد کر کے سات سو منی گرز اپنا اس زور سے مارا کہ دونوں لشکر اس کی آواز سے چونک پڑے اور تعریف کرنے لگے۔ اگر شداد خالی نہ دیتا تو ہڈیاں اس کی ریزہ ریزہ ہو جاتیں۔ شام تک دونوں سے جنگ رہی، مگر کوئی کسی

سے مجروح نہ ہوا۔ شداد نے طبلِ بازگشت بجوایا۔ دونوں لشکر میدان سے پھرے۔
دوسرے دن پھر شداد و فرخاری سے جنگ ہوئی۔ شداد نے عاجز ہو کر کہا کہ تو لڑ چکا، جا اب اور کسی کو بھیج۔ فرخاری بولا کہ میں بے تیرے مارے کب جاتا ہوں! آخر شداد اس کے آگے سے بھاگ کھڑا ہوا۔ فرخاری نے اس کے لشکر تک اس کا تعاقب کیا۔ اسی میں شام ہوگئی، دونوں لشکر اپنے خیمہ گاہ پر گئے۔ صبح پھر شداد فرخاری سے مقابلہ ہوا۔ تمام دن بایکدیگر لڑا کیے۔ قریب شام کے فرخاری نے قابو پا کر ایسی تلوار شداد پر لگائی کہ شداد کا بازو کٹ کے زمین پر گر پڑا۔ دوسرا ہاتھ فرخاری لگایا چاہتا تھا کہ شداد نے بھاگ کر اپنے لشکر میں پناہ لی۔ فرخاری مظفر و منصور اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ اس دن سے جنگ موقوف ہوئی۔
اتفاقاً ایک عیار نے، کہ نام اس کا گلیم ہے، نوشیرواں سے کہا کہ اگر حکم ہو تو عرب کے ایک ایک سردار کا سر کاٹ لاؤں۔ نوشیرواں نے کہا، اس سے کیا بہتر ہے۔ اسی دن نصف شب گذرے وہ عیار عرب کے لشکر میں پہنچا۔ قباد شہریار کے خیمے کی طرف گیا۔ دیکھا کہ دو عیار، ظفر و فتح نامی، قباد کے خیمے کے گرد پھر رہے ہیں۔ گلیم ان کی آنکھ بچا کر ایک طرف کا پائزہ اکھیڑ کر خیمے کے اندر گیا اور قباد کو خوابِ غفلت میں پا کر، خنجر سے سر کاٹ کر خیمے سے نکلا۔ عیارانِ عمرو نے، کہ طلایہ پھر رہے تھے، اس کو گرفتار کیا۔ قباد کا سر اس کے ہاتھ میں دیکھ کر شور و فغاں کرنے لگے۔ سردارانِ عرب اپنے اپنے خیمے سے نکل کر قباد کے خیمے میں آئے۔ دیکھا کہ قباد بے سر پلنگ پر پڑا ہے۔ لشکرِ اسلام میں اسی دم آثارِ قیامت کے قائم ہوگئے۔ مہر نگار نے جو سنا، ایسا حال اس کا ابتر ہوا کہ کسی ماں کا حال اپنے بیٹے کے غم میں ایسا بہت کم ہوا ہوگا۔ صبح کو گلیم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے۔ نوشیرواں نے جو یہ خبرِ بد سنی، اس نے بھی نواسے کا ماتم کیا۔ چالیس دن تک دونوں لشکروں میں قباد کا ماتم رہا۔ بعد چہلم کے دونوں لشکروں میں صف آرائی ہوئی۔ اس دن بھی شداد اور فرخار سے لڑائی ہونے لگی، کہ جنگل کی طرف سے گرد اٹھی عیار خبر لائے کہ امیر و عمرو آتے ہیں۔ فرخاری جنگ موقوف کر کے مع سردارانِ دیگر امیر کے استقبال کے واسطے گیا۔ ادھر شداد فرصت پا کر مفرور ہوا۔ امیر نے، بعد از ملاقاتِ یاراں، فرخاری سے پوچھا کہ شداد کہاں ہے؟ فرخاری نے کہا کہ میدان میں چھوڑ کر آیا تھا۔ امیر نے ہر چند رزم گاہ پر نگاہ کی لیکن شداد نظر نہ آیا۔ فرمایا کہ معلوم ہوا میرے آنے سے وہ بھاگا۔ سوار ہو کر اس کے پیچھے چلے۔ شداد دور نکل گیا تھا، اشقر سے زبانِ جنّی میں کہا کہ بیٹا، جلد اس موذی تک پہنچ۔ اشقر نے جو پرواز کی، دم مارنے میں شداد کے متصل پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ حمزہ سر پر آ پہنچا، اب فرصت بھاگنے کی کہاں ہے! ایک بت خانے کا مٹھ اس کو دکھائی دیا، جان بچانے کو مٹھ میں گھسنے لگا۔ امیر نے مرکب کو آسن سے دبا کر لچھہ کمند کا اس کے گلے میں ڈالا۔ اس میں لندھور بھی آ پہنچا۔ امیر نے کمند اس کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ اے خسروِ ہند، اس کو کھینچو۔ لندھور نے

جو کھینچا، شداد کی روح جہنم میں پہنچی۔ امیر نے شبرنگ گھوڑا شداد کا لندھور کو عطا کیا۔ لندھور نے عرض کی کہ حقیقت میں یہ گھوڑا آپ کی سواری کے قابل ہے۔ اس میں عمرو بھی پہنچا۔ شداد کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھایا اور امیر مظفر و منصور، یاروں سے باتیں کرتے ہوئے، آہستہ آہستہ وہاں سے چلے۔

ادھر ژوپین نے دیکھا کہ مطلع صاف ہے، سوائے مہرنگار کے لشکر میں کوئی نہیں ہے، چلیے مہرنگار کو لے آیئے۔ یہ منصوبہ کر کے لشکرِ اسلام میں گھسا۔ چند دربان جو درِ خیمہ پر تھے، ان کو مار کر مہرنگار کی بارگاہ تک جا پہنچا۔ مہرنگار نے اس قدر تیر اس کے سینۂ پُرکینہ پر مارے کہ سینہ اس کا خانۂ زنبور ہوگیا۔ ژوپین نے جانا کہ یہ میری راضی نہیں ہے، کھسیانا ہو کر ایک وار تلوار کا مہرنگار کے جسمِ نازنین پر لگایا۔ دوسرا ہاتھ چاہتا تھا کہ مارے، امیر اس کے سر پر جا پہنچے۔ ژوپین نے بھاگنے کی جو فرصت نہ پائی، ناچار ہو کر امیر پر بھی ایک وار کیا۔ امیر نے اس کے وار کو رد کر کے ایک ہاتھ ایسا بھاگتے میں اس کے سر پر لگایا کہ سر کو، گدی کو، پیٹھ کی ہڈی کو کاٹ کر مقعد کی ہڈی کو کاٹا۔ وہ تو اسی جگہ ڈھیر ہوا، امیر اپنے لشکر میں آئے۔ محل میں جا کر دیکھا کہ مہرنگار قریب بہ ہلاکت ہے۔ فی الفور عمرو کو بھیجا کہ خواجہ بزرجمہر کو لے آؤ۔ عمرو تو خواجہ کے لانے کے واسطے گیا، ادھر مہرنگار جاں بحق تسلیم ہوئی۔ امیر ایک آہ کا نعرہ مار کے بیہوش ہوگئے۔ ایک ساعت کے بعد جو ہوش آیا تو دیوانہ وار کبھی ہنستے تھے، کبھی روتے تھے۔ عمرو جو بزرجمہر کو لے کے آیا، دیکھے تو مہرنگار میں دم نہیں ہے اور امیر اس کے غم میں مجنون ہوگئے ہیں۔ بزرجمہر سے گھبرا کر کہنے لگا کہ یا حضرت، یہ کیا ہوا! کسی طرح تو امیر کا جنون دفع کیا چاہیے۔ خواجہ نے کہا کہ عمرو، آج کے اکیسویں دن امیر آپ سے آپ اچھے ہوجائیں گے، تو غم نہ کر۔ امیر ایک تابوت مہرنگار کے لیے اور دوسرا قباد شہریار کے واسطے، تیسرا عمرو بن حمزہ کے لیے تیار کروا کے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہرگاہ مکہ کے متصل پہنچے، امیر نے ایک میدانِ خوش فضا میں قبریں کھدوا کر تینوں تابوت دفن کیے اور وہیں شب باش ہوئے۔

راوی لکھتا ہے کہ اکیس دن گذر گئے تھے، بائیسویں شب تھی کہ امیر نے حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں دیکھا اور ایک جامِ شراب ان کے ہاتھ سے پیا۔ حضرت نے امیر سے فرمایا کہ اے فرزند، ایک عورت کے واسطے حال زبوں کرنا دانائی سے بہت بعید ہے۔ اگر تو زندہ ہے تو اس سی ہزاروں ملیں گی۔ امیر کی جو آنکھ کھل گئی۔ عمرو بن امیہ سے پوچھنے لگے کہ میں کہاں ہوں اور مجھ کو کیا ہوگیا تھا؟ عمرو نے تمام کیفیت بیان کی۔ امیر نے عالمِ رویا میں جو کچھ دیکھا تھا، سب کے روبرو بیان کیا۔ یاروں نے کہا کہ یا حضرت، آپ ان کے فرزند ہیں، اگر وہ سمجھانے نہ آویں تو کون آوے؟ امیر نے کہا کہ کچھ ہو، میں نے مہرنگار سے وعدہ کیا تھا، اس کے وفا کرنے کے واسطے مہرنگار کی قبر کی مجاوری ضرور کروں گا۔ تم لوگ اپنے گھر جاتے جاؤ۔ ہرچند عمرو نے بھی سمجھایا لیکن کچھ موثر

نہ ہوا۔ سب کو رخصت کر کے، سعد بن عمرو اپنے پوتے کو تخت پر بٹھلا کے مصر کی طرف روانہ کیا۔ عمرو نے کہا کہ یا امیر، مجھ کو تو اپنے سے جدا نہ کرو۔ امیر نے فرمایا کہ مقبل کا رہنا میرے پاس کفایت کرتا ہے۔ جب سب رخصت ہوئے، امیر نے سر منڈوایا اور ایک کفنی پہن کر شب و روز مہرنگار کی قبر کی جاروب کشی کرنے لگے۔ ہرگاہ نیند کا غلبہ ہوتا مہرنگار کی قبر کے پائنتی پڑ رہتے۔

پہنچنا قارون بن فرہد عکہ اور کلیات بن گلیم عیار کا امیر کے پاس اور گرفتار کر کے لے جانا امیر اور مقبل کو

راویانِ خوش تقریر و دبیرانِ صاحب تحریر کمیتِ قلم کو اس طرح میدانِ بیاں میں جولاں کرتے ہیں کہ ملکہ مہر نگار کی قبر پر امیر کے بیٹھ رہنے کی خبر تمام دیار و امصار میں پہنچی۔ ہر طرف سے سرکشانِ روزگار نے سر اٹھایا اور امیر کے قتل کرنے کے درپے ہوئے۔ چنانچہ قارون بن فرہد عکہ، کہ اپنے زور کے روبرو رستم کے افسانے پر چشمک کرتا تھا، بہ عزمِ قتلِ امیر، بافوجِ کثیر، اپنے گھر سے روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں کلیات بن گلیم عیار، قاتلِ قباد شہریار سے ملاقات ہوئی۔ پوچھا کہ تو کہاں جاتا ہے؟ بولا کہ میرے باپ کو حمزہ کے رفیقوں نے مار ڈالا ہے، سو بالفعل میں نے سنا ہے کہ حمزہ قبرِ مہر نگار پر کمر کھول کر بیٹھا ہے، اس کے مارنے کو جاتا ہوں۔ قارون عکہ نے کہا کہ میں بھی اسی ارادے سے گھر سے نکلا ہوں، بہتر ہے کہ میرے ساتھ تو چل۔ اس نے قبول کر کے منزلیں طے کرنی شروع کیں۔ چند روز کے بعد مکہ کے متصل پہنچے۔ کلیات نے قارون سے کہا کہ تم اسی جا پر خیمہ زن ہو، کیونکہ اگر حمزہ تم کو اس لشکرِ جرار سے دیکھے گا تو چیت جائے گا، پھر مشکل سے قابو میں آئے گا، اور ابھی اس کی تدبیر سہل ہے۔ قارون وہیں اتر پڑا۔ کلیات بہ لباسِ درویشانہ روضۂ مہر نگار پر گیا۔ دیکھا کہ امیر سر نیوڑھائے گوشۂ قبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جا کر سلام کیا۔ امیر نے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور مطلب کیا ہے؟ بولا کہ میں فقیر سیاح ہوں، بیت المقدس سے آتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ چند روز کی حیات جو باقی ہے، اس کو آپ کی خدمت میں بسر کروں۔ امیر نے فرمایا کہ میری خدمت گذاری کے واسطے ایک مقبل بس، اور دوسرے کی ضرورت نہیں ہے۔ کلیات بولا کہ میں تو حضور کے قدم چھوڑ کر کہیں جانے کا نہیں۔ امیر ناچار چپ ہو رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مقبل نے دسترخوان بچھایا۔ امیر نے اس کی بھی صلاح کی۔ تینوں شخص مل کر کھانے لگے جب امیر نے

پانی مانگا۔ کلیات نے اٹھ کر آب داروے بیہوشی آمیختہ امیر و مقبل کو پلایا اور آپ بہ حیلۂ استنجا وہاں سے چلتا ہوا۔ قارون سے آ کر کہا کہ جلد سوار ہو جایئے، میں حمزہ و مقبل کو داروے بیہوشی پلا آیا ہوں۔ قارون عکہ کلیات کے ساتھ مہرنگار کے روضے پر گیا اور تلوار کھینچ کر امیر کے مارنے پر مستعد ہوا۔ مقبل دیکھ کر اس پر دست بہ قبضہ ہو کر دوڑا، چرخ کھا کے زمین پر گر پڑا۔ امیر نے قارون عکہ کو دیکھ کر چاہا کہ ایک گردنی دیویں۔ اٹھنا تھا کہ دورانِ سر نے زمین پر گرایا۔ قارون عکہ نے مقبل و امیر کو قیدِ آہن سے مسلسل کس کر باندھا اور اپنے لشکر میں لے جا کر رفعِ بیہوشی کر کے امیر کو کلماتِ سخت کہہ کر کہا کہ او عربِ بے سرمایہ، تیری یہ قدرت کہ میرے باپ کو مارے اور سلاطینِ روزگار کو مار کے، زبردستی دامادِ نوشیرواں کہلا کے فرمانروائی کرے! دیکھ تو، اب تجھ کو کس ایذا سے مارتا ہوں۔ امیر نے فرمایا کہ او گبر، مردار خوار، فی الحقیقت میں نے ان سلاطینِ روزگار کو کہ جنھوں نے میرا مقابلہ کیا اور زیر ہو کر مسلمان نہ ہوئے، تیغ بے دریغ سے قتل کیا۔ اور تو مجھ کو کیا مارے گا اگر میری حیات باقی ہے! میری مرگ خداے عزوجل کے حکم پر موقوف ہے نہ کہ تجھ جیفہ خوار کے ہاتھ میں ہے۔ قارون نامرد اپنے ہاتھ سے امیر کو چابک مارنے لگا۔ امیر نے فرمایا کہ او گبر، اتنا مار کہ تو بھی برداشت کر سکے۔ خیرہ ہو کر بولا کہ مجھ کو کون مار سکتا ہے! اب تو میں تجھ کو مارتا ہوں۔ یہ کہہ کر امیر کو ہمہ تن چابک سے مجروح کیا اور شتر کی کھال کھینچ کر نمک چھڑکا اور ایک شبانہ روز تک امیر کو اس میں لپیٹ رکھا۔ دوسرے دن بدستورِ روزِ اول امیر کو چابک مار کے تازہ چمڑے میں نمک چھڑک کر لپیٹ دیا اور ایک ستون ایک سو بیس گز کا بنوا کر جا بجا اس میں زنگولے نصب کیے اور سرِ ستون پر امیر کو لٹکا دیا۔ اور یہ دستور رکھا کہ ہر روز امیر کو اتار کے تازیانوں سے مجروح کرتا اور تازہ چمڑے میں نمک چھڑک کر لپیٹتا اور عقابین ستون پر لٹکا دیتا۔ چند روز کے بعد نوشیرواں کو اس کیفیت سے مطلع کیا۔ نوشیرواں نے اپنے ندیموں سے پوچھا کہ کیا صلاح ہے؟ سبھوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ اب تو ملکہ مہرنگار بھی زندہ نہیں ہے کہ جس کا پاس حضور کریں۔ ہمارے نزدیک تو مناسب یہ ہے کہ خود حضور تشریف لے جا کر اپنے روبرو اس عرب زادے کو سزا دیویں۔ نوشیرواں بے ایمان و ناعاقبت اندیشوں کی رائے کو صائب سمجھ کر مع لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ چند روز میں منزلِ مقصود پر پہنچ کر قارون عکہ پر بہت سی مہربانی کی، اور ہر روز امیر کو تازیانے لگوا کر اپنے روبرو ایک پوست تازہ نمک پاشیدہ میں لپٹوا کر ستون کی چوٹی سے لٹکواتا اور ساکنانِ مکہ پر دستِ ستم دراز کرتا۔

یہ خبر کسی سوداگر سے عمرو کو، کہ ایک جہاز پر سوار تھا، پہنچی۔ عمرو تو اسی دم جہاز سے اتر کے مکہ کے طرف روانہ ہوا۔ یہاں خواجہ عبدالمطلب نے امیر کے پہلوانان و رفیقانِ قدیم کو بہ بیانِ حال نامہ لکھ کر طلب کیا اور ایک خط امیہ ضمیری پدرِ عمرو عیار کو دے کر کوہِ کرب کی طرف بھیجا۔ ناگہاں اثناے راہ میں کلیات بن گلیم عیار نے امیہ ضمیری کو گرمِ رفتار دیکھا۔ سوچا کہ امیہ ضمیری کی گرم رفتاری خالی از علت نہیں ہے، کچھ نہ کچھ دال میں کالا ہے،

اور اگر نہیں تو میں اپنے باپ کا تو بدلہ لوں گا۔ امیہ ضمیری کو گرفتار کر کے نوشیرواں کے پاس لے گیا۔ نوشیرواں نے اس سے بزورِ شلاق پوچھا کہ سچ کہہ، تو کہاں جاتا ہے؟ جان تو بڑی پیاری ہوتی ہے، اس نے جانا کہ بتا دینے سے چھوٹ جاؤں گا، وہ خط جو جوتی میں رکھے لیے جاتا تھا، نوشیرواں کے حوالے کیا۔ نوشیرواں نے خط پڑھ کر امیہ ضمیری کو قتل کیا۔ بختک نے کلیات سے کہا کہ اے کلیات، تو جانتا ہے کہ امیہ ضمیری عمرو کا باپ ہے۔ تو نے امیہ ضمیری کو قتل کروایا ہے، اب ذرا عمرو سے ہوشیار رہنا۔ کلیات بولا کہ میں نے عمرو سے بہتروں کو تعلیم کیا ہے، اس کی عیاری مجھ سے نہیں چل سکے گی۔ اس کو بھی یہی شربت پلاؤں گا، ذرا آ تو لیوے۔ قضا کار دوسرے دن ہی عمرو مکہ میں پہنچا اور اپنے باپ کے مارے جانے سے مشرح مطلع ہوا۔ کلیات بھی عمرو کے آنے سے آگاہ ہوا۔ اپنے عیاروں کو حکم دیا کہ جہاں عمرو کو پاؤ، باندھ کے لے آؤ۔ ہر شخص عمرو کے درپے ہوا۔

ایک دن کلیات نے عمرو کو جاتے دیکھا۔ فوراً اس کے پیچھے دوڑا۔ شب شبِ ماہ تھی۔ آگے آگے تو عمرو گرمِ رفتار تھا، پیچھے پیچھے اس کے کلیات تیز قدمی سے جاتا تھا۔ عمرو نے ایک پھول داروے بیہوشی آمیختہ زنبیل سے نکال کر اثنائے راہ میں پھینک دیا۔ کلیات نے اس پھول کو زمین سے اٹھا کر سونگھا۔ سونگھنا تھا اور بیہوش ہونا تھا۔ عمرو نے آ کر سر اس کا کاٹ لیا اور وہاں سے عقابین کے نیچے آیا۔ دیکھتا ہے کہ مقبل بندھے ہوئے پڑے ہیں۔ عمرو نے سلام علیک کی۔ مقبل نے عمرو کی آواز سن کر بہت خوش ہو کے جواب سلام علیک کا دیا اور کہا کہ اے چراغِ عرب، ایک تیرے نہ ہونے سے اس اندھیرے میں ہم اور امیر پڑے۔ عمرو بولا کہ اب غم نہ کھاؤ، میں تم کو اور امیر کو چھڑاتا ہوں۔ یہ کہہ کر مقبل کی قید بدن سے جدا کی اور کلیات عیار کے سر کو عقابین پر لٹکا کے ستون پر چڑھ گیا۔ جہاں تک زنگولے تھے ان میں روئی بھر دی کہ آواز نہ دیویں۔ جب امیر کو جا کر سلام کیا، امیر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ دیکھنا گھنٹا نہ ہلنے پاوے۔ عمرو نے کہا کہ میں نے گھنٹوں کے منہ کو روئی سے بند کر دیا ہے۔ مگر ایک گھنٹا جو امیر کے سر پر تھا، اس کو عمرو نے نہ دیکھا تھا۔ وہ دہن کشادہ تھا۔ جب امیر کو عمرو اتارنے لگا، وہ گھنٹا عمرو کے سر سے لگ کر بولا۔ کفار اس کی آواز سن کر چہار طرف سے دوڑے اور تیر مارنے لگے۔ عمرو ستون پر سے کود کر غائب ہو گیا۔ کفار جو ستون کے نیچے آئے، کلیات عیار کا سر ستون سے بندھے دیکھ کر قارون کو خبر دی۔ بختک نے کہا کہ سوائے عمرو کے یہ کسی کا کام نہیں ہے۔ قارون عکہ بولا کہ اگر کہو تو حمزہ کو مار ڈالوں۔ بختک نے لرز کر کہا کہ جب تک عمرو ہاتھ نہ آوے، ایسا کام بھی کبھی نہ کرنا۔ عمرو تم کو اور نوشیرواں کو اور بزرجمہر کو کبھی جیتا نہ چھوڑے گا۔ بزرجمہر نے بختک سے کہا کہ او بدذات، میں نے اس کا کیا بگاڑا ہے کہ مجھ کو مارے گا؟ مارے گا اس کو جو کوئی اس سے برائی کرے گا۔

عمرو کا حال سنیے کہ مکہ میں آ کر جا بجا امیر کے پہلوانوں اور یاروں کو خط لکھے کہ امیر بہت دن سے قارون

عکہ کی قیدِ شدید میں گرفتار ہیں۔ تم لوگوں کو لازم ہے کہ اگر کھانا وہاں کھاؤ تو ہاتھ یہاں آ کر دھوؤ۔ ملک لندھور ہنوز اثنائے راہ میں تھا کہ عمرو کا خط پا کر اسی مقام سے پھرا۔ خلاصہ، جس جس نے یہ خبر سنی وہ مکہ کو روانہ ہوا۔ ہر روز پہلوان پہنچنے لگے۔ قارون عکہ نے نوشیرواں سے کہا کہ اب عمرو آیا ہے، بلا شبہ فوجیں جمع کرے گا اور اس وقت کام مشکل ہو جائے گا۔ میرے نزدیک حمزہ کا مار ڈالنا عین صلاح ہے، یا حمزہ کو لے کر میرے شہر چلو۔ نوشیرواں نے کہا کہ حمزہ کا مارنا تو کسی طرح سے صلاح نہیں ہے، مگر شہر میں لے جانے کا مضائقہ نہیں ہے۔ قارون عکہ نے اسی وقت وہاں سے کوچ کیا اور چند روز میں اپنے شہر پہنچ کر ہر روز حمزہ کو آگے سے زیادہ شلاق کرنے اور تکلیف دینے لگا۔ ایک دن پھر امیر نے قارون ملعون سے کہا کہ مشہور ہے کہ اتنا کھائے جتنا ہضم ہو سکے؛ اس قدر مجھ کو مار جس قدر تو خود بھی برداشت کر سکے۔ قارون نے ہنس کر کہا کہ اب بھی تجھ کو امید رہائی کی ہے کہ مجھ سے اس کا عوض لے گا؟ یہ کہہ کر امیر کو دروازے پر لٹکا کر چوبداروں کو حکم دیا کہ اس کو آٹھ پہر میں ایک روٹی جو کی اور ایک جام پانی کا ملا کرے، کہ اس عرب کی اذیت سے مجھ کو راحت ہے۔

امیر کے لشکر کا حال سنیے۔ سعد بن عمرو بن حمزہ مکہ میں داخل ہوا اور روز بروز پہلوان و شاہ و شہریار آنے لگے، حتیٰ کہ بدستورِ قدیم لشکر قائم ہوا۔ قارون ملعون کا کلیجہ امیر کے لشکر کو دیکھ کر دہل گیا۔ نوشیرواں سے کہنے لگا کہ یارو، یاورِ حمزہ کے کثرت سے پہنچے، میں ان سے کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتا، مجبور قلعہ بند ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر اپنی فوج سمیت قلعہ بند ہوا اور برج و بارہ قلعے کا درست کر کے بیٹھا۔ اتفاقاً ایک رات کو خواجہ عمرو بن امیہ، کہ شبانہ روز تاک جھانک میں لگا رہتا تھا، نگہبانوں کی آنکھ بچا کر قلعے میں گھس گیا اور تاجر بن کر ایک پارچہ فروش سے آشتی پیدا کی اور اس کا شریک ہو کر دکانداری کرنے لگا۔ ہر چند امیر کا جویا ہوا، لیکن پتا اس کو نہ لگا کہ امیر کہاں مقید ہیں۔ خدا کی قدرت کو دیکھیے کہ ایک شب کو فرزانہ نامی ہمشیرۂ قارون نے خواب دیکھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ مجھ کو کلمہ پڑھا کر فرماتے ہیں کہ اے فرزانہ، حمزہ تیرا جفت ہوگا اور آفریدگار حمزہ کے نطفے سے تجھ کو ایک فرزندِ ارجمند عطا کرے گا۔ جلد جا کر اس کو قید سے چھڑا۔ فرزانہ خواب سے جاگ کر فی الفور اپنے بھائی کے گھر میں گئی اور محافظانِ حمزہ کو بہت کچھ مال و متاع دے کر حمزہ کو قید سے نکال کے اپنے گھر لے گئی اور بہ دل و جان خدمت گذاری کرنے لگی۔ صبح کو قارون نے سنا کہ حمزہ غائب ہے۔ بہت سے لوگ اِدھر اُدھر تلاش کو بھیجے مگر پتا نہ لگا۔ اپنے وزیر سے کہا کہ حمزہ اگر اپنے لشکر میں جاتا تو شادیانے بجتے۔ رمل سے دریافت کیا چاہیے کہ حمزہ کہاں ہے۔ وزیر رمل دیکھ کر ہنسنے لگا۔ قارون نے پوچھا کہ سبب اس ہنسنے کا کیا ہے؟ بولا کہ حمزہ کو فرزانہ بانو چھڑا کر لے گئی اور اس کے ساتھ عیش و عشرت کر رہی ہے۔ قارون نے ایک اپنی خواص کو فرزانہ کے گھر میں بھیجا کہ دریافت تو کرو، حمزہ فرزانہ کے پاس ہے۔ اس نے جا کر فرزانہ سے پوچھا کہ حمزہ کو کیا تم چھڑا لائی ہو؟

وزیر نے از روئے رمل کے تمھارے بھائی سے کہا ہے کہ حمزہ فرزانہ بانو کے پاس ہے۔ فرزانہ فیل لائی اور اپنے بال نوچ کھسوٹ کر رونے اور کہنے لگی کہ واہ واہ! میری ایسی خرابی ہوئی کہ وزیر مجھ پر تہمت چھنالے کی کرنے لگا۔ میں نے جو اپنی عزت اس کو نہ دی تو وہ اس طرح سے مجھ کو بے عزت کرتا ہے۔ بھلا میں کہاں اور حمزہ کہاں! آخرش گھر تو یہی ہے، جس کا جی چاہے وہ ڈھونڈھ لیوے۔ خواص نے جو کچھ دیکھا سنا تھا، قارون سے جا کر کہا۔ قارون نے اسی وقت عالمِ غیظ میں وزیر کو قتل کیا اور امیر کی تلاش میں رہا۔ امیر نے فرزانہ سے کہا کہ معلوم نہیں عمرو قلعے میں پہنچا یا نہیں۔ یہ کہہ کر فرزانہ کی ایک ہوشیار لونڈی سے عمرو کا حلیہ بیان کر کے فرمایا کہ قلعے کے بازار میں دیکھ تو، اس صورت کا کوئی آدمی ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو اپنی بی بی کے نام سے بلا لا۔ وہ جاریہ بازار میں پھرتے پھرتے عمرو کی دکان پر پہنچی۔ عمرو کو بغور دیکھ کر تجویز کیا کہ وہ یہی شخص ہے جس کے امیر طالب ہیں۔ عمرو سے بولی کہ اے بزاز، فلانے فلانے قماش کا کپڑا ہماری بی بی کو درکار ہے، لے کر چل۔ عمرو نے گٹھڑی باندھ کر بغل میں دبائی اور اس کے ساتھ فرزانہ بانو کے محل میں درآمد ہوا۔ لگا کپڑا دکھا دکھا کر قیمت کرنے۔ امیر عمرو کی آواز سن کر گوشے سے نکل آئے۔ عمرو امیر کے قدم بوس ہو کر زار زار رونے لگا۔ امیر نے اس کو چھاتی سے لگایا اور پوچھا کہ ہمارے لشکر کی کیا خبر ہے؟ عمرو بولا کہ لشکر تیار ہے، چھوٹے بڑے کو آپ کا انتظار ہے۔ امیر نے فرمایا کہ یہاں سے نکلنے کی کیا تدبیر ہے؟ عمرو نے کہا کہ میری دکان پر چل کے ٹھہریے، کوئی نہ کوئی راہ نکل ہی رہے گی۔ امیر نے کہا کہ تیری دکان پر سوائے کپڑے کے کوئی سلاح نہیں ہے، وہاں جا کر کیا کروں گا؟ مگر مجھ کو کسی لوہار کی دکان پر لے چل۔ عمرو امیر کو ایک لوہار کی دکان پر لے گیا۔ امیر نے وہاں بیٹھ کر ہتھوڑا اٹھا لیا اور لوہا پیٹنے لگے۔ ناگہاں اسی وقت قارون نے بختک سے کہا کہ تم تو بھلا رمل دیکھ کر بتلاؤ کہ حمزہ کہاں ہے۔ بختک نے رمل دیکھ کر کہا کہ حمزہ قلعے کے بازار میں ہے۔ قارون ملعون مع بختک سوار ہو کر بازار کی دکانوں میں دیکھنے لگا۔ قارون شدہ شدہ اس لوہار کی دکان پر پہنچا جہاں امیر بیٹھے تھے۔ نعرہ کر کے بولا کہ حمزہ اب مجھ سے بچ کر کہاں جا سکتا ہے! امیر وہی ہتھوڑا لے کر اٹھے اور فرمایا کہ او کافر، بیہودہ کیا بکتا ہے، حملہ کر۔ قارون نے امیر پر تلوار کھینچی۔ امیر نے ہاتھ بڑھا کر درمیان سے ہی تلوار اس کی چھین لی اور ہتھوڑا اس زور سے اس کے سینۂ پُرکینہ پر مارا کہ قارون انتاچت ہو کر زمین پر لیٹ گیا۔ امیر نے اس کو باندھ لیا۔ بختک وہاں سے بھاگ کر نوشیرواں کے پاس آیا اور قارون کی گرفتاری بیان کر کے کہا کہ قلعے کے چور دروازے سے نکل کر بھاگیے، نہیں تو کوئی دم میں مارے جایئے گا۔ نوشیرواں مع بختک قلعے سے نکل کر بھاگا۔ امیر نے کھڑے ہو کر ایک نعرہ اس زور سے کیا کہ قلعے کو جنبش ہوگئی۔ ساکنانِ قلعہ نے جانا کہ آسمان پھٹ کر زمین پر گر پڑا۔ ہرگاہ امیر کے لشکر میں آواز پہنچی، سبھوں نے جانا کہ امیر قید سے چھوٹے۔ چھوٹے بڑے دروازہ توڑ کر قلعے میں داخل ہوئے اور

کفاروں کو قتل کرنے اور لوٹنے لگے۔ کہتے ہیں کہ اس دن اس قدر لشکرِ اسلام کے ہاتھ لوٹ آئی کہ اٹھا نہ سکتے تھے۔ جب باقی ماندگانِ قلعہ نے اسلام قبول کیا، امان ملی۔ امیر تخت پر بیٹھے اور قارون کو حاضر کر کے فرمایا کہ کیوں قارون، میں نہ کہتا تھا کہ اس قدر مار جس قدر تجھ سے برداشت ہوسکے۔ اب کہہ کیا کہتا ہے؟ قارون زار نالی کرنے لگا۔ امیر نے فرمایا کہ اگر تو اسلام قبول کرے تو میں تیری جان بخشی کرتا ہوں۔ وہ گردن زدنی بولا کہ یہ تو کبھی مجھ سے نہ ہوگا، جان جائے یا رہے۔ امیر نے اس کو معدی کرب کے حوالے کر کے فرمایا کہ اس کو گرزوں سے مار کر جہنم کو روانہ کرو۔ معدی نے ایک گرز ایسا مارا کہ قارون زمین میں پست ہوگیا۔ عمرو نے اس کا سر کاٹ کر قلعے کے فیل بند دروازے پر لٹکوا دیا اور آپ جشن میں مشغول ہوئے۔

نوشیرواں کا حال سنیے۔ بھاگا ہوا مدائن کو جاتا تھا کہ اثنائے راہ میں ایک لشکرِ عظیم الشان پڑا دیکھا۔ عیاروں کو خبر لانے کے واسطے بھیجا کہ دیکھو تو، یہ لشکر کس کا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ عیار خبر لائے کہ اس لشکر کے دو بھائی حقیقی سردار ہیں۔ ایک کا نام سر برہنہ تپشی اور دوسرے کا نام دیوانہ تپشی ہے، اور حضور کی مدد کو آئے ہیں۔ نوشیرواں نے اسی جگہ پر ڈیرہ ڈالا اور ان سے ملاقات کر کے بہ انواع لطف و نوازش پیش آیا۔ بختک بولا کہ اب حمزہ جانبر نہیں ہوسکتا، ایسے پہلوان کبھی آئے نہ تھے۔ دونوں بھائی ہاتھ باندھ کر کہنے لگے کہ ہم شاہنشاہ کے جاں نثار ہیں۔ حمزہ تو کیا اگر ہفت اقلیم کے سرکش آویں تو ہم ان کا سر توڑیں۔ بادشاہ نے اس کلام سے خوش ہو کر ان کو خلعتِ گرانمایہ عنایت کیا اور اپنے ساتھ شراب پلانے لگا۔

اب امیر کا حال سنیے کہ فرزانہ سے بہ ساعتِ سعید عقد کر کے چالیس شبانہ روز تک دادِ عیش کی دیا کیے۔ اکتالیسویں دن دربارِ عام کیا اور فرمایا کہ کچھ نوشیرواں کا بھی حال کسی کو معلوم ہے؟ عمرو نے عرض کی کہ دو شاہزادے، ملکِ تپش کے رہنے والے، بہ افواجِ کثیر نوشیرواں سے آ کر ملے ہیں اور اثنائے راہ میں انتظار آپ کا کر رہے ہیں۔ امیر نے معدی کرب سے فرمایا کہ اسی وقت پیش خیمہ ہمارا روانہ کرو۔ معدی کرب نے فی الفور تعمیل حکم کی۔ دوسرے دن امیر وہاں سے روانہ ہوئے۔ تیسرے دن فاصلہ میدان جنگ کا چھوڑ کر شاہزادگانِ تپش کی فوج کے مقابل خیمہ زن ہو کے نقارۂ حرب بجوایا اور میدان میں چودہ صفیں قائم کیں۔ شاہزادگانِ تپش نے بھی صف آرائی کی۔ پہلے سر برہنہ تپشی نے میدان میں گھوڑا کدا کر بعدِ رجز خوانی مبارز طلبی کی۔ لندھور نے شبرنگ کو میدان میں نکالا۔ سر برہنہ تپشی نے کہا کہ او نامرد، اپنا نام بتا کہ گمنام مارا نہ جاوے۔ لندھور نے کہا کہ او حیوان، میرا نام لندھور بن سعدان ہے۔ لا، کیا ضرب رکھتا ہے؟ اس نے لندھور کے سر پر گرز چلایا۔ لندھور نے اس کو تو ڈھال پر ڈھالا مگر ایک وار سات سو منی گرز کا اس زور سے اس پر کیا کہ اگر پہاڑ پر پڑتا تو سرمہ ہو جاتا، مگر سر برہنہ تپشی کا بال بھی ٹیڑھا نہ ہوا۔ تا شام دونوں گرز بہ گرز لڑا کیے۔ آخر طبلِ بازگشت

بجا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر گئے۔ امیر نے لندھور سے پوچھا کہ تم نے سر برہنہ تیمشی کو کیسا پایا؟ لندھور نے عرض کی کہ یا صاحبقراں، آدمی تو کیا، میں نے تو قاف میں بھی کوئی دیو ایسا نہیں دیکھا۔ امیر نے ہنس کر کہا کہ یا لندھور، اس کا بدن فولاد کا ہے، اس پر نیزہ تلوار گرز اثر نہیں کرے گا۔ دوسرے دن سر برہنہ سے معدی کا مقابلہ ہوا۔ جب معدی گرز مارتا تھا سر برہنہ سر پر روکتا تھا۔ معدی کرب گرز مارتے مارتے تھک گیا، مگر سر برہنہ کے سر کو خبر نہ ہوئی۔ اس میں جنگل کی طرف سے گرد اٹھی۔ دونوں لشکروں کے عیار خبر لائے کہ الجوش بربری چالیس ہزار سوار سے نوشیرواں کی مدد کو آیا ہے۔ نوشیرواں نے کئی بادشاہوں کو اس کے استقبال کے واسطے بھیجا۔ ہرگاہ وہ حاضر ہوا، دیکھا کہ نوے گز کا قد و قامت رکھتا ہے۔ آدمی کا ہے کو ہے، ایک کوہچہ ہے۔ نوشیرواں بہ کمال عزت و توقیر پیش آیا اور طبل بازگشت بجوا کر خیمہ گاہ میں اس کو لا کے صحبت شراب و کباب و رقص و سرود کی اس کے واسطے برپا کی۔

صبح کو سر برہنہ تیمشی میدان میں آ کر للکارا کہ حمزہ، تو آپ کیوں نہیں مجھ سے مقابلہ کرتا؟ ایسے ویسے پہلوانوں کو بھیج کر دن اپنے کاٹتا ہے۔ ہنوز امیر صف سے نہ نکلے تھے کہ جنگل کی طرف سے ایک تتق گرد کا اٹھا۔ جب مقراضِ باد نے دامنِ گرد کو چاک کیا، چالیس نشان نارنجی پھریروں کے دکھائی دیے۔ عمرو نے دیکھ کر امیر سے کہا کہ یا صاحبقراں، یہ وہی نقابدار نارنجی پوش ہے جو تمھارے پیچھے گاڑھ کے وقت مدد کو آتا تھا۔ اس میں نقابدار نے آ کر ایک طرف سے اپنے لشکر کی صف بندی کی اور لشکرِ کفار کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جس گبر کو جرات کا گھمنڈ ہو وہ پہلے مجھ سے لڑے، پیچھے اہلِ اسلام سے جنگ کرے۔ امیر نے عمرو کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ جب سے ہم نے تمھارے اوصاف سنے ہیں، شب و روز یہی تمنا رہی کہ کب تم آؤ، ہم سے تم سے ملاقات ہو۔ اور تمھاری شجاعت و ہمت و مروت کا حال ہم پر بہ وجہِ احسن روشن ہو چکا ہے۔ اس وقت ہم چاہتے ہیں کہ تم ہماری کارزار کا تماشا دیکھو کہ وہ گبر ہم کو للکار چکا ہے، اور بر وقت طبلِ بازگشت بے ہماری ملاقات کیے چلے نہ جایئے گا۔ عمرو نے امیر کا پیغام جو نارنجی پوش کو دیا، اس نے بہ دل و جان قبول کیا۔ امیر نے اشقر دیوزاد کی باگ لی اور فرمایا کہ تجھ سے سلاح سے لڑنا اوقات ضائع کرنا ہے۔ میرے تیرے زور ہووے، اگر تو میرے پاؤں زمین سے اٹھا لیوے تو میں تیری اطاعت کروں اور اگر میں تجھ کو اٹھا لوں تو تو میری تابعداری کر۔ سر برہنہ تیمشی نے خوشی خوشی قبول کیا۔ امیر گھوڑے پر سے کود پڑے اور وہ بھی زمین پر آیا۔ امیر کی کمر پکڑ کے زور کرنے لگا۔ یہاں تک زور کیا کہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا لیکن امیر کو جنبش نہ ہوئی، مجبور ہو کر امیر سے ہاتھ اٹھایا۔ عمرو نے لشکر سے پکار کے کہا کہ یارو، خبردار ہو جاؤ، اب کوئی دم میں امیر نعرہ کرتے ہیں۔ عمرو کے اس کلام سے جتنے کفار تھے، متعجب ہوئے کہ اس عیار نے یہ کیا کہا۔ اگر حمزہ نعرہ کرے گا تو کرے، سبھی پہلوان نعرہ کرتے ہیں۔ اس میں امیر نے

نعرہ کیا۔ اکثر لشکرِ کفار میں سے غشی ہوئے، بہتروں کے کان کے پردے پھٹ گئے، ہزارہا آدمی بہرا ہو گیا۔ الغرض امیر نے سر برہنہ تمپشی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر جو زور کیا تو پہلے ہی حملے میں سر سے اونچا اٹھا کر سات مرتبہ بلا گردان سر کیا اور زمین پر لٹا کے مشکیں اس کی باندھ کے عمرو کے حوالے کیا۔ دیوانہ تمپشی اپنے بھائی کا یہ حال دیکھ کر تلوار کھینچ کے دوڑا۔ امیر نے اس کے ہاتھ کو معلق پکڑ کے ایک لات ایسی اس کے گھوڑے کو ماری کہ گھوڑا دس قدم پسپا ہوا اور دیوانہ تمپشی زمین پر آرہا۔ امیر نے سنبھلنے نہ دے کر اس کی بھی مشکیں باندھ کر عمرو کے حوالے کیا۔ نوشیرواں نے غمگین ہو کر طبلِ بازگشت بجوایا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے مقام کی طرف پھرے۔

نقابدار نارنجی پوش نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ صاحبقراں کے لشکر کے متصل اپنی مثل لگاؤ اور خود راست بہ خطِ مستقیم امیر کے خیمے میں داخل ہوا۔ امیر بہ تعظیم و تکریم اس سے پیش آئے اور اپنی غیبت میں عمرو کی اعانت کرنے کا شکر ادا کرنے لگے۔ نقابدار نارنجی پوش نے التماس کیا کہ یا امیر، بس زیادہ مجھ کو خجل نہ کرو، کوئی کام قابلِ شکر گذاری کے مجھ سے ظہور میں نہیں آیا۔ میں خود نادم و خجل ہوں کہ آپ کو قاف سے تشریف لائے ہوئے عرصۂ دراز ہوا اور کیا کیا اس عرصہ میں مکروہات پیش آئے اور میں نہ پہنچ سکا۔ امیر نے نرمیِ آواز سے گمان کیا کہ شاید یہ نقابدار عورت ہے۔ فی الفور ہاتھ پکڑ کے دوسرے خیمے میں تشریف لے گئے اور یہ کہہ کر کہ اب رہ نہیں سکتا، گستاخی معاف کیجیے گا، جھٹ پٹ بندِ نقاب کھول کر نقاب الٹ دیا۔ اس کے چہرۂ خورشید منظر کو دیکھتے ہی غش کھا کر گر پڑے۔ عمرو کی آنکھوں میں بھی چکا چوندھی آگئی، مگر اپنے کو سنبھال کر فوراً امیر کے منہ پر عرقِ بید مشک و گلاب چھڑکا اور نقابدار سے بولا کہ قصورِ بے ادبی معاف، ذرا امیر کے منہ سے منہ ملائیے کہ حضور کی بو امیر کے دماغ میں پہنچے اور ہوش میں آویں۔ نارنجی پوش نے، کہ ایک مدت سے اسی آرزو میں شب کو روز اور روز کو شب کرتی تھی، فوراً شرمسارانہ امیر کے منہ سے منہ ملا دیا۔ امیر نے آنکھیں کھول دیں۔ عمرو نے جھٹ پٹ دخترِ رز کو، کہ ایک ہی مشاطہ ہے، لا کر حاضر کیا۔ دو دو جام پیے تھے کہ پردۂ حجاب درمیان سے اٹھ گیا۔ امیر نے آغوش میں لے کر احوال پوچھنا شروع کیا۔ نقابدار نے بیان کیا کہ نارنجی پری میرا نام ہے۔ ایک مدت سے قاف کو چھوڑ کر کوہِ سیلان پر رہتی ہوں۔ جس دن آپ ہُم سے لڑتے تھے، میرا تخت ہوا پر اڑا جاتا تھا۔ آپ کے چہرۂ خورشید منظر کو دیکھ کر میں نے غش کیا۔ نیرنج پری، میری وزیرزادی، میرے ساتھ تھی۔ مجھ کو غشی دیکھ کر کوہِ سیلان پر لے گئی۔ جب میں ہوش میں آئی، آپ کے اشتیاق میں پھر اسی مقام پر جہاں آپ کا نظارہ کیا تھا، آئی اور اپنی عیار بچیوں کو آپ کا حال دریافت کرنے کو بھیجا۔ معلوم ہوا کہ ادھر وزیرزادی میری مجھ کو میرے مکان پر لے گئی، اُدھر آپ عبدالرحمٰن جنی کے ساتھ پردۂ قاف پر سدھارے۔ میں کیا کہوں کہ اس عرصے تک کیا کیا رنجِ فراق میں نے سہے۔ ناچار آپ کی سلامتی اور آنا آپ کا منایا کرتی تھی۔ جب مجھ کو معلوم

ہوا کہ آپ ناموس اپنا عمرو عیار کو سونپ گئے ہیں اور نوشیرواں چاہتا ہے کہ آپ کے ناموس کو، کہ اس کی بیٹی ہے، بزورِ شمشیر چھین لے، میں نے چند پریزادانِ پیک کی ڈاک بٹھالی کہ جب عمرو پر کوئی غلبہ کرے، مجھ کو خبر دیویں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا کہ جب میں سنتی تھی کہ عمرو حریف سے قریب ہے کہ مغلوب ہو، میں چڑھ دوڑتی تھی اور آپ کے اقبال سے حریف کا قلع قمع کرتی تھی۔ امیر نے یہ تقریر سن کر نارنجی پری کے لبِ شیریں کا بوسہ لے کر کہا کہ اے جان، تم نے حریف کو تو تیغ بے دریغ سے قتل کیا اور مجھ کو تہہِ تیغ احسان و اخلاق دیا۔ یہ کہہ کر اسی وقت عمرو سے صیغۂ عقد پڑھوایا۔ تمام رات دادِ عیش کی دی، صبح کو حمام کر کے پوشاک تبدیل کی اور دربار کر کے سر برہنہ تمپشی و دیوانہ تمپشی کو طلب فرمایا اور کہا کہ میں نے تم کو کیونکر گرفتار کیا؟ دونوں بھائیوں نے دست بستہ ہو کر کہا کہ جس طرح سے مردوں کو مرد زیر کرتے ہیں۔ اب ہمارے آپ حاکم ہیں اور ہم محکوم۔ امیر نے دونوں کو کلمہ تلقین کیا اور خلعتِ جمشیدی پہنا کر دونوں شاہزادوں کو اپنے پہلو میں طلائی کرسیوں پر بٹھایا اور بہت سی نوازش ان کے حال پر کی اور آپ محل میں جا کر ملکہ نارنج پری کے ساتھ عیش میں مشغول ہوئے۔

ایک دن لشکرِ کفر سے طبلِ جنگ کی آواز آئی۔ فرمایا کہ ہمارے یہاں بھی کوسِ حربی پر چوب پڑے۔ پہلوانانِ قوی بازو جنگجو نقارے کی آواز سنتے ہی سج سجا کر حاضر ہوئے۔ امیر نے میدان میں جا کر حریف کے مقابلے میں چودہ صفیں آراستہ کیں۔ الجوش میدان میں آ کر مبارز طلب ہوا۔ امیر کی طرف سے سرکوب ترک اس سے مقابل ہوا۔ الجوش گھوڑے پر سے ایک سوستر گز بلند اچھلا اور پائیں آتے وقت دولتی اور چوب دستی اس زور سے سرکوب کے سر پر ماری کہ سرکوب مثلِ مارِ چوب خوردہ زمین پر گر کے پیچ کھانے لگا اور الجوش گھوڑے کی پیٹھ پر جا تا رہا۔ سرکوب نے اٹھ کر چاہا کہ گرز الجوش پر مارے، الجوش نے پھر بدستورِ اول کود کر دو لاتیں سرکوب کو ماریں اور گھوڑے پر جا رہا۔ ترک اس کی اس حرکت سے کمال عاجز ہوا، اور دونوں لشکر بے اختیار ہنسنے لگے کہ یہ نئی وضع کی لڑائی ہے۔ اتنے میں جنگل کی طرف سے گرد اٹھی۔ دونوں لشکر کے عیار دریافت کرنے گئے۔ معلوم ہوا کہ عمواعادی و سینا عادی و قباد عادی و میعاد زرعادی، کہ چاروں بھائی حقیقی ہیں، کوہِ البرز سے نوشیرواں کی مدد کو آئے ہیں۔ چار ہزار عادی ہمراہ ہے۔ نوشیرواں نے کئی سردار ان کے استقبال کو بھیجے اور عند الملاقات بہت سی تعظیم و تکریم ان کی کی۔ ناگاہ لشکرِ اسلام میں غل ہوا کہ ایک گورخر نے صحرا سے آ کر صدہا آدمی زخمی کیے ہیں۔ امیر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے اس کے امیر اشقر کو ڈپٹائے ہوئے چلے گئے۔ گورخر نے شام تک اس قدر راہ طے کی کہ امیر دوسری سرحد میں جا رہے اور شام کے ہوتے ہی گورخر نظروں سے غائب ہو گیا۔ امیر سخت متحیر ہوئے کہ گورخر کدھر گیا۔ جب اس کا ٹھکانا نہ لگا، مجبور شکار کر، کباب لگا، کھا پی کے رات کی رات ایک درخت کے نیچے سو رہے۔ صبح کو جو اٹھے تو پھر گورخر دکھائی دیا۔

امیر نے پھر اس کا پیچھا کیا۔ جاتے جاتے ایک باغ میں گورخر گھس گیا۔ امیر بھی اس کے پیچھے باغ میں گئے۔ پتا پتا بوٹا بوٹا جھاڑی جھاڑی باغ کی ڈھونڈ ماری، مگر گورخر گدھے کے سینگ کی طرح سے غائب ہو گیا۔ امیر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے، لیکن بھوک سے کلیجہ ملا جاتا تھا۔ ایک طرف باغ کے گوشے میں بکریوں کا گلہ نظر آیا۔ امیر نے اس میں سے ایک بکری کو ذبح کیا اور درخت سے لکڑی توڑ کر آگ سلگا کے کباب بھوننا شروع کیا۔ گلہ بان نے دیکھا کہ ایک شخص اجنبی باغ میں بیٹھا ہوا بکری کا کباب بھون رہا ہے۔ قندز سر شباں کو، کہ اس کا وہ نوکر تھا، خبر دی۔ قندز سنتے ہی سات سومنی گرز لے کر امیر کے سر پر آیا اور بزورِ تمام امیر کے سر پر گرز لگایا۔ امیر نے اس کو اٹھا کے تالاب میں پھینک دیا۔ وہ متعجب ہو کر پوچھنے لگا کہ اے جوان، سچ بتا کہ تو کون ہے؟ آج تک کسی نے میری پیٹھ زمین سے نہ لگائی، مگر تو نے بآسانی مجھ کو اٹھا کر تالاب میں ڈال دیا اور میرے نوکروں کے آگے مجھ کو بے آبرو کیا۔ امیر نے فرمایا کہ میرا نام سعد شامی ہے، میں حمزہ کا بھائی ہوں۔ قندز دوڑ کے امیر کے قدموں پر گر پڑا اور بولا کہ سوائے حمزہ کے دوسرے نے یہ طاقت کہاں پائی کہ مجھ کو پچھاڑے۔ بلاشک تو حمزہ ہے۔ امیر نے مکرر کہا کہ میں حمزہ کا بھائی ہوں۔ قندز نے امیر سے کہا کہ اب میں جیتے جی تک تمھارے قدم سے جدا نہ ہوں گا۔ امیر نے فرمایا کہ بشرطیکہ تو مسلمان ہووے۔ اس نے اسی دم بہ صدقِ دل کلمہ پڑھا اور چند روز تک امیر کو اپنا مہمان رکھا۔ ایک روز امیر نے پوچھا کہ یہ سرحد کس ملک کی ہے؟ قندز نے کہا کہ یہ سرحد خرسنہ کی ہے اور فتح نوش بادشاہ کا نام ہے، اور ایک بیٹی ایسی حسین وصاحبِ جمال وہ رکھتا ہے کہ اگر اس سے خورشید و ماہ کسبِ نور کریں تو بجا ہے۔ مگر وہ کسی کو قبول نہیں کرتی ہے۔ کس کس ملک کے بادشاہوں اور شاہزادوں نے اس کی خواہش نہیں کی مگر اس نے سوائے انکار کے حرف اقرار کا آشنائے زبان نہیں کیا۔ امیر نے فرمایا کہ اے قندز، مجھ کو اس کے شہر میں لے چل۔ قندز بولا، بہت خوب۔

دوسرے دن امیر شہر کی طرف قندز کے ساتھ روانہ ہوئے۔ دس کوس گئے ہوں گے کہ قندز نے کہا کہ اب کہیں اتریئے، کچھ کھائیے پیجیے۔ امیر نے ایک مقام پر توقف کیا اور دو بکریوں کا کباب لگایا۔ امیر تو مسلّم ایک بکری نہ کھا سکے، مگر قندز نے اپنے حصے کی بکری کھا کے امیر کے آگے سے جس قدر کباب بچے تھے اس کو بھی کھایا، اور وہاں سے پھر چل پڑے۔ تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ قندز نے امیر سے کہا، اپنا تو بھوک کے مارے قدم نہیں اٹھتا ہے۔ امیر اس سخن سے بہت متعجب ہوئے۔ دل میں کہا کہ قندز بھی جوع البقری میں کچھ معدی کرب سے کم نہیں ہے۔ امیر نے فرمایا کہ یہاں کیا ہے کہ تجھ کو کھانے کو دوں؟ آگے چل کے دیکھا جائے گا۔ چند قدم چل کے بیٹھ گیا کہ میری تو مارے بھوک کے انتڑیاں قل ھواللہ پڑھتی ہیں۔ امیر سخت حیران ہوئے۔ ایک طرف دیکھا کہ تاجر اترے ہوئے ہیں۔ امیر نے کاروان سالار سے ملاقات کر کے کہا کہ مجھ کو

تھوڑا سا کھانا دے سکتے ہو؟ کاروان سالار بہت اشراف و سیر چشم تھا۔ بولا کہ تھوڑا کیا، بلکہ بہت سا کھانا حاضر ہے۔ امیر نے قندز سے فرمایا کہ لے، پیٹ بھر کے کھالے۔ اس نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ امیر نے کاروان سالار سے پوچھا کہ تم لوگ کہاں جاؤ گے؟ وہ بولے کہ ارادہ ہمارا خرسنہ کا ہے، مگر سنا ہے کہ فولاد نامی غلام قیصرِ روم کا قیصر سے بغاوت کر کے رہزنی کرتا ہے، اور مال و اسباب ہمارے ساتھ بہت سا ہے۔ ڈرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو وہ غارت کر کے لے جاوے۔ امیر نے فرمایا کہ ہرگاہ میں تمھارے ساتھ ہوں، چوروں سے ڈرنا تم کو نہیں چاہیے۔ کاروان سالار نے پوچھا کہ اے جوان، آخر تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور کدھر جائے گا؟ امیر نے کہا کہ سعد شامی میرا نام ہے، حمزہ کا بھائی ہوں، ایک گورخر مجھ کو اس دیار میں لے آیا ہے۔ شہر خرسنہ کی تعریف سن کر دل مشتاق ہوا کہ اس کو دیکھا جائے، لہٰذا خرسنہ کو جاتا ہوں۔ کاروانی بشاش ہو کر کہنے لگا کہ الحمد للہ کہ تم بیٹے عبدالمطلب کے ہو، اور عبدالمطلب میرا بڑا دوست ہے، پس تم ہمارے فرزند کی جگہ ہو۔ یہ سب مال تمھارا ہی ہے اور انشاء اللہ المستعان شہرِ خرسنہ میں پہنچ کر پنجم حصہ اس مال کا میں تم کو دوں گا۔ امیر نے فرمایا کہ ہرگاہ گفتگو فرزندی و پدری کی درمیان میں آئی، حق السعی لینے دینے سے کیا علاقہ رہا! تم خاطر جمع رکھو، فولاد تو کیا مال ہے، اگر اس کا آقا قیصر چاہے کہ بے تمھاری رضامندی ایک تنکا اس مال و متاع میں سے لیوے تو ہاتھ اس کے قلم کر ڈالوں۔ کاروانی خوش ہو کر دعائیں دینے لگا۔ قندز نے امیر سے کہا کہ اس نے خود حصہ پنجم دینے کا وعدہ کیا، آپ انکار کیوں کرتے ہیں؟ مالِ کثیر ہاتھ آوے تو اس کو کیوں چھوڑیے؟ میں تو شہر میں پہنچ کر ان سوداگروں سے اقرار بموجب حصہ لوں گا۔ امیر نے کہا کہ اے قندز، تو کتنا مال لیوے گا؟ گھبراتا کیوں ہے، اٹھا بھی تو نہ سکے گا۔

اس دن تو امیر نے بھی کاروانیوں کے کہنے سے وہیں مقام کیا، دوسرے دن کارواں کے ہمراہ ہوئے۔ ناگہاں یہ خبر کسی نے فولاد کو دی کہ ایک قافلہ سوداگروں کا بامال و متاعِ کثیر خرسنہ کو جاتا ہے۔ فولاد نے کاروانیوں کو آگھیرا۔ قندز مزاحم ہوا۔ ایک چور نے اس کا مقابلہ کیا۔ قندز نے ایک گرز ایسا اس کے سر پر مارا کہ کان کی راہ سے مغز کا گودا نکل گیا۔ رہزنوں میں غل و شور پڑا۔ فولاد خود قندز کے سامنے آیا۔ امیر نے پہنچ کر فولاد کی کمر میں ہاتھ ڈال کے، پاؤں رکاب سے نکال کر، ایک لات ایسی اس کے مرکب کو ماری کہ گھوڑا پچاس قدم پسپا ہو گیا اور فولاد امیر کے ہاتھ میں رہا۔ امیر نے اس کو سرگردان کر کے زمین پر دے مارا۔ چاہتا تھا کہ اٹھ کر بھاگے، قندز نے ایک گرز جو مارا، سر اس کا زمین میں پست ہو گیا۔ امیر نے قندز سے کہا کہ پھر کبھی ایسا کام نہ کرنا، کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو تیرا یار ہوتا۔ بے جواب لیے کسی کافر کو مارنا نہ چاہیے۔ چند روز کے بعد شہر خرسنہ میں پہنچ کے ایک سرا میں اتر کے عیش و عشرت کرنے لگے۔ کاروانی پنجم حصہ اپنے مال کا امیر کے سامنے لایا کہ حسبِ وعدہ یہ

حاضر ہے۔ امیر نے وہ مالِ کثیر اسی کو معاف کیا اور فقرا کو اس قدر مال اپنے پاس سے دیا کہ ہر ایک غنی ہو گیا۔
رفتہ رفتہ یہ خبر بادشاہ فتح نوش کو بھی پہنچی کہ ایک شخص تازہ وارد کاروان سرا میں بیٹھا ہوا ایسی داد و دہش کر رہا ہے۔ رابعہ پلاس پوش، دخترِ فتح نوش، نے بھی سنا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ بارہا نجومیوں نے مجھ سے کہا ہے کہ حمزہ خود اس شہر میں آ کر تیرے ساتھ شادی کرے گا۔ شاید یہ شخص حمزہ ہو۔ لونڈیوں سے کہا کہ دیکھو تو، کون ایسا شخص آیا ہے کہ سخاوت میں گورِ حاتم پر لات مار رہا ہے؟ لونڈیوں نے سرائے میں جا کر امیر کی صورت جو دیکھی، آپس میں کہنے لگیں کہ ملکہ کے پاس جو تصویر ہے، اس جوان سے کتنی مشابہہ ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصویر خواہ مخواہ اسی جوان کی ہے۔ سبھوں نے جا کر ملکہ سے کہا کہ ملکہ صاحب، آپ کو مبارک ہو! جس کی تصویر آپ کے پاس ہے، وہی شخص داد و دہش کر رہا ہے۔ پلاس پوش بہت اپنے دل میں مسرور ہوئی۔
قضارا، اسی دن نسائی نامی خلفِ شاہِ فرنگ، بالشکرِ بے شمار، آ کے شہر کو تاراج اور رعیت کو مارنے لگا۔ یہ خبر فتح نوش کو پہنچی۔ اس نے رعیت کو قلعے کے اندر لے کر دروازہ قلعے کا بند کر دیا۔ شدہ شدہ یہ شور و غل امیر کے کانوں تک بھی پہنچا۔ امیر نے وہاں کے باشندوں سے پوچھا کہ آخر سببِ نزع کیا ہے؟ واقفکاروں نے کہا کہ شاہِ فرنگ نے اسی اپنے بیٹے کے لیے دخترِ بادشاہ طلب کی تھی۔ بادشاہ کو تو کچھ عذر نہ تھا، مگر دخترِ شاہ نے قبول نہیں کیا۔ اس واسطے وہ چڑھ آیا ہے۔ اکثر محلے شہر کے تو تاراج کر چکا ہے، اب قصد قلعے کے اندر جانے کا کرتا ہے۔ امیر نے یہ کیفیت سن کر قندز سے حکم کیا کہ اشقر پر زین رکھو اور ان کافروں کو یہاں سے دور کرو۔ قندز نے اشقر کو تیار کر کے سلاح امیر کے آگے رکھ دیے۔ امیر سلاح بدن پر لگا کے اشقر پر سوار ہوئے اور قندز کو ساتھ لے کر شاہ دروازے پر گئے۔ کوتوال سے کہا کہ دروازہ کھول دے کہ میں باہر جاؤں۔ کوتوال نے کہا کہ آپ دیکھتے ہیں آشوب کیسا ہو رہا ہے، یہ وقت شہر سے باہر جانے کا نہیں ہے۔ ہر چند امیر نے اصرار کیا لیکن کوتوال نے دروازہ نہ کھولا۔ قندز نے جھنجھلا کر گرز جو کوتوال کو مارا، سر اس کا پست ہو کر بھیجا ناک کی راہ سے نکل آیا۔ امیر نے کہا کہ ظالم، اس جزوِ ضعیف کو کیوں مارا؟ قندز بولا کہ اس نے دروازہ کیوں نہ کھولا؟ یہ خبر فتح نوش کو پہنچی کہ وہ مسافر جو کئی دن سے سرائے میں خیرات کیا کرتا تھا، شاہزادۂ فرنگ سے لڑنے کو جاتا ہے۔ فتح نوش اسی دم سوار ہو کر امیر کے پاس آیا اور کہا کہ اے عزیز، تو مسافر غریب الوطن ہو کے یکہ و تنہا اتنی فوجِ کثیر سے لڑنے کو کیوں جاتا ہے؟ نہ میرا نوکر ہے کہ حق نمک ادا کرتا ہے، نہ کبھی کی ملاقات ہے کہ پاسِ ملاقات دامنگیر ہے، پس تو اپنی جان عزیز کس لیے گنواتا ہے؟ اور اگر یہی ارادہ ہے تو میں اپنی فوج کو، اگرچہ غنیم کے مقابلے میں بہت قلیل ہے اور یہی وجہ میرے قلعے بند ہونے کی ہے، تیرے ساتھ کر دوں۔ امیر نے کہا کہ فوج کی ضرورت نہیں ہے، آپ قلعے کی فصیل پر چڑھ کر تماشا دیکھیے۔ ہرگاہ غنیم شکست اٹھا کر بھاگے، اس وقت قلعے سے نکل کر مال و اسباب

تاراج کیجیے۔ فتح نوش نے مجبور ہو کر کہا کہ اچھا، اگر یہی مرضی ہے تو میں ناچار ہوں۔ امیر مع قندز رزم گاہ میں آئے۔ یہ خبر دخترِ فتح نوش کو بھی پہنچی۔ ایک بلندی پر چڑھ کے، سر کے بال کھول کر، زیرِ آسماں دعائیں مانگنے لگی کہ یابار الٰہا، اس جوان کو اپنی پناہ میں رکھنا کہ للہ لڑنے کو جاتا ہے، اور دوربین لگا کے امیر کی لڑائی کا تماشا دیکھنے لگی۔ فرنگیوں نے جانا کہ یہ دونوں آدمی صلح کا پیغام دینے کو آتے ہیں، احتیاطاً ایک سوار کو بھیجا کہ ان سے دریافت کراؤ کہ کس ارادے پر اس طرف آتے ہو۔ اس نے جو امیر سے آکر پوچھا کہ سردار ہمارا پوچھتا ہے کہ آپ کا ارادہ کیا ہے۔ قندز بولا کہ تیرا کیا ارادہ ہے؟ اگر مرد ہے تو میرے سامنے آ۔ فرنگی سوار بولا کہ چیونٹی کو بھی پر لگے! یہ کہہ کر قندز پر کرچ چلائی۔ قندز نے اس کی ضرب کو رد کر کے ایک گرز ایسا مارا کہ وہ فرنگی مع مرکب زمین میں پست ہو گیا۔ نسائی نے یہ حال دیکھ کر ایک پہلوان کو حکم دیا کہ ان دونوں کو پکڑ لاؤ۔ قندز نے اس کو بھی اسی کے پاس بھیجا۔ تھوڑی دیر کے عرصے میں چالیس پہلوانِ فرنگی قندز کے ہاتھ سے مارے گئے۔ فرنگی گھبرا کر کہنے لگے کہ یہ دونوں آدمی نہیں ہیں، بلاشبہ یہ قومِ جنات سے ہیں یا بلائے آسمانی ہم پر نازل ہوئی ہے۔ شاہِ خرسنہ اس کیفیت کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور وزیر سے پوچھا کہ یہ دونوں شخص کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اور جاتے کدھر کو ہیں؟ وزیر نے کہا کہ ایک قافلہ سوداگروں کا سرائے میں آکر اترا ہے، شاید انھی کے ساتھ یہ بھی ہیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ قافلہ سالار کو حاضر کرو۔ ہرگاہ قافلہ سالار حاضر ہوا۔ بادشاہ نے فرمایا، سچ بتاؤ، یہ دونو جوان کون ہیں؟ اس نے تمام کیفیت اثنائے راہ کی بیان کر کے عرض کی کہ یہ جو گھوڑے پر سوار ہے، حمزہ کا بھائی ہے، اور وہ جو پیادہ ہے، اسی سوار کے ہمراہ ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ قیاس چاہتا ہے کہ یہی حمزہ ہے، کیونکر کہ یہ شجاعت و ہمت سوائے حمزہ کے کس نے پائی۔ حیف ہے کہ اتنے دن سے میرے شہر میں وارد تھا اور مجھ کو کم و کیف اس کا مطلق معلوم نہ ہوا، نہیں تو میں اس کی مہمانداری کرتا۔ بہرحال، یار باقی صحبت باقی۔

القصہ، جب چالیس پہلوانِ فرنگ قندز کے بھیجے ہوئے جہنم کو گئے، نشان بردارِ فوجِ فرنگ غیظ میں آکر خود قندز کے سامنے آیا۔ قندز نے اس پر بھی وار کیا۔ اس نے گرز کو پکڑ لیا اور چھیننے لگا۔ قندز نے امیر کو پکارا کہ بھائی سعد شامی، جلد اعانت کرو، نہیں تو گرز ہاتھ سے جاتا ہے۔ امیر نے اس زور سے نعرہ کیا کہ تمام دشت کانپ گیا اور سوارانِ فرنگ ہیبت سے گھوڑوں کے نیچے آرہے اور گھوڑے خالی کاٹھی جنگل کی طرف بھاگے اور لشکرِ فرنگ کے نشان بردار کا ہاتھ ڈھیلا ہو گیا۔ قندز نے اپنا گرز اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔ نشان بردار نے کرچ میان سے لے کر قندز پر وار کیا۔ امیر نے قندز کو پیچھے ہٹا کر ایک وار تلوار کا ایسا مارا کہ نشان بردار کا ہاتھ شانے سے جدا ہو گیا۔ تب تو نسائی پسرِ شاہِ فرنگ بھاگا۔ امیر قندز نے چار کوس تک ان کا پیچھا کر کے کئی ہزار فرنگی قتل کیا۔ فتح نوش اس ظفر کو دیکھ کر حسبِ گفتۂ امیر مع فوج قلعے سے باہر نکلا اور مال و منال فرنگیوں کا خوب لوٹا اور کہا کہ یہ

سب سعد شامی کا ہے، خبردار کوئی اس پر دست انداز نہ ہووے، اور رابعہ پلاس پوش نے دروازہ خزانے کا بہ نیت تصدقِ امیر کھول دیا۔ کوئی فقیر اس شہر میں ایسا نہ تھا کہ امیر نہیں ہوگیا۔ ہرگاہ امیر مظفر و منصور شہر کی طرف پھرے۔ فتح نوش امیر کو لے کر قلعے میں داخل ہوا اور مرکب سے اتار کے، قدم بوس ہو کے، جس قدر لوٹ اہلِ فرنگ کی تھی، امیر کے روبرو رکھی۔ امیر نے اسے گلے سے لگا کر کہا کہ اس متاع کو اپنی فوج پر تقسیم کردو۔ قندز حیران ہو کر چپ ہو رہا۔ فتح نوش نے بڑے تکلف سے امیر کی مہمانی کی اور آپ بھی امیر کے ساتھ شراب و کباب نوش کیا۔ قندز کو جو نشہ غالب ہوا، فتح نوش کے یلان نامی پہلوان سے کج بحثی کرنے لگا۔ امیر نے اس کو منع کیا۔ القصہ، کئی روز جشن رہا۔ فتح نوش نے وزیر سے علیحدہ ہو کر کہا کہ اگر رابعہ مانتی ہے تو اس سے بہتر جفت میسر نہیں ہوتا ہے۔ جاؤ تو، اس کا استمزاج تو لو، اگر وہ مانے تو میں اس جوان کو پیغام دوں۔ وزیر نے رابعہ سے جا کر کہا۔ رابعہ نے سر نیچے کر کے کہا کہ جو مرضی بادشاہ کی، میں تابعدار ہوں۔ بادشاہ نے سن کر امیر سے دامادی کی استدعا کی۔ امیر نے بہ رضا و رغبت قبول کیا۔ اسی وقت سے شادی کی تیاری ہونے لگی اور نجومیوں کو بلا کر ایک روز ٹھہرایا۔ محفلِ عقد کے دن امیر نے عمرو کو اپنے دل میں یاد کیا کہ حیف ہے، آج عمرو نہیں۔

اب عمرو کا حال سنیے کہ جس دن سے امیر نے گورخر پر گھوڑا اٹھایا تھا، اسی دن سے وہ بھی امیر کی تلاش کو نکلا تھا، اور جہاں جہاں اثنائے راہ میں امیر کا گذر ہوا تھا، وہاں وہ بھی پہنچ کر امیر کا حال دریافت کرتا چلا آتا تھا۔ جب قندز کے باغ میں پہنچا، چوپان نے عندالاستفسار کہا کہ امیر یا صاحبقراں کو تو ہم نہیں جانتے، مگر ایک شخص سعد شامی نامی برادرِ حمزہ یہاں آیا تھا، چند روز رہ کر، ہمارے آقا کو اپنے ہمراہ لے کر شہر خرسنہ کی طرف گیا ہے۔ عمرو سمجھا کہ امیر تھے۔ اسی دم قدم مارتا ہوا وہاں سے چلا۔ خدا کی قدرت دیکھا چاہیے کہ دو ساعت قبل از نکاح فتح نوش کی ڈیوڑھی پر پہنچا اور دربانوں سے کہا کہ جاؤ، اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ سعد شامی نامی میرا غلام بھاگ کر تمھارے پاس آیا ہے، اس کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو، نہیں تو اچھا نہ ہوگا۔ دربانوں نے اسی طرح بادشاہ سے کہا۔ امیر نے پوچھا کہ اس کی وضع و ہیئت و لباس کیا ہے؟ دربانوں نے کہا کہ تیرہ گز کا تو قد ہے اور سرخ بانات سقرلاتی کی پانچ گز لمبی ٹوپی سر پر ہے اور اس پر دو پر لگے ہوئے ہیں، ہر دم بے ہوا ہلتے ہیں، اور نمد کی قبا گلے میں ہے اور ایک توبرہ حمائل کیے ہوئے ہے۔ کمان چند جا سے بندھی ہوئی دوش پر اور چند تیر بے پر و پیکاں کمر میں، کاغذ کی ڈھال پشت پر، اٹھارہ من کا سونٹا ہاتھ میں لیے ہوئے، قبائے نمدی پر ایک پیراہن سیاہ رنگ ایسا ڈھیلا ڈھالا پہنے ہے کہ بلا مبالغہ اس کی آستین میں شیر کا بچہ رہ سکتا ہے۔ امیر یہ ہیئت سن کر بارگاہ سے نکل آئے۔ عمرو دوڑ کے قدموں پر گر پڑا۔ امیر نے اس کو سینے سے لگایا اور ہاتھ پکڑ کے بارگاہ میں لا کر بادشاہ سے ملاقات کروائی۔ بادشاہ نے کہا کہ ان کی تعریف تو کیجیے، یہ کون ہیں؟ امیر نے فرمایا کہ یہ نوشیرواں کا

مسخرہ ہے۔ عمرو بولا کہ مسخرے تو امیر و بادشاہ کے ہوتے ہیں، مجھ غریب نے یہ رتبہ کہاں پایا۔ ساری محفل ہنس پڑی۔ جب وقت نکاح کا قریب آیا امیر نے عمرو سے کہا کہ جلد جا کر کسی قاضی کو عقد پڑھنے کے واسطے لے آؤ، مگر وہ مسلمان ہو۔ عمرو نے بارگاہ سے نکل کر صورت اپنی تبدیل کی اور سفید براق بالوں کی دو گز لمبی ڈاڑھی اپنے چہرے پر لگائی اور ایک کرتا ایسا ڈھیلا ڈھالا کہ جس کی آستین میں بچۂ سیمرغ رہ سکے، پہنا اور بہ مقدارِ گنبد ایک عمامہ سر پر باندھا، کئی گز کا عصا ہاتھ میں لے کے لنگ کرتا ہوا بارگاہ میں آیا۔ جتنے حاضرین تھے، مع امیر و فتح نوش، تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ تمام اہلِ محفل یک زبان ہو کر بولے کہ ہم نے آج کے سوا کبھی ایسا مردِ بزرگ اس شہر میں نہیں دیکھا۔ معلوم نہیں کہ حضرت کہاں سے اس وقت یہاں رونق افروز ہوئے۔ امیر نے اپنے بالادست قاضی جی کو بٹھلا کر حکم عقد خوانی کا دیا۔ عمرو نے اس خوش الحانی و قرأت سے خطبہ پڑھا کہ سامعین کو رقت آگئی۔ بادشاہ نے ہزار درہم عمرو کے آگے رکھے۔ عمرو نے کہا کہ میں بغیر از پانچ ہزار دینار کے نہ لوں گا۔ قندز بولا کہ اے مولوی صاحب، اگر یہ ہزار درہم آپ کے کام کے نہیں ہیں تو مجھ کو عنایت کرو۔ عمرو نے اسی وقت وہ درہم اٹھا کر اپنی جوتی کے اندر ڈال لیے اور ایک عصا قندز کو ایسا مارا کہ قندز داد بیداد کرنے لگا۔ عمرو تو وہاں سے غائب ہوا قندز بڑبڑانے لگا کہ کیا مضائقہ ہے، کبھی تو قاضی صاحب راہ باٹ میں ملیں گے، اس کا بدلہ ایسا لوں گا کہ زندگی تک یاد رکھیں گے۔ بادشاہ نے امیر سے پوچھا کہ آخر یہ شخص کہاں سے آیا تھا؟ امیر نے کہا کہ غیب سے آیا تھا۔ پھر قندز نے پوچھا کہ وہ مسخرہ جو آیا تھا، معلوم نہیں کدھر کو گیا۔ ایسے قاضی کو لایا کہ جس نے بے قصور مجھ کو مارا۔ اگر قاضی نہ ملے گا تو میں اسی سے سمجھوں گا۔ عمرو تھوڑی دیر بعد پھر بارگاہ میں آیا اور قندز کے سر پر سر رکھ کر پاؤں اوپر اٹھا کے ایسا ناچا کہ اہلِ محفل دیکھ کر ہنسی کے مارے لوٹ لوٹ گئے۔ بادشاہ بھی عمرو کی حرکتوں سے بہت محظوظ ہوا اور وزیر سے کہنے لگا کہ ایسا بے نظیر آدمی بھی کبھی نہ دیکھا تھا۔ بعد ازاں دورِ ساغرِ مئے رنگا رنگ چلنے لگا اور اربابِ محفل بدمست ہو کر ناچنے لگے۔ بادشاہ نے بہت سا انعام عمرو کو دیا اور سات شبانہ روز جشن رہا۔ آٹھویں دن امیر نے عمرو سے کہا کہ تم لشکر میں جاؤ، میں بھی چند روز کے بعد آتا ہوں۔ عمرو تو لشکر کی طرف روانہ ہوا اور امیر محل میں جا کر رات دن رابعہ پلاس پوش کیساتھ عیش کرنے لگے۔ تھوڑے دنوں کے بعد محلدار نے حاضر ہو کر امیر کو مژدہ دیا کہ ملکہ صاحبہ حاملہ ہیں۔ امیر نے فرمایا کہ جب تک لڑکا پیدا نہ ہولے گا، تب تک میں بھی یہیں رہوں گا۔ رابعہ بولی کہ اے سعد شامی، میری بھی یہی خوشی ہے، کیونکہ میں نے تمھارے عشق میں ٹاٹ پہن کر دن کاٹے ہیں، اب تھوڑے دن تو بھلا عیش میں اوقات کٹے۔

جانا امیر کا فتح یار برادرِ فتح نوش کے ملک میں اور مارنا اژدہے کو اور پیدا ہونا شاہزادہ علم شیر رومی کا

راویانِ شیریں سخن و محرران داستانِ کہن اس طرح سخن پرداز ہیں کہ فتح یار نامی فتح نوش کا چھوٹا بھائی، کہ خرسنہ کے قریب اس کا بھی ملک تھا، اس نے سنا کہ فتح نوش نے رابعہ کی شادی ایک مسافر کے ساتھ کردی۔ بھائی کو نامہ لکھا کہ میں بھی داماد کی ملاقات کا شائق ہوں، تھوڑے دنوں کے واسطے میرے پاس بھیج دو۔ فتح نوش نے وہ نامہ امیر کو دکھلایا۔ امیر نے کہا کہ کیا مضائقہ ہے، میں جاؤں گا۔ چنانچہ دوسرے دن امیر فتح یار کے ملک کی طرف روانہ ہوئے۔ جب شہر میں داخل ہوئے، فتح یار استقبال کر کے امیر کو لے گیا اور بہت سی عزت و تعظیم و توقیر و خاطر داری امیر کی کی اور امیر کو طلائی کرسی پر بٹھلا کے باتیں کرنے لگا، کہ دفعتاً واحدتاً شور وغل کی آواز آئی۔ امیر نے پوچھا کہ یہ شور وغل کیسا ہے؟ فتح یار نے کہا کہ اس شہر کے قریب ایک اژدہا رہتا ہے۔ جب وہ سانس چھوڑتا ہے، سات کوس تک شعلہ اس کے منھ کا جاتا ہے۔ جو چیز پاتا ہے اس کو جلاتا ہے، اور جب دم کھینچتا ہے تو اس فاصلے تک میں جو چیز ہوتی ہے وہ اس کے حلق کے اندر جاتی ہے، اس میں جمادات ہو یا نباتات ہو یا حیوانات ہو۔ سو آج اس نے سانس چھوڑی ہے، اسی کا شور وغل شہر میں ہے۔ امیر نے کہا کہ حیف ہے، آج تک کبھی اس کا ذکر فتح نوش نے مجھ سے نہیں کیا، نہیں تو کب کا اس بلا کو میں نے دور کیا ہوتا۔ بہر حال، آپ کسی کو میرے ساتھ کر دیجیے کہ وہ اس غار کو مجھے دور سے بتا دے۔ فتح یار نے کہا کہ میں خود آپ کے ہمراہ چلوں گا۔ امیر اشقر پر زین رکھوا کر، قندز کو ہمراہ لے کر سوار ہوئے اور فتح یار بھی اپنی فوج سمیت امیر کے ساتھ ہوا، لیکن ہر ایک اپنے دل میں متحیر و متعجب تھا کہ یہ شخص کیونکر اژدہے کو مارے گا۔ امیر نے جب دیکھا کہ وہ سانس کھینچنے لگا، مرکب سے اتر کر اژدہے کی طرف چلے۔ جب متصل پہنچے، خنجر نکال کر دوڑے اور اس کے

گلپھڑوں میں خنجر رکھ کرتا کمر چیر ڈالا۔ اژدہے کے منھ سے اس قدر دھواں نکلا کہ کوسوں تک اندھیرا ہوگیا۔ جب ہوا دھویں کو اڑا لے گئی، امیر پھر کر فتح یار کے پاس آئے اور کہا کہ الحمدللہ، وہ موذی مارا گیا۔ فتح یار نے مع لشکر جا کر دیکھا کہ مثل کوہچے کے وہ اژدہا ڈھیر ہوا پڑا ہے۔ فتح یار نے امیر کے دست و بازو کو بوسہ دیا اور تمام خلقت امیر کی مدح خوان و دعا گو ہوئی۔ بعد ازاں امیر چند روز فتح یار کے پاس رہ کر شہرِ خرسنہ میں آئے۔ اس عرصے میں حمل کی بھی مدت آخر ہوئی اور بہ ساعتِ سعید فرزندِ ارجمند پیدا ہوا۔ امیر نے اس کا نام علم شیر رومی رکھا۔ فتح نوش نے خزانوں کا منھ کھلوا دیا، جس نے جس قدر چاہا خزانہ لیا۔ جب چالیس دن کا امیر زادہ ہوا، امیر بادشاہ اور رابعہ پلاس پوش سے رخصت ہوئے اور فرمایا کہ ہرگاہ یہ لڑکا بالغ ہو، اس کو حمزہ کے لشکر میں بھیج دینا۔ فتح نوش نے امیر سے بہ سوگندِ مغلظ پوچھا کہ سچ کہو، تمھارا نام سعد شامی ہے یا حمزہ ہے؟ امیر نے فرمایا کہ فی الحقیقت حمزہ میں ہی ہوں۔ فتح نوش نہایت خوش ہوا اور قندز بغلیں بجانے لگا کہ سچ ہے، مجھ کو سوائے حمزہ کے کس کی طاقت ہے کہ زیر کرے! الحمدللہ کہ میں حلقہ بگوش بھی ہوا تو حمزہ کا ہوا۔ رابعہ نے بھی سن کر سجدہ شکر ادا کیا کہ حمزہ میرا شوہر ہے۔

القصہ، امیر قندز کو لے کر اپنے لشکر کی طرف چلے۔ وہاں ہر روز لڑائی ہوتی تھی۔ ایک دن دونوں لشکروں کی صفیں آراستہ ہوئی تھیں کہ امیر مع قندز لشکر میں داخل ہوئے۔ یاروں نے قدم بوس ہو کر لڑائی کی سرگذشت بیان کی۔ امیر نے ہر ایک کو گلے سے لگایا اور قندز کو لڑنے کے لیے بھیجا۔ الجوش گھوڑے پر سے جست کر کے دو لاتیں اور ایک چوبِ دستی قندز کے سینے میں مار کر گھوڑے کی پیٹ پر جا رہا۔ قندز لوٹن کبوتر کی طرح لوٹنے لگا۔ ہرگاہ پھر سنبھل کے مقابل ہوا۔ اس نے پھر وہی حرکت کی۔ غرض کہ شام تک اسی واسطے الجوش و قندز کے جنگ رہی۔ جب طبلِ بازگشت بجا، دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر گئے۔ دوسرے دن الجوش میدان میں آ کے للکارا کہ حمزہ، اگر مرد ہے تو تو آپ میرے سامنے آ۔ بہت پہلوانوں کو تو نے زیر کیا ہے، اب تو مجھ سے زیر ہو۔ امیر اشقر دیوزاد کو چھچکار کر اس کے روبرو گئے۔ اس نے دو وار امیر پر کیے۔ امیر کچھ نہ بولے، چپکے کھڑے رہے۔ جب اس نے تیسرے حملے میں لات مارنے کا ارادہ کیا، امیر نے اس کا پاؤں پکڑ کے چرخ دینا شروع کیا۔ ہرگاہ وہ سست ہوا، زمین پر دے مار کے مشکیں باندھ لیں اور عمرو کے حوالے کیا۔ عمرو نے الجوش سے کہا کہ اٹھ، میرے ساتھ چل۔ وہ بولا کہ اگر طاقت ہے تو مجھ کو لے جا۔ عمرو نے دو تین ہی کوڑے مارے تھے کہ الجوش اٹھ کے دوڑتا ہوا عمرو کے ساتھ ہوا۔ ناظرین ہنسنے لگے۔ امیر طبلِ بازگشت بجوا کر شاداں و فرحاں اپنے خیمے میں داخل ہوئے۔ شب کو سردربار الجوش کو طلب کیا اور فرمایا کہ کیا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ تابعدار کا ارادہ کیا ہوگا! جب تک زندہ ہوں، غلام ہوں۔ امیر نے اس کو مشرف بہ اسلام کر کے اپنے پہلو میں کرسی مرصع پر بٹھلایا اور

عمرو نے حلقہ غلامی کا اس کے کان میں ڈال دیا اور بحکم امیر مجلس جشن کی مرتب کی۔

راوی لکھتا ہے کہ عین جشن میں محلی نے حاضر ہو کر بطنِ نارنج پری سے تولیدِ فرزند کی مبارکباد دی۔ امیر نے شادیانے بجنے کا حکم دیا اور ایک من طلا کا طوق بنوا کر امیرزادے کو پہنایا اور طوقِ زریں نام رکھا اور حفاظت پرورش کے لوگ مقرر کیے اور آپ سوار ہو کر یاروں سمیت رزم گاہ میں گئے۔ ایک عادی نے میدان میں آ کر مبارزطلبی کی۔ استفتانوس نے جا کر اس کا مقابلہ کیا۔

اتنے میں جنگل کی طرف سے گرد اڑی۔ عیاروں نے دونوں طرف خبر پہنچائی کہ شاہزادۂ روم بالشکرِ جرار آیا ہے اور دونوں لشکروں کے سرداروں سے ارادہ جنگ کا رکھتا ہے۔ عیار یہ کہہ رہے تھے کہ شاہزادے نے دونوں لشکروں کے درمیان میں اپنے لشکر کی صفوں کو قائم کر کے گھوڑا میدان میں کدایا اور لشکرِ کفار کی طرف رخ کر کے کہا کہ اے نوشیرواں، بھیج کسی کو کہ بہادروں کی تلوار کا جوہر دیکھے۔ نوشیرواں کی طرف سے ایک عادی میدان میں آیا اور گرز تول کر چاہتا تھا کہ شاہزادے کے سر پر مارے، شاہزادے نے گرز چھین کر زمین پر پھینک دیا اور اس کے گھوڑے کے زیر بند میں ہاتھ دے کر مرکب و راکب کو اٹھالیا اور اس زور سے زمین پر پٹکا کہ راکب و مرکب کی ہڈیاں چور ہو گئیں۔ دونوں لشکروں سے بانگ تحسین و آفرین کی بلند ہوئی۔ راوی لکھتا ہے کہ دو پہر کے عرصے میں ایک سو کئی پہلوان عادیوں کا اسی طرح شاہزادے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ نوشیرواں کے تمام لشکر کا دل چھوٹ گیا۔ دو ساعت تک شاہزادہ مبارز طلب رہا لیکن فوجِ کفار میں سے کوئی اس کے سامنے نہ گیا۔ مجبور لشکرِ اسلام کی طرف گھوڑے کی باگ پھیر کر للکارا کہ اے عربو، تم میں سے جس کو جنگ کا حوصلہ ہو وہ میرے سامنے آوے۔ فرہاد نے امیر سے اجازت لے کر اپنا ہاتھی ہولا۔ شاہزادے نے پوچھا کہ اے طویل القامت، اپنا نام بتلا کہ گمنام مارا نہ جاوے۔ فرہاد بولا کہ نام میرا فرہاد بن لندھور ہے۔ شاہزادۂ روم نے کہا کہ جس حربے کا مشاق ہو، حربہ کر۔ فرہاد بولا کہ پہلے حریف پر حربہ کرنا اپنا دستور نہیں ہے۔ تو حربہ کر لے، پھر میں بشرطِ حیات حربہ کروں گا۔ شاہزادۂ روم نے بسم اللہ کر کے ایک وار گرز کا فرہاد پر کیا۔ فرہاد نے تو ہاتھی کے پیچھے پر جا کر گرز کو خالی دیا، مگر گرز ہاتھی کی مستک پر بیٹھا ہاتھی کا مغز کان کی راہ سے نکل گیا۔ فرہاد کود کر زمین پر آیا۔ ہاتھی اسی دم گر کے مر گیا۔ فرہاد نے چاہا کہ شاہزادۂ روم کے گھوڑے کو پے کرے، شاہزادہ گھوڑے سے الگ ہو کر اس کے سامنے آیا۔ فرہاد دوسرے ہاتھی پر سوار ہوا۔ شاہزادہ پھر اپنے مرکب کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔ دونوں گرز بہ گرز لڑنے لگے۔ شاہزادے نے دیکھا کہ گرز بازی میں یہ بھی مشاق ہے، گھوڑے سے کود کر ہاتھی سمیت فرہاد کو اٹھالیا اور نعرہ کر کے زمین پر دے مارا اور کہا کہ اب تو جا کر جلد کسی اور کو بھیج دے۔ راوی لکھتا ہے کہ اگر فرہاد پھرتی کر کے ہاتھی سے جدا نہ ہوتا تو ہاتھی کی طرح اس کی بھی ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی، مگر تو

بھی کسی قدر فرہاد کے چوٹ آئی۔ دونوں لشکروں میں شور احسنت و آفریں کا بلند ہوا۔ امیر نے فرمایا کہ ہم نے رستم کو سنا تھا کہ حریف کو ہاتھی سمیت اٹھالیتا تھا، مگر اس شاہزادے کو آنکھوں سے دیکھا۔ لوگ بولے کہ شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ۔ وہ افسانہ و بیاں ہے، یہ موجود و عیاں ہے۔ فرہاد نے امیر سے عرض کی کہ شاہزادے نے کہا تھا کہ تو جا اور کسی اور کو میرے مقابلے کے واسطے بھیج دے۔ امیر نے ملک لندھور کو اشارہ کیا۔ لندھور شبرنگ کی باگ لے کر شاہزادۂ روم کے سامنے گیا۔ شاہزادے نے گھوڑے کو آسن سے دبا کر، رکاب سے رکاب ملا کر، لندھور کو کمر بند پکڑ کے زین سے اٹھالیا اور زمین پر پٹک کے کہا کہ جا، اپنے لشکر سے اور کسی کو بھیج۔ سعد بن عمرو بن حمزہ اپنے گھوڑے کو اٹھا کر شاہزادے سے مقابل ہوا۔ دونوں بایکدیگر کمر بند پکڑ کے زور کرنے لگے۔ یہاں تک زور کیا کہ دونوں کے مرکب تا بہ زانو زمین میں دھنس دھنس گئے۔ شاہزادۂ روم نے سعد کو چھوڑ کر کہا کہ جاؤ، حمزہ کو بھیجو۔ دیکھوں وہ کیسا زور آور ہے۔ سعد نے آکر پیغام اس کا امیر کو دیا۔ لندھور نے امیر سے کہا کہ یا صاحبقراں، یہ شاہزادہ مجھ کو آپ کی نسل سے معلوم ہوتا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ اگر میری نسل سے ہوتا تو میرے یاروں سے نہ لڑتا۔ لندھور نے کہا کہ عمرو بھی تو آپ سے لڑا تھا۔ اس کو بھی اپنا امتحان منظور ہوگا۔ بارے امیر نے اشقر کو میدان میں جولاں کیا۔ بختک نے نوشیرواں سے کہا کہ یہ شاہزادہ بلا شک و ریب امیر کی نسل میں سے ہے۔ اکثر امیر کے فرزند ایسے ہی ہوتے ہیں۔ باپ بیٹے کی لڑائی کی سیر دیکھیے۔ نوشیرواں بولا کہ کیا عجب ہے۔ القصہ، ہرگاہ امیر نے اپنے مرکب کو شاہزادے کے مرکب سے ملایا، شاہزادے نے امیر کی کمر پر ہاتھ ڈالا۔ امیر نے بھی شاہزادے کی دوالِ کمر تھامی۔ باپ بیٹوں میں زور ہونے لگا۔ آخر امیر نے نعرہ کر کے شاہزادے کو اٹھالیا۔ چاہتے ہیں کہ زمین پر دے ماریں کہ ایک آواز غیب سے آئی: خبردار! حمزہ، زور سے نہ پٹکنا، یہ تیرا بیٹا ہے۔ امیر نے سروشِ غیبی سن کر آہستہ سے زمین پر چھوڑ کے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ بولا کہ علم شیر رومی۔ یہ کہہ کر امیر کے قدم بوس ہوا۔ امیر نے اس کو سینے سے لگا کر اس کے منھ کے بوسے لیے اور شادیانے بجاتے ہوئے لشکر گاہ میں داخل ہوئے اور شاہزادے کا نام رستم پیلتن رکھا اور کہا کہ تم نے بڑی بے ادبی کی، میرے یاروں کو صفِ جنگ میں زیر کیا اور میرا بھی مقابلہ کیا۔ شاہزادے نے عرض کی کہ بھائی عمرو نے بھی تو ایسی گستاخی کی تھی، مجھ سے بھی قصور ہوا۔ امیر نے سب یاروں سے ملوا کر شاہزادے سے عذر کروایا اور سات شبانہ روز تک جشن کیا۔

آٹھویں دن لشکرِ کفار سے کوسِ حربی کی آواز آئی۔ امیر نے بھی طبلِ جنگ بجوایا اور میدان میں جا کر اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ نوشیرواں کے لشکر سے ایک پہلوان عادی میدان میں آکر مبارز طلب ہوا۔ رستم پیلتن امیر سے رخصت لے کر اس کے سامنے گیا۔ تین ضربیں اس کی رد کر کے ایک ہاتھ تلوار کا ایسا مارا کہ حریف ایک

کا دو ہو گیا۔ راوی لکھتا ہے کہ اس دن رستم پیلتن نے پچاس پہلوان قتل کیے اور دو ساعت تک میدان میں کھڑا ہوا مبارز طلب کیا کیا مگر کفار کے لشکر سے کوئی نہ نکلا، ناچار ہو کر گھوڑے کی باگ لے کے لشکرِ کفار پر جا گرا۔ امیر نے یاروں سے کہا کہ رستم تنہا فوجِ کفار میں گھس پڑا ہے، تم لوگ بھی اس کی اعانت کرو۔ حکم کی دیر تھی، پہلوانانِ لشکرِ امیر شیر درندے کی طرح لشکرِ کفار پر جا گرے اور ایسی تیغ زنی کی کہ کشتوں سے پشتے بندھ گئے اور بقیۃ السیف سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ رستم پیلتن چار کوس تک ان کو بھگا کر مظفر و منصور پھرا۔ اس دن اس قدر لوٹ امیر کے لشکر کے ہاتھ آئی کہ اٹھا نہ سکتے تھے، بہ مرور مال و اثقال حمالوں سے اٹھوایا۔ رستم آ کر امیر کے قدم بوس ہوا۔ امیر نے اس کو چھاتی سے لگا کر بے قیاس زر و جواہر اس کے اوپر سے نثار کیا اور جشن میں مصروف ہوئے۔ نوشیرواں نے بختک سے کہا کہ بڑی شکستِ فاش ہوئی، لشکر مطلق تباہ ہو گیا اور جو بچے بھی ہیں ان کا دل چھوٹ گیا۔ اب کیا کیجیے اور کہاں جائیے۔ بختک نے کہا کہ یہاں سے شہرِ خاور بہت نزدیک ہے اور حاکم وہاں کا قیماز شاہ خاوری بڑا بہادر و صاحبِ مروت ہے۔ اگر آپ اس کی پناہ میں جاویں گے تو یقیناً وہ اپنا فخر سمجھ کر آپ کا اوپرالا کرے گا۔ نوشیرواں خاور کی طرف روانہ ہوا۔ جب قریب پہنچا، خبرداروں نے قیماز شاہ خاوری کو خبر دی کہ نوشیرواں شاہنشاہِ ہفت اقلیم حمزہ کے ظلم و ستم سے آپ کے پاس پناہ لینے کو آیا ہے۔ قیماز شاہ بڑے تزک سے سوار ہوا اور نوشیرواں کو استقبال کر کے اپنے مکان پر لے گیا اور تخت پر بٹھلا کے بعدِ دریافتِ حال بہت سی دلجمعی کر کے کہا کہ اگر حمزہ یہاں آوے گا تو اپنے کیے کی سزا پاوے گا۔ بختک بولا کہ اگر ایسی امید نہ ہوتی تو شاہنشاہ کاہے کو آپ کے آستانے پر آتا۔

روانہ ہونا امیر کا خاور کی طرف نوشیرواں کے تعاقب میں اور مسلمان کرنا قیماز شاہ والیِ خاور کو

راوی لکھتا ہے کہ امیر جب جشن سے فارغ ہوئے، عمرو سے پوچھا کہ کچھ معلوم ہے کہ نوشیرواں کہاں گیا؟ عمرو نے کہا، سنتے ہیں کہ قیماز شاہ خاوری کے پاس گیا ہے اور اس نے بہت سی تشفی کی ہے کہ اگر حمزہ یہاں آئے گا تو میں حمزہ کو باندھ کر آپ کے حوالے کردوں گا۔ امیر نے ہنس کر کہا کہ ہمارا پیش خیمہ خاور کی طرف روانہ ہو۔ دوسرے دن مع فوجِ قہار خاور کی طرف چلے۔ ہرگاہ قریب خاور کے پہنچے تو قیماز شاہ خاوری کو نامہ لکھ کر بھیجا کہ اے قیماز شاہ، واضح ہو کہ نوشیرواں میرا دشمنِ جانی ہے اور چند بار اس نے عفوِ قصور چاہا اور مسلمان ہوا، اور پھر بت پرستی کی اور کس کس طرح کی میرے ساتھ دشمناگی نہیں کی، مگر ہمیشہ مخذول ومنکوب رہا، سوائے ذلت و شکست کے کچھ اس کو حاصل نہ ہوا۔ اب سنتا ہوں کہ تیرے پاس آ کر پناہ لی ہے۔ لازم ہے کہ میرا نامہ دیکھتے ہی اس کو مع بختکِ بداختر باندھ کر میرے پاس بھیج دے، والاّ تجھ کو تخت کے بدلے تختۂ تابوت نصیب ہوگا۔ عمرو نامہ لے کر آستانۂ قیماز شاہ پر گیا اور دربانوں سے کہا کہ میری اطلاع کردو۔ دربانوں نے قیماز شاہ کو اطلاع دی کہ ایک پیک حمزہ کا نامہ لایا ہے۔ قیماز شاہ دربار میں بیٹھا ہوا تھا، حکم دیا اسے حاضر کرو۔ عمرو اس کی بارگاہ میں گیا۔ قیماز شاہ نے نامہ طلب کیا۔ عمرو نے کہا کہ پہلے تعظیم کر اور ایثار حاضر لا، تب نامہ تیرے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ جانتا نہیں کہ یہ نامہ شاہِ مرداں، تاج بخشِ شاہاں، حلقۂ غلامی فگن درگوشِ گردن کشاں، درندۂ اژدہائے آتش بار، صید کنندۂ شیرانِ خونخوار، شکنندۂ طلسمات، کشندۂ دیوانِ قاف وظلمات، پہلوانِ جہاں، صاحبقرانِ زماں، زلازلِ قاف، کوچک سلیمان، ابوالعلا امیر حمزہ بن عبدالمطلب سردارِ عربستان کا ہے۔ قیماز شاہ کو کچھ چارہ نہ ہوا سوائے اس کے کہ زر و جواہر بہرِ ایثارِ نامے منگوائے اور نامے کی تعظیم کرے۔ ہرگاہ اس شکوہ و

عظمت سے عمرو نے نامہ قیماز شاہ کے ہاتھ میں دیا۔ قیماز شاہ نے پڑھ کر نامے کو پھاڑ ڈالا اور کہا کہ مجھ کو لکھا ہے کہ اگر نوشیرواں اور بختک کو باندھ کر میرے حضور میں حاضر نہ کرے گا تو تخت تیرا تختۂ تابوت ہوگا۔ میں حمزہ کا کچھ تابعدار نہیں ہوں اور نہ اس سے ڈرتا ہوں کہ اس کے حکم کی تعمیل کروں۔ عمرو نے کہا کہ اے قیماز شاہ، کیا کروں صاحبقراں کا حکم نہیں ہے، نہیں تو جیسا تو نے نامے کو پھاڑا تھا، ویسا ہی تیرا پیٹ پھاڑتا۔ قیماز شاہ نے اپنے غلاموں سے، کہ دست بستہ کھڑے تھے، کہا کہ اس پیادے زبان دراز کو پکڑ لو۔ چار طرف سے غلاموں نے عمرو کو گھیر لیا۔ عمرو نے خنجرِ فولادی کمر سے کھینچ کے کتنے غلاموں کو ایذاے اطاعتِ قیماز شاہ سے آزاد کیا اور قیماز شاہ کے سر پر دھول مار کے تاج اتار لیا اور وہاں سے چلتا ہوا۔ ہر چند لوگ اس کے پکڑنے کو دوڑے، مگر عمرو کب ہاتھ آتا تھا، ہوا تو اس کی گرد کا دامن چھو نہ سکتی تھی۔ بختک نے قیماز شاہ سے کہا کہ حضور اس پیادے سے واقف نہیں ہیں۔ یہ وہ بلاے بد ہے کہ چشمِ احوال نے اس کا ثانی نہیں دیکھا۔ اس سے تمام شاہ و شہریار بید کے مانند کانپتے اور الامان مانگتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ کیا حرکتِ ناملائم کر کے اتنی جمعیت میں سے نکل گیا۔ قیماز شاہ بولا کہ دیر آئے درست آئے، تم دیکھو گے کہ میں اس سے اور اس کے صاحب سے کیا سلوک کرتا ہوں۔ المختصر، عمرو نے آ کر امیر سے تمام ماجرا بیان کیا۔

دوسرے دن قیماز کوسِ حربی بجاتا ہوا مع فوج میدان میں نکلا۔ امیر نے بھی اپنے لشکر کا پرا اس کے مقابل میں باندھا۔ پہلے سب سے خورشید خاوری، ہمشیرۂ قیماز شاہ، کہ اپنے روبرو پہلوانانِ روزگار کو ذرے کے برابر بھی نہ سمجھتی تھی اور نیزہ بازی میں فی المثل تھی، میدان میں آ کر للکاری کہ او پہلوانو، جس کو میرے نیزے کی انی اپنے سینے میں چبھوانی ہو وہ میرے سامنے آوے۔ شیر مار نامی پہلوان، شروانی قوم، امیر سے رخصت ہو کر اس کے سامنے آیا۔ خورشید خاوری نے گھوڑے کو کاوہ دے کر ایک نیزہ مارا۔ شیر مار نے تو خالی دیا مگر وہ نیزہ اس کے گھوڑے کے لگا، گھوڑا گر پڑا۔ فی الفور دوسرا نیزہ مار کے شیر مار کو زخمی کیا۔ عمرو بن امیہ دوڑ کر شیر مار کو اٹھا لے گیا۔ القصہ، چند پہلوان ایک ساعت کے عرصے میں اس کے ہاتھوں زخمی ہوئے۔ رستم پیلتن کو غیظ سے تاب نہ رہی کہ اور کوئی اس سے مقابلہ کرے، برق آسا اس کے سر پر پہنچا۔ خورشید خاوری نے شاہزادے پر بھی نیزہ چلایا۔ شاہزادے نے نیزہ اس کا پکڑ لیا۔ ہر چند اس نے زور کیا مگر چھڑا نہ سکی۔ شاہزادے نے نیزہ چھین کر زہر اس کی انی سے دور کیا اور اسی نیزے کی ڈانڈ مار کے گھوڑے سے اس کو گرا دیا اور مرکب سے کود کر اس پر جا رہا۔ باندھنے کا جو قصد کیا، معلوم ہوا کہ یہ عورت ہے۔ گود میں اٹھا کر امیر کے پاس لے آیا۔ امیر نے اس سے پوچھا کہ اے عورت، تو کون ہے اور تیرا کیا نام ہے؟ بولی کہ قیماز شاہ کی بہن ہوں اور خورشید خاوری میرا نام ہے۔ امیر نے حکم کیا کہ اس کو رستم کی ماں کے پاس پہنچا دو۔ خورشید خاوری تو اُدھر بھیجی گئی، اِدھر قیماز شاہ

کے بھائی سے رستم پیلتن کا مقابلہ ہوا۔ رستم نے اس کو بھی باندھا اور فوجِ کفار کو للکارا کہ اے نامردو، عورت کو لڑوا کر تماشا دیکھتے ہو! اگر نشۂ مردی ہو تو خود آ کر مقابلہ کرو۔ نیم تن خاوری، پدرِ قیماز شاہ خاوری، نے میدان میں آ کر شاہزادے پر گرز چلایا۔ شاہزادے نے گرز سمیت اس کا ہاتھ پکڑ کے ایک گھونسا اس کی گردن پر ایسا مارا کہ وہ بیہوش ہو کر گھوڑے سے زمین پر گرا۔ شاہزادے نے اس کو باندھ کر عمرو کے حوالے کیا۔ ہومان خاوری، خورشید خاوری کا بڑا بھائی، جو شاہزادے سے لڑنے آیا، ہاتھوں ہاتھ باندھا گیا۔ قیماز شاہ نے کہا کہ حمزہ کے فرزند کے برابر بھی شجاع و زور آور کم کوئی دیکھنے میں آیا ہے۔ ایک ساعت میں چند پہلوانانِ قوی بازو کو بآسانی تمام باندھ لیا۔ معلوم ہوا کہ بڑی نیک ساعت سے آج یہ میدان میں آیا ہے، آج اس سے نہ لڑنا چاہیے۔ یہ کہہ کر طبلِ بازگشت بجوایا دونوں لشکر اپنی اپنی فرودگاہ پر آئے۔ امیر نے رستم کو گلے سے لگا کر بہت سا زر و جواہر نثار کیا اور محفلِ شب میں نیم تن خاوری و ہومان خاوری کو طلب کر کے کہا کہ اب کیا ارادہ ہے؟ وہ بولے کہ جب تک قیماز شاہ حاضر نہ ہو اور اسلام قبول نہ کرے، تب تک ہم کو معاف رکھیے۔ امیر نے ان دونوں کو معدی کرب کے سپرد کیا اور خود جشن میں مصروف ہوئے۔ خورشید خاوری سے پچھوا بھیجا کہ رستم پیلتن سے تجھ کو عقد کرنا منظور ہے؟ اس نے جواب دیا کہ زہے طالع میرے! امیر نے بہ ساعتِ سعید رستم کا عقد خورشید خاوری سے کر دیا اور جشنِ شادی میں مصروف ہوئے۔

رستم سات دن تک شبانہ روز محل میں رہا، آٹھویں دن کوسِ حربی کی آواز سن کر محل سرا سے باہر آیا۔ امیر نے میدان میں جا کر صف آرائی کی۔ قیماز شاہ نے گھوڑا میدان میں نکال کر آواز دی کہ اے عرب زادے، میرے سامنے آجا، میں تجھ کو لڑائی کے بند تعلیم کروں۔ رستم نے اپنے مرکب کو جولاں کیا۔ قیماز خاوری نے آٹھ سو منی گرز بہ قوتِ تمام شاہزادے پر مارا۔ شاہزادہ تو گرز کو ڈھال پر روک کے بچ رہا مگر مرکب زخمی ہوا۔ شاہزادے نے گھوڑے سے کود کے ایسی تلوار قیماز کے مرکب کے لگائی کہ چاروں پاؤں اس کے قلم ہو گئے۔ پھر دونوں دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر لڑنے لگے۔ رستم نے ہزار منی گرز اس زور سے قیماز شاہ پر مارا کہ اگر پہاڑ پر وہ ضرب پڑتی تو سرمہ ہو جاتا۔ قیماز شاہ کے کچھ بھانویں بھی نہ ہوا۔ ہنس کر بولا کہ اے فرزندِ حمزہ، اسی زور و قوت پر مجھ سے لڑنے آیا ہے؟ جا، اپنے باپ کو بھیج دے کہ وہ مجھ سے لڑے۔ رستم بولا کہ تو نے میرا کیا کیا کہ میرے باپ کو بلاتا ہے؟ ابھی تو میں تیرا حریف زندہ سلامت ہوں۔ جب مجھ سے زبوں نہ ہوگا تب میرے باپ کو تکلیف دیجیو۔ بارے نصف النہار تک دونوں سے گرز بازی ہوا کی۔ بعدازاں شمشیر بازی کی نوبت پہنچی۔ جب تلواریں ارّہ ہو گئیں، نیزے سنبھالے۔ شام تک ایسے لڑے کہ پور پور نیزوں کی جدا ہو گئی۔ قیماز شاہ نے طبلِ بازگشت بجوایا۔ دوسرے دن پھر میدان آرائی ہوئی۔ لندھور امیر سے رخصت لے کر قیماز شاہ

کے مقابل ہوا۔ قیماز نے لندھور پر گرز چلایا۔ لندھور نے بہ ہزار مشقت اس کو رد کر کے قیماز شاہ پر ایک وار کیا۔ قیماز شاہ بولا کہ اے لندھور، سچ ہے دور کے ڈھول بڑے سہانے ہوتے ہیں۔ جیسا تیرا آوازہ میں نے سنا تھا ویسا تجھ کو نہ پایا۔ لندھور نے کہا کہ اے قیماز، یہی گرز میں نے ایک مرتبہ سراندیب کے برج پر مارا تھا کہ بیخ و بنیاد اس کی قائم نہ رہی تھی، مگر نہیں کہہ سکتا کہ تیرا بدن فولاد کا ہے یا کس کا۔ یہ کہہ کر شام تک دونوں بہادر ایسے لڑے کہ ہر بار صدائے احسنت دونوں لشکروں سے بلند ہوتی تھی۔ نقارچیوں نے تاریکی دیکھ کر طبلِ بازگشت بجائے۔ دونوں بہادر اپنے اپنے خیموں کو پھرے۔ امیر نے رستم و لندھور سے پوچھا کہ تم نے قیماز کو کیسا پایا؟ عرض کی بعد آپ کے اگر پہلوان ہے تو قیماز شاہ ہے۔

دوسرے دن پھر دونوں لشکر میدان میں صف آرا ہوئے۔ ہنوز کسی نے عزمِ میدان کا نہیں کیا تھا کہ ناگاہ ایک جوان، پچیس گز کا قد، دریائے آہن میں غرق، جنگل کی طرف سے آ کر دونوں لشکروں کے درمیان میں کھڑا ہوا۔ فوجِ کفار کی طرف دیکھ کر پکارا کہ اے نوشیرواں، کسی پہلوان کو میرے مقابلے کے واسطے بھیج۔ نوشیرواں نے ایک عادی کو بھیجا۔ اس سوار نے عادی کو اٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹکا کہ کوئی ہڈی اس کی سلامت نہ رہی۔ دوسرے عادی نے مقابلہ کیا، اس کا بھی وہی حال ہوا۔ پھر تو کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ اس کے سامنے آوے۔ ایک ساعت تک اس نے انتظار کر کے لشکرِ اسلام کی طرف رخ کیا اور آواز دی کہ اے عربو، تم میں سے جس کو حوصلہ جنگ کا ہو وہ میرے سامنے آوے۔ سرکوب ترک امیر سے رخصت لے کر اس سے مقابل ہوا۔ سرکوب کو بھی اس نے اٹھا کے زمین پر دے مارا۔ پھر چھوڑ کر اس سے کہا کہ اب تو جا کر اور کسی کو بھیج دے۔ امیر نے سرکوب سے پوچھا کہ یہ جوان کیسا ہے؟ سرکوب نے کہا کہ یا صاحبقراں، کیا بتاؤں، ایک آفتِ ناگہانی ہے۔ قندز سرشباں امیر سے اجازت لے کر اس کے سامنے گیا۔ اس سوارِ جنگلی نے قندز کو الگ تھلگ گھوڑے سے اٹھا کے زمین پر چھوڑ دیا اور کہا کہ تو جا اور اب اور کسی کو بھیج دے۔ قندز نے آ کر امیر سے عرضِ حال کیا۔ امیر نے فرمایا کہ مجھ کو شکل و شباہت سے تیرا بیٹا معلوم ہوتا ہے۔ قندز بولا کہ اگر حقیقت میں یہ میرا بیٹا ہے تو میں اس کو جیتا نہ چھوڑوں گا، کہ مجھ کو دونوں لشکروں کے روبرو ذلیل و خوار کیا۔ اس میں رستم پیلتن نے اس صحرائی سوار سے جا کر مقابلہ کیا۔ اس نے چھوٹتے ہی شاہزادے کی بھی کمر میں ہاتھ ڈالا اور جہاں تک قوت تھی اتنا زور کیا، مگر شاہزادے کو جنبش بھی نہ ہوئی۔ رستم پیلتن نے ہاتھ اس کی کمر میں ڈال کے، ایک نعرہ کر کے، اس کو قاشِ زین سے اٹھا لیا اور زمین پر سبک چھوڑ دیا اور پوچھا کہ سچ کہہ، تو کون ہے اور تیرا کیا نام ہے؟ بولا کہ نام میرا شبان طائفی ہے، قندز سرشباں کا بیٹا ہوں۔ شاہزادہ اس کو لے کے امیر کی خدمت میں آیا اور حال بیان کیا۔ امیر نے اس کو گلے سے لگایا اور طبلِ بازگشت بجوا کے اپنے خیمے میں داخل ہوئے اور شبان

طائفی کو حمزہ کو چک خطاب دے کے اپنے بیٹے عمرو کی کرسی پر بٹھلایا اور سات دن تک اس کے لیے جشن کیا۔ آٹھویں دن پھر دونوں لشکر صف آرا ہوئے۔ شبان طائفی نے قیماز خاوری کا مقابلہ کیا۔ تمام دن جنگ رہی لیکن کوئی کسی پر غالب نہ ہوا۔ شام کو اپنے اپنے خیمے میں گئے۔ صبح کو پھر صف آرائی ہوئی۔ قیماز شاہ میدان میں آکر للکارا کہ حمزہ، تو آپ کیوں نہیں مقابلہ کرتا کہ لڑکوں کو میرے مقابلے کے واسطے بھیجتا ہے؟ امیر نے اشقر کو اس طرح برق آسا چمکا کر نکالا کہ حریف کی آنکھوں میں چکاچوندھی آگئی۔ قیماز شاہ نے بہ کمال قوت امیر پر گرز مارا۔ امیر نے اس کو اپنے گرز پر روک کے آپ بھی گرز کا اس پر وار کیا۔ اس نے اپنی سپر پر روکا مگر چاروں پاؤں اس کے گھوڑے کے ٹوٹ گئے اور ہر بنِ مو سے عرق ٹپکنے لگا۔ قیماز شاہ نے مرکب سے کود کر چاہا کہ اشقر کو پے کرے، امیر جھٹ اشقر کی پیٹھ سے جدا ہو کر اس کے سامنے ہوئے۔ نصف النہار تک گرز بازی ہوئی۔ پھر تلواریں چلنے لگیں۔ اس میں بھی مطلب حاصل نہ ہوا۔ قیماز شاہ امیر کی تعریف کرنے لگا۔ امیر نے کہا کہ سلاح بازی تو ہو چکی، اب ایک بات باقی رہی ہے۔ قیماز شاہ بولا کہ وہ کیا ہے؟ امیر نے کہا کہ تو میری کمر پکڑ کے زور کر اور میں تیری کمر بند پکڑ کے زور کروں، جس کا لنگر اٹھ جاوے وہ دوسرے کی اطاعت کرے۔ قیماز شاہ نے قبول کر کے کہا کہ حمزہ، اس شرط میں تو بہت چوکا۔ یہ کہہ کر امیر کی کمر پر ہاتھ ڈالا۔ امیر نے بھی اس کا کمر بند تھاما۔ جہاں تک قوت تھی قیماز شاہ نے صرف کی لیکن امیر کا لنگر اٹھ نہ سکا۔ امیر سے کہنے لگا کہ مجھ میں جتنا زور تھا میں نے صرف کیا، اب تمھاری باری ہے۔ امیر نے نعرہ کر کے اس کو سر تک لے جا کر سات چرخ دیے اور زمین پر پھینک کے، مشکیں کس کر عمرو کے حوالے کیا اور شادیانے بجاتے ہوئے خیمہ گاہ کو پھرے اور حکم کیا کہ خاوریوں کو لاؤ۔ عمرو نے حاضر کیا۔ امیر نے قیماز شاہ سے کہا کہ میں شرط تجھ سے جیتا اور تو ہارا۔ پس اسلام قبول کر۔ اس نے کہا کہ آپ اگر مجھ کو قتل کیجیے تو قبول ہے، لیکن مسلمان ہونا قبول نہیں ہے۔ امیر نے طیش کھا کے لندھور و معدی کرب سے کہا کہ گرز مار کر اسے ہلاک کرو۔ دونوں پہلوان گرز اس کو مارنے لگے مگر اس کو مطلق خبر بھی نہ ہوئی۔ امیر نے یہ حال دیکھ کر کمال تاسف کیا کہ ایسا قوی پہلوان مفت ہاتھ سے جاتا ہے۔ فرمایا کہ اس کو معدی کرب کے سپرد کرو۔ قیماز شاہ بولا کہ کب تک مجھے قید رکھو گے؟ امیر نے کہا کہ جب تک تو جیتا رہے گا۔ قیماز شاہ نے امیر سے کہا کہ میں پیاسا ہوں۔ امیر نے شربت بنوا کر صحیفۂ ابراہیم اس پر دم کر کے اس کو پلوایا۔ شربت کا پینا تھا کہ اس کا دلِ سنگین پگھلا۔ امیر سے کہنے لگا کہ آپ مجھ کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ امیر نے کہا کہ مجھ کو افسوس آتا ہے کہ تجھ سا قوی و دلاور جواں مرد مارا جائے۔ قیماز بہت ہنسا اور بولا کہ حمزہ، مجھ کو یقین ہوا تو بڑا بہادر و قدردان ہے۔ بہر حال، مجھ کو تیری اطاعت منظور ہے، کہہ کیا کہتا ہے۔ امیر نے کہا کہ دینِ ابراہیم قبول کر۔ وہ اسی دم، مع پدر و فرزند و برادر، مشرف بہ اسلام ہوا۔ امیر نے ہر ایک کو خلعتِ فاخرہ عطا کیا

اور اس کو خلعتِ جمشیدی پہنا کر اپنے برابر کرسی پر بٹھلایا اور جشنِ جمشیدی برپا کیا۔
نوشیرواں نے بختک سے کہا کہ اب یہاں ٹھہرنا اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارنا ہے۔ کوئی دم میں قید ہو جائیں گے۔ یہاں سے کسی طرف کو چلنا چاہیے۔ بختک نے کہا کہ یہاں سے شہر کیومرث نزدیک ہے۔ وہاں کا بادشاہ کیومرث نیزہ باز ہے اور ایسا شجاع وقوی ہیکل ہے کہ ہمیشہ جس کے خوف سے قیماز شاہ پہاڑ پر بھاگ جایا کرتا تھا۔ اس کے پاس چلیے۔ اگر حمزہ وہاں آیا تو جانیے کہ قضا اس کی لے آئی۔ نوشیرواں اسی دم مع بختک وہاں سے بھاگا۔ چند روز کے عرصے میں متصل شہر کے پہنچا۔ کیومرث شاہ نوشیرواں کی خبر سن کر استقبال کے واسطے شہر سے نکلا اور بہ کمال عزت وتوقیر نوشیرواں کو لے جا کر اپنی بارگاہ میں تخت پر بٹھلایا اور احوال دریافت کر کے کہا کہ اگر حمزہ یہاں آیا تو آپ جان لیجیے کہ اس کی موت اس کو لے آئی۔ نوشیرواں اس کی تقریر سے بہت خوش ہوا اور حمزہ کا انتظار کرنے لگا۔ امیر چند روز خاور میں دن کو تو سیر و شکار اور شب کو عیش وعشرت میں مصروف رہے۔
ایک دن سرِ محفل عمرو سے پوچھا کہ اب نوشیرواں نے کس سے جا کر پناہ لی؟ عمرو نے عرض کی کہ کیومرث شاہ نیزہ باز کے پاس گیا ہے۔ اس نے بہت سی خاطر داری کر کے اقرار کیا ہے کہ حمزہ اگر یہاں آیا تو میں نے اپنے نہنگ نیزہ کا طعمہ اس کو کیا۔ امیر نے تبسم کر کے فرمایا کہ پیش خیمہ ہمارا اس طرف روانہ کیا جائے۔ رستم پیلتن نے عرض کی کہ خورشید خاوری حاملہ ہے، اس کے لیے کیا حکم ہوتا ہے؟ فرمایا کہ اس کے ماں باپ کے سپرد کر دو اور تم پیش خیمے کے ساتھ روانہ ہو۔ رستم پیلتن نے خورشید خاوری کو اس کے گھر میں بھیج دیا اور آپ پیش خیمے کے ساتھ روانہ ہوا۔ دوسرے دن امیر نے بھی کوچ کیا۔ قیماز شاہ اپنے بھائی بیٹوں سمیت ہمراہِ رکاب ہوا۔
راوی لکھتا ہے کہ جب امیر نے شہر سے چار کوس کے فاصلے پر خیمہ ڈالا، عیاروں نے کیومرث کو خبر دی کہ حمزہ فوجِ جرار سے متصل شہر کے خیمہ زن ہوا ہے۔ کیومرث نے نوشیرواں سے کہا کہ طبلِ جنگ بجوایئے اور آپ بھی اپنا لشکر لے کر صف آرائی فرمایئے۔ امیر نے سنا کہ کیومرث لشکر لے کر میدان میں آیا، امیر بھی مسلح ہو کر مع سپاہ رزم گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کیومرث نے دیکھا کہ ایک گرد تیرہ وخیرہ خیرہ اٹھی۔ ہر گاہ گرد کے گریبان کو مقراضِ باد نے چاک کیا، نشان معدی کرب کا نمودار ہوا۔ نشان کے نیچے دیکھا کہ ایک جوان، بڑا ہی طویل القامت وقوی الجثہ، گھوڑے پر سوار ہے اور پینتالیس پہلوان اس کے گھوڑے کے گرد ہیں اور پیچھے اس کے چودہ ہزار سوار زرہ پوش ہیں۔ کیومرث نے نوشیرواں سے پوچھا کہ یہی حمزہ ہے؟ نوشیرواں نے کہا کہ یہ حمزہ کی فوج کا ہراول ہے، عمرو معدی کرب اس کا نام ہے، اور پینتالیس پہلوان جو اس کے گھوڑے کے گرد ہیں سب اس کے برادرِ حقیقی ہیں۔ بعد ازاں ایک جوان، سات سو ہاتھیوں کے حلقے میں ہاتھی پر سوار اور ایک سو بیس چترِ شاہی اس کے سر پر لگے، بارہ سو منی گرز ہاتھ میں لیے ہوئے پیدا ہوا۔ کیومرث نے پوچھا کہ یہ حمزہ

ہے؟ بختک بولا کہ حمزہ کی سواری ابھی بہت دور ہے۔ یہ خسروِ ہند ملک لندھور بن سعدان گرد، چودہ ہزار جزیرے کا بادشاہ ہے۔ بعد اس کے دو بھائی شاہزادۂ یونان بڑے طمطراق سے ظاہر ہوئے۔ کیومرث نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بختک نے کہا کہ یہ دونوں شاہزادے یونان کے ہیں۔ ایک کا نام استفتانوس اور دوسرے کا نام استیفونوس ہے۔ ان کے پیچھے دو پہلوان اور نکلے۔ بختک نے بتایا کہ یہ بھی دونوں شاہزادے ہیں۔ پھر سات بھائی زابلی بڑے ہی زرق و برق سے دکھائی دیے۔ کیومرث نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بختک نے کہا کہ یہ ساتوں بھائی حلب کے شاہزادے ہیں۔ بعد ان کے شیر مار شروانی نکلا۔ بختک نے بتایا کہ یہ شروان کا شاہزادہ ہے اور نوشیرواں کا سالا۔ بعد ازاں مثقال شاہ مصری اور ریحان شاہ اور پیر فرخاری اور قندز سرشباں اور سرکوب ترک شاہزادۂ ترکستان، بعد اس کے سربرہنہ تپشی و دیوانہ تپشی شاہزادگانِ تپش اور ان کے بعد الجوش نودگزی قامت وسعد زرین کہ جس کے چہرے کی چمک سے آفتاب شرمندہ ہو کر نقابِ ابر منھ پر لیتا تھا، اپنے اپنے لشکر سمیت برآمد ہوئے۔ بختک نے ہر ایک کا نام ونشان بتلا کر کہا کہ یہ سب کے پیچھے طوق زریں جو گلے میں ڈالے ہوئے ہے، یہ پسرِ حمزہ ہے۔ الغرض، اسی طرح سے جو پہلوان مثل بہ مثل آتا جاتا تھا بختک کیومرث کو اس کا نام ونشان بتاتا تھا۔ ہرگاہ رستم پیلتن وسعد بن عمرو کی سواری نمود ہوئی۔ دیکھا کہ دو پہلوان قوی ہیکل، حسین، دو تختوں پر سوار ہیں اور کئی سو چتر کا ان کے سر پر سایہ ہے اور کئی ہزار پہلوان زرہ بکتر چار آئینہ پہنے ہوئے گھوڑوں پر سوار تختوں کے گرد ہیں۔ بختک سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بولا کہ ایک تخت پر رستم پیلتن نامی حمزہ کا بیٹا ہے اور دوسرے تخت پر سعد بن عمرو حمزہ کا پوتا، لشکرِ اسلام کا بادشاہ ہے۔ بعد ازاں قیماز شاہ خاوری نکلا اور آواز دورباش کی بلند ہوئی۔ پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ پہلے جو نمودار ہوا ہے وہ قیماز شاہ خاوری ہے، اور پیچھے اس کے جس کی سواری کے ساتھ بارہ ہزار غلام زریں قبا و زریں کلاہ گھوڑوں پر سوار صدائے دورباش بلند کیے چلے آتے ہیں، یہ شاہِ عیارانِ عیار، حلقہ فگن در گوشِ شہر یارانِ روزگار، شاطرِ بے بو و رنگ، قلعہ گیرِ بے جنگ، خواجہ عمرو بن امیہ ضمیری افسرِ عیارانِ حمزہ ہے۔ بعد ازاں علم اژدہا پیکر کی آواز آئی۔ کیومرث نے بختک سے پوچھا کہ یہ آواز کیسی ہے؟ بختک بولا کہ یہ آواز حمزہ کے نشان کی ہے، معلوم ہوا کہ حمزہ آتا ہے۔ کیومرث نے پوچھا کہ یہ نشان کس نے بنایا ہے؟ بختک نے کہا کہ بزرجمہر نے۔ کیومرث نے بزرجمہر سے کہا کہ میرے واسطے بھی ایک نشان ایسا بنادو۔ بزرجمہر بولے کہ جب حمزہ پر تم فتحیاب ہوگے تب میں نشان تمھارے واسطے بنادوں گا۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ نشان اژدہا پیکر نمود ہوا اور اس کے سائے میں خورشیدِ عالم یعنی حمزۂ نامدار اشقر دیوزاد پر سوار نمودار ہوئے اور پچاس ہزار غلام، زریں قبا و زریں کلاہ، ترکی، تاتاری، حبشی، چینی، ختنی، شامی، رومی، مصری، بلخی، بخاری، ہندی، تازی، آشامی، حلبی، زنگی، امیر کے گھوڑے کے گرد جلوہ ریز

تھے۔ کیومرث شاہ نے بختک سے کہا کہ میں نہ جانتا تھا کہ حمزہ کے ساتھ ایسی جمعیت ہے۔ ناظرین بے تکلف امیر کی تعریف کرنے لگے۔

القصہ، جب امیر کے لشکر کی صف بندی ہوئی، کیومرث شاہ نیزہ ہاتھ میں لے کر نکلا اور بآوازِ بلند کہنے لگا کہ اے قومِ عرب، جس کے سر پر قضا کھیلتی ہو وہ میرے سامنے آوے۔ قیماز شاہ نے تسلیم کر کے امیر سے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو آپ کے اقبال سے کیومرث کو باندھ لاؤں۔ امیر نے فرمایا کہ جاؤ، خدا کے حوالے کیا۔ قیماز شاہ جو کیومرث کے سامنے آیا، کیومرث نے کہا کہ او نامرد، تجھ کو کیا حماقت نے لیا ہے کہ تو بھی حلقہ بگوشانِ حمزہ میں محسوب ہوا؟ قیماز شاہ بولا کہ مجھ سے بہتر بہتر حمزہ کی حلقہ بگوشی میں در آئے ہیں، اور تو بھی آج کل میں حلقۂ اطاعت حمزہ اپنے کان میں ڈالے گا، گھبراتا کاہے کو ہے! کیومرث نے برا مان کر کہا کہ مجھ کو کون حلقہ بگوش کر سکتا ہے؟ چل حربہ کر۔ قیماز شاہ نے کہا کہ اہلِ اسلام کا دستور پیش دستی کا نہیں ہے، تجھ کو جو حربہ کرنا ہو کر۔ کیومرث نے گھوڑے کو کاوہ دے کر ایک وار نیزے کا قیماز شاہ پر کیا۔ قیماز شاہ نے ہر چند اپنی دانست میں اس کے نیزے کو رد کیا مگر انی نیزے کی قیماز شاہ کے پاؤں میں کسی قدر چبھ گئی۔ چونکہ سنان نیزے کی زہرِ ہلاہل میں بجھی ہوئی تھی، قیماز شاہ سوزش سے بیتاب ہو کر اپنے لشکر کی طرف پھر گیا اور خیمے میں آتے ہی بیہوش ہو گیا۔ عمرو نے نوشدارو کی پٹی اس کے زخم پر باندھی اور کیومرث سے آن کر مقابل ہوا۔ کیومرث اس کی ہیئت گدائی دیکھ کر بولا کہ اے مسخرے، تجھ کو کیا خبط نے گھیرا ہے کہ میرے سامنے آتا ہے؟ اگر آتا تو محفل میں آتا کہ محظوظ کر کے انعام لے جاتا، یہاں سوائے مار دھاڑ کے اور کیا پائے گا؟ عمرو نے کہا کہ اگر آپ جیتے بچیں گے تو محفل میں بھی حاضر ہو کر آپ کی خدمت گذاری کروں گا اور اس وقت بھی مقدور بھر مجھ سے کوتاہی نہ ہو گی۔ کیومرث نے ہنس کر کہا کہ دیوانہ ہوا ہے؟ جا، دوسرے کو بھیج دے۔ عمرو بولا کہ میری کیا آپ نے پشمیں اکھیڑیں کہ دوسرے کی اکھیڑیے گا؟ تب تو کیومرث کو غیظ آیا، نیزے کو گردان کر عمرو پر مارا۔ عمرو نے کاغذ کی ڈھال منھ پر رکھ کر ایک جست ایسی کی کہ اس کے سر پر پہنچا اور زور سے سونٹا اس کے سر پر مارا کہ وہ تیورا گیا اور لگے ہاتھوں دوسرا سونٹا اس کے ہاتھ پر دیا کہ نیزہ اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ عمرو نے جلدی سے لپک کر نیزہ اٹھا لیا۔ کیومرث بولا کہ لا، میرا نیزہ میرے حوالے کر، اب میں تجھ سے نہ لڑوں گا۔ عمرو بولا کہ معلوم ہوا تو مجھ سے واقف نہیں ہے۔ اے بھلے آدمی، جو چیز کہ زمین پر گرے اس کا مالک میں ہوں۔ ہر چند کیومرث نے دم دلاسا دیا لیکن کچھ مفید نہ ہوا۔ اس میں شام کا ڈنکا بجا، دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر گئے۔ عمرو نے وہ نیزہ لا کر امیر کی خدمت میں گذرانا۔ امیر نے فرمایا کہ زہر اس کا دور کر کے سعد یمانی کو دو کہ وہ بھی نیزہ باز ہے۔ شب کے وقت ایک عیار نے آ کر نوشیرواں سے کہا کہ بادشاہِ تصوران نے اپنی بیٹی کو، کہ آج حسن و جمال میں

اپنا ثانی نہیں رکھتی ہے، آپ کے ساتھ عقد کرنے کے واسطے بھیجا ہے۔ نوشیرواں یہ مژدہ سن کر بہت خوش ہوا اور خواجہ بزرجمہر کو اس کے لانے کے واسطے بھیجا۔ خواجہ نے اس کو محل سرا میں لا کر داخل کیا۔

راوی لکھتا ہے کہ وہ شاہزادی پیشتر سے حمزہ کی تصویر دیکھ کر بہ صد دل و جان مشتاقِ دیدارِ حمزہ تھی۔ چند روز کے بعد ایک شب کو فرصت پا کے لباس شبروی پہن کر امیر کے لشکر میں داخل ہوئی اور پشتِ خیمہ سے ایک پائزہ اکھیڑ کر امیر کے خیمے میں گئی۔ دیکھا کہ امیر بے خبر سوتے ہیں۔ دارو ئے بیہوشی نتھنوں میں امیر کے جو دی تو امیر چھینک مار کر بیہوش ہو گئے۔ امیر کا پشتارہ باندھ کر جس طرف سے گئی تھی اسی طرف سے نکل کر ایک خندق کے اندر لے گئی اور امیر کی رفعِ بیہوشی کر کے اپنے عاشق ہونے کا حال بیان کیا۔ امیر نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام زرانگیز بنتِ شاہِ تصوران ہے، اور اب زوجہ نوشیرواں کی ہوں۔ امیر نے فرمایا کہ ایک تو وہ میرا خسر ہے، دوسرے تو شوہر دار ٹھہری، ایسا گناہ تو مجھ سے کبھی نہ ہوگا۔ ہر چند اس نے امیر سے عشق انگیز باتیں کیں، مگر امیر نے مطلق اس کے طرف التفات نہ کیا۔ جب اس نے دیکھا کہ امیر مانتے ہی نہیں ہیں، تب اس نے دھمکایا کہ اگر تو مجھ کو قبول نہ کرے گا تو حمزہ، میں تجھ کو مار ڈالوں گی۔ امیر نے فرمایا کہ اگر میری یوں ہی بدی ہے تو چارہ کیا ہے! مگر تیرے بدی کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔ اسی تکرار میں صبح ہوگئی۔ وہ امیر کو اسی جگہ مقید چھوڑ کے اپنے خیمے میں چلی گئی۔

صبح کو امیر کے لشکر میں غل مچ گیا کہ امیر اپنے خیمے سے غائب ہیں۔ ہر شخص ہر طرف ڈھونڈنے لگا۔ شدہ شدہ یہ خبر کفار کے لشکر میں بھی پہنچی۔ وہ بھی متعجب ہوئے۔ کیومرث نوشیرواں کے آگے لن ترانی کی لینے لگا کہ حمزہ میرے نیزۂ زہر آلود کے خوف سے جان بچا کر بھاگ گیا۔ یہ کہہ کر نقارہ جنگ کا بجوا کر میدان میں صف آرا ہوا۔ لشکرِ اسلام نے امیر کی جا پر رستم پیلتن کو قرار دے کر صف آرائی کی۔ لندھور بن سعدان شاہزادے سے رخصت ہو کر کیومرث کے مقابل ہوا۔ کیومرث نے گھوڑے کو کاوہ دے کر نیزہ لندھور کے سر پر مارا۔ لندھور نے ڈھال کے جھٹکے سے اس کو رد کیا اور چاہا کہ گرز اس کو مارے۔ اس نے گھوڑے کی باگ پھیر کر، دوسرا وار لندھور پر کر کے لندھور کو زخمی کیا۔ لندھور مجروح اپنے خیمے میں پہنچ کر بیہوش ہوگیا۔ عمرو نے جھٹ پٹ ایک پٹی نوشدارو کی لندھور کے زخم پر باندھی۔ فرہاد بن لندھور نے اپنے باپ کو مجروح دیکھ کر کیومرث کا مقابلہ کیا۔ وہ بھی زخمی ہو کر پھرا۔ اس کے بعد سرکوب ترک نے اس کا سامنا کیا۔ وہ بھی گھائل ہوا۔ اتنے میں شام ہوگئی، دونوں لشکروں میں طبلِ بازگشت بجا۔

شب کو وہ فاحشہ پھر امیر کے پاس گئی اور خبر دی کہ آج تمھارے لشکر کے فلانے فلانے تین پہلوان کیومرث کے ہاتھ سے زخمی ہوئے۔ امیر نے کہا کہ حیف ہے، اس وقت میں تو نے مجھ کو قید کر رکھا ہے۔ مجھے

چھوڑ دے کہ میں کیومرث کو نیزہ بازی کا مزہ دکھلاؤں۔ وہ قحبہ بولی کہ جب تک میں کامیاب نہ ہوں گی، ہرگز ہرگز تجھ کو نہ چھوڑوں گی۔ امیر نے کہا کہ چھوڑ یا نہ چھوڑ، مجھ سے تو ایسی حرکت پوچ نہ ہوگی۔ غرض کہ وہ شب بھی اسی گفتگو میں فجر ہوگئی۔ وہ بدمست بدستور امیر کو چھوڑ کر اپنے خیمے میں گئی۔ کیومرث پھر میدان میں آکر للکارا کہ جس کے سر پر قضا کھیلتی ہو وہ میرے سامنے آوے۔ سعد یمانی شاہزادے سے رخصت ہو کر کیومرث کے روبرو گیا۔ کیومرث نے نیزہ اس پر چلایا۔ سعد نے رد کیا۔ چار پانچ طعن کے بعد کیومرث نے غافل پاکر سعد کو بھی زخمی کیا۔ اسی میں شام ہوگئی، دونوں لشکر رزم گاہ سے پھرے۔

رات کو پھر وہ فاجرہ امیر کی خدمت میں گئی اور اپنا اشتیاق بہ صد زار نالی بیان کرنے لگی۔ اتفاقاً عمرو بن امیہ امیر کو تلاش کرتے کرتے ادھر کو جا نکلا۔ باتیں اس لکاتہ کی سن کر اس کے سامنے گیا۔ وہ عمرو کی صورت دیکھتے ہی وہاں سے بھاگی۔ عمرو نے امیر سے پوچھا کہ یہ کون تھا؟ اگر حکم ہو تو مار ڈالوں۔ امیر نے فرمایا کہ جانے دو، مت مارو۔ یہ فاحشہ زوجۂ حالِ نوشیرواں ہے۔ عمرو نے چاہا کہ بند امیر کے کھولے۔ امیر نے جو زور کیا، تمام بند چٹ چٹ ٹوٹ گئے۔ عمرو نے کہا کہ دو روز سے کیوں نہ زور کر کے قید سے چھوٹے؟ امیر نے کہا کہ تمام امر موقوف وقت پر ہیں اور خدا کی مرضی یوں ہی تھی کہ مجھ کو ایک عورت بے حقیقت باندھے۔ یہ کہہ کر خندق سے باہر آئے اور شکر خدا کا بجالائے اور سلاح و اشقر کو منگوا کے وہیں سے سوار ہو کر رزم گاہ میں گئے۔ یاروں نے امیر کو دیکھ کر شادیانے بجوائے۔ کیومرث نے میدان میں نکل کر بآوازِ بلند کہا کہ اے عرب، میرے خوف سے کہاں بھاگ گیا تھا؟ امیر نے متبسم ہو کے اشقر کو چمکا کر اس کے مقابل جا کے فرمایا کہ اے زیادہ گو، حربہ کر۔ اس نے گھوڑے کو کاوے پر لگا کے امیر کے سر پر نیزہ لگایا۔ امیر نے نیزے کو پکڑ لیا۔ کیومرث بولا کہ حمزہ، اس قدر میرے نیزے کا خوف تیرے دل پر غالب ہوا کہ نیزہ میرا پکڑ لیا؟ امیر نے ہنس کر فرمایا کہ تو چھین کیوں نہیں لیتا؟ کیومرث نے اپنی قوت بھر زور کیا مگر نیزہ نہ چھین سکا۔ امیر نے ایک جھٹکا دے کر نیزہ اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور زہر تیزے کی انی سے دور کر کے کہا کہ اے کیومرث، تو نیزہ بازی میں مطلق ناقص ہے، اب مجھ سے سیکھ لے۔ یہ کہہ کر ڈانڈ نیزے کی اس زور سے ماری کہ کیومرث تیورا گیا اور مرکب پر سے گر کے مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ امیر مرکب پر سے کود کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور مشکیں کس کر عمرو کے حوالے کیا۔

نوشیرواں نے دیکھا کہ کیومرث گرفتار ہوگیا، بختک سے کہا کہ کیومرث تو گرفتار ہوگیا، اب اپنا سیتا کیا چاہیے۔ بختک نے عرض کی کہ گیلان کو چلیے۔ شاہ گنجال وہاں کا حاکم ہے اور اس کی ایک بیٹی ہے کہ پری بھی حسن و جمال میں اس سے لگا نہیں کھاتی، اور نیزہ بازی و شمشیر بازی و گرز بازی وغیرہ جتنے فنون سپاہ گری کے

ہیں، کوئی اس سے سیکھ لے، اور ایسی شجاع وزورآور ہے کہ بڑے بڑے پہلوانوں کو اس نے زیر کیا ہے، حمزہ کی قوتِ سپاہ گری کو اس کے آگے ہیچ سمجھا چاہیے۔ نوشیرواں نے اسی دم وہاں سے کوچ کیا اور شبانہ روز منزلیں طے کر کے گیلان میں پہنچا اور ایک نامہ بہ مضمونِ زیادتیِ حمزہ وشکستہ حالیِ خود واستدعاے اعانت شاہ گنجال کو لکھا۔ شاہ گنجال نامہ پڑھ کر نوشیرواں کو استقبال کر کے اپنی بارگاہ میں لے آیا اور بہت سا اطمینان کیا۔ نوشیرواں تو خوش وخرم ہو کر امیر کا انتظار کرنے لگا۔ وہاں امیر نے کیومرث سے کہا کہ اب کیا ارادہ ہے؟ کیومرث نے عرض کی کہ ارادہ مسلمان ہونے کا اور تاحیاتِ مستعار آپ کی خدمت گذاری کرنے کا ہے۔ امیر نے اسی دم اس کو مشرف بہ اسلام کیا اور بند اس کے کھول کر خلعتِ فاخرہ پہنایا اور اپنے پہلو میں طلائی کرسی پر بٹھلایا۔ عمرو نے حلقۂ غلامی اس کے کان میں پہنا دیا۔ بعد تناول وطعام جامِ مئے گلرنگ چلنے لگا اور مطربانِ خوش آہنگ نے مجلس کو گرم کیا۔ کیومرث نے ہاتھ باندھ کر امیر سے کہا کہ امیدوار ہوں، میرے شہر میں تشریف لے چلیے کہ خدمت بجا لاؤں۔ امیر دوسرے دن اس کی بارگاہ میں گئے۔ اس نے امیر کو تخت پر بٹھلایا اور آپ دامن گردان کے مثل چاکرانِ کہتر خدمت گذاری میں مصروف ہوا اور ہر ایک یار کی خاطرداری کرنے لگا۔

روانہ ہونا امیر کا شہر گیلان کی طرف اور مسلمان ہونا شاہ گنجال کا اور شادی کرنا امیر کا گیلی سوار دخترِ شاہ گنجال سے

راوی لکھتا ہے کہ اس کے شہر کے متصل مرغزار کثرت سے تھے۔ امیر بہ طمع شکار مدت تک وہاں رہے۔ دن سیر و شکار میں کٹتا تھا اور شب عیش و عشرت میں گذرتی تھی۔ ایک دن عمرو سے پوچھا کہ کچھ نوشیرواں کی خبر ہے، اب اس کو بختک کہاں لے گیا؟ عمرو نے کہا کہ گیلان میں شاہ گنجال کے پاس ہے۔ امیر نے فرمایا کہ گیلان کی بھی سیر کیا چاہیے۔ اسی دن پیش خیمہ روانہ ہوا۔ دوسرے دن امیر چلے۔ چند روز میں شہر گیلان کے متصل خیمہ زن ہوئے۔ جاسوسوں نے شاہ گنجال کو امیر کے پہنچنے کی خبر دی۔ نوشیرواں نے اسی دن طبلِ جنگ بجوایا اور گیلان و مازندران کا لشکر لے کر میدان میں صف آرا ہوا۔ امیر نے بھی اس کے مقابل اپنے لشکر کو قائم کیا۔ ہنوز دو طرف سے کوئی میدان میں نہ نکلا تھا کہ جنگل کی طرف سے گرد اڑی۔ دونوں لشکر دیکھنے لگے کہ کون کس کی مدد کو آتا ہے۔ گرد کا دامن چاک ہوتے ہی ایک سوار نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے نظر آیا اور خراماں خراماں میدان میں آکر دونوں لشکروں کی طرف دیکھ کر لشکرِ اسلام سے مبارز طلب ہوا۔ شیر مار شروانی امیر سے اجازت لے کر اس کے مقابل ہوا۔ اس صحرائی نے پہلے ہی وار میں شیر مار کو نیزہ مار کے گھوڑے سے گرا دیا اور کہا کہ تجھے کیا ماروں، جا کسی اور کو بھیج دے۔ تاز ترک نے جا کر اس کا سامنا کیا۔ اس نے کمر میں ہاتھ ڈال کے تاز ترک کو زمین پر دے مارا اور کہا کہ جا، دوسرے کو بھیج۔ کاؤس شروانی نے جا کر اس کا مقابلہ کیا۔ یہی حال کاؤس کا بھی ہوا، کہ اس میں شام ہوگئی۔ کاؤس اپنی خیمہ گاہ کی طرف اور وہ جنگل کی طرف پھرا۔ امیر عمرو کو ساتھ لے کر دریافتِ حال کے واسطے اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ اس سوار نے آہٹ پا کر پیچھے پھر کے جو دیکھا تو دو سوار اس کو نظر آئے۔ جلدی سے ایک باغ میں گھس گیا۔ امیر بھی اس کے تعاقب باغ میں گئے۔ باغ کو کمال تکلف سے

آراستہ پایا۔ ایک گوشے میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ دیکھا کہ وہ سوار مرکب سے اتر کر لبِ حوض کھڑا ہوا۔ چار طرف سے چوبدار و یساول و خدمت گذار دوڑے، مگر سب عورتیں تھیں، مرد کا وہاں نام بھی نہ تھا۔ امیر نے عمرو سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے یہ سوار عورت ہے۔ ناگاہ اس کی بھی نگاہ امیر پر پڑی۔ خواجہ سرا کو بھیجا کہ دریافت تو کرو، یہ دونوں سوار کون ہیں اور نام ان کا کیا ہے اور یہاں آنے سے کیا مطلب ہے؟ خواجہ سرا نے آ کر امیر سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے اور یہاں کیوں آئے ہو؟ امیر نے فرمایا کہ حمزہ میرا نام ہے اور یہ رفیق میرا خواجہ عمرو عیار بن امیہ ضمیری کہلاتا ہے۔ مگر اے محلی، یہ تو کہہ، تیری شاہزادی کا کیا نام ہے؟ وہ بولا کہ میری شاہزادی کو گیلی سوار کہتے ہیں۔ یہ کہہ کر شاہزادی کے پاس دوڑا گیا اور حقیقتِ حال بیان کی۔ شاہزادی نے بارہ دری میں جا کر لباسِ مردانہ و سلاح اتار کے پوشاکِ زنانہ پہنی اور امیر کو استقبال کر کے بارہ دری میں لے جا کر مسند پر بٹھلایا اور خاصہ امیر کے ساتھ تناول کر کے ساقیانِ سیمیں وش کو طلب کیا۔ پہلے جامِ بلوریں مئے گلرنگ سے بھر کے اپنے ہاتھ سے امیر کو دیا، بعد ازاں آپ پیا۔ جب دو چار جام کے پینے کی نوبت پہنچی، شاہزادی کو سرور ہوا۔ نقاب چہرے سے اٹھا کر امیر کی گود میں آ بیٹھی۔ امیر نے جو اس ماہ پارہ سے چار آنکھیں کیں، ناوکِ مژگاں اس کمانِ ابرو کا امیر کے جگر میں تالبِ معشوق غرق ہو گیا۔ بے ساختہ عقد کی استدعا کی۔ وہاں تو مادّہ موجود ہی تھا، اس نے قبول کیا۔ خواجہ نے فی الفور صیغہ پڑھایا۔ دونوں نے چھپر کھٹ پر جا کر دادِ عیش کی دی۔

ناگاہ یہ خبر گنجال کو پہنچی۔ فی الفور چار ہزار سوار سے باغ کو آ کر گھیر لیا۔ شاہزادی نے امیر سے کہا کہ اگر کہو تو اس کا سر کاٹ لاؤں۔ امیر نے کہا کہ لاکھ ہو، پھر تمھارا باپ ہے، تمھارا ہاتھ کبھی اس پر نہ اٹھے گا۔ مگر میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر باغ کے باہر آئے۔ گنجال امیر کو دیکھ کر بولا کہ او عرب، یہ بھی تو نے نوشیرواں کی بیٹی بنائی ہے کہ زبردستی اپنے عقد میں لایا؟ دیکھ تو تجھے کیسی سزا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر تلوار کھینچ کر امیر پر دوڑا۔ امیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس زور سے کمان ماری کہ گھوڑے پر سے گر پڑا۔ امیر خنجر نکال کے اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے اور کہا کہ خدائے عزوجل لاشریک ہے اور دین ابراہیم کا برحق ہے۔ اس نے بہ خوشی تمام امیر کے قول کا اعادہ کیا۔ امیر نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ اپنی بیٹی کے پاس آیا اور اس سے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا۔ یہ خبر تمام اطراف و اکناف میں منتشر ہو گئی۔

ایک شب کو امیر گیلی سوار کے ساتھ باغ میں سوئے تھے کہ زر انگیز زوجۂ نوشیرواں، جس نے تین دن تک امیر کو خندق میں قید رکھا تھا، لباسِ شبروی پہن کے تیر و کمان ہاتھ میں لے کر باغ میں آئی۔ دیکھا کہ امیر گیلی سوار کو گود میں لیے ہوئے سو رہے ہیں۔ سانپ سا اس کے کلیجے پر لوٹا۔ دل میں کہا کہ حمزہ نے مجھ کو قبول نہ کیا اور گیلی سوار کے ساتھ عقد کیا، تو دونوں کو اس دم قتل کر۔ چاہتی تھی کہ وار اپنا کرے، گیلی سوار کی آنکھ کھل گئی۔

گیلی سوار اس کو دیکھ کر چھپر کھٹ پر سے اٹھی۔ وہ سقفِ بام سے نیچے پہنچی۔ ہرگاہ گیلی سوار کوشک سے اتری، وہ گھوڑے پر سوار ہو کے چل دی۔ گیلی سوار نے بھی گھوڑے پر سوار ہو کے اس کا پیچھا کیا۔ جب باغ سے نکل کر میدان میں دونوں پہنچیں، وہ قحبہ پھر کر کھڑی ہوئی اور بولی کہ میں باغ سے حمزہ کی دہشت سے بھاگی، تجھ سے نہیں بھاگی۔ یہ کہہ کر ایک تیر گیلی سوار پر چلایا۔ گیلی سوار نے اس کو تلوار سے کاٹ کر گھوڑے کو آسن سے دبایا، گھوڑا بجلی کی طرح سے کوند کر اس کے سر پر پہنچا۔ گیلی سوار نے رکاب سے رکاب ملا کر ایک ہاتھ ایسا اس کے لگایا کہ دو ٹکڑے ہو کے زمین پر گر پڑی۔ امیر بھی دور سے کھڑے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب گیلی سوار نے زرانگیز کو مارا، امیر نے پکار کر کہا، اے گیلی سوار، یہ تم نے کیا کیا! نوشیرواں جانے گا کہ حمزہ نے مارا، اور مفت میں خجل ہوگا۔ گیلی سوار بولی کہ اب تو جو ہونا تھا وہ ہوا، چارہ کیا ہے۔ امیر گیلی سوار کو لے کر باغ میں داخل ہوئے اور آرام کیا۔

صبح کو نوشیرواں کو خبر ہوئی کہ زرانگیز مری ہوئی میدان میں پڑی ہے۔ عیاروں سے لاش اٹھوا منگوائی اور بہت سا افسوس کر کے کہنے لگا کہ معلوم ہوا یہ فاجرہ حمزہ کے پاس گئی تھی، اسی نے اس کو مارا ہے۔ حیف صد حیف، ہماری ایسی نوبت پہنچی کہ ہماری بغل سے عورت اٹھ کر دوسرے مرد کے پاس جاوے۔ اب میں لوگوں کو کیا منھ دکھاؤں گا! یہ کہہ کر اپنے غلاموں سے کہا کہ بہت دن سلطنت کی، اب جی چاہتا ہے کہ ملک بہ ملک سیر کرتے پھریے۔ وہ بولے کہ ہم فرمانبردار ہیں، جیسا حکم ہوگا بجا لائیں گے۔ نوشیرواں نے آدھی رات گئے بہت سا مال و جواہر و زرِ نقد خرجیوں میں بھر کر ہزار نفر غلام کو ساتھ لیا اور شہر سے باہر نکل کر ختن کی راہ لی۔ اگر کوئی پوچھتا تھا تو سوداگر اپنے کو بتاتا تھا۔ یہاں لشکر میں صبح غل مچا کہ نوشیرواں غائب ہے۔ کسی نے کہا کہ امیر نے مار ڈالا، کوئی بولا کہ عمرو چرا لے گیا، مگر بزرجمہر نے کہا کہ اگر حمزہ مار ڈالتا یا عمرو چرا لے جاتا تو ہزار سوار کیا ہو جاتے؟ نوشیرواں زرانگیز کی اس حرکت سے خجل ہو کر کسی طرف چلا گیا۔ ہرمز تاجدار نے چار طرف لوگ تلاش کرنے کو بھیجے اور ہرمز بہ شورۂ اہالی و موالی و ارکانِ دولت تخت پر بیٹھا۔

نوشیرواں کا حال سنیے کہ یہ جا بجا اپنے کو سوداگر بتاتا منزل بہ منزل چلا جاتا تھا۔ اتفاقاً جاسوسوں نے یہ خبر بہرام نامی رہزن کو پہنچائی کہ ایک سوداگر بڑے طمطراق سے ختن کی طرف جاتا ہے۔ وہ کئی ہزار رہزن ہمراہ لے کر سدِ راہ ہوا۔ نوشیرواں نے رہزنوں کی خبر پا کے اس دن اسی جا پر مقام کیا۔ بہرام نصف شب کو مع فوج نوشیرواں کے اوپر آ گرا۔ اکثر غلام مارے گئے اور تمام مال و اسباب غارت ہوا، اور نوشیرواں کو بھی پکڑ کے لے گیا۔ مقام پر جا کے پوچھا کہ اے بوڑھے، سچ کہہ، تو کون ہے؟ نوشیرواں نے کہا کہ میں نوشیرواں بن قباد ہوں۔ بہرام نے کہا کہ اے پیرِ بے پیر، جھوٹ کیوں بولتا ہے؟ کہاں نوشیرواں اور کہاں تو! نوشیرواں ہفت

اقلیم کا بادشاہ ہے، اس کو سوداگری سے کیا کام ہے؟ یہ کہہ کے گردنیاں دے کر نکال دیا۔ نوشیرواں لباسِ فقیری پہن کر ایک دن کی راہ چار دن میں قطع کر کے ختن میں پہنچا۔ اجنبی دیکھ کر ہر شخص پوچھتا تھا کہ اے درویش، تیرا کہاں سے آنا ہوا؟ تو نوشیرواں کہتا تھا کہ میں نوشیرواں بن قباد ہوں، پیشۂ تجارت اختیار کر کے اس طرف کو چلا تھا۔ اثنائے راہ میں بہرام رہزن نے مجھ کو لوٹ لیا۔ جب کچھ نہ رہا، مجبور فقیری اختیار کی۔ سامع اس کو جھوٹا سمجھ کر دھتکارتا تھا۔ شدہ شدہ یہ خبر بادشاہِ ختن کو پہنچی کہ ایک فقیر اس شہر میں وارد ہوا ہے، جو کوئی اس سے پوچھتا ہے کہ تو کون ہے تو کہتا ہے کہ میں نوشیرواں بن قباد ہوں۔ بادشاہ نے اپنے روبرو بلایا اور کیفیت پوچھی۔ اس نے اس سے بھی وہی کہا جو کہتا تھ۔ بادشاہ کو یقین نہ ہوا، حکم کیا کہ اس جھوٹے درویش کو ہماری سرحد سے نکال دو۔ المختصر، جس شہر یا گاؤں میں جاتا تھا اور لوگوں سے اپنا سچ سچ حال بیان کرتا تھا، لوگ اسے کاذب سمجھ کر اس مقام سے نکال دیتے تھے۔ پھرتے پھرتے آتش کدۂ نمرود پر پہنچا۔ وہاں معمول تھا جو مسافر وارد ہو، تین دن اس کو کھانا ملے، چوتھے دن رخصت کر دیتے تھے، اور اگر کوئی رہا تو اس کو جنگل سے لکڑی آتش کدے کے واسطے لانی پڑتی تھی۔ اس سبب سے تین دن تو نوشیرواں کو کھانا ملا، چوتھے دن جواب دیا اور کہا کہ اگر لکڑی جنگل سے لاتو البتہ کھانا ملے گا۔ نوشیرواں نے کبھی کاہے کو لکڑی کاٹی تھی مگر پیٹ بری چیز ہے، مجبور جنگل میں گیا اور کسی قدر لکڑی کاٹ کر لایا۔ داروغہ نے کہا کہ یہ فقیر لکڑی بہت کم لایا ہے، اسی مقدار پر اس کو کھانا بھی دیا جائے۔ نوشیرواں اس دن بھوکا رہا۔ دوسرے دن جو لکڑی کاٹنے گیا، اپنے سے تو نہ ہو سکا، اوروں کی لکڑی کاٹی ہوئی میں سے چرا کر اپنے گٹھے میں رکھنے لگا۔ ناگہاں کسی نے دیکھ پایا۔ سبھوں نے مل کر خوب نوشیرواں کی ہڈیاں نرم کیں اور کہا کہ او فقیر، تو چور بھی ہے؟ ہماری لکڑیاں کاٹی ہوئی چرا چرا کر اپنے گٹھے میں رکھتا ہے! مثل مشہور ہے کہ بانس کے بانس، ملاہی کی ملاہی۔ مارا تو مارا، لکڑیاں بھی ان لوگوں نے چھین لیں۔ نوشیرواں پہلے دن سے بھی کم لکڑی لایا۔ اس دن اور بھی کھانا کم پایا۔ الغرض، جس قدر لکڑیاں جنگل سے کاٹ کر لاتا تھا اس قدر کھانا بھی ملتا تھا۔

اب ذرا نوشیرواں کے لشکر کا حال سنیے۔ ہرمز نے بزرجمہر سے کہا کہ لوگوں نے ہر چند تلاش کیا مگر بادشاہ کا سراغ نہ ملا۔ آپ تو رمل سے دریافت کیجیے۔ بزرجمہر نے کہا کہ میں پہلے ہی دریافت کر چکا ہوں۔ نوشیرواں آتشکدۂ نمرود میں ہے اور بڑی تکلیف میں ہے۔ اگر کوئی معین نہ پہنچے گا تو صبح شام مر جائے گا۔ ہرمز نے کہا کہ خواجہ، تم نوشیرواں کو جا کر لے آؤ۔ بزرجمہر نے کہا کہ میرے یا تمھارے جانے سے کام نہ نکلے گا، جب تک حمزہ نہ جائے گا۔ ہرمز بولا کہ حمزہ کاہے کو جائے گا۔ بزرجمہر نے کہا کہ اگر تمھاری ماں حمزہ کو لکھیں گی تو بلا شبہ حمزہ جا کر نوشیرواں کو لے آئے گا، کہ بے مروت نہیں۔ ہرمز نے جا کر اپنی ماں سے مشرح حال بیان کیا۔ مہر انگیز

بانو نے ایک خط حمزہ کو اس مضمون کا لکھا کہ اے فرزندِ سعادت مند، اگرچہ مہرنگار کے مرنے سے رشتۂ رشتہ ٹوٹ گیا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بختک بدذات و بے حیا کے کہنے سے نوشیرواں نے سوائے بدی کے تمھارے ساتھ نیکی نہیں کی، لیکن چونکہ تم کو خدا نے سعادت مند و اولوالعزم و صاحبِ مروت و ہمت پیدا کیا ہے، اس واسطے لکھتی ہوں کہ تم جا کر آتشکدۂ نمرود سے بادشاہ کو لے آؤ، نہیں تو اس کا کام تمام ہو جائے گا۔ اور یہ تکلیفِ مالایطاق جو اٹھاؤ گے تو لوگ جا بجا یہ نیکی تمھارا چرچا کریں گے اور ثواب بھی ہوگا، کیونکر کہ اس وقت بادشاہ بڑی مصیبت میں گرفتار ہے۔ امیر نے خط پڑھ کے عمرو کو بزرجمہر کے پاس بھیجا کہ آپ کے نزدیک بادشاہ کہاں ہے؟ بزرجمہر نے کہا کہ امیر سے کہہ دینا، نوشیرواں آتشکدۂ نمرود میں ہے۔ اگر پیادہ جاؤ گے اور جلد پہنچو گے تو نوشیرواں کو پاؤ گے، نہیں تو خدا جانے اس کا کیا حال ہوگا۔

جانا امیر کا آتشکدۂ نمرود کی طرف نوشیرواں کے لانے کے واسطے اور بعدِ مراجعت شادی کرنا نوشیرواں کی دوسری بیٹی سے

راوی روایت کرتا ہے کہ امیر پوشاک اتار، تہہ باندھ، دلق پہن، بہ ساعتِ سعید نمرود کے آتش کدے کی طرف روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں امیر کو معلوم ہوا کہ بہرام رہزن نے نوشیرواں کو لوٹا تھا، لہٰذا بہرام کے قلعے کے نیچے جا کر اس زور سے نعرہ کیا کہ قلعہ تھرا گیا۔ بہرام گھبرا کر ہزار سوار ساتھ لے کر قلعے سے باہر نکلا۔ امیر کو تنہا دیکھ کر گرز گھما کے مارا۔ امیر نے گرز اس کا چوب دستی سے رد کیا اور وہی لکڑی اس زور سے ماری کہ بہرام چاروں شانے چت زمین پر گر پڑا۔ فوراً چھاتی پر چڑھ کے کہا کہ خدا واحد ہے اور دینِ ابراہیم برحق ہے۔ بہرام بولا کہ پہلے آپ اپنا نام مجھ کو بتائیے، پیچھے جو کچھ کہنا ہوگا کہوں گا۔ امیر نے فرمایا کہ میرا نام حمزہ ہے۔ بہرام نے نام سنتے ہی بہ صدقِ دل کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کیا اور امیر کو اپنے قلعے میں لے جا کر کئی دن تک دعوت کی۔ امیر نے نوشیرواں کا حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ یا امیر، نوشیرواں کے باب میں میرا ہی قصور ہے۔ میں نے سوداگر سمجھ کر اس کو لوٹا۔ جب اس نے کہا کہ میں نوشیرواں بن قباد ہوں، مجھ کو یقین نہ آیا، جھوٹا سمجھ کر اس کو بہ ذلت وخواری نکال دیا۔ شاید ختن کی طرف گیا ہے۔ یہ سن کر امیر عازمِ ختن ہوئے۔ بہرام بھی ایک ہزار دینار کمر میں باندھ کر امیر کے ہمراہ ہوا۔ چند روز میں ختن پہنچے۔ ہر ایک سے حلیہ بتا کے پوچھنا شروع کیا۔ لوگوں نے کہا کہ فی الحقیقت ایک بوڑھا فقیر اس شہر میں آیا تھا، اپنے کو نوشیرواں بن قباد کہتا تھا، حاکم نے اس شہر کے اس کی دروغ گوئی پر شہر بدر کر دیا، پھر نہیں معلوم کہ وہ کدھر گیا۔ امیر و بہرام شہر کے باہر نکلے اثنائے راہ

میں دو شخص آپس میں باتیں کرتے آتے تھے۔ ایک شخص نے تو کہا کہ ایسا خبطی فقیر بھی نہیں دیکھا کہ اس سن اور اس حالت میں لن ترانی کی لیتا ہے۔ دوسرا بولا کہ بھائی، تعجب کیا ہے کہ وہ راست گو ہو اور گردشِ فلکی نے یہاں تک نوبت پہنچائی ہو۔ امیر نے ان کی باتیں سن کر ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آتے ہو اور یہ کس کا ذکر ہے؟ وہ بولے کہ ہم اہلِ حرفہ ہیں، آتش کدۂ نمرود سے آتے ہیں۔ وہاں ایک بوڑھا فقیر کسی طرف سے وارد ہوا ہے، اپنے کو نوشیرواں بن قباد بتاتا ہے، لوگ اس کی دروغ گوئی پر اس کو بھیک بھی نہیں دیتے ہیں، خار کشی کرتا ہے تو آتش کدے سے قوتِ لایموت اس کو ملتی ہے۔ امیر یہ سن کر آتش کدے کی طرف روانہ ہوئے۔ ہرگاہ آتش کدے میں پہنچے، خادموں نے امیر کو دیکھ کر کھانا لا کے سامنے رکھا۔ امیر نے مع بہرام کھانا نوش فرمایا اور وہیں بیٹھ کر آیند و روند کو دیکھنے لگے۔ شام کو خار کش لکڑیوں کا بوجھ لے کر پہنچے۔ آتش کدے کے خادم نے ایک ایک روٹی سب کو دی۔ سب کے پیچھے نوشیرواں بھی تھوڑی سی لکڑیاں سر پر رکھے پہنچا۔ آتش کدے کے خادم نے لکڑیوں کو دیکھ کر کہا کہ اے بوڑھے، تو لکڑیاں تو سب کے برابر لا نہیں سکتا، تجھ کو ایک روٹی کیونکر ملے گی؟ یہ کہہ کر آدھی روٹی نوشیرواں کو دی۔ نوشیرواں نے آدھی ہی روٹی کو غنیمت جانا۔ خادم سے لے کر، کھا کے ایک گوشے میں بیٹھ رہا۔ امیر نوشیرواں کو دیکھ کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا کہ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَاۤءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَاۤءُ۔ یہ وہی نوشیرواں ہے کہ جس کے دسترخوان پر ہزاروں قسم کا کھانا چنا جاتا تھا۔ ایک خوان کھانے کا بڑے تکلف سے خادمِ آتش کدہ نے امیر کے واسطے بھیجا۔ امیر نے بہرام سے کہا کہ تم جا کر نوشیرواں کو بلا لاؤ، مگر میرا ذکر اس سے نہ کرنا۔ اور اس کو بھی نوشیرواں کہہ کر نہ پکارنا، کہنا کہ اے بوڑھے، یہاں آ، کھانا کھا جا۔ بہرام نے حسب الارشاد امیر نوشیرواں کو پکارا۔ وہ کھانے کا نام سنتے ہی دوڑ کر امیر کے سامنے آیا۔ امیر نوشیرواں کی تعظیم کر کے بے اختیار رونے لگے۔ نوشیرواں بولا کہ اے جوان صاحب ہمت، مجھ پر نوازش کر کے روتا کیوں ہے؟ امیر نے کہا کہ آپ کی صورت میرے باپ کی صورت سے مشابہہ ہے، اس سے مجھ کو رونا آیا۔ امیر نوشیرواں کو اپنے پاس بٹھا کے اپنے ہاتھ سے نوالے کھلانے لگے۔ جب نوشیرواں سیر ہو کر کھا چکا، امیر سے پوچھنے لگا کہ اے جوان، سچ بتا، تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ امیر نے فرمایا کہ سپاہی ہوں اور ہمیشہ سفر میں اوقات بسر کرتا ہوں، مگر تو بتا کہ کون ہے اور تیرا کیا نام ہے؟ وہ بولا کہ اے جوان، میرے نام سے تجھ کو کیا کام ہے؟ اگر راست راست کہوں گا تو ابھی مار پیٹ کر اپنے پاس سے دور کرے گا۔ امیر نے سوگند یاد کی کہ میں ہرگز تم کو کچھ نہ کہوں گا، سچ سچ کہو۔ بوڑھا بولا کہ میں نوشیرواں بن قباد ہوں، گردشِ آسمانی سے اس نوبت کو پہنچا ہوں۔ امیر نے کہا کہ تم نے اپنا جاہ و حشم و ملک و مال چھوڑ کر کیوں اپنے کو اس خرابی میں ڈالا؟ نوشیرواں بولا کہ حمزہ نامی ایک عرب کے ظلم سے سلطنت چھوڑ کر چند روز سوداگری میں

گذرانے۔ ایک دن بہرام نامی رہزن نے لوٹ لیا۔ وہاں سے افتاں وخیزاں یہاں تک پہنچا۔ سچ ہے کہ تدبیر تابعِ تقدیر ہے۔ امیر نے پوچھا کہ حمزہ نے تم پر کیا ظلم کیا؟ نوشیرواں بولا کہ پہلے وہ میرا تابعدار تھا، پھر میری بیٹی پر عاشق ہوا اور بے اجازت میری اس کو نکال کر لے گیا۔ میں تنگ سمجھ کر اس کے لیے شہر بہ شہر گھومتا پھرا۔ امیر نے کہا کہ میں نے سنا ہے، وہ تمھارا تخت چھیننے کا ارادہ نہیں رکھتا ہے بلکہ تم ہی اس کے دشمن ہو ہمیشہ اس کے قتل کرنے کی فکر میں رہتے ہو۔ نوشیرواں بولا کہ اے جوان، راست تو یہی ہے کہ وہ کبھی میری جان وحکومت کا خواہاں نہیں ہوا، مگر بختک نامی میرا ایک وزیر تھا، اس بدبخت نے میرے اور حمزہ کے درمیان میں عداوت ڈلوائی۔ امیر نے کہا کہ اگر میں حمزہ کو باندھ کر تمھارے حوالے کردوں تو مجھ کو کیا دو گے؟ نوشیرواں خوش ہو کر بولا کہ اے فرزندِ ارجمند، لات ومنات کے فضل وکرم سے وہ بھی دن میں دیکھوں گا کہ وہ سرکش میرے قابو میں آئے گا؟ امیر نے فرمایا کہ تم خاطر جمع رکھو، میں حمزہ کو باندھ کر تمھاری خدمت میں حاضر کردوں گا۔ نوشیرواں نے کہا کہ اے جوان، اگر حمزہ کو تو مجھے پکڑ دے گا تو میں اپنی بیٹی مہر افروز سے تیرا عقد کردوں گا۔ امیر بہ انواعِ تلطف ومدارا نوشیرواں سے پیش آئے اور دوسرے دن لکڑیاں لانے کو جانے نہ دیا۔ دونوں وقت کھانا اپنے ساتھ کھلایا۔ جب تین دن امیر مہمانی کھا چکے، چوتھے دن آتش کدے کے خادم نے حسبِ دستور امیر و بہرام سے کہا کہ موافق معمول کے تین دن مہمانی ہو چکی، اب اگر یہاں رہنا منظور ہو تو جنگل سے لکڑیاں لاؤ، حسبِ دستور روٹی پاؤ گے۔ امیر مع بہرام ونوشیرواں جنگل کی طرف گئے اور ایک درخت کے سائے میں پاؤں پھیلا کر سو رہے۔ جب تھوڑا سا دن باقی رہا، نوشیرواں نے امیر سے کہا کہ اے جوان، کب تک سویا کرے گا؟ دن تھوڑا ہے، لکڑی جنگل سے توڑ۔ امیر نے کہا کہ تم بھی سو رہو، ہم تمھارے حصے کی بھی لکڑیاں توڑ دیں گے۔ امیر تو یہ کہہ کر سو رہے، مگر نوشیرواں نے اٹھ کر کچھ لکڑیاں اِدھر اُدھر سے جمع کیں اور دوسرے خارکشوں کی آنکھ بچا کر ان کے بوجھ میں سے چرا کے اپنے گٹھے میں رکھیں۔ امیر نے یہ حرکتِ سخیف نوشیرواں کی دیکھ کر فلک کی طرف نگاہ کر کے فرمایا کہ تیری گردش بادشاہانِ ہفت کشور سے بھی چوری کرواتی ہے! امیر یہ کہہ کر پھر سو رہے۔ جب آفتاب غروب ہونے لگا، نوشیرواں نے امیر کو جگایا اور کہا کہ اے فرزند، تمام دن تم نے سو کے کاٹا۔ اب سب خارکش بوجھ اپنا لے کے چلتے جاتے ہیں، تم لکڑیاں کب توڑو گے اور چلو گے؟ میں نے تو ناچار ہو کے تھوڑی سی لکڑیاں توڑ کر رکھی ہیں۔ امیر نے کہا کہ تم کو منع کیا تھا کہ تم اس محنت سے اپنے کو دور رکھو، پھر تم نے کیوں محنت کی؟ آخر امیر و بہرام نے اٹھ کر سوکھے سوکھے درختوں کو اکھیڑ اکھاڑ زمین پر مار کے توڑ تاڑ بڑے بڑے تین بوجھے باندھے۔ لکڑہارے دیکھ کر کمال متحیر ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ آدمی ہیں یا دیو ہیں کہ بڑے بڑے درختوں کو جڑ سے اکھیڑ ڈالا۔

القصہ، ایک بوجھ امیر نے نوشیرواں کو دیا اور ایک بوجھ بہرام کے حوالے کیا اور ایک بوجھ اپنے سر پر رکھ کر خارکشوں کے آتش کدے کی طرف چلے۔ اثنائے راہ میں دیکھا کہ نوشیرواں لکڑیوں کے بوجھ سے دبا جاتا ہے، بہ ہزار خرابی بصرہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہے۔ امیر نے نوشیرواں کو بھی بوجھ سمیت اپنے سر پر اٹھالیا۔ جب آتش کدے کے قریب پہنچے، نوشیرواں کو سر سے اتار کر بوجھ لکڑیوں کے آتش کدے میں ڈال دیے۔ خادمانِ آتش کدہ دیکھ کر بولے کہ یہ دو آدمی لکڑیاں لانے کے واسطے بس ہیں، دوسرے خارکش کی حاجت نہیں ہے۔ یہ کہہ کر طعامِ لذیذ کثرت سے امیر و بہرام کے واسطے بھیجا۔ امیر نے مع نوشیرواں و بہرام کھانا تناول کیا۔ شب کو امیر نے نوشیرواں سے پوچھا کہ اس آتش کدے کا خرچ کس سے متعلق ہے؟ نوشیرواں بولا کہ اے فرزند، یہ خادم جو ہیں سب میرے غلام ہیں اور خرچ اس کا میری ہی سرکار سے ملتا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ پھر اپنے کو تم ظاہر کیوں نہیں کرتے؟ نوشیرواں نے کہا کہ اے فرزند، جب میں آیا تھا اپنا نام بتایا تھا، مگر کسی نے باور نہ کیا۔ اس قدر خادموں نے مجھے مارا کہ سر سے پاؤں تک میں سوج کر کپا ہوگیا۔ امیر نے کہا کہ اگر تم قسم کھاؤ کہ میں پھر کبھی آتش پرستی نہ کروں گا اور خدا کو واحد و دینِ ابراہیم کو برحق جانوں گا تو میں ان خادموں کو مار کر آتش کدے کو خراب کروں اور تم کو تخت پر بٹھلاؤں۔ نوشیرواں قسمیہ ہوا۔ امیر نے اسی دم آتش کدے میں جاکر ایک خادم کو آگ میں ڈال دیا اور بہتیروں کو جہنم واصل کیا اور آتش کدے کو تہہ خانوں سمیت، کہ اس کے گردو پیش تھے، مسمار کیا۔ لوگوں نے امان مانگی۔ امیر نے امان دے کر کہا کہ اے بدبختو، تم کیا نہیں جانتے تھے کہ نوشیرواں شاہنشاہِ ہفت اقلیم گردشِ فلکی سے بھاگ کر یہاں آیا ہے؟ تم نے اس سے خارکشی کروا کے بھی پیٹ بھر کے روٹی نہ دی۔ سب آن کر بادشاہ کے قدموں پر گرے اور عرض کی کہ ہم مطلق ناواقف تھے، امیدوار معافی کے ہیں۔ نوشیرواں نے سب کو معاف کیا اور وہاں کے تحصیلدار سے خزانہ طلب کرکے لٹانا شروع کیا اور سامانِ سلطنت تیار کرکے بڑی دھوم دھام سے شہرِ ختن میں داخل ہوا۔ وہاں کا بادشاہ نوشیرواں کے استقبال کے واسطے اپنے دولت خانے سے نکلا۔ نوشیرواں نے امیر سے کہا کہ اے فرزند، اس بادشاہ نے مجھ کو کیا کیا ایذا و ذلت نہیں دی ہے، اس کو قتل کرو۔ شاہ ختن نے امیر کو اپنا شفیع کرکے قصور معاف کروایا اور بہت سا عذر کیا کہ میں نے پہچانا نہ تھا اور سبب نہ پہچاننے کا یہ ہے کہ کبھی حضور کی زیارت نہ کی تھی۔

بارے بادشاہ نے امیر کی خاطر سے شاہِ ختن کا قصور معاف کیا اور امیر سے کہا کہ میں شاہِ ختن کا قصور تمھاری خاطر سے معاف کرتا ہوں، لیکن تم کو بھی اتنا میرا کام کرنا ہوگا کہ حمزہ کو گرفتار کرکے میرے حوالے کردینا۔ امیر نے کہا کہ بسر و چشم۔ بعد ازاں امیر نے فرمایا کہ ہم تم تنہا تمھارے لشکر میں جاویں، دیکھیں تو کوئی پہچانتا ہے یا نہیں۔ امیر و نوشیرواں سابق لشکر کے بازار میں ایک نانبائی کی دکان پر روٹی مول لے کر کھانے

لگے۔ اتفاقاً مقبل اشقر کو پانی پلانے لے جاتا تھا۔ اشقر امیر کی بو پا کر کھڑا ہو گیا۔ اور عمرو کا بھی اس وقت اس طرف سے گذر ہوا۔ دیکھا کہ امیر نوشیرواں ایک اجنبی آدمی کو ساتھ لے کر کھانا کھا رہے ہیں۔ عمرو نے سلام کر کے امیر سے کہا کہ یا امیر، خوش رفتی و خوش آمدی! نوشیرواں نے اس وقت امیر کو پہچانا اور اپنے دل میں کہا کہ اتنے دنوں تک حمزہ کا اور میرا ساتھ رہا مگر حمزہ کو نہ پہچانا اور کیا کیا نہ حمزہ کی بدگوئی حمزہ سے کی، البتہ حمزہ اپنے دل میں ناخوش ہوا ہوگا۔ یہ سوچ کر وہاں سے اٹھ کے اپنے لشکر میں گیا۔ ارکانِ دولت نوشیرواں کو دیکھ کر باغ باغ ہوئے اور اسی دم تخت پر بٹھلا کے شادیانے بجوائے۔ امیر بھی اپنے لشکر میں جا کر یاروں سے ملے اور تمام سرگذشت بیان کی۔ دوسرے دن امیر نے سعد سے فرمایا کہ میرے ہاتھ میں رسی باندھ کر نوشیرواں کے پاس لے چلو کہ ایفائے وعدہ ہو۔ عمرو بولا کہ میری رائے نہیں ہے کہ تم اس طرح سے نوشیرواں کے پاس جاؤ، مبادا قابو پا کر بہ بدی پیش آوے۔ امیر نے فرمایا کہ میں اپنی تقدیر پر شاکر ہوں۔ جب تک خدا کا فضل ہے وہ میرا کیا کر سکتا ہے۔ الآخر سعد امیر کو لے کر نوشیرواں کے پاس گیا۔ نوشیرواں نے ہکا بکا ہو کر پوچھا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ امیر نے کہا کہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ حمزہ کو باندھ کر تمھارے حوالے کروں گا، سو اقرار پورا کرنے کے واسطے اپنے کو بندھوا کر آپ کے پاس حاضر کیا، اب آپ بھی اپنا وعدہ وفا کیجیے۔ بختک نے اٹھ کر نوشیرواں کے کان میں کہا کہ حمزہ اس وقت بآسانی تمام مارا جا سکتا ہے، پھر ایسا وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔ نوشیرواں نے کچھ جواب نہ دیا۔ امیر نے عقلیہ دریافت کیا کہ نوشیرواں مجھ سے صاف نہیں ہے، ہاتھ کھول کر سعد سے فرمایا کہ اس بختک بدبخت کو پکڑ کے شلاق کرو۔ سعد نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ نوشیرواں بختک کا حال دیکھ کر محل میں چلا گیا۔ بختکِ بداختر کی اعانت کرنے کو جس نے چاہا، وہ امیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔

القصہ، امیر اپنے لشکر میں آئے اور دوسرے دن عمرو کو نوشیرواں کے پاس بھیجا کہ میں نے اپنا وعدہ وفا کیا، آپ سے بھی ایفائے وعدہ چاہتا ہوں، یعنی ملکہ مہرافروز سے میرا عقد کر دیجیے۔ عمرو نے نوشیرواں کے پاس جا کر امیر کا پیغام ادا کیا۔ نوشیرواں نے وزرا و نُدما سے بیان کیا کہ میں نے حمزہ سے وعدہ کیا ہے کہ مہرافروز کا عقد تیرے ساتھ کر دوں گا، پس اس امر میں تمھاری کیا صلاح ہے؟ ایک منھ ہو کر سب بولے کہ ایک بیٹی دے کر تو حضور آج تک ملک ملک خراب و خستہ پھرتے ہیں، دوسری بیٹی دے کر دیکھا چاہیے کہ کیا گت ہوتی ہے۔ اور سوائے اس کے، شاہانِ املاک و امصار سن کر کیا کہیں گے؟ نوشیرواں بولا کہ ہرگاہ ایک بیٹی دی، دوسری بیٹی کے دینے میں کیا قباحت ہے؟ اور میرے نزدیک حمزہ سے بہتر داماد میسر نہ آئے گا۔ یہ کہہ کر عمرو سے کہا کہ جاؤ حمزہ سے کہو، شادی کی تیاری کرے، اور اپنے یہاں بھی سامانِ عروسی تیار کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے دن ساعتِ نیک دیکھ کر عمرو نے امیر کی عقد خوانی کی۔ امیر مہرافروز کو اپنی بارگاہ میں لے گئے۔ بختک نے جا بجا خط بھیجے کہ

اے شاہو، وائے شاہزادو، حیف ہے کہ تمھارے ہوتے ہوئے ایک ادنیٰ عرب نوشیرواں کی دو دو بیٹیوں سے عقد کرے اور شاہنشاہِ ہفت کشور کا داماد کہلاوے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا ہے، اگر ہمت ہو تو آ کر اس عرب سے مہر افروز کو چھین لو۔ اور تمیع روسا نے باہم مشورہ کر کے ہرمز سے کہا کہ بادشاہ کی تو کبرسنی سے عقل ماری گئی ہے، مگر تم جواں عقل و جواں بخت ہو۔ اگر قصد کرو تو ابھی حمزہ مار لیا جاتا ہے، والّا یہ سلطنت ایک نہ ایک دن تمھارے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ ہرمز نے پوچھا کہ صلاح کیا ہے؟ سبھوں نے کہا کہ بادشاہ سے کہیے کہ البرز میں جا کر شاہِ البرز سے پناہ لیویں۔ اگر حمزہ سے ہزاروں جاویں گے تو پہلوان عادی کے ہاتھ سے مارے جائیں گے۔ اور اگر بادشاہ یہ امر قبول نہ کرے تو بادشاہ کو مدائن کی طرف بھیج دیجیے اور آپ تخت پر بیٹھ کر کوہِ البرز کی طرف روانہ ہو جائیے، دیکھیے تو کیا ہوتا ہے۔ ہرمز نے ارکانِ دولت کے شورے کو بادشاہ سے کہا۔ نوشیرواں بولا کہ صاحبو، مجھ سے کیا کہتے ہو! میں نے کیا کیا تدبیر حمزہ کے مارنے کی نہیں کی مگر حمزہ کا بال بھی ٹیڑھا نہ ہوا۔ اس کو میں کیا کروں، تقدیر بھی کچھ چیز ہے یا نہیں؟ باقی البرز جانے سے اگر حمزہ مارا جائے تو اس سے کیا بہتر ہے۔ کوہِ البرز کی طرف پیشہ خیمہ روانہ کرو۔ الغرض، اس دن تو پیش خیمہ روانہ ہوا، دوسرے دن بادشاہ نے کوچ کیا اور جا بجا سے مدد طلب کی۔

روانہ ہونا امیر کا کوہِ البرز کی طرف

راوی لکھتا ہے کہ عمرو نے امیر کو خبر دی کہ نوشیرواں کو بختک ورغلا کر کوہِ البرز کی طرف لے گیا۔ منصوبہ یہ ہے کہ حمزہ اگر وہاں جاوے تو جیتا بچ کر نہ آوے۔ امیر نے یہ خبر سن کر تبسم کیا اور فرمایا کہ ہمارا بھی پیش خیمہ اس طرف روانہ ہووے۔ وہ شبانہ روز عیش ونشاط میں کاٹا، صبح کوچ کیا۔ جب کوہِ البرز کے دامن میں پہنچے، دیکھا کہ نوشیرواں دامنِ کوہ میں خیمہ زن ہے۔ امیر بھی کچھ فاصلہ دے کر اتر پڑے۔ ہر روز اطراف وجوانب سے نوشیرواں کی مدد آنے لگی۔ ہرگاہ بہرام چوب گرداں و عادی چوب گرداں، کہ پہلوانانِ ہم عصر میں فی المثل تھے، چالیس ہزار سوار کی جمعیت سے پہنچے۔ نوشیرواں نے طبلِ جنگ بجوایا اور لشکر کو رزم گاہ میں صف آرا کیا۔ امیر بھی اس کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ نقیب صفوں کے سامنے پکارنے لگے کہ اے پہلوانو واے بہادرو، آج ننگ و ناموس رکھنے اور باپ دادے کا نام روشن کرنے کا دن ہے۔ چاہیے کہ حریف روبروآ کر جیتا نہ پھرنے پاوے۔ عادی چوب گرداں کو جوشِ شجاعت جو آیا، صف سے نکل کے مبارز طلب ہوا۔ قیماز شاہ خاوری نے، کہ عادیوں کے ملک کا بادشاہ ہے، امیر سے رخصت لے کر عادی چوب گرداں کا مقابلہ کیا۔

اس مابین میں جنگل کی طرف سے ایک سوار آیا اور دونوں لشکروں کے درمیان میں کھڑا ہو کر لشکرِ کفار سے مبارز طلب کیا۔ عادی چوب گردان نے قیماز کو چھوڑ کر اس کا مقابلہ کیا اور ہزار منی گرز اس سوار کے سر پر مارا۔ اس نے سر پر روک کے رد کیا اور رکاب سے رکاب ملا کر اس کی دوالِ کمر پکڑ کر بآسانی تمام گھوڑے پر سے اٹھا کر چرخ دے کر اس زور سے زمین پر دے مارا کہ گویا ہڈیاں اس کی سرمہ ہو گئیں۔ بہرام چوب گرداں نے اپنے بھائی کا حال دیکھ کے میدان میں آ کر اس سوار پر حربہ کیا۔ اس نے اس کا بھی وہی حال کیا۔ تب تو نوشیرواں کے لشکر میں شور پیدا ہوا اور کسی نے اس سوار سے لڑنے کی جرأت نہ کی۔ اس سوار نے جب دیکھا کہ لشکرِ کفار سے کوئی نہیں آتا تب لشکرِ اسلام کی طرف رخ کر کے مبارز طلب ہوا۔ رستم پیلتن نے آ کر اس کی کمر

پکڑی اور اس نے بھی رستم کی کمر پر ہاتھ ڈالا۔ دونوں میں زور ہونے لگا۔ ہرگاہ گھوڑے زانو تک زمین میں دھنس گئے اور ایک دوسرے پر غالب نہ ہوا۔ جنگلی سوار نے رستم سے کہا کہ اب آپ جا کر لشکر میں ستائیے، سعد طوقی کو بھیج دیجیے۔ سعد طوقی سے بھی دو ساعت تک اس سوار نے زور کیا۔ جب کوئی کسی پر بالا دست نہ ہوا تب اس سوار نے سعد بن عمرو کو طلب کیا۔ وہ بھی آ کر برابر رہا۔ آخر اس سوار نے امیر کو بلوایا اور امیر کی کمر پکڑ کے زور کرنے لگا۔ امیر نے ایک نعرہ کیا کہ تمام دشت کانپ گیا اور اس کو کمر پکڑ کر سر پر اٹھالیا اور چرخ دے کر زمین پر دے مارا اور چھاتی پر چڑھ کے چاہا کہ خنجر اس کے گردے میں ماریں، وہ جوان بولا کہ مجھ کو نہ ماریے، میں آپ کا پوتا ہوں۔ پوچھا، کس کا بیٹا ہے؟ التماس کیا کہ رستم پیلتن کا فرزند ہوں اور نام میرا قاسم خاوری ہے۔ امیر نے اٹھ کر اس کو گلے سے لگایا اور سر و رو کے بوسے لیے اور رستم پیلتن سے بلا کر فرمایا کہ اے فرزندِ دلبند، مبارک ہو، یہ تمھارا لختِ جگر ہے۔

اتنے میں ایک سوار، چالیس گز کا قد و قامت، پشتِ لشکرِ کفار سے برآمد ہوا اور میدان میں کھڑا ہو کر ہومان خاوری کو للکارا کہ اگر مردِ میدانِ کارزار ہے تو میرے سامنے آ۔ ہومان اس کے مقابل ہوا۔ اس سوار نے کمر پکڑ کر ہومان کو اٹھالیا اور آہستہ سے زمین پر چھوڑ کے کہا کہ جا، قیماز شاہ خاوری کو بھیج دے۔ قیماز شاہ آن کر اس سے زور کرنے لگا۔ یہاں تک دونوں نے زور کیا کہ ماندے ہو گئے۔ قیماز کو اس نے چھوڑ کر کہا کہ تو جا، حمزہ کو بھیج دے، دیکھوں کہ وہ کتنا زور رکھتا ہے۔ امیر یہ سن کر میدان میں آئے۔ اس نوجوان نے دوڑ کر امیر کی کمر پکڑ لی۔ امیر نے بھی اس کی کمر پر ہاتھ ڈالا اور طرفین سے زور ہونے لگا۔ جب امیر نے دیکھا کہ یہ زیر ہوتا ہی نہیں ہے، نعرہ کر کے اٹھالیا اور پوچھا کہ سچ بتا تو کون ہے، نہیں تو زمین پر پٹک کے ہڈیاں سرمہ کر دوں گا۔ وہ بولا کہ قیس قیماز خاوری میرا نام ہے اور قیماز شاہ کا بیٹا ہوں۔ امیر نے آہستہ سے اسے چھوڑ کر گلے سے لگالیا اور قیماز کو بلا کر فرمایا کہ بیٹا تم کو مبارک ہووے۔ قیماز شاہ بہت خوش ہوا۔ امیر طبلِ بازگشت بجوا کر اس کو لشکر میں لے آئے اور اس دن مجلس جشن کی ترتیب دی۔

دوسرے دن جو میدان میں صف بندی ہوئی، عادی چوب گرداں لشکرِ کفار سے نکلا اور لشکرِ اسلام میں سے فرخاری سرشباں باہر آیا۔ شام تک دونوں میں جنگ رہی مگر کوئی کسی پر مظفر و منصور نہ ہوا۔ رات کو دونوں لشکروں نے آرام کیا، صبح کو پھر صف آرائی ہوئی۔ عادی چوب گرداں نے میدان میں آ کر امیر کو للکارا۔ امیر نے اشقر کو اس طرح میدان میں ڈپٹایا کہ میدان کی زمین اشقر کی ٹاپوں سے اڑ گئی۔ عادی چوب گرداں نے اپنی چوب کو چرخ دے کر امیر کے سر پر مارا۔ امیر نے اس کی چوب دست چھین لی اور اسی چوب کو اس زور سے اس کے بازو پر مارا کہ وہ بیتاب ہو کر زمین پر گر پڑا۔ عمرو نے اس کو باندھ لیا۔ بہرام چوب گرداں نے

میدان میں آ کر امیر کا سامنا کیا، وہ بھی باندھا گیا۔ امیر نقارۂ ظفر بجواتے ہوئے لشکر گاہ کو پھرے۔ شب کو سرِ محفل بہرام و عادی کو طلب کر کے پوچھا کہ اب کیا ارادہ ہے؟ وہ بولے کہ سوائے اطاعت کے اور کیا ارادہ ہو گا! امیر نے ان کو مسلمان کیا اور عمرو نے ان کے کانوں میں حلقہ غلامی کا ڈال دیا۔ امیر نے ان کو خلعت دے کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور اپنے پہلو میں بیٹھنے کو جگہ دی اور دورِ ساغر شروع ہوا۔ بہرام و عادی نے اپنے لشکر سے کہلا بھیجا کہ آج لشکرِ نوشیرواں پر شبخون مار کے لشکرِ اسلام میں داخل ہو۔

داستان پیدا ہونے میں شاہزادہ بدیع الزماں کے گیلی سوار دخترِ ملک گنجال کے بطن سے اور بہا دینا شاہزادے کو صندوق میں بند کر کے دریا میں اور لے جا کر پرورش کرنا قریشہ بنتِ آسمان پری کا شاہزادے کو حضرتِ خضرؑ کے حکم سے

راوی لکھتا ہے کہ امیر نے جب کوہِ البرز کی طرف کوچ کیا تھا، گیلی سوار کو، کہ حاملہ تھی، گنجال کے سپرد کر آئے تھے۔ گنجال احسان فراموش نے لونڈیوں اور دایہ کو بلا کر حکم دیا کہ جب گیلی سوار کے لڑکا پیدا ہووے بجنسہ میرے پاس لے آنا۔ انھوں نے جانا کہ نانا ہے، کوئی بات یمن وسعد اس کے لیے تجویز کی ہوگی، لڑکے کو پیدا ہوتے ہی اس کے پاس حاضر کیا۔ اس بے رحم نے، کہ ترسِ جان سے یہ اسبابِ ظاہر مسلمان ہوا تھا، حکم کیا کہ اس کو مار ڈالو۔ دایہ کو اس کی پیاری پیاری صورت دیکھ کر ترس آیا۔ اس نے شاہ گنجال سے کہا کہ اگر حکم ہو تو اس کو جیتا زمین میں گاڑ دوں؟ بولا کہ بہت اچھی بات ہے۔ دایہ نے ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا۔ اتفاقاً اس دن آسمان پری اور قریشہ دریا کی سیر کو آئی تھیں۔ وہ صندوق بہتے بہتے اسی کنارے سے جا لگا جہاں وہ دونوں وارد تھیں۔ صندوق کو دریا سے نکلوا کر جو کھولا تو ایک لڑکا رشکِ خورشید و غیرتِ ماہ، ہاتھ کا انگوٹھا چوستا نظر آیا، اور اس کی پیشانی پر جو سیاہ داغ چمکتا ہوا دیکھا آسمان پری بولی کہ یہ داغ علامتِ خلیلِ الٰہی ہے۔ اس

میں حضرت خضرؑ نے ظاہر ہو کر آسمان پری سے کہا کہ یہ لڑکا حمزہ کا بیٹا ہے، تم اسے اچھی طرح سے پرورش کیجیو۔ جب بالغ ہووے تب حمزہ کے پاس اس کو بھیج دیجیو، اور نام اس کا بدیع الزماں رکھنا۔ یہ کہہ کر حضرت خضرؑ تو غائب ہو گئے، قریشہ اپنی گود میں اٹھا کے بدیع الزماں کو قاف پر لے گئی اور پریوں کا دودھ پلوا کر بہ کمال حفاظت و احتیاط پرورش کرنے لگی۔ جب سات برس کا ہوا، قریشہ نے فنونِ سپاہ گری میں اس کو طاق کر کے ہتھیار بندھوائے، اور جب کسی مہم پر اس کا جانا ہوتا تو اس کو بھی اپنے ساتھ لے جاتی۔

جب گیارھویں برس میں پاؤں رکھا، قریشہ سے پوچھا کہ میرے باپ ماں کا کیا نام ہے اور کہاں ہیں؟ قریشہ بولی کہ باپ تو میرا تیرا ایک ہی ہے، پردۂ دنیا میں سلطنت کرتا ہے۔ نام اس کا صاحبقراں، گیتی ستاں، زلازلِ قاف، کوچک سلیمان، ابو العلا عرف امیر حمزہ بن عبدالمطلب ہے۔ باقی تیری ماں کے نام سے میں واقف نہیں ہوں کہ وہ کون ہے اور کہاں ہے، اور تمام کیفیت صندوق کی مفصل اس سے بیان کی۔ بدیع الزماں نے کہا کہ مجھ کو میرے باپ کے پاس بھیج دو۔ آسمان پری و قریشہ نے بہت سا تحفہ قاف کا اس کے ساتھ کر کے پریوں کے سپرد کیا کہ اس کو بہ حفاظتِ تمام کوہِ البرز پر لشکرِ اسلام میں پہنچا دو، اور چلتے وقت سمجھا دیا کہ تیرے جتنے بھائی ہیں سب پہلی ملاقات میں امیر سے لڑے ہیں، تو بھی لڑ کر ملازمت کیجیو، اور جمیع اقربا کے نام بتا دیے۔ القصہ، بدیع الزماں ملکہ و آسمان پری سے رخصت ہو کر چند روز کے عرصے میں کوہِ البرز پر پہنچا۔ دیکھا کہ دونوں طرف کے مرکب صف آرا ہیں۔ پریوں نے بدیع الزماں کو دونوں لشکروں کا نشان بتا دیا کہ یہ لشکر تیرے باپ کا اور وہ لشکر حریف کا ہے، اور آپ سب کی نظروں سے پوشیدہ ہو کر تماشا دیکھنے لگیں۔ بدیع الزماں دونوں فوج کے بیچ میں کھڑا ہو کے لشکرِ اسلام کی طرف رخ کر کے للکارا کہ اے عربو، جس کو آرزوے وصالِ شاہدِ مرگ ہو وہ میرے سامنے آوے۔ دونوں لشکر بدیع الزماں کا حسن و جمال، لباس و سلاح دیکھ کر متعجب ہوئے کہ نہ ایسا جوان دیکھا اور نہ ایسا سلاح و لباس کبھی نظر آیا ہے۔ اس میں بدیع الزماں پھر للکارا کہ اے مسلمانو، اتنی دیر سے میں مبارز طلب ہوں، کوئی تم میں سے نہیں آتا۔ ایسی جان پیاری ہے تو سلاح لگا کر میدان میں کیوں آئے ہو؟ اوڑھنی اوڑھ کر گوشے میں کیوں نہیں بیٹھتے؟ یہ آواز سن کر کیومرث نیزہ باز امیر سے رخصت ہو کر بدیع الزماں کے سامنے آیا۔ بدیع الزماں نے نام پوچھا۔ وہ بولا کہ کیومرث کہتے ہیں۔ بدیع الزماں نے حملہ طلب کیا۔ اس نے عذر کیا کہ ہمارے مذہب میں پیش دستی جائز نہیں ہے، پہلے تم حربہ کرو، بشرطِ حیات میں جوابدہ ہوں گا۔ بدیع الزماں نے ہاتھ بڑھا کر اس کو گھوڑے سے اٹھا لیا اور سرگردان کر کے بہ سہولتِ تمام زمین پر چھوڑ کر کہا کہ جا، دوسرے کو بھیج دے۔ قیماز خاوری نے آ کر مقابلہ کیا۔ اس کو بھی شاہزادے نے مثل کیومرث گھوڑے پر سے اوپر اٹھا کر چرخ دے کر کہا کہ جا، دوسرے کو بھیج دے۔ لندھور

نے جا کر سامنا کیا۔ شاہزادے نے نام پوچھ کر مانندِ خلال مرکب سے اٹھا کر زمین پر دے پٹکا اور کہا کہ حمزہ کے فرزندوں میں سے کسی کو بھیج، میں نے سنا ہے کہ وہ بہت زور آور ہیں۔ لندھور نے امیر سے آ کر کہا کہ وہ جوان آپ کی اولاد سے خواہانِ جنگ ہے۔ قاسم خاوری نے امیر سے ان کی اجازت طلب کی۔ امیر نے فرمایا کہ خدا کو سونپا۔ دیکھو، بہت ہوشیاری سے لڑنا، یہ جوان کچھ بے طرح مجھ کو معلوم ہوتا ہے۔ بارے قاسم میدان میں جا کر اس کے مقابل ہوا۔ اس نے ہتھیار نہ کر کے کمر بند پر قاسم کے ہاتھ ڈالا۔ قاسم نے بھی اس کی دوالِ کمر کو پکڑا۔ دونوں بایکدیگر زور کرنے لگے۔ جب مرکب زانو تک زمین میں دھنس گئے، تب تو دونوں گھوڑے پر سے اتر کے زور کرنے لگے۔ آخرش بدیع الزماں نے قاسم کا لنگر اٹھا کر سر پر لے جا کر چرخ دے کے زمین پر چھوڑ دیا اور کہا کہ جا، رستم پیلتن کو بھیج کہ میں اس کا بہت مشتاق ہوں۔ رستم نے آ کر بدیع الزماں کا سامنا کیا۔ پہر بھر کی محنت میں رستم کو بھی بدیع الزماں نے زیر کیا اور کہا کہ سعد بن عمرو کو بھیج دے۔ سعد بن عمرو نے اس سے مقابلہ کیا۔ آخر بدیع الزماں سے زیر ہو گیا۔ سعد سے کہا کہ اپنے دادا حمزہ کو بھیج کہ زور کا مزہ بھی ملے۔ سعد نے امیر سے آ کر کہا۔ امیر میدان میں آئے۔ بدیع الزماں بجلی کی طرح مرکب کو کڑکا کے امیر کے پہلو میں پہنچا اور جھٹ کمر بند امیر کا پکڑ لیا۔ امیر نے بھی اس کی کمر پر ہاتھ ڈالا۔ یہاں تک دونوں نے زور کیا کہ مرکب بدحواس ہو گئے۔ اگر اتر نہ پڑتے تو یقین تھا کہ کمر مرکبوں کی ٹوٹ جاتی۔ جب امیر عرق عرق ہو گئے، نعرہ کر کے بدیع الزماں کے لنگر اٹھانے کا قصد کیا، لیکن تب بھی بدیع الزماں کو جنبش نہ ہوئی۔ امیر نے دوسرا نعرہ کیا، اس سے بھی کچھ سود نہ ہوا۔ بختک کہنے لگا کہ تعجب نہیں اگر حمزہ اس جوان کے ہاتھ سے مارا جاوے۔

راوی لکھتا ہے کہ اس دن امیر نے متعدد نعرے کیے مگر بدیع الزماں کے بھانویں نہ ہوئے۔ آخر امیر نے طیش میں آ کر صمصام و قمقام کو میان سے لے کر چاہا کہ بدیع الزماں پر وار کریں، کہ قریشہ نے ظاہر ہو کر امیر کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ بابا جان، یہ تمھارا بیٹا، میرا بھائی ہے۔ امیر متفکر ہوئے کہ یہ کس کے بطن سے ہے۔ قریشہ نے تمام قصہ صندوق کا اور جو کچھ کہ حضرت خضرؑ نے کہا تھا من و عن امیر سے بیان کیا۔ امیر نے بہ کمال بشاشت بدیع الزماں کو گلے سے لگایا اور عمرو سے پکار کر کہا کہ یہ فرزندِ ارجمند میرا ہے، آفریدگار نے میری مدد کے واسطے بھیجا ہے۔ یہ کہہ کر شادیانے بجواتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے اور جشنِ چہل روزہ ترتیب دے کر مصروف بہ عیش و عشرت ہوئے۔

راوی لکھتا ہے کہ سمندرون نامی دیو جو امیر کے ڈر کے مارے کوہِ قاف سے بھاگا تھا، کوہِ البرز پر آن کے بسا تھا۔ اس کو امیر کے آنے کی خبر پہنچی۔ دو پہر رات گئے امیر کے لشکر میں آیا۔ اتفاقاً سعد بن عمرو کا خیمہ اس کے مدِ نظر ہوا۔ خیمے کے اندر گیا۔ دیکھا کہ سعد بن عمرو بے خبر سوتا ہے۔ سعد کو بے ہوش کر کے اپنے مکان

پڑ رہے گیا صبح کو امیر کو خبر پہنچی کہ سعد اپنے خیمے سے گم ہے۔ امیر بہت متردد ہوئے۔ عمرو سے فرمایا کہ سعد کا حال بزرجمہر سے دریافت کیا چاہیے۔ بزرجمہر نے عمرو سے کہا کہ امیر جن دنوں کوہِ قاف پر دیوکشی کرتے تھے، سمندرون نامی دیو نے امیر سے ڈر کر کوہِ قاف کو چھوڑ دیا تھا اور کوہِ البرز میں آن کر بسا تھا۔ بالفعل دریا البرز کا جو جوش میں آیا، وہ دیو بھاگ کر امیر کے لشکر میں آیا۔ معلوم ہوا اس کو کہ یہ لشکر صاحبقراں کا ہے، وہ امیر کو ڈھونڈنے لگا۔ امیر کو تو نہ پایا، سعد بن عمرو کو اٹھا لے جا کر دریا کے پار قلعے میں قید کیا۔ اگر امیر تنہا جاویں گے تو سعد کو زندہ پاویں گے۔

امیر عمرو سے یہ خبر سن کر فی الفور یاروں سے رخصت ہوئے اور اشقر کو دریا تیرا کر پار گئے۔ اشقر کو تو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور آپ شکار کے کباب لگا کے کھائے اور رات کی رات ایک درخت کے نیچے سو رہے۔ صبح کو سوار ہو کر بزرجمہر نے جو نشان دیا تھا، اسی پتے پر چلے گئے۔ جب قلعے کے قریب پہنچے، دیووں نے، کہ امیر کو پہچانتے تھے، سمندرون کو خبر دی کہ صاحبقراں عفریت کش آ پہنچا۔ سمندرون کئی ہزار دیو لے کر قلعے سے نکلا۔ امیر نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ او ملعون، یہ کیا تو نے حرکت کی؟ بھلا اب میرے ہاتھ سے تو جانبر ہو گا؟ سمندرون نے ایک دیو کو، کہ پہلوان مشہور تھا، حکم دیا کہ اس آدمی کو پکڑ لاؤ۔ وہ جو امیر کی گرفتاری کو آیا، امیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ پھر ایک کے بعد دوسرا، اور دوسرے کے بعد تیسرا، اسی طرح سے سات دیو بہ دفعات امیر کے پکڑنے کے لیے آئے اور مارے گئے۔ پھر ہر چند سمندرون نے ایک ایک سے کہا مگر کسی نے امیر کے پاس آنے کی جرأت نہ کی۔ سمندرون نے خوف سے کئی سو من کا پتھر امیر کے سر پر پھینکا۔ امیر نے اس کو رد کر کے ایک تلوار ایسی لگائی کہ سات ہاتھ اس کے ایک ضرب میں کٹ گئے۔ وہ دیو وہاں سے غائب ہو کر ایک ساعت کے بعد تندرست ہو کے پھر امیر کے سامنے آیا اور امیر سے لڑنے لگا۔ القصہ، اس دن شام تک یہ سوانگ ہوا کیا۔ شب کو دیو قلعے کے اندر چلے گئے اور امیر ایک درخت کے نیچے سو رہے۔ خواب میں حضرت خضرؑ نے امیر سے فرمایا کہ قلعے کے اندر ایک چشمہ آبِ حیات کا ہے۔ پہلے جا کر اس کو بند کرو تب اس سے لڑو، نہیں تو تمام عمر یونہی لڑا کرو گے اور وہ مارا نہ جائے گا۔ امیر اس خواب کے دیکھتے ہی چونک اٹھے۔ اسی وقت قلعے میں جا کر اس چشمے کو کوڑے کرکٹ سے بند کر دیا اور بدستور درخت کے نیچے آ کر سو رہے۔ صبح کو سمندرون اپنی فوج کو لے کر قلعے سے باہر آیا اور بدستورِ روزِ اول ایک پتھر ہزار من کا امیر کے سر پر پھینکا۔ امیر نے اس کو رد کر کے ایک ہاتھ ایسا لگایا کہ آدھی گردن اس کی کٹ کر لٹک پڑی۔ وہ امیر کے روبرو سے بھاگا۔ امیر نے بھی اس کا پیچھا کیا۔ دیکھا کہ اس دیو نے چشمے کو جو نہ پایا، سر پٹک پٹک کے مر گیا۔ اور دیو جو اس کے رفیق تھے، مانندِ شترِ بے مہار بھاگے۔ امیر نے اس کے سر کو کاٹ کر شکار بند میں لٹکا دیا اور سعد بن عمرو

کو قلعے میں تلاش کرنے لگے۔ آخرش ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک حجرے میں پہنچے۔ دیکھا کہ سعد بے ہوش پڑا ہے۔ امیر نے سیفی حضرت ابراہیمؑ کی پانی پر دم کر کے اس کا منھ دھلایا۔ سعد کو ہوش آیا، آنکھ کھول کر اپنے جدِ بزرگوار کو دیکھ کے شکرِ خدا کا بجالایا۔ امیر سعد کو قلعے سے باہر لائے اور کباب شکار کے آپ بھی کھائے اور اس کو بھی کھلائے۔

دوسرے دن سعد کو اشقر پر سوار کر کے لشکر کی طرف لے چلے۔ جب دریا پر پہنچے، سعد سے فرمایا تم سوار رہو کہ تم کو تیرنا نہیں آتا، اور آپ اشقر کی دم پکڑ کے پار اترے۔ جس وقت لشکر میں پہنچے، دیکھا کہ بازارِ کارزار گرم ہے۔ امیر نے دیو سمندرون کا سر حریف کے لشکر کی طرف پھینک کر فرمایا کہ یہی دیو میرے پوتے کو اٹھا لے گیا تھا، سو میں اس کو مار کے لے آیا۔ لشکرِ کفار دیو کا سر دیکھ کر متحیر و متعجب ہوا کہ جس کا ایسا سر ہے وہ دیو کیسا ہوگا۔ حمزہ نے اس قد و قامت پر اس کو مارا، پس جو آدمی کہ دیو کش ہو اس سے آدمی کیونکر لڑ سکے! یہ کہہ رہے تھے کہ جنگل کی طرف سے ایک گرد اڑی۔ دونوں لشکر کے جاسوس خبر لینے کو دوڑے کہ دوست ہے یا دشمن۔ معلوم ہوا کہ بختیہ شتربان اور مالک اشتر، با فوجِ جرار، نوشیرواں کی مدد کو آئے ہیں۔ نوشیرواں نے ہرمز اور کئی بادشاہوں کو استقبال کے واسطے بھیجا۔ جب دونوں شاہزادے مع فوج لشکرِ کفار میں داخل ہوئے، نوشیرواں طبلِ بازگشت بجوا کر اپنی بارگاہ میں ان کو لے گیا اور بہ انواع عزت و احترام پیش آ کر خلعتِ فاخرہ سے ان کو سرفراز کیا اور مجلس جشن کی ان کے لیے ترتیب دی۔

داستانِ عجل بن عبدالمطلب برادرِ کوچکِ امیر حمزہ

راویانِ شیریں سخن اس داستان کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ امیر کے آنے کے بعد خواجہ عبدالمطلب کے بیٹا پیدا ہوا۔ خواجہ عبدالمطلب نے نام اس کا عجل رکھا اور پرورش کرنے لگے۔ عجل نے بارہ مرحلے اپنی عمر سے طے کیے تھے کہ قلماق شاہ نے مکّے پر چڑھائی کی۔ اہلِ مکہ صفِ جنگ میں اس سے بر نہ آ کے قلعہ بند ہوئے۔ یہ خبر عجل تک بھی پہنچی۔ خواجہ عبدالمطلب سے سائل ہوا کہ اگر ایک گھوڑا اور ہتھیار مجھ کو دیتے تو میں اس کافر سے لڑتا۔ خواجہ عبدالمطلب نے ہنس کر کہا کہ تم اپنے سن و سال کو دیکھو اور ایسے زبردست سے لڑنے کو دیکھو! سوائے اس کے، گیارہ بیٹے میرے اور بھی ہیں، یہ بات حمزہ ہی پر ختم ہوگئی۔ عجل نے کہا کہ خدا ہمارا یاور ہے، آخر ہم بھی حمزہ ہی کے بھائی ہیں۔ جب اس نے بہت اصرار کیا، لوگوں نے عبدالمطلب سے کہا کہ آپ عجل کو کیوں روکتے ہیں، جانے کیوں نہیں دیتے؟ سچ ہے کہ جس کا خدا یاور ہے اس کو کیا پروا ہے۔ عبدالمطلب لوگوں کے کہنے سننے سے مجبور ہوئے اور عجل کو ایک مرکب اور اس کے لائق ہتھیار دے کے فاتحۂ خیر پڑھا۔ عجل نے پوشاک پہنی اور ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار ہو کے قلعے کے باہر نکلا۔ یار جو عجل کے تھے، وہ بھی اس کے ہمراہ ہوئے۔ جب میدان میں پہنچا، قلماق شاہ نے دیکھا کہ ایک سوار کمسن، چند پیادے ہمراہ لے کے، قلعے سے باہر نکل کر اس طرف کو آتا ہے۔ سمجھا کہ صلح کا پیغام دینے کو آتا ہوگا۔ ایک سوار کو حکم دیا کہ خبر تو لاؤ، یہ لڑکا کس ارادے پر آتا ہے؟ سوار نے عجل کے نزدیک آ کر پوچھا کہ اے جوان، کس ارادے پر آئے ہو؟ اگر صلح منظور ہے تو میری ہمراہی ہو کر چلو، میں صلح کروا دوں اور بادشاہ سے خلعت بھی تم کو دلوا دوں۔ عجل نے کہا، اے کافر، صلح کس سے کروائے گا اور خلعت کس کو پہنوائے گا؟ تو نہیں جانتا کہ عجل میرا نام ہے اور حمزہ کا چھوٹا بھائی اور عبدالمطلب کا بیٹا اور کافروں کی جان کا ملک الموت ہوں۔ اگر مرد ہے تو حربہ کر۔ اس کافر نے خیرہ ہو کر عجل پر تلوار لگائی۔ عجل نے ڈھال کے جھٹکے سے اس کو رد کیا اور کمر بند پکڑ کے اس کو معلق گھوڑے پر سے اٹھا کر زمین

پر دے مارا۔ یاروں نے عجل کے اس کو باندھ لیا۔ قلماق شاہ نے دوسرے سوار کو حکم دیا کہ ہاں، جلد جا کر اس لڑکے کو، کہ میرے پہلوان کو باندھے لیے جاتا ہے، پکڑ لاؤ۔ اس نے بھی مقابل ہو کر عجل کے سر پر تلوار چلائی۔ عجل نے اس کو بھی اسی طرح سے باندھا۔ حتیٰ کہ ایک ایک کر کے چالیس پہلوان عجل نے باندھے۔ تب تو قلماق شاہ طیش کھا کر خود عجل سے مقابل ہوا اور گرز عجل کے سر پر مارا۔ عجل نے اس کے گرز کی ضرب کو رد کر کے ایک گرز ایسا مارا کہ گھوڑا قلماق شاہ کا مر گیا۔ قلماق شاہ نے چاہا کہ عجل کے گھوڑے کو پے کرے، عجل نے کود کر قلماق شاہ کی کمر میں ہاتھ دے کے اٹھا لیا اور چرخ دے کے زمین پر دے مارا اور سینے پر چڑھ کے مشکیں باندھ لیں۔ قلماق شاہ کے لشکر نے چاہا کہ اس ایک پر سب آ گریں۔ قلماق شاہ نے اشارے سے منع کیا۔ کسی نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ عجل نے قلماق شاہ سے کہا کہ اگر مسلمان ہوتا ہے تو جان تیری بچتی ہے، ورنہ ابھی قتل کروں گا۔ قلماق شاہ بولا کہ اے عجل، میں اس شرط پر مسلمان ہوتا ہوں اگر تو مجھ کو حمزہ کے پاس لے چلے۔ عجل نے کہا، یہ تو بے استدعا تیرے شدنی ہے۔ قلماق شاہ ایمان لایا۔ عجل نے اس کو قید سے رہا کر کے گلے سے لگایا اور اپنے باپ کے پاس لے گیا۔ عبدالمطلب نے عجل اور قلماق شاہ کو مخلّع کیا اور بڑے تکلف سے قلماق شاہ کی ضیافت کی۔

دوسرے دن عجل نے عبدالمطلب سے کہا کہ میں اپنے بھائی حمزہ کے پاس جاؤں گا۔ خواجہ عبدالمطلب نے اس کو خوشی خوشی رخصت کیا۔ دو منزل گئے ہوں گے کہ سامنے سے ایک فوج نظر آئی۔ عجل نے عیاروں کو بھیج کر خبر منگوائی۔ معلوم ہوا کہ کرب معدی نام، عادی کرب کا بیٹا کستھم کی بیٹی کے بطن سے ہے، اپنے باپ کی ملاقات کے واسطے کوہِ البرز کا عازم ہے۔ عجل یہ سن کر خود اس سے جا کے بغلگیر ہوا اور کہا کہ میں بھی حمزہ سے ملنے کے لیے کوہِ البرز کی طرف جاتا ہوں۔ چلو خوب ہوا، ہمارا تمھارا ساتھ ہوا۔ کرب معدی بولا کہ اگر مجھ کو ہمراہِ رکاب لے چلنا منظور ہے تو دو تین دن یہاں مقام کیجیے۔ میں مکے کی زیارت کر آؤں۔ عجل نے اسی جگہ پر خیمہ ڈالا اور کرب معدی چوتھے دن مکے کی زیارت کر کے عجل کے پاس حاضر ہوا۔ دوسرے دن دونوں لشکر باہم ہو کر کوہِ البرز کی طرف چلے۔ عجل نے اثنائے راہ میں کرب معدی سے کہا کہ میں نے سنا ہے، جو فرزند حمزہ کا پہلے پہل جا کر ملا ہے، پہلے اس نے زور آزمائی کی ہے۔ پس ہم تم بھی حمزہ سے زور آزمائی کر کے ملاقات کریں۔ کرب معدی نے کہا کہ بہت بہتر ہے۔ اسی جا پر خیمہ استادہ کیا چاہیے کہ حمزہ کے لشکر سے چار کوس کا فاصلہ ہے۔ عجل نے کہا کہ پہلے میں تنہا جاتا ہوں، پیچھے سے تم آنا، مگر تنہا لشکر کو اسی جگہ چھوڑنا۔

القصہ، عجل دونوں فوجوں کے بیچ میں جا کر کھڑا ہوا اور امیر کی طرف مخاطب ہو کر پکارا کہ حمزہ کے فرزندوں میں سے جس کو دعویِ شجاعت ہو وہ میرے سامنے آوے۔ شاہزادہ رستم پیلتن امیر سے رخصت ہو کر

گیا۔ عجل نے دوڑ کر رستم کی کمر میں ہاتھ ڈالا۔ رستم نے اس کی کمر کی دوال تھامی۔ دونوں میں زور ہونے لگا۔ دونوں لشکر دونوں پہلوانوں کا زور دیکھ کر وجد کرتے تھے۔ آخر عجل نے رستم سے کہا کہ تیرا زور میں نے دیکھا، اب اور کسی اپنے بھائی بند کو بھیج۔ رستم نے میدان سے پھر کر تقریر اس کی امیر سے بیان کی۔ امیر نے بدیع الزماں کو بھیجا۔ جب دونوں میں زور ہوا، بدیع الزماں عجل پر غالب رہا۔ عجل نے کہا کہ اے بدیع الزماں، تیرا زور میں نے دیکھا ماشاء اللہ اللّٰھم زد۔ اب تو جا، حمزہ کو بھیج، اس کا بھی زور آزماؤں۔ بدیع الزماں نے آ کر امیر سے کہا کہ اس طرح سے وہ پہلوان کہتا ہے۔ امیر اشقر کو صف سے نکال کر اس کے سامنے گئے اور باہمدیگر کمریں پکڑ کے زور کرنے لگے۔ امیر نے دیکھا کہ کسی طرح سے اس کا لنگر نہیں اٹھتا، ایک نعرہ کر کے جو زور کیا، عجل کو اٹھالیا اور پوچھا کہ سچ کہہ، تو کون ہے؟ عجل بولا کہ میں تیرا بھائی اور عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ امیر نے اسے آہستہ سے زمین پر چھوڑ کر گلے سے لگایا اور کہا کہ اس طرح سے کیا آنا تھا؟ پہلے مجھ کو خبر کی ہوتی تاکہ میں فوج یہاں سے بھیج دیتا اور خود استقبال کر کے لے آتا۔ یہ گفتگو دونوں بھائیوں میں ہو رہی تھی کہ ایک جوان مانند شیرِ نر کے غرّاں میدان میں آ کر کھڑا ہوا۔ امیر نے عجل سے پوچھا کہ تم اس جوان کو پہچانتے ہو؟ عجل نے ناواقفیت بیان کی۔ اس میں کرب معدی نے اس زور سے امیر پر گرز مارا کہ تمام بدن میں امیر کے عرق آ گیا۔ امیر نے گرز کو رد کر کے اس کی کمر پکڑ لی اور ایک لات اس کے گھوڑے کو اس زور سے ماری کہ گھوڑا دس قدم پیچھے ہٹ گیا، اور اس کو سر پر اٹھالیا۔ اس نے عرض کی کہ یا امیر، مجھ کو زمین پر نہ پٹکیے گا، میں آپ کا خانہ زاد پسر معدی کرب ہوں۔ امیر نے اس کو آہستہ سے زمین پر چھوڑ کے گلے سے لگایا اور عمر و معدی کرب سے پکار کر فرمایا کہ بیٹا مبارک ہو۔ اس نے کہا کہ یا امیر، اس نے بڑی بے ادبی کی، اس کو مار ڈالو۔ امیر نے کہا کہ میں نے اس کی تقصیر معاف کی۔ اتنے میں قلماق شاہ مع لشکر حاضر ہو کے امیر کو آداب بجا لایا۔ امیر تینوں پہلوانوں کو ساتھ لے کر خیمہ گاہ میں آئے اور ہر ایک کے بیٹھنے کو طلائی کرسی عنایت کی اور جشن کا حکم دیا۔

رات بھر تو امیر جشن میں رہے، صبح کو آوازِ طبلِ جنگ کی سن کر رزم گاہ میں گئے۔ بخیہ شتربان میدان میں آ کر لدکارا کہ اے عربو، جس کو آرزو مرگ کی ہو وہ میرے سامنے آوے۔ شبان طائفی امیر سے رخصت ہو کر اس کے سامنے گیا اور کہا کہ اے شتربان، اس قدر بلبلاتا کیوں ہے؟ لا، کیا حربہ رکھتا ہے؟ اس نے ایک گرز بہ قوتِ تمام شبان طائفی کو مارا، مگر اس کو کچھ خبر بھی نہ ہوئی، جیسا کھڑا تھا اسی طرح کھڑا رہا۔ اس نے دوسرا اور تیسرا وار کیا۔ شبان طائفی نے سب کو رد کر کے ایک گرز بخیہ کے گھوڑے کو مارا کہ ہڈیاں اس کی ریزہ ریزہ ہو گئیں، بخیہ پیادہ ہو گیا۔ شبان طائفی بھی اپنے گھوڑے سے کودا اور گرز بہ گرز لڑ کر شام کی۔ دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر گئے۔ صبح کو پھر بدستور بخیہ میدان میں آیا۔ ادھر سے قیس قیماز جا کر اس سے مقابل ہوا۔ دونوں

پہلوان دو پہر کامل گرز بہ گرز لڑے، بعد ازاں بایکدیگر کمر پکڑ کے زور کرنے لگے۔ بختیہ نے بڑی محنت سے قیس قیماز کو اٹھا کر دے مارا۔ چاہتا تھا کہ مشکیں باندھے، قیس نے لات مار کے بختیہ کو گرا دیا اور آپ اس کی چھاتی پر چڑھ کر قصد باندھنے کا کیا۔ بختیہ نے بھی دونوں پاؤں ملا کر قیس کے لنگر کو ایسا اچھالا کہ قیس زمین پر گر پڑا۔ الغرض، شام تک اسی طرح سے دونوں پہلوان لڑا کیے، مگر کوئی کسی پر غالب نہ ہوا۔ رات کو فوجوں نے آرام کیا صبح کو پھر صف آرائی کی۔ بدیع الزماں نے جا کر بختیہ کا مقابلہ کیا۔ بختیہ نے سات سومنی گرز بدیع الزماں پر چلایا۔ بدیع الزماں نے اس کو رد کر کے کہا کہ دو حملے اور بھی کر لے۔ بختیہ نے بہ قوتِ تمام دو حملے اور کیے، مگر بدیع الزماں کے کچھ بھی بھانویں نہ ہوئے۔ آخر بدیع الزماں نے نعرہ کر کے بختیہ کو سر پر اٹھا لیا اور چکر دے کر عمرو کے حوالے کیا۔ عمرو باندھ کر اپنے خیمے میں لے آیا۔ مالک اشتر نے جب اپنے چچا کا یہ حال دیکھا، نوشیرواں سے کہا کہ حمزہ کے فرزند بہت زور آور و بہادر ہیں، اس وقت میرے چچا کو کس بہادری سے اس جوان نے باندھا۔ نوشیرواں بولا کہ حمزہ کی جتنی اولاد ہے، سب ایسی ہی ہے۔ مالک اشتر نے کہا کہ آج جنگ موقوف رہے، کل میں اس سے لڑوں گا، تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ پسر حمزہ کا تھکا ہوا تھا، اس سے باندھا گیا۔ نوشیرواں طبلِ بازگشت بجوا کر اپنے خیمے میں داخل ہوا۔

امیر بھی اپنی بارگاہ میں گئے اور بہت کچھ بدیع الزماں پر سے نثار کیا اور جہانِ پہلوانی کی کرسی پر بیٹھ کر بختیہ کو طلب کیا اور مکلف اسلام کے ہوئے۔ اس نے عرض کی کہ تا آنے مالک اشتر کے مجھ کو معاف رکھیے۔ امیر نے اس کو معدی کرب کے سپرد کیا۔ اس میں عرض بیگی نے حاضر ہو کر عرض کی کہ ایک قاصد خرسنہ سے آیا ہے۔ امیر نے اس کو بلوایا۔ اس نے حاضر ہو کر فتح نوش کا خط گذرانا۔ لکھا تھا کہ مرزوق فرنگی نے یہاں تک ہماری نوبت پہنچائی کہ ہم قلعہ بند ہوئے۔ یا تو آپ آئیے یا رستم پیلتن کو بھیجیے، نہیں تو ملک ہاتھ سے جائے گا اور لوگوں کے اسلام میں بھی فرق آئے گا۔ امیر نے بآوازِ بلند اس خط کو پڑھ کر یاروں سے فرمایا کہ میں خرسنہ کو جاتا ہوں، میری جگہ پر رستم پیلتن کو سمجھنا۔ رستم نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ مجھی کو حکم ہووے، خرسنہ میں جا کر اس کافر کو سزا دے آؤں۔ امیر نے فرمایا کہ اچھا، پچاس ہزار سوار اپنے ہمرکاب لیتے جاؤ۔ رستم نے کہا کہ حاجت فوج کی نہیں ہے، آپ کے اقبال سے میں اکیلا اس کافر کے قتل کرنے کے واسطے کافی ہوں۔ امیر نے کہا کہ کثرتِ لشکر سے حریف خائف ہوتا ہے، لہٰذا تنہا تمھارا جانا نازیبا ہے۔ رستم نے نہ مانا اور اکیلا رخصت ہو کر دو اسپہ خرسنہ کی طرف راہی ہوا۔ چند روز میں جا پہنچا۔ دیکھا کہ لشکرِ فرنگ قلعے کو محاصرہ کیے ہوئے پڑا ہے۔ جاتے ہی اس کی فوج میں نعرہ کر کے مبارز طلب ہوا۔ مرزوق شاہ نے مالیا نامی اپنے خلفِ اکبر کو، کہ پچاس گز کا قد تھا، رستم سے مقابلہ کرنے کے واسطے بھیجا۔ مالیا نے امیرزادے کا نام پوچھا۔ رستم نے اپنا نام بتایا۔ مالیا نے قبضے

پر ہاتھ ڈال کے رستم پر وار کیا۔ امیر زادے نے اس کا ہاتھ پکڑ کے تلوار چھین لی اور وہی تلوار اس صفائی سے اس کے سر پر ماری کہ سپر وخود و سینہ وشکم کو کاٹتی ہوئی رانوں سے نکل گئی۔ مالیا مانندِ خیارِ تر دو پھانک ہو کر گر پڑا۔ لشکرِ فرنگ اس کی ضرب دیکھ کر خائف ہوا۔ کوئی اس سے مقابلہ کرنے نہ آیا۔ تب تو رستم تلوار کھینچ کر اس طرح سے لشکرِ فرنگ پر گرا جیسے شیر گلے میں بکریوں کے گھستا ہے۔ جس کے سر پر وار لگا تا تھا اس کو کھیرے کی طرح سے سراپا دو پھانک کرتا تھا، جس سوار کی کمر پر ہاتھ لگا تا تھا وہ دو ٹکڑے ہو کر اِدھر اُدھر گرتا تھا۔ لشکرِ فرنگ میں عجب طرح کی چل پوں مچی۔ مرزوق نے دیکھا کہ مالیا کے مارے جانے سے فوج کا جی چھوٹ گیا، اس نے شاہزادے کی طرف رخ کیا۔ اس پر بھی لشکریوں کے پاؤں نہ ٹھہرے، مثلِ گلۂ روباہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مرزوق سمجھا کہ میں تنہا حریف پر غالب نہ ہوں گا، وہ بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بھاگا۔ رستم نے اس کا تعاقب کیا اور چار کوس تک کشتوں سے پشتے باندھتا چلا گیا۔ فتح نوش بھی فوج لے کر شاہزادے کے پاس پہنچا اور کہا کہ بس، چار کوس تک تم نے حریف کا پیچھا کیا، اس سے زیادہ دستور نہیں ہے۔ رستم نے نہ مانا اور کہا کہ آپ جائیے، قلعے کی مضبوطی کیجیے، ایسا نہ ہو کہ حریف قلعہ خالی سن کر فوج کو بھیج کے اپنا بندوبست کر لے۔ فتح نوش تو قلعے کی طرف پھرا اور رستم حریف کے پیچھے گیا۔ فتح نوش نے اسی دم یہ کیفیت امیر کو لکھ بھیجی۔ القصہ، شاہزادہ کفار کو مار کر شاموں شام تک دوسرے حاکم کی سرحد میں پہنچا اور شب کے لحاظ سے ایک درخت کے نیچے سو رہا۔ صبح کو اٹھ کر، شکار کے کباب کھا کر، پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور کفار کا تعاقب کیا۔

اب تھوڑا حال امیر کا سنیے کہ جس دن رستم کو شہرِ خرسنہ کی طرف روانہ کیا، اسی شب کو مہر افروز بنتِ نوشیرواں کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔ امیر نے نام اس کا مہر شاہ رکھا اور چالیس شبانہ روز کے جشن کا حکم دیا۔ بعدِ انفراغِ جشن آواز کوسِ حربی کی سن کر امیر نے اپنے لشکر میں کوسِ سکندری بجوایا اور فوج لے کر میدانِ رزم میں صف آرا ہوئے۔ ہنوز لڑائی شروع نہ ہوئی تھی کہ قاصدِ فتح نوش کا نامہ پہنچا۔ امیر نے اس خط کو پڑھ کر یاروں سے کہا کہ دیکھو رستم کا لڑکپن، باوجود جاننے کے کہ مرزوق شاہ کے ساتھ فوجِ کثیر ہے، تنہا اس کا تعاقب کیا ہے۔ خدا جانے اب تک کیا ہوا ہوگا۔ بہر حال، مجھ کو اب جانا ضرور ہوا، تم لوگ میری جا پر بدیع الزماں کو سمجھنا، اور عمرو سے فرمایا کہ میں پانچ پہلوان اپنے ساتھ لیے جاتا ہوں، باقی سب فوج یہاں موجود ہے۔ جوابدہی لشکر کی تمھارے ذمے ہے، تم جانو اور تمھارا کام جانے۔ یہ کہہ کر ملک لندھور و شبان طائفی و کرب معدی واستقفانوس و قیماز خاوری کو ہمراہ لے کے دو اسپہ خرسنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ دو روزہ و سہ روزہ راہ کو ایک دن میں طے کرتے ہوئے خرسنہ کے متصل پہنچے۔ فتح نوش استقبال کر کے امیر کو قلعے میں لے گیا اور جشن کا حکم دیا۔ امیر نے فرمایا کہ مجھ کو کھانا تک خوش نہیں آتا ہے، جشن کیسا! انشاء اللہ تعالیٰ پھرتے وقت سمجھا جائے گا۔

جشن موقوف رہا۔ رات کی رات وہاں آرام کیا، صبح کو مرزوق شاہ کے لشکر کی طرف چلے۔

مرزوق شاہ کا حال سنیے۔ اس نے رستم کے منزلوں تعاقب کرنے سے معلوم کیا کہ یہ حمزہ نہیں ہے، حمزہ کا بیٹا ہے، کیونکر کہ حریف کا تعاقب چار کوس سے زیادہ نہیں کرتے ہیں، اور یہ بہ سبب ناکردہ کاری کے منزلوں سے پیچھا کیے چلا آتا ہے۔ یہ سمجھ کر رستم کی طرف پلٹا اور کہا کہ او عرب زادے، میں سمجھا تھا کہ حمزہ ہے، نہیں تو تیرے سامنے سے میں روگرداں ہوتا؟ یہ کہہ کر رستم پر حربہ کیا۔ رستم نے اس کے حربے کو خالی دے کر ایک ہتھ کٹی جو ماری، ہاتھ اس کا قلم ہو گیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ہٹا کر لشکر سے کہا کہ ہاں، اسے مارلو، یہ جانے نہ پاوے۔ تمام لشکر نے رستم پر یورش کی۔ رستم نے دونوں ہاتھوں سے اس قدر تلواریں ماریں کہ کشتوں سے بندھ گئے، مگر امیر زادہ بھی مجروح ہوا اور گھوڑا بھی مارا گیا۔ کفار نے چاہا کہ رستم کو گرفتار کریں، لیکن کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ آخر رستم ایک ٹیکرے پر چڑھ کر تیر مارنے لگا۔ ہر تیر میں چار چار پانچ پانچ کافر چھدتے تھے مگر اس پر بھی مرزوق اپنے لشکر کو للکارتا تھا کہ جس طرح ہو، اس عرب زادے کو پکڑ لو۔ ہرگاہ تیروں سے ترکش خالی ہو گیا، اس وقت امیر زادے نے متردد ہو کر دستِ دعا دراز کیا کہ اے معینِ و یاورِ بے کساں، یہ وقت مدد کا ہے، میں سوائے تیرے کس سے اعانت چاہوں۔ ہنوز دستِ دعا کو نہ کھینچا تھا کہ امیر مع پہلوانانِ سام نژاد پہنچے اور رستم کو مجروح دیکھ کر کفار پر جا گرے اور نعرہ کر کے کہا کہ جو کوئی جانتا ہو تو جانے، اور نہ جانتا ہو تو اب جانے، کہ میں حمزہ بن عبدالمطلب ہوں۔ لشکرِ کفار نے جو امیر کا نعرہ سنا، ایک تلاطم ہو گیا۔ ایسے بدحواس ہوئے کہ تلوار سیدھی الٹی میں امتیاز نہ تھا۔ امیر نے ہزارہا کافروں کو قتل کیا۔ آخر مرزوق بھاگ کر قلعہ بند ہوا۔ امیر رستم کے پاس آئے اور زخموں میں پھاہے نوشدارو کے لگا کر قلعے کی طرف متوجہ ہوئے۔ مرزوق نے دیکھا کہ حمزہ بے قلعہ لیے رہے گا نہیں، اس وقت قتلِ عام کرے گا، زن و بچہ ولواحق میرے سب مارے جاویں گے، اپنے بیٹوں پوتوں سمیت کرچیں دانتوں میں دبا کر قلعے کے باہر آیا اور امیر کے قدموں پر گر کے امان خواہ ہوا۔ امیر نے فرمایا کہ اگر تو فرزندان و متعلقین سمیت مسلمان ہو اور میرے بیٹے رستم پیلتن کو اپنی بیٹی دے تو البتہ میں تیرے اور تیرے لواحقوں کے قتل سے درگذروں۔ مرزوق اسی وقت مع فرزندانِ ہمراہی مسلمان ہوا اور رستم کو بیٹی دینے کا اقرار کیا اور امیر کو یاروں سمیت قلعے کے اندر لے جا کر مجلسِ عروسی مرتب کی۔ امیر نے لندھور کو بھیج کر رستم کو طلب کر کے اس کی بیٹی کے ساتھ عقد کیا۔ امیر زادہ تو محل میں دادِ عیش دینے لگا اور امیر مع یارانِ دیوانِ عام میں مصروف بہ جشن ہوئے۔ چند روز کے بعد مرزوق کو ساتھ لے کر خرسنہ میں آئے اور فتح نوش سے صلحاً ملوایا۔ ایک شبانہ روز فتح نوش کی دعوت کھائی، دوسرے دن مع رستم پیلتن و یارانِ ہمراہی و مرزوق شاہِ کوہ البرز کی طرف روانہ ہوئے۔ عین صفِ جنگ میں پہنچے۔ امیر کے لشکر کے سردار امیر کو دیکھ کر بہت قوی دل وخوش

وخرم ہوئے اور ہر ایک قدم بوس ہوا۔ امیر نے ان کو گلے سے لگا کر تمام سرگذشت بیان کی۔ مالک اشتر نے امیر کو دیکھ کر نعرہ مار کر کہا کہ حمزہ، میری دہشت سے کہاں بھاگ گیا تھا؟ بارے اجل تیری تجھ کو گھیر کے میرے سامنے لے آئی۔ امیر نے فرمایا کہ اے پہلوان، پہلوانانِ جنگجو بے ہودہ لاف زنی نہیں کرتے ہیں۔ لا، کیا حربہ رکھتا ہے؟ اس نے گرز گھما کر اس زور سے امیر پر مارا کہ گرز سے شرارے اڑنے لگے۔ امیر نے سپر پر روک کے اس کو رد کیا اور کہا کہ اے پہلوان، دو حملے اور تجھ کو معاف ہیں، پھر باری میری ہے۔ اس نے دوبار اور گرز سے حملہ کیا لیکن امیر کو کچھ خبر بھی نہ ہوئی۔ جب باری امیر کی آئی، امیر نے اس کو ہوشیار کر کے گیارہ سو منی گرز سام کا اس قوت سے اس کو مارا جس کے صدمے سے اس کے گھوڑے کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ سپر پر روک کے مرکب سے الگ جا کھڑا ہوا۔ امیر بھی اپنے مرکب سے کود ے۔ مالک اشتر بولا کہ آفریں صد آفریں حمزہ، تیرے دست و بازو کو۔ امیر نے دوسرا گرز اس کے حوالے کیا۔ اس نے بہ ہزار مشقت ومحنت اس کو بھی رد کیا۔ پھر تو دونوں پہلوانوں میں گرز بازی ہونے لگی۔ دوپہر کے بعد گرز پھینک دیا اور تلوار بایکدیگر چلنے لگی۔ آخر مالک اشتر کی تلوار ٹوٹ گئی، قبضہ تلوار کا مع ڈنڈوں کے اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اس نے امیر پر اس کو پھینک مارا۔ عمرو امیہ نے دوڑ کر اٹھا لیا۔ مالک اشتر نے ایک تیر عمرو بن امیہ پر مارا۔ عمرو نے اپنی کاغذ کی سپر پر اس کو روکا اور ایک جست ایسی کی کہ بہتّر گز زمین سے اونچا گیا اور اترتے وقت ایسی گردنی مالک اشتر کی گردن پر ماری کہ مالک کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔ مگر مالک نے سنبھل کر ایک تیر اور چلایا۔ عمرو نے اس کو بھی کاغذ کی سپر پر روکا۔ مالک نے امیر سے کہا کہ حمزہ، عجب شخص بد بلا کو اپنی رفاقت میں رکھا ہے۔ یہ کہہ کر ایک وار تلوار کا امیر پر اور کیا۔ امیر نے سپر پر اس کو روکا۔ سپر امیر کی چار انگل کٹ گئی لیکن مالک کی تلوار بھی ٹوٹ گئی۔ عمرو بولا کہ اے مالک، قبضہ تلوار کا تیرے ہاتھ میں بدنما معلوم ہوتا ہے اور اب یہ حق میرا ہے، اس کو ہاتھ سے پھینک دے۔ مالک نے ہنس کر قبضے کو اس کی طرف پھینک دیا۔ عمرو نے اس کو زمین سے اٹھا کر پونچھ کے زنبیل کے حوالے کیا۔ پھر مالک نے نیزہ ہاتھ میں لے کر امیر پر چلایا۔ امیر نے اس کو پکڑ کے ایک جھٹکا ایسا دیا کہ نیزہ مالک کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ امیر نے اس کے پھل کو نکال کر ڈانڈ اس کی اس زور سے مالک کو ماری کہ نیزے کی پور پور جدا ہو گئی۔ لیکن مالک نے مردانہ وار اپنے کو سنبھال کر کمند امیر پر پھینکی۔ امیر نے کمند کو پکڑ لیا۔ طرفین نے اس قدر زور کیا کہ کمند ٹوٹ گئی۔ امیر نے مالک سے کہا کہ اے پہلوان، جتنے ہنر سپہ گری کے تھے وہ ہو چکے۔ اب آ، میرے تیرے زور ہو، کہ میں تیری کمر پکڑوں اور تو میری کمر میں ہاتھ دے، جو جس کو اٹھا لیوے وہ اس پر فرمانروائی کرے۔ مالک نے بہ کشادہ پیشانی اس شرط کو قبول کر کے امیر کی کمر میں ہاتھ ڈالا۔ امیر نے بھی اس کی دوال کمر تھامی۔ دونوں پہلوانوں میں زور ہونے لگا۔ جب مالک کو جنبش نہ ہوئی،

امیر نے فرمایا کہ ہوشیار ہو جا، میں نعرہ کرتا ہوں۔ مالک بولا، آپ کی فریاد وفغاں سے لڑکے ڈرتے ہوں گے، اور میں نے تو بہت سے ایسے نعرے سنے ہیں۔ امیر نے نعرۂ اللہ اکبر کر کے پہلے ہی ہلّے میں مالک کو سر پر اٹھا لیا اور چرخ دے کر اس زور سے زمین پر دے پٹکا کہ مالک بے ہوش ہو گیا۔ عمرو نے جھٹ دست و بازو اس کے کمند سے باندھ لیے۔ مالک بولا کہ یا امیر، مجھے باندھنے سے کیا فائدہ ہے؟ اب میں تا زیست آپ کا غلام ہوں۔ امیر نے اسی دم کلمہ تلقین کر کے اپنے گلے سے لگایا اور عمرو نے اسی جا پر حلقہ غلامی کا اس کے کان میں ڈال دیا۔ امیر شادیانے بجواتے ہوئے اس کو اپنے خیمے میں لے آئے اور کرسیِ طلائی پر بٹھا کے بختیہ کو طلب کیا۔ وہ بھی بلا عذر مسلمان ہوا اور حلقہ غلامی کا اپنے کان میں ڈالا۔ امیر نے اس کو بھی رہا کر کے کرسیِ طلائی پر بٹھایا اور تھوڑی دیر کے بعد باہم بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا، اور تمام رات شراب چلا کی اور رقص ہوا کیا۔ صبح ہوتے ہی خبر ہوئی کہ ژوبین فولاد تن بافوجِ کثیر نوشیرواں کی مدد کو آیا ہے۔ امیر سن کر چپ ہو رہے اور عیش و عشرت میں مصروف ہوئے۔

ایک دن سرِ دربار امیر سے عرض بیگی نے عرض کی کہ ایک شخص دروازے پر کھڑا کہتا ہے کہ میں حمزہ کا باپ ہوں، ذرا میری خبر امیر کو کر دو۔ امیر سن کر بہت بھیانک ہوئے کہ سوائے خواجہ عبدالمطلب کے کون میرا باپ ہے۔ قندز نے یاد دلایا کہ یا امیر، وہ جو سوداگروں کا قافلہ خرسنہ کی راہ میں ملا تھا اور آپ نے خواجہ عبدالمطلب کا دوست سن کر قافلہ سالار کو باپ کہا تھا، شاید وہی ہو گا۔ امیر نے فرمایا کہ جاؤ دیکھو، اگر وہ ہووے تو اس کو لے آؤ۔ قندز جو بارگاہ سے باہر نکلا، دیکھا کہ وہی قافلہ سالار ہے، اس کو لے آیا۔ امیر نے بہ کمال عزت و توقیر اس کو اپنے پاس بٹھایا اور احوال پرسی کر کے پوچھا کہ آپ کا رنگ کیوں زرد ہے، کیا بیمار تھے؟ اس نے کہا کہ مبتلائے بلائے تپِ عشق ہوں، اس کی بدولت میرا یہ حال ہے۔ امیر نے فرمایا کہ آخر مفصل بیان تو کرو، میں بھی سنوں۔ اس نے امیر کو ایک تصویر نکال کر دکھلائی اور کہا کہ یہ جس کی تصویر ہے وہ شہر بردع کے فرمانروا کی ہمشیرہ ہے اور نام اس بادشاہ کا ہردم ہے۔ اس کے باپ کی وصیت ہے کہ جو کوئی ہردم کو پچھاڑے وہ اس شخص کی بیٹی کے ساتھ شادی کرے۔ قضا کار میرا شہر بردع میں گذر ہوا۔ ایک دن اس کے جھروکے کے نیچے سے جو ہو کر نکلا، میری اور اس کی چار آنکھیں ہوئیں۔ دیکھتے ہی جنون نے مجھ کو آ کر سلام کیا، گریبانِ صبر و طاقت کو تا بہ دامانِ ہوش چاک کر کے مجھے اس حال کو پہنچایا۔ میں نے اپنے میں یہ قوت نہ دیکھی کہ ہردم مجھ سے زیر ہو سکے، آپ کے پاس حاضر ہوا کہ آپ کی مدد سے وہ نازنین مجھ کو ملے۔ تصویر اس کی کھنچوا کر میں نے اپنے پاس رکھی ہے۔ جب بیتاب زیادہ ہوتا ہوں، تصویر کو دیکھتا ہوں، کسی قدر تسکین ہوتی ہے۔ جتنے سردار امیر کی محفل میں حاضر تھے، تصویر کو دیکھ کر بولے کہ حق بجانب اس سوداگر بیچارے کے ہے۔ ایسی

معشوقہ کو دیکھ کر کیونکر دل از دست دادہ نہ ہو۔ امیر نے اس سوداگر کو کھانا کھلوا کر رخصت کیا۔

راوی لکھتا ہے کہ سعد بن عمرو اس تصویر کو دیکھتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ جب دو پہر رات گذری، دربار سے اٹھ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور بردع کی راہ لی۔ اورنگ و گورنگ طلایہ پھر رہے تھے۔ سعد کو دیکھ کر پوچھا کہ اے بادشاہ، اس وقت کدھر کا عزم ہے؟ سعد نے کہا کہ اگر میرے ساتھ چلنا منظور ہو تو چپکے چلے آؤ، باقی کچھ پوچھو نہیں۔ جہاں کہیں جاتا ہوں، آپ معلوم ہو جائے گا۔ دونوں بھائی سعد کے ہمراہ ہوئے۔ چند روز میں بردع کی سرحد میں پہنچے۔ ایک باغ عالیشان نظر آیا۔ اس کے اندر جا کر سیر کرنے لگے۔ ایک طرف کو لبِ تالاب بکریوں کا گلہ نظر آیا۔ سعد نے کہا کہ از بسکہ اس دم اشتہا غالب ہے، چار پانچ بکریاں اس گلے میں سے پکڑ کے کباب کرو۔ اورنگ و گورنگ اپنے بادشاہ کا حکم بجا لائے۔ رکھوالے نے جو دیکھا کہ تین آدمی بکریوں کے کباب لگا رہے ہیں، آگ ہو گیا۔ نزدیک جا کر کہنے لگا کہ اے مسافرو، تمھاری کیا موت یہاں لے آئی ہے؟ نہیں جانتے ہو کہ یہ بکریاں ہردم ملک الموت کی ہیں؟ سعد نے کہا کہ کیوں بیہودہ بکتا ہے، جا اپنے ہردم کو خبر دے کہ حمزہ کا پوتا آیا ہے اور تجھ کو بلاتا ہے۔ رکھوالے نے ہردم سے جا کر کہا۔ ہردم نے ہفت زرہ داؤدی پہنی اور گرز کو ہاتھ میں لے کر دیوانہ وار جھومتا ہو باغ میں آیا۔ سعد و اورنگ و گورنگ کو دیکھ کر کہنے لگا کہ اے جوانو، تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ سعد بولا کہ میں حمزہ کا پوتا ہوں اور نام میرا سعد بن عمرو ہے۔ تجھ کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔ ہردم یہ سن کر بہت ہنسا اور بولا کہ اے عرب زادے، اتنی فضولی کیوں کرتا ہے؟ حمزہ نے کیا میرا آوازہ نہیں سنا کہ تجھ سے لڑکے کو میرے پاس بھیجا ہے؟ سعد نے کہا کہ پہلے تو مجھ کو تو جواب دے لے، پیچھے حمزہ کا نام لینا۔ ہردم اس کا سامنا کرنے کو موجو ہوا۔ اورنگ و گورنگ بولے کہ بادشاہ، ہم سرفروش جو ہمراہ ہیں کس دن کے لیے ہیں؟ پہلے یہ ہم سے لڑ لیوے، بعد ازاں آپ سے مقابلہ کرے۔ ہر چند سعد نے منع کیا مگر ان پہلوانانِ اجل گرفتہ نے نہ مانا۔ پہلے اورنگ نے ہردم کا مقابلہ کیا۔ ہردم نے اورنگ کو ایک ہی ضرب میں ٹھنڈا کیا۔ گورنگ مقابل ہوا۔ اس کا بھی وہی حال ہوا۔ سعد خشمگیں ہو کر ہردم کے سامنے آیا۔ اس نے گرز گھما کے سعد پر مارا۔ سعد نے اس کو رد کیا اور پیچھے ہٹ کر اس قدر تیر مارے کہ ساتوں زرہ ہردم کی سوراخ دار ہو گئیں۔ ہردم نے کمر پکڑ کے سعد کو اٹھا لیا اور زمین پر پھینک کے کہا کہ جا، حمزہ کو بھیج، تیرے اوپر مجھ کو رحم آتا ہے۔ یہ کہہ کر اپنی بہن سے جا کر کہا کہ حمزہ کا پوتا دو رفیقوں سے آیا تھا، سو رفیق تو اس کے میرے ہاتھ سے مارے گئے، مگر میں نے اس کو پچھاڑ کر چھوڑ دیا اور کہا کہ جا، حمزہ کو بھیج دے۔ وہ بولی کہ بہت خوب کیا۔

سعد جو اس باغ سے نکلا، دو کوس گیا ہوگا کہ دل میں خیال آیا کہ تو امیر کو جا کر کیا منہ دکھائے گا؟ اس

سے بہتر ہے کہ کسی اور ملک میں چل اور نام ونشان سے اپنے کسی کو واقف نہ کر۔ یہ سوچ کر جنگل کی راہ لی۔ کئی فرسنگ گیا ہوگا کہ ایک باغ نظر آیا۔ باغ کے اندر گیا تو باغ کو نمونۂ بہشت پایا۔ گھوڑے کو نہر سے پانی پلا کر چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور آپ لبِ حوض زین پوش بچھا کے بیٹھا۔ اتفاقاً اسی وقت صاحب باغ، کہ ہردم کی بھانجی تھی، چند خواصوں کو ساتھ لیے ہوئے اس طرف آئی۔ دیکھا کہ ایک جوانِ رعنا لبِ حوض بیٹھا ہوا ہے۔ سعد بن عمرو کے پاس آ کر مستفسر ہوئی کہ اے جوان، تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ سعد نے اس کو دیکھ کر جھٹ پٹ سلاح اپنے بدن سے لگائے اور اس کے مقابل ہوا۔ اس ماہ پارہ نے چھوٹتے ہی سعد پر نیزہ چلایا۔ سعد نے نیزہ چھین کر ایسی ڈانڈ ماری کہ وہ نازنین لوٹ پوٹ ہوگئی۔ سعد اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور قصد باندھنے کا کیا کہ ہاتھ اس کی چھاتی پر جا پڑا۔ فوراً اس کے سینے پر سے اتر کے نقاب الٹ کر دیکھا کہ ماہِ چہار دہم اس ماہِ چاردہ سالہ کے پرتوِ حسن سے کسبِ ضیا کرتا ہے۔ اس کو دیکھ کر ہردم کی بہن کو بھول گیا۔ پوچھا کہ اے جہاں افروز، تو کون ہے؟ وہ بولی کہ ہردم کی بھانجی ہوں۔ سعد نے کہا کہ ہردم کی بہن کی تو ہنوز شادی نہیں ہوئی ہے، تو کیونکر پیدا ہوئی؟ اس غیرتِ ماہ نے کہا کہ وہ میری خالہ ہے۔ سعد نے کہا کہ اگر مجھ غریب مسافر پر کرم کیا ہے تو ایک ساعت اپنے نورِ جمال سے میری آنکھوں کو روشن کر۔ وہ بولی، میں تمام عمر لونڈی گری میں حاضر ہوں، مگر تو سچ سچ اپنا نام ونشان بتا۔ سعد بولا کہ میں حمزہ کا پوتا ہوں، سعد بن عمرو میرا نام ہے۔ یہ کہہ کر کیفیت اپنے آنے کی مفصل بیان کی۔ وہ مہ پارہ سعد کو اپنے مکان پر لے گئی اور خوشی خوشی سعد کے نکاح میں در آئی اور شب و روز دونوں مل کر دادِ عیش کی دینے لگے۔

امیر کا حال سنیے کہ سعد کے گم ہونے کی خبر سن کر نہایت متردد ہوئے اور چار طرف آدمی تلاش کو دوڑائے، لیکن سعد کا کہیں پتا نہ ملا۔ لندھور نے عرض کی کہ جس وقت اس سوداگر نے تصویر دکھائی تھی، میں نے دیکھا تھا کہ سعد کے حواس درست نہ تھے۔ کیا عجب ہے اگر سعد نے بردع کی راہ لی ہو۔ اتنے میں خبر پہنچی کہ اورنگ و گورنگ بھی لشکر سے غائب ہیں۔ امیر نے فرمایا کہ بلاشبہ سعد بردع کی طرف گیا، اورنگ و گورنگ بھی اس کے ساتھ گئے۔ عمرو بولا کہ میں نے سنا ہے کہ ہردم بڑا زبردست پہلوان ہے، ایسا نہ ہو کہ سعد کے دشمنوں کو کچھ چشم زخم پہنچے۔ امیر نے رستم پیلتن کو اپنا قائم مقام کیا اور عمرو کو ہمراہ لے کر بردع کی طرف روانہ ہوئے۔ چند روز کے بعد بردع کی سرحد میں پہنچ کر اسی باغ میں وارد ہوئے جہاں سعد پہنچا تھا دیکھا کہ اورنگ و گورنگ کی لاشیں پڑی ہیں۔ عمرو سے کہا کہ شاید سعد بھی مارا گیا۔ عمرو بولا کہ اگر سعد مارا جاتا تو اس کی بھی لاش یہیں ہوتی۔ مگر اگر ہردم نے اس کو زندہ پکڑ کے قید کیا ہو تو عجب نہیں ہے۔ امیر نے اورنگ و گورنگ کو اسی باغ میں دفن کیا اور بہت سا ان کے لیے روئے۔ اس میں وہی گلہ بکریوں کا نظر آیا۔ عمرو نے چار بکریاں پکڑ کے ذبح

کیں اور کباب لگانے لگا۔ رکھوالا چار بکریاں گلے میں کم دیکھ کر باغ میں تلاش کرنے لگا۔ دیکھا کہ دو شخص بیٹھے ہوئے بکریوں کے کباب لگا رہے ہیں۔ دوڑ کر امیر کے پاس آیا اور گھرک کر کہنے لگا کہ اے مرنے والو، کیا اجل تمھاری دامن گیر ہوئی ہے کہ بکریوں کو ذبح کر کے کباب لگاتے ہو؟ ابھی کئی دن ہوئے ہیں کہ حمزہ کا پوتا دو رفیقوں سے یہاں وارد ہوا تھا اور اس نے بھی تین بکریوں کے کباب لگائے تھے، ہردم نے آ کر ان کو جان سے ہلاک کیا۔ امیر نے پوچھا کہ حمزہ کا پوتا بھی مارا گیا یا زندہ گرفتار ہوا؟ اس نے کہا کہ ہردم نے اس کے رفیقوں کو مار کے حمزہ کے پاس سے اس کو جیتا چھوڑ دیا۔ پھر معلوم نہیں کہ وہ کدھر گیا۔ امیر نے سجدۂ شکر کیا کہ بارے سعد زندہ ہے، مارا نہیں گیا۔ رکھوالے سے فرمایا کہ جا ہردم کو خبر دے کہ حمزہ آیا ہے اور تجھے بلاتا ہے۔ رکھوالے نے ہردم کو اطلاع کی۔ ہردم اسی دم گرز اٹھا کر باغ میں آیا۔ امیر ہردم کو دیکھ کر سلاح لگا کے گھوڑے پر چڑھ بیٹھے۔ ہردم امیر کو دیکھ کر ہنسنے اور کہنے لگا کہ حمزہ، جب سے میں نے تیرا نام سنا تھا، میں تیرا مشتاق تھا کہ تجھ سے ملاقات ہووے تو میں تجھ سے لڑوں۔ ہاں، حربہ کر۔ امیر نے فرمایا کہ پیش دستی کرنے کا اپنا معمول نہیں ہے، پہلے تو حربہ کر، پھر میں کروں گا۔ ہردم نے گرز کو چرخ دے کر امیر کے سر پر مارا۔ امیر نے اپنے گرز پر جو روکا تو زنجیر اس کے گرز کی امیر کے گرز میں لپٹ گئی۔ دونوں آدمی اپنی اپنی طرف کھینچنے لگے۔ زنجیر ہردم کے گرز کی چٹ چٹ ٹوٹ گئی۔ ہردم نے قبضہ اس کا امیر کے اوپر پھینک مارا۔ امیر نے اس کو خالی دیا۔ ہردم جب نہتا ہو گیا، باغ سے درخت اکھیڑ کر امیر پر پھینکا۔ امیر جست کر کے اس کی زد سے الگ ہو گئے۔ درخت ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ہردم نے کہا کہ حمزہ، آفریں صد آفریں تیرے دست و بازو کو! جیسا میں نے سنا تھا ویسا ہی پایا۔ ذرا اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دے کہ میں تیری زیارت کروں۔ امیر نے اپنے چہرۂ انور سے نقاب کو اٹھا دیا۔ ہردم نے دیکھا کہ چہرہ امیر کا آفتاب کو شرماتا ہے، مگر سن رسیدہ ہے۔ ہردم نے کہا کہ آج تو رات ہوئی، اب کل تجھ سے لڑوں گا۔ یہ کہہ کر اپنے مکان پر گیا اور چند بکریاں مجرّب و صراحیاں گونا گوں شراب کی امیر کے واسطے بھیجیں۔ عمرو نے ان کے کباب لگائے۔ امیر نے عمرو کو ہمراہ لے کر کباب و شراب کھا پی کے چین سے آرام کیا۔ ہردم نے بہت سی تعریف امیر کی اپنی بہن سے کی اور کہا کہ ہر چند مُسن ہے مگر ایسا پہلوان ذی قوت و صاحبِ جمال دیکھنے میں کیا کبھی سننے میں بھی نہیں آیا۔ وہ سن کر بہت خوش ہوئی۔ دوسرے دن پھر ہردم گرز لے کر امیر کے پاس آیا اور مستعد بہ جنگ ہوا۔ آخر لڑتے لڑتے شام کے قریب گرز ہردم کا ٹوٹ گیا۔ امیر سے کہا کہ میرے پاس دو گرز تھے سو دونوں ٹوٹ گئے۔ اب جب تک گرز تیار ہو، مجھ کو مہلت دے۔ امیر نے کہا کہ بہت بہتر ہے، مگر سچ بتا کہ پوتا میرا کیا ہوا؟ ہردم بولا کہ حمزہ، تیرا نام سن کر میں نے تیرے پوتے کو زندہ چھوڑ دیا، مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ کدھر کو گیا۔ یہ کہہ کر ہردم اپنے گھر کو گیا اور چند دنبے اور شیشے شراب کے

امیر کے واسطے بھیج دیے۔ اس دن بھی امیر کی جواں مردی کا حال اپنی بہن سے بیان کیا اور کہا کہ اس سے بہتر تیرے واسطے دنیا میں جفت نہ ہوگا، اور لوہار کو بلا کر حکم دیا کہ راتوں رات نو سو من لوہے کا گرز تیار کر دے۔ لوہار نے صبح ہوتے ہوتے گرز تیار کر دیا۔ ہردم ضروریاتِ ستہ سے فراغت کر کے باغ میں آیا اور امیر سے کہنے لگا کہ دو گرز تو میرے ٹوٹ چکے ہیں۔ اگر یہ گرز بھی ٹوٹ جائے گا تو مجھ کو بڑی دقت ہوگی کیونکر کہ تم اپنے گرز پر میرے گرز کو روکتے ہو۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ تم اپنے گرز کو الگ رکھ دو۔ امیر نے قبول کیا اور گرز اس کا سپر پر روکا، مگر امیر کے سر میں چار انگل گرز در آیا۔ امیر نے جھنجھلا کر ایک ہاتھ تلوار کا مارا۔ ساتوں زرہیں ہردم کی کٹ گئیں اور مجروح ہوا۔ ہردم نے دمِ سرد کھینچ کر امیر سے کہا کہ یہ سن ہوا میر الڑتے لڑتے، مگر آج میں زخمی ہوا۔ دونوں پہلوان اپنے اپنے زخم کے اچھا کرنے میں مصروف ہوئے۔ چند روز میں ہردم و امیر اچھے ہوئے اور پھر بایکدیگر لڑنے لگے۔ ہردم نے چاہا کہ پھر اسی زخم پر گرز مارے، امیر نے دوڑ کر دونوں بازو اس کے پکڑ لیے اور نعرہ کر کے سر پر اٹھا لیا اور چرخ دے کر زمین پر دے مارا اور چھاتی پر چڑھ کے دعوت اسلام کی کی۔ وہ صدق دل سے مسلمان ہوا اور امیر و عمرو کو اپنے مکان میں لے جا کر بڑے تکلف سے دعوت کی اور کہا کہ میرے باپ کی وصیت تھی، جو کوئی تیری پیٹھ زمین کو لگا دے اس کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کر دینا۔ سو آپ نے مجھ کو پچھاڑا، اب میری بہن کے ساتھ شادی کیجیے۔ امیر کی اجازت سے عمرو نے صیغہ پڑھا۔ امیر محل میں جا کر مصروف بہ عیش ہوئے۔

یہ خبر سعد کو پہنچی کہ امیر یہاں تک پہنچے اور ہردم کی بہن کے ساتھ عقد کیا سعد مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار ہو ا اور شہر بردع کی راہ لی۔ ہرگاہ ہردم کے دروازے پر پہنچا، ایک نعرہ اس زور سے کیا کہ امیر کے کانوں میں آواز پہنچی۔ امیر نے ہردم سے کہا کہ دیکھو تو، یہ نعرہ کس پہلوان نے کیا؟ ہردم گرز اپنا اٹھا کر باہر آیا۔ سعد نے مرکب سے کود کر دونوں بازو ہردم کے پکڑ لیے اور ہکہ دے کر زمین سے اٹھا لیا اور سر پر چرخ دے کر زمین پر دے مارا اور سینے پر چڑھ بیٹھا۔ ہردم بولا کہ اے بہادر، نام اپنا بتا کہ تو کون ہے۔ سعد نے کہا کہ میں سعد بن عمرو بن حمزہ ہوں۔ ہردم نے کہا کہ میرے سینے سے اتر، تا کہ تجھ کو تیرے دادا سے ملا دوں۔ سعد اس کے سینے سے اتر کر ہمراہ ہوا۔ جونہی امیر سے چار آنکھیں ہوئیں، دوڑ کے قدموں پر گر پڑا۔ امیر نے سعد کو چھاتی سے لگایا اور سر و رو کے بوسے لیے۔ ہردم نے امیر سے عرض کی کہ ایک امر میں میں کمال متحیر ہوں، یعنی پہلے آپ کے پوتے سعد کو بہ آسانی تمام میں نے اٹھا لیا تھا اور آج سعد نے اس سہولت سے مجھ کو اٹھا لیا جیسے کوئی پہلوان کسی بچہ شیر خوار کو اٹھا لے۔ اس دن کیا تھا اور آج کیا ہے؟ امیر نے فرمایا کہ آگے وہ بیمارِ عشق خانہ خراب تھا، حواسِ خمسہ منتشر تھے، طاقت سلب تھی، اور آج بفضلہٖ تعالیٰ تندرستی اور قوتِ اصلی موجود ہے۔ یہ کہہ کر ہردم کو

سعد سے بغلگیر کروایا اور کھانا منگوا کے سبھوں نے ایک دستر خوان پر تناول کیا۔ ساقیانِ ماہ وش و خورشید منظر صراحیاں بادۂ گلنار کی لے لے کر حاضر ہوئے اور مطربانِ خوش آہنگ و رقاصانِ پری پیکر مجرا کرنے لگے۔ صبح کو امیر نے ہردم سے کہا کہ اب میں اپنے لشکر میں جاؤں گا، اپنا ارادہ بتا کہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی کہ یا امیر، ہردم ہر دم اب آپ کے ساتھ موجود ہے۔ جب تک دم میں دم ہے، ایک دم تو جدا ہونے کا نہیں۔

امیر ہردم کی بہن سے رخصت ہوئے اور ہردم و سعد کو ہمراہ لے کر اپنے لشکر کی طرف چلے۔ اس وقت پہنچے کہ ژوپین اور مرزوق شاہِ فرنگی سے صفِ جنگ میں لڑائی ہو رہی تھی۔ امیر کو دیکھ کر جتنے سردار تھے سب خوش ہو گئے اور آ کر قدم بوس ہوئے۔ ژوپین فولاد تن نے مرزوق کو اٹھا کے زمین پر دے مار کر کہا کہ اے فرنگی، تجھ کو کیا ماروں، جا اور کسی کو بھیج۔ مرزوق تو لشکر میں آیا، مالک اشتر نے جا کر ژوپین کا مقابلہ کیا۔ ژوپین فولاد تن نے مالک اشتر پر ایسا گرز مارا کہ ہر بن مو سے عرق ٹپکنے لگا۔ مالک اشتر نے بھی اپنے کو سنبھال کر ایسا جواب دیا کہ ژوپین بھی حیران رہ گیا۔ دوپہر تک دونوں پہلوان گرز بہ گرز لڑے، پھر تلوار پکڑی۔ ژوپین فولاد تن نے قریب شام کے مالک کے ہاتھ کو زخمی کیا۔ اس میں شہسوارِ فلکِ اوّل نے درمیان میں آ کر مصالحہ کیا۔ دونوں لشکر اپنے اپنے مقام پر گئے۔ جب شہنشاہِ فلکِ چہارم پہلوانوں کی جنگ کا تماشا دیکھنے کے واسطے تختِ روز پر جلوہ افروز ہوا، دونوں لشکروں نے صف آرائی کی۔ ژوپین اور بخیہ شتر بان سے مقابلہ ہوا۔ ژوپین نے نیزہ سے مرکبِ بخیہ کو گرا کر کہا کہ جا، اور کسی کو بھیج۔ بخیہ لشکر میں آیا۔ قندز سر شباں ژوپین کے سامنے گیا۔ قندز نے ژوپین کے وار کو رد کر کے ایک گرز مارا۔ ژوپین نے خالی دے کر کمند کا لچھہ پھینک کر قندز کو گھوڑے سے کھینچ لیا۔ لندھور کو برداشت نہ ہوئی، میدان میں جا کر ژوپین سے تا شام گرز بہ گرز اس چمک دھمک سے لڑا کہ دونوں لشکروں سے آواز احسنت و آفریں کی بلند ہوئی۔ ہرگاہ دونوں لشکر اپنے اپنے خیمہ گاہ کی طرف پھرے، بختک نے نوشیرواں سے کہا کہ کل ژوپین فولاد تن سے اور بدیع الزماں سے ضرور جنگ ہو گی۔ نوشیرواں نے کہا، تعجب کیا ہے۔ بارے رات گذر کے جب صبح ہوئی اور میدان میں طرفین کے لشکر آئے، ژوپین نے گھوڑا میدان میں نکالا اور مبارز طلب ہوا۔ ادھر سے شاہزادہ بدیع الزماں اپنے مرکب کو اٹھا کر اس سے مقابل ہوا۔ ژوپین بولا کہ او پست قد، تو کون ہے؟ اپنا نام بتا کہ بے نام و نشان مارا نہ جائے۔ امیر زادہ بولا کہ بدیع الزماں ابن حمزہ میرا نام ہے۔ لا، کیا حربہ رکھتا ہے؟ ژوپین نے ایک گرز امیر زادے کے سر پر ایسا مارا کہ تین سو ساٹھ رگوں میں خون دوڑ گیا اور ہر بن مو سے عرق ٹپکنے لگا۔ مگر امیر زادے نے مردانہ وار اپنے کو قائم رکھ کر کہا کہ ہاں، اور دو حربے کر لے۔ ژوپین نے کمال گرما گرمی سے دو حربے اور شاہزادے پر کیے۔ شاہزادے نے اس کی ضربوں کو رد کر کے ایسا گرز مارا کہ سپر ژوپین کی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور ژوپین کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔

اسی طرح دو پہر کامل تک دونوں پہلوان گرز بہ گرز لڑے، پھر نوبت تلوار کی آئی۔ تلواریں بھی لڑتے لڑتے اڑ ہو گئیں۔ کمندیں چلنے لگیں۔ بعد ازاں دونوں بہادر پیادہ ہو کر بایکدیگر زور کرنے لگے۔ امیر زادے نے دو بار ژوپین کو تا بہ زانو اٹھایا لیکن زیادہ اس سے نہ اٹھا سکا۔ اس میں شام ہو گئی۔ دونوں لشکر میں طبلِ بازگشت بجا۔ صبح کو پھر بدستور بعد صف آرائی کے ژوپین رزم گاہ میں جا کر للکارنے لگا کہ جس کی موت ہو وہ میرے سامنے آوے۔ امیر نے اشقر دیوزاد کو قلبِ لشکر سے نکالا اور ژوپین سے جا کر مقابل ہوئے۔ ژوپین نے چھوٹتے ہی امیر کی کمر پکڑ لی۔ امیر بھی اس کی کمر پر دست انداز ہوئے اور بایکدیگر زور کرنے لگے۔ جب دونوں کے مرکب تا بہ زانو زمین میں دھنس گئے، دونوں بہادر پیادہ ہوئے۔ دیر تک دونوں پیچ چلا کیے۔ آخر امیر نے نعرہ کر کے ژوپین کو اٹھا کر سر گرداں کیا اور زمین پر دے مار کے چھاتی پر چڑھ بیٹھے۔ عمرو بن امیہ نے کمند سے باندھ لیا۔ امیر نقارہ شادیانے کا بجواتے ہوئے خیمہ گاہ کی طرف پھرے اور سیدھے محل سرا میں چلے گئے۔

یہاں پہلوانوں نے جمع ہو کر عمرو بن امیہ سے کہا کہ ژوپین نے ہم سب کو ذلیل و سبک جنگ میں کیا ہے۔ اگر یہ زندہ رہے گا تو ہمیشہ اس سے آنکھ جھپکتی رہے گی۔ کسی تدبیر سے یہ مروا ڈالا جاتا تو رنج ہٹتا۔ عمرو نے کہا کہ امیر کبھی ژوپین سے پہلوان کو نہ ماریں گے بلکہ بہ نسبت سب کے زیادہ تر عزیز رکھیں گے، کہ ایسے پہلوان شہ زور میسر نہیں آتے ہیں۔ جب لوگوں نے عمرو کو لالچ دیا، عمرو نے ہردم سے کہا کہ تو سیسہ گرم کر کے ژوپین کو پلا دے۔ اگر امیر کچھ آزردہ ہوں گے تو میں جوابدہی کر لوں گا۔ ہردم نے سیسہ گرم کروا کے ژوپین کو پلا دیا۔ ژوپین کا دل و جگر اسی وقت پگھل گیا۔ امیر جو مجلس سے برآمد ہوئے، ژوپین کو طلب کیا۔ معلوم ہوا کہ ہردم نے اس کو سیسہ پلا کر بے دم کر دیا۔ امیر ہردم سے بہت ناراض ہوئے۔ ہردم نے عرض کی کہ میں نے عمرو بن امیہ کے کہنے پر عمل کیا۔ میرا کچھ اس میں قصور نہیں ہے، خون اس کا عمرو بن امیہ کی گردن پر ہوگا۔ امیر نے عمرو سے ناخوش ہو کر کہا کہ اس نے تیرا کیا بگاڑا تھا جو تو نے اس کو مروا ڈالا؟ عمرو بولا کہ یا امیر، وہ گردن زدنی اس قابل تھا کہ مارا جائے۔ امیر نے ارشاد کیا کہ کیا کروں، اگر عمرو کی جا پر کوئی اور ہوتا تو بربِ کعبہ اس کو بھی سیسہ پلا کر مار ڈالتا۔ مگر اس پر بھی سات چابک عمرو کو مارے اور فرمایا کہ اگر بارِ دیگر اس طرح کی حرکت بے حکم میرے کی تو بہت بری طرح سے پیش آؤں گا۔ عمرو نے کہا کہ اگر اس سات کوڑوں کے بدلے ستر کوڑے امیر تم کو نہ مارے تو امیہ ضمیری کے نطفے سے مَیں نہیں۔ یہ کہہ کر سیدھا نوشیروان کے پاس چلا گیا اور کہا کہ اے شہنشاہ، میں نے اس عرب کے لیے کیا سرکھپی اور جانفشانی نہیں کی، اس کا نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ ایک کافر کے واسطے سات کوڑے مجھ کو مارے، تمام پہلوانوں کی آنکھوں میں مجھ کو سبک و ذلیل کیا۔ اگر حضور مجھ کو رکھیں تو خدمتگاری میں حاضر رہوں۔ نوشیرواں نے خوش ہو کر کہا کہ اے عمرو، تو میری آنکھوں پر رہ۔ یہ کہہ کر خلعتِ

فاخرہ سے سرفراز کیا اور کرسی بیٹھنے کو دی۔

امیر نے جو یہ خبر سنی، اس کی دہشت سے شب بیداری اختیار کی۔ اور عمرو ہر شب امیر کی فکر میں آتا مگر بیدار پا کر چپکا چلا جاتا۔ آخر ایک شب کو امیر سو گئے۔ عمرو تو اسی تاک جھانک میں رہتا تھا، امیر کو غافل پا کر تفنگ سے داروے بے ہوشی نتھنوں میں پھونک کر بے ہوش کیا اور کمند سے باندھ کر جنگل کی طرف لے جا کے ایک درختِ تنہ دار سے مضبوط باندھ کر رفعِ بے ہوشی کی۔ امیر نے اپنے کو درخت سے بندھا دیکھ کر انگلی دانتوں میں دبائی۔ عمرو ایک ٹہنی درخت سے کاٹ لایا اور ستر لکڑیاں گن کر امیر کو ماریں۔ امیر نے تبسم کر کے کہا کہ بھلا اے دزدِ مکار، اگر خون تیرا نہ دیکھا تو حمزہ نام نہ پایا۔ یہ کہہ کر زور کر کے کمند کو توڑ ڈالا۔ عمرو مثلِ شترِ بے مہار امیر کے سامنے سے بھاگا۔ امیر نے تیر و کمان کو ہاتھ میں لیا۔ عمرو نے جانا کہ تیر امیر کا بے خطا ہوتا ہے، مفت میں مارا جائے گا۔ دوڑ کر امیر کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یا امیر، میرا قصور معاف کرو۔ امیر نے فرمایا کہ میں نے سوگند کھائی ہے کہ تیرے بدن سے خون نکالوں گا۔ عمرو نے کہا کہ اگر یہی مرضی ہے تو میں حاضر ہوں، میری گردن ماریے۔ امیر نے سوگند اتارنے کے واسطے نشتر نکال کے عمرو کی رگ سے قدرے خون نکالا اور بعد ازاں عمرو کو لے کر لشکر میں آئے۔

آنا مزدک حکیم کا لشکر میں امیر کے، اشارے سے بختک کے، اور اندھا کر دینا امیر کو مع سردارانِ لشکر

راوی لکھتا ہے کہ ایک دن مزدک نامی حکیم کہ بختک سے بہت دوستی رکھتا تھا، بختک کے پاس آیا اور کہا کہ اگر نوشیرواں کہے تو میں امیر کو اس کے یاروں سمیت اندھا کر دوں۔ نوشیرواں نے بختک سے یہ تقریر سن کر کہا کہ اندھا کیا چاہیے دو آنکھیں۔ مزدک کو بلا کر خلعت دیا اور بہت سی نوازش کی۔ مزدک عمرو بن امیہ کے پاس گیا اور اپنی بے کسی و مصیبت بیان کر کے بہت سی زارنالی کی اور کہا کہ اگر آپ کی عنایت سے امیر کی خدمت میں میرا رہنا ہوتا تو لشکریوں کی دوا کر کے اوقات بسر کرتا۔ عمرو نے موقع پا کر امیر سے عرض کی۔ امیر نے کہا، کیا مضائقہ ہے۔ اگر وہ حکمت کر کے اپنی اوقات بسری میرے لشکر میں کرے گا تو خالی از ثواب نہیں ہے۔ بارے عمرو حکیم مزدک کو امیر کے پاس لے آیا۔ امیر نے اس کے حال پر بہت سی نوازش کی اور فرمایا کہ بہتر ہے، تم ہمارے لشکر میں رہ کر بیماروں کا علاج کیا کرو۔ مزدک لشکر میں رہنے لگا۔ اتفاقاً امیر کی آنکھوں میں کچھ غبار سا آ گیا۔ امیر نے مزدک سے بلا کر بیان کیا۔ مزدک نے ایک سرمہ معقول تیار کر کے امیر کی آنکھوں میں لگایا۔ امیر کی آنکھیں تارا سی روشن ہو گئیں۔ امیر نے دوبارہ سہ بارہ اس سرمے کا استعمال کیا اور مزدک کو بہت کچھ انعام دیا۔ یاروں نے بھی امیر سے سرمے کی تعریف سن کر اپنی آنکھوں میں اس سرمے کو لگایا۔ سب نے فائدہ دیکھ کر حسبِ استطاعت مزدک کو انعام دیا۔ بعد ازاں مزدک نے اس سرمے میں اندھے ہونے کی دوائیاں شامل کیں اور امیر سے جا کر عرض کی کہ بالفعل جو میں نے سرمہ بنایا ہے، پہلے سرمے سے کہیں بہتر ہے۔ زیادہ تر صفت یہ ہے کہ ایک دفعہ کے لگانے سے زندگی تک آنکھوں میں سرمہ لگانے کی احتیاج نہ ہو گی۔ امیر نے یاروں سمیت اس سرمے کو لگایا۔ مزدک نے دیکھا کہ میں اپنا کام کر چکا، اب اگر یہاں رہوں گا تو

امیر آنکھیں میری نکلوا ڈالیں گے، وہاں سے چلتا ہوا۔ نوشیرواں سے آ کر کہا کہ میں نے امیر کو یاروں سمیت اس کے نابینا کر دیا۔ نوشیرواں نے کہا، کیونکر معلوم ہو کہ قول تیرا راست ہے؟ اس نے عرض کی کہ طبلِ جنگ بجوائیے، آپ سے آپ معلوم ہو جائے گا۔ نوشیرواں نے اسی دم طبلِ جنگ بجوایا امیر نے اور یاروں نے طبلِ جنگ کی آواز سن کر پانی منھ دھونے کو منگوا کر منھ دھویا۔ دیکھیں تو کچھ نظر نہیں آتا۔ ایک سرے سے سب اندھے ہو گئے۔ امیر نے فرمایا کہ ہاں، مزدک کو تو دیکھو کہاں ہے۔ مزدک مردک اب کب دکھائی دیتا تھا۔ امیر نے کہا کہ یارو، بڑا ظلم ہوا۔ آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور حریف کے لشکر میں طبلِ جنگ بجایا گیا۔ اگر میدان میں نہیں جاتے ہیں تو وہ دن دہاڑے لشکر پر آ گریں گے۔ بہر حال، جو کچھ ہو، صف آرائی کیا چاہیے۔ امیر یہ سوچ کر میدان میں آئے اور لشکر کی صفوں کو قائم کیا۔ نوشیرواں نے مزدک سے کہا کہ اگر یہ لوگ اندھے ہوتے تو میدان میں نہ آتے۔ وہ مردک بولا کہ کسی کو لڑنے کے واسطے بھیجیے، معلوم ہو جائے گا۔ نوشیرواں نے عادیوں میں سے ایک پہلوان کو بھیجا۔ اس نے میدان میں آ کر بآوازِ بلند کہا کہ اے عربو، تم کیا ایک سرے سے اندھے ہو گئے ہو کہ میں کب سے مبارز طلب ہوں اور تم میں سے کوئی نہیں آتا؟ ہردم کو اس کا کہنا ناگوار ہوا۔ اپنے گھوڑے کو اٹھا کر اس کے روبرو آیا اور گرز اپنا گھما کر ایسا اس عادی کے سر پر مارا کہ عادی مع مرکب پست ہو گیا۔ نوشیرواں نے پے در پے چھ پہلوان عادیوں میں سے ایک ایک کر کے اور بھیجے۔ ہردم نے سب کو طعمۂ گرزِ شیر پیکر کیا۔ نوشیرواں نے فوج کو حکم دیا کہ ہردم کو گھیر کے مار لو۔ جب لشکر نوشیرواں کا ہردم پر آ گرا، ہردم نے دو ہتڑ گرز مارنا شروع کیا۔ سیکڑوں کافر مارے گئے۔ آخر تاب نہ لا کر ہردم کے سامنے سے بھاگے اور ایک پرتاب تیر کے فاصلے سے تیر مارنے لگے۔ ہردم کے گلے میں ہفت زرہ داؤدی تھی، تیر کب اثر کرتا تھا۔ آخر بختک بولا کہ یارو، ہردم ہفت زرہ داؤدی پہنے ہوئے ہے، اس کے بدن میں تیر نہ لگے گا۔ مگر ہاں، پاؤں میں تیر مارو تو ابھی گر پڑتا ہے۔ تیر اندازوں نے ایسا ہی کیا۔ ہردم نے امیر کو آواز دی کہ یا امیر، اس دم وقت مدد کا ہے۔ امیر نے اشقر کی باگ لے کر زبانِ جنّی میں کہا کہ اس دم میں نابینا ہوں، تو جہاں کافروں کو دیکھنا اس طرف جانا۔ بارے امیر نے لشکرِ کفار میں گھس کر کشتوں سے پشتے باندھ دیے۔ نوشیرواں نے لشکریوں سے کہا کہ حریف کی طرف سب اندھے ہیں، کب تک لڑیں گے! اس وقت تم لوگ ہمت کو نہ ہارنا۔ ہر چند کفار نوشیرواں کے کہنے سے لڑے مگر آخر بھاگ کھڑے ہوئے۔

امیر مظفر و منصور اپنے خیمے میں داخل ہوئے اور یاروں سے کہنے لگے کہ جب تک آنکھیں روشن ہوں تب تک یہاں رہنا اچھا نہیں ہے۔ جو شہر کہ یہاں سے نزدیک ہو وہاں چل کر آنکھوں کا علاج کیا چاہیے، پھر سمجھ لیا جائے گا۔ چوب گرداں پہلوان نے عرض کی کہ یہاں سے تین منزل پر میرا شہر ہے، نام اس کا اردبیل

ہے اور قلعہ اس کا بہت مستحکم ہے۔ اگر مرضیِ مبارک ہو تو صحت تک وہاں چل کے تشریف رکھیے۔ امیر نے فرمایا کہ اچھا تم پیش خیمہ مع لشکر لے کر روانہ ہو اور آگے سے جا کر قلعے کو مستحکم کرو، میں بھی آتا ہوں۔ اسی دن امیر کے لشکر نے وہاں سے کوچ کیا اور اردبیل کی طرف راہی ہوئے۔ نوشیرواں نے اندھا سمجھ کر ان کا تعاقب کیا۔ امیر جو چار پہلوانوں سے رہ گئے تھے، لشکرِ کفار پر جا گرے اور اس قدر تیغ زنی کی اور کافر مارے کہ عالمِ بینائی میں کبھی ایسا کشت و خون نہ کیا ہوگا۔ آخر فوجِ کفار بھاگ کھڑی ہوئی۔ امیر بہ ظفر و فیروزی قلعۂ اردبیل میں داخل ہوئے اور قلعے کے دروازے کو مستحکم کر کے خندق کو پانی سے لبریز کر دیا اور جا بجا فصیلوں پر مورچہ بندی کر کے آنکھوں کی بینائی کے واسطے بارگاہِ الٰہی میں مناجات کرنے لگے۔ نوشیرواں نے جا کر پہلے تو قلعے سے لڑائی ڈالی، جب قلعگیوں نے لوگ اس کے بہت سے مارے تب محاصرہ کر کے اتر پڑا۔

آنا ہاشم بن حمزہ اور حارث بن سعد کا امیر کی ملازمت کے واسطے اور اچھا ہونا امیر کی آنکھوں کا حضرت خضرؑ کی مدد سے

راوی لکھتا ہے کہ ہردم کی بہن کے بطن سے امیر کا بیٹا پیدا ہوا تھا، اس نے نام اس کا ہاشم رکھا تھا۔ اور سعد بن عمرو بن حمزہ کی منکوحہ بھی بیٹا جنی تھی، اس نے نام اس کا حارث رکھا تھا۔ دونوں دادا پوتے نو برس کے ہوئے تھے۔ بہ سبب ہم سنی کے دونوں میں بایکدیگر بڑی محبت تھی۔ شکار کھیلنے کو بھی دونوں ساتھ ہی جاتے تھے۔ ہاشم بن حمزہ کا معمول تھا کہ جب شیر کا شکار کرتا، اس کا کلیجہ بھون کر کھاتا۔ اس سے ہاشم شیر خوار اس کا لقب ہو گیا تھا۔ جب امیر کے قلعہ بند ہونے کی خبر بردع میں پہنچی، دونوں دادا پوتے لشکرِ جرار لے کر اردبیل کی طرف روانہ ہوئے۔ چند روز میں قلعۂ اردبیل پر پہنچے۔ دیکھا کہ کفار قلعے کا محاصرہ کیے پڑے ہیں۔ جس طرح شیرِ غرّاں بکریوں کے گلے میں گھستا ہے، ہاشم و حارث تلواریں کھینچ کر لشکرِ کفار میں گھس پڑے اور اس قدر تیغ زنی کی کہ کافروں کے حواس بجا نہ رہے۔ ہزارہا کافر طعمۂ نہنگِ شمشیر ہوئے۔ آخر قلعے کے نیچے سے بھاگ کر کئی پرتاب تیر کے فاصلے سے خیمہ زن ہوئے۔ لشکرِ اسلام نے جانا کہ غیب سے ہماری مدد آئی، قلعے کا دروازہ کھول کر ہاشم و حارث کو قلعے کے اندر لے لیا۔ دونوں اندر جا کر امیر کے قدموں گر پڑے اور اپنے نام ونشان سے امیر کو آگاہ کیا۔ امیر کو عجب طرح کی خوشی ہوئی کہ جس کا پایاں نہیں۔ دونوں کو دونوں زانوؤں پر بٹھا کر پیار کرنے لگے۔ ہاشم نے عرض کی کہ یہ مقام اچھا نہیں ہے، ہمارے لشکر کو کمال تکلیف ہو گی۔ اس سے بہتر ہے کہ بردع میں تشریف لے چلیے کہ وہاں لشکر کو آرام ملے گا۔ امیر نے نقارہ کوچ کا بجوایا اور بردع کی طرف

روانہ ہوئے۔ لشکرِ کفار بھی پیچھے پیچھے چلا گیا۔ جب امیر مع اہالی وموالی قلعۂ بردع میں داخل ہوئے، لشکرِ کفار قلعے کو محاصرہ کر کے اتر پڑا۔

امیر شب و روز اپنی آنکھوں کی بینائی کے واسطے رو رو کر مناجات کیا کرتے تھے۔ ایک دن خواجہ خضر وارد ہوئے اور ایک پتا مل کے اپنے ہاتھ سے چند قطرے عرق کے امیر کی آنکھوں میں ڈالے۔ امیر کی آنکھیں تاراسی روشن ہو گئیں۔ امیر نے خواجہ خضرؑ سے مشرف ہو کر کہا کہ میں تو آپ کی بدولت اچھا ہوا، لیکن میرے جتنے یار ہیں سب اندھے ہونے سے بیکار ہیں، اور ظاہر ہے کہ بے یار سردار ہیچ کارہ ہے۔ خواجہ نے چند پتے دے کر فرمایا کہ ان کا عرق سب کی آنکھوں میں ٹپکا دو۔ یہ کہہ کر غائب ہو گئے۔ امیر نے سب یاروں کی آنکھوں میں ان پتوں کا عرق ٹپکایا، سب نابینا بینا ہو گئے۔

عمرو بن امیہ نے امیر سے کہا کہ معلوم ہوا یہ سب شرارت بختک کور باطن کی تھی، اگر حکم ہو تو اس کو کچھ سزا دوں؟ امیر نے فرمایا کہ وہ آپ اپنی سزا کو پہنچ رہے گا، کسی کو رنج دینا کیا ضرور ہے۔ عمرو تو اس پر زہر کھائے ہوئے تھا، اس کو چین کہاں تھا۔ اس وقت تو چپ ہو رہا، شب کو باورچی کی صورت بن کر بختک کے خیمے پر گیا اور دربانوں سے کہا کہ وزیر سے عرض کرو کہ ایک باورچی روم سے آیا ہے۔ اگرچہ نمکین و شیریں سب خوب پکاتا ہے، لیکن ہریسہ ایسا پکاتا ہے کہ دنیا میں اس کا جواب نہیں ہے۔ بختک نے اس کو خیمے میں تو بلا لیا مگر ڈرا کہ ایسا نہ ہو عمرو ہو۔ پھر دل میں سمجھا کہ عمرو تو نابینا ہے، البتہ یہ باورچی ہی ہوگا۔ مگر اس پر بھی کئی عیار بھیجے کہ دیکھو تو، عمرو حمزہ کے پاس ہے یا نہیں۔ عیار خیمے سے نکل کر بایکدیگر مشورہ کرنے لگے کہ اگر شاید یہ شخص عمرو ہی ہے تو ہمارے ساتھ آئندہ کو عداوت کرے گا۔ یہ سوچ کر تھوڑی دور جا کے پھر آئے اور بختک سے کہا کہ حمزہ کے پاس عمرو ہے۔ بختک کو اطمینان ہوا۔ عمرو کو ہریسہ پکانے کا حکم دیا۔ عمرو نے ایسا عمدہ ہریسہ پکایا کہ بختک نے پیالہ چاٹ چاٹ کر کھایا اور نوشیرواں سے جا کر بہ کمال صفت وثنا اس کی تعریف کی۔ نوشیرواں نے اپنے باورچی خانے کا اس کو داروغہ کیا۔ عمرو ہر روز نئے نئے طرح کے کھانے پکا کر کھلانے لگا۔ ایک شب کو سہ منی دیگ چولھے پر چڑھائی، مگر سوائے ادبن کے اس میں گوشت وغیرہ کچھ نہ ڈالا۔ جب نصف شب گذری، باورچیوں کو بے ہوش کر کے بختک کے خیمے میں گیا۔ دیکھا کہ بختک کی نفیرِ خواب بلند ہے۔ کئی مثقال عبیرِ بیہوشی اس کی ناک میں دیا۔ چھینک مار کر وہ بیہوش ہو گیا۔ عمرو اس کو چادر میں لپیٹ کر باورچی خانے میں لایا اور اسی دیگ میں، کہ پانی جوش کھا رہا تھا، ڈال دیا۔ جب وہ اولمہ ہو گیا تب پوست و سر کو تو زمین میں گاڑ دیا، باقی اعضا کا ہریسہ پکا کر صبح کو بادشاہ کے دسترخوان پر لگا دیا۔ بادشاہ نے اکثر امرا کو اس میں سے عنایت کیا اور تعریفیں کر کے کھانے لگا۔ اتفاقاً ایک انگلی ہریسے میں سے نکلی اور اس انگلی میں انگوٹھی عنایتی بادشاہ کی تھی۔

نوشیرواں نے اس انگلی کو دیکھ کے ہاتھ کھانے سے کھینچ کر باورچی سے پوچھا کہ یہ انگلی کس کی ہے؟ باورچی تو کچھ نہ بولا مگر انگوٹھی سے پہچانا کہ بختک کی ہے۔ حکم کیا کہ دیکھو تو، بختک کیا کرتا ہے، بلا لاؤ۔ لوگ جو بختک کے خیمے میں گئے تو بختک کا پلنگ خالی پایا۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈ کر عرض کی کہ بختک اپنے خیمے سے غائب ہے۔ بادشاہ نے معلوم کیا کہ یہ ہریسہ بختک کے گوشت سے تیار ہوا تھا، قے کرتے کرتے بیمار ہوگیا، اور عمرو وہاں سے اُڑنچھو ہو کے امیر کے پاس جا کر موجود ہوا۔ اس میں بزرجمہر آئے۔ نوشیرواں نے اول بزرجمہر سے فرمایا کہ تمھارے حصے کا ہریسہ رکھا ہے، اسے کھاؤ۔ جب بزرجمہر نے عذر کیا کہ میں کھانا کھا کے آیا ہوں اور غذا پر غذا کے کھانے سے تداخل واقع ہوتا ہے، نوشیرواں نے کہا کہ میں نے جانا جس سبب سے تم نہیں کھاتے ہو۔ یقیناً تم نے ازروے رمل دریافت کیا ہوگا، مگر مجھ سے اطلاع نہ کی۔ بزرجمہر نے کہا کہ حکما کا دستور نہیں ہے کہ بے پوچھے کچھ کہیں، نہ کہ ایسی خبر دینا۔ نوشیرواں پر واقف ہونا بزرجمہر کا اس کلام سے مطلق ثابت ہوا۔ برہم ہو کر بزرجمہر کی آنکھوں میں نیل کی سلائیاں پھروا دیں اور ہرمز کو اپنا قائم مقام کر کے خود مدائن کو چلا گیا۔

بزرجمہر نے امیر سے آ کر کہا کہ اے فرزند، میں نے سنا ہے کہ خاتم النبیؐ نے خروج کیا ہے۔ پس مجھ کو مکے بھیج دو کہ زیارت حاصل کروں۔ امیر نے لوگ ہمراہ کر کے بڑے اہتمام سے بزرجمہر کو مکے میں بھیج دیا۔ خواجہ عبدالمطلب بزرجمہر سے ملاقات کر کے بہ کمال تواضع و تکریم پیش آئے اور پیغمبرِ آخرالزماںؐ کے قدم بوس کروایا۔ بزرجمہر نے تہہِ نعلینِ رسول اللہؐ سے خاک اٹھا کر اپنی آنکھوں میں لگائی۔ فوراً بزرجمہر کی آنکھیں روشن ہوگئیں اور یہ معجزہ پیغمبرِ خداؐ کا ملک بملک مشہور ہوا۔

ہرمز کا حال سنیے۔ جب نوشیرواں ہرمز کو تخت پر بٹھا کے آپ مدائن کی طرف گیا، ہرمز نے سیاوش بن بزرجمہر کو خلعتِ وزارت دے کر وزیرِ اوّل کیا اور اپنے داہنے کرسی بیٹھنے کو دی، اور بختیارک بن بختک کو، کہ فریب و شیطنت میں اپنے باپ کا باپ تھا، وزیرِ دوم کر کے بائیں طرف کرسی بیٹھنے کو عنایت کی۔ بختیارک نے چند روز میں ایسا ہرمز کے مزاج میں دخل کیا کہ گویا خود بادشاہ ہوگیا۔ بے اس کی اجازت کوئی امر ہرگز نہ کرتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن ہرمز نے بختیارک سے کہا کہ اے وزیرِ صائب تدبیر، ایسی فکر کیا چاہیے کہ حمزہ مع فرزندان و عزیزان اور رفقا مارا جاوے۔ اس نے عرض کی کہ باختری مشہور ہے کہ آدم خور ہیں۔ اگر وہ لوگ یہاں آویں تو بلا شبہ مطلب حضور کا حاصل ہو۔ یہ کہہ کر ایک نامہ ہرمز کی طرف سے گاؤلنگی بادشاہ رخام کو شکایتِ حمزہ میں لکھا اور اس میں درج کیا کہ یہاں تو ایسا ایسا اس عرب نے کیا ہے، مگر اب آپ کے بھی ملک کو تاخت و تاراج کیا چاہتا ہے۔ ہرگاہ گاؤلنگی نامے کے مضمون سے آگاہ ہوا، اپنے بیٹوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ کوئی جا کر حمزہ کو میرے پاس پکڑ لاوے۔ مرزبان زردہشت نامی، گاؤلنگی کا داماد، اٹھ کھڑا ہوا اور زمین ادب چوم کر بولا کہ یہ

کام میرا ہے۔ گاولنگی نے تیس ہزار شیر سوار ہمراہ کر کے روانہ کیا۔ جب مرزبان شہرِ بردع کے متصل پہنچا، ہرمز استقبال کر کے اس کو اپنے لشکر میں لے آیا اور خلعتِ فاخرہ پہنا کر شرطِ مہمانداری بجا لایا اور لشکر میں شادیانے بجنے کا حکم دیا۔

امیر نے عمرو سے پوچھا کہ آج لشکرِ کفار میں شادیانے کیسے بجتے ہیں؟ اس نے دریافت کر کے عرض کی کہ بختیارک نے نامہ بہ مضمونِ استعانت ہرمز کی طرف سے گاولنگی بادشاہِ رخام کو بھیجا تھا، سو اس نے مرزبان زردہشت نامی اپنے داماد کو ہرمز کی مدد کے واسطے بھیجا ہے۔ اس کے آنے کی خوشی لشکرِ کفار میں ہو رہی ہے۔ امیر تبسم کر کے چپکے ہو رہے۔ جب صبح کو لشکرِ کفار سے طبلِ جنگ کی آواز آئی، امیر نے بھی میدان میں جا کر اپنے لشکر کی صف آرائی کی۔ مرزبان نے ایک شیر سوار میدان میں بھیجا اس نے لشکرِ عرب کی طرف رخ کر کے آواز دی کہ جس کو روح قبض کروانی ہووے وہ مجھ ملک الموت کے سامنے آوے۔ امیر سے یاروں نے کہا کہ گھوڑے ہمارے شیر کی بو سے بھڑکیں گے، کہ کبھی شیر کی صورت نہیں دیکھی ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ ہم پیادہ ہو کر شیر سوار سے لڑیں۔ امیر بولے کہ پیدل اور سوار کی لڑائی کیونکر بنے گی؟ ہردم نے عرض کی کہ یا امیر، آپ جانتے ہیں کہ میں ہمیشہ پیادہ ہو کر لڑتا ہوں۔ مجھ کو حکم ہو کہ اس شیر سوار سے جا کر مقابلہ کروں۔ امیر نے فرمایا کہ جاؤ، خدا کو سونپا۔ ہردم نے شیر سوار سے جا کر مقابلہ کیا۔ اس نے ہردم پر حملہ کیا۔ ہردم نے اس کے حربے کو اپنے گرز کی زنجیر سے لپٹا کر چھین لیا اور گرز گھما کر اس زور سے مارا کہ اس کو شیر سمیت پست کر دیا۔ عمرو بن امیہ دوڑ کر شیر کی گردن کاٹ لایا اور گھوڑوں کو اس کی بو سنگھانے لگا۔ امیر نے کہا کہ یہ مسخرگی کیا ہے؟ بولا کہ بو سنگھا کر گھوڑوں کو ڈھیٹ کرتا ہوں۔ امیر ہنسنے لگے۔ اس میں دوسرا شیر سوار ہردم سے لڑ کر پہلے شیر سوار کے پاس پہنچا۔ اسی طرح ایک ایک کر کے چالیس شیر سوار ہردم نے شام تک جہنم واصل کیے۔ شام کو دونوں لشکروں نے طبلِ بازگشت بجایا۔ ہردم کو امیر نے گلے سے لگا کر بہت سی شاباشی دی۔ صبح کو پھر بدستور ہردم اور ایک شیر سوار سے مقابلہ ہوا۔ وہ بھی ہردم کے ہاتھ سے مارا گیا۔ پھر تو کسی شیر سوار نے جرأت نہ کی۔ ہر چند مرزبان نے حکم دیا لیکن کسی نے نہ سنا اور عذر کرنے لگے کہ جو اس پہلوانِ دیوانہ کے سامنے جاتا ہے وہ جیتا نہیں پھرتا ہے، پس ہم کو اپنی جان بھاری نہیں ہے کہ اس پہلوان سے مقابلہ کریں۔ تب تو مرزبان خود کھسیانا ہو کر ہردم کے سامنے آیا اور بہ قوتِ تمام ہردم پر حربہ کیا۔ ہردم نے بدستورِ اول اس کے حربے کو اپنے گرز کی زنجیر سے لپیٹ کر چاہا کہ حربہ مرزبان کا چھین لے مگر چھین نہ سکا، بلکہ اور لینے کے دینے پڑے، یعنی گرز ہردم کے ہاتھ سے چھوٹنے لگا۔ بے اختیار امیر کو پکارا کہ جلد آیئے، ورنہ گرز میرا میرے ہاتھ سے جاتا ہے۔ امیر نے اشقر کی باگ لی اور متصل جا کر ایک نعرہ اس زور سے کیا کہ مرزبان فلک کو اس گمان سے دیکھنے

لگا کہ شاید ہفت فلک ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے، اور ہاتھ مرزبان کا سست ہوا۔ ہردم نے گرز اپنا اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔ مرزبان امیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا کہ اے جوان، تو کون ہے کہ میرے شکار کو مجھ سے چھڑا دیا؟ بھلا اب اس کے بدلے تو ہی میرا صید ہے۔ یہ کہہ کر امیر پر حربہ کیا اور بولا کہ اگر سدِ سکندری ہوتی تو اس ضرب سے بیٹھ جاتی، اس کوتاہ قد کی کیا حقیقت تھی کہ تاب لاتا۔ امیر نے فرمایا کہ اے مردک، دو حربے اور بھی کر لے، تب تجھ کو معلوم ہوگا کہ ضرب اس کو کہتے ہیں۔ مرزبان نے پے در پے دو حربے اور کیے۔ امیر جیسے کھڑے تھے ویسے ہی کھڑے رہے۔ بارے امیر کی باری آئی۔ امیر نے گرز گھما کر اس زور سے مرزبان پر مارا کہ اکثر آدمی لشکرِ کفار کے اس کی دھمک سے بہرے ہو گئے اور مرزبان کے ہر بنِ مو سے عرق ٹپکنے لگا۔ اس وقت مرزبان نے اپنے دل میں اندیشہ کیا کہ حمزہ بڑا زبردست ہے، اس کا زیر دست ہونا معلوم، اور اپنے واسطے اس کے ہاتھ سے ضرر پہنچنا تعجب نہیں ہے، پس غیر کے واسطے اپنی جانِ شیریں دینا مطلق دانائی سے بعید ہے۔ یہ سوچ کر امیر کے سامنے سے گھوڑا اٹھا کر بھاگا۔ امیر نے اپنے مرکب کو اس کے مرکب کے پیچھے تک لے جا کر اس زور سے گرز مارا کہ مرزبان کا بازو ٹوٹ گیا اور ایک قدح بھر کر خون منہ سے نکل پڑا۔

مرزبان اسی ہیئتِ کذائی سے ہرمز کے پاس گیا اور کہا کہ اے شاہزادے، حمزہ مجھ سے بہت زور آور ہے، میں اس سے لڑ نہیں سکتا۔ اگر تم کو اس سے اپنی نجات منظور ہے تو قضا و قدر میں سریال بن صلصال کے پاس جا کر پناہ لو، وہ البتہ حمزہ پر غالب آوے گا۔ ہرمز نے پوچھا کہ قضا و قدر کہاں ہے اور سریال کون ہے؟ مرزبان نے کہا کہ قضا و قدر باختر کے نزدیک ہے اور وہاں کا بادشاہ سریال بن صلصال ہے۔ بڑا زبردست پہلوان اور قد اس کا ایک سو چالیس گز کا ہے۔ اگر ارادہ آپ کا ہو تو میں وہاں آپ کو پہنچا دوں۔ ہرمز نے بادشاہوں سے مشورہ کیا۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ جس میں حمزہ مارا جائے وہ کام کیجیے۔ سیاوش بن بزرجمہر نے کہا کہ میری صلاح وہاں جانے کی نہیں ہے، اور اگر جایئے گا تو پشیمان ہو جایئے گا۔ بختیارک بولا کہ ہاں، یہ تو کہا ہی چاہیں! اپنے ہم مذہب کا سب کو پاس ہوتا ہے۔ سیاوش سن کر چپکا ہو رہا۔ دوسرے دن ہرمز نے وہاں سے کوچ کیا اور چند روز میں مسافت قطع کر کے قضا و قدر کی سرحد میں پہنچا۔ مرزبان نے پہلے سے جا کر سریال سے ہرمز کی تعریف کی۔ سریال ہرمز کو استقبال کر کے لے گیا۔ شب کو جب کھانا کھانے کو بیٹھے، ہرمز نے دیکھا کہ سموچہ سور کباب کیا ہوا سریال کے روبرو رکھا ہے۔ سریال نے اپنے ہاتھ سے تھوڑا سا گوشت کا ٹکڑا ہرمز کو دیا۔ ہرمز نے کچھ عذر کیا۔ مرزبان نے ہرمز کے کان میں کہا کہ اگر نہ کھاؤ گے تو سریال بہت ناراض ہوگا۔ ہرمز نے مجبوراً ایک نوالہ اپنے منہ میں ڈالا مگر اسی دم قے کی۔ سریال کو بہت ناگوار ہوا اور اپنے ہم نشینوں کو حکم دیا کہ لات و منات نے یہ بکریاں تمھارے لیے بھیجی ہیں، تم شوق سے ہرمز کے لشکر میں جا کر نوش کرو۔ لوگ اس

کے ہرمز کے لشکر میں جا کر آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر کھانے لگے۔ ہرمز کمال خائف و عاجز ہوا اور ہزار ہزار لعنت بختیارک کی عقل پر کی۔

بعد ازاں سیاوش سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے خواجہ زادے، نفس الامر میں اگر میں تمھارا کہنا مانتا تو یہ ذلت وخواری وانفعال نہ اٹھاتا۔ مگر اب کسی طرح یہاں سے نکلنا چاہیے۔ سیاوش بولا کہ بغیر از اعانتِ حمزہ آپ کا نکلنا یہاں سے دشوار ہے۔ ہرمز نے کہا کہ حمزہ کاہے کو بھلا میری مدد کرے گا۔ سیاوش نے عرض کی کہ حمزہ از بسکہ صاحبِ مروت ہے، البتہ اگر آپ کہیے گا تو عذر نہ کرے گا۔ ہرمز نے کہا کہ اگر ایسا جانتے ہو تو تم ہی میری طرف سے جا کر کہو۔ سیاوش نے امیر سے جا کر بہت کچھ ہرمز کی سفارش کی۔ امیر نے فرمایا کہ ایک شرط سے میں اس کی اعانت کرتا ہوں کہ وہ بہ صدقِ دل مسلمان ہو جائے۔ سیاوش نے ہرمز سے جو کچھ کہ امیر نے کہا تھا، بیان کیا۔ ہرمز نصف شب کو امیر کے پاس گیا اور بہت سی زاری کی۔ امیر نے اس کو کلمہ پڑھا کے بہ تشفی تمام تخت پر بٹھایا اور کھانا منگا کر بالاتفاق نوشِ جان فرمایا۔ ہرمز نے کہا کہ یا امیر، مجھ کو مدائن پہنچوا دیجیے۔ امیر نے فرمایا کہ تم کو اختیار ہے، جہاں جی چاہے وہاں رہو۔ مگر دینِ اسلام سے نہ پھرنا، نہیں تو پچھتاؤ گے۔ یہ کہہ کر ہرمز کو رخصت کیا۔ سریال ہرمز کے بے رخصت چلے جانے سے بہت برہم ہوا اور اسی دم طبلِ جنگ بجوا کر میدان میں آیا۔ امیر نے بھی اپنے لشکر کی صف بندی کی۔ سریال نے امیر کو دیکھ کر خود گھوڑے کی باگ لی اور میدان میں کھڑے ہو کر للکارا کہ اے بکریو، جس کو ذبح ہونے کی اذیت منظور نہ ہو وہ میرے سامنے آوے، میں بے ذبح کیے اس کو کچا چبا جاؤں گا۔ شیرِ سیاہِ سراندیب، تاجدارِ ہندوستان، ملک لندھور بن سعدان امیر سے رخصت لے کر سریال کے سامنے گیا۔ سریال نے اس کو دراز قامت دیکھ کر پوچھا کہ حمزہ تو ہی ہے؟ لندھور نے کہا کہ نام میرا لندھور بن سعدان ہے۔ سریال نے گرز لندھور پر مارا۔ لندھور نے بہ ہزار مشقت ومحنت اس کو رد کیا۔ سریال بولا کہ معلوم ہوا تو بڑا مرد ہے! لا، کیا ضرب رکھتا ہے؟ لندھور نے سریال پر گرز چلایا۔ سریال قہقہہ مار کے ہنسا اور کہنے لگا کہ اے لندھور، تو اس قد وقامت کا آدمی ہو کر ایسا کم قوت ہے! بارے دونوں کے گرز چلنے لگے۔ شام تک کوئی کسی سے مجروح نہ ہوا۔ لشکریوں نے بعد غروبِ آفتاب لشکر گاہ میں جا کر استراحت کی۔ دوسرے دن پھر صف آرائی ہوئی۔ قیماز خاوری نے سریال کا جا کر مقابلہ کیا اور سریال کے گرز کی ضرب کو رد کر کے سریال کے مرکب کے چاروں پاؤں تلوار مار کے قلم کیے اور گھوڑے پر سے کود کر سریال سے لپٹا۔ سریال نے قیماز کو اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ امیر نے نعرہ مار کے قیماز کو سریال سے چھڑایا۔ سریال دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کے امیر سے کہنے لگا کہ او کوتاہ قامت، تو نے میرے شکار کو کیوں مجھ سے چھڑایا؟ اب واجب ہوا کہ تجھ کو صید کروں۔ جلد اپنا نام بتا کہ بے نام ونشان مارا نہ جاوے۔

امیر نے فرمایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب میرا نام ہے۔ سریال نے گرز امیر پر چلایا۔ امیر نے ڈھال کے جھٹکے سے اس کو رد کیا اور کہا کہ او کافر، دو حربے اور کر لے، پھر میری باری ہے۔ سریال نے دوسرا گرز امیر کو مارا۔ امیر نے اس کو بھی خالی دیا۔ جب تیسرا گرز چلایا، امیر نے ہاتھ بڑھا کے اس کے گرز کے قبضے کو پکڑ لیا اور کمان کو گلے میں ڈال کے جو کھینچا، سریال زمین پر آ رہا۔ عمرو نے لچھے کمند کے اس پر مار کے دست و بازو اس کے باندھ لیے۔ امیر مظفر و منصور شادیانے بجواتے ہوئے خیمہ میں داخل ہوئے اور سریال سے کہا کہ اب کیا کہتا ہے؟ وہ بولا کہ سلکِ غلامی میں منسلک کیجیے۔ امیر نے اس کو مسلمان کر کے خلعت دیا اور طلائی کرسی لندھور کے زیر دست بچھوا کے بیٹھنے کو حکم کیا۔ عمرو نے حلقہ غلامی کا اس کے کان میں ڈال دیا۔ سریال نے امیر کو اپنے شہر میں لے جا کر جشن ترتیب دیا۔

امیر نے بعد جشن کے فرمایا کہ اے سریال، تیرے ملک میں کچھ عجائبات ہو تو اس کا تماشا مجھ کو دکھلا۔ سریال نے عرض کی کہ یہاں سے تین منزل پر طلسماتِ جمشیدی واقع ہے، چلیے اس کی سیر کیجیے۔ امیر نے کہا کہ اگر تو نے اس طلسم کو دیکھا ہو تو پہلے اس کی کیفیت بیان کر۔ وہ بولا کہ جمشید نے قریب المرگ اپنے شہر کو رعایا سے خالی کر کے سوار، پیادے، چوبدار، جمعدار چوبی بنوا کر جا بجا قائم کیے اور قبر میں، کہ اپنے لیے اسی جا بنوائی تھی، جا کر سو رہا۔ اور دوسرا تماشا یہ ہے کہ جنگل میں جادوے جمشید یہ ہے۔ اس کا دمامۂ علم نام ہے اور بھی اس بیاباں میں ایک دیو سفید رہتا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ وہ دیو میری دہشت سے کوہِ قاف سے بھاگا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہاں آ کر چھپا ہے۔ امیر نے لشکر کو تو وہیں چھوڑا اور آپ عمرو و سریال سمیت جادوے جمشید یہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب جمشید یہ پہنچے، ایک آوازِ مہیب امیر کے کان میں آئی۔ پوچھا کہ یہ آواز کس کی ہے؟ سریال نے کہا کہ یہ آواز طلسم کی ہے۔ جب دروازے پر پہنچے، امیر نے چاہا کہ اس طلسم کے اندر جاویں۔ دروازے پر جو سپاہی کھڑا تھا اس نے امیر پر تلوار چلائی۔ امیر کود کر الگ ہوئے۔ سریال نے کہا کہ میں نے اپنے دادا سے سنا ہے کہ اس شہر میں مطلق آدمی طلسم کے ہیں، اور اس گنبد پر جو سامنے دکھائی دیتا ہے ایک مرغ طلسم کا رہتا ہے۔ جس کو دیکھتا ہے آواز دیتا ہے۔ اگر اس کو مار سکو تو تمام طلسم کا حال معلوم ہو جاوے۔ امیر نے گنبد پر جو نگاہ کی تو واقع میں ایک جانور بہ خوش آوازی تمام بول رہا ہے۔ امیر نے سوفار تیر کمان میں جوڑ کے ایسا نشانہ لگایا کہ وہ مرغ بِدھ کر بھد سے نیچے آ رہا۔ اس کا گرنا تھا اور طلسم کا ٹوٹنا تھا۔ امیر دروازہ کھول کر اندر گئے۔ جن آدمیوں نے کہ پہلے امیر پر حملہ کیا تھا، ان کو مع سلاح زمین پر گرا پایا۔ امیر نے سریال کے روبرو خزانے کی کوٹھڑیوں کو جو کھولا تو اس میں لکھو کھا سانپ اور بچھو دیکھے۔ امیر نے بدستور قفل کر دیا اور سریال سے کہا کہ تماشا جادوے جمشید یہ کا تو دیکھا۔ اب سفید دیو کو بتاؤ کہ کہاں ہے۔ سریال نے امیر کو بیابانِ اخضر میں لے جا کے

ایک کنویں کو دکھا کر کہا کہ اس میں سفید دیو رہتا ہے۔ امیر نے سریال سے فرمایا کہ اس کنویں کے منھ پر جو پتھر ہے اس کو تو ہٹاؤ۔ سریال نے ہر چند زور کیا لیکن پتھر اپنی جگہ سے نہ ٹسکا۔ امیر نے جو ٹھوکر ماری، پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ سریال سے کہا کہ میں اس کے اندر اترتا ہوں، تم اسی جگہ بہ ہوشیاری تمام حاضر رہنا، اور اشقر سے زبانِ جنی میں کہا کہ خبردار، یہاں سے نہ ٹلنا اور کسی دیو کو اس کنویں کے اندر نہ جانے دینا۔ یہ کہہ کر امیر کمند کے سہارے سے کنویں میں اترے۔ ایک دروازہ دیکھا۔ اس پر ایک تختہ سنگ کا لگا ہوا تھا۔ اس تختے کو جو ہٹایا، دیکھا کہ سفید دیو ششدر و متحیر سر نیچے کیے ہوئے مشوش تخت پر بیٹھا ہوا ہے، اور جس دیو نے کہ امیر کے آنے کی خبر پہنچائی تھی اس سے پوچھتا ہے کہ تو نے زلازلِ قاف کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور پہچانا؟ اس نے کہا کہ زلازلِ قاف گھوڑے پر سوار تھے اور دو آدمی پیادہ ہمراہ تھے، اور میں بخوبی زلازلِ قاف کو پہچانتا ہوں۔ بولا کہ اس آدمی نے اٹھارہ برس قاف میں رہ کر تمام دیوانِ قاف کا کھر کھوج کھویا، چنانچہ اس کی دہشت سے میں نے یہاں آ کر سکونت اختیار کی تھی، سو بلائے آسمانی کی طرح سے یہاں بھی نازل ہوا۔ معلوم ہوا کہ اپنی زندگی کے ایام آخر ہوئے۔ یہ کہتا ہی تھا کہ صاحبقراں نے نعرہ بلند کیا۔ سفید دیو بولا کہ اے زلازلِ قاف، میں تیرے خوف سے جلاوطن ہوا اور یہاں گوشے میں رہنا اختیار کیا۔ تو نے یہاں بھی میرا پیچھا کیا۔ بہر حال، مجھ سے بھی جہاں تک ہو سکے گا قصور نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر کئی سو من کا پتھر اٹھا کے امیر کے سر پر مارا۔ امیر کود کے الگ ہوئے، پتھر زمین پر گرا۔ پھر جو پتھر لینے کو زمین پر جھکا، امیر نے پیچھے سے ایک تلوار ایسی لگائی کہ اوندھا ہو کر گرا۔ بولا کہ ایک ہاتھ اور بھی لگاؤ کہ جلد اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو جاؤں۔ امیر نے فرمایا کہ میں تیری قوم سے بخوبی واقف ہوں۔ جو تیرا مطلب ہے سو نہ ہوگا۔ سفید دیو مایوس ہو کر سر پٹک پٹک کے مر گیا اور دیو جو اس کے ساتھ تھے، اکثر مارے گئے۔ بعضوں نے بھاگ کر اپنا راستہ لیا، بعضے امان طلب ہوئے۔ امیر نے ان کو مسلمان کر کے فرمایا کہ تم قاف میں جا کر قریشہ کے پاس حاضر رہو۔ بعد ازاں سفید دیو کا سر لے کر کنویں کے باہر آئے اور سریال کو سر دکھا کر شکار بند میں لٹکا دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کے وہاں سے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور جا کے ایک مرغزار دیکھ کر شکار کھیلنے میں مصروف ہوئے۔

شہید ہونا رستم پیلتن کا اہرمن شیر گرداں والیِ باختر کی جنگ میں اور مارا جانا قندز سرشبان والجوش کا اس کے ہاتھ سے

راویانِ سخن سنج اس طرح قصہ پرداز ہیں کہ رستم پیلتن نے دیکھا کہ امیر کو گئے ہوئے عرصہ ہوا، پس ہم یہاں بے کار بیٹھ کر کیا کریں، اس سے بہتر یہ ہے کہ جمشیدیہ میں جا کر طلسمات کی سیر کریں۔ سریال کے بیٹوں کو رہبر کر کے قضا و قدر سے مع فوج روانہ ہوا۔ چند روز کے عرصے میں طلسمات جمشیدیہ میں پہنچا۔ اس کو ٹوٹا دیکھ کر کہا کہ معلوم ہوا امیر اس کو توڑ کر اور طرف گئے۔ مع فوج شہر کے اندر جا کر گنبد کا دروازہ جو توڑا تو ایک تخت پر جمشید کی لاش دیکھی۔ وہاں سے نکل کر خزانے کی کوٹھڑیاں کھولیں، سانپ اور بچھوؤں کو مارا اور سریال کے بیٹوں سے کہا کہ باختر چلا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ اہرمن شیر گرداں نامی وہاں کا بادشاہ ہے اور ایک سو پچیس گز کا قد و قامت رکھتا ہے اور تمام فوج و رعایا اس کی آدم خور ہے۔ وہاں جانا اچھا نہیں ہے۔ رستم نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے سریال کا وہ ہمزور ہے۔ انھوں نے کہا کہ سریال سے کہیں زیادہ زور آور ہے۔ جب وہ ہمارے ملک میں آتا ہے، باپ ہمارا اس کی دہشت سے پہاڑ پر بھاگ جاتا ہے۔ رستم نے پوچھا کہ مرزبان زردہشت کہاں گیا؟ وہ بولے کہ جس دن امیر نے سریال کو مسخر کیا، اسی دن وہ بھاگ کر اہرمن شیر گرداں کے پاس گیا۔ رستم نے یاروں اور برادروں سے کہا کہ امیر تو سفید دیو کو مارنے گئے ہیں اور یقیناً پھرتے وقت باختر کو جاویں گے، اگر امیر کے آنے تک ہم جا کر اہرمن شیر گرداں کو زیر کریں تو کیا نیک نامی حاصل ہو۔ سبھوں نے کہا کہ رضائے مولا از ہمہ اولیٰ۔ ہم تابعدار ہیں، جیسا حکم ملے گا ویسا کریں گے۔ رستم نے اسی دم کوچ کیا اور چند روز

میں باختر کے متصل پہنچا۔ مرزبان تو وہاں موجود ہی تھا، اس نے رستم کے پہنچنے کی خبر اہرمن شیر گرداں کو دی۔ وہ مردک بہت ہنسا اور مرزبان کو ہمراہ لے کر رستم کے لشکر کے قریب آ کر للکارا کہ اے بکریو، جس کو آرزو گلا کٹوانے کی ہو وہ میرے سامنے آوے۔ قندز سر شبان رستم سے رخصت لے کر اس سے مقابل ہوا اور شہید ہوا۔ آدم خوروں نے دوڑ کر اس کی بوٹی بوٹی تقسیم کر لی۔ الجوش نے جا کر اہرمن شیر گرداں کے شکم میں اس زور سے پیش قبض ماری کہ ہاتھ تک الجوش کا گھس گیا لیکن اس کا کچھ ضرر نہیں ہوا۔ اہرمن شیر گرداں نے الجوش کو پکڑ کے چاہا کہ اس کو بھی چبا ڈالے، مگر وہ بہ ہزار دقت اس سے الگ ہوا اور حرب کرنے لگا۔ آخر لڑتے لڑتے اس آدم خور نے الجوش کو پکڑ کے کچا چب ڈالا۔ رستم نے دیکھا کہ دو پہلوان نامی شہید ہوئے، جھنجھلا کر گھوڑے کی باگ لی۔ اہرمن شیر گرداں نے ایک گرز رستم کو مارا۔ رستم نے ڈھال سے اس کو رد کر کے ایک تلوار ایسی لگائی کہ اگر اس پر پڑتی تو دو ٹکڑے ہو جاتا، مگر اس نے خالی دی۔ رستم نے گھوڑے سے کود کر اس کے دونوں بازو پکڑ کے یہاں تک زور کیا کہ پردہ شکم کا پھٹ گیا۔ قاسم خاوری نے دیکھا کہ رستم سست ہو گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ مارا جائے، گھوڑا کودا کر ایک نعرہ مارا اور اپنے باپ کو پیچھے ہٹا کر آپ اس سے لڑنے لگا۔

عیار رستم کو لشکر میں لے گئے۔ اہرمن شیر گرداں نے قاسم سے پوچھا کہ وہ کون تھا اور تو کون ہے؟ قاسم نے کہا کہ وہ میرا باپ تھا اور حمزہ کا بیٹا تھا۔ اہرمن بولا کہ باوجود رہنے حمزہ کے اس نے کیوں اپنی جان دی؟ قاسم بولا کہ امیر سفید دیو کو مارنے گئے ہیں، لشکر میں نہیں ہیں۔ اہرمن نے کہا کہ اگر حمزہ لشکر میں نہیں ہے تو میں تم لڑکوں کے ساتھ کیا لڑوں! یہ کہہ کر اپنے گھر کو چلا گیا۔ وہ تو ادھر گیا، قاسم مع سپاہ اپنے لشکر میں آیا۔ دیکھا کہ رستم جاں بحق تسلیم ہوا۔ عجب طرح کا لشکرِ اسلام میں ماتم پڑا کہ جس کی تحریر سے جگرِ خامہ شق ہوتا ہے۔ القصہ، رستم کو تجہیز و تکفین کر کے سب لوگ امیر کا انتظار کرنے لگے۔ امیر جب شکار سے فارغ ہو کر جمشید یہ کو آئے، لشکر کے اترنے کی علامت دیکھ کر عمرو سے فرمانے لگے کہ معلوم ہوتا ہے رستم یہاں آیا تھا، جمشید یہ کو زیر و زبر کر کے باختر کی طرف گیا۔ خدا اس کو چشم زخمِ روزگار سے بچاوے، کیونکہ کہ میرا دل خود بخود بیٹھا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر امیر باختر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے، جتنے یار و فرزند تھے سب سروپا برہنہ روتے ہوئے امیر کے قدموں پر گرے۔ امیر رستم و قندز و الجوش کی سنانی سن کر مرکب سے زمین پر گر پڑے اور خاک پر لوٹنے لگے۔ یاروں نے دیکھا کہ امیر کا حال ابتر ہے۔ بالاتفاق کہا کہ یا امیر، اگرچہ قضا و قدر سے چارہ نہیں ہے، لیکن تمام یار و فرزند تمھارے رستم کے غم میں گرفتار ہیں اور سب سے زیادہ تر تمھارا حال دگرگوں ہے، اس سے بہتر یہ ہے کہ چندے جنگل کی طرف چل کے سیر و شکار سے غم غلط کیجیے۔ آخر ہر طرح سے سمجھا کر امیر کو لوگ جنگل کی طرف لے گئے۔

ناگہاں مرزبان زردہشت اہرمن سے رخصت ہو کر شہرِ رخام کو جاتا تھا۔ اثنائے راہ میں اس نے سنا کہ حمزہ مع یاران وفرزندان شکار میں مشغول ہے۔ ایک جادوگر کو بلا کر ایک گھوڑا جادو کا مع زین وسازِ مرصع تیار کروایا اور اس کو صحرا میں ایک طرف کھڑا کر کے آپ کچھ لوگوں سے کمیں گاہ میں بیٹھا۔ اتفاقاً سعد بن عمرو شکار کرتے کرتے اس طرف کو جا نکلا۔ گھوڑا دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ فوراً اپنے گھوڑے سے اتر کر اس پر سوار ہو کر ایک چابک لگایا۔ وہ گھوڑا وہاں سے ہوا ہوا۔ ہر چند سعد نے اس کی لگام کو کھینچا لیکن گھوڑا نہ تھما۔ سعد نے تلوار نکال کر اس گھوڑے کی گردن پر ماری۔ گھوڑا سعد سمیت زمین پر گرا۔ مرزبان نے دوڑ کر سعد کو باندھ لیا اور رخام کی طرف روانہ ہوا۔ جس وقت گاولنگی کے پاس پہنچا، سعد کو حاضر کر کے کہا کہ یہ پوتا حمزہ کا ہے اور لشکرِ اسلام کا بادشاہ ہے۔ اس کو زیر کر کے میں لایا ہوں۔ سعد بولا کہ اے گاولنگی، یہ تو کہتا ہے کہ میں زیر کر کے لایا ہوں۔ اس کو حکم دے کہ تیرے سامنے یہ مجھ سے لڑے، زیر کرنا معلوم ہو جائے گا۔ گاولنگی بولا کہ راست ہے۔ سعد کے بند کھلوا دیے۔ مرزبان نے گرز اٹھا کر سعد پر مارا۔ سعد نے خالی دے کر مرزبان کے دونوں بازو پکڑ لیے اور نعرہ کر کے سر پر اٹھا لیا اور چرخ دے کر زمین پر دے مارا۔ مرزبان نے چاہا کہ اٹھے، گاولنگی نے، کہ منصف مزاج تھا، مرزبان کو گرز مار کے مار ڈالا اور سعد کو احسنت وآفریں کر کے گلے سے لگایا اور اپنے پہلو میں تخت پر بٹھا کے کہا کہ اے فرزند، یہ تیرا گھر ہے۔ خاطر جمعی سے تو رہ۔ میں تجھ کو رخصت کرتا مگر اس واسطے رکھتا ہوں کہ حمزہ تیرے واسطے یہاں ضرور آوے گا اور میں مدت سے حمزہ کا مشتاق ہوں، پس تیرے سبب سے حمزہ سے ملاقات ہو گی۔ سعد گاولنگی کی الفت ومحبت دیکھ کر بخوشی رہنے لگا۔ بدیع الزماں نے جو سعد کے گھوڑے کو خالی اور جادو کے گھوڑے کو موا دیکھا، حیران ہوا کہ سعد کہاں گیا۔ اِدھر اُدھر خوب سی تلاش کی مگر کہیں ٹھکانا نہ لگا۔ دست پاچہ ہو کر یاروں سے کہا کہ بڑا غضب ہوا، سعد غائب ہے۔ امیر ہنوز رستم کے ماتم سے فارغ نہیں ہوئے ہیں، سعد کے گم ہونے کی خبر جو سنیں گے تو اور بھی حال اپنا زبوں کریں گے۔ چلیے سعد کو تلاش کر کے لے آیا چاہیے۔ قیاس جانتا ہے کہ یہ بدذاتی مرزبان کی ہے۔ خیر، کیا مضائقہ ہے، دیر آئے درست آئے۔ یہ کہہ کر سعد کی تلاش میں نکلا۔

کئی دن کے بعد ایک شہر نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ یہاں کا حاکم طاؤس باختری دامادِ دوم گاولنگی کا ہے۔ یاروں سے کہا کہ سعد کو یہاں دریافت کرنا ضرور ہے، شاید مرزبان نے یہاں لا کر رکھا ہو۔ یہ سوچ کر ایک نامہ طاؤس باختری کو لکھا کہ اے طاؤس باختری، آگاہ ہو کہ میں بدیع الزماں پسرِ حمزہ ہوں۔ سعد نامی میرے بھتیجے کو مرزبان فریب کر کے لے آیا ہے۔ اگر تیرے پاس لا کر رکھا ہو تو اس کو صحیح سلامت میرے پاس بھیج دے اور مرزبان زردہشت کو بھی باندھ کر میرے عیاروں کے حوالے کر، نہیں تو تیرے ملک کو بے چراغ کر دوں گا اور

تجھ کو اس خرابی سے ماروں گا کہ حیوانوں کو بھی افسوس ہوگا۔ فقط۔ ہردم بردعی نے جا کر طاؤس باختری کے ہاتھ میں نامہ دیا۔ اس نے پڑھ کر پھاڑ ڈالا۔ ہردم نے گرز گھما کر اس زور سے طاؤس باختری کو مارا کہ تخت اس کا تختۂ تابوت ہوگیا۔ کفاروں نے ایک ہنگامہ برپا کیا اور ہردم کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ہردم نے گرز اپنا گھمانا اور کفار کو مارنا شروع کیا۔ بدیع الزماں یہ خبر سن کر یاروں سمیت ہردم کی مدد کو دوڑے اور کفار کو طعمۂ نہنگِ شمشیر کرنے لگے۔ جب صدہا کافر مارا گیا، بقیۃ السیف نے امان مانگی۔ بدیع الزماں نے ان کو امان دے کر کفار کے سروں کو ایک جا پر ڈھیر کر دیا اور سب کے اوپر طاؤس باختری کا سر رکھا اور وہاں سے آگے کو چلے۔

دو دن کے بعد دوسرے شہر میں پہنچے۔ وہاں تیسرا داماد گاولنگی کا حکومت کرتا تھا۔ اس کو بھی بدیع الزماں نے بہ مضمونِ سابق خط لکھ کر ہردم بردعی کے ہاتھ بھیجا، اور وہ بھی بہ قصورِ بے اعتدالی ہردم کے ہاتھ سے مارا گیا، اور بدیع الزماں نے جا کر اس شہر کے سکنہ کو زیر و زبر کیا اور بقیۃ السیف کو امان دے کر آگے کو روانہ ہوا۔ چند روز میں شہر رخام میں پہنچا اور نامہ بہ مضمونِ بالا گاولنگی کے نام لکھ کر ہردم کے ہاتھ بھیجا۔ ہردم نے دیکھا کہ ایک ہی تخت پر گاولنگی و سعد بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہردم گاولنگی کا قد و قامت دیکھ کر متحیر ہوا کہ اس قد کا آدمی بھی خدا نے پیدا کیا ہے۔ گاولنگی نے ہردم کو سہا دیکھ کر بہ کمال نرمی و اخلاق کہا کہ ہردم، خوش آمدی، بیا، خانہ تست۔ یہ کہہ کر بہ ملائمت اس سے کہا کہ اگرچہ بدیع الزماں نے میرے دو دامادوں کو مارا ہے، مگر میں بہ پاسِ حمزہ ان کے خون سے درگذرا۔ ہردم اخلاقِ گاولنگی کا دیکھ کر بکمال خجل ہوا کہ اس کا یہ اخلاق اور نامے کا وہ مضمون، مگر مجبور، نامہ بغیر دیے بنتا نہ تھا کہ نامہ بر ہو کے گیا تھا۔ نامہ گاولنگی کے ہاتھ میں دیا۔ گاولنگی نامہ پڑھ کر سعد سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے سعد، میں نے تمھارے ساتھ کیا برائی کی کہ جس کے عوض میں تمھارے چچا نے اس طرح کا خط لکھا ہے؟ سعد نے کہا کہ وہ تو واقف نہیں ہیں کہ تم نے اس لطف و کرم سے مجھ کو رکھا ہے۔ اگر ایسا جانتے تو ہرگز ایسا نہ لکھتے۔ گاولنگی بولا کہ البتہ یہ بات بھی سچ ہے۔ ہردم کو خلعت دے کر کہا کہ اچھا تم جاؤ اور میری طرف سے بدیع الزماں کو بعد سلام کے یہ پیغام دینا کہ فی الحقیقت سعد کو مرزبان دغا سے لایا تھا۔ میں نے اس کو اس قصور پر جہنم واصل کیا اور سعد کو تا آنے حمزہ کے اپنا مہمان کیا کہ مجھ کو حمزہ سے ضرورت دائی ہے۔ پس تم بھی تا آنے امیر کے سیر و شکار میں مصروف رہو، رسد تمھارے واسطے پہنچا کرے گی، اور اگر مجھ سے لڑنے کا قصد کرو گے تو انجام اس کا پشیمانی ہے۔ بدیع الزماں نے پیام گاولنگی کا سن کر کہا کہ نقارہ کوچ کا بجایا جائے، میں ابھی کھڑے کھڑے سعد کو اس سے لوں گا۔ ہرگاہ بدیع الزماں مع فوج قلعے کے متصل پہنچے، گاولنگی نے سعد سے کہا کہ معلوم ہوا بدیع الزماں محض نادان ہے۔ بہر حال، تم قلعے کے برج میں بیٹھ کر تماشا دیکھو، میں تنہا جا کر بدیع الزماں کو گوشمالی دے کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر گاولنگی نرگاو پر سوار ہو کے قلعے سے نکلا۔ تمام یاروں نے بدیع الزماں

کو منع کیا کہ آپ گاولنگی سے نہ لڑیے مگر بدیع الزماں نے نہ مانا، گھوڑے کی باگ اٹھائی۔ لندھور نے گھوڑے کی باگ پکڑ کے کہا کہ آخر ہم کس دن کے لیے ہیں؟ ہر چند بدیع الزماں نے انکار کیا لیکن لندھور نے نہ مانا، خود جا کر گاولنگی سے مقابلہ کیا۔ گاولنگی نے پوچھا کہ اے جوان، اپنا نام نشان بتا۔ بولا کہ خسرو ہندوستان ملک لندھور بن سعدان گرد میرا نام ہے۔ ہر چند اٹھارہ ہزار جزیرے کا بادشاہ ہوں لیکن امیر حمزہ کا غلام ہوں۔ گاولنگی بولا کہ آوازہ تیرا میرے کان تک پہنچا تھا۔ اچھا لا، کیا حربہ رکھتا ہے؟ لندھور نے کہا کہ حمزہ کے آئین و مذہب میں پیش دستی منع ہے۔ پہلے تو حربہ کر، پیچھے میں سمجھ لوں گا۔ گاولنگی نے اس زور سے گرز لندھور کی ڈھال پر مارا کہ دست و بازو لندھور کا سست ہو گیا مگر سامنے قائم رہا۔ گاولنگی نے تعریف کر کے کہا کہ اے لندھور، سچ ہے کہ تو بڑا بہادر ہے، نہیں تو آج تک کوئی میرا گرز کھا کر سامنے میرے قائم نہیں رہا ہے۔ اچھا تو جا کر اپنے خیمے میں آرام کر، دوسرے پہلوان کو بھیج۔ لندھور بولا کہ میں بے پھرے تیرے خیمے کی طرف منہ نہیں پھیر سکتا۔ گاولنگی نے قبول کیا اور میدان سے پھر گیا۔ ملک لندھور اپنے خیمے میں آیا۔ ہرگاہ پھر گاولنگی میدان میں للکارا۔ مالک اشتر اس سے مقابل ہوا اور گرز کھا کر سست ہوا۔ گاولنگی نے دوسرا پہلوان طلب کیا۔ سر برہنہ تمپشی میدان میں آیا۔ گاولنگی نے کہا کہ اے پہلوان، سپر سر کی پناہ کر، میں گرز مارتا ہوں۔ سر برہنہ تمپشی بولا کہ میں سر پر ہی گرز کو روکا کرتا ہوں، تو حربہ کر۔ گاولنگی نے گرز گھما کر جو مارا، سینہ سر برہنہ تمپشی کا صندوق ہو گیا۔ دیوانہ تمپشی نے جا کر مقابلہ کیا۔ گاولنگی نے ضربِ گرز سے اس کو مع اسپ پست کیا اور بیل پر سے اتر کر دونوں لاشیں لے جا کر بدیع الزماں کے سامنے رکھ کر بولا کہ اے شاہزادے، یہ تو نے دو پہلوان قوی ہیکل عبث عبث میرے ہاتھوں برباد کروائے اور مفت میں مجھ کو اپنے باپ سے شرمندہ کیا۔ بہر حال، جو ہوا سو ہوا، اب بھی لڑنے سے باز آ، اور اگر تجھ کو میرا قتل کرنا منظور ہے تو میں اسی واسطے تنہا آیا ہوں، لے مجھ کو مار۔ بدیع الزماں نے کہا کہ میں جلاد تو ہوں نہیں کہ بے بس کر کے ماروں۔ تو ہتھیار باندھ کر میرے سامنے آ، تا میرا بھی جوہر تجھے معلوم ہووے۔ گاولنگی مجبور مسلح ہو کر اپنے بیل پر سوار ہوا اور شاہزادے کے سامنے آ کر پھر عذر کرنے لگا کہ حمزہ کے غائبانہ لڑنا اچھا نہیں ہے، حمزہ کے روبرو ارمان نکال لینا۔ بدیع الزماں کب مانتا تھا۔ آخر گاولنگی نے گرز بدیع الزماں کو مارا۔ بدیع الزماں نے اس کو رد کیا اور کہا کہ دو حملے اور کر لے۔ گاولنگی نے دو حملے اور کیے۔ شاہزادے نے ان کو بھی رد کیا۔ تب تو گاولنگی بر سرِ حساب ہو کر شاہزادے کی تعریف کرنے لگا اور کہا کہ دعویٰ جنگ کا بر غلط نہ تھا۔ بدیع الزماں نے گندر اٹھا کر گاولنگی پر اس زور سے مارا کہ اس کے صدمے سے گاولنگی کا بیل مر گیا اور گاولنگی کے ہر بنِ مو سے عرق ٹپکنے لگا۔ شاہزادہ اپنے مرکب سے کود کر شام تک گاولنگی سے گرز بہ گرز، تیغ بہ تیغ، نیزہ بہ نیزہ لڑا کیا۔

یہ خبر امیر کو ہوئی کہ مرزبان سعد کو دغا سے پکڑ لے گیا اور بدیع الزماں اس کے تعاقب میں تا رُخام پہنچا۔

امیر نے عمرو سے فرمایا کہ میں تو جب تک اہرمن شیر گرداں کی مہم سر نہ کرلوں گا تب تک یہاں سے نہ ٹلوں گا، لیکن تم جا کر میرے فرزندوں و یاروں کی خبر لاؤ۔ عمرو بن امیہ ہوا کی مانند وہاں سے ہوا ہوا اور جدرخام میں پہنچا۔ دیکھا کہ بدیع الزماں اور گاولنگی سے لڑائی ہو رہی ہے۔ سردارانِ لشکر دوڑ کر عمرو سے بغلگیر ہوئے۔ گاولنگی نے جو عمرو کو دیکھا، ہاتھ لڑائی سے کھینچا اور عمرو سے باتیں کرنے لگا۔ عمرو نے کہا کہ فضلِ الٰہی سے آپ بہت کوتاہ قامت ہیں، اس سے بات سنائی نہیں دیتی۔ آپ کے پاس آ کر بیٹھوں تو آپ کے کلام سے محظوظ ہوں۔ یہ کہہ کر ایک جست کر کے گاولنگی کے ہاتھ پر جا بیٹھا اور کہنے لگا کہ میں نے تیری جواں مردی کا شہرہ جب سے سنا تھا تب سے تیرے دیکھنے کا مشتاق تھا، مگر بڑا تعجب ہے کہ تو امیر کے غائبانہ امیر کے فرزندوں سے لڑتا ہے اور امیر کے پہلوانوں کو شہید کرتا ہے۔ گاولنگی بولا کہ میرا اس میں کچھ قصور نہیں ہے، جو کچھ کیا شاہزادے کے اصرار نے کیا، ورنہ میں نے کیا کیا عذر نہیں کیا اور میرے کلام کا تمام لشکر امیر کا گواہ ہے۔ اب تم آئے ہو، خدا کے لیے شاہزادے کو منع کرو کہ مجھ کو امیر سے خجلت نہ ہووے۔ عمرو نے بدیع الزماں کو سمجھا کر رزم گاہ سے پھیرا اور آپ گاولنگی کے ساتھ اس کے قلعے میں گیا۔

ہر چند عمرو نے رخصت طلب کی مگر گاولنگی نے نہ مانا۔ اس شب کو اپنے یہاں مہمان رکھ کر کہا کہ میں آج تمھارا تماشا دیکھا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر کھانا منگوا کے مع سعد و عمرو نوشِ جان کیا اور شراب و کباب کھا پی کے کہا کہ اور تو تجھ میں سب خوبیاں ہیں، مگر ایک عیب ہے کہ تو ڈاڑھی منڈواتا ہے۔ عمرو بولا کہ سات سو درم اپنی ڈاڑھی کا بھی خراج دلوایئے، ورنہ یہ ڈاڑھی روئے مبارک پر نہ رہے گی۔ گاولنگی نے کہا کہ تبھی میں تجھ کو مرد جانوں گا جب تو میری ڈاڑھی مونڈے گا، اور میں ہرگز آزردہ نہ ہوں گا۔ عمرو بولا کہ آپ کی ڈاڑھی مونڈنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ بہت اچھا آج میں رات کو آپ کی ڈاڑھی مونڈوں گا، خبردار رہیے گا۔ گاولنگی ارکانِ دولت کو رخصت کر کے تنہا تخت پر بیٹھ کر شراب پینے لگا۔ غرض یہ تھی کہ جاگ کر سحر کر دیجیے، ایسا نہ ہو کہ عمرو غافل پا کر اپنے کہے پر عمل کرے۔ عمرو کی سنیے۔ اس نے دیکھا کہ گاولنگی تنہا تخت پر بیٹھا شراب پی رہا ہے، تاج اپنے سر پر رکھ کر اس کے قریب آیا اور چند مثقال داروے بے ہوشی صراحی میں ڈال دی۔ گاولنگی نے تین چار جام پیے تھے کہ بے ہوش ہو کر تخت پر گر پڑا۔ عمرو نے نصف ڈاڑھی مونڈ کر گاولنگی کو ہوش میں لا کے دور سے سلام کیا اور کہا کہ ذرا آئینہ دیکھیے گا۔ گاولنگی نے جو آئینہ دیکھا تو نصف ڈاڑھی منڈی پائی۔ عمرو کی تعریف کر کے بولا کہ حقیقت میں تو شاہِ عیارانِ روزگار ہے۔ جیسا میں نے سنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ مگر اب کوئی تدبیر ایسی کیا چاہیے کہ ڈاڑھی بدستور میرے منھ پر ہو جائے، نہیں تو ارکانِ دولت کے روبرو سخت مجھ کو خجالت ہوگی۔ عمرو نے وہ نصف بھی مونڈ ڈالی اور ڈاڑھی عملی زنبیل سے نکال کے اس کے چہرے پر لگا دی اور کہا کہ جب تک گرم پانی

سے نہ دھوئیے گا، یہ ڈاڑھی قائم رہے گی۔ گاولنگی نے آئینہ جو دیکھا تو واقعی ڈاڑھی بدستور چہرے پر موجود ہے۔ جب صبح ہوئی گاولنگی نے سرِ دربار سات سو تمن خلعت پر اضافہ کر کے عمرو کو دیے اور رخصت کیا۔

عمرو نے وہاں سے آ کر بدیع الزماں کو بخوبی سمجھا دیا کہ جب تک امیر نہ آویں، خبردار، خبردار، گاولنگی سے نہ لڑنا۔ یہ کہہ کر امیر کے پاس روانہ ہوا۔ کئی دن میں پہنچ کر تمام کیفیت مفصل بیان کی امیر نے دیوانہ تمپشی و سر برہنہ تمپشی کے لیے بہت غم کیا۔ صبح کو اہرمن شیر گرداں کوسِ جنگ بجوا کر میدان میں آیا۔ امیر بھی صف آرائی کر کے اہرمن شیر گرداں سے مقابل ہوئے۔ امیر پر اس نے گرز چلایا۔ امیر نے اس کو خالی دے کر فرمایا کہ اور دو حملے کر لے۔ اس نے جھنجھلا کر اس زور سے گرز مارا کہ اشقر فریاد کرنے لگا۔ الغرض، تیسرا حملہ بھی جب کر چکا، امیر نے پہلے ہی اس کے مرکب کو بے جان کیا اور خود اشقر پر سے کود کر اس کے مقابل ہوئے۔ تھوڑی دیر تک گرز چلا، بعد ازاں تلوار چلی، پھر نیزہ بازی کر کے کمند کے لچھے ایک نے دوسرے پر پھینکے، لیکن کوئی کسی سے باندھا نہ گیا۔ شام ہونے سے دونوں لشکر اپنی خیمہ گاہ کی طرف پھرے۔ دوسرے دن بھی لڑتے لڑتے شام ہو گئی اور کوئی کسی پر غالب نہ ہوا۔ تیسرے دن بھی علیٰ ہذا القیاس۔ چوتھے دن امیر نے نعرہ کر کے اس کو سر پر اٹھا لیا اور چرخ دے کر زمین پر دے مارا اور عمرو سے کہا کہ باندھ لے۔ عمرو اہرمن کو باندھ کر لے گیا اور امیر تلوار کھینچ کر اس کے لشکر میں گھسے۔ جو مسلمان ہوا اس کو امان ملی، باقی ماندہ تہہِ تیغ بے دریغ کیے گئے۔ یاروں نے عمرو سے کہا کہ امیر اہرمن کو کبھی نہ ماریں گے، تو رستم کے خون کا قصاص کر۔ عمرو نے اسی دم سیسہ گرم کر کے اس کے کانوں میں ڈال دیا۔ وہ مردک واصلِ جہنم ہوا۔ امیر نے آ کر عمرو سے فرمایا کہ اہرمن کو میرے سامنے لاؤ۔ عمرو نے کہا کہ اس سے خونِ رستم کا قصاص لیا گیا۔ امیر چپکے ہو رہے۔

دوسرے دن امیر نے فرمایا کہ آدم خورے جو قلعہ بند ہوئے ہیں ان کو مع قلعہ سرنگ لگا کر اڑا دو۔ عمرو نے فی الفور سرنگ کھدوا، بارود بچھا، قلعے کو اڑا دیا۔ جتنے آدم خور تھے سب فی النار والسقر ہوئے۔ امیر نے اہرمن شیر گرداں کی لڑائی فتح کر کے کوچ کیا۔ چند روز میں رخام کے متصل پہنچے۔ گاولنگی نے امیر کے آنے کی خبر سن کر سعد کو لباسِ فاخرہ پہنا کر با تحائف و سوغات امیر کے پاس بھیج دیا۔ امیر نے سعد کو گلے سے لگایا اور گاولنگی کے سلوکات سن کر بہت راضی و شاکر ہوئے۔ صبح کو گاولنگی کوسِ حربی بجا کر میدان میں آیا۔ امیر بھی مسلح ہو کر رزم گاہ میں گئے۔ گاولنگی نے امیر کو قلیل القامت دیکھ کر گمان دوسرے پہلوان کا کیا۔ کہنے لگا کہ اے پہلوان، مجھ کو کام حمزہ سے ہے، تجھ سے سروکار نہیں ہے۔ تو جا، حمزہ کو بھیج دے۔ امیر نے فرمایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب میں ہی ہوں۔ گاولنگی بولا کہ یا امیر، میں سمجھا تھا کہ تم مجھ سے طویل القامت وقوی ہیکل ہو گے۔ اسی قد وقامت پر تم نے ہزاروں پہلوانانِ گردن کش کو خستہ و مطیع اور قاف میں دیوانِ زبردست کو زیردست کیا

ہے؟ امیر نے فرمایا کہ اگر میں ضعیف الجثہ ہوں تو کیا ہوا، میرا یاور تو بہت بڑا توانا ہے۔ ہاں، کیا حربہ رکھتا ہے، لا۔ گاولنگی نے کہا کہ پہلے تم حربہ کرو، میں تمھاری قوت کو دیکھوں کہ کیسی ہے۔ امیر بولے کہ ہم خدا پرستوں کا دستور سبقت کرنے کا نہیں ہے۔ گاولنگی نے تواتر و توالی تین حربے امیر پر کیے۔ امیر کے ہر بنِ مو سے عرق تو نکل آیا، مگر مردانہ وار سامنے اس کے قائم رہے۔ گاولنگی کمال متعجب ہوا کہ اس قد پر یہ قوت ہے۔ بارے امیر نے گیارہ سومنی گرز گاولنگی پر اس زور سے لگایا کہ اس کی دھمک سے گاولنگی کی سواری کا بیل مر گیا۔ گاولنگی نے چاہا کہ امیر کے مرکب کو بھی پے کرے، امیر کود کر اس کے سامنے ہوئے۔ گاولنگی نے دو تلواریں امیر کو ماریں۔ اگرچہ چار انگل سپر امیر کی کٹ گئی مگر اس کی بھی تلوار ٹوٹ گئی۔ گاولنگی نے قبضہ پھینک کر امیر کی کمر میں ہاتھ ڈالا۔ امیر نے بھی اس کی دوالِ کمر تھامی۔ شام تک بایکدیگر زور ہوا۔ گاولنگی نے کہا کہ یا امیر، شب استراحت کے لیے ہے۔ اس وقت آرام کیجیے۔ صبح کو جو ہونی ہے سو ہو گی۔ امیر نے فرمایا کہ بے یکسو کیے میں نہیں پھرنے کا۔ دونوں کے مطبخ سے کھانا آیا۔ بایکدیگر بیٹھ کر کھانا کھایا اور چند شراب کے ساغر پی کر مشعلوں کی روشنی میں پھر زور کرنے لگے۔

راوی لکھتا ہے کہ اکیس شبانہ روز تک امیر و گاولنگی لڑے۔ کوئی فن سپاہ گری کا ایسا نہ تھا کہ طرفین سے باقی رہ گیا ہو۔ آخر بائیسویں دن امیر نے گاولنگی سے فرمایا کہ کوئی بند و فن سپاہ گری کا باقی نہیں رہا، اب تم ہمارا لنگر اٹھاؤ اور ہم تمھارا۔ جس کا لنگر اٹھ جائے وہ حلقۂ اطاعت میں در آئے۔ گاولنگی نے بخوشی تمام قبول کیا اور کہا کہ یا امیر، اس شرط میں تم چوکے۔ میں بڑے بڑے عظیم الشان درخت جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیتا ہوں، آپ کا لنگر کچھ ان درختوں سے زیادہ نہیں ہے۔ امیر نے فرمایا کہ اچھا، مضائقہ کیا ہے۔ گاولنگی نے اس قدر زور کیا کہ انگلیاں پھٹ کر خون نکل آیا اور ناک کان سے بھی خون جاری ہوا لیکن امیر کا لنگر اٹھ نہ سکا۔ امیر تا کمر زمین میں دھنس گئے۔ گاولنگی سست ہو کر بولا کہ یا امیر، مجھ میں جہاں تک زور تھا کر چکا۔ امیر نے فرمایا کہ ہوشیار ہو جا، میں نعرہ کرتا ہوں۔ وہ بولا کہ جتنا جی چاہے اتنا شور و غل کیجیے۔ میں لڑکا تو ہوں نہیں کہ دہل جاؤں گا۔ امیر نے نعرۂ اللہ اکبر جو کہا، سولہ کوس تک دشت کانپ گیا اور گاولنگی کو سر پر اٹھا کے چرخ دے کر بہ سہولت زمین پر رکھ دیا اور عمرو سے فرمایا کہ اس کو باندھ لے۔ گاولنگی بولا کہ یا امیر مجھے باندھتے کس واسطے ہو، میں آپ کے رشتۂ محبت میں بندھا ہوا ہوں۔ امیر نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو اسلام قبول کرو۔ اس نے اسی دم بہ صدقِ دل کلمہ پڑھا۔ امیر نے اس کو گلے سے لگایا اور خیمے میں لے جا کر تمام پہلوانوں سے ملوایا اور کھانا اپنے ساتھ کھلایا۔ گاولنگی امیر کو مع یاروں اور فرزندوں اپنے شہر میں لے گیا اور چالیس دن تک امیر کو جشن میں مشغول رکھا۔

روانہ ہونا امیر کا باختر کی طرف اور قتل کرنا کاخ باختر نامی وہاں کے بادشاہ کو

راوی لکھتا ہے کہ بعد جشن کے امیر نے گاولنگی سے پوچھا کہ اب یہاں سے آگے کون شہر ہے؟ اس نے کہا کہ کاخ باختر کا شہر ہے، اور باختر اس شہر کا نام ہے۔ مگر کاخ باختر وہاں کا بادشاہ آدم خور اور ایک سو ساٹھ گز کا قد اور پہلوانی میں فی المثل ہے۔ ہرگاہ وہ میرے شہر میں آتا ہے، میں اس کے خوف سے لڑکے بالے لے کر پہاڑ پر بھاگ جاتا ہوں، کہ وہ مجھ سے کہیں زبردست ہے، اور ساتھ اس کے خود بھی جادوگر ہے اور رفیق بھی اس کے جادوگر ہیں۔ امیر نے فرمایا کہ میں جادوگروں اور آدم خوروں اور کافروں کا دشمن ہوں۔ جب تک اس کا قلع قمع نہ کرلوں گا، چین مجھ کو نہ آوے گا۔ بقولِ بزرجمہر فراشِ دین میرا لقب ہے۔ یہ کہہ کر امیر نے گاولنگی سے فرمایا کہ اچھا، خدا حافظ ہے، میں رخصت ہوتا ہوں۔ گاولنگی نے عرض کی کہ یا امیر، جیتے جی تو آپ کے قدموں سے میں جدا نہیں ہوتا، مجھ کو آپ چھوڑے کہاں جاتے ہیں۔ امیر نے فرمایا کہ اگر یہ مرضی ہے تو بسم اللہ۔ گاولنگی نے اپنے بڑے بیٹے کو، کہ نام اس کا ریل گاولنگی تھا، اپنا ولی عہد کیا اور خود امیر کے ہمراہ ہوا۔

چند عرصے میں باختر کی سرحد میں پہنچے اور چار کوس کے فاصلے پر اتر کے کاخ باختر کو نامہ لکھا کہ اے کاخ باختر، یہاں حاضر ہو کر مسلمان ہو، نہیں تو اس خرابی سے تجھ کو ماروں گا کہ چرند و پرند تیرے حال پر نالہ و فریاد کریں گے۔ جب عمرو بن امیہ نامہ لے کر گیا اور اس کو خبر ہوئی کہ حمزہ نامی خدا پرست نے نامہ بھیجا ہے، حکم کیا کہ نامہ لے آؤ۔ عمرو نے کہا کہ اس سے کہو کہ اپنی عقل کے ناخن لیوے، یہ نامہ کسی ایسے ویسے دبڑو گھسڑو کا نہیں ہے۔ کاخ باختر نے کہا کہ اچھا، حاضر ہونے دو۔ عمرو نے بارگاہ میں جا کر کاخ باختر کے قد و قامت کو دیکھ کر خدا کی قدرت پہ عش عش کیا اور نامہ کاخ باختر کے ہاتھ میں دیا۔ اس نے تھوڑا ہی سا پڑھا تھا کہ مارے

غیظ کے منھ اس کا تمتما گیا۔ حکم دیا کہ ہاں، اس نامہ بر کو پکڑ لو۔ عمرو نے ٹوپی جھاڑ کر سر پر رکھی اور سب کی نظروں سے غائب ہوا۔ چلتے وقت ایک دھول مار کے کاخ باختر کے سر سے تاج اتار کے زنبیل کے حوالے کیا اور بآوازِ بلند کہا کہ مجبور ہوں، میرے آقا کا حکم نہیں ہے، نہیں تو قرار واقعی تجھ کو سزا دیتا۔ جتنے لوگ حاضر تھے سبھوں نے بالاتفاق کہا کہ ہم نے ایسا آدمی نہیں دیکھا جیسا یہ نامہ بر تھا۔ کاخ باختر بولا کہ کل اس نامہ بر کے آقا سے اس کا عوض لوں گا۔ عمرو نے آ کر امیر سے تمام سرگذشت بیان کی۔ رات تو امیر نے شراب خواری میں کاٹی، جب صبح ہوئی اور کاخ باختر طبلِ جنگ بجوا کر میدان میں آیا، امیر بھی مسلح ہو کر رزم گاہ میں گئے۔ کاخ باختر نے امیر سے کہا کہ اے ضعیف القویٰ، میں نے تجھ کو نہیں بلایا ہے۔ میں حمزہ کا طالب ہوں، تو کیوں جان کے عوض جان دیتا ہے؟ امیر نے فرمایا کہ حمزہ میرا ہی نام ہے۔ بولا کہ تو نے اس ضعیف جثّے پر تمام عالم کو مسخر کیا ہے؟ مگر تو جادوگر ہے۔ امیر بولے کہ میں جادو اور جادوگر پر لعنت کرتا ہوں۔ میرا خدا بہت قوی و توانا ہے جو مجھ کو مظفر و منصور کرتا ہے۔ لا، کیا حربہ رکھتا ہے؟ اس نے گرز گھما کر امیر کے اوپر چلایا۔ امیر جہاں کھڑے تھے وہاں سے ہٹ کھڑے ہوئے۔ گرز زمین پر گرا۔ کئی بیگھے زمین اس کے صدمے سے دھنس گئی اور پانی نکل آیا۔ اس نے دوسرا گرز مارا۔ امیر نے اس کو بھی خالی دیا۔ جب تیسرا گرز مارا، امیر نے اس کو ڈھال پر روکا۔ اس کے صدمے سے تا بہ زانو امیر زمین میں دھنس گئے۔ کاخ باختر بولا کہ وہ مارا اور پست کیا! امیر نے گرد میں سے نکل کر فرمایا کہ او حرام خور، کس کو مارا اور پست کیا؟ میں تو تیرا حریف موجود ہوں۔ یہ کہہ کر ایک ہاتھ حمائل کا مار کے اس کو زمین پر گرا دیا۔ کاخ باختر سر پٹک کر مر گیا۔ کاخ باختر کی فوج امیر پر آ گری۔ امیر نے دونوں ہاتھوں سے تلواریں مارنی شروع کیں۔ جب قلیل سے باقی رہ گئے، بھاگ کر قلعہ بند ہوئے۔ عمرو نے بموجب حکمِ امیر سرنگ دوڑا کر قلعے کو اڑا دیا۔ جتنے آدم خور تھے طعمۂ آتشِ فنا ہوئے۔

بعد ازاں امیر وہاں سے کوچ کر کے ارعاش کے شہر میں آئے۔ ارعاش امیر کے آنے کی خبر سن کر قلعے سے نکلا۔ امیر نے دیکھا کہ ایک سو اسی گز کا قد اور بڑا ہی قوی ہیکل ہے۔ ہر گاہ اس نے امیر پر گرز چلایا، امیر کود کر دوسری طرف جا کھڑے ہوئے۔ گرز اس کا زمین پر گرا، اتنا قطعہ زمین کا دھنس گیا۔ اس نے جھک کر چاہا کہ گرز کو اٹھاوے، امیر نے بسم اللہ کر کے ایک ہاتھ تلوار کا ایسا مارا کہ ارعاش دو ٹکڑے ہو گیا۔ فوج اس کی قلعہ بند ہوئی۔ عمرو بن امیہ نے بارود سرنگ میں بچھا کر قلعے کو اڑا دیا۔ جتنے آدم خور تھے سب جہنم واصل ہوئے۔

روانہ ہونا امیر کا نیستاں کی طرف اور قتل کرنا نیستان سنگ انداز خونخوار وہاں کے حاکم کو

راوی لکھتا ہے کہ امیر نے بعدِ استیصالِ ارعاش گاولنگی سے پوچھا کہ اب اس کے آگے کون شہر ہے؟ اس نے عرض کی کہ نیستان ہے، اور وہاں کے حاکم کا نام نیستانِ سنگ انداز خونخوار ہے، اور قد اس کا ایک سو نوے گز کا ہے اور آنکھیں اس کی مثلِ تنور روشن ہیں اور لشکر بھی اس کے پاس بے حساب ہے، اور راہ ایسی تنگ ہے کہ دو آدمی برابر جا نہیں سکتے اور دو رویہ زمین سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ امیر نے ان باتوں کا کچھ خیال نہ کیا اور نیستان کی طرف روانہ ہوئے۔ جب امیر اس مقام پر پہنچے، لشکر امیر کا تاب نہ لا سکا، آگ کی گرمی سے لوگ مرنے لگے۔ اس وقت امیر نے کمند خواجہ خضر کی نکال کر زمین پر ڈالی اور فرمایا کہ اس کے سرے کو پکڑ کے چلے آؤ۔ راوی لکھتا ہے کہ تمام سپاہ امیر کی مع مرکب جل گئی، ایک شتر پر ایک پہلوان اور تین سو سپاہی کمند کو پکڑ کے اس دریائے آتش سے پار ہوئے۔ بارے بہ ہزار خرابی بصرہ امیر متصل شہر کے پہنچے۔ نیستانِ سنگ انداز خونخوار، جو وہاں کا بادشاہ تھا، امیر کے آنے کی خبر سن کر مع سپاہ شہر سے باہر آیا۔ امیر نے دیکھا کہ ہر سپاہی کے گلے میں ایک توبڑا پتھروں سے بھرا ہوا بندھا ہے۔ امیر کو دیکھ کر ایک سرے سے سب پتھر مارنے لگے۔ امیر کے ساتھ جو تین سو سپاہی پہنچے تھے، وہ بھی حریف کے ہاتھوں سے سنگسار ہوئے۔ امیر تلوار کھینچ کر اس طرح سے اس کی فوج میں گھسے جیسے شیر بکریوں کے گلے میں گھستا ہے اور دونوں ہاتھ سے تلواریں مارنے لگے۔ یہاں تک خونخوار مارے گئے کہ ان کے خون سے ایک دریا بہنے لگا۔ آخرالامر نیستان سنگ انداز خونخوار نے آ کر امیر کے سر پر گرز مارا۔ امیر نے اس کو خالی دیا۔ جب وہ گرز اٹھانے لگا، امیر نے جست کر کے ایک تلوار ایسی لگائی کہ اس کے دونوں پاؤں رانوں سے کٹ کر گر پڑے۔ امیر نے دوسرا ہاتھ اور لگا کر اس کو جہنم واصل کیا، اور

بقیۃ السیف جو قلعہ بند ہوئے تھے ان کو آگ لگا کر جلا دیا، اور فرمایا کہ میں نے بزرجمہر سے سنا ہے کہ ستر یاروں سمیت ظلمات سے باہر نکلوں گا اور اب اکہتر آدمی میرے ساتھ ہیں۔ دیکھا چاہیے کہ ان میں سے کس کی قضا ہے۔ یہ کہہ کر بہت مغموم ہوئے۔

راوی لکھتا ہے کہ امیر نے گاولنگی سے کہا کہ اے دوست، لاکھ سوار پیدل میرے ساتھ تھے، منجملہ ان کے یہ اکہتر آدمی بچے ہیں، باقی سب کام آئے۔ اب بتاؤ کہ آگے اس سے کون شہر ہے؟ گاولنگی نے کہا کہ یہاں سے چند منزل پر اردبیل ہے اور اس کے حاکم دو بھائی ہیں، اردبیل پیل دنداں و مرزبان پیل دنداں، اور اس کے آگے زردہشت جادو کا طلسمات ہے۔ امیر اردبیل کی طرف روانہ ہوئے۔ چند روز کے عرصے میں منزلِ مقصود پر پہنچے۔ اردبیل پیل دنداں و مرزبان پیل دنداں کو خبر ہوئی کہ حمزہ نامی پہلوان کسی ملک سے آیا ہے۔ دونوں بھائی لشکر لے کر میدان میں آئے اور رجز خوانی کرنے لگے۔ امیر مسلح ہو کر ان کے سامنے گئے۔ اردبیل نے چھوٹتے ہی امیر پر حملہ کیا اور چاہا کہ دانتوں سے امیر کو زخمی کرے۔ امیر نے تلوار کھینچ کر اس کی گردن پر ماری۔ سر اس کا بھٹا سا تن سے اڑ گیا۔ مرزبان پیل دنداں اپنے بھائی کو مرا دیکھ کر امیر پر دوڑا۔ امیر نے اس کو بھی ایک ہی وار میں ٹھنڈا کیا اور ان کی فوج کو قتل کر کے وہاں سے کوچ کیا۔

کئی دن میں زردہشت جادوگر کے طلسمات میں پہنچے۔ ایک چار دیواری بے در نظر آئی اور اندر اس کے ایک گنبد تھا بلند، کہ باہر سے دکھائی دیتا تھا اور اس گنبد سے آواز رقص و سرود کی آتی تھی۔ امیر نے گاولنگی سے فرمایا کہ اس کے اندر کچھ آدمی معلوم ہوتے ہیں کہ آواز گانے بجانے کی آتی ہے۔ گاولنگی نے عرض کی کہ یہاں آدمی کا کیا ذکر ہے، یہ طلسمات ہے، اس میں سے اسی طرح آواز آیا کرتی ہے۔ امیر نے فرمایا کہ ہم سب میں تم طویل القامت ہو، دیکھو تو کہ معاملہ کیا ہے۔ گاولنگی نے جو دیوار سے جھانک کر دیکھا، بے اختیار نعرہ مار کے کود پڑا۔ امیر نے لندھور سے کہا کہ ذرا تم تو دیکھو، گاولنگی کس شے کو دیکھ کر نعرہ مار کے چار دیواری کے اندر کود پڑا؟ لندھور جو جھانکا، وہ بھی ہنستے ہنستے چار دیواری کے اندر کودا۔ الغرض جو گیا وہ کھیت رہا، فقط عمرو و امیر رہ گئے۔ عمرو نے کہا کہ اگر حکم ہو تو میں منھ پر کپڑا لپیٹ کے جھانکوں، دیکھوں کہ اس کے اندر کیا ہے کہ دیکھنے والا بے اختیار ہو کر احاطے کے اندر کود پڑتا ہے۔ امیر نے کہا کہ اچھا دیکھو، مگر بہت ہوشیاری سے۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی یاروں کے پاس پہنچو۔ عمرو بولا کہ کمال ہے! کوئی معشوقہ احاطے کے اندر ہو گی، یار لوگ اس کو دیکھ کر کود پڑے۔ میں تو کچھ عاشق تن نہیں ہوں کہ اس پر شیفتہ ہو کر کود پڑوں گا۔ یہ کہہ کر دیوار پر چڑھا اور بدستورِ یارانِ دیگر قہقہہ مار کے کود پڑا۔ امیر تنہا رہ گئے۔ بے اختیار یاروں کے لیے رونے اور مناجات کرنے لگے۔

اتفاقاً اسی عالم میں آنکھ لگ گئی دیکھتے کیا ہیں کہ آسمان پر سے ایک تخت اترا اور اس پر ایک بزرگ

بیٹھے ہوئے ہیں۔ امیر سلام کر کے رونے لگے۔ ان بزرگ نے کہا کہ اے فرزند، روتا کیوں ہے، مرغِ سفید جو گنبد پر بیٹھا ہے اس کو تیر سے مار، طلسم فتح ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر تخت تو آسمان کی طرف اڑ گیا اور امیر کی آنکھ کھل گئی۔ امیر دیکھیں تو واقعی گنبد پر ایک مرغِ سفید بیٹھا ہوا ہے۔ امیر نے جو اس کو ہدفِ تیر کیا وہ مرغ زمین پر گرا، طلسم ٹوٹ گیا۔ یار لوگ جو اس کے اندر تھے خود رفتگی سے آپ میں آئے اور امیر کے قدموں پر گرے۔ امیر نے سب کو چھاتی سے لگایا اور خدائے عزّ وجل کا شکر ادا کیا۔ یاروں سے جو سبب کودنے کا اس احاطے میں پوچھا، سبھوں نے کہا کہ ایک ایسی پاکیزہ صورت دکھائی دیتی تھی کہ اس کو دیکھ کر ہم ماسوا سے بے خبر ہو جاتے تھے اور احاطے میں کود پڑتے تھے۔ امیر نے فرمایا کہ گنبد کے دروازے کو کھولو، دیکھوں تو کہ اس کے اندر کیا ہے۔ ہر چند سبھوں نے زور کیا مگر گنبد کا دروازہ نہ کھلا۔ آخر امیر نے اس دروازے کو توڑا۔ اندر جا کر دیکھا کہ چھت میں ایک تابوت لٹکتا ہے۔ تابوت کو اتارا تو دیکھا کہ زردہشت جادوگر کی لاش اس میں رکھی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ابھی سویا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ تابوت میں اس کے پاس کچھ اور بھی ہوگا، بغور دیکھا چاہیے۔ عمرو نے جو تلاش کیا تو ایک کتاب جادو کی ملی۔ امیر نے اس کو مع کتاب جلا دیا، مگر عمرو نے کئی ورق اس کے نکال رکھے تھے کہ وہی جادو اب تک دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔

القصہ، جب امیر زردہشت جادوگر کی لاش مع کتاب جلا چکے، طلسمات کے کنارے آئے اور یاروں سے فرمایا کہ یہ مقام بہت خطرناک ہے، سب کے سب یکبارگی نہ سوؤ، چوکی دینا ضرور ہے۔ یہ کہہ کر پہلی چوکی عمرو معدی کرب کی، دوسری چوکی مالک اشتر کی، تیسری چوکی ملک لندھور کی، چوتھی چوکی اپنی امیر نے مقرر کی۔ عمرو معدی کرب جو چوکی دینے بیٹھا، ایک ہرن سامنے سے نظر آیا۔ اس نے اس کو شکار کیا اور صاف کر کے گوشت اس کا پکانے لگا۔ جب گوشت تیار ہوا، ایک ضعیفہ پیدا ہوئی اور معدی کرب پر دانت پیسنے لگی۔ معدی کرب نے کہا کہ او بڑھیا، سچ کہہ، تو کون ہے اور مجھ پر دانت کیوں پیستی ہے، نہیں تو ابھی تجھ کو قتل کروں گا۔ تب تو وہ بہ عاجزی کہنے لگی کہ اے فرزند، میں ایک سوداگر کی جورو ہوں۔ اس کو تو شیر نے مارا، میں اس جنگل میں حیران و پریشان پھرتی ہوں۔ آج چار روز ہوئے ہیں کہ ایک دانہ اناج کا آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ اگر تھوڑا سا گوشت مجھ کو دیوے تو میں کھا کر تیرے حق میں دعا کروں۔ عمرو معدی کرب کو اس پر رحم آیا، گوشت اس کے دینے کے لیے دیگچی سے نکالنے لگا۔ اس بڑھیا نے کود کر ایسا طمانچہ معدی کرب کو مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ بعد ایک ساعت کے جو ہوش آیا، دیکھا کہ دیگچی خالی پڑی ہے۔ اس میں پہر رات گذر گئی۔ معدی کرب مالک اشتر کو جگا کر سو رہا۔ مالک اشتر نے خالی دیگچی دیکھ کر کہا کہ اس شکم بزرگ نے گوشت پکا کر تنہا خوری کی، ہم کو شریک نہ کیا۔ وہ بولا کہ میں بھوکا تھا، اس لیے میں نے کھا لیا، اگر تجھ کو بھی بھوک ہو تو شکار کر

کے تو بھی پکا کھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مالک اشتر کے سامنے بھی ایک ہرن آیا۔ مالک اشتر نے شکار کر کے گوشت اس کا پکایا۔ ہر گاہ وہ گوشت پک چکا، وہی بڑھیا پھر آئی اور زار نالی کر کے گوشت مانگنے لگی۔ مالک اشتر نے بھی رحم کھا کر چاہا کہ گوشت اس کو دیگچی سے نکال کر دیوے، اس بڑھیا نے لپک کر طمانچہ مارا۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا، بڑھیا گوشت کھا کر چلتی ہوئی۔ جب مالک اشتر ہوش میں آیا، ملک لندھور نے پہرہ بدلوایا۔ لندھور نے خالی دیگچی چولھے پر دیکھ کر کہا کہ کیوں مالک اشتر، تو نے گوشت پکایا اور آپ ہی آپ کھایا، ہم کو ایک پارچہ بھی نہ دیا۔ مالک نے کہا کہ یار، گوشت تھوڑا تھا، میرا بھی پیٹ نہیں بھرا، میں تجھ کو کیا شریک کرتا۔ شکار یہاں کثرت سے ہے، تو بھی شکار کر کے گوشت پکا، کھا۔ لندھور نے بھی ایک ہرن شکار کر کے گوشت اس کا پکایا۔ پھر اسی بڑھیا نے آ کر لندھور کو تو طمانچہ مار کے بے ہوش کر دیا اور وہ گوشت نکال کر کھا کے چلی گئی۔ جب لندھور کو ہوش آیا، معدی کرب و مالک اشتر نے کہا کہ ایسی ہی تنہا خوری ہم نے بھی کی تھی جیسی تم نے کی۔ لندھور بولا کہ اگر تم مجھ سے کہہ دیتے تو میں کیوں فریب کھاتا۔ معدی کرب و مالک بولے کہ چلو، جو ہونی تھی سو ہوئی، اب چپکے ہو رہو۔ امیر کو جگا دو۔ دیکھو تو امیر سے اور بڑھیا سے کیسی بنتی ہے۔ لندھور نے کہا کہ امیر کا دغا کھانا گوارا نہیں ہے۔ معدی کرب بولا کہ امیر کبھی دغا میں نہ آئیں گے۔ آپس میں یہ باتیں کر کے امیر کو جگا دیا۔ امیر نے بھی اپنی چوکی میں شکار کیا اور گوشت پکانے لگے۔ بڑھیا کو مزہ پڑا ہوا تھا، جس وقت گوشت پک چکا، امیر کے روبرو بھی آن کر وہی راگ گانے لگی۔ امیر کو جو اس کے منہ سے گوشت کی بو محسوس ہوئی، دل میں سوچے کہ یہ طلسمات ہے، خدا جانے یہ بڑھیا کون بلا ہے۔ ایک ہاتھ میں تلوار لے کر دوسرے ہاتھ سے گوشت نکالنے لگے۔ بڑھیا نے امیر کو بھی طمانچہ مارنے کا قصد کیا، امیر نے ایک تلوار جو ماری، سر اس کا تن سے جدا ہو کر زمین پر گرتے ہی ایک طرف کو دوڑا۔ امیر نے اس کا تعاقب کیا۔ دیکھا کہ وہ سر لوٹتے لوٹتے ایک کنویں میں اتر گیا۔ امیر اس کنویں کے اوپر کھڑے ہو گئے۔ یار بھی امیر کے پاس پہنچے۔ امیر نے فرمایا کہ سپر کو کمند میں باندھو کہ میں اس کے اندر اتروں۔ عمرو بن امیہ بولا کہ میں اپنے ہوتے آپ کو کاہے کو کنویں کے اندر اترنے دوں گا؟ آپ کنویں کی جگت پر کھڑے رہیں، میں اندر جا کر خبر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر عمرو کمند کے سہارے سے کنویں میں اتر گیا۔ دیکھا کہ وہ سر سونے کے طباق میں ایک معشوقۂ چاردہ سالہ کے سامنے رکھا ہوا ہے اور وہ معشوقہ رو رو کر کہہ رہی ہے کہ میں نے منع کیا تھا کہ تو حمزہ کے نزدیک نہ جانا! آخر میرا کہنا نہ مان کر جان اپنی گنوائی۔ عمرو نے یہ سن کر بہ کمال چالاکی چار حلقے کمند کے اس پر ڈال کے باندھ لیا اور کنویں سے نکل کر مع سر اس کو امیر کے سامنے حاضر کیا اور جو کچھ اس معشوقہ سے سنا تھا وہ بھی بیان کیا۔ امیر نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے اور یہ بڑھیا کون تھی؟ وہ بولی کہ میں زردہشت کی بیٹی ہوں اور یہ بڑھیا اس کی ماں تھی۔ امیر نے پھر پوچھا

کہ تو اکیلی ہے یا تیرے اور بھی کوئی ہے؟ اس نے کہا کہ دو بہنیں میری اور بھی ہیں۔ وہ طلسمات میں مع لشکر رہتی ہیں۔ وہ بھی اس بڑھیا کے مرنے کی خبر پا کر آویں گی اور مقدور بھر عرصہ زندگی کا تم پر تنگ کریں گی۔ امیر نے اس کو عمرو کے حوالے کر کے فرمایا کہ اس کو حفاظت سے رکھو۔

وہ رات تو گذر گئی، فجر کو جوق در جوق لشکر جادوگروں کا اسی کنویں کے اندر سے نکل کر میدان میں اترا۔ اور اس لشکر کی سردار زردہشت کی دو بیٹیاں تھیں، ایک کا تو نام گل رخ تھا اور دوسری کو فرخ کہتے تھے، اور ان کی ایک دایہ جادوگری میں فی الشل تھی۔ انھوں نے اسی دایہ کو جادو کرنے کے واسطے حکم دیا۔ ایک دن امیر نے اسی لڑکی کو جو عمرو کی قید میں تھی، طلب کر کے پوچھا کہ بہنیں تیری کیا مجھ سے لڑیں گی؟ وہ بولی کہ آپ سے لڑنے کی طاقت ان میں کہاں ہے، مگر جادو البتہ کریں گی اور بزورِ سحر بلاشبہ آپ پر قادر ہوں گی۔ امیر نے عمرو سے فرمایا کہ تم اس سے بجائے خود دریافت کرو کہ جادو کیا شے ہے اور کیونکر کرتے ہیں؟ عمرو اس کو اپنے مکان پر لے آیا اور ہر چند پھسلا پھندلا کے پوچھا مگر اس نے کچھ نہ بتایا۔ آخرش عمرو نے تنگ ہو کر اس کو مار ڈالا اور امیر سے آ کر کہا کہ میں نے ہر چند دم دلاسے دے کر اس سے پوچھا لیکن اس نے کچھ نہ بتایا، تب میں نے ناچار ہو کر اسے مار ڈالا۔ امیر نے کہا کہ ناحق تو نے اس کو مارا، شاید فقرے میں آ کر بتا دیتی۔ عمرو نے عرض کی کہ یا امیر، وہ بڑی خام پارہ تھی۔ میں نے کس کس طرح اس کو نہیں دم دیا مگر اس نے نہ بتانا تھا نہ بتایا، اس لیے میں نے اس کو مار ڈالا کہ مبادا اس سے بھی کوئی ضرر پہنچے۔ باقی رہا حال کا دریافت کرنا، میں آپ کو دریافت کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر جادوگروں کے لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں ایک سوار جادوگروں کے لشکر کا ملا۔ اس نے چاہا کہ عمرو کو پکڑ لیوے۔ عمرو کود کر اس کے شانے پر چڑھ بیٹھا اور حلق کو اس کے فشار دے کر مار ڈالا اور آپ اس کی صورت بن کر جادوگروں کے لشکر میں گیا۔ جب رات ہوئی تب چوکی کے لوگوں کے ساتھ فرخ کے پلنگ کی چوکی دینے کے واسطے گیا۔ اتفاقاً ایک جادوگر نے فرخ سے آ کر کہا کہ آج کئی دن ہوئے ہیں دایہ حمزہ کے لشکر پر جادو کرنے گئی ہے، مگر اب تک اس کا کچھ اثر معلوم نہ ہوا۔ فرخ بولی کہ کل شام تک جادو تیار ہو گا۔ دیکھو گے کہ حمزہ کے لشکر میں کیسی تباہی پڑے گی۔ عمرو نے صبح کو آ کر امیر سے بیان کیا۔ امیر نے فرمایا کہ کوئی ایسی تدبیر ہوتی کہ اسی کے لشکر پر اس کا جادو الٹ جاتا۔ عمرو نے عرض کی کہ وہ مردار آپ کے لشکر کے پیچھے سحر تیار کر رہی ہے۔ کل شام تک تیار ہو گا۔ میں جا کر اس قحبہ کو پکڑ لوں گا اور اس کا جادو اسی کے لشکر پر الٹ دوں گا۔

بارے وہ دن تو گذرا، دوسرے دن عمرو عصر کے وقت جادوگروں کا لباس پہن کر ایک صراحی شرابِ بیہوشی آمیختہ کی لے کے دایہ کے پاس گیا اور کہا کہ فرخ نے مجھ کو بھیجا ہے کہ تین دن سے تم کیا کرتی ہو؟ ہنوز

کچھ جادو کا اثر حمزہ کے لشکر پر نہیں ہوا۔ اور یہ صراحی شراب کی آپ کے واسطے بھیجی ہے۔ وہ بولی کہ بیضہ جادو کا تیار ہو چکا ہے، آفتاب جس دم غروب ہوگا، اس دم تماشا دکھائی دے گا کہ حمزہ کے لشکر کا کیا حال ہوا۔ یہ کہہ کر صراحی منھ سے لگا کے غٹ غٹ پی گئی۔ شراب کا حلق کے نیچے اترنا تھا اور دایہ کا بے ہوش ہونا تھا۔ عمرو بن امیہ نے اس کو توجیتا ایک گڑھے میں گاڑ دیا اور بیضہ و شیشہ لیکر امیر کے پاس آیا اور کہا کہ اسی شیشہ و بیضہ میں دایہ نے جادو بھرا ہے، سو اب میں جا کر گل رخ وفرخ کے لشکر پر مارتا ہوں۔ امیر نے فرمایا کہ جلدی کرو۔ عمرو نے جادوگروں کے لشکر میں جا کر پہلے تو بیضے کا مواد ان کے لشکر پر چھوڑ کے تمام خیمہ وخرگاہ کو جلا دیا، بعد ازاں شیشے میں جو کچھ بھرا تھا اس کو انڈیلا۔ اس قدر بارش ہوئی کہ تمام لشکر جادوگروں کا مع گل رخ وفرخ تہہِ آب ہوا۔ نام کو کوئی زندہ نہ رہا۔

چند روز امیر اس نواح میں مشغولِ سیر وشکار رہے، ایک دن گاولنگی سے پوچھا کہ اب جو اور بلا باقی ہو اس کو بھی بتایا چاہیے۔ وہ بولا کہ باختر سے ظلمات تک جتنا فتنہ وفساد تھا سب دفع ہوا، اب رخام میں چل کر چندے استراحت فرمایئے۔ امیر وہاں سے کوچ کر کے رخام میں آئے۔ گاولنگی نے بہ کمال تکلف امیر کے واسطے جشن مرتب کیا۔ بعدِ انفراغِ جشن شکار کھیلنے کو شہر سے نکلے کہ ناگہاں ایک ہرن بدیع الزماں نے دیکھا۔ چاہا کہ اس کو صید کریں۔ ہرن چوکڑیاں بھرتا ہوا آگے کو چلا اور بدیع الزماں نے اس کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ تھوڑی دور جا کر ایک حوض میں ہرن کود پڑا۔ بدیع الزماں نے بھی اپنے گھوڑے کو اس حوض میں ڈالا۔ امیر بھی یاروں سمیت اس حوض میں کود پڑے۔ آنکھ کھول کر جو دیکھا تو ایک میدان وسیع نظر آیا۔ ہر چند اِدھر اُدھر بدیع الزماں کو تلاش کیا لیکن ٹھکانا نہ لگا۔ امیر نے آبدیدہ ہو کر یاروں سے فرمایا کہ ستّر آدمی رہ گئے! اکہتر ویں بدیع الزماں تھے، جو غائب ہوئے۔ حیف ہے کہ تازہ سوراخ میرے کلیجے میں اور ہوا۔ یاروں نے بجائے خود امیر کو سمجھا کر کہا کہ یا امیر، تقدیر سے کوئی ستیزہ نہیں کر سکتا ہے، سوائے مرہم صبر کے اس زخم کا علاج نہیں ہے۔ امیر نے سوائے صبر وشکر کے کچھ دم نہ مارا۔

روانہ ہونا امیر کا مکہ معظّمہ کی طرف اور شہید ہونا رکابِ ظفر انتسابِ سرورِ کائناتؐ میں اور اختتامِ داستان

راویانِ سخن سنج اس داستانِ دلچسپ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب امیر کو کسی قدر صبر آیا، گاولنگی نے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میں تجھ کو پیغمبرِ آخر الزّماںؐ کا قدم بوس کراؤں گا۔ بس اب مکے کی طرف تشریف لے چلیے۔ امیر گاولنگی اور یاروں کو ہمراہ لے کر مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ ہرگاہ قضاو قدر میں پہنچے، سریال بن دال استقبال کر کے امیر کو اپنے مکان پر لے گیا اور حقِ مہمانداری ادا کیا۔ کئی دن کے بعد سریال کے باپ نے رحلت کی۔ امیر نے اس کو تجہیز و تکفین کر کے سریال کی تشفی کی اور تخت پر اس کو بٹھا کر مکہ کی طرف راہی ہوئے۔ چند روز میں مسافتِ راہ طے کر کے مکہ کے متصل پہنچے۔ گاولنگی اور تمام یارانِ حمزہ جنابِ رسول خداؐ کے قدم بوس ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ایک دن جنابِ پیغمبر خداؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک اعرابی نے آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہؐ، مصر و روم و شام کے کفار جمع ہو کر بہ ارادۂ فاسد آئے ہیں۔ حضرت نے پہلے امیر حمزہ کو مع دیگر اصحاب کوہِ بوقبیس پر بھیجا، بعد ازاں خود تشریف لے گئے۔ کفار نے صف آرائی کی۔ امیر نے گاولنگی کو میدان کی رخصت دی۔ ایک کافر قوی ہیکل گاولنگی کے سامنے آیا۔ گاولنگی نے اس کو زمین سے اٹھا کر اس قدر چرخ دیے کہ وہ نیم جاں ہو گیا۔ جب زمین پر دے مارا، رمقِ جان جو باقی تھی بدن سے نکل گئی۔ دوسرا کافر آیا، اس کا بھی یہی حال ہوا۔ اسی طرح سے چند کافر گاولنگی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ لشکرِ کفار ایسا خائف ہوا کہ کوئی گاولنگی کے سامنے نہ آیا۔ آخر شاہزادۂ ہند نے، کہ پورہندی اس کا نام تھا، گھوڑا اپنا میدان میں نکالا اور گاولنگی کے مقابل آ کر ایسا نیزہ سینے پر مارا کہ گاولنگی کی پشت سے نکل گیا اور اسی ضرب سے گاولنگی جاں بحق تسلیم ہوئے۔ امیر اس

کے واسطے بہت متاسف ہوئے اور طیش کھا کر خود اس کے مقابل ہوئے۔ پور ہندی بولا کہ اے بوڑھے، تو کیوں اپنی جان دینے آیا ہے؟ یہاں جوانوں کا تو حوصلہ مجھ سے مقابل ہونے کا ہوتا ہی نہیں ہے۔ بہر حال، تو اپنا نام بتا کہ بے نام ونشان مارا نہ جاوے۔ امیر نے فرمایا کہ اے بیہودہ گو، نام میرا امیر حمزہ بن عبدالمطلب ہے۔ وہ بولا کہ میں نے سنا تھا حمزہ باختر کی طرف گیا ہے۔ امیر نے فرمایا کہ سچ ہے، وہاں سے آئے ہوئے چند روز مجھ کو ہوئے ہیں۔ ہاں لا، کیا حربہ رکھتا ہے؟ پور ہندی نے نیزہ امیر پر راست کیا۔ امیر نے قبضہ پکڑ کے نیزہ چھین لیا اور وہی نیزہ اس کے جگر پر مارا کہ پشت سے نکل گیا اور پور ہندی گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ امیر نعرہ کر کے اس کے لشکر پر گرے اور بہت سے کفار مارے۔ کفاروں نے امیر کو پہچان کر راہِ فرار لی۔ جناب رسالت مآبؐ امیر کو لے کر مظفر ومنصور مکہ میں آئے۔

راوی لکھتا ہے کہ پور ہندی کی ماں اپنے بیٹے کی سنائی سن کر شاہانِ ہند وروم وشام وچین وحبش وزنگبار وترکستان کو مع فوجِ جرار لے کر مدائن میں آئی اور ہرمز سے داد بیداد کی۔ ہرمز بھی مع لشکر اس کے ساتھ ہوا۔ ہرگاہ یہ سب فوجیں مکہ کے متصل پہنچیں۔ جنابِ رسالت پناہیؐ نے سن کر فرمایا کہ حمزہ میرا چچا ان فوجوں کا قلع قمع کرنے کے واسطے اکیلا کافی ہے۔ چونکہ آنحضرتؐ نے پہلے کلمۂ انشاء اللہ تعالیٰ آشنائے زبان نہ کیا تھا، جنابِ احدیت کو ناگوار ہوا۔ جب آنحضرتؐ اصحاب کو لے کر کفار سے مقابل ہوئے، ہرمز نے اپنے لشکر سے کہا کہ ایک ایک کر کے ان عربوں سے نہ لڑو، بالاتفاق ان پر گرو اور ہاتھوں ہاتھ مار لو، والّا ان پر غالب نہ ہو گے۔ ہرمز کا لشکر ایک بارگی اہلِ اسلام پر ٹوٹ پڑا۔ لندھور وسعد بن عمرو بن حمزہ ومعدی کرب وغیرہ، جتنے یار امیر حمزہ کے تھے سب شہید ہوئے، اور حضرت علی ابن ابی طالبؓ پر کفار تیر برسانے لگے، اور ایک کافر نے پتھر مار کر ایک دانت جناب رسالت مآبؐ کا شہید کیا۔ یہ خبر عمرو بن امیہ ضمیری نے امیر حمزہ کو دی۔ امیر مسلح ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور کافروں کو مارتے مارتے ہرمز تک پہنچے۔ ہرمز امیر حمزہ کو دیکھ کر تخت پر سے اتر کر بھاگا اور لشکر بھی اس کا مفرور ہوا۔ چار کوس تک امیر حمزہ نے ان کا تعاقب کیا اور جا بجا کشتوں سے پشتے باندھ دیے۔ ہرگاہ مظفر ومنصور مکہ کی طرف پھرے۔

اثنائے راہ میں ہندہ مادر پور ہندی نے، کہ کمیں گاہ میں مع فوج بیٹھی تھی، پیچھے سے آن کر ایک تلوار اشقر کے ایسی لگائی کہ چاروں پاؤں اس کے قلم ہو گئے۔ امیر حمزہ تو غافل تھے، مرکب کے گرتے ہی زمین پر آ رہے۔ اس خانہ خراب نے تلوارِ خون آشام زہر آلودہ امیر حمزہ کے سرِ مبارک پر ایسی لگائی کہ امیر کا سر تن سے جدا ہو گیا، اور امیر کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال کر کھا گئی اور جسم مبارک کے ستر ٹکڑے کیے۔ بعد ازاں نشۂ غفلت جو اترا، متردد ہوئی کہ قریشہ دخترِ امیر حمزہ جب اپنے باپ کی شہادت کی خبر سنے گی تو مع فوجِ دیوان و

جنات آ کر مجھ سے بدلہ لیوے گی۔ یہ سوچ کر جنابِ ختمی مآبؐ کے پاس جا کر پناہ لی اور اسلام قبول کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ میرے عمّ بزرگوار کی نعش مجھ کو دکھلا کہ وہ شیرِ خدا کہاں پڑا ہے۔ ہندہ نے حضرتؐ کو ہمراہ لے جا کر نعش امیر کی دکھائی۔ آنحضرتؐ نے امیر کے جسم کے ٹکڑے جمع کر کے ہر ٹکڑے پر جداگانہ نماز پڑھی، اور اس وقت انگوٹھوں کے بل حضرت کھڑے تھے۔ بعد دفن کرنے کے لوگوں نے انگوٹھوں کے بل کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا سبب پوچھا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بہ لحاظ اس کے میں اس طرح سے کھڑا تھا کہ فرشتوں کی کثرت سے میدان میں جگہ نہ تھی اور ملائکہ نے ہر ٹکڑے پر ستر مرتبہ نماز ادا کی۔ الآخر، حضرتؐ جب امیر کو دفن کر کے پھرے، ہندہ حضرتؐ کے سامنے آئی۔ حضرتؐ نے منہ اس کی طرف سے پھیر لیا۔ اس وقت وحی نازل ہوئی کہ اے حبیب میرے، حمزہ تو شہید ہوا، مگر آسمان کی طرف تو نظر کر۔ حضرتؐ نے سر اٹھا کر دیکھا کہ امیر حمزہ تختِ مرصّع پر بہشت میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حور و غلمان دست بستہ سامنے کھڑے ہیں۔ آنحضرتؐ نے تبسم کر کے دوگانہ شکریہ ادا کیا۔

کئی دن کے بعد قریشہ مع لشکرِ بے شمار آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے باپ کے قاتل کو طلب کیا۔ آنحضرتؐ نے مراتبِ امیر المومنین حمزہؓ کے دکھا کر فرمایا کہ اے قریشہ، اگر تیرا باپ شہید نہ ہوتا تو یہ مرتبہ نہ پاتا، پس اب تو انتقام سے باز آ۔ راوی لکھتا ہے کہ اسی وقت سورۂ جن نازل ہوئی۔ بارے قریشہ بموجبِ حکمِ آنحضرتؐ انتقامِ پدر سے باز آئی اور رخصت ہو کر اپنے ملک کو روانہ ہوئی۔ ایک قول تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جو بے کلمہ 'انشاء اللہ تعالیٰ کہے فرمایا تھا کہ اس فوج کے قلع و قمع کرنے کے واسطے میرا چچا اکیلا کافی ہے، جنابِ باری تعالیٰ کو یہ کلمہ ناپسند ہوا، اس سبب سے حمزہ کے جسمِ مبارک کے ستر ٹکڑے ہوئے اور آنحضرتؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے؛ اور دوسری روایت یہ ہے کہ ایک شب کو عائشہ صدیقہؓ اپنے پیراہن میں پیوند لگا رہی تھیں کہ آنحضرتؐ وارد ہوئے اور اتفاقاً چراغ گل ہو گیا اور سوئی کے ناکے سے دھاگا نکل گیا۔ امّ المومنینؓ کو کمال تردد ہوا۔ حضرت نے تبسم کیا۔ دانتوں کی روشنی میں حضرت عائشہؓ نے دھاگا سوئی میں پرو لیا۔ یہ بات جنابِ باری کو پسند نہ آئی کہ حضرت نے فرمایا کہ دیکھا تم نے، دانت میرے ایسے روشن ہیں کہ جن کی روشنی میں تم نے دھاگا سوئی میں پرو لیا۔ اس سے دانت آنحضرتؐ کے شہید ہوئے۔ اور اسی لڑائی میں حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے پاؤں میں پیکان ٹوٹ کر رہ گیا تھا۔ ہر چند جراح نے چاہا کہ پیکان کو زخم سے نکالے، مگر نکال نہ سکا۔ ہرگاہ حضرت نماز کے سجدۂ آخر میں گئے، جنابِ رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ اس وقت علیؓ کے پاؤں سے پیکان نکال لو۔ چند پہلوانوں نے اس پیکان کو زنبورک سے پکڑ کے نکالا اور حضرت علیؓ کو خبر نہ ہوئی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، لہو دیکھ کر پوچھا کہ یہ لہو کیسا ہے؟ اصحابوں نے حقیقتِ حال عرض کر

کے پوچھا کہ یا حضرت، آپ کو کیا خبر نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ لا واللہ لا خداوندا۔

بحقِ شہادتِ دندانِ مبارک محمد رسول اللہ و بہ تصدقِ زخمِ پاے مبارک و نماز و نیازِ علی ابن ابی طالب ؑ، اس مترجم و محرر کی عاقبت بخیر اور دنیا میں کسی کا محتاج نہ کرکے اپنے خزانۂ غیب سے حسبِ دلخواہ سرفراز کر اور راست و دروغ اس قصے کا راویانِ موجد سے متعلق کر۔ فقط

نواب مرزا امان علی خاں بہادر غالب لکھنوی نے دیباچے میں خود کو شہزادہ فتح حیدر خلف اکبر ٹیپو سلطان کا داماد تحریر کیا ہے۔ عبدالغفور خاں نساخ نے اپنے تذکرے ''سخنِ شعرا'' [تالیف: ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۵ء] میں غالب لکھنوی کو ''عظیم آبادی'' لکھا ہے۔ ممکن ہے غالب لکھنوی کا وطنِ اصلی عظیم آباد (پٹنہ) ہی ہو، بعد میں وہ لکھنؤ آ کر بس گئے ہوں اور اسی لیے ''لکھنوی'' کہلائے۔ نساخ کے مطابق غالب لکھنوی کافی عرصہ ''ڈپٹی کلکٹر'' رہے اور وہ پہلے ہندو تھے، بعد میں مسلمان ہو گئے۔ نساخ نے غالب لکھنوی کا ذکر زندہ شخص کے طور پر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''سخنِ شعرا'' کی تکمیل ۱۲۸۱ھ (۶۵۔ ۱۸۶۴ء) تک غالب لکھنوی زندہ تھے اور کلکتہ میں مقیم ہو چکے تھے۔ حکیم سید احمد اللہ ندوی نے ''تذکرۂ مسلم شعرائے بہار'' [جلد سوم، ص۔ ۱۷۷] میں غالب لکھنوی کو مرزا محمد حسن قتیل کا شاگرد لکھا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی اردو کے ممتاز نقاد اور فکشن نگار ہیں۔ ان کی زیرِ ادارت ادبی جریدہ شب خون سنہ ۱۹۶۵ء سے ۲۰۰۵ء تک شائع ہوتا رہا۔ ان کی اہم اور مرکزی حیثیت کی حامل ادبی خدمات میں شعر شور انگیز، اردو کا ابتدائی زمانہ، ساحری شاہی صاحبقرانی، سوار (افسانے) اور کئی چاند تھے سرِ آسماں (ناول) شامل ہیں۔

رفاقت علی شاہد لاہور میں ۱۰؍ جون ۱۹۶۶ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم لاہور ہی سے مکمل کی۔ ایف اے اور بی اے ایف سی کالج سے اور ایم اے، پی ایچ ڈی کی سندیں پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ کلاسیکی اردو ادب خاص طور پر اردو قصے اور داستانیں، اردو گلدستے قدیم اردو صحافت اور قدیم شعرا و شاعرات کی تحقیق ان کے خصوصی موضوعات ہیں۔ ''تحقیق شناسی'' (لاہور، ۲۰۰۳ء اور ۲۰۱۰ئ) ''اردو مخطوطات کی فہرستیں رسائل میں'' (جلد اوّل، لاہور، ۲۰۰۰ئ)، ''صحیفہ۔ کتاب ۱۸۵۷ئ'' (لاہور، ۲۰۰۹ئ)، ''ڈاکٹر تحسین فراقی (کتابیات)'' اور پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان ''انیسویں صدی میں اردو گلدستے۔ تاریخ و تحقیق'' ان کی نمایاں تصانیف و تالیفات ہیں۔ اس کے علاوہ کلاسیکی ادب پر ان کے تیس سے زیادہ تحقیقی اور دو درجن کے قریب عام مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ''نوادر'' (لاہور۔ شمارہ اوّل تا سوم) اور صحیفہ (لاہور۔ شمارہ ۱۸۴ تا ۱۸۸) کے مدیر بھی رہے ہیں۔

ایڈیٹر: اجمل کمال

داستانِ امیر حمزہ

داستانِ امیر حمزہ اردو زبان کی سب سے زیادہ مقبول داستان ہے۔ غالب لکھنوی کی تالیف کردہ داستانِ امیر حمزہ پہلی مرتبہ ۱۸۵۵ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔ یہ داستان اپنے بیانیے کی خوبیوں کی بنا پر، اردو نثر میں دستیاب دوسری تمام داستانوں میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ امتداد زمانہ سے یہ ضخیم داستان نایاب رہی اور ڈیڑھ صدی سے زائد مدت گزر جانے کے بعد اس کی اشاعتِ ثانی ہو رہی ہے۔

OXFORD
UNIVERSITY PRESS

www.oup.com
www.oup.com/pk

ISBN 978-0-19-906001-6
9 780199 060016
RS 995